تفسیر مظہری
تالیف
ترجمہ
ضیاء القرآن پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر مظہری جلد سوم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ـــ کراچی ـــ پاکستان

نام کتاب	تفسیر مظہری (جلد سوم)
تالیف	حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ
	مولانا محمد انور مگھالوی
	فضلاء دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تعداد	ایک ہزار
اشاعت	دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)
کمپیوٹر کوڈ	1Z348

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

سورۃ المائدہ (۱)

آیاتہا ۱۲۰ — سورۃ المآئدۃ مدنیۃ ۵ — رکوعاتہا ۱۶

سورۂ مائدہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

"اے ایمان والو! پورا کرو عہدوں کو[لے] حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے بے زبان جانور[ے] سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمہیں[ے] نہ حلال سمجھو شکار[ے] کو جبکہ تم احرام باندھے[ے] ہو بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے[لے]۔"

لے عقد سے مراد پختہ وعدہ ہے۔ اس کا لغوی معنی دو چیزوں کو یوں جمع کر دینا کہ ان کا جدا ہونا مشکل ہو(1) زجاج نے کہا اس کا معنی موکد

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 2 (التجاریہ)

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے سورۂ مائدہ نزول قرآن کے اعتبار سے آخری سورت ہے، اس میں جو تم حلال پاؤ وہ حلال جانو جسے حرام پاؤ اسے حرام جانو۔ اسے امام احمد، امام نسائی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے آخر میں نازل ہونے والی سورۂ مائدہ اور فتح ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن کہا حاکم نے اس کو صحیح کہا ابو عبید نے اسے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا کہ سورۂ مائدہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی جبکہ آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان اپنی اونٹنی پر تشریف فرما تھے اس کا کندھا ٹوٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ مائدہ نزول کے اعتبار سے آخری سورت ہے۔ اس کے حلال کو حلال جانو اور اس کے حرام کو حرام جانو۔ ابو داؤد اور نحاس نے ابو میسرہ سے انہوں نے عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا۔ ابو داؤد نے ناسخ میں اور ابن منذر نے حسن سے نقل کیا ہے کہ سورۂ مائدہ میں کوئی آیت بھی منسوخ یعنی عبد بن حمید اور ابو داؤد نے اپنی ناسخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ سورۂ مائدہ میں کوئی آیت منسوخ نہیں مگر یہ آیت **یا ایها الذین امنو لا تحلوا شعائر الله و لا الشهر الحرام**۔ ابو داؤد نے اسے ناسخ میں روایت کیا حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اس سورت میں دو آیتیں منسوخ کی ہیں ایک آیت القلائد اور دوسری **فان جاؤک فاحکم بینهم** امام بیہقی نے شعب الایمان میں مقاتل بن حبان سے نقل کیا ہے کہ ہمیں مائدہ کی پہلی آیت کے بارے میں یہ خبر پہنچی کہ اس میں موجود عقود سے مراد وہ وعدے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اوامر میں سے حکم دیا یا جن کے بارے میں نہی کی نیز وہ وعدے جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان ہیں یا لوگوں کے آپس میں معاہدے ہیں۔

اس آیت سے احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب بیع ایجاب و قبول کے ساتھ مکمل ہو جائے تو پھر متعاقدین میں سے کسی کے لئے بھی اسے فسخ کرنے کی اجازت نہیں مگر جب کسی کی طرف سے خیار شرط ہو یا خیار رؤیت یا خیار عیب کی بنا پر وہ توڑ دے تو جائز ہے۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی کا یہ قول ہے کہ دونوں عقد کرنے والے جب تک مجلس میں ہیں انہیں عقد توڑنے کا اختیار ہے یا پھر بیع خیار والی ہوتی کیونکہ امام بخاری نے بعینہ یہ لفظ حضرت عبد اللہ بن عمر سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ حکیم بن حزام کی حدیث میں بھی اس طرح ہے جب خیار مجلس حدیث صحیح سے ثابت ہے تو علماء کا یہ قول ہے کہ جدا ہونے سے پہلے بیع کے مکمل ہونے کا قول کرنا اور خیار کے باطل ہونے کا قول کرنا قابل قبول تسلیم نہیں۔ جس طرح جب کسی نے خیار شرط کا ذکر کیا ہو تو خیار کی مدت ختم ہونے سے پہلے عقد مکمل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

ترین وعدہ ہے۔ وفا اور ایفاء سے مراد وعدہ کے مقتضی کو بجا لانا۔ ایفاء میں وفا کی بنسبت مبالغہ ہے۔ علامہ تفتازانی کا یہی قول ہے۔ حکم عام ہے جو ان سب وعدوں کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق سے آج تک انسانوں سے لئے جیسے امور کا مکلف بنانا، اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال جاننا اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جاننا بھی اس میں شامل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کے اوصاف بیان کرنے کا جو وعدہ لیا وہ بھی شامل ہے اس طرح لوگ آپس میں امانات، معاملات اور اس طرح کے جو معاہدے کرتے جن کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے وہ بھی اسی میں داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ وعدہ کرے تو اسے توڑ دے (1) یہ روایت متفق علیہ ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر سے حدیث مروی ہے جب اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال جاننا اور حرام کردہ چیزوں کو حرام جاننا شامل ہے تو اس کے پیچھے یہ کلام ذکر فرمایا۔

بہیمہ ہر زندہ کو کہتے ہیں جبکہ انعام چوپائے کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا بہیمہ چوپائے کو کہتے ہیں اور انعام اونٹ گائے اور بکری کو کہتے ہیں۔ ہر تعبیر کی صورت میں عام کو خاص کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ نحویوں کے نزدیک اسے اضافت لامی کہتے ہیں جب مضاف مضاف الیہ کی جنس سے ہو تو نحوی اسے اضافت منی کہتے ہیں۔ یہ بیضاوی کی وضاحت ہے وہ یوں بھی کرتے ہیں کہ جب مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان عموم من وجہ کی نسبت ہو جس طرح خاتم فضۃ امام بیضاوی اور کشاف کا کلام یہ شعور دلاتا ہے کہ یہ اضافت منی ہے واللہ اعلم۔ ان دونوں تاویلوں کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چوپاؤں کو حلال کرنے کا ارادہ فرمایا ہے جنہیں دور جاہلیت کے لوگوں نے اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ جس طرح بحیرہ اور سائبہ کلبی نے کہا ہے بہیمۃ الانعام سے وحشی چوپائے مراد ہیں جس طرح ہرن نیل گائے (2) اور اس طرح کے دوسرے جانور جو جگالی کرتے ہیں اور جن کی انیاب نہیں ہوتیں۔ اس صورت میں بہیمہ کی انعام کی طرف اضافت ملاقہ مشابہت کی وجہ سے ہوگی جس طرح لجین کی اضافت پانی کی طرف ہوتی ہے یعنی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہے۔ امام بغوی نے کہا ابوظبیان نے ابن عباس سے روایت کیا کہ بہیمۃ الانعام سے مراد جانوروں کی رحموں سے نکلنے والے بچے ہیں اسی کی مثل امام شعبی سے مروی ہے (3) اس تاویل کی بناء پر یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس بچے کو کھانا بھی جائز ہے جو اس کی ماں کے ذبح کرنے کے بعد مردہ حالت میں نکالا گیا ہو جبکہ وہ مکمل اعضاء کا ہو چکا ہو۔ امام شافعی امام احمد ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی فرمان ہے امام مالک نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے بال نکل آئے ہوں۔ امام بغوی نے کہا ہے کہ جب بچہ مکمل ہو چکا ہو اور اس کے بال نکل آئے ہوں تو اس کی ماں کو ذبح کرنے سے وہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔ اسی کی مثل سعید بن مسیب سے مروی ہے (4) امام ابو حنیفہ نے فرمایا بچے کے بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں بغیر ذبح کے بچہ کو کھانا حلال نہیں۔

امام شافعی اور آپ کے ہمنوا علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو ابو سعید خدری سے مروی ہے، کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اونٹنی کو ذبح کرتے ہیں یا گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں، کیا ہم اس کو پھینک دیں یا ہم اس کو کھائیں؟ فرمایا اگر چاہو تو کھا لو کیونکہ اس کی ماں کے ذبح میں اس کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے (5) اسے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ بچے کا ذبح اس کی ماں کے ذبح سے ہو جاتا ہے (6) اسے ابو داؤد اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ دار قطنی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچے کے بارے میں فرمایا اس کی ماں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 56 (قدیمی) 2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 3 (التجاریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 3 (التجاریہ)

4۔ ایضاً 5۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 391 (وزارت تعلیم) 6۔ ایضاً

کو ذبح کرنا ہی اس کو ذبح کرنا ہے۔ اس کے بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں۔ دار قطنی نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کا قول ہے۔(1)
امام شافعی اور آپ کے ہمنوا علماء نے فرمایا کہ بچہ ماں کا حقیقت میں جزء ہے کیونکہ وہ ماں کے ساتھ متصل ہے، کاٹے بغیر وہ ماں سے جدا نہیں ہوتا۔ وہ اس کی غذا سے غذا حاصل کرتا ہے اور اس کے سانس سے سانس لیتا ہے۔ جب یہ بچہ ماں کا جزء ہے تو ماں کا ذبح بچے کا ذبح بن جائے گا کیونکہ اس کو ذبح کرنا ممکن نہیں جس طرح شکار میں ذبح اضطراری جائز ہے۔
امام ابوحنیفہ نے فرمایا بچہ اپنی زندگی میں مستقل ہے، ماں کے مرنے کے بعد اس کی زندگی کا تصور ہوتا ہے، وہ خون والا حیوان ہے، ذبح کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خون اور گوشت میں امتیاز کیا جائے جو ماں کو زخم لگانے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ بچے سے خون نکالنے کا سبب نہیں۔ شکار میں زخم لگانے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں ناقص طور پر خون نکل جاتا ہے۔ اس لئے عذر کی صورت میں یہ کل کے قائم مقام ہو جائے گا۔ جب خون اور گوشت میں جدائی نہ ہو سکی تو دلیل قطعی سے مردار کی حرمت ثابت ہوگی اس لئے اخبار آحاد سے اس کی حلت ثابت نہ ہوگی۔ اس آیت میں بهيمة الانعام سے جنین کی تعبیر کرنا ظاہر نہیں اور نہ ہی استثناء مناسب ہے۔
ہے اسم متصل سے مراد مردار وہ جانور جنہیں ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جو بتوں کیلئے ذبح کیے گئے ہوں، دم گھٹنے سے مرنے والے چوٹ لگنے سے مر جانے والے جانور، جانور کا سینگ لگ جانے والے جانور جن کے کچھ حصہ کو جانوروں نے کھا لیا ہو یہ سب جانور بهيمة الانعام میں داخل تھے ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ جانور اپنی موت سے مرے یا اسی قسم کے عوارض سے مرے اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اسم موصول سے مراد مذکورہ جانور ہیں اور مستثنیٰ منقطع ہے۔ تلاوت کی میتہ اور اس کے اخوات کی طرف نسبت مجازی ہے یا یہاں مضاف مقدر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوئی يُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيَةُ تَحْرِيمِه۔ اس صورت میں مجاز ظرف میں ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول سے مراد آیت ہو مضاف اسم موصول سے پہلے مقدر ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی محرم ما يتلى عليكم۔
سے الصید مصدر ہے، اسم مفعول کا احتمال رکھتا ہے اور غیر محلی کم کی ضمیر سے حال ہے، یعنی تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں اس حال میں کہ تم یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ احرام کی حالت میں شکار حلال ہے۔ چوپاؤں کو حلال سمجھنے کی قید اس حال میں کہ وہ شکار کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو ظاہر نہیں۔ صاحب کشاف نے یہ کہا غیر محلی الصيد کا معنی شکار سے رکنا ہے۔ گویا یوں فرمایا تمہارے لئے بعض جانور حلال کئے گئے ہیں اس حال میں کہ تم شکار سے رک جاتے ہو تا کہ تم پر معاملہ سخت نہ ہو جائے(2) اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ چوپاؤں کی حلت حالت احرام میں اس حالت کے ساتھ مقید نہیں کہ وہ شکار سے رک جاتے بلکہ وہ تمام احوال میں حلال ہیں یہ قید اس وقت درست نہیں ہو سکتی۔ اگر بهيمة الانعام سے مراد وہ جانور ہوں جو وحشی اور گھروں میں رکھنے والوں کو شامل ہوں تو یہ تفسیر پہلے معنی کی بناء پر ہوگی یا پھر وحشی چوپاؤں کے ساتھ خاص ہوگی۔ یہ تفسیر تیسرے معنی کی بناء پر ہے کہ شکار کی حلت کو احرام نہ ہونے کی حالت کے ساتھ مقید کر دیا گیا۔ پھر تقدیر کلام یہ ہوئی کہ سب چوپائے وحشی ہوں یا اہلی ہوں سب حلال ہیں مگر جو تمہارے لئے بیان کر دیئے گئے جبکہ تم احرام کی حالت میں شکار کی حلت کا اعتقاد نہ رکھتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ محلی الصید سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہو۔ گویا یوں فرمایا ہم نے تمہارے لئے تمام جانور حلال کر دیئے اس حال میں کہ تمہارے لئے شکار حلال نہیں کیا (حالت احرام میں)
ہے حرم احرام جمع ہے اور جملہ محلی الصید میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے اگر مضمر ضمیر مخاطبین کے لئے ہو۔ اس طرح اگر ضمیر اللہ جل شانہ

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 271-272 مطبوعہ دار المحاسن للطباعۃ قاہرہ
2۔ تفسیر کشاف، جلد 1، صفحہ 601 مطبوعہ مکتب الاعلام الاسلامی

کے لئے ہوتو جملہ حالیہ کے لئے واؤ ہی کافی ہے ضمیر ضروری نہیں یا یہ محذوف ضمیر سے حال ہے میری مراد الکم سے ہے۔ اس صورت میں محلی الصید میں ضمیر اللہ جل شانہ کے لئے ہوگی۔

لے کسی چیز کو حلال یا حرام یا دوسرے معاملات میں جو ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دیتا ہے، اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

ابن جریر نے عکرمہ اور سعدی سے اس طرح نقل کیا ہے کہ حکم بن ہند بکری مدینہ طیبہ آیا، اس کے پاس اونٹوں پر غلہ تھا، اس نے اسے بیچا پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کر لیا۔ جب وہ جانے لگا تو حضور ﷺ نے اسے دیکھا تو جو آدمی آپ کے پاس تھا اس سے فرمایا وہ فاجر چہرے کے ساتھ آیا تھا اور دھوکے باز کی حیثیت میں واپس جا رہا ہے۔ جب وہ یمامہ پہنچا تو مرتد ہو گیا اور ذی قعدہ میں اپنے اونٹوں پر کھانا لئے مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑا۔ جب حضور ﷺ کے صحابہ نے یہ سنا تو مہاجرین و انصار میں سے ایک جماعت نے اس پر حملہ کرنا چاہا(1) تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

"اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی لے اور نہ عزت والے مہینہ کی ٢ے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی ٣ے اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں ٤ے اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کئے ہوئے ہیں بیت حرام کا ٥ے طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل ٦ے اور (اس کی) رضا ٧ے اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو ٨ے اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض ٩ے بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام ١٠ے سے اس پر کہ تم زیادتی کرو ١١ے اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ١٢ے اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر ١٣ے اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ ١٤ے"

لے امام بغوی نے کہا یہ آیت حطم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا نام شریح بن ضبیعہ بکری ہے جو خود مدینہ طیبہ آیا۔ اپنا سوار دستہ مدینہ کے باہر چھوڑا اور اکیلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا آپ لوگوں کو کس کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی دعوت دیتا ہوں۔ کہنے لگا یہ تو بہت اچھی دعوت ہے لیکن میرے ساتھی ہیں جن کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ شاید میں مسلمان ہو جاؤں اور وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا۔ اس کے آنے سے پہلے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا تمہارے پاس ربیعہ قبیلہ کا ایک آدمی آئے گا جو شیطان کی زبان میں کلام کرے گا۔ پھر شریح آپ کے پاس آ نکلا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جھوٹے چہرے کے ساتھ آیا تھا اور عہد شکنی والی پشت کے ساتھ واپس جا رہا ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کے جنگل میں سے گزرا اور اونٹوں کا گلا ہانک کر لے گیا۔ صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔ جب اگلا سال آیا تو بکر بن وائل کے حاجیوں کے ساتھ یمامہ سے نکلا۔ جبکہ اس کے پاس بہت بڑا سامان تجارت تھا۔ اس نے اونٹوں کے گلے میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 39 (الامیریہ)

قلادے ڈال رکھے تھے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ عمل ہے جو ہم دور جاہلیت میں کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔(1)

واحدی نے کہا حطم یمامہ سے مدینہ طیبہ آیا۔ حضور ﷺ نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے اسلام قبول نہ کیا جب وہ مدینہ طیبہ کے جنگل سے گزرا، وہاں سے اونٹوں کا ریوڑ ہانک لیا۔ جس سال حضور ﷺ عمرہ کی قضاء کے لئے تشریف لے گئے تو اپنے یمامہ کے حجاج کے ساتھ اس کا تلبیہ سنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ حطم اور اس کے ساتھی ہیں۔ اس نے ان اونٹوں کو قلادہ پہنا رکھا تھا جو وہ ڈاکہ مار کر لے گیا تھا اور ھدی کے جانوروں کے طور پر مکہ مکرمہ لے گیا تھا(2) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا شعائر سے مراد مناسک حج میں مواقف ہیں(3) جیسے طواف کرنے کی جگہ، سعی کی جگہ، عرفات کا موقف، مزدلفہ کا موقف اور رمی جمار کرنا نیز وہ افعال جن سے حاجی پہچانا جاتا ہے جیسے احرام، طواف، حلق، قربانی دینا اور دوسرے امور ان کے حلال جاننے سے مراد یہ ہے کہ ان کی حرمت میں سستی کرے یا حاجیوں کے معاملات میں رکاوٹ پیدا کرے۔ ابھی مشرک بھی حج کرتے تھے اور قربانی کے جانور یہاں بھیجا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا۔

شعائر شعیرہ کی جمع ہے، جس کے ساتھ کسی کو پہچانا جائے اسے شعیرہ کہتے ہیں۔ اعمال حج اور مواقف کو شعائر اس لئے کہا کیونکہ وہ حج کی علامات ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا شعائر اللہ سے مراد ھدایا ہیں۔ اشعار شعار سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ اشعار کا معنی اونٹ کی کوہان میں تیز سے ایسی ضرب لگانا ہے جس کی وجہ سے خون بہنے لگے۔ یہ اس امر کی علامت ہو جاتی ہے کہ یہ قربانی ہے(4)

میں کہتا ہوں یہ تعبیر کرنے سے ہدایا اور قلائد کے ذکر میں تکرار لازم آئیگا۔

مسئلہ:۔ جب قربانی اونٹ ہو تو اسے اشعار کرنا سنت ہے۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف اور امام احمد کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا یہ مکروہ ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے جانوروں کے قلادے اپنے ہاتھوں سے بنائے۔ پھر آپ نے قلادے پہنائے انہیں اشعار کیا پھر جو چیز پہلے حلال تھی اب قربانی بھیجنے کی وجہ سے وہ حرام نہیں ہوگئی(5)

عطیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ تم احرام کی حالت میں شعار کو حلال نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا

میں کہتا ہوں شاید حضرت ابن عباس کے اس قول کا معنی وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کیونکہ احرام کی حالت میں شعار سے رکنا یہ مناسک حج کو حلال جاننے سے اجتناب میں داخل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لا تحلو شعائر اللہ سے مراد حرم پاک میں قتل سے نہی ہے۔

ے یعنی حرمت والے مہینوں میں جنگ کو حلال جاننا اور ابن زید نے کہا اس سے مراد نسی ہے کیونکہ ایک سال وہ اسے حلال جانتے اور دوسرے سال حرام کر لیتے۔

ے یہ ہدیہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ جانور ہے جو بطور قربانی کعبہ بھیجے جاتے تھے جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ بکریاں۔ امام بخاری نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ سے ھدی کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا اس میں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں شامل

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 3-4 (التجاریہ) 2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 4 (التجاریہ) 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً 5۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 231 (وزارت تعلیم)

ہیں(1) یہاں شعائر کے بعد ھدی کو لانا عموم کے بعد خصوص کا ذکر ہے۔ کیونکہ اس کو اپنے لئے مباح جاننے سے روکنا بہت اہم ہے، کیونکہ اس میں فقراء کے حق کا اتلاف لازم آتا ہے اور اس لئے بھی کیونکہ اس میں لوگوں کا واقع ہونے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ اس میں مال کو حاصل کیا جاتا ہے جس کی محبت پر طبیعتوں کو پیدا کیا گیا۔

ے یہ قلادہ کی جمع ہے۔ یہ وہ چیز ہوتی ہے جو قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالی جاتی ہے۔ وہ جوتا ہو، درخت کی چھال ہو یا کوئی اور چیز جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اس لئے اس سے تعرض کرنا درست نہیں۔ اس سے مراد قلادہ والے جانور ہیں۔ اس کا ھدی پر عطف اختصاص کے لئے ہے کیونکہ یہ بہترین ھدی ہوتی ہے۔ عطاء نے کہا اس سے اصحاب قلائد کا ارادہ کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ جب لوگ حرم سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو وہ اپنے اور اونٹوں کے گلے میں حرم کے درخت کا چھلکا ڈال لیتے تا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرے(2)

مطرف بن شخیر نے کہا اس سے مراد قلائد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرک مکہ مکرمہ کے درختوں کی چھال اتارتے اور جانوروں کی گردنوں میں ڈال لیتے تو انہیں درخت کے چھلکے اتارنے سے روک دیا تھا(3)

ایک قول یہ کیا گیا قلائد کو حلال جاننے سے نہی ھدی سے تعرض کرنے سے نہی میں مبالغہ کے لئے ہے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلَا يُبْدِينَ زِيْنَتَهُنَّ(1) ھدی اور قلائد کو حلال جاننے سے مراد ان کو غصب کر لینا اور حرم تک پہنچنے سے روکنا ہے۔

ﮯ اور نہ ہی ان لوگوں کو حلال جانو جو کعبہ شریف کی زیارت کا قصد کرتے ہیں۔ انہیں حلال جاننے کا معنی انہیں قتل کرنا اور ان پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔

ﮯ دنیا میں تجارت کے ذریعے رزق اور آخرت میں ثواب کے طلب گار ہیں۔

ﮯ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔ یہ جملہ امین میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس سے حال ہے یا یہ جملہ اس موصوف کی صفت ہے جو موصوف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوئی ولا قوما امین البیت الحرام یبتغون۔ یہ جائز نہیں کہ یہ آمین کی صفت ہو کیونکہ یہ عامل ہے کیونکہ مختار مذہب یہی ہے کہ اسم فاعل جب موصوف ہو تو وہ عامل نہیں بنتا۔ اس قید کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جس آدمی کی یہ شان ہو، اس کو حلال جاننے پر ناپسندیدگی کا اظہار اور اس سے منع کرنے والے کو تنبیہ مقصود ہے۔

امین البیت کا کلمہ صیغہ اور سیاق کلام کے اعتبار سے مومنوں اور مشرکوں دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ عمرہ کی قضاء کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس کلام کا شان نزول یہ تھا کہ بکری اور اس کی قربانیوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ پھر اس کا حکم مومنوں پر مقصور کرنے کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا گیا۔ ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ۔ اب کسی مشرک کے لئے حج کرنا جائز نہیں اب کوئی کافر ھدی اور قلائد کے ساتھ بے خوف نہیں ہوتا۔ ایک قول کے مطابق مشرکین میں ابتغاء فضل اور رضوان ان کے گمان پر مبنی ہے۔ کیونکہ کافر کا رضوان میں کوئی حصہ نہیں۔ قتادہ نے کہا کہ ان کے حق میں فضل و رضوان سے مراد دنیاوی زندگی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد سزا

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 228 (وزارت تعلیم)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 4 (التجاریہ)   3۔ ایضاً، صفحہ 5-4

(1) اصل مقصد پردہ کرنے کا حکم ہے اس میں مبالغہ کے لئے زینت کے اظہار سے بھی ممانعت ہے۔

نہیں دیتا(1) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابتغاء فضل یعنی رزق کا حصول مومنوں اور مشرکوں دونوں کو عام ہے اور ابتغاء رضوان صرف مومنوں کے لئے خاص ہے۔

۸ جب تم احرام کھول دو تو اب تمہیں شکار کی اجازت ہے، جبکہ پہلے اسے حرام قرار دیا گیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کیونکہ احرام کی حالت میں شکار کرنا یہ شعائر کو حلال قرار دینا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان غیر محلی الصید میں جو نہی تھی، اس کے بعد حلت کا حکم ہے۔ یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔ یہ امر اجماع کے قرینہ کی وجہ سے اباحت کے لئے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا اس میں بھی امر اباحت کے لئے ہے۔ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ نہی کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ مطلق امر جب قرائن سے خالی ہو تو وہ وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح اصول فقہ میں اس پر ادلہ قائم کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۔ ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ حدیبیہ کے مقام پر تھے۔ جب مشرکوں نے آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا تھا۔ کفار کا یہ عمل آپ پر بڑا شاق گذرا تھا۔ مشرقی علاقوں کے لوگ آپ کے پاس سے گزر رہے جو عمرے کے لئے جا رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم ان کو اس طرح روک دیتے ہیں جس طرح انہوں نے ہمیں روکا تو یہ ارشاد نازل ہوا۔

۹ امام بغوی نے حضرت ابن عباس اور قتادہ سے نقل کیا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں برانگیختہ نہ کرے۔ فراء نے کہا تم سے فعل سرزد نہ کرا دے(2) قوم سے مراد اہل مکہ ہیں یہی شنآن مصدر ہے جس کا معنی سخت غصہ اور دشمنی ہے۔ یہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہے ابن عامر اور ابوبکر نے پہلے نون کو ساکن اور دوسرے کو فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ یہ دونوں لغت میں مصدر ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ نون کے سکون کے ساتھ صفت کا صیغہ ہو۔ معنی ہوگا مبغوض قوم کیونکہ مصادر اکثر عین کلمہ کے فتحہ کے ساتھ آتے ہیں جیسے ضربان، سیلان، نسلان اور سکون کے ساتھ صفت کا صیغہ آتا ہے جیسے شکران، ندمان اور رحمٰن۔

۱۰ ابن کثیر اور ابو عمرو نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے کہ یہ شرط معترضہ ہے لا یجرمنکم نے اسے جواب سے غنی کر دیا ہے۔ باقی قراء نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ اس سے پہلے لام مقدر ہوگا۔ یعنی لان صدو کم کیونکہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام جانے سے روک دیا تھا۔ یہ جار مجرور شنآن کے متعلق ہوگا۔ امام بغوی نے کہا محمد بن جریر نے فرمایا یہ صورت حدیبیہ کے قصہ کے بعد نازل ہوئی کفار کی طرف سے روکنے کا عمل پہلے ہو چکا تھا۔

۱۱ کہ تم قتال اور مال چھیننے کے ساتھ ان پر حد سے تجاوز کرو، یہ یجرمنکم کا مفعول ثانی ہے، کیونکہ یہ فعل کبھی ایک اور کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جس طرح کسب کا فعل ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی منع کردہ چیزوں سے بچنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ۔

۱۳ یعنی منہیات کے ارتکاب میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو اور نہ ہی ظلم میں۔ تم یہ اس لئے کرنا چاہتے ہو تا کہ تمہارے سینے انتقام سے ٹھنڈے ہوں، نواس بن سمعان انصاری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا گیا تو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 5-4 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 5 (التجاریہ)

آپ نے فرمایا نیکی حسن خلق اور گناہ جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس کو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں[1] امام مسلم نے اپنی صحیح میں، امام بخاری نے ادب میں اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابو ثعلبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکی وہ ہے جس سے نفس کو سکون ملے، دل مطمئن ہو اگرچہ تجھے مجنون کہا جائے، اسے امام احمد نے روایت کیا۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث نفوس مطمئنہ اور پاکیزہ دل رکھنے والوں کو خطاب ہے۔

[31] کیونکہ اس کا انتقام سخت اور زیادہ خوفناک ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

"حرام کئے گئے ہیں تم پر مردار[1]، خون[2]، سور کا گوشت[3]، اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے[4] اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا، اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا، اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے[5] سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو[6] اور (حرام ہے) جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر[7] اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے[8] یہ سب نافرمانی کے کام ہیں[9] آج[10] مایوس ہو گئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین[11] سے سو نہ ڈرو تم ان سے[12] اور ڈرو مجھ سے[13] آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین[14] اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت[15] اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین[16] پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں[17] درآں حالیکہ نہ جھکنے والا ہو گناہ کی طرف[18] تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے[19]"

[1] یہ ماتلیٰ علیکم کا بیان ہے۔ میتہ اسے کہتے ہیں جو اپنی موت سے مرا ہو۔ ابن مندہ نے کتاب الصحابہ میں عبداللہ بن جبلہ سے، وہ اپنے باپ سے، وہ دادا احیان بن ابجر سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ میں ایک ایسی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا جس میں مردار کا گوشت تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت تحریم کو نازل فرمایا۔ میں نے اس ہنڈیا کو الٹ دیا۔

میں کہتا ہوں میں نے یہ حدیث باب النقول فی اسباب النزول کی ابتاع میں نقل کر دی ہے۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ سورۂ مائدہ والی آیت کے نزول کے وقت محال ہے کیونکہ یہ احکام والی وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی، جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے، جبکہ مردار کی حرمت ہجرت سے پہلے سورۂ انعام میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کے بعد کسی صحابی سے مردار کا گوشت پکانے کا عمل صادر ہو۔ ظاہر بات ہے کہ یہ واقعہ سورۂ انعام میں آیت تحریمہ کے نازل ہونے کے وقت ہوا۔

[2] اس سے مراد رگوں سے بہنے والا خون ہے۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ اسے امعاء میں انڈیلتے اور اسے پیا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 314 مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد

کرتے۔

؎ اس کے گوشت کو خصوصی طور پر ذکر کیا۔ جبکہ وہ مکمل کا مکمل ناپاک ہے۔ اس کی نجاست نص اور اجماع سے ثابت ہے۔ گوشت اس لئے ذکر کیا کیونکہ حیوان سے مقصود گوشت ہی ہوتا ہے۔

؎ اہلال سے مراد آواز کو بلند کرنا ہے۔ وہ ذبح کے وقت اسم اللات واسم العزیٰ کے الفاظ کہتے۔ ابوطفیل سے مروی ہے، حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا سے سوال کیا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے ساتھ کسی شی کو خاص کیا۔ جس میں تمام لوگ شامل نہ ہوں مگر جو میری تلوار کے اس قراب (ا) میں ہے آپ نے ایک صحیفہ نکالا۔ اس میں یہ تھا کہ جس نے غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ جس نے منار ارض (ب) سے چوری کی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت(1) ایک روایت میں ہے جس نے زمین کے نشان کو مٹایا، جس نے اپنے والدین پر لعنت کی، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

مسئلہ:۔ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا ذکر متصل کرے معطوف کر کے نہ کرے تو مکروہ ہے۔ جس طرح ذبح کرنے والا یہ کہے بسم اللہ اللھم تقبل من فلان۔ اللہ کے نام سے اے اللہ اسے فلاں سے قبول کر لے لیکن ایسا کرنا حرام نہیں، جیسے کوئی آدمی یہ کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ۔ اگر متصل معطوف کر کے مثلاً یہ کہے بسم اللہ واسم فلاں یا بسم اللہ ومحمد رسول اللہ۔ یعنی لفظ محمد پر جر پڑھے تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے غیر کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ذبیحہ کو لٹانے اور تکبیر پڑھنے سے پہلے غیر کا ذکر کرے، یا ذبح کے بعد ذکر کرے۔ جس طرح روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے میرے اللہ اسے میری اس امت کی طرف سے قبول فرما جو تیری وحدانیت کی شہادت دے اور میرے بارے میں پیغام حق پہنچانے کی گواہی دے۔ آنے والی چار چیزوں اور ان کے متعلقہ مسائل کا تفصیلی ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔

؎ منخنقہ جو دم گھٹنے سے مر جائے موقوذہ سے مراد وہ جانور جو ضرب شدید سے مرے۔ کیونکہ دور جاہلیت میں لوگ جانوروں کو ڈنڈے یا پتھر سے مارتے تھے متردیہ جو بلند جگہ سے گر کر یا کسی کنویں میں گر کر مر جائے نطیحہ سے مراد جسے کسی اور جانور نے سینگ مارا ہو اور وہ جانور مر گیا ہو۔ اس کے آخر میں تاء اس لئے لایا گیا کہ اسے صفت کے صیغہ سے اسم بنایا گیا ما اکل السبع سے مراد وہ جانور جس کے کچھ حصہ کو درندے نے کھایا ہو اور کچھ چھوڑ دیا ہو وہ جانور درندے کے کھانے سے مر گیا ہو اور الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں جسے شکاری کتے، شکاری چیتے، باز یا شکرے نے کھالیا ہو، اسے کھانا حلال نہیں۔

؎ مگر وہ جنہیں تم نے ذبح کر لیا ہو، تذکیہ کا اصل معنی مکمل کرنا ہے۔ ذکت النار اس آگ کو کہتے ہیں جب اس کا بھڑکنا مکمل ہو جائے۔ یہاں اس سے مراد ذبح کرنا ہے۔ کیونکہ یہ بھی اس کی زندگی کو مکمل کر دیتا ہے۔ صحاح میں ہے کہ ذکیت الشاۃ یعنی اسے ذبح کیا گیا، تذکیہ کی حقیقت یہ ہے کہ حرارت غریزیہ کو خارج کر دینا مگر شرع میں مخصوص طریقہ سے اس کی زندگی کو ختم کرنا تذکیہ کہلاتا ہے۔

میں کہتا ہوں حالت اختیار میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حلق (ا) یا لبہ (ب) کو کاٹ کر یا چھید کر زندگی کا خاتمہ کرنا تذکیہ کہلاتا ہے۔ حضرت

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 161 (قدیمی)

(ا) قراب تھیلے کے مشابہ ہے جس میں سوار اپنی تلوار مع نیام اور اپنا کوڑا رکھتا ہے کبھی کبھی اس میں زادِ راہ بھی رکھ لیتا ہے۔

(ب) منار منارہ کی جمع ہے جس کا معنی علامت ہے۔

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن ورقا خزاعی کو اونٹ پر یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ تذکیہ حلق اور لبہ میں ہونا چاہیے۔ اسے ابن جوزی نے دار قطنی سے نقل کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جب کسی درندے نے کسی جانور کو زخمی کر دیا، یا اس کا کچھ حصہ کھالیا، اسے زندہ پایا گیا اور اسے ذبح کیا گیا تو اس کا کھانا حلال ہے اور مَاذَکَّیْتُمْ سے یہی مراد ہے۔ اگر درندے کے زخمی کرنے سے جانور اس حالت تک جا پہنچا جو مذبوح کی حالت ہوتی ہے تو وہ مردہ کے حکم میں ہوگا، وہ حلال نہ ہوگا اگرچہ ذبح کیا جائے۔ متردیہ' نطیحہ اور موقوذہ کی بھی یہی حالت ہوگی۔ جب اسے زندہ پایا گیا، ابھی وہ مذبوحہ کی حالت کو نہیں پہنچا تھا اور اسے ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب استثناء چند امور معطوفہ کے بعد آئے تو اس کا تعلق صرف آخری سے ہوگا۔ گلا گھونٹنے' ضرب لگانے' سینگ مارنے اور بلندی سے لڑھکنے اور ان کے بعد ان کو ذبح کرنے کا حکم قیاس سے معلوم کیا جا سکے گا۔ استثناء کو تمام کی طرف لوٹانا ممکن نہیں، کیونکہ منخنقہ سے کہتے ہیں جو گلا گھونٹنے سے مر جائے یہی صورت دوسروں کی ہے۔ یہ اس صورت کو شامل ہی نہیں کہ اس عمل کے بعد انہیں زندہ پایا گیا اور پھر انہیں ذبح کیا گیا۔ اس وجہ سے ان سے استثناء نہ ہوئی۔

مسئلہ:۔ ذبح کی رگیں حلقوم یعنی سانس والی نالی' مری یعنی خوراک و پانی والی نالی' ودجان یعنی خون والی دو نالیاں۔ امام مالک کا یہ نقطہ نظر ہے کہ ان چاروں کا کاٹنا ضروری ہے۔ امام احمد کے دو قولوں میں سے ایک یہی قول ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ ذبح میں حلقوم اور مری کافی ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی سی تین کاٹ لیں تو اس جانور کا کھانا حلال ہے۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی تھا۔ آپ کا دوسرا قول یہ ہے کہ حلقوم' مری اور ایک خون والی رگ کا کاٹنا ضروری ہے۔ امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ آپ سے دوسری روایت یہ ہے کہ آپ چاروں میں سے اکثر (ج) کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ کیونکہ یہ چاروں بالذات اصل ہیں اور اکثر کا حکم کل کا حکم ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ودجین کو کاٹنے سے مقصود خون بہانا ہے۔ پس ان میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام ہو جائے گی۔ رہی حلقوم یہ مری سے مختلف ہے۔ اس لئے دونوں کا کاٹنا ضروری ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا اکثر بہت سے احکام میں کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کوئی سے بھی تین کاٹی گئیں تو اکثر کاٹ دی گئیں، جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، وہ دم مسفوح کا بہانا ہے۔

مسئلہ:۔ جس چیز سے بھی خون بہانا اور جسم کاٹنے کا عمل ممکن ہو خواہ وہ شیشہ ہو' پتھر ہو' سرکنڈے کا چھلکا ہو یا کوئی اور ایسی چیز جس کی دھار تیز ہو اس کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے۔ اس طرح دانت' ناخن اور سینگ سے بھی ممکن ہے جبکہ وہ الگ کیا جا چکا ہو اور وہ تیز دھار بھی ہو۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے تاہم یہ مکروہ ہے ہدایہ شریف میں یہ اسی طرح ہے۔

دوسرے ائمہ ثلاثہ نے فرمایا دانت' ناخن اور سینگ سے ذبح کرنا جائز نہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ مردار ہوگا۔ حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم کل دشمن سے جنگ کریں گے، ہمارے پاس چھری بھی نہیں۔ کیا ہم سرکنڈے کے چھلکے

(ا) گردن کا وہ حصہ جس طرف منہ ہوتا ہے اور حلقوم کے نیچے سے کاٹنا ہوتا ہے تبھی چاروں رگیں کٹتی ہیں۔

(ب) گردن کا وہ حصہ ہے جو سینے کی جانب ہوتا ہے۔

(ج) ہر ایک میں سے اکثر حصہ کاٹا گیا یعنی حلقوم کا اکثر' مری کا اکثر' ودجین کا اکثر۔

سے ذبح کر سکتے ہیں۔ فرمایا جس کا خون بہایا جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو اسے کھاؤ مگر دانت اور ناخن سے ذبح کیا ہوا جانور، میں اس کی وجہ تجھے بتاتا ہوں دانت ہڈی ہے، ناخن یہ حبشیوں کی چھری ہے، متفق علیہ۔(1)

کعب بن مالک سے مروی ہے ہمارا ریوڑ تھا جو سلع کے پہاڑوں میں چرا کرتا تھا۔ ہماری لونڈی نے ایک بکری کو مرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ایک پتھر توڑا اور اسے ذبح کیا۔ آقائے دو عالم ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے اسے کھانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔(2)

حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے بتایئے ہم سے کوئی شکار پاتا ہے، جبکہ اس کے پاس چھری نہیں کیا وہ پتھر اور چھڑی کو چیر کر اس کے ایک حصہ سے ذبح کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے ساتھ چاہو خون بہاؤ اور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔(3)

عطاء بن یسار نے بنی حارثہ کے ایک آدمی سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ وہ احد کی گھاٹیوں میں سے ایک میں اونٹنیاں چرا رہا تھا۔ اس نے کوئی ایسی چیز نہ پائی جس سے اس کو ذبح کرے۔ اس نے ایک میخ لی اور اس کے لبہ سے خون نکال دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو حضور ﷺ نے اسے کھانے کا حکم دیا۔ اسے ابوداؤد (4) اور امام مالک نے روایت کیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی لکڑی سے اس کو ذبح کیا جو تیز دھار والی تھی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو عام ہیں، یعنی جو خون بہا دے اس کو کھالو۔ اور حضور ﷺ کا فرمان جس کے ساتھ چاہو خون بہاؤ۔

باقی تینوں ائمہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے، مگر دانت اور ناخن۔ کیونکہ حضور ﷺ نے انہیں ان چیزوں سے مستثنیٰ کیا جو خون بہاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے ان کا جواب یہ دیا کہ یہ اس دانت پر محمول ہوگا جو جبڑہ اور ہاتھ میں موجود ہو، کیونکہ حبشی ایسے ناخن سے جانور ذبح کرتے جو الگ نہ کیا گیا ہوتا۔ ظاہر بات ہے کہ جس دانت کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ وہ دانت ہے جو تیز نہ ہو۔ جہاں پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے مگر دانت یہ تو ہڈی ہے۔ بالاتفاق ایسے دانت اور ایسے ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں جو اپنی جگہ سے الگ نہ ہوں کیونکہ اس صورت میں اسے کند چیز کے ساتھ ذبح کیا جا رہا ہوگا۔ اس وجہ سے وہ منخنقہ کے حکم میں ہوگا۔

مسئلہ:۔ ذبح کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو لازم کیا ہے۔ جب تم کسی چیز کو قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو تم میں سے ہر کسی کو اپنی چھری تیز رکھنی چاہیے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچانا چاہیے۔ اسے امام مسلم نے شداد بن اوس سے روایت کیا۔(5)

مسئلہ:۔ اگر شکاری نے فضا میں موجود پرندے کی طرف تیر پھینکا تیر شکار کو لگ گیا اور شکار زمین پر آ گرا اور مر گیا تو وہ حلال ہوگا، کیونکہ اس کا زمین پر گرنا لازمی امر تھا۔ اگر وہ پہلے پانی میں گرا، یا پہاڑ پر گرا، یا درخت پر گرا، پھر اس سے نیچے لڑھک گیا اور مر گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ متردیہ میں سے ہوگا جو پانی میں غرق ہو کر مر گیا، مگر جب تیر ہوا میں اس کو ذبح کرنے کی جگہ لگا تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 828، صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 57-156 (قدیمی) 2۔ ماخوذ از صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 827 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 205 (و۔ت) 4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 390 (و۔ت) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 152 (قدیمی)

وہ جیسے بھی گرا وہ حلال ہوگا، کیونکہ جب تیر اس کی ذبح کرنے کی جگہ لگا تو وہ ذبح ہوگیا۔

ے ایک قول یہ کیا گیا نصب جمع ہے، اس کی واحد نصاب ہے۔ جس طرح کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا نصب واحد ہے، اس کی جمع انصاب آتی ہے جس طرح عنق کی جمع اعناق آتی ہے۔ نصب کھڑی کی گئی چیز کو کہتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا بیت اللہ شریف کے ارد گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب تھے، دور جاہلیت کے لوگ ان کی عبادت کرتے ان کی تعظیم کرتے، انہیں کے پاس جانور ذبح کرتے یہ اصنام نہ تھے، کیونکہ صنم مورتی کو کہتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا یہ صنم ہی تھے۔ قطرب نے کہا یہاں علی، لام کے معنی میں ہے، اس کا معنی یہ ہوگا جو ان بتوں کے لئے ذبح کیے گئے(1) ابن زید نے کہا مادبح علی النصب اور ما اھل بہ لغیر اللہ دونوں کا معنی ایک ہے میں کہتا ہوں عطف تغایر کا تقاضا کرتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے ارد گرد بت نصب تھے، جن کے پاس جانور ذبح کیے جاتے اور مشرک اسے عبادت تصور کرتے۔

ے استقسام کا معنی اپنا حصہ پہچاننا جو تیروں کے ذریعے ان کے لئے بنا۔ ازلام، زلم کی جمع ہے۔ یہ ایسا تیر ہوتا جس کا پر ہوتا نہ بھالہ۔ یہ سات برابر تیر ہوتے جو شوحط لکڑی کے بنے ہوتے جو کعبہ کے متولی کے پاس رہتے۔ ایک پر ہاں' دوسرے پر نہیں' تیسرے پر تم میں سے' چوتھے پر تم میں سے نہیں' پانچویں پر ملصق (چسپاں)، چھٹے پر عقل' ساتواں خالی تھا۔ جب وہ سفر' نکاح' ختنہ یا کسی اور امر کا ارادہ کرتے یا کسی کے نسب میں اختلاف ہوجاتا یا دیت ذمہ لینے میں اختلاف واقع ہوجاتا تو وہ ھبل کے پاس آتے۔ یہ مکہ مکرمہ میں قریش کا سب سے بڑا بت تھا۔ وہ سو درہم لاتے اور متولی کو پیش کرتے تو وہ تیروں کو ترکش میں ادھر ادھر گھماتا۔ وہ ساتھ یہ بھی کہتے اے ہمارے اللہ ہم نے فلاں کام کا ارادہ کیا ہے، اگر ہاں والا تیر نکلتا تو وہ کام کرتے، اگر نہیں والا تیر نکلتا تو وہ ایک سال تک کام نہ کرتے، پھر ایک سال کے بعد فال کی طرف رجوع کرتے، اگر وہ نسب کے بارے میں جھگڑتے، اگر تم میں سے والا تیر نکلتا تو اسے شریف نسب والا خیال کرتے اگر تم میں سے نہیں والا تیر نکلتا تو اسے معاہد شمار کرتے۔ اگر چسپاں والا تیر نکلتا تو اسے نہ شریف النسب اپنے قبیلے کا فرد جانتے اور نہ ہی اسے معاہد خیال کرتے۔ جب وہ دیت کے بارے میں اختلاف کرتے، اگر دیت والا تیر نکل آتا تو اسے اپنے ذمہ لے لیتے اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ فال نکالتے یہاں تک کہ وہ تیر نکلتا جس پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے منع کردیا۔

ۓ سعید بن جبیر نے کہا ازلام سفید کنکریاں تھیں جو وہ مارا کرتے تھے۔ مجاہد نے کہا وہ ایران و روم کی گوٹیاں ہیں جن کے ساتھ وہ جوا کھیلا کرتے تھے، شعبی اور دوسرے لوگوں نے کہا ازلام عرب کے لئے اور گوٹیاں عجمیوں کے لئے ہیں سفیان بن وکیع نے کہا اس سے مراد شطرنج ہے۔(2) میں کہتا ہوں ہر وہ چیز جس کے ذریعے اس طریقہ پر علم غیب حاصل کیا جاسکتا ہے وہ اس حکم میں داخل ہے جیسے علم رمل' گوٹیاں پھینکنا' فال نامہ، یا ہر وہ چیز جس کے ذریعے جوا کھیلا جاتا ہے، وہ استقسام بالازلام میں داخل ہوگا۔ خواہ جوئے کا ثبوت عبارۃ ہو یا دلالۃ واضح طور پر ہو یا مخفی طریقہ پر واللہ اعلم۔

حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کاہن سے خبر طلب کی، یا تیروں سے جوا کھیلا، یا پرندے سے فال پکڑی جو فال اسے سفر سے روک دے، وہ قیامت کے روز جنت کے اعلیٰ درجات نہیں دیکھے گا، اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے۔(3)

قبیصہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پرندوں سے فال پکڑنا اور بدشگونی لینا یا کنکریاں مار کر اندازہ لگانا، یہ سب کفر ہے۔

1۔ ماخوذ از تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 7 (التجاریہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 8 3۔ ایضاً

اسے ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔(1)

۱؎ اس سے کسی یعنی دن کا ارادہ نہیں کیا۔ اس سے مراد موجود دن اور آنے والا وقت ہے ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ دن ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۱؎ یعنی کفار اس دین کی راہ روکنے اہل ایمان پر غالب آنے یا دینداروں سے سابقہ دین کی طرف لوٹنے سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ اس طرح کے خبائث کو حلال قرار دیں گے یا اس طرح کے دوسرے اعمال کریں گے۔

۲؎ یعنی اس سے نہ ڈرو کہ وہ تم پر غالب آجائیں گے اور تمہارے دین کو باطل کر دیں گے۔

۳؎ مجھ سے ڈرو۔ ابو عمرو نے وصل کی صورت میں یا کو ثابت رکھا ہے جبکہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے باقی رکھا ہے۔

۴؎ یعنی عقائد کے قواعد بیان کر کے شریعت کے اصول سے آگاہ کرنے کے ساتھ جیسے فرائض، واجبات، سنن، آداب، حلال، حرام، مکروہ۔ جو چیزیں شرعی احکام کے لئے فساد کا باعث ہوتی ہیں جیسے نماز، روزہ، حج کے مفسدات۔ جن امور میں نصوص نہیں ان میں اجتہاد کے قوانین یہ بھی جائز ہے کہ دین کی تکمیل سے مراد حضور ﷺ کو قرب کے اس مقام پر فائز کرنا ہے جسے دیکھ کر پہلے اور بعد میں آنے والے سب رشک کرنے لگیں یہاں تک کہ آپ کے کمال محبوبیت کے مقام کی وجہ سے آپ کی امت کے تمام گناہ حتی کہ قتل اور ظلم بھی معاف کر دیئے گئے۔

عباس بن مرداس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لئے یوم عرفہ کی شام کو دعائے مغفرت فرمائی تو یوں جواب دیا گیا کہ مظالم کے علاوہ ان کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ کیونکہ میں مظلوم کی وجہ سے اس کو پکڑوں گا تو حضور ﷺ نے عرض کی اے میرے رب اگر تو چاہے تو مظلوم کو اس کے عوض جنت عطا فرما دے اور ظالم کو بخش دے تو اس رات کو آپ کی یہ دعا قبول نہ ہوئی جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آپ نے دوبارہ دعا کی تو جو آپ نے دعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے عرض کی اے پیارے آقا اس لمحہ آپ مسکرائے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے کس چیز نے آپ کو ہنسایا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس نے یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول کیا ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے، اس نے مٹی لی اور اپنے سر پر ڈالنے لگا اور مر گیا پکارنے لگا۔ میں نے اس کی جو جزع فزع دیکھی، اسی نے مجھے ہنسایا۔ اسے ابن ماجہ (2) اور بیہقی نے کتاب البعث میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کے بعد حلال، حرام، فرائض، سنن، حدود اور فرائض کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا (3) اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیۂ ربو سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے، اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۂ بقرہ کی آیت اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا۔ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا آخر میں نازل ہوئی کیونکہ سود کی حرمت والی آیت پہلے نازل ہو چکی تھی، کیونکہ سورۂ بقرہ کی یہ آیت شرمندہ کرنے کے لئے نازل ہوئی۔ امام مسلم کے ہاں حجۃ الوداع کے قصہ میں حضرت جابر کی حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دور جاہلیت کا تمام سود ختم کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے میں حضرت عباس بن عبد المطلب کا سود ختم کرتا ہوں، وہ سب معاف

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 545 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 232 (و۔ت) 3۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 9 (و۔ت)

ہے(1) سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ اب کوئی مشرک حج نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تمام ادیان پر تمہارے دین کو غالب کیا اور تمہیں دشمنوں سے امن دے دیا ہے۔(2)

فائدہ:۔ یہ آیت یوم عرفہ کو عصر کی نماز کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ آقائے دوعالم ﷺ اپنی اونٹنی عضباء پر تشریف فرما تھے، قریب تھا کہ نزول قرآن کے بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جاتے، آقائے دوعالم ﷺ اونٹنی سے اتر گئے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر سے کہنے لگا اے امیر المومنین وہ آیت جو تم اپنی کتاب میں پڑھتے ہو، اگر ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کے طور پر مناتے، حضرت عمر نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس نے یہ آیت تلاوت کی۔ حضرت عمر نے فرمایا ہم اس دن اور مکان کو خوب پہچانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی آپ جمعہ کے روز مقام عرفات میں قیام کئے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے اس طرف اشارہ کرنا چاہا کہ وہ دن ہمارے لئے دو عیدوں کی طرح ہے، یعنی یوم عرفہ اور جمعہ۔(3)

امام بغوی نے کہا ہارون بن عنترہ نے اپنے باپ سے روایت کیا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر خوب روئے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا تم کیوں روئے ہو؟ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے دین میں اضافہ ہو رہا تھا اب یہ مکمل ہو گیا اور کوئی چیز مکمل نہیں ہوتی مگر اس میں نقص واقع ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تو نے سچ کہا۔ یہ آیت حضور ﷺ کے اس جہان فانی سے پردہ فرما جانے کی خبر بھی لیئے ہوئے تھی۔ حضور ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد صرف اکیاسی دن دنیا میں رہے۔ سن گیارہ ہجری ربیع الاول شریف کی دو تاریخ بروز پیر وصال ہوا(4) جبکہ آپ کی ہجرت بارہ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

۵؎ میں نے تمہارے ساتھ جو اتمام نعمت کا وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کر دیا۔ اتمام نعمت سے مراد ہدایت، توفیق، دین کو مکمل کرنا، فتح مکہ اور جاہلیت کے آثار کو مٹانا ہے یہاں تک کہ مسلمانوں نے مطمئن ہو کر حج کیا کوئی مشرک اس میں شریک نہ تھا۔

۶؎ یعنی ادیان میں سے اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی صحیح دین ہے۔ امام بغوی نے جابر بن عبد اللہ کی سند سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا جبرائیل امین نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ وہ دین ہے جسے میں نے اپنے لئے پسند کیا، اسے کوئی چیز درست نہیں کرتی مگر سخاوت اور حسن خلق۔ بس ان دونوں کے ساتھ اسے معزز بناؤ جب تک تم اس کے ساتھی ہو(5) واللہ اعلم۔

۷؎ یہ محرمات کے ساتھ تعلق ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو اس سے اجتناب کو لازم کرتی ہیں جیسے دین کی تعلیم، دین کی تکمیل کے ساتھ مومنوں پر احسان کا ذکر اور ان چیزوں کا ذکر جن کا ارتکاب فسق قرار دیا۔

مخمصہ سے مراد پیٹ کا غذا سے خالی ہونا ہے۔ مقولہ ہے رجل خمیص البطن یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو بھوکا ہو۔ یعنی جو بھوک کی حالت میں ان چیزوں کو استعمال کرنے پر مجبور ہو۔

۸؎ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو، وہ اسے لذت حاصل کرنے کے لئے کھائے یا رخصت کی حد سے تجاوز کر جائے۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 397 (قدیمی) 2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 9 (التجاریہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 662 (وزارت تعلیم) 4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 9 (التجاریہ) 5۔ ایضاً، صفحہ 10-9

۱؎ تقدیر کلام یوں ہوگی، اس نے اس میں سے کھا لیا بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ ہم نے اس بحث اور تحقیق کے متعلقات کو سورۂ بقرہ میں ذکر کر دیا ہے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے ابو واقد لیثی سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ بعض اوقات ہم ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں ہمیں بھوک گھیر لیتی ہے تو ہمارے لئے مردار کھانا کب جائز ہوگا؟ جب تم صبح نہ کچھ پی سکو اور نہ ہی شام کو کچھ پی سکو اور نہ ہی سبزی اکھاڑ کر کھا سکو(1) غبوق شام کی شراب کو کہتے ہیں جو صبوح کے مقابل ہے۔ نہایہ میں اسی طرح ہے۔ اختضی البقل کا معنی اس نے زمین سے سبزی کو اکھاڑا۔ قاموس میں اسی طرح ہے واللہ اعلم۔ طبرانی، حاکم، بیہقی اور دوسرے راویوں نے ابو رافع سے روایت کیا کہ جبرئیل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اندر آنے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت عطا فرمائی۔ حضرت جبرائیل امین نے اندر آنے میں دیر کی۔ آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور باہر تشریف لے آئے۔ جبکہ جبرئیل امین باہر دروازے پر تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم نے تمہیں اجازت دی تھی۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا ہاں لیکن ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو یا کتا ہو۔ صحابہ نے دیکھا تو ان کے گھروں میں ایک پلا تھا۔ حضور ﷺ نے ابو رافع کو ارشاد فرمایا کہ وہ مدینہ طیبہ میں کوئی کتا بھی نہ چھوڑے۔ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ آپ نے جن چیزوں کے قتل کے بارے میں حکم دیا ہے، ان میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے(2) تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ٘ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝

"پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لئے ۱؎ آپ فرمایئے حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں ۲؎ اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں ۳؎ شکاری جانوروں سے ۴؎ شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے ۵؎ تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمہیں اللہ نے ۶؎ تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لئے ۷؎ اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر ۸؎ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت تیز ہے حساب لینے میں ۹؎ "

۱؎ جب سوال اپنے ضمن میں قول کا معنی لئے ہوئے ہے تو اسے جملہ پر داخل کیا۔ ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع کو کتے قتل کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ کے بالائی علاقوں تک جا پہنچے تو عاصم بن عدی، سعید بن حثم اور عویمر بن ساعدہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ اس میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی(3) محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کتے مارنے کا حکم فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے ان کتوں میں سے کیا حلال ہے؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ شعبی کے واسطہ سے ایک حدیث نقل کی کہ عدی بن حاتم طائی نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ کتوں کے شکار کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ آپ اس کے جواب کے بارے میں حکم ربانی سے آگاہ نہ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔(4)

1۔ کذا فی الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 459 (العلمیہ)
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 57 (الامیریہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 459 (العلمیہ)
4۔ ایضاً

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ عدی بن حاتم' زید بن مہلہل نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم ایسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو کتوں اور بازوں سے شکار کرتے ہیں۔ آل درنج کے کتے نیل گائے' جنگلی گدھے اور ہرن شکار کر لیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کر دیا ہے۔ ان میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ان کے لئے کتوں سے انتفاع کرنا اور اسی شکار سے نفع حاصل کرنا جسے کتے شکار کرتے ہیں کیا حلال ہے۔

۲؎ یہ جواب کی مقدار سے زائد ہے۔ اس کی وضاحت ہم ان شاء اللہ بعد میں کریں گے۔ حقیقت میں اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا مابعد فرمان ہے۔

۳؎ اگر اس میں ما موصولہ ہو تو اس کا عطف طیبات پر ہوگا اور ضمیر عائد محذوف ہوگی۔ تقدیر کلام یوں ہوئی احل لکم صید ما علمتموہ اگر ما شرطیہ ہو تو یہ جملہ شرطیہ ہوگا اور جواب شرط آنے والی کلام ہوگی، یعنی فَكُلُوْا

۴؎ من بیانیہ ہے اور یہ ما کا بیان ہے۔ اس سے مراد چوپاؤں اور پرندوں سے درندے ہیں جیسے کتا' شیر' چیتا وغیرہ باز' شکرہ' شاہین وغیرہ جرح یا تو کسب کے معنی ہوگا، کہا جاتا ہے فلان جارحة اهله یعنی ان میں کمانے والا ہے۔ اسی وجہ سے اعضاء کو بھی جوارح کہتے ہیں، کیونکہ ان کے ذریعے افعال صادر ہوتے ہیں۔ یہ درندے بھی اپنے مالکوں کے لئے شکار میں سے رزق حاصل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یا یہ جراحت کے معنی میں ہے کیونکہ یہ شکار میں زخم لگاتے ہیں۔ اسی معنی کی بنا پر امام ابوحنیفہ' امام احمد اور اکثر علماء نے ارشاد فرمایا کہ شکار میں زخم کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کتے نے زخم کے بغیر شکار کو قتل کر دیا جیسے دہشت زدہ کر دیا اور وہ مر گیا یا اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا تو اس کا کھانا حلال نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اسے پھر بھی کھانا حلال ہے۔ جب جرح کا پہلا معنی کیا جائے تو زخمی کرنا شرط نہیں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا آیت کی دونوں تاویلوں میں کوئی منافات نہیں دونوں معنوں کو جمع کرنے میں یقین حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے زخمی کرنا حلال ہونے کے لئے شرط ہوگا۔ کفایہ میں ہے اگر کسی نص میں معانی کا اختلاف واقع ہو جائے، اگر ان میں منافات موجود ہو، ان میں سے ایک دلیل سے ثابت ہو تو وہ اسے دوسرے معنی پر ترجیح دے دے۔ اگر ان میں منافات نہ ہو تو یقین حاصل کرنے کے لئے دونوں معنی ثابت ہوں گے۔ فخر الاسلام نے یہی ذکر کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے تو عموم مشترک کا قول لازم آئے گا جبکہ عموم مشترک امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف ہوگا۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ عموم مشترک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متکلم لفظ مشترک سے دونوں معنے مراد لے۔ جس طرح عام سے مراد لیا جاتا ہے اور سامع دونوں معنوں کی وجہ سے عموم حکم کا حکم لگاتا ہے۔ جس طرح عام میں ہوتا ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جوارح سے مراد ایک ہے۔ لیکن جب ایک کی تعیین پر کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہوئی اور دونوں معنوں میں منافات بھی نہیں تو ہم نے بطور احتیاط دونوں معنی مراد لے لئے۔

زخمی ہونے کی شرط کا استدلال احناف نے ذبح کرنے سے بھی لیا ہے اور ذبح اضطراری میں بدن کے کسی حصے میں زخم لگاتا ہے خواہ کسی آلہ سے ہو جو اس کو زخمی کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔

اگر شکاری جانور نے شکار کا عضو توڑ دیا اور اسے مار ڈالا تو امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ

بھی مخفی زخم ہے جو ظاہر زخم کی طرح ہے۔ اس کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ معتبر ایسا زخم ہے جو خون بہانے کا سبب بنے، یہ عضو توڑنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ عمل گلا دبانے کی طرح ہو جائے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا خون بہایا گیا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ(1) تیر کے ساتھ شکار کرنے میں بھی زخمی ہونا شرط ہے۔ اس پر اجماع ہے کیونکہ حضرت عدی بن حاتم کی حدیث ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم چپٹے تیر سے شکار کرتے ہیں۔ فرمایا جو شکار میں گھس جائے اسے کھاؤ اور جو چوڑائی کی صورت میں لگے اور شکار کو مار ڈالے تو یہ موقوذہ (چوٹ لگنے سے مرے) کے حکم میں ہے اسے نہ کھاؤ(2) متفق علیہ۔

مسئلہ:۔ ہر چیر نے پھاڑنے والے درندے اور پرندے سے شکار کرنا جائز ہے۔ امام ابو یوسف نے ان میں سے شیر اور بھیڑیے کو مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ یہ دونوں کسی اور کے لئے یہ عمل نہیں کرتے۔ شیر اپنی بڑائی کی وجہ سے اور بھیڑیا اپنی خست کی وجہ سے۔ انہیں کے ساتھ بعض علماء نے چیل کو شامل کیا ہے کیونکہ اس میں خست پائی جاتی ہے۔ جبکہ خنزیر سب کے نزدیک ان سے خارج ہے کیونکہ وہ نجس عین ہے۔ اس کے ساتھ کسی بھی طریقہ سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں شیر، بھیڑیے اور چیل کو جوارح سے خارج کرنے میں کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ قول کہ وہ کسی اور کے لئے کام نہیں کرتے تو یہ نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ وہ دونوں ما علمتم کے قول سے خارج ہو جاتے ہیں۔

امام احمد نے فرمایا سخت سیاہ کتے کا شکار حلال نہیں کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مغفل کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتا امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتا تو میں انہیں قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ ان میں سے سخت سیاہ کو قتل کر دو، اسے ابوداؤد(3) ترمذی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر آپ نے انہیں قتل کرنے سے منع کر دیا۔ دو نقطوں والے سیاہ کتے کو قتل کر دو کیونکہ یہ شیطان ہے(4) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ آیت کے عموم کی وجہ سے اس کا شکار حلال ہے۔

مُكَلِّبِينَ یہ علمتم موجود ضمیر مرفوع سے حال ہے۔ اس کا فائدہ تعلیم اور اغراء میں مبالغہ کرنا ہے۔ مکلب اسے کہتے ہیں جو کتے کو شکار پر ابھارے، اسے سدھائے۔ یہ کلب سے مشتق ہے کیونکہ اس میں تربیت زیادہ اور موثر ہوتی ہے یا اس لئے کہ ہر درندے کو کلب کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ کلب ہر کاٹنے والے درندے کو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں فرمایا یہ بد بخت حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اے اللہ اپنے درندوں میں سے ایک درندہ مسلط کر دے۔ شام کے ارادہ سے وہ قافلہ میں نکلا، وہ ایک جگہ اترے، اس نے کہا مجھے حضرت محمد ﷺ کی دعا کی وجہ سے ڈر لگتا ہے۔ قافلے والوں نے اپنا سامان اس کے ارد گرد رکھا اور اس کی حفاظت کی غرض سے اس کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ایک شیر آیا، اسے اچک لیا اور اسے لے گیا۔ حاکم نے مستدرک میں ابو نوفل بن ابی عقرب سے ایک حدیث نقل کی ہے اور اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

تُعَلِّمُونَهُنَّ یہ دوسرا حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے، یعنی ادب سکھانے کے طرق میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے سکھائے یا اللہ نے انہیں تعلیم دیئے کے جو طریقے سکھائے جیسے کہ مالک کے چھوڑنے پر وہ شکار کا پیچھا کریں، مالک جھڑکے تو رک جائیں۔ اس کے بلانے پر واپس آ جائیں، شکار کو پکڑ لیں مگر اسے کھائیں نہیں۔ وہ تربیت یافتہ اس وقت سمجھا جائے گا کہ اس کی تعلیم کے اثرات تین دفعہ ظاہر ہو جائیں یہاں اللہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 156 مطبوعہ وزارۃ تعلیم اسلام آباد
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 145 (قدیمی)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 393 (وزارت تعلیم)
4۔ مشکوۃ المصابیح صفحہ 359 (د۔ت)

تعالیٰ نے علم کے فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی کیونکہ تمام علوم تصوریہ تصدیقیہ بدیہیہ اور نظریہ اللہ تعالیٰ کے الہام کردہ ہیں۔ عقل اور فکر بعض علوم اسباب عادیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ دو مقدموں کو جاننے کے بعد نتیجہ کا علم بھی یہ اللہ تعالیٰ کے فیضان سے حاصل ہوتا ہے۔
کے یعنی وہ شکاری جانور نہ کھائیں تو انہیں کھاؤ۔ یہ حدیث حضرت عدی بن حاتم کی حدیث سے مستفاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو کتا چھوڑے تو تکبیر کہہ۔ اگر وہ شکار کو پکڑے اور تو شکار کو زندہ پائے تو اسے ذبح کر دے۔ اگر تو اسے اس حال میں پائے کہ وہ مر چکا ہے تو اسے کھالے۔ اگر اس نے شکار کو کھالیا ہو تو اسے نہ کھا۔ اس نے یہ شکار اپنے لئے پکڑا، متفق علیہ۔ ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث ہے کہ تو نے جس کتے اور باز کو سدھایا پھر تو نے اسے چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کا نام اس پر لیا تو انہیں کھالو جن کے کھانے سے وہ رک گئے۔ میں کہتا ہوں اگر چہ اس نے شکار کو مار ہی ڈالا ہو۔ یہ بھی کہا اگر اس نے قتل کیا اور اس میں سے نہ کھایا تو اس سے کھاؤ۔ اگر اس نے کھالیا تو اس میں سے نہ کھاؤ کیونکہ اس نے وہ شکار اپنے لئے روک لیا۔ اسے ابوداؤد (1) اور بیہقی نے مجالد سے، اس نے شعبی سے، انہوں نے عدی سے روایت کیا۔ بیہقی نے کہا مجالد باز کے ذکر میں منفرد ہے حفاظ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ یہ آیت اس تفسیر کی بنا پر جو حدیث سے بھی جاری ہے امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے اصح قول کی دلیل ہے۔ جب وہ شکار میں سے کچھ کھالے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔
امام بغوی نے کہا یہی حضرت ابن عباس سے مروی ہے، یہی عطاء، طاوس، شعبی، ثوری اور ابن مبارک کا قول ہے۔ کتے کے معلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تین دفعہ نہ کھائے تو چوتھی دفعہ اس کا شکار حلال ہوگا۔ امام ابوحنیفہ سے مروی ایک روایت یہ ہے کہ تیسری دفعہ اس کا شکار حلال ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کتا اگر شکار کھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس شکار کا کھانا حلال ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔
امام بغوی نے کہا یہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سلمان فارسی اور سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جسے ابو ثعلبہ کہتے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے تربیت یافتہ کتے ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تیرے تربیت یافتہ کتے ہیں تو جن شکاروں کو کھانے سے وہ رک جائیں تو انہیں کھالو۔ عرض کی انہیں ذبح کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا وہ ذبح کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔ پوچھا اگر وہ ان میں سے کھالے۔ فرمایا اگر وہ ان میں سے کھالے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔(2)
میں کہتا ہوں اس حدیث کو بیہقی نے معلل قرار دیا ہے عدی بن حاتم کی حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ واللہ اعلم
میں کہتا ہوں یہ آیت اسی معنی کی بناء پر اور ابوداؤد نے مجالد سے اور انہوں نے امام شعبی سے جو روایت کی ہے، وہ اس امر کی متقاضی ہے کہ چیرنے پھاڑنے والے درندوں میں بھی نہ کھانے کی شرط ہے۔ اسی طرف بعض فقہاء گئے ہیں۔
امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شکاری پرندوں میں یہ شرط نہیں کیونکہ پرندے کا جسم مار کو برداشت نہیں کر سکتا اور درندے کا جسم مار کو برداشت کر جاتا ہے تاکہ وہ اس شکار کو چھوڑ دے۔ عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے، فرمایا جب شکاری کتا کھائے تو شکار نہ کھاؤ۔ جب شکرہ کھائے تو اسے کھاؤ کیونکہ کتے کو تو مار سکتا ہے اور شکرہ کو تو نہیں مار سکتا۔(3)

1۔ ماخوذ از سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 394 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 461 (العلمیہ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کتاب وسنت کے مقابلہ میں قیاس ہے۔
ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ کتاب اللہ میں نہ کھانے کی شرط پر دلالت ظاہر نہیں کیونکہ روکنا چھوڑنے کی ضد ہے، یہ کھانے کی ضد نہیں۔ ہم نے صحیحین کی حدیث سے نہ کھانے کی شرط لگائی ہے۔ مجالد جس کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں، حفاظ اور قیاس کی مخالفت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

△ ضمیر ما علمتم کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی جب شکاری جانور کو چھوڑو تو تکبیر کہو۔ اس لئے شکاری کتے، شکاری باز اور اس جیسی چیزوں کو چھوڑنے میں تکبیر کہنا شرط ہوگا۔ اس طرح تیر پھینکتے وقت بھی تکبیر کہنا شرط ہے جس طرح ذبح کرتے وقت یہ شرط ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ ذبح کے وقت تکبیر مذبوح پر ہوتی ہے اور شکار میں شکار کے آلہ پر ہوگی کیونکہ پہلی صورت میں ذبح قدرت میں ہے اور دوسری صورت میں تیر پھینکنا اور شکاری جانور چھوڑنا قدرت میں ہے، شکار کو پہنچنا قدرت میں نہیں۔ اس لئے جس چیز پر قادر ہے اسی کو شرط قرار دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے بکری پہلو کے بل لٹائی اس پر تکبیر کہی اور پھر اس بکری کی بجائے کسی اور بکری کو اس تکبیر کے ساتھ ذبح کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر اس نے تیر پھینکا، تکبیر کہی، جس شکار کا اس نے قصد کیا تھا اس کے بغیر کسی دوسرے شکار کو جالگا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ مذبوح پر تکبیر کہنا اصل ہے اور آلہ پر تکبیر کہنا یہ اصل سے عاجز ہونے کی صورت میں ہے۔

اگر تکبیر کے ساتھ باز اور کتا چھوڑنے والے نے یا تکبیر کہہ کر تیر چلانے والے نے شکار زندہ حالت میں پالیا تو اس پر ذبح کرنا لازم ہوگا اور ذبح کرتے وقت دوبارہ تکبیر کہنا بھی لازم ہوگی۔ اگر اس نے زندہ شکار کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب ذبح کرنا اس کے لئے ممکن ہو۔ مگر اس صورت میں جب شکار اس کے ہاتھ میں ہو مگر ذبح کرنے پر وہ قادر نہ ہو اور اس میں زندگی کے آثار مذبوح سے زیادہ ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے نہیں کھایا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک دوسری روایت ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت ہے کہ ایسا جانور کھانا حلال ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے کیونکہ وہ اصل ذبح پر قادر نہیں، یعنی بعض دوسرے علماء نے فرمایا اگر ذبح کا آلہ گم ہو جانے سے وہ ذبح کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو نہ کھایا جائے گا۔ اگر وقت کی تنگی کی وجہ سے وہ ذبح پر قادر نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے کھایا جائے گا، جبکہ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔

مسئلہ:۔ اگر اس نے کتا یا تیر چھوڑتے وقت یا جانور ذبح کرتے وقت تکبیر جان بوجھ کر چھوڑ دی یا شکاری کتے کے ساتھ غیر تربیت یافتہ کتا شامل ہو گیا یا مجوسی کا کتا شامل ہو گیا یا ایسا کتا شامل ہو گیا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو اسے کھانا حلال نہیں کیونکہ اس آیت میں اس کی حلت کی جو شرط ہے وہ مفقود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور عدی بن حاتم کی حدیث کی وجہ سے بھی کیونکہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں اور اس کے ساتھ ایک اور کتا پاتا ہوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اسے نہ کھاؤ۔ تو نے صرف اپنے کتے پر تکبیر کہی تھی دوسرے کتے پر تکبیر نہ کہی تھی (1) متفق علیہ۔

انہیں سے ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا جب تو کتا چھوڑے تو تکبیر کہہ۔ اگر وہ شکار کر کے تمہارے لئے روک کے رکھے اور تو اسے زندہ پکڑے تو اسے ذبح کر۔ اگر تو نے شکار اس حال میں پایا کہ وہ مر چکا تھا۔ جبکہ شکاری جانور نے اسے نہیں کھایا تو تو اس سے کھا لے۔ اگر اس نے اس میں سے کھا لیا تو اسے نہ کھا کیونکہ اس نے شکار اپنے لئے روکا ہے۔ اگر تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 824 (وزارت تعلیم)

اپنے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی پائے، جبکہ شکار مر چکا ہے تو اسے نہ کھا کیونکہ تو نہیں جانتا کہ شکار کو کس نے مارا جب تو تیر پھینکے تو تکبیر کہہ۔ اگر شکار تجھ سے ایک دن کیلئے غائب ہو جائے اور تو اس میں اپنے تیر کا ہی اثر پائے تو اگر تو چاہتا ہے تو اسے کھالے۔ اگر اسے پانی میں غرق پائے تو نہ کھا (1) متفق علیہ۔ ابو ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تو نے تیرے شکار کیا اور تکبیر کہی تو اسے کھا جو تو نے تربیت یافتہ کتے کے ساتھ شکار کیا۔ کتے کو چھوڑتے وقت تو نے تکبیر کہی تو اسے کھا جو تو نے غیر تربیت یافتہ کتے سے شکار کیا اور اس کو ذبح کر لیا تو اسے کھا (2) متفق علیہ۔

مسئلہ:۔ امام احمد کے نزدیک اگر اس نے بھول کر تکبیر نہ کہی تو جانور حلال نہیں ہوگا جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہوگا۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ امام مالک نے بھی یہی کہا ہے۔ مالکیہ کی کتابوں میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا جو امام مالک سے بھی مروی ہے کہ وہ جانور مطلقاً حلال ہوگا، مالکیہ میں سے ابو القاسم نے بھی یہی کہا ہے وہ کہتے ہیں اس نے ذبیحہ پر تکبیر جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول کر چھوڑی یا شکار پر تیر چلاتے وقت یا کتا چھوڑتے وقت تکبیر جان بوجھ کر نہ کہی یا بھول کر نہ کہی بشرطیکہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو اور چھوڑنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو تو وہ جانور حلال ہوگا۔ غیر تربیت یافتہ کتا یا مجوسی کا کتا شریک ہو جائے تو پھر شکار حلال نہ ہوگا۔ مطلقاً تکبیر نہ کہنے سے جانور کے حلال ہونے پر دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک قوم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ایک جماعت ہمارے پاس گوشت لاتی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے ذبح کرتے وقت تکبیر کہی گئی تھی یا نہیں کہی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس پر بسم اللہ پڑھ لو۔ اور کھا لو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ان کا کفر کا زمانہ قریب ہی تھا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (3)

حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ بتایئے کہ ایک آدمی جانور ذبح کرتا ہے اور تکبیر کہنا بھول جاتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ میں ہے (4) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر ذبح کرتے وقت وہ تکبیر کہنا بھول گیا تو وہ تکبیر کہے اور اسے کھالے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ (5)

حضرت صلت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یا اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔ اسے ابو داؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے۔ (6) بیہقی نے ایک متصل سند سے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے تاہم ان کی سند میں ضعف ہے۔ بیہقی نے کہا صحیح ترین حضرت ابن عباس پر موقوف روایت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث تکبیر چھوڑنے پر دلالت نہیں کرتی، جبکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ تکبیر کہتے بھی ہوں گے۔ دوسری روایت میں مروان بن سالم ہے۔ امام احمد نے کہا یہ ثقہ نہیں۔ نسائی اور دار قطنی نے کہا یہ متروک ہے۔ تیسری روایت میں ایک راوی معقل ہے جو مجہول ہے۔ چوتھی روایت مرسل ہے۔ ابھی دوسری اور تیسری حدیث جن میں بھول کر تکبیر چھوڑی گئی ان دونوں میں امام شافعی کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ چوتھی حدیث کو ہم حالت نسیان پر محمول کریں گے۔ صاحب ہدایہ نے کہا یہی امام شافعی کا قول ہے جس جانور پر جان بوجھ کر تکبیر نہ کہی گئی ہو اس کو حلال کہنا اجماع کے خلاف ہے کیونکہ متقدمین میں اس جانور کی حرمت کے بارے میں یہ اختلاف نہیں۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 357 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 35 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 828 (و۔ت)
4۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 295 (دار المحاسن)
5۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 296 مطبوعہ دار المحاسن قاہرہ
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب المراسیل، جلد 2، صفحہ 16 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

اختلاف اس میں تھا کہ اگر ایک جانور پر بھول کر تکبیر نہ کہی گئی تو اس کا کیا حکم ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول یہ ہے کہ وہ جانور حرام ہے۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ وہ جانور حلال ہوگا۔ اسی وجہ سے امام ابو یوسف نے فرمایا جس جانور پر جان بوجھ کر تکبیر نہ کہی گئی ہو تو اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کسی قاضی نے ایسے جانور کا گوشت بیچنے کی اجازت دی تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ وہ اجماع کے خلاف ہے۔

مسئلہ:۔ ایسا شکاری جانور جسے گھر میں پالا گیا ہو، اس کی ذبح ذبح اختیاری ہوگی۔ اونٹ اور گائے میں سے جو بھاگ جائے (اور لوگوں سے وحشت محسوس کرے) تو اس کی ذبح ذبح اضطراری ہوگی رہی بکری تو جو صحرا میں بھاگ جائے تو اس کی ذبح ذبح اضطراری ہوگی (یعنی اسے زخمی کرنا ہی کافی ہوگا) اگر شہر میں بھاگ جائے تو صرف زخمی کرنے سے حلال نہ ہوگی کیونکہ شہر میں اسے پکڑنا ممکن ہے۔ حکم کا دارومدار اس بات پر ہے جب ذبح اختیاری سے عجز ثابت ہو جائے تو ذبح اضطراری کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ پالتو جانور میں سے جو جانور بھاگ جائیں (انسان سے وحشت محسوس کریں) تو ان میں عجز ثابت ہے مگر شکاری جانوروں میں سے جو مانوس ہو چکے ہوں ان کا حکم مختلف ہوگا۔ اس طرح چوپاؤں میں سے جو کنویں میں گر پڑے اور ذبح اختیاری اس میں ممکن نہ رہے تو اس میں ذبح اضطراری جائز ہوگا۔ یہ جمہور کا مسلک ہے۔

امام مالک کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پالتو جانور کی ذبح کی جگہ صرف حلق اور لبہ ہے۔ کیونکہ ان کا بھاگ جانا بہت کم ہوتا ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

ہماری دلیل رافع بن خدیج کی حدیث ہے۔ ہمیں مال غنیمت کے کچھ اونٹ ملے، ان میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا، ایک آدمی نے اسے تیر مارا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو روک دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹوں میں کچھ وحشی بھی ہوتے ہیں۔ جس طرح دوسرے وحشی ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی چیز غالب آ جائے تو اس کے ساتھ یہی سلوک کرو(1) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

ابو العشراء اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کیا ذبح حلق اور لبہ کے علاوہ نہیں ہوتی؟ فرمایا اگر تو اس کی ران میں نیزہ مارے تو یہ تیرے لئے کافی ہو جائے گا۔(2) اسے امام احمد، سنن اربعہ کے اصحاب اور دارمی نے روایت کیا۔ ابوداؤد نے کہا لڑھکنے والے جانور کی ذبح بھی اسی طرح ہوگی۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ ضرورت میں ہے۔ حافظ ابوموسیٰ نے مسند ابو العشراء میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے اگر تو اس کی ران میں یا کندھے میں نیزہ مارے اور تکبیر کہے تو یہ تجھے کفایت کر جائے گا۔

امام شافعی نے فرمایا ایک اونٹ کنویں میں گر پڑا، اس کے شانہ میں نیزہ مارا گیا، حضرت ابن عمر نے اس کے کھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دے دیا۔

مسئلہ:۔ جب بھی شکاری نے شکار کو تیر مارا، تیر نے اس کے عضو کو کاٹ دیا تو شکار کو کھایا جائے گا اور عضو نہیں کھایا جائے گا، امام شافعی نے فرمایا دونوں کو کھایا جائے گا اگرچہ تیر لگنے سے وہ جانور مر گیا کیونکہ عضو ذبح اضطراری سے جدا ہوا۔ اس لئے جو عضو جدا ہوا اور جس سے جدا ہو دونوں کھائیں جائیں گے۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے زندہ سے جو الگ ہو جائے وہ مردہ ہے۔

9۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے بارے میں اس سے ڈرو جو غلطیاں چھوٹی ہیں۔ یا بڑی ہیں سب کے بارے میں تمہارا مواخذہ کرے گا۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 828 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 390 (و۔ت)

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

"آج حلال کر دی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں[1] اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے[2] اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے[3] اور (حلال ہیں) پاکدامن مومن عورتیں۔ اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے[4] جب دے دو تم انہیں مہر[5] ان کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے[6] اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے[7] اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو بس ضائع ہو گیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا[8]"

[1] یعنی دین کے مکمل ہونے پر آج سے لے کر قیامت تک تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں کیونکہ مکمل کرنے کے بعد تو کوئی نسخ نہیں ہوتا۔ اسے تاکید کے لئے مکرر ذکر فرمایا ہے۔ طیبات خبائث کی ضد ہے، یہ مجمل ہے اور احادیث طیبہ طیبات اور خبائث کے لئے بیان ہیں۔ پھر ان کی مثل چیزوں کو ان پر قیاس کر لیا گیا۔ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ نص جس کے حلال ہونے کے بارے میں وارد ہو تو اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ پاکیزہ ہے اور نص جس کی حرمت کے بارے میں وارد ہو تو اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ خبیث ہے۔ جس کے قتل کے بارے میں حکم وارد ہوا اور اسے خبیث و فاسق کہا جائے تو وہ خبیث و حرام ہوگی۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ انہیں حرم اور احرام میں بھی قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، وہ چوہا، کوا، چیل، بچھو اور باولا کتا ہے(1) متفق علیہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پانچ فاسق چیزوں کو حل اور حرم میں قتل کیا جائے گا سانپ، کوا، چوہا، باولا کتا اور چیل(2) متفق علیہ

حضرت ابوہریرہ سے سانپ کے بارے میں مروی ہے کہ جب سے ہماری ان کے ساتھ جنگ ہوئی ہماری ان سے صلح نہیں ہوئی۔ جس نے خوف کی وجہ سے ان میں کسی کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔(3)

حضرت ابومسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام سانپوں کو قتل کرو۔ جو ان کے حملے سے ڈر گیا وہ ہم میں سے نہیں(4) اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ جس میں کوئی نص وارد نہ ہو، اس میں قیاس کیا جائے گا۔ عربوں میں طبائع سلیمہ جن چیزوں کو پاک سمجھیں گی انہیں پاک تصور کیا جائے گا اور جنہیں ناپاک خیال کریں گی انہیں ناپاک سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے جانوروں کو ناپسند کرتے تھے جو مردار کھاتے ہیں(5) اسے ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے جمہور علماء نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایسے چوپائے اور پرندے نہیں کھائے جائیں گے جو مردار کھاتے ہیں، کسی حیوان کو قتل کرنے سے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 381 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 712 (وزارت تعلیم)
4۔ ایضاً 5۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 4، صفحہ 258 مطبوعہ مکتبۃ الزمان للثقافۃ والعلوم مدینہ منورہ

نہی اسی جانور کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی اور نہ اس کی کراہت پر دلالت کرتی ہے جب تک کہ کوئی دوسری دلیل قائم نہ ہو جائے۔ اور یہ حکم ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک یہ نہی اس کی حرمت کی دلیل ہے۔ حدحد اور مور تینوں ائمہ حرام نہیں جبکہ امام شافعی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

مسئلہ:۔ درندوں میں سے انیاب والا حیوان جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا، کتا، بلی، پرندوں میں تیز پنجوں والے پرندے جیسے شکرہ، باز، چیل اور دوسرے جانور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان چیزوں کا کھانا حرام ہے۔

امام مالک نے فرمایا یہ مکروہ تو ہیں، ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ۔ امام مالک کے نزدیک اس باب کے مسائل میں یہی قاعدہ جاری ہوتا ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت حرمت کا وجود نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں بھی یہ حکم نازل نہیں ہوا۔ ہم اس آیت کے متعلق اس کے موقع پر بحث کریں گے ان شاء اللہ۔ آیت میں جو چیزیں مذکور نہیں ان کے بارے احادیث صحیحہ میں احکام نازل ہوئے جنہیں امت نے قبول بھی کیا۔ انہیں میں سے ایک حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انیاب والے جانور درندہ ہیں اُن کا کھانا حرام ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔(1)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انیاب والا جانور درندہ ہوگا۔ اسی طرح پرندوں میں تیز پنجوں والا پرندہ اسے امام مسلم نے روایت کیا(2) ابن عبدالبر نے کہا اس حدیث کی صحت پر اجماع ہے۔ اسی طرح زیادات مسند میں عبداللہ بن احمد نے حضرت علی شیر خدا کی حدیث نقل کی ہے۔ اس کی سند میں علت ہے۔ امام احمد نے اسی کی مثل حضرت جابر کی حدیث نقل کی ہے، حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے بلی کھانے اور اس کی قیمت کھانے سے منع کیا۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔(3)

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بجو اور لومڑی حرام ہیں جبکہ امام مالک کے نزدیک دوسرے درندوں کی طرح یہ مکروہ ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ حلال ہیں۔ امام احمد کی ایک روایت میں لومڑی حلال نہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا یہ دونوں درندہ ہیں۔ کفایہ میں ہے ان کے انیاب (۱) ہوتے ہیں اور یہ انیاب سے دوسری چیزوں کو مار ڈالتے ہیں اس لئے انہیں نہیں کھایا جائے گا جس طرح بھیڑیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ سے بجو کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ شکار ہے جواب دیا۔ ہاں کیا اسے کھایا جائے گا، فرمایا ہاں۔ پوچھا گیا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرمایا ہاں(4) اسے امام شافعی اور ابو داؤد کے علاوہ اصحاب سنن نے روایت کیا ہے نیز امام بیہقی نے روایت کیا امام بخاری اور امام ترمذی اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ ابن عبداللہ نے اسے عبدالرحمٰن بن ابی عمارہ کی وجہ سے معلل قرار دیا۔ ابوزرعہ اور نسائی نے اس کی توثیق کی۔

امام شافعی نے کہا صرف صفا اور مروہ کے درمیان بجوؤں کا گوشت بیچا جاتا تھا۔ ابوداؤد نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بجو کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ شکار ہے اگر اسے محرم شکار کرے تو اس میں مینڈھا لازم ہوگا۔(5) میں یہ کہتا ہوں اس کو شکار قرار دینا اور احرام کی حالت میں شکار کرنے کی صورت میں مینڈھے کا واجب ہونا اس کے حلال ہونے کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ محرم جب ایسے شکار کو قتل کرے جس کا گوشت حرام ہو تو محرم پر اس کی جزا واجب ہوگی کیونکہ شکار ایسے حیوان کو کہتے

1۔ صحیح مسلم، جلد2، صفحہ 147 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 361 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 240، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی 5۔ سنن ابی داؤد، جلد2، صفحہ 533 (وزارت تعلیم)
(۱) لمبے نوکیلے دانت

ہیں جو انسان سے وحشت محسوس کرتا ہو اور طبعی طور پر اپنی حفاظت خود کرتا ہو۔ بجو کے حلال ہونے والی حدیث درندوں کے حرام ہونے والی حدیث پر قوی نہیں۔ جب حرمت اور حلت والی احادیث مقابل نظر آ ئیں تو بطور احتیاط حرمت والی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ ترجیح دینے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ نسخ کا تکرار لازم نہ آئے۔ جس طرح اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ رہی وہ حدیث جو امام ترمذی نے خزیمہ بن جریم سے نقل کی ہے کیا کوئی بجو کھاتا ہے؟ یہ ضعیف ہے کیونکہ تمام محدثین کا عبدالکریم بن امیہ کے ضعف پر اتفاق ہے۔ ان سے روایت کرنے والا امیہ بن مسلم ہے۔

مسئلہ:۔ حشرات ارض حرام ہیں جیسے چوہا، گرگٹ اور اس طرح کے دوسرے جانور۔ یہ تینوں ائمہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے فرمایا یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہمارے پیش نظر ام شریک کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھڑکائی جانے والی آگ کو پھونکے مارتا تھا، متفق علیہ۔(1)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اسے فویسق کا نام دیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔(2)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پہلی ضرب میں گرگٹ کو مار ڈالا اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جو دوسری ضرب میں مارے اس کے لئے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں مارا اس کے لئے اس سے کم اسے امام مسلم نے روایت کیا(3) حدیث میں یہ پہلے گذر چکا ہے کہ چوہے کو حل اور حرم دونوں میں قتل کیا جائے گا اور اس کا نام فاسق رکھا گیا۔ گرگٹ اور چوہے پر استدلال کرتے ہوئے تمام حشرات پر بھی یہی حکم اٹھایا جائے گا۔ انہیں میں سے سیہ (۱) ہے امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ حلال ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اسے حرام قرار دیا کیونکہ یہ بھی حشرات میں سے ہے۔

اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جسے ابو داؤد نے عیسیٰ بن نمیلہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس موجود تھے تو آپ سے سیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ آیت پڑھی۔ ایک بوڑھا آدمی جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھا اس نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سیہ کا ذکر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ خبیثہ ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا اگر نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تو حکم وہی ہوگا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا(4) امام بیہقی نے کہا اس میں ضعف ہے اور اس سند کے علاوہ اسے روایت نہیں کیا گیا۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گوہ اور جنگلی چوہا حرام ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ دونوں حلال ہیں، امام احمد کا فرمان ہے گوہ حلال ہے اور جنگلی چوہے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔

علماء نے گوہ کے حلال ہونے پر حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا گوہ کو میں نہ کھاتا ہوں نہ ہی اسے حرام قرار دیتا ہوں، متفق علیہ۔(5)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ خالد بن ولید نے انہیں بتایا کہ ایک دفعہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ کے پاس گئے جو

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 361 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 236 (قدیمی) 3۔ ایضاً
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 32-533 (و۔ت) 5۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 831 (و۔ت)
(۱) ایک چھوٹا جانور جو بلی کے برابر جسامت رکھتا ہے اس کی جسامت اس سے بڑی ہوتی ہے اسی طرح قنفذ چوہے کو کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس کی بھی خالہ تھیں تو وہاں بھنی ہوئی گوہ دیکھی۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے گوہ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا گوہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں لیکن یہ میری قوم کی سرزمین سے نہ تھی اس لئے میں اسے کھانا ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا میں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور اسے کھایا اور رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھ رہے تھے، متفق علیہ۔(1)

امام ابوحنیفہ نے کہا یہ حشرات میں سے ہے، جبکہ آپ کا قول صحیح صریح نص کے مقابل ہے۔ ہدایہ شریف میں یہ بھی مذکور ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے گوہ کھانے کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے انہیں منع کیا (۱) میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا۔

مسئلہ:۔ مکڑی جو مر چکی ہو ہر حال میں اسے کھانا حلال ہے۔

امام مالک نے فرمایا اگر وہ اپنی موت مرے تو اسے نہیں کھایا جائے گا مگر اسی صورت میں کھایا جائے گا جب وہ خارجی سبب سے مری ہو یعنی اس کو کھانا مکروہ ہے۔

جمہور نے حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال ہیں۔ دو مردے مکڑی اور مچھلی ہے۔ دو خون کلیجی اور تلی ہے(2) اسے امام شافعی، امام احمد، ابن ماجہ، دار قطنی اور بیہقی نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمن بن زید ضعیف اور متروک ہے۔ دار قطنی نے زید بن مسلم سے حضرت عبداللہ بن عمر سے موقوف روایت کی ہے اور کہا یہ صحیح ترین ہے۔ اسی طرح ابو زرعہ اور ابو حاتم نے موقوف کو صحیح قرار دیا ہے۔ خطیب نے مسور بن صلت کے واسطہ سے، زید بن اسلم سے، انہوں نے عطاء بن یسار سے، انہوں نے ابو سعید خدری سے روایت کیا۔ امام احمد بن حنبل نے مسور کی تکذیب کی ہے، ابن حبان نے کہا ہے یہ ثقہ لوگوں کی طرف موضوع روایت کو منسوب کر دیتا تھا۔

مسئلہ:۔ گھروں میں رکھے جانے والے گدھوں اور خچروں کا گوشت تینوں ائمہ کے نزدیک حرام ہے، جبکہ امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے۔ ہماری دلیل ابو ثعلبہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کو حرام قرار دیا۔ متفق علیہ۔(3)

امام احمد سے مروی ہے کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کریں کہ گھروں میں رکھے جانے والے گدھوں کے گوشت ان لوگوں کے لئے حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کیا اور گھوڑے کے گوشت کے بارے میں اجازت دی، متفق علیہ۔(4)

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 831 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 71-272 (المحاسن)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 830 (و۔ت)
4۔ مشکوۃ المصابیح، صفحہ 369 (و۔ت)

(۱) صاحب مشکوۃ نے اس حدیث کو ما یحل اکلہ وما لا یحل اکلہ میں عبدالرحمن بن شبل سے نقل کیا ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے اسے ابوداؤد نے نقل کیا۔ میں نے اسے اصل نسخہ میں دیکھا، یہ روایت اسی طرح ہے۔

آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے روز پالتو گدھوں اور خچروں کا گوشت' انیاب والے درندوں کا گوشت اور تیز پنجوں والے پرندوں کا گوشت حرام کر دیا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے(1) امام احمد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ حضور ﷺ نے پالتو گدھے' لومڑیوں کے گوشت' درندوں اور تیز ناخن والے پرندوں کو حرام کر دیا(2) انہیں سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کا گوشت ہمیں کھلایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے ہمیں منع کر دیا۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا(3) اور امام نسائی نے اسے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز درندوں اور پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے ہم نے خیبر کے روز گدھوں کو پکڑا تو اچانک کیا سنتے ہیں کہ ایک منادی کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کر رہا تھا کہ ہنڈیاں انڈیل دو متفق علیہ۔(4)

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے سال نکاح متعہ اور پالتو جانوروں کے گوشت سے منع کیا۔ متفق علیہ (5)
اس باب میں ابو سلیط' حضرت انس' حضرت ابن عباس' حضرت سلمہ بن اکوع' عبد اللہ بن ابی اوفی' خالد بن ولید' عمرو بن شعیب وہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے، اسی طرح مقدام بن معدیکرب اور عمرو بن دینار سے روایات مروی ہیں۔

مسئلہ:۔ جمہور علماء کے نزدیک گھوڑوں کا گوشت کھانا حلال ہے۔ امام ابو یوسف اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مکروہ ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے ارشاد فرمایا پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

جمہور نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو گزر چکی ہے۔ آپ نے گھوڑے کے بارے میں اجازت دی۔ نیز حضرت اسماء کی حدیث ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے زمانے میں ایک گھوڑا ذبح کیا، ہم نے اسے کھایا جب ہم مدینہ طیبہ میں تھے متفق علیہ (6) امام احمد نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ ہم آپ کے اہل بیت ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً فرمایا یہ کلام بطور احسان ذکر فرمائی کھانا بہت بڑا نفع ہے۔ حکیم اعلیٰ چیز کا ذکر چھوڑ کر ادنیٰ چیز کو بطور احسان ذکر نہیں فرماتا۔ نیز خالد بن ولید کی حدیث جو حضور ﷺ سے مروی ہے، سے استدلال کیا ہے کہ پالتو گدھوں اور گھوڑوں کا گوشت حرام ہے۔ ایک میں یوں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کے گوشت کھانے سے منع کیا(7) اسے امام احمد نے صالح بن یحییٰ بن مقدام سے، انہوں نے اپنے دادا سے، انہوں نے خالد سے روایت کی۔ امام احمد نے کہا یہ حدیث منکر ہے۔ موسیٰ بن ہارون نے کہا صالح بن یحییٰ معروف نہیں۔ اسی طرح اس کا والد بھی معروف نہیں مگر دادا معروف ہے۔ دار قطنی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن جوزی نے کہا اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم خیبر کو اسے حرام قرار دیا۔ واقدی نے کہا خالد نے غزوہ خیبر کے بعد اسلام قبول کیا واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نیولا مکروہ ہے کیونکہ وہ بھی حشراتی درندوں میں سے ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 2 مجتبائی پاکستان (وزارت تعلیم) 2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 193 (صادر)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 1 (و۔ت) 4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 829 (و۔ت) 5۔ ایضاً صفحہ 830
6۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 829 (و۔ت) 7۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 287 (المحاسن)

مسئلہ:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رخم (گدھ) اور بغاث کا کھانا مکروہ ہے کیونکہ وہ مردار کھاتے ہیں، اسی طرح سیاہ کوا جو مردار کھاتا ہے اسی طرح کوا گدھ اور اسی طرح ہر وہ جانور جو مردار کھاتا ہے۔ کھیتی کا کوا کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ صرف دانا کھاتا ہے اور شکاری پرندہ نہیں۔ عقعق کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی خوراک ملی جلی ہوتی ہے۔ وہ مرغی جیسا ہوتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اکثر اس کی خوراک مردار ہے۔

مسئلہ:۔ گندگی خور کا گوشت، اس کا انڈہ اور اس کا دودھ امام احمد کے نزدیک حرام ہے جب تک اسے باندھا نہ جائے۔ اگر پرندہ ہو تو تین دن اسے محبوس کیا جائے، اگر اونٹ ہو تو چالیس روز، گائے ہو تو تیس روز، بھیڑ بکری ہو تو سات روز، مرغی ہو تو تین دن۔ ایک روایت میں ہے سب میں تین دن۔ تینوں ائمہ کے نزدیک اس صورت میں اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہوگا اگر ان کے گوشت اور دودھ میں بدبو ہو۔ اسے اس وقت تک قید رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے بدبو ختم ہو جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور بکری کے دودھ سے منع فرمایا (1)۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور کا گوشت اور اس کا دودھ استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اسے ابو داؤد (2)، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور اونٹ کے گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع کیا اور لوگوں کو اس پر سوار ہونے سے منع کیا یہاں تک کہ چالیس روز تک انہیں باندھ کر چارہ کھلایا جائے۔ اسے امام بیہقی اور دار قطنی نے روایت کیا (3)۔ اس سند میں اسماعیل بن ابراہیم ہے جو اپنے باپ سے نقل کرتا ہے۔ ابن جوزی نے کہا وہ اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔ اسے امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے عمرو بن شعیب سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ دادا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ پالتو گدھوں کا گوشت، گندگی خور جانوروں کا گوشت اور ان پر سواری کرنے سے منع کیا۔

مسئلہ:۔ پانی کے جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی کھائی جائے گی۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ امام مالک کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پانی کے تمام جانور کھائے جائیں گے یہاں تک کہ کیکڑا، مینڈک، پانی کا کتا، اس کا خنزیر مگر اس کا خنزیر کھانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ نے بحری خنزیر کے معاملہ میں توقف کیا ہے۔

امام احمد نے فرمایا وہ چیزیں جو پانی میں رہتی ہیں اور اسی میں پیدا ہوتی ہیں تو ان کا کھانا حلال ہے مگر مینڈک، مگرمچھ اور کوسج اور آپ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ جانوروں میں ذبح کرنا ضروری ہوگا جس طرح سمندری خنزیر، سمندری کتا اور سمندری انسان۔

امام شافعی کے اصحاب نے آپس میں اختلاف کیا۔ ان میں سے کچھ نے امام مالک جیسا قول کیا اور بعض نے امام ابو حنیفہ کے قول کی موافقت کی اور ان میں سے کچھ نے کہا جن کی خشکی کے جانوروں کے ساتھ مشابہت ہے اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس لئے دریائی کتا، دریائی خنزیر، دریائی انسان، دریائی سانپ، دریائی چوہا، دریائی بچھو نہیں کھائے جائیں گے۔ ان کے علاوہ جانوروں کو کھایا جائے گا۔ ان میں سے بعض نے کہا مگرمچھ، مینڈک، سانپ، بچھو، کیکڑا اور کچھوے کو نہیں کھایا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کے عموم سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی تفریق نہیں کی گئی اسی ضمن میں حضور ﷺ کا سمندر کے بارے میں ارشاد ہے اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردار حلال ہے۔

1۔ کنز الدقائق سنن النسائی جلد 2 صفحہ 209 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 531 (د۔ت) 3۔ سنن الدار قطنی جلد 4، صفحہ 283 (المحاسن)

اس کا جواب یہ دیا گیا آیت میں لفظ صید سے مراد شکار کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تمہارے لئے خشکی کا شکار حرام ہے۔ یہاں حرام خشکی کا جانور شکار کرنا ہے مگر جب غیر محرم خشکی کا شکار کرے، جبکہ محرم کی مدد نہ ہوا ور نہ ہی اس کی طرف سے راہنمائی ہو تو محرم کے لئے اسے کھانا حلال ہے۔ حدیث میں میتہ سے مراد مچھلی ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد سمندر میں جو بھی جانور ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بنی آدم کے لئے ذبح کر دیا ہے۔(1) اسے دار قطنی نے روایت کیا جو حضرت جابر سے مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن سرجس سے مروی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر مچھلی بنی آدم کے لئے ذبح کر دی گئی ہے(2)

ہم اس کے بارے میں کہتے ہیں نون سے مراد مچھلی ہے۔ یہ حدیث اس لئے چلائی گئی کہ مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے نہیں چلائی گئی کہ سمندر میں جو کچھ ہے وہ سب حلال ہے۔

مچھلی کے علاوہ بعض دوسرے جانوروں کی حلت پر حضرت جابر کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ میں نے جیش خبط میں شرکت کی۔ حضرت ابوعبیدہ امیر تھے۔ ہمیں سخت بھوک لگی۔ سمندر نے ایک مردہ مچھلی ساحل پر پھینک دی۔ ہم نے اس جیسی مچھلی نہیں دیکھی تھی، اسے عنبر کہتے تھے۔ ہم نصف مہینے تک اس میں سے کھاتے رہے حضرت ابوعبیدہ نے اس کی ایک ہڈی لی اور سوار اس کے نیچے سے گزر گیا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ کی خدمت میں تمام واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں دیا اسے کھاؤ اور اگر تمہارے پاس کچھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسے تناول فرمایا۔ متفق علیہ۔(3)

احناف نے کہا شاید یہ حیوان مچھلی کی ایک قسم میں سے ہے جس پر لفظ موت بھی دلالت کرتا ہے، وہ چیزیں جن سے طبع سلیم نفرت کرتی ہے جیسے مینڈک اور دوسری چیزیں، ان کی حرمت پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے یُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور عبدالرحمن بن عثمان کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک طبیب نے حضور ﷺ کے سامنے ایک دواء کا ذکر کیا اور اس میں مینڈک کو شامل کرنے کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع کر دیا۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی(4) اور بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی نے کہا نہی کے متعلق جو روایت کی گئی ان میں سے یہ قوی ترین ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی جب مر کر تیرنے لگے تو اس کا کھانا مکروہ ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک مکروہ نہیں، ہم نے حضرت جابر کی عنبر مچھلی کے متعلق جو حدیث ذکر کی ہے اس سے علماء نے استدلال کیا ہے نیز حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے اس (سمندر) کا مردار حلال ہے۔

ہم نے کہا حضرت جابر کی حدیث میں ہے سمندر نے ایک مردہ مچھلی پھینک دی۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ سمندر نے ایک مچھلی پھینکی جس کے باعث وہ مر گئی یہ بالاتفاق حلال ہے۔ میتۃ البحر سے مراد وہ مچھلی ہوگی جسے سمندر نے پھینک دیا ہو یہاں تک کہ اس کی موت سمندر کی طرف مضاف ہو۔ اس سے مراد وہ مچھلی نہیں جو بیماری کی وجہ سے سمندر میں مر گئی ہو۔

احناف نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب وہ تیرنے لگے تو اسے نہ کھاؤ۔ جب پانی جزر کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا تو اسے کھالو جو اس کے کنارے پر پڑی ہو اسے کھالو(5) اسے دار قطنی نے ابواحمد زبیری سے، انہوں نے سفیان ثوری سے، انہوں نے ابوالزبیر سے موقوف روایت کیا ہے اسے مرفوع ذکر کرنا صحیح نہیں۔ دار قطنی

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 267 (المحاسن) 2۔ ایضاً 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 360 (وزارت تعلیم)

4۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 201 (ق ت) 5۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 268 (المحاسن)

نے اسے ایک سند سے روایت کیا ہے سمندر کا پانی جس سے پیچھے ہٹ گیا یا جسے سمندر نے باہر پھینک دیا یا جسے تم کنارے پر مردہ حالت میں پاؤ تو اسے کھاؤ۔ جو پانی پر تیر رہی ہو تو اسے نہ کھاؤ (1) دار قطنی نے کہا عبد العزیز وہب سے روایت کرنے میں اکیلا رہ گیا ہے۔ عبد العزیز ضعیف ہے، وہ قابل حجت نہیں۔ امام احمد نے کہا وہ ضعیف ہے۔ حدیث صحیح نہیں۔ امام نسائی نے کہا یہ متروک ہے۔ اس کی ایک اور سند ہے جس سے ابوداؤد نے انہیں سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر جسے باہر پھینک دے یا سمندر کا پانی اس سے پیچھے ہٹ جائے تو اس مچھلی کو کھاؤ۔ جو پانی میں ہی مر جائے اور پانی پر تیرنے لگے تو اسے نہ کھاؤ (2) اس سند میں اسمٰعیل بن امیہ ہے جو متروک ہے۔ ابوداؤد نے کہا اسے سفیان ایوب اور حماد نے ابوالزبیر سے روایت کیا اور جابر پر اسے موقوف کیا ہے۔

مسئلہ:۔ بالاجماع خرگوش کو کھانا حلال ہے کیونکہ حضرت انس کی حدیث ہے مرالظہر ان کے مقام پر اچانک ہم ایک خرگوش کے پاس پہنچے، میں نے اسے پکڑ لیا اور ابوطلحہ کے پاس لے آیا، انہوں نے اسے ذبح کیا اور اس کی ورک (1) اور ران حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ متفق علیہ۔ (3)

فائدہ:۔ مرغی کا گوشت حضور ﷺ نے تناول فرمایا (4) حضرت ابوموسیٰ سے یہ روایت مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔

فائدہ:۔ حضرت سفینہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا (5) اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہے کیونکہ باقی کھانوں کی حلت اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یہ یہود و نصاریٰ اور صابیوں کو شامل ہے۔ صابیوں میں یہ شرط ہے کہ کسی نبی کے دین پر ایمان رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہوں، نہ کہ وہ کواکب کی عبادت کرتے ہوں یا ان کی کتاب ہی نہ ہو، وہ کتابی حربی ہو یا ذمی عجمی ہو یا عربی یا تغلبی۔ یہی امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے۔

باقی تینوں ائمہ نے فرمایا بنی تغلب کے نصرانیوں کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ابن جوزی نے کہا ہمارے اصحاب نے حضرت ابن عباس کی حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے عرب کے نصرانیوں کے ذبیحہ سے منع کیا ہے (6) ابن جوزی نے اپنی سند سے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم بنی تغلب کے نصرانیوں کا ذبیحہ نہ کھاؤ کیونکہ انہوں نے شراب پینے کے علاوہ نصرانیت سے کوئی تعلیم نہیں اپنائی (7) امام شافعی نے صحیح سند سے انہیں سے روایت کی ہے۔ عبدالرزاق نے ابراہیم نخعی کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی شیر خدا بنی تغلب کے نصرانیوں کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے (8)

میں کہتا ہوں اس باب میں میرے سامنے مرفوع حدیث نہیں آئی، اگر کوئی صحیح حدیث ہو بھی تو وہ آحاد میں سے ہو گی، وہ کتاب اللہ کے لئے ناسخ نہیں بن سکتی۔

امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ذبائح اور ان قوموں کے ذبائح جو ان میں داخل ہوئے تھے، جبکہ ابھی حضور ﷺ مبعوث نہ ہوئے تھے، کو حلال فرمایا ہے اور جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد ان کے دین میں داخل ہوا تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ (9)

1۔ سنن الدار قطنی جلد 4، صفحہ 67-268 (المحاسن)
2۔ سنن ابی داؤد جلد 2، صفحہ 534 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 831 (و۔ت)
4۔ ایضاً
5۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 532 (و۔ت)
6۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 65 (الامیریہ)
7۔ ماخوذ التفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 65 (الامیریہ)
8۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 6، صفحہ 72 (المجلس العلمی)
9۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 12 (التجاریہ)

(1) پچھلی ٹانگ کا وہ حصہ جو پشت کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک اس قید کی کوئی حیثیت نہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا، یعنی جو پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ وہ یہودی ہوا، نصرانی ہوا، مجوسی ہوا یا بت پرست اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا کیونکہ مرتد کی کوئی ملت نہیں کیونکہ وہ جس کی طرف منتقل ہوا اس پر وہ قائم نہیں رہے گا مگر ایسا کتابی جو اپنے دین کے علاوہ کسی اور دین کی طرف منتقل ہوا تو وہ اسی حالت پر قائم ہے اس لئے اس کی اسی حالت کا اعتبار کیا جائے گا ذبح کے وقت وہ جس حالت پر تھا اس کی پہلی حالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

کفایہ میں ہے اگر کوئی یہودی یا نصرانی مجوسی ہو گیا تو اس کا ذبیحہ اور شکار حلال نہیں ہوگا۔ وہ اس مجوسی کے قائم مقام ہوگا جو پہلے سے مجوسی تھا۔ اگر کوئی مجوسی یہودی یا نصرانی ہو گیا تو اس کا ذبیحہ اور شکار کھایا جائے گا۔ جس طرح اگر وہ ابتدا سے اہل کتاب میں سے ہو کیونکہ ہمارے نزدیک جو وہ اعتقاد رکھتا ہے اسی پر ثابت ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک یہودی نے حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے کر کوئی جانور ذبح کیا اور کسی نصرانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو ہمارے نزدیک اس کا کھانا حلال نہیں۔ کفایہ میں فرمایا کتابی کا ذبیحہ اس وقت حلال ہوگا جب وہ ذبح کرتے وقت حضرت عزیر اور حضرت مسیح کا نام نہ لے۔ جب وہ غیر اللہ کا نام لے کر کرے تو وہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح مسلمان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا جب وہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ تو کتابی کا حال مسلمان کے حال سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

امام بغوی نے فرمایا علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ حلال نہیں۔ اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں کہ اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔ یہی امام شعبی، عطا، زہری اور مکحول کا قول ہے۔ امام شعبی اور عطاء سے نصرانی کے بارے میں پوچھا گیا جو مسیح کا نام لے کر جانور ذبح کرتا ہے۔ دونوں نے کہا اس کا ذبیحہ حلال ہوگا(1) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا جب یہودی یا نصرانی جانور ذبح کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نام لے اور تو سن رہا ہو تو اسے نہ کھا۔ جب وہ تجھ سے غائب ہو تو اسے کھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے اسے حلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ ایسے کتابی کا ذبیحہ جو جان بوجھ کر تکبیر نہ کہے یا غیر اللہ کا نام لے تو اس کے ذبیحہ کو نہیں کھایا جائے گا اگر اسے یقینی طور پر علم ہو یا ان کا غالب حال یہ ہو۔ عرب کے نصرانیوں کے ذبائح سے نہی کا مفہوم یہی ہے اور حضرت علی شیر خدا کے قول کا بھی یہی مفہوم ہے کہ تم بنی تغلب کے نصرانیوں کا ذبیحہ نہ کھاؤ کیونکہ انہوں نے نصرانیت سے صرف شراب پینے کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں اپنایا۔

شاید حضرت علی شیر خدا ان کی حالت سے واقف تھے کہ وہ ذبح کے وقت تکبیر نہیں کہتے یا غیر اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرتے ہیں۔ عجمی نصاریٰ کا حکم بھی یہی ہوگا اگر ان کی عمومی عادت یہ ہو کہ وہ غیر اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ آج کے نصرانی جانور ذبح نہیں کرتے بلکہ چوٹ مار کر اسے قتل کرتے ہیں اس لئے اسے کھانا حلال نہیں۔

مسئلہ: اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور ﷺ ایک شریعت کے ساتھ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوتے تو بعض لوگوں کے لئے ایک چیز حرام اور دوسرے لوگوں کے لئے حلال میں کیوں اختلاف ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 13-12 (تجاریہ)

میں کہتا ہوں بعض اشیاء ایسی ہیں جو بغیر شرط کے تمام لوگوں کے لئے حلال ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حلت بعض شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ جس طرح نماز، اس کا جواز وضو کے ساتھ مشروط ہے۔ مال کھانے کی حلت ملک کے ساتھ مشروط ہے یا مالک کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے۔ پس مومنین کے ذبائح کفار پر حلال ہیں یہاں تک کہ ان کے کھانے سے انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ جس طرح کہ وہ امور جو عالمین کے لئے مباح ہیں ان کے بجالانے سے انہیں کچھ عذاب نہیں دیا جائے گا جن کے بجالانے کے لئے ایمان کی کوئی شرط نہیں مجوسی کے ذبیحہ معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ مردار کی طرح ہے۔ اس کا کھانا تمام لوگوں پر حرام ہے۔ کفار اگر اس کا ذبیحہ کھائیں گے تو اس وجہ سے بھی انہیں عذاب دیا جائے گا۔ جس طرح ایمان چھوڑنے اور ان فرائض کو چھوڑنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا جو ایمان پر موقوف تھے۔ اسی طرح منہیات کو بجالانے سے انہیں عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ الآیہ کون سی چیز تمہیں سقر میں لے گئی انہوں نے کہا ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اس قول کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے حکم میں فرق واضح کر دیا جائے کیونکہ مسلمانوں کے ذبائح ایمان کی شرط کے بغیر تمام لوگوں پر حلال ہیں لیکن مسلمانوں کی عورتوں کا معاملہ ان سے مختلف ہے کیونکہ ان کے ساتھ نکاح کے لئے ایمان شرط ہے۔

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ حلال ہے کہ تم انہیں کھلاؤ اس صورت میں حلت کا خطاب مسلمانوں کے ساتھ ہوگا(1) زجاج نے جو کچھ کہا بیضاوی نے اسے زیادہ صحیح اور واضح عبارت سے بیان کیا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم انہیں کھلاؤ، ان سے خرید و فروخت کرو۔ اگر یہ مسلمانوں کے لئے حرام ہوتا تو یہ جائز نہ ہوتا(2) جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں راز یہ ہے کہ مومنوں کے ذبیحہ کو کھانا ایمان کے ساتھ مشروط نہیں مگر ان کی عورتوں کا معاملہ مختلف ہے۔

اس کا عطف طیبات پر ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو حل لکم ہے اور جملہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر معطوف ہے وطعام الذین درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

امام بغوی نے فرمایا محصنات کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ علماء نے ہر آزاد عورت سے شادی کی اجازت دی ہے۔ وہ مومن ہو یا کتابی ہو فاجر ہو یا پاکدامن۔ یہی مجاہد کا قول ہے(3)

جبکہ دوسرے علماء کا کہنا ہے کتابیہ لونڈی کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ اس میں لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کے جواز کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا ہے(4)

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ محصنات سے مراد آزاد اور لونڈیوں میں سے پاکدامن عورتیں ہیں۔ انہوں نے کتابیہ لونڈی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا، جبکہ مومنہ اور کتابیہ بدکارہ سے نکاح کو جائز قرار نہیں دیا۔ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ امام شعبی نے کہا کتابیہ کے محصنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زنا سے بچے اور غسل جنابت کرے۔

میں کہتا ہوں بغوی کا قول مفہوم مخالف کے معتبر ہونے پر مبنی ہے، جبکہ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ آپ ایسی لونڈی جو کتابیہ ہو اور پاکدامن نہ ہو اس کے ساتھ نکاح کرنے کو بھی جائز کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ عام ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مفہوم مخالف اگرچہ معتبر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں معتبر نہیں۔ اسی لئے ان کے نزدیک ایسی لونڈی جو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 13 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 3، صفحہ 427 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 13 (التجاریہ)
4۔ ایضاً

مومنہ ہو اور بدکارہ ہو، اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اسی وجہ سے امام بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں مومنات میں سے محصنات کی تخصیص صرف اولیٰ کی ترغیب کے لئے ہے، یعنی اگرچہ غیر محصنات سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن محصنات سے نکاح کرنا اولیٰ ہے۔ اگر مفہوم مخالف معتبر نہ ہو تو وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ میں اعتبار کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اس آیت کا عموم اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ کتابیہ حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے، جبکہ حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ حربیہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں (1) واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن عمر کتابیہ کے ساتھ مطلقاً نکاح سے منع کرتے تھے، وہ آزاد ہو یا لونڈی ذمیہ ہو یا حربیہ کیونکہ وہ مشرکات میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ حضرت عبداللہ بن عمر نے محصنات کی تفسیر مسلمات سے کی ہے جبکہ یہ تفسیر صحیح نہیں کیونکہ محصنات کی تفسیر مسلمات سے کرنا لغت کے اعتبار سے درست نہیں، جبکہ اجماع اس پر ہے کہ آزاد کتابیہ سے نکاح کرنا صحیح ہے۔ اختلاف کتابیہ لونڈی میں ہے جس طرح ہم نے سورۂ نساء میں ذکر کیا۔ لیکن کتابیہ سے نکاح کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ نکاح کرنے سے کافر کے ساتھ مصاحبت اور موالات اور اپنی اولاد کو کفار کے اخلاق اپنانے کے لئے پیش کرنا لازم آئے گا کیونکہ اولاد ماں کے ساتھ رہتی ہے اور اس سے مانوس ہوتی ہے۔

ابن ہمام نے کہا حضرت حذیفہ، حضرت طلحہ اور کعب بن مالک نے کتابیات سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ناراض ہوئے تو انہوں نے عرض کیا تھا ہم انہیں طلاق دے دیتے۔ یہ بیان قصہ ان عورتوں سے نکاح کے جواز اور اس کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اگر نکاح نہ ہوتا تو طلاق کیسے ہوتی۔

فائدہ:۔ صابیات کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے نکاح جائز قرار دیا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک صابی زبور کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی اس لئے وہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ یہی حکم ان لوگوں کا ہوگا جو صحف ابراہیمی اور صحف شیث علیہما السلام پر ایمان لائے۔

جبکہ صاحبین کے نزدیک صابیہ سے نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وہ ستاروں کی پوجا کرتے ہیں اس لئے وہ مشرک ہیں۔ ہدایہ میں ہے یہ اختلاف ان کے مذہب میں اشتباہ کی وجہ سے ہے۔ ہر ایک نے وہی جواب دیا جو صابی کا مذہب ان تک پہنچا تھا۔ اس لئے حقیقت میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ:۔ مستصفی میں ہے، علماء نے فرمایا کہ نصرانیہ سے نکاح کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الہ ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ جب وہ یہ اعتقاد رکھے تو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ اس وقت حلال نہ ہوگا کہ جب اہل کتاب یہ اعتقاد رکھیں کہ حضرت مسیح الہ ہیں یا حضرت عزیر الہ ہیں نعوذ باللہ تو ان کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ نیز ان کی بیویوں سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن جب ہم دلائل کو دیکھتے ہیں تو مناسب یہ نظر آتا ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان سے نکاح کرنا حلال ہونا چاہیے۔ ان کی گفتگو مکمل ہوئی۔

ابن ہمام نے شیخ الاسلام کی مبسوط کے موافق قول کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلق حلال ہے خواہ وہ نصرانی ثالث ثلاثہ کا قول کرتا

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 141 (فراس)

ہو یا ایسا قول نہ کرتا ہو اور کتاب اللہ کے مطلق حکم کے بھی موافق ہے۔

میں کہتا ہوں آیت کے ظاہر سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد موحد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ الآیۃ تم مشرکات سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ یہ قول کہ مشرکہ کے ساتھ نکاح کا حکم اہل کتاب کے حق میں اس آیت سے منسوخ ہے، یہ بہت ہی بعید ہے کیونکہ کتابی اور غیر کتابی کے شرک میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یہودیوں نے کہا عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ بھی قول کیا گیا اس کے قائل یہود و نصاریٰ میں سے دو فرقے تھے جن کا اب کوئی وجود نہیں۔ ابن ہمام نے کہا ہمارے علاوہ کے یہودی توحید کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے باپ ہونے سے پاکی بیان کرتے ہیں مگر میں نے جس نصرانی کو بھی دیکھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا کہنے پر مصر ہے نعوذ باللہ۔

ہم نے بنی تغلب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے شادی نہ کرنے کے متعلق جو حضرت علی شیر خدا کا قول نقل کیا تھا وہ ہمارے نقطہ نظر کی تائید کرتا ہے واللہ اعلم۔

۵ یہاں اجور سے مراد مہر ہیں۔ ان کی حلت کو مہر ادا کرنے کے ساتھ مقید کرنا ان کے وجوب کی تاکید بیان کرنے کے لئے اور اولی چیز پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں ایتان سے مراد التزام ہے اور مہر کا لزوم نکاح سے ہوتا ہے۔ گویا یہ ارشاد فرمایا جب تم ان عورتوں سے نکاح کرو۔

۶ یعنی تم نکاح کے ذریعے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا ارادہ رکھتے ہو، نہ کہ تم کسی بھی عورت کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے اپنے پانی کو ضائع کرنا چاہتے ہو۔ اس میں کسی بدکارہ کی تعیین نہیں۔

۷ معین دوست، جن کے ساتھ تم بدکاری کرتے ہو۔ خدن کا لفظ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔

۸ یہاں ایمان سے مراد اسلام کے احکام ہیں۔ اعمال کے ضائع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ خاسرین کا معنی کرتے ہوئے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کے ثواب میں گھاٹا ہو گا۔

امام بخاری نے عمرو بن حارث کی سند سے عبدالرحمن بن قاسم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ صحرا میں میرا ہار گم ہو گیا جبکہ ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ بٹھایا، آپ نیچے اترے اور میری گود میں سر رکھ کر آرام فرما ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے اور مجھے ہاتھ سے مارنے لگے اور کہنے لگے تم نے ہار کی وجہ سے تمام لوگوں کو روک دیا۔ پھر حضور ﷺ بیدار ہوئے، جبکہ صبح ہو چکی تھی۔ پانی تلاش کیا گیا مگر نہ ملا تو یہ آیت نازل ہوئی (1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 663 (وزارت تعلیم)

"اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے ۱؎ تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے ۲؎ اور اپنے بازو کہنیوں تک ۳؎ اور مسح کرو اپنے سروں پر ۴؎ اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک ۵؎ اور اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کرلو ۶؎ اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے ۷؎۔ نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں ۸؎ اور پوری کردے نعمت تم پر ۹؎ تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو ۱۰؎"

۱؎ حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے ابوبکر صدیق کے گھر والو اللہ تعالیٰ نے تمہاری وجہ سے لوگوں میں برکت پیدا فرما دی(1) یہ روایت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار کے واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی سورۂ نساء والی آیت نازل نہیں ہوئی نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت سورۂ نساء والی آیت سے پہلے نازل ہوئی ورنہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عائشہ صدیقہ سے ناراض نہ ہوتے اور یہ قول نہ کرتے تم نے لوگوں کو ایسی جگہ روک رکھا ہے جہاں پانی نہیں اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے اور اسید بن حضیر ان کا شکریہ بھی ادا نہ کرتے۔ طبرانی نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت کا حکم نازل فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اے عائشہ مبارک ہو اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کا معنی اِذَا اَرَدْتُمُ الْقِيَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ ہے۔ یعنی جب تم نماز کے لئے اٹھنے کا ارادہ کرو۔ جس طرح اس آیت کا مفہوم ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ یہاں ارادۂ فعل کو فعل سے تعبیر کیا جو حقیقت میں سبب ہے۔ مقصود اختصار اور تنبیہ ہے کہ جو آدمی عبادت کا ارادہ کرے تو وہ نماز کی طرف جلدی کرے۔ اس طرح کہ ارادہ فعل سے جدا نہ ہو۔ آیت کا ظاہر ہر نماز کا ارادہ کرنے والے پر وضو کے واجب ہونے کو ثابت کرتا ہے اگرچہ پہلے اسے حدث لاحق نہ ہو جبکہ علماء کا اجماع اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے روز ایک وضو سے پانچ نمازیں ادا کی تھیں۔ آپ نے موزوں پر مسح کیا تھا، جبکہ آپ ہر نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کیا آج آپ نے ایسا عمل کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر میں نے جان بوجھ کر یہ عمل کیا ہے(2) اسے امام مسلم اور اصحاب سنن نے بریدہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا اس میں امر وجوب کے لئے ہے۔ پہلے حکم اسی طرح تھا، بعد میں منسوخ کردیا گیا۔ جس پر حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا خواہ وہ پہلے طہارت سے ہو یا طہارت سے نہ ہو جب یہ امر صحابہ پر مشکل ہوگیا تو حضور ﷺ نے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم فرمایا(3) اسے امام احمد، ابوداؤد، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

بعض نے کہا امر ندب کے لئے ہے۔ اجماع اس پر منعقد ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو مسنون اور مندوب ہے اگر نمازی پہلے ہی باوضو ہو۔ حضرت انس کی حدیث بھی اس کے مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہے، بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے(4) اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ اس کے مندوب ہونے پر حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث بھی دلالت

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 663 (وزارت تعلیم)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 135 (قدیمی)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 7 (د۔ت)　　4۔ سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 32 (د۔ت)

کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے پاکیزگی کی حالت میں وضو کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں دس نیکیاں لکھ دیں(1) اسے نسائی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حکم اگرچہ لفظاً مطلق ہے لیکن معنیً مقید ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے جب تم حالت حدث میں نماز کا ارادہ کرو۔ اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ حالت حدث میں تمہاری نماز قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ تم وضو کرو(2) اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

زید بن اسلم نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو کر نماز کے لئے اٹھو(3) بعض نے کہا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے خبر ہے کہ کسی مومن پر وضو فرض نہیں مگر اس وقت جب وہ نماز کے لئے اٹھے۔ گویا حدث لاحق ہونے کے بعد نماز کے علاوہ جو افعال چاہے وہ کرے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ضرورت طبعی سے فارغ ہو کر آئے۔ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، آپ سے عرض کیا گیا، کیا آپ وضو نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا کیا میں نماز کا ارادہ کرتا ہوں کہ وضو کروں۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا۔(4)

فائدہ:۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے وضو فرض تھا۔ جس طرح امام بخاری کی روایت کردہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ جس میں حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار کے گم ہونے کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ نے چشمہ کے علاوہ پڑاؤ کرنے کو عجیب خیال کیا تھا۔ ابن عبد البر نے کہا تمام اہل مغازی کے ہاں مشہور ہے کہ جب سے نماز فرض ہوئی، آپ نے وضو کے بغیر کوئی نماز ادا نہیں کی اور وضو کی فرضیت نماز کی فرضیت کے ساتھ ہو گئی۔ عمل میں وضو اگرچہ پہلے سے موجود تھا، اس کے باوجود آیت کے نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس کا فرض عبارۃ النص سے بھی ثابت ہو جائے۔ نیز تیمم کی تمہید بن جائے واللہ اعلم۔

غسل کا معنی پانی بہانا ہے۔ امام مالک کے علاوہ تینوں ائمہ کے نزدیک غسل میں رگڑنا ضروری ہے، یعنی کتاب کا حکم مطلق ہے۔ اس لئے امام مالک کے خلاف یہ دلیل ہے۔ وجہ معلوم عضو کو کہتے ہیں، یہ لفظ مواجہہ سے مشتق ہے۔ چہرے کی لمبائی میں حد بال اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی میں دونوں کانوں کی لوؤں کے درمیان ہے۔ امام مالک کے علاوہ تینوں ائمہ کے نزدیک جس نے داڑھی اور کانوں کے درمیان والے حصہ کو نہ دھویا اس کا وضو نہ ہوگا۔ پانی کو ابروؤں کے نیچے پلکوں کے اندر اور مونچھوں میں پہنچانا لازم ہے۔ داڑھی کے نیچے پانی اس وقت پہنچانا لازم ہے جب وہ پتلی ہو اور چمڑا نظر آتا ہو۔ اگر داڑھی گھنی ہو، اس کے نیچے سے چمڑا نظر نہ آتا ہو تو وضو میں چمڑے کا دھونا ساقط ہو جائے گا جس طرح سر پر اگے ہوئے بالوں پر مسح کرنے سے سر کے اوپر مسح کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ اس پر دلیل اجماع امت اور رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے کہ آقائے دو عالم ﷺ ایک چلو سے اپنے چہرے کو دھوتے(5) اسے امام بخاری نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے روایت کیا ہے آقائے دو عالم ﷺ کی داڑھی گھنی تھی۔ اسے قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت سے صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے۔ مسلم شریف میں حضرت جابر کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی کے بال بہت زیادہ تھے۔

میں کہتا ہوں جس آدمی کی داڑھی کے بال گھنے ہوں اس کے لئے ایک چلو کے ساتھ تمام بالوں کے نیچے تک پانی پہنچانا ممکن نہیں، داڑھی کے تمام ظاہر کو چمڑے کے عوض دھونا واجب ہوگا۔ یہی جمہور کا مسلک ہے، جس طرح سر کے مسح کے بارے میں حکم ہے۔

1۔ کنز الاقی سنن الترمذی، جلد 1، صفحہ 10 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 9 (ت) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 14 (ت)

4۔ ایضاً 5۔ ماخوذ از صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 26 (ت)

ایک روایت میں امام ابوحنیفہ نے بھی یہی فرمایا۔ظہیریہ میں ہے اسی پر فتویٰ ہے بدائع میں فرمایا اس روایت کے علاوہ دوسری روایات سے رجوع ثابت ہے۔ایک روایت میں ہے داڑھی کے چوتھائی حصہ پرمسح کرنا واجب ہے۔ایک روایت میں ہے داڑھی کے تیسرے حصے پر مسح کرنا واجب ہے۔ایک روایت میں ہے داڑھی پر مسح کرنا اور اس کا دھونا واجب نہیں۔

داڑھی کے تمام ظاہر کے دھونے کے واجب ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جلد کا دھونا اجماع سے ساقط ہو چکا۔اجماع کی دلیل یا تو حضور ﷺ کا عمل ہے کہ حضور ﷺ ایک چلو سے چہرہ دھویا کرتے تھے یا پھر قیاس دلیل بنے گا کہ وہ بال جو سر پر اگے ہوئے ہیں ان پر مسح کرنے سے سر پر مسح کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اجماع کی دلیل نص ہو یا قیاس ہو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ داڑھی کے نیچے والے حصہ کا دھونا اس لئے ساقط ہوا کہ بال اس کے قائم مقام ہو چکے ہیں اور اس داڑھی کا دھونا چہرے کی جلد کے دھونے کا بدل ہے۔رہا قیاس تو کیونکہ اصل کا حکم جو سر کا مسح ہے ساقط ہو کر بدل کی صورت ثابت ہو چکا ہے جو سر کے بالوں پر مسح کرنا ہے اس لئے ضروری ہوگا کہ چہرے کے دھونے میں فرض بھی اصل سے ساقط ہو کر بدل میں ثابت ہو وہ ان بالوں کو دھونا ہے جو چہرے کو چھپائے ہوئے ہیں تا کہ فرع (مسح) اصل (غسل) پر فضیلت ثابت نہ کر سکے کیونکہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چہرے کو چلو سے دھوتے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ داڑھی کو ہی دھوتے تھے۔اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اجماع اس پر ہے کہ داڑھی چہرے کے قائم مقام ہے اور چہرے کا فریضہ ساقط ہو کر بدل میں ثابت ہو چکا ہے بغیر بدل کے ساقط نہیں ہوا۔اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ چہرے کا فریضہ جو تمام چہرے کا دھونا ہے اپنے بدل میں ثابت ہے جو داڑھی ہے۔

ید کا لفظ انگلیوں کے پوروں سے لے کر بغلوں تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔جب مرافق کو دھونے کی غایت بنایا گیا تو اس کے اوپر والا حصہ دھونے کے فرض سے ساقط ہو گیا اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک کہنیاں دھونے کے فرض میں باقی رہیں گی۔

امام شعبی اور محمد بن جریر نے کہنیاں دھونے کے واجب نہ ہونے کا قول ذکر کیا ہے۔امام زفر نے بھی یہی کہا ہے کیونکہ الیٰ غایت کے لئے وضع کیا گیا ہے اور غایت مغیا کے حکم سے خارج ہو گی۔جس طرح ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ میں رات روزوں میں داخل نہیں یا اس وجہ سے کہ محققین علماء کے نزدیک الی مطلق غایت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔اس کے ماقبل کے حکم میں داخل ہونے یا خارج ہونے پر کوئی دلالت موجود نہیں۔یہ چیز کسی امر خارج سے ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔یہاں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں اس لئے محض شک کی بنا پر غایت کو حکم میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

ہم کہتے ہیں یہاں ایسی دلیل موجود ہے کہ غایت مغیا کے حکم میں داخل ہو گی،وہ اجماع ہے۔امام شافعی نے فرمایا میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو وضو میں کہنیوں کے دھونے کے وجوب کا قائل نہ ہو۔امام شعبی اور محمد بن جریر سے جو بیان کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہو اسی طرح امام زفر کا قول ماقبل زمانہ کے علماء اور مابعد کے علماء کے اجماع کو ختم نہیں کرتا۔

امام مالک سے صراحۃً یہ منقول نہیں کہ آپ کہنیوں کے وضو سے خارج ہونے کا قول کرتے تھے۔اشہب نے ان سے ایک محتمل کلام نقل کی ہے۔اجماع کی دلیل حضور ﷺ کا عمل ہے جو مجمل کتاب کا بیان ہے۔دارقطنی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عثمان کی حدیث میں روایت کیا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوتے یہاں تک کہ بازوؤں کے حصے کو چھوا(1) اور فرمایا رسول اللہ

1۔سنن الدارقطنی،جلد1،صفحہ83(المحاسن)

ﷺ کا وضو بھی اس طرح تھا۔ حضرت جابر کی حدیث میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تھے تو آپ اپنی کہنیوں پر پانی کو بہاتے(1) لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ بزاز اور طبرانی نے وائل بن حجر کی ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں کو دھوتے یہاں تک کہ کہنیوں تک آگے بڑھ جاتے(2) امام طحاوی اور طبرانی نے ثعلبہ بن عباد سے، وہ اپنے باپ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں پھر آپ اپنے بازوؤں کو دھوتے یہاں تک کہ پانی کہنیوں سے بہنے لگتا۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ وہ وضو میں کہنیوں اور ٹخنوں کو نہ دھوتے ہوں۔ یہ قول آیت کریمہ کے پہچاننے میں واضح دلیل ہے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے کہا کہ ان دونوں مقامات پر الی مع کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں الی مع کے معنی میں ہے وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ۔

اس آیت سے واجب ہونے والے سر پر مسح کرنے کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام احمد کا قول ہے کہ تمام سر پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ راس ایک مخصوص عضو کا نام ہے، باء زائدہ ہے۔ جب ہم مسح کا حکم دیں گے تو اس کا استیعاب (پورے سر کو گھیرنا) لازم ہوگا جس طرح تیمم کرتے وقت پورے چہرے پر مسح کرنا لازم ہے۔ آقائے دو عالم ﷺ کا پورے سر کو مسح کے ساتھ گھیر لینا بھی دلالت کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر پر ہاتھوں سے مسح کیا، پہلے پیشانی کی جانب سے گدی کی طرف ہاتھ لے گئے، پھر گدی کی جانب سے سر کے اگلے حصے کی طرف لے آئے جہاں سے مسح شروع کیا تھا(3)

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا یہاں باء الصاق کے لئے ہے کیونکہ باء کا حقیقی معنی الصاق ہے۔ اس پر علماء عربیہ کا اجماع ہے۔ جس سے اعراض کسی دلیل کی وجہ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ وسائط پر داخل ہوتی ہے اور وسائط کے استیعاب کا قصد نہیں کیا جاتا۔ اسی وجہ سے جب یہ باء محل پر داخل ہو تو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں استیعاب مقصود نہیں۔ اس پر حضور ﷺ کا عمل بھی دلالت کرتا ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا۔ اپنے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور خفین اور پگڑی پر مسح کیا(4) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عطا سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، اپنی پگڑی کو اوپر اٹھایا اور سر کے اگلے حصے پر مسح کیا۔ یہ روایت اصل میں مرسل ہے، ایک اور سند سے مروی ہونے کی وجہ سے قوی ہو گئی جیسے متصل روایت کیا گیا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں ابو معقل ہے جس کا حال معروف نہیں۔ سعید بن منصور نے حضرت عثمان سے وضو کی صفت کے بارے میں روایت کیا ہے، کہا آپ نے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا(5) اس میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جو مختلف فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ ثابت ہے کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کا اکتفا کرنا صحیح ہے۔ ابن منذر اور دوسرے علماء نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن حزم نے کہا صحابہ میں سے کسی سے اس کا انکار ثابت نہیں۔ سر کو گھیرنے والی روایات استحباب پر محمول کی جائیں گی جو سر کے چوتھائی حصہ پر مسح کے اکتفا کے جواز کی نفی نہیں کرتیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمام سر کا مسح مراد نہیں تو امام شافعی نے فرمایا اس آیت کا یہ معنی ہوگا کہ تم سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ جب یہ آیت مطلق ہے تو سر کے ایک یا تین بالوں پر مسح کرنا کافی ہوگا۔

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 83 (المحاسن)
2۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 22، صفحہ 50
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 123 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 134 (قدیمی)
5۔ مفہوم از سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 192 (المحاسن)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہ آیت مجمل ہے کیونکہ باء کے کل کی دلالت اور سر کے اگلے حصہ پر مسح والی احادیث کی وجہ سے سارا سر مراد نہیں اور نہ ہی سر کا مطلق بعض مراد ہے کیونکہ جب پورے چہرے کو دھویا جائے گا تو اس ضمن میں سر کے بعض بالوں تک پانی پہنچ جائے گا۔ جب یہ آیت مجمل ہے اس لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی روایت اور اس معنی میں روایت کی جانے والی احادیث اس مجمل کا بیان ہیں۔ ہم نے سر کے چوتھائی حصہ پر مسح کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ سر کی چار اطراف ہوتی ہیں۔ سر کا اگلا حصہ اس کی ایک جانب ہے۔

۵ نافع' ابن عامر' کسائی' یعقوب اور حفص نے ایدیکم پر عطف کرتے ہوئے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کی غایت الی الکعبین اس طرح ذکر کی ہے جس طرح وجوھکم کی غایت بیان کی تھی کیونکہ سر کا مسح کرنے اور تیمم کرنے میں اس کی غایت بیان نہیں کی گئی ان اعضاء کی غایت بیان کی گئی جنہیں دھویا جاتا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے جوار کی وجہ سے اسے مجرور پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ میں الیم کو مجرور پڑھا گیا، جبکہ یہ عذاب کی صفت ہے اسی لئے اسے مرفوع ہونا چاہیے جبکہ ارجلکم اصل میں منصوب ہے۔

شبہ: یہ قول کہ اکثر علماء نحو نے محض جوار کی وجہ سے جر دینے کو ناپسند کیا ہے اور جس نے اس کے جواز کا قول کیا اس نے یہ شرط لگائی کہ درمیان میں حرف عطف نہ ہو اور التباس سے بھی امن ہو۔ وہ قابل توجہ نہیں کیونکہ التباس سے امن تو غایت کے ذکر سے حاصل ہو جاتا ہے اور اکثر نحویوں کا انکار بھی قابل توجہ نہیں اور جوار کی وجہ سے اعراب دینے کا انکار کرنا یہ بھی محض عناد ہے کیونکہ قرآن حکیم میں بے شمار مواقع پر یہ اعراب موجود ہے۔ نیز بلغاء کے کلام میں بھی موجود ہے۔ یہاں اگر مثالیں ذکر کریں گے تو معاملہ بہت طویل ہو جائے گا۔ لیکن علماء نحو نے حرف عطف کے واسطہ سے جوار کی وجہ سے جر دینے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس صورت میں جر کا آنا جائز نہیں کیونکہ حرف عطف اس میں مانع ہے۔ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ حرف عطف کی صورت میں بھی جر کا آنا جائز ہے کیونکہ حرف عطف وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وصل میں تاکید پیدا کر دے۔ قطع کی تاکید کا فائدہ نہیں دیتا۔

ابن مالک اور خالد ازہری نے کہا کہ واؤ عاطفہ باقی حروف عطف کی بنسبت اکیس حکموں میں مختص ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی وجہ سے معطوف میں جر پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں اگر حرف عطف واؤ کی وجہ سے جوار کی بناء پر جر پڑھنے کے جائز ہونے پر کوئی اور دلیل نہ بھی ہو تو یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب ہے کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا عطف ایدیکم پر ہو سکتا ہے رءوسکم پر نہیں ہو سکتا نیز احادیث اور اجماع سے جو وضاحت آئی ہے وہ واؤ کے واسطہ سے جوار کی بنا پر جر دینے کے ثبوت میں کافی ہے واللہ اعلم۔

یہاں کعبین سے مراد وہ ہڈی ہے جو قدم اور پنڈلی کے ملنے کی جگہ ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ جس کی تحقیق بعد میں آئے گی۔ قدم پر مسح ٹخنوں تک فرض ہونے کا قول کسی نے بھی نہیں کیا جو یہ قول کیا۔ گیا کہ اس صورت میں یہ کلام اس کلام کی طرح ہو گی ضربت زیدا و عمرا و اکرمت بکرا و خالدا کہ اس نے یہ ارادہ کیا ہو کہ خالد بھی مضروب ہے اس کا عطف عمر پر ہے مگر مکرم میں یہ قرینہ نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ نیز اسے بکر پر عطف کرنے میں کوئی مانع بھی نہیں۔

یہ قول ساقط ہے کہ یہ منصوب تو ہے لیکن اس کا عطف برءوسکم کے محل پر ہے یا ارجلکم سے پہلے حرف جار محذوف ہے کیونکہ معرب میں قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ عطف لفظ پر کیا جائے محل پر نہ کیا جائے۔ نیز حرف جار ذکر کیا جائے۔ اصل قاعدہ سے عدول کرنے کی

بھی کوئی وجہ اور قرینہ چاہیے۔اس طرح یہاں امسحوا فعل مقدر کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ قرینہ کے بغیر خاص فعل کے مقدر ماننے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی جو اس کی تعیین پر دلالت کرے۔ان تمام تاویلات میں یہ شرط ہے کہ معنی مقصود میں اشتباہ سے امن ہو۔

اسی طرح یہ قول کرنا کہ یہاں واؤ مع کے معنی میں ہے کیونکہ مفعول معہ میں اصل فعل میں موافقت کافی نہیں ہوتی بلکہ زمان یا مکان میں موافقت ضروری ہے۔یہاں زمان میں موافقت تو تصور نہیں کی جاسکتی کیونکہ واجب یا تو ترتیب ہوگی یا مطلق فعل ہوگا اور دونوں مسحوں کے ایک مکان میں وجوب کا قول کسی نے نہیں کیا۔

اگر ان ضعیف تاویلات کے باوجود یہ فرض کر ہی لیا جائے کہ ارجلکم عطف رءوسکم پر ہے تو بر ءوسکم پر باء حرف جار تو عموماً آلہ پر داخل ہوتی ہے جب یہ محل پر داخل ہو تو اس سے پورے محل کو گھیرنا مراد نہیں ہوتا کیونکہ یہ محل آلہ کے مشابہ ہوگا بلکہ وہ بعضیہ ہوگا اسی وجہ سے اکثر فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ فرض مسح سر کے بعض حصہ پر کرنا ہے معطوف میں اسلوب کلام کا تغیر معطوف کے استیعاب کا تقاضا کرتا ہے۔جو لوگ پاؤں پر مسح کا قول کرتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی مسح میں پاؤں کے استیعاب کا قول نہیں کیا،جبکہ پاؤں میں فرض انہیں دھونا ہے۔

امامیہ نے کہا اس کا عطف رؤسکم پر ہے اس لئے ارجلکم پر جر ہوگی۔اس پر جو نصب پڑھی گئی ہے اس میں انہوں نے رکیک تاویلات کی ہیں۔ہمارے پیش نظر ابن خزیمہ اور دوسرے محدثین کی مروی حدیث ہے جو عمرو بن عنبسہ نے حضور ﷺ سے طویل روایت کی ہے جو وضو کی فضیلت میں ہے اس میں وہ ذکر کرتے ہیں پھر آپ پاؤں دھوتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا(1) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں دھونے کا حکم ارشاد فرمایا۔نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے پاؤں کو دھونے والی احادیث کو اتنے افراد نے نقل کیا ہے جن کا شمار کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی ان کا جھوٹ پر متفق ہونے کا احتمال ہے۔آقائے دو عالم ﷺ سے پاؤں پر مسح کرنے کی روایت مطلقاً موجود ہی نہیں۔صحابہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے۔ان صحابہ یعنی حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے علاوہ کسی صحابی سے اس کے خلاف مروی نہیں،جبکہ ان صحابہ کا اس سے رجوع بھی ثابت ہے۔حافظ ابن حجر نے حضرت علی شیر خدا سے اس طرح نقل کیا ہے کہ انہوں نے وارجلکم پڑھا اور پاؤں کے دھونے کی طرف رجوع کر لیا اسے سعید بن منصورؒ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔حضرت عبد الرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین نے وارجلکم الی الکعبین پڑھا۔حضرت علی شیر خدا نے ان کی قرأت کو سنا،جبکہ آپ لوگوں میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کر رہے تھے۔آپ نے فرمایا وارجلکم اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔اسے ابن جریر نے ابو عبد الرحمٰن سے نقل کیا ہے اور کہا عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا تمام صحابہ کا پاؤں دھونے پر اجماع ہے۔اسے سعید بن منصور نے روایت کیا۔ابن ابی شیبہ نے حکم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی بھی صفت چلی آرہی ہے کہ وہ پاؤں کو دھوتے تھے۔ابن جریر نے عطاء سے نقل کیا ہے کہ قدموں پر مسح کرنے کو کسی نے جائز نہیں۔کیا امام طحاوی اور ابن حزم نے دعویٰ کیا کہ مسح کا حکم منسوخ ہے(2) ابن جریر نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ قرآن حکیم میں مسح کا حکم نازل ہوا اور سنت میں غسل کا حکم ہے(3) اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ظاہر پاؤں پر مسح کرنے کی دلالت کرتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا عمل پاؤں کو دھونا تھا۔آقائے دو عالم ﷺ کا عمل اس وقت ممکن ہے جب قرآن

1۔سنن الدار قطنی،جلد 1،صفحہ 108 (المحاسن)　　2۔شرح معانی الآثار،جلد 1،صفحہ 24 (وزارت تعلیم)

3۔تفسیر طبری،جلد 6،صفحہ 82 (الامیریہ)

کی مراد بھی دھونے سے یا قرآن کا حکم منسوخ مانا جائے۔

ہمارے پیش نظر حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے ہمارے پہنچنے تک نماز تیار تھی ہم وضو کر رہے تھے، اور اپنے پاؤں پر مسح کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے بلند آواز سے ندا کی ایڑیوں کے لئے (جو دھوئی نہیں گئیں) آگ کا عذاب ہے(1) متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا کہ آپ ایک قوم کے پاس سے گذرے جو وضو کر رہی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرو کیونکہ میں نے حضرت ابوالقاسم ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا (خشک) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے(2) متفق علیہ۔ حضرت جابر اور حضرت عائشہ نے بھی وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

دوسرے علماء نے ان احادیث سے روایت کیا ہے جیسے اوس بن ابی اوس نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے وضو کیا اور اپنے جوتوں پر مسح کیا(3) پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ابو داؤد نے اسے روایت کیا اور یہ کہا کہ آپ نے اپنے جوتوں اور قدموں پر مسح کیا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے ان جوتوں پر مسح کیا جو آپ کے پورے قدموں کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ آپ نے ان پر اس طرح مسح کیا کہ جس طرح آپ موزوں پر مسح کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے ہشیم نے یعلی سے روایت کیا ہے، اس میں یہ کہا کہ آپ نے وضو کیا اور اپنے قدموں پر مسح کیا۔ ہم اس کا جواب دیں گے کہ امام احمد نے کہا ہشیم نے یعلی سے نہیں سنا۔ یہ تدلیس بھی کیا کرتا تھا شائد انہوں نے بعض بے وقوفوں سے سنا پھر اسے ساقط کر دیا یا یہ کہا جائے گا (ا) اس کا معنی ہے کہ انہوں نے پاؤں پر اس حالت میں مسح کیا کہ وہ موزوں میں تھے۔ دونوں ٹخنوں میں گفتگو اس طرح ہوئی جس طرح کہنیوں میں ہے جو پہلے گزر چکی ہے کعب اس ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ پر ہوتی ہے جسے اہل لغت پہچانتے ہیں۔ یہ اس ہڈی کو نہیں کہتے جہاں تسمہ باندھا جاتا ہے ہماری اس تعبیر پر کعبین (تثنیہ کی حالت) کا لفظ بھی دلالت کرتا ہے۔ یہاں کعاب نہیں فرمایا کیونکہ آحاد کی تقسیم آحاد پر اسی وقت متصور ہوتی ہے جب جمع کا جمع سے مقابلہ ہو نہ کہ تثنیہ کا جمع سے مقابلہ ہو جب یہاں منقسم ہونا ممکن نہیں تو ضروری ہے کہ ہر پاؤں میں دو ٹخنے ہوں جبکہ تسمہ باندھنے کی جگہ ہر پاؤں (ب) میں ایک ہے۔

مسئلہ:۔ جمہور کے نزدیک مسح علی الخفين پاؤں دھونے کے قائم مقام ہے۔ جب اس نے کامل طہارت کی صورت میں انہیں پہنا ہو، وہ سفر کی حالت میں ہو یا مقیم ہو جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حالت اقامت میں اختلاف کیا ہے۔ سفر کی حالت میں ان سے صحیح روایات یہ ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، جبکہ امامیہ اور ابو بکر بن داؤد نے خفین پر مسح کا مطلقاً انکار کیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 28 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 125 (قدیمی) 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 22 (وت)

(ا) یہ قول کیا جاتا ہے جب بھی امیر کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے اس کے پاؤں کو تحفہ دیا اگر وہ ننگے ہوتے تو پاؤں کو بوسہ دیتا تو اگر موزوں میں ہوتے تو وہ موزوں کو چومتا یہ قول کہ رجلین کا ذکر جائز نہیں اور نہ ہی اس پر قرینہ ہے تو یہ کوئی بات نہیں کیونکہ جب دو آیتیں اور دو قرأتیں آپس میں متعارض ہو جائیں تو ان دونوں کے درمیان جمع کرنا واجب ہوتا ہے جمع کی صورت یہ ہوگی کہ دونوں کو الگ الگ حالتوں پر محمول کیا جائے کلام میں دونوں حالتوں کا ذکر اور کسی قرینہ کا قیام شرط نہیں کیا آپ دیکھتے ہیں کہ علماء نے وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ کی تشدید کو دس دنوں سے پہلے خون ختم ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور بغیر تشدید کی قرأت کو پورے دس دنوں میں ختم ہونے پر محمول کیا ہے اور یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں موزوں کا پہننا نادر تھا یہ ممنوع ہے۔ از مولف رحمہ اللہ

(ب) اس لئے یہاں کعب سے مراد ٹخنہ ہوگا نہ کہ تسمہ باندھنے کی جگہ۔ از مترجم

نصب کی قرأت پاؤں دھونے کو واجب کرتی ہے کیونکہ اس کا عطف ایدی پر ہے اور جر کی قرأت مسح کو واجب کرتی ہے کیونکہ اس کا عطف رئوسکم پر ہے۔ یہ قرات اس پر محمول کی جائے گی کہ پاؤں موزوں میں تھے۔ دونوں قرأتیں دونوں آیتوں کے قائم مقام ہوں گی۔ ان میں سے ایک کو معنی حقیقی پر محمول کیا جائے گا اور دوسری کو معنی مجازی پر محمول کیا جائے گا۔ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ دونوں قرأتوں میں سے ایک ترکیب اور تقدیر دوسری میں ترکیب اور تقدیر سے مختلف ہے۔ اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ موزوں پر مسح کی حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے۔ اس کی وجہ سے کتاب کے حکم کو منسوخ قرار دینا جائز ہے۔ اس کی وضاحت حفاظ کی ایک جماعت نے کی ہے کہ خفین پر مسح کا حکم تواتر سے ثابت ہے۔ بعض محدثین نے ان کے راویوں کو شمار کیا۔ ان کی تعداد اسی سے تجاوز کر گئی۔ ان میں سے عشرہ مبشرہ بھی ہیں ابن ابی شیبہ اور دوسرے محدثین نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ مجھے ستر صحابہ نے موزوں پر مسح کرنے والی روایت بیان کی ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا میں نے مسح کے جواز کا قول نہیں کیا یہاں تک کہ وہ میرے سامنے روشن دن کی طرح واضح ہو گیا۔ آپ سے بھی مروی ہے کہ جو انسان موزوں پر مسح کے جواز کا قائل نہیں مجھے اس کے کافر ہونے کا خوف ہے۔ امام محمد نے فرمایا موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں۔ اس ضمن میں اصحاب رسول اللہ ﷺ سے چالیس احادیث ہیں، جن میں سے کچھ مرفوع ہیں اور کچھ موقوف ہیں۔ ان میں سے آپ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ تشریف لے گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، آپ نے قضاء حاجت کی۔ پھر میں نے آپ پر پانی بہایا، آپ نے نماز کا وضو کیا، آپ نے موزوں پر مسح کیا پھر آپ نے نماز ادا کی (1) متفق علیہ۔ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں۔ تقریباً ان سے ساٹھ سندوں سے اسے روایت کیا گیا۔ ابن مندہ نے ان میں پینتالیس کا ذکر کیا۔ دوسری روایت حضرت جریر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قضائے حاجت کی پھر آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ ابراہیم نے کہا علماء کو یہ حدیث بہت پسند تھی کیونکہ جریر سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوئے تھے (2) متفق علیہ۔

ابن عبدالبر مالکی نے کہا میں نہیں جانتا کہ کسی فقیہ نے اس کا انکار کیا ہو مگر امام مالک سے روایت کیا گیا ہے مگر آپ سے صحیح روایات میں تصریح ہے کہ آپ بھی اس کے قائل تھے۔ حضرت عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ کسی صحابی سے اس کا انکار مروی نہیں، جبکہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ سے حسن سندوں سے اس کے خلاف بھی مروی ہے جو تمام صحابہ کے نقطہ نظر کے موافق ہے۔ رہا حضرت عائشہ کا انکار تو صحیح مسلم میں شریح بن ہانی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا حضرت علی سے جا کر پوچھو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے ہم نے ان سے پوچھا آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے (3) اسے ابو داؤد، ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا۔ دار قطنی نے حضرت عائشہ سے خفین پر مسح کرنے کے اثبات کا قول روایت کیا ہے (4) جو یہ قول ذکر کیا گیا کہ حضرت علی شیر خدا نے یہ کہا مجھے اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں موزوں پر یا اپنے گدھے کی پشت پر مسح کروں۔ یہ باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں اور جو یہ قول ذکر کیا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ کہا کہ میں اپنے پاؤں کو استرے سے کاٹ ڈالوں خفین پر مسح کرنے سے زیادہ محبوب ہے، یہ بھی باطل ہے۔ اس کی وضاحت حفاظ نے کی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 33 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 133-132 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 135 (قدیمی)
4۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 194 (المحاسن)

مسئلہ:۔ موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے مسافر کو تین دن اور تین راتوں کی رخصت دی اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات کی رخصت دی، جب وہ پاک ہو کر موزے پہنے(1) اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح کہا نیز اسے ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن جارود، امام شافعی، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور دار قطنی نے روایت کیا۔ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث جو پہلے گذر چکی ہے، اس میں یہ ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے موزے نہ اتاروں فرمایا ان کو چھوڑ دو میں نے انہیں پہنا تھا، جبکہ پاؤں پاک تھے(2) حضرت علی صفوان بن عسال' عمر بن خطاب' عمرو بن ابی امیہ الضمیری' ابوھریرہ اور خزیمہ بن ثابت کی حدیث میں مسح کی مدت ثابت ہے۔ ان روایات کو ابن جوزی نے تحقیق میں اور ہم نے منار الاحکام میں بیان کیا ہے۔ یہ امام مالک کے خلاف دلیل ہیں کیونکہ وہ مسافر کے لئے وقت کے تعین کے قائل نہیں اور مقیم کو مسح سے بھی منع کرتے ہیں جس طرح آپ سے مروی ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو میں ترتیب اور موالات شرط نہیں۔ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک ترتیب شرط ہے۔ اس طرح پے در پے وضو کرنا امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بھی شرط ہے۔ امام شافعی کا پرانا قول بھی یہی ہے، ہماری دلیل یہ ہے۔ کہ آیت میں حرف عطف واؤ ہے جو مطلق جمع کے لئے آتی ہے۔ اس میں ترتیب اور موالات پر کوئی دلالت نہیں۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ فرمایا مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں جس عضو سے چاہوں وضو کراوں ۔(3)

دوسرے ائمہ نے ابی بن کعب اور ابن عمر سے مروی احادیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا، آپ نے ایک ایک بار اعضاء کو دھویا، فرمایا یہ اس آدمی کا وضو ہے۔ جس نے اس طرح وضو نہ کیا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائے گا پھر آپ نے دو دو دفعہ وضو کیا۔ فرمایا یہ اس آدمی کا وضو ہے جسے اللہ تعالیٰ دگنا اجر دے گا پھر آپ نے تین تین دفعہ وضو کیا۔ فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے(4) ان دونوں کو دار قطنی نے روایت کیا۔ ان کے استدلال کی صورت یہ ہے کہ یہ اس حالت سے خالی نہ ہو گا کہ یا تو آپ نے وضو ترتیب سے اور پے در پے کیا ہو گا یا ایسا نہیں کیا ہو گا۔ یہ تصور تو جائز نہیں کہ آپ نے ترتیب اور موالات کے بغیر وضو کیا ورنہ ترتیب اور موالات کو ترک کرنا فرض ہو گا۔ یہ کسی نے بھی قول نہیں کیا تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ آپ نے ترتیب کے ساتھ اور پے در پے وضو کیا تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دو چیزوں کی موجودگی میں اس عمل کو قبول فرماتا ہے۔

اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا۔ ایک سند کے اعتبار سے کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ ابی بن کعب کی حدیث میں زید بن ابی جواری ہے۔ یحییٰ نے کہا یہ کوئی چیز نہیں۔ ابوزرعہ نے کہا اس کی حدیث کمزور ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن عرادہ ہے۔ یحییٰ نے کہا یہ کچھ بھی نہیں۔ امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں مسیب بن واضح ہے جو ضعیف ہے۔ دوسرا اعتراض متن میں باہم تناقض کی وجہ سے ہو گا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اگر ترتیب کے وجود پر اس حدیث سے استدلال صحیح ہے تو اس حدیث سے دائیں طرف سے یا بائیں طرف' مسواک کرنا یا نہ کرنا اور ناک صاف کرنا یا نہ کرنا بھی واجب ہو گا کیونکہ حضور ﷺ کا عمل ان دو ضدوں میں سے ایک سے خالی نہ ہو گا۔

تیسری صورت یہ ہو گی کہ ایک ایک دفعہ پر وضو میں اکتفا کرنا حکم کی تکمیل میں ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر نماز قبول

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 194 (المحاسن)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 134 (قدیمی)
3۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 89 (المحاسن)
4۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 79 (المحاسن)

نہیں فرما تا ترتیب کے واجب ہونے کا عمرو بن عنبسہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی وضو نہیں کرتا اور کلی' ناک میں پانی اور اور ناک کو صاف نہیں کرتا مگر اس کے منہ اور ناک کی خطائیں پانی کے ساتھ ہی گر جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنا منہ نہیں دھوتا مگر داڑھی کے اطراف سے پانی کے ساتھ ہی گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں دھوتا مگر اس کے ہاتھوں کے گناہ پوروں کے اطراف سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے سر کا مسح نہیں کرتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، مگر پانی کے ساتھ ہی اس کے بالوں کے اطراف سے گناہ گر جاتے ہیں۔ پھر وہ ٹخنوں تک اپنے پاؤں نہیں دھوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، مگر پانی کے ساتھ ہی اس کی انگلیوں کے اطراف سے قدموں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ پھر اسی طرح حضرت ابوھریرہ سے ثم کے لفظ کے ساتھ اسے روایت کیا گیا ہے جو ترتیب کے لئے آتا ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ اس عمل کی حکایت ہے جو وضو کرنے والا عموماً کرتا ہے اور اسے بخشش کے لئے بشارت ہے۔ اگر ترتیب فوت ہو جائے تو نماز کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں بلکہ گناہوں کی بخشش نہ ہونے پر بھی کوئی دلالت نہیں۔ موالات کے وجوب کا ائمہ نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ ایک آدمی نے نماز کے لئے وضو کیا، اس نے قدم کے اوپر والے حصہ پر ناخن کے برابر حصہ چھوڑ دیا، نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ لیا، فرمایا لوٹ جاؤ۔ اپنے وضو کو اچھی طرح کرو۔ وہ آدمی واپس گیا، اس نے وضو کیا پھر نماز پڑھی(2) اسے حضرت عمر بن خطاب کی حدیث سے روایت کیا گیا۔ امام احمد ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے حضرت انس کی حدیث سے روایت کیا، جبکہ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ حضور ﷺ کے فرمان اَحْسِنْ وَضُوْءَ کَ کا معنی یہ ہے اس جیسے کو دھو کر اپنے وضو کو مکمل کرو۔ یہ وضو کو لوٹانے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر یہ کہا جائے امام احمد نے حضرت عمر کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی کہ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کا اعادہ کرے۔ ہم کہیں گے اس سند میں ابن الہیعہ ہے جو ضعیف ہے۔ اسی طرح ازواج نبی سے بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جبکہ اس کے پاؤں کے اوپر والے حصہ میں درہم کی مقدار خشک جگہ تھی۔ حضور ﷺ نے اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا(3) اس کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بقیہ ہے جو مدلس ہے۔ جب تک کوئی اور راوی اس کی متابعت نہ کرے اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ موالات کی شرط نہ ہونے پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے میمونہ سے حضور ﷺ کے غسل کے بارے میں روایت کیا، فرمایا پھر آپ اپنی جگہ سے ہٹے اپنے پاؤں کو دھویا(4) امام مالک نے حضرت نافع سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ام میں امام مالک سے، انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا، آپ نے مدینہ طیبہ کے بازار میں وضو کیا، آپ کو جنازہ کے لئے بلایا گیا، جبکہ وضو میں سے پاؤں دھونے کا فرض باقی تھا۔ آپ لوگوں کے ساتھ جنازہ گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ نے خفین پر مسح کیا(5) حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ اس وقت بھی پاؤں دھو لیتے تھے جبکہ دوسرے اعضاء پر پانی خشک ہو چکا ہوتا واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک وضو کے صحیح ہونے کے لئے نیت شرط نہیں، جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک نیت شرط ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ یہ عبادت ہے۔ ہر عبادت میں نیت شرط ہوتی ہے۔ یہ نصوص اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 108 (المحاسن)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 125 (قدیمی)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 23 (وزارت تعلیم)
4۔ ماخوذ از صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 40 (و۔ت)
5۔ مفہوم از موطا امام مالک، صفحہ 25 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور۔

فرمان ہے انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اور حضور ﷺ کا فرمان ہے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے(1) ہم کہتے ہیں وضو کے دو اعتبار ہیں۔ایک یہ کہ یہ عبادت ہے، یہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔اس وجہ سے نیت کا ہونا ضروری ہے جس کی دلیل ہم نے پہلے ذکر کر دی کیونکہ اعمال کا ثواب نیتوں پر ہے اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ یہ نماز کے لئے چابی ہے اور اس کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔اس کے لئے نیت کی ضرورت نہیں جس طرح تمام دوسری شرطوں کے لئے نیت لازمی نہیں جیسے شرمگاہ ڈھانپنے اور نجاستوں سے طہارت حاصل کرنے کے لئے نیت ضروری نہیں۔

مسئلہ:۔ جمہور علماء کے نزدیک وضو میں بسم اللہ شریف' کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا شرط نہیں، جبکہ امام احمد نے فرمایا یہ واجب ہے اور وضو کا رکن ہے۔بسم اللہ شریف کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے اس آدمی کا وضو نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا(2) اسے امام احمد اور ائمہ کی ایک جماعت نے کثیر بن زید کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ربیح بن عبد الرحمٰن وہ اپنے والد سے، وہ سعید بن خدری سے روایت کرتے ہیں۔اسے امام ترمذی اور ایک جماعت نے سعید بن زید کی حدیث سے، انہوں نے عبد الرحمٰن بن حرملہ سے، انہوں نے ابی ثفال سے، انہوں نے رباح سے، انہوں نے دادی سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔امام احمد اور اصحاب سنن نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث یعقوب بن سلمہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔اس کے کچھ الفاظ یہ ہیں جس نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا اس نے اپنے پورے جسم کو پاک کر لیا۔جس نے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا، اس نے صرف وضو کی جگہ کو پاک کیا(3) اسے دار قطنی نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔نیز حضرت ابن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے۔اسے امام ترمذی' ابن ابی شیبہ اور ابن عدی نے روایت کیا ہے اور حضرت حصیف کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کے پاس وضو کیا اور بسم اللہ شریف نہ پڑھی۔آپ نے فرمایا اپنے وضو کو لوٹاؤ۔اس نے پھر وضو کیا اور بسم اللہ شریف نہ پڑھی۔آپ نے فرمایا تیسری دفعہ وضو کرو۔پھر اس نے وضو کیا اور بسم اللہ شریف پڑھی۔فرمایا اب تو نے ٹھیک وضو کیا اور خیر کو پالیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حصیف کی حدیث موضوع ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔باقی سب احادیث ضعیف ہیں۔ابو بکر اثرم نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے ہوئے سنا اس میں کوئی ایسی روایت نہیں جو ثابت ہو۔سب سے بہترین کثیر بن فرید کی حدیث ہے اور کثیر ضعیف ہے۔عبد الرحمٰن بن حرملہ کا بھی یہی حال ہے۔ابو حاتم نے کہا وہ قابل حجت نہیں، امام بخاری نے اسے کمزور قرار دیا۔ابو ثفال اور رباح دونوں مجہول ہیں، رباح کی دادی جو اس حدیث کی راویہ ہیں اور سعید بن زید سے روایت کرتی ہیں، اس کا نام اور حال معروف نہیں ابو حاتم اور ابو زرعہ نے بھی یہی کہا ہے۔یعقوب بن سلمہ لیثی راوی کا جہاں تک تعلق ہے، امام بخاری نے کہا اس کا اپنے باپ سے سماع معروف نہیں اور نہ اس کے والد کا حضرت ابوہریرہ سے سماع معروف ہے۔رہی حضرت عائشہ کی حدیث، اس کی سند میں حارثہ ہے جو محمد سے روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہے۔حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں ایک راوی ابو بکر بن داہر ہے جو متروک ہے۔حضرت ابن مسعود کی حدیث، اس میں یحییٰ بن ہاشم شمشاد ہے جو متروک ہے۔ابان سے ایک مرسل روایت مروی ہے، یہ مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی ہے، اس باب میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔اسی وجہ سے امام احمد نے فرمایا میں اسے دوبارہ لوٹانے کا حکم نہیں دیتا، میں امید کرتا ہوں کہ اس کا وضو جائز ہوگا۔لیکن

1۔صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 2 (وزارت تعلیم) 2۔جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 6 (وزارت تعلیم)

3۔سنن الدار قطنی، جلد 1 صفحہ 74 (المحاسن)

امام احمد قیاس پر ضعیف حدیث کو مقدم رکھتے ہیں۔ خصوصاً یہ احادیث جمع ہو جانے اور باہم قوت دینے سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان احادیث کی اصل ہے۔ ان ائمہ نے بسم اللہ کے وجوب کو حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ ہر ذی شان کام جس کے آغاز میں بسم اللہ شریف نہ پڑھی جائے وہ دم بریدہ ہوتا ہے(1) ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہ حدیث وجوب پر دلالت نہیں کرتی ورنہ حمد بھی واجب ہوتی کیونکہ اس معنی میں حدیث وارد ہوئی ہے نیز یہ احادیث ابی جہیم کی حدیث کے معارض ہیں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ بئر جمل کی جانب سے آئے۔ ایک آدمی آپ کو ملا، آپ کو سلام پیش کیا۔ آپ نے اسے جواب ارشاد نہ فرمایا یہاں تک کہ آپ دیوار کے پاس آئے، تیمم فرمایا پھر جواب ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے اسے ناپسند کیا کہ آپ لفظ سلام بغیر وضو کے کہیں کیونکہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے تو وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ اگر ہم بسم اللہ شریف والی احادیث کو تسلیم کرلیں تو یہ استحباب پر محمول ہوں گی۔ وضو کی نفی سے مراد کمال کی نفی ہوگی۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ان کا وجوب حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کی حدیثوں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا وضو کا حصہ ہیں، ان کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں(2) یا فرمایا ان کے بغیر وضو مکمل نہیں ہوتا اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا حکم دیا(3) دار قطنی نے تینوں احادیث کو روایت کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ایک راوی سلیمان بن موسیٰ ہے۔ امام بخاری نے کہا اس کے پاس منکر روایات ہیں امام نسائی نے کہا وہ قوی نہیں۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں جابر جعفی ہے جسے ایوب سجستانی نے جھوٹا قرار دیا اور زائدہ ہے جسے امام نسائی نے متروک کہا۔ رہی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث، دار قطنی نے کہا اسے ہدبہ اور داؤد بن محبر کے علاوہ کسی نے بھی مسند نقل نہیں کیا یہ اسے حماد سے، وہ عمار بن ابی عمار سے، وہ ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں۔ باقی محدثین اسے عمار سے مرسل نقل کرتے ہیں۔ ابن جوزی نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہدبہ ثقہ ہے۔ شیخین میں اس سے روایت مروی ہے اسے مرفوع نقل کرنا زیادتی ہے۔ ثقہ کی مرسل مقبول ہوتی ہے پھر مرسل حجت ہے۔ ناک صاف کرنے کے وجوب کو حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے استدلال کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو ناک میں پانی ڈالے پھر اسے صاف کرے(4) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ اس کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں وہ اپنی ناک میں پانی ڈالے پھر اسے صاف کرے متفق علیہ۔ ابن جوزی نے کہا اس کی مثل حضرت عثمان بن عفان، سلمان بن قیس اور مقدام بن معدیکرب سے مروی ہے۔ امام احمد، ابو داؤد اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کی ہے دو یا تین دفعہ ناک کو اچھی طرح صاف کرو(5) ابو داؤد طیالسی سے مروی ہے جب تم میں سے کوئی وضو کرے وہ ناک صاف کرے، یہ عمل وہ دو یا تین دفعہ کرے۔ اس کی سند حسن ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور اسے صاف کرنا یہ استحباب پر محمول ہوگا خصوصاً اس صورت میں جب یہ حکم ناک صاف کرنے کے ساتھ ملا ہوا ہے جو بالاتفاق واجب نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس نے وضو کیا پس چاہیے کہ وہ ناک صاف کرے۔ جس نے ایسا کیا اس نے بہت اچھا کیا، جس نے ایسا نہ کیا اس پر کوئی حرج نہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ کے قاعدہ کے مطابق اگر بسم اللہ، کلی، ناک میں پانی ڈالنے یا دوسرے امور کے متعلقہ احادیث جو وجوب پر دلالت کرتی ہیں انہیں تسلیم بھی کرلیں تب بھی ان کے

1۔ مفہوم از تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 18 (ابن حزم)
2۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 84 (المحاسن)
3۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 116 (المحاسن)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 124 (قدیمی)
5۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 19 (وزارت تعلیم)

ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہ ہوگی کیونکہ آپ کے نزدیک کتاب اللہ پر زیادتی نسخ کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ آیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز کی صحت صرف چار ارکان تک محدود ہونی چاہیے اور اخبار احاد سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں اس لئے اخبار آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی بھی جائز نہیں واللہ اعلم

فصل:۔ وضو کی سنتیں یہ ہیں نیت کرنا' ابتداء میں ہاتھوں کو کلائیوں تک تین دفعہ دھونا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا اور ناک صاف کرنا، یہ اعمال تین دفعہ کرنا' دھوئے جانے والے اعضاء کو تین دفعہ دھونا' ایک دفعہ سارے سر کا مسح کرنا' ترتیب سے وضو کرنا اور پے در پے وضو کرنا کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ہے، ان سے عرض کیا گیا ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کا وضو کریں۔ آپ نے پانی منگوایا، اس میں سے کچھ اپنے ہاتھوں پر انڈیلا، ہاتھوں کو تین دفعہ دھویا، ایک چلو سے منہ میں اور ناک میں پانی ڈالا اس عمل کو تین دفعہ دہرایا، منہ کو تین دفعہ دھویا، ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو دفعہ دھویا، اپنے سر پر مسح کیا پہلے پیشانی کی جانب سے ہاتھوں کو سر کی پچھلی جانب چلایا پھر پیشانی کی طرف لے آئے پھر اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا وضو اس طرح تھا(1) متفق علیہ۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے تین دفعہ کلی کی، ناک میں تین دفعہ پانی ڈالا اور تین دفعہ ناک کو صاف کیا، یہ عمل تین چلوؤں سے کیا(2) حضرت علی شیر خدا سے مروی حدیث میں ہے تین دفعہ کلی کی' تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا' تین دفعہ چہرہ اور بازو دھوئے، ایک دفعہ سر پر مسح کیا پھر ٹخنوں تک اپنے قدم دھوئے پھر کھڑے ہوئے، بچا ہوا پانی لیا، کھڑے ہو کر اسے پیا پھر فرمایا میں پسند کرتا تھا کہ تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو کس طرح ہوتا تھا(3) اسے امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا۔ دار قطنی نے کہا رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا ہو اور تین چیزوں میں سے کسی کو چھوڑا ہو، یعنی نیت' ترتیب اور موالات۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دو قولوں میں سے ایک میں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ سر کا مسح بھی تین دفع کیا جائے۔ حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن زید' حضرت سلمہ بن اکوع' حضرت انس' حضرت معاذ بن جبل' حضرت براء بن عازب' حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ انہوں نے سر پر ایک دفعہ مسح کیا۔(4)

جو تین دفع مسح کرنے کے قائل ہیں انہوں نے حضرت عثمان کی حدیث سے استدلال کیا کہ حضور ﷺ نے تین تین دفعہ وضو کیا(5) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ حضرت علی شیر خدا کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے، اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ ہم اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کا فرمان توضا ثلاثا سے مراد تین دفعہ دھونا ہے (یعنی جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے وہ اس حکم میں داخل ہیں) ابو داؤد نے کہا حضرت عثمان کی تمام صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح صرف ایک دفعہ ہے(6) حضرت علی شیر خدا کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں تَوَضَّأَ وَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَ اُذُنَیْهِ ثَلَاثًا ہم اسے اس معنی پر محمول کریں گے کہ ایک دفعہ ہی پانی لے کر تین دفعہ ہاتھ کو پھیرنا ہے۔ یہی احادیث میں تطبیق کی صورت ہے۔ اس حالت میں بھی مسح ایک ہی شمار ہوگا۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں ہے کہ اپنے ہاتھوں سے سر پر مسح کیا، پہلے (پیشانی کی جانب سے سر کی جانب) آگے بڑھایا پھر انہیں پیچھے کیا پھر ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر جہاں سے اسے شروع کیا تھا وہاں تک لے آئے(7) واللہ اعلم۔ انہیں سنتوں میں سے ایک کانوں پر مسح

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 123 (قدیمی)
2۔ ایضاً
3۔ سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 28 (د۔ت)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 16 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 27-28 (د۔ت)
6۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 15 (د۔ت)
7۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 15 (وزارت تعلیم)

کرنا بھی ہے کیونکہ حدیث ہے جو ابوامامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کان، سر کے تابع ہیں۔ آپ سر پر ایک دفعہ مسح کرتے تھے...... اور کانوں پر بھی مسح فرماتے تھے (1) اسے امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مواظبت پر دلالت کرتی ہے۔ نیز مقدام بن معدیکرب کی مرفوع حدیث ہے کہ آپ نے وضو کیا۔ اپنی دونوں انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیں (2) اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور حضرت علی شیر خدا کی حدیث ہے کہ آپ نے وضو کیا اور اپنے سر اور کانوں پر تین دفعہ مسح کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ اسی طرح وضو کرتے تھے (3) اگر یہ سوال کیا جائے بہت ساری احادیث میں کانوں کا ذکر نہیں۔ ہم کہتے ہیں جب ابی امامہ اور حضرت علی کی حدیث سے مواظبت ثابت ہوگئی تو اب ان کا ذکر نہ ہونا نفی پر دلیل نہیں بن سکتا شاید جنہوں نے کانوں کا ذکر نہیں کیا انہوں نے سر کے مسح کے ذکر پر اکتفا کیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کان سر کے تابع ہیں۔ انہیں سنتوں میں سے ایک داڑھی کا خلال کرنا ہے حضرت عثمان بن عفان کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ داڑھی کا خلال کرتے تھے (4) اسے امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا۔ ابن سکن نے اسے صحیح کہا۔ سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ رخساروں کو تھوڑا سا ملے۔ حضرت ابن عمر کی وصیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رخساروں کو کچھ ملا (5) اسے ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا۔ ابن سکن نے اسے صحیح کہا، جبکہ حدیث حسن ہے۔

فصل:۔ بسم اللہ شریف سے وضو کا آغاز کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ہم نے انہیں استحباب پر محمول کیا تھا۔ اس طرح وہ اعضاء جو جوڑا جوڑا ہیں ان میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سنت ہو لیکن علماء نے اس کے سنت ہونے کا قول نہیں کیا کیونکہ اس عمل پر مواظبت حضور ﷺ کی طرف سے بطور عبادت نہ تھی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ اپنے تمام امور میں جہاں تک ہو سکتا آپ دائیں سمت کو پسند فرماتے، وہ عمل پاکیزگی حاصل کرنے کا ہو، کنگھی کرنے کا ہو یا جوتا پہننے کا (6) ہو متفق علیہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو (7) اسے امام احمد، ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ جب وضو سے فارغ ہو تو مستحب ہے کہ یہ کلمات پڑھے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (8) امام مسلم نے عقبہ بن عامر کی حدیث جو انہوں نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ فرمایا جس نے وضو کیا اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والی آخرہ تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے (9) امام ترمذی نے ایک اور سند سے اسے روایت کیا ہے اور اس میں ان الفاظ کی زیادتی ہے اللھم اجعلنی...... یا وہ یہ کہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اور دو رکعت نماز (1) ادا کرے۔ اسے ابن ماجہ نے حضرت انس کی حدیث سے روایت کیا۔ نسائی اور حاکم نے ابوسعید کی حدیث سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، جس نے وضو کیا اور کہا سبحانک ...... الی آخرہ تو اس کا یہ عمل جھلی میں لکھ دیا جاتا ہے پھر اس پر مہر لگائی جاتی ہے جو قیامت تک نہیں توڑی

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 103 (المحاسن) 2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 35 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
3۔ سنن الدار قطنی، جلد 1، صفحہ 92 (المحاسن) 4۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 34، (و۔ت) 5۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 35 (سعید)
6۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 29 (و۔ت) 7۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 33 (و۔ت) 8۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 34 (و۔ت)
9۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 122 (قدیمی) (1) تحیۃ الوضوء

جائے گی۔ امام نسائی نے موقوف کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ مرفوع ضعیف ہے لیکن موقوف کا حکم بھی مرفوع کا ہے۔

مسئلہ:۔ مسواک فی نفسہ سنت موکدہ ہے۔ امام بخاری نے حضرت انس کی مرفوع حدیث روایت کی ہے میں نے تم پر مسواک کو زائد کیا ہے(1) امام مسلم نے حضرت عائشہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک فرماتے(2) طبرانی اور بیہقی نے ام سلمہ کی حدیث روایت کی ہے کہ جبرئیل امین مجھے مسواک کی لگاتار تاکید کرتے رہے کہ مجھے خوف ہونے لگا کہ یہ میرے دانت گرا دے گا۔ اس کی مثل حضرت سہل بن سعد، حضرت ابی امامہ، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت ابوالطفیل، حضرت ابن عباس، حضرت مطلب، حضرت عائشہ اور حضرت انس سے کتب احادیث میں مروی ہے یہ کمال مواظبت پر دلیل ہے خصوصاً جو نیند سے بیدار ہو کیونکہ حضور ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو آپ مسواک کرتے(3) متفق علیہ، ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے موقع پر مسواک کا حکم دیتا(4) اسے امام مسلم اور ابوداؤد نے روایت کیا حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع روایت منقول ہے وہ آدمی جو مسواک کرتا ہے، اس کی نماز اس آدمی کی نماز سے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے جو مسواک نہیں کرتا۔ اسے امام احمد، ابن خزیمہ، حاکم اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ مسواک وضو کی سنت نہیں کیونکہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن زید اور دوسرے محدثین کے بیان میں کثیر احادیث مروی ہیں لیکن ان سے مسواک کے متعلق کوئی روایت نہیں کی گئی، جبکہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی احادیث موجود ہیں واللہ اعلم۔

نماز قائم کرنے کے وقت تم جنبی ہو تو غسل کرو اور اس کی وضاحت سورۂ نساء میں گزر چکی ہے اطہر وامر کا صیغہ ہے اور تطہیر میں مبالغہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے سارے بدن کا دھونا واجب ہے۔ تطہیر میں مبالغہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی واجب ہے کیونکہ منہ کا اندر والا حصہ اور ناک کے نرم حصے کا اندر والا حصہ ایک اعتبار سے ظاہر بدن میں شمار ہوتے ہیں، جب منہ کھلا ہو اور جب بند ہو تو وہ باطن بن جاتا ہے۔ ہم نے مبالغہ کی رعایت کرتے ہوئے انہیں ظاہر میں شمار کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما نے فرمایا یہ دونوں غسل میں بھی سنت ہیں جس طرح یہ وضو میں سنت ہیں کیونکہ حضرت ام سلمہ کی حدیث ہے وہ کہتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جس کی مینڈھیاں بڑی سخت ہیں کیا میں جنابت کے غسل (۱) کے لئے انہیں کھولوں؟ فرمایا نہیں، تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تو اپنے بالوں پر پانی کے تین چلو ڈال دے پھر اپنے اوپر پانی بہا دے تو پاک ہو جائے گی(5) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ نے سر دھونے کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا بال کھولے جائیں یا نہ کھولے جائیں تو جواب اس بارے میں وارد ہوا اس میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے بارے میں نفی اور اثبات کے حوالے سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اس لئے یہ کوئی حجت نہیں۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 122 (وزارت تعلیم)　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 128 (قدیمی)　3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 128 (قدیمی)
4۔ ایضاً　5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 149-150 (قدیمی)

(۱) ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک آدمی حاضر ہوا، جس کے کپڑے عمدہ، اچھی خوشبو، خوبصورت چہرہ تھا اس نے کہا یا رسول اللہ اسلام کیا؟ ہے فرمایا تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، بیت اللہ کا حج کرے اور جنابت کا غسل کرے۔ اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ عبد بن حمید نے وہب ذماری سے نقل کیا ہے کہ زبور میں یہ لکھا ہوا ہے، جس نے جنابت کے بعد غسل کیا وہ میرا سچا بندہ ہے۔ جو جنابت کا غسل نہ کرے وہ میرا حقیقی دشمن ہے۔ از مولف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

مسئلہ:۔ غسل میں مرد اور عورت کی بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچانا واجب ہے۔ اس طرح داڑھی کے باطن کو دھونا بھی واجب ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے ایک قول میں اس کے خلاف منقول ہے۔ آپ اسے وضو پر قیاس کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک دونوں میں فرق کی دلیل یہ ہے کہ غسل میں تطہیر کے حکم میں مبالغہ ہے، جبکہ وضو میں ایسا حکم نہیں، جبکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے جلد کو صاف کرو(1) حضرت علی شیر خدا سے مروی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جس نے جنابت کی صورت میں ایک بال برابر جگہ کو چھوڑ دیا، وہاں تک پانی نہ پہنچایا، اللہ تعالیٰ اسے آگ کا عذاب دے گا۔ حضرت علی نے فرمایا میں نے اس لئے (بالوں سے دشمنی کرلی ہے) بال منڈوا دیے ہیں(2) اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔ جو یہ قول کیا گیا ہے اس میں صحیح موقوف روایت ہے۔ ہم اس کے بارے میں کہتے ہیں اسے مرفوع نقل کرنا زیادتی ہے اور ثقہ سے زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ پھر اس باب میں موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ آخرت کے عذاب کو رائے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ ابوایوب سے ایک مرفوع روایت ہے امانت کی ادائیگی غسل جنابت ہے کیونکہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے(3) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے آقائے دوعالم ﷺ کے غسل کے بارے میں مروی ہے پھر آپ اپنی انگلیاں پانی میں رکھتے اور ان کے ساتھ بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے؟ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت اسماء نے نبی کریم ﷺ سے حائضہ کے غسل کے بارے میں پوچھا پھر یہ حدیث ذکر کی اس میں ہے کہ آپ خوب ملتے یہاں تک کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے(4) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ اس باب میں ابوذر کی حدیث ہے کہ جب تم پانی پاؤ تو اپنی جلد کو مس کرو۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جمہور علماء کے نزدیک ملنا واجب نہیں، جبکہ امام مالک نے اختلاف کیا ہے۔ ہمارے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا اغتسال پانی بہانے کو کہتے ہیں، جبکہ مالش کرنا اس کے مفہوم سے خارج ہے۔ حضرت جبیر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یہ چلو بھر پانی لیتا ہوں اسے اپنے سر پر انڈیلتا ہوں، پھر سارے جسم پر پانی بہاتا ہوں(5) متفق علیہ احادیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو جسم کو ملنے کے وجوب پر دلالت کرے۔

مسئلہ:۔ عورت پر مینڈھیاں کھولنا اور لمبے بالوں کا دھونا بالاجماع واجب نہیں مگر مرد پر مینڈھیاں کھولنا سر اور داڑھی کے لمبے بالوں کو بالاجماع دھونا واجب ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ مرد اور عورت دونوں پر مینڈھیاں کھولنا اور لمبے بالوں کو دھونا واجب ہوتا کیونکہ تطہیر میں مبالغہ کا حکم ہے لیکن حرج لاحق ہونے کی وجہ سے عورت پر سر کے بال دھونے کا حکم ساقط کر دیا گیا لیکن مرد اس سقوط کے حکم میں شامل نہیں۔ جس پر حضرت ام سلمہ کی مذکورہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ امام مسلم نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ بن عمر عورتوں کو حکم دیتے کہ جب وہ غسل کریں تو اپنی مینڈھیاں کھولیں تو حضرت عائشہ نے کہا کیا وہ عورتوں کو یہ حکم نہیں دیتے کہ وہ اپنے سر کے بال منڈوا دیں؟ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تو سر پر تین چلو ڈالنے سے زیادہ کام نہ کرتی تھی(6) مردوں کے لئے مینڈھیوں کو دھونے کا حکم ساقط نہیں۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 33 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 44 (سعید)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 150 (قدیمی) 5۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 140 (قدیمی) 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 150 (قدیمی)

فرمایا ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ اپنے بالوں کو دھوؤ اور جلد کو صاف کرو(1) اسے ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کا دارو مدار حارث بن وجیہ پر ہے، یہ بہت ہی ضعیف ہے۔ دار قطنی نے کہا یہ مالک بن دینار سے مرسل مروی ہے۔ اسی طرح سعید بن منصور سے، اس نے ہیثم سے، انہوں نے یونس سے، انہوں نے حسن سے مرسل روایت کیا ہے۔ ابن جوزی نے کہا یہ حضرت ابو ہریرہ کے قول سے مروی ہے، یہ مرسل صحیح ہے اور حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث متصل مرفوع ضعیف ہے۔ مرسل حجت ہوتی ہے خصوصاً جب وہ مسند اور اثر کے ساتھ مل کر قوی ہو جائے۔

فصل:۔ غسل میں یہ سنتیں ہیں نیت کرنا' موالات (ا)' پاؤں دھونے کے علاوہ وضو کرنا، سارے بدن پر پانی بہانا پھر پاؤں دھونا مگر کھڑے پانی میں نہیں۔ جہاں تک نیت کا معاملہ ہے اس میں اختلاف ہے جس طرح وضو کے اندر اس میں اختلاف ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ موالات اس لئے سنت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے مواظبت اختیار کی۔ باقی سنتیں حضرت میمونہ کی حدیث سے ثابت ہیں کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے پانی رکھا، آپ نے اس سے غسل جنابت کیا، آپ نے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ پر اسے انڈیلا، اپنی ہتھیلی کو تین دفعہ دھویا پھر اپنی شرمگاہ پر پانی بہایا (استنجاء کیا) پھر آپ نے کلی کی' ناک میں پانی ڈالا' تین دفعہ چہرے کو دھویا اور تین دفعہ بازوؤں کو دھویا پھر اپنے سر پر تین دفعہ پانی بہایا پھر سارے جسم پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ گئے اور اپنے پاؤں کو دھویا(2) متفق علیہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کرتے تو پہلے اپنے ہاتھ دھوتے پھر اسی طرح وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کرتے اور بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر سارے جسم پر پانی بہاتے(3) متفق علیہ۔

فائدہ:۔ بدن پر اگر نجاست حقیقیہ لگی ہو تو اس کو زائل کرنا واجب ہے۔ اس وجہ سے اسے غسل کی سنتوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ جس طرح استنجا کو وضو کی سنتوں میں شمار نہیں کیا۔ سارے بدن کو تین دفعہ دھونے کی میرے سامنے کوئی دلیل ظاہر نہیں ہوئی واللہ اعلم۔

منہ میں ہ ضمیر سے مراد صعید ہے۔ اس کی تفسیر سورۂ نساء میں گذر چکی ہے۔ امام بغوی نے فرمایا اس میں یہ دلیل ہے کہ منہ اور ہاتھوں پر صعید سے مسح کرنا واجب ہے۔ صعید کا معنی مٹی ہے(4) میں کہتا ہوں یہ تاویل اس تعبیر پر مبنی ہوگی کہ من تبعضیہ ہو۔ اسی وجہ سے امام ابو یوسف اور دوسرے علماء نے کہا کہ جنس زمین سے تیمم کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس پر غبار نہ ہو۔ امام محمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں لغت عرب کے محققین کا یہ نقطہ نظر ہے کہ من اصل میں ابتداء غایت کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا تبعیض اور بیان کے لئے آنا قرینہ پر متصور ہے۔ محقق تفتازانی نے کہا جو امام شافعی کے مقلد ہیں۔ بعض فقہاء شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ من اصل میں تبعیض کے لئے وضع کیا گیا تا کہ اشتراک کی نفی ہو، یہ صحیح نہیں کیونکہ علماء لغت کا اس پر اتفاق ہے۔ یہ ابتداء غایت میں حقیقت ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں تبعیض کا معنی صحیح نہیں کیونکہ تبعیض کا معنی کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جب لفظ بعض من کی جگہ رکھنا درست ہو۔ اس کا یہاں تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مسح کا معنی ہاتھ گزارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فامسحو بوجوھکم کا معنی یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں اور ہاتھوں کے ساتھ چسپاں کرتے ہوئے گذارو۔ یہ مکمل کلام ہے، یہ کسی اور مفعول بہ کا تقاضا نہیں کرتا کہ بعض ارض کو مفعول بہ بتایا جائے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صاحب کشاف نے کہا علماء کا یہ قول کہ من ابتداء غایت کے لئے ہے غلط تکلف

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 48 (و۔ ت) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 33 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 39، صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 147 (قدیمی) 4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 19 (التجاریہ) (ا) متواتر غسل کرنا

ہے۔ کسی کے اس قول مَسَحْتُ بِرَأْسِیْ مِنَ الدُّهْنِ اَوْمِنَ الْمَاءِ اَوْ مِنَ التُّرَابِ سے کوئی عرب نہیں سمجھتا مگر تبعیض کا معنی ہی سمجھتا ہے۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہیں گے کہ وہ امثلہ جو صاحب کشاف نے ذکر کی ہیں۔ ان میں تبعیض کا معنی قرینہ عقلیہ سے سمجھا جارہا ہے۔ یہ صرف من کے کلمہ سے نہیں سمجھا جارہا کیونکہ ہاتھ کو سر پر سے گذارنا جبکہ گذارنے کا آغاز تیل' پانی اور مٹی سے ہو۔ عقل تقاضا کرتی ہے کہ ہاتھ ان سے لت پت ہوا۔ گر یہ کہا جائے مَسَحْتُ بِرَأْسِیْ مِنَ الصَّخْرَةِ تو اس سے تبعیض کا معنی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس سے ابتداء کا معنی سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح یہ مخفی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ من ابتداء غایت کے لئے ہے تو غبار کے بغیر بھی چٹان سے تیمم کا جواز ثابت ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۔ وضو' غسل اور تیمم کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تمہیں احداث اور گناہوں سے پاک کرے۔ جس طرح ہم نے عمرو بن عنبسہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے تم میں سے جو پانی کے برتن کو قریب کرے پھر وہ کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو اس کے منہ اور ناک کے گناہ گر جاتے ہیں۔ امام بغوی نے حضرت عثمان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے تین تین دفعہ وضو کیا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا جس نے میری طرح وضو کیا تو اس کے گناہ اس کے چہرے' ہاتھوں اور پاؤں سے نکل جاتے ہیں۔(1)

۹۔ اس چیز کا حکم دے کر جو تمہارے بدنوں کو پاک کرے' تمہارے گناہوں کو مٹا دے اور تمہاری نمازوں کے لئے مفتاح ثابت ہو وہ نماز جو تمہاری معراج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اتمام نعمت سے مراد جنت میں داخل ہونا ہے اور جہنم سے رستگاری ہے۔ اسے امام احمد' ابن ابی شیبہ اور امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت کو قیامت کے روز وضو کی علامات کی وجہ سے پنج کلیان کی صورت میں بلایا جائے گا جو یہ طاقت رکھتا ہے کہ اپنی سفیدی کو لمبا کرے تو وہ ایسا کرے(2) اسے امام بخاری نے روایت کیا' تینوں مقامات پر لام زائدہ ہے اس کے بعد اَنْ مقدرہ ہے اور مصدر یرید کا مفعول بہ ہے۔ امام بیضاوی نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا ہے جب کہ یہ زیادہ ظاہر ہے آپ کافیہ کی عبارت سے استدلال کرتے ہیں اَنْ کو لام کی اور لام جحود کے بعد مقدر کیا جاتا ہے امام بیضاوی نے فرمایا لام زائدہ کے بعد ان مقدر نہیں کیا جاتا رضی اور صاحب کشاف نے اس جیسی امثلہ میں اَنْ کو مقدر مانا ہے جبکہ یہ زائدہ ہیں۔ تسہیل میں ہے کہ ایسا لام جو جحود کے لئے نہ ہو اس کے بعد ان کو ظاہر بھی کیا جاتا ہے اور اسے مقدر بھی کیا جاتا ہے۔ امام بیضاوی نے اس آیت کی تاویل میں فرمایا دونوں جگہ یریدکا مفعول محذوف ہے اور لام علت کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ طہارت کے امر سے تم پر تنگی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ امر مذکور سے یہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امر کے وارد ہونے کے بعد ارادہ امر کی علت بیان کرنا اور امر کی علت بیان کرنا بہت ہی عجیب اور مستبعد ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۔ فعل کا مفعول یہ نعمۃ محذوف ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 19 (التجاریہ)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 25 (وزارت تعلیم)

''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ لے''

1۔ یہاں نعمت سے مراد رسول کو بھیجنا' کتاب نازل کرنا' اسلام اور دوسری نعمتوں کی توفیق دینا ہے تاکہ تم کو احسان کرنے والے کی یاد دلائے اور اس کا شکر بجالانے کی ترغیب دے۔ یہاں میثاق سے مراد وہ عہد ہے جو حضور ﷺ نے مسلمانوں سے اس وقت لیا جب آپ نے صحابہ کی تنگی اور خوشحالی میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ امر میں حکم سننے اور عمل کرنے پر بیعت کی تھی۔ امام بخاری اور امام مسلم نے عبادہ بن صامت سے یہ حدیث روایت کی ہے یا اس سے مراد وہ بیعت ہے جو لیلۃ عقبہ کو ہوئی جو حضور ﷺ نے انصار سے لی تھی۔ اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا یا اس سے مراد حدیبیہ میں بیعت رضوان ہے جس کی وضاحت قرآن حکیم نے کی ہے۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا یہاں میثاق سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے لیا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا۔ پھر اس عہد کا بیان ہے آخر میں اس عہد کو بھلانے اور توڑنے سے خبردار کیا گیا کیونکہ وہ ذات دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے اعمال کے ظواہر کی تو کوئی حیثیت نہیں اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی واللہ اعلم۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو۔ یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ لے''

لے اپنے خلاف یا اپنے دوستوں کے خلاف گواہ بنو تو عدل اور سچائی سے گواہی دو جرم یجرم یہ کسب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اجترم کہا جاتا ہے جرم لا ھلہ قاموس میں اس طرح ہے اس کا صلہ علی اس لئے آیا ہے کیونکہ یہ اپنے ضمن میں یتعدی بہ کا معنی لئے ہوئے ہے۔ گویا یہ ارشاد فرمایا کہ مشرک قوم سے شدید بغض تمہیں عدل ترک کرتے پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم ان پر حد سے تجاوز نہ کر جاؤ اور تم ان کے ساتھ ایسا رویہ اپناؤ جو تمہارے لئے حلال نہیں۔ جس طرح اعضاء کاٹنا' عورتیں قتل کرنا' تہمت لگانا' وعدہ توڑنا مقصود تمہارا یہ ہو کہ تم اپنی خواہشات کے مطابق اپنے دل میں موجود ناراضگی کی تشفی چاہتے ہو۔ اس آیت میں عدل کرنے کا حکم دیا جو ظلم کی ضد ہے عدل کے ترک کرنے پر نہی کے بعد اس کا حکم دینا تاکید کے لئے ہے اور عدل دوسرے امور کی بنسبت تقویٰ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ تقویٰ کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی ظاہری و باطنی قوتوں کو ایسے افعال بجالانے سے بچائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے تاکہ اس کا یہ عمل آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے بچنے کا ذریعہ ہو۔ عدل و ظلم کا مرجع حقوق العباد ہیں اور حقوق العباد کی رعایت تقویٰ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ کے الفاظ فرمائے۔ جب وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے تو تمہیں اس بارے میں جزا دے گا اس میں وعدہ بھی۔ ہے اور وعید بھی اس حکم کا تکرار یا تو اسباب کے اختلاف کی وجہ

سے ہے۔ جس طرح کہا گیا پہلی آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یا عدل کے اہتمام میں زیادتی کے لئے اور انتقام کی آگ کو بجھانے میں مبالغہ کے لئے نازل ہوئی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ ل"

ل لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ والا جملہ وعدہ کا مفعول ثانی ہے کیونکہ وَعَدَ یہ بھی قول کی قسم ہے۔ اس وجہ سے یہ قول پر داخل ہوتا ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور وَعَدَ کا مفعول ثانی محذوف ہے جس پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ الصالحات وعدہ کا مفعول ثانی ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ اچھے بدلے کا وعدہ کیا ہے اور عَمِلُوْا کا مفعول محذوف ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ مومن کے اعمال وہی ہیں جن کے حسن ہونے پر وہ ایمان لایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

"اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی لوگ دوزخی ہیں۔ ل"

ل ۔یعنی یہ جہنم سے الگ نہ ہوں گے۔ یہ کلام اس قبیل سے ہے کہ دو معمولوں کا عطف دو سابقہ معمولوں پر ہے کہ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ والا جملہ مفعول ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ اس کا وعدہ کیا ہے اور کفار کے ساتھ اس کا وعدہ کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مبتدا ہو اور اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ اس کی خبر ہو اور یہ جملہ سابقہ جملہ اسمیہ پر معطوف ہو اور پھر دونوں وَعَدَ کا مفعول ثانی ہوں معنی یہ بنے گا اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے مغفرت اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ کیا ہے یہ بھی جائز ہے کہ الذين كَفَرُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پر معطوف ہوگا۔ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ محذوف ہے، جس پر اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ دلالت کرتا ہے کہ پہلے جملہ میں وَعَدَ کا مفعول حذف ہو اور لَهُم مَغْفِرَةٌ جملہ مستانفہ ہو جو مفعول محذوف پر دلیل ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام مستانفہ ہو اور واؤ استیناف کے لئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ دو جماعتوں میں ایک کی حالت کے ذکر کے بعد دوسرے فریق کے حال کو ذکر فرماتا ہے تاکہ دعوت کی تکمیل ہو جائے واللہ اعلم۔

امام بغوی نے کہا مجاہد، عکرمہ، کلبی اور ابن یسار نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر بن عمرو ساعدی کو جو لیلۃ عقبہ کے ایک نقیب تھے انصار و مہاجرین کے تیس سواروں کے ساتھ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس بھیجا۔ یہ دستہ جہاد کے لئے چلا اور بیئر معونہ کے مقام پر بنی عامر بن طفیل سے مقابلہ ہوا۔ بئیر معونہ بنی عامر کے چشموں میں سے ایک چشمہ تھا۔ جنگ ہوئی، حضرت منذر اور آپ کے ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ صرف تین آدمی رہ گئے جو اپنی گمشدہ اونٹنی ڈھونڈنے گئے ہوئے تھے ان میں سے ایک عمرو بن امیہ ضمیری بھی تھے۔ آسمان میں اڑتے ہوئے ان پرندوں نے انہیں خوفزدہ کر دیا جن کی چونچوں سے گوشت کے ٹکڑے گر رہے تھے۔ ایک نے کہا ہمارے ساتھی قتل کر دیئے گئے پھر وہ تیزی سے پلٹا اور ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ دونوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ جب مسلمان کو شدید ضرب لگی تو اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، آنکھیں کھولیں اور کہا اللہ اکبر میں جنت میں داخل ہو گیا، اس کے دونوں ساتھی لوٹ آئے اور بنی سلیم کے دو آدمیوں سے ملے۔ بنی سلیم اور حضور ﷺ کے درمیان معاہدہ ہو

چکا۔ تھا ان دونوں آدمیوں نے اپنے آپ کو بنی عامر کی طرف منسوب کیا تو دونوں صحابیوں نے انہیں قتل کر دیا۔ دونوں مقتولوں کی قوم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دیت کا مطالبہ کیا۔ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کعب بن اشرف اور بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ ان مقتولوں کی دیت میں ان سے مدد لیں کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے جنگ نہ کرنے اور دیت میں مدد کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم ایسا وقت آ پہنچا ہے کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور ہم سے کام کہیں۔ آپ بیٹھیں تاکہ ہم کھانا پیش کریں اور جو آپ نے فرمایا ہے وہ آپ کو دیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا اور کہا تم آج سے بڑھ کر محمد ﷺ کو ختم کرنے کا موقع نہیں پاؤ گے۔ کون ہے جو اس کمرے پر چڑھے اور ان پر پتھر لڑھکا دے اور ہمیں ان سے چھٹکارا دلائے۔ عمرو بن جحش نے کہا میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں۔ وہ ایک بڑی چکی کے پاس آیا تاکہ اس کا پتھر آپ پر گرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ روک دیئے۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کو خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے پھر حضرت علی کو بلایا، فرمایا تم یہیں ٹھہرو میرے صحابہ میں سے جو بھی تیری طرف آئے اور میرے بارے میں پوچھے اسے کہنا آپ مدینہ تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے ایسے ہی کیا یہاں تک کہ سب آپ کی طرف نکلے پھر آپ کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی۔ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔"

ابن اسحاق، ابن عمر اور ابن سعد نے طویل قصہ ذکر کیا انہوں نے اس میں یہ بھی ذکر کیا۔ کہ سلام بن مشکم نے انہیں اس ارادہ سے منع کیا اور کہا اگر تم ایسا کرو گے تو یہ خبر پھیل جائے گی کہ ہم نے آپ کو دھوکہ دیا ہے اور یہ ہمارے اور ان کے درمیان وعدہ خلافی ہو گی اس لئے ایسا نہ کرو(2) ابن جریر نے عکرمہ، یزید بن زیاد اور اسی کی مثل عبداللہ بن زید، عاصم بن عمر، مجاہد، عبداللہ بن کثیر اور ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ چلے، جبکہ حضرت ابو بکر آپ کے ساتھ تھے(3) حدیث اس طرح ہے جس طرح امام بغوی نے نقل کی۔ انہوں نے منذر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔ ابونعیم نے دلائل میں حضرت ابن عباس سے ابن اسحاق اور بیہقی نے دلائل میں یزید بن رومان سے نقل کیا ہے۔ ان کی روایت میں یہ ہے کہ مقتول دو غلام تھے مگر وہ دونوں مسلمان تھے۔ ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ ساتویں غزوہ میں بطن نخل میں تھے۔ بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے ارادہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں تو اچانک ان پر حملہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس کی خبر دے دی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 20 (التجاریہ) 2۔ دلائل النبوۃ از ابی نعیم، جلد 2، صفحہ 631 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 20 (التجاریہ)

اور صلوٰۃ خوف کا حکم نازل فرمایا(1) ابو نعیم نے دلائل نبوت میں حسن کی سند سے جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ محارب کا ایک آدمی جس کا نام غورث بن حارث تھا اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے لئے آج محمد ﷺ کو قتل کر دیتا ہوں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا جب کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور تلوار آپ کی گود میں تھی۔ اس نے کہا اے محمد میں آپ کی اس تلوار کو دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دیکھ لو۔ اس نے تلوار پکڑ لی اور اسے نیام سے باہر نکال لیا اور اسے لہرانے لگا اور حملہ کا ارادہ کر رہا تھا (اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر رہا تھا) کہنے لگا اے محمد کیا تم مجھ سے ڈرتے نہیں؟ فرمایا نہیں۔ کہنے لگا کیا تم ڈرتے نہیں جبکہ تلوار میرے ہاتھ میں ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ سے میری حفاظت فرمائے گا۔ پھر اس نے تلوار نیام میں رکھی اور رسول اللہ ﷺ کو واپس کر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(2) یہ روایت حضرت حسن بصری سے بھی مروی ہے کہا نبی کریم ﷺ نخل کے مقام پر بنو غطفان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا کھانا پکایا تا کہ انہیں قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا اس لئے وہ کھانے میں شریک نہ ہوئے(3) شیخین نے حضرت جابر کی حدیث سے اسی قسم کا واقعہ نقل کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کا شان نزول مذکور نہیں۔ امام بیہقی نے دلائل میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یہ عرب کی ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچانک آپ پر حملہ کر دیں۔ انہوں نے ایک بدو آپ کی طرف بھیجا۔ وہ اس وقت آپ کے پاس آیا تھا جب آپ سوئے ہوئے تھے۔ اس نے آپ کی تلوار اٹھالی اور کہنے لگا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور ﷺ نے اس سے انتقام نہ لیا۔(4)

اذھم قوم میں اذ نعمت کی ظرف ہے اور ھم کا مفعول ان یبسطوا ہے بسط الیہ یدہ کا معنی ہے اسے پکڑ لیا اور بسط الیہ لسانہ کا معنی اس نے اسے گالی دی۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل اس لئے کرنا چاہیے کیونکہ خیر پہنچانے اور شر دور کرنے میں وہ کافی ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

"اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے 1 اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار 2 اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں 3 اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر 4 اور مدد کرتے رہے ان کی 5 اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن 6 تو میں ضرور دور کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ 7 اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں۔ رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے 8 تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے 9"

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 471 (العلمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 470 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 471 (العلمیہ)
4۔ کذا فی الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 469 (العلمیہ)

۱؎ فرعون کے معاملہ سے فارغ ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات نازل فرمائی۔ وعدہ لینے کا قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

۲؎ اس سے مراد ہر قبیلہ کا ایک سردار ہے جو اپنی قوم کے احوال کا نگہبان تھا اور سب کی طرف سے کفیل تھا کہ انہیں جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کو پورا کریں گے جس طرح نبی انہیں حکم دیتا وہ آگے اپنی قوم کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے۔

۳؎ یعنی جب تک تم وعدہ کو پورا کرنے کا ارادہ کرو گے تو تمہیں ایسی معیت نصیب ہوگی جس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ یہ معیت ایسی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت، مناہی سے رک جانا، شرح صدر اور اطمینان کی توفیق عطا کرے گی یہاں کلام مکمل ہوگئی کیونکہ اگلے جملہ میں شرط پر لام مفتوح داخل ہے جو قسم کا شعور دلاتا ہے۔

۴؎ یہاں رسل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے رسول ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر پیغام حق لائے اس کی وہ رسول تصدیق کرنے والے ہیں۔ ان میں وہ کسی قسم کی تفریق کرنے والے نہیں۔

۵؎ یعنی تم اس کی عظمت بجالاؤ گے، اس کی تائید کرو گے اور اس کی مدد کرو گے۔ قاموس میں ہے عذر کا معنی ملازمت کرنا، شان بیان کرنا اور تعظیم بجالانا ہے۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے اس کا معنی مدد کرنا، قوت بہم پہنچانا اور نصرت کرنا ہے۔ صحاح میں ہے تعزیر سے مراد تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے، اس کا اصل معنی دور کرنا اور لوٹانا ہے نصرت میں دشمنوں کو لوٹایا جاتا ہے۔ حد سے کم سزا کو بھی تعزیر کہتے ہیں کیونکہ اس میں اسے برے اعمال سے روکا جاتا ہے اور برے اعمال کو اس سے دور کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶؎ یعنی بھلائی راستہ میں خرچ کر کے، ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے ہر نیکی مراد ہے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے اس کا معنی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو قرض دو یعنی مضاف محذوف ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر لوگوں کو قرض دو۔ قرضا یہ ترکیب کلام میں مفعول مطلق، مفعول بہ کا احتمال رکھتا ہے اور قرض حسن سے مراد جو بغیر احسان جتلائے ہو۔ اس میں کسی قسم کا تکبر اور ریاکاری وغیرہ نہ ہو جو عمل کو باطل کر دیتا ہے۔

۷؎ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط کے قائم مقام ہے۔

۸؎ ذالک کا مشار الیہ میثاق اور وعدہ ہے جسے وفاء کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

۹؎ صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے کہ ضَلَّ سَبِیْلًا مُسْتَوِیًا یعنی حق کے راستہ سے بھٹک گیا۔ اس سے مراد واضح گمراہی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور نہ ہی کوئی عذر ہے، جس پر یہ قرینہ دلالت کرتا ہے کہ مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا ہے اور قد کے ساتھ اس کی تاکید لگائی۔ ان لوگوں کا معاملہ مختلف ہے جنہوں نے اس سے قبل کفر کیا تھا کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان کا کوئی شبہ ہو اور عذر کا کوئی وہم ہو۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

"تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ۱؎ ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا ۲؎ اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت ۳؎ وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے ۴؎ اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی ۵؎ اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر ۶؎ بجز چند آدمیوں کے ان سے ۷؎ تو معاف فرماتے رہیے ان کو۔ اور درگزر فرمایئے ۸؎ بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو ۹؎۔"

۱؎ اس میں ماز ائدہ ہے جو تفخیم کا فائدہ دے رہا ہے۔ وعدہ توڑنے سے مراد نصاریٰ کا حضور ﷺ کی تکذیب کرنا، یہودیوں کا حضور ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے فرائض ضائع کر دیئے۔

۲؎ عطاء نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا(1) حسن اور مقاتل نے کہا ہم نے انہیں مسخ کر دیا(2) ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے ہم نے ان پر جزیہ لازم کر دیا۔

۳؎ یعنی سخت جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نرم نہیں ہوتے۔ اپنی سختی کی وجہ سے آیات اور نذر سے متاثر نہیں ہوتے قاسیۃ کا معنی غلیظ القلب ہے۔ اس کی اصل حجر قاس ہے، صحاح میں اس طرح ہے، حضرت ابن عباس نے جو اس کی تفسیر یابسہ سے کی ہے اس کا بھی یہی معنی ہے(3) حمزہ اور کسائی نے اسے قسیۃ پڑھا ہے امام بغوی نے کہا ہے یہ دونوں لغتیں جس طرح زاکیۃ اور زکیۃ ان دونوں کا معنی ایک ہے(4) امام بیضاوی نے کہا یا تو یہ قاسیہ کا مبالغہ ہے یا ردیۃ کے معنی میں ہے۔ عربوں کا قول ہے درهم قسی یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب درہم میں کھوٹ ہو(5) میں کہتا ہوں یہ بھی قسوۃ بمعنی غلظۃ سے مشتق ہے کیونکہ جس درہم میں کھوٹ ہوتا ہے اس میں سختی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ان کے ایمان کے لئے خالص نہیں بلکہ ان کے ایمان کفر و نفاق کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ جس طرح ایک درہم جس میں کھوٹ ملا ہو۔

۴؎ یعنی تورات میں موجود اللہ تعالیٰ کے احکام کو پھیر دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی نعت کو بدلنا ہے۔ ایک قول ہے کہ غلط تاویل کرنا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے، ان کے دل کی سختی کو بیان کرنے کے لئے آیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف اور اس پر افتراء باندھنا انتہائی سخت دل ہونے کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَعَنّٰهُمْ کے مفعول سے حال ہو۔ القلوب سے حال نہیں بن سکتا کیونکہ جملہ میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو القلوب کی طرف لوٹے۔

۵؎ یعنی تورات میں اور انبیاء کی زبانوں سے انہیں جو یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک مکمل حصہ وہ بھول گئے۔ وہ یہ تھا کہ تم پر حضور ﷺ کی اتباع لازم ہے یا اس کا معنی جو ان کی طرف نازل کیا گیا تھا۔ اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کا حصہ یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کریں اور حضور ﷺ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا حصہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کی اتباع کریں جس کو انہوں نے نہیں اپنایا۔ تحریف کے لفظ کو فعل مضارع سے اور نسیان کے لفظ کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ تحریف وجود میں نسیان پر مرتب ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہوں نے تحریف کی اور اس تحریف کی نحوست کی وجہ سے ان علوم کو بھلا دیا جن کو پہلے وہ یاد کرتے تھے۔ جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ امام احمد بن حنبل نے زہد میں حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے میں گمان کرتا ہوں ایک انسان گناہ کی وجہ سے اس علم کو بھول جاتا ہے جس سے پہلے وہ آگاہ تھا اور پھر یہ آیت پڑھی(6)

۶؎ اے محمد ﷺ آپ لگاتار ان کی خیانتوں پر آگاہ ہوتے رہیں گے خائنہ فاعلۃ کے وزن پر مصدر ہے جس طرح کاذبہ اور لاغیہ ہے معنی ہوگا خیانت یا اسم فاعل کے معنی میں ہے اور اس سے پہلے موصوف محذوف ہوگا جو فرقۃ، نفس یا فعلۃ ہوگا یا اس کا معنی خائن ہے اور آخر میں تاء مبالغہ کے لئے ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 22 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 3، صفحہ 440 (العلمیہ) 6۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 474 (العلمیہ)

منهم میں ھم ضمیر تمام بنی اسرائیل کی طرف لوٹ رہی ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور جو ان سے پہلے تھے۔ اطلاع مشاہدہ اور اخبار سے عام ہے، یعنی خیانت اور دھوکہ ان کی اور ان کے بڑوں کی عادت تھی، آپ ہمیشہ ان میں ایسے لوگ پاتے رہیں گے۔ ان کے اسلاف سابقہ رسولوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے اور یہ آپ کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ ان کی خیانت حضور ﷺ کے ساتھ بدعہدی حضور ﷺ کے خلاف جنگ میں مشرکوں کی مدد حضور ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا آپ کو زہر دینا اور اسی جیسے دوسرے کام تھے۔

یہی تھوڑے سے ہی ہیں جو خیانت نہیں کرتے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے صالح لوگ ہیں اور جو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَٰسِيَةً سے استثناء ہے، جبکہ یہ درست نہیں کیونکہ ان کے دلوں کو سخت بنانا ان کے وعدہ توڑنے کا نتیجہ ہے اور وعدہ توڑنا قساوت قلبی کو بہر صورت مستلزم ہے (اس سے کوئی خارج نہیں ہو سکتا)

۸ یعنی آپ ان سے اعراض کریں ان سے کوئی تعرض نہ کریں انہوں نے آپ کو جو اذیتیں دی ہیں ان پر مواخذہ نہ کریں ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے، انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ جو معاملہ روا رکھا تھا اس پر انہیں معاف کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے خلاف جہاد کرنے کے منافی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے آپ انہیں معاف کریں اور درگزر سے کام لیں بشرطیکہ وہ توبہ کریں اور ایمان لے آئیں یا معاہدہ کریں اور جزیہ دینا اپنے اوپر لازم کر لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ حکم آیہ سیف سے منسوخ ہے۔

۹ یہ درگزر کرنے کے حکم کی علت ہے۔ نیز درگزر کرنے پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے اور اس امر پر آگاہ کرتا ہے کہ خائن کافر کو معاف کرنا یہ بھی احسان ہے چہ جائیکہ کسی غیر کو معاف کرنا یعنی وہ بدرجہ اولیٰ احسان ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾

"اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی ۱؎ سو انہوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ ۲؎ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی ۳؎ تو ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روز قیامت تک ۴؎ اور آگاہ کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ۵؎۔"

۱؎ جار مجرور أَخَذْنَا کے متعلق ہے اور جملہ لَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ پر معطوف ہے۔ مِيثَاقَهُمْ کی ضمیر یا تو اسم موصوف کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوگا کہ ہم نے نصاریٰ سے انجیل میں پختہ وعدہ لیا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر پختہ وعدہ لیا۔ نصاریٰ سے لیا گیا وعدہ یہ تھا کہ انجیل میں انہیں جن چیزوں کا حکم دیا گیا اس کی وہ اطاعت کریں گے جو تورات کی تصدیق کرنے والی ہے اور بعد میں آنے والے اصول کی بشارت دینے والی ہے جن کا اسم گرامی احمد ﷺ ہے یا مذکورہ بنی اسرائیل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی ہم نے نصاریٰ سے بھی وہی وعدہ لیا جو ہم نے ان سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے لیا تھا۔ حسن نے کہا اس میں یہ دلیل ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو نصاریٰ کا نام دیا اللہ تعالیٰ نے ان کا نام نصاریٰ نہیں رکھا (۱) اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا وَمِنَ (۱) نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ انہوں نے خود اپنا یہ نام رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد کی حالانکہ معاملہ ایسے نہیں تھا۔ یہاں مقصود حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود نصاریٰ سے تعریض کرنا ہے۔ ان کے اسلاف کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 23 (التجاریہ) (۱) اس صورت میں یہ صریح دلیل ہوتی کہ انہیں یہ نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ مترجم

بارے میں بات کرتا نہیں کیونکہ ان میں ایسے لوگ تھے جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار تھے۔ ان سے وعدہ لینا ان سے وعدے لینے کے تابع ہے۔

۲؎ موجودین میں سے اکثر اور ان کے اسلاف میں سے بعض نے اس کا بہت بڑا حصہ یا اپنا حصہ بھلا دیا۔

۳؎ لا ضمیر سے مراد انجیل ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت کی بشارت کے باوجود انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور اس سے قبل انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اسی وجہ سے وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ جیسے ملکائیہ نسطوریہ اور یعقوبیہ۔ ان میں سے بعض نے کہا اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ بعض نے کہا عیسیٰ ابن اللہ ہے۔ بعض نے کہا اللہ مسیح ہے۔

۴؎ یعنی ہم نے لازم کر دیا یہ غری الشیء سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز کسی کے ساتھ چسپاں ہو جائے اور اسے لازم ہو۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا ھم ضمیر سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ربیع نے کہا ھم ضمیر سے مراد نصاریٰ ہیں (1) یہی زیادہ ظاہر ہے۔

۵؎ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں جزا اور عقاب سے آگاہ کرے گا ان اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا میں کفر، معاصی اور کتب سماویہ کی اقتداء کو ترک کرتے تھے جن سب کا ماخذ ایک ہی ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں یہودی آئے، وہ آپ سے رجم کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تم میں سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا حضور ﷺ نے اس اللہ کا واسطہ دے (1) کر پوچھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا، جس نے طور پہاڑ کو اٹھایا تا کہ تم سے وعدے لے تو ابن صوریا نے جواب دیا جب ہماری قوم میں بدکاری عام ہوئی تو ہم نے سو درے اور سر مونڈنے کی جزا کا فیصلہ کر دیا تو حضور ﷺ نے ان پر رجم کا حکم لگا دیا تو ما بعد آیات الی صراط مستقیم تک نازل ہوئیں (2)

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

"اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی ۱؎۔"

۱؎ یہاں اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ کتاب کو واحد اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ اس پر الف لام جنسی ہے رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے من الکتب سے مراد تورات و انجیل ہے جس طرح رجم والی آیت اور تورات میں حضور ﷺ کی نعت اور انجیل میں احمد ﷺ کی بشارت۔ یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ سے مراد یہ ہے کہ جو تم چھپاتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ اعراض فرماتا ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں خبر دیتا ہے کیونکہ اس سے کوئی امر دینی متعلق نہیں ہوتا۔ نور سے مراد حضور ﷺ کی ذات یا اسلام ہے اور ایسی کتاب جو احکام کی وضاحت کرنے والی ہوتی ہے یا ایسی کتاب جس کا اعجاز واضح ہو اور وہ قرآن ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں عطف تفسیری ہو۔ حضور ﷺ اور قرآن کو نور اس لئے کہا کیونکہ یہ دونوں کفر کی ظلمتیں دور کرنے والے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 23 (التجاریہ)　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 103-104 (الامیریہ)

(1) یہ پوچھا کہ تمہارے دین میں رجم کی سزا کیا ہے اور تم نے اس کو کیونکر تبدیل کر دیا۔

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾

''دکھاتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست۔[1]''

[1] بِهٖ میں ضمیر واحد ذکر ہے، جبکہ مرجع دو چیزیں ہیں کیونکہ دونوں سے مراد ایک ہی ہے یا حکم میں ایک ہیں جو ان میں سے ایمان لا کر اس کی رضا کی اتباع کرے سبل السلام سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اسلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور سبل سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں۔ ظلمات سے مراد کفر کی تاریکیاں ہیں نور سے مراد نور ایمان ہے اذنه سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی توفیق ہے صراط مستقیم سے مراد ایسا راستہ ہے جو ہر صورت میں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور وہ اسلام ہے۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾

''یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہی ہے۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک کر دے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو کون اسے روک سکتا ہے) اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔[1]''

[1] مسیح بن مریم کو اللہ کہنے والے نصاریٰ میں سے یعقوبیہ فرقہ تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ بن مریم میں اتحاد کے قائل تھے ایک قول یہ کیا گیا کسی نے اس کی صراحت تو نہیں کی تاہم جب انہوں نے یہ اعتقاد رکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں لاہوت ہے ساتھ ہی یہ کہا الہ الا واحد تو یہ لازم آیا کہ وہ مسیح ہی ہیں تو ان کی جہالت کی توضیح اور ان کے اعتقاد کی خرابی کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے اعتقاد کے لازم کو ان کا اعتقاد (۱) قرار دیا نیز یہ بتایا کہ حضرت مسیح اور آپ کی والدہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں کیونکہ من فی الارض کو ان پر عطف کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دونوں انہیں کی جنس سے ہیں اور حادث ہیں۔ بیٹا اور ماں ہونا ایسی علامات ہیں جو فنا کو قبول کرتی ہیں۔ دونوں اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو دوسری ممکنات کی طرح اپنی ذات سے ہلاکت کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بغیر مادہ کے پیدا فرماتا ہے جس طرح آسمان و زمین یا ایسے مادہ سے پیدا فرماتا ہے جو اس کی جنس سے

(۱) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کے باوجود جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت کے قائل تھے اس وجہ سے اس اعتقاد کو ان کی طرف منسوب کیا۔

نہیں ہوتا۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا یا صرف مذکر سے پیدا فرمایا جس طرح حضرت حواء کو حضرت آدم سے پیدا کیا یا صرف مونث سے پیدا کیا جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم کو پیدا فرمایا یا اکثر حیوانات کی طرح مذکر اور مونث سے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی زندہ کرنے اور موت عطا کرنے پر قادر ہے۔ جس کی ہر (مرنا جینا) شان ہو، جس کا محتاج ہونا اور ممکن ہونا ظاہر و باہر ہو وہ اس ذات کے ساتھ کیسے متحد ہو سکتی ہے جس کی سلطنت عظیم اور برہان غالب ہو۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نعمان بن اضی، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی حاضر ہوئے انہوں نے حضور ﷺ سے کلام کی اور حضور ﷺ نے ان سے کلام کی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی انہیں اپنے انتقام سے ڈرایا انہوں نے کہا اے محمد ﷺ آپ ہمیں کیسے ڈراتے ہیں جبکہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں جس طرح نصاریٰ کا قول ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔(1)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

"اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔ آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے۔ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے۔ ل"

ل ابناء سے انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ شفقت و مہربانی میں ہمارے لئے باپ کی طرح ہے اور ہم قرب و منزلت میں بیٹوں کی طرح ہیں۔ ابراہیم نخعی نے فرمایا یہودیوں نے تورات میں یا ابناء احباری کے کلمات پائے تو انہوں نے یا ابناء ابکاری کے الفاظ میں بدل دیا۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ کہا نحن ابناء اللہ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے نحن ابناء رسل اللہ یعنی لفظ اللہ اسم جلالت سے پہلے رسل کا لفظ محذوف ہے (2) ایک قول یہ کیا گیا کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹوں عزیر اور مسیح کے حمائتیوں میں سے ہیں اس لئے ہم پر بھی ابن کا لفظ استعمال ہوتا ہے نعوذ باللہ۔ جس طرح ابو الخبیب عبد اللہ بن زبیر کے حمائتیوں کو خبیبون کہا جاتا۔

اے محمد ﷺ انہیں فرمائیں اگر یہ بات درست ہے جو تم کہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے، جبکہ کوئی باپ اپنے بیٹوں اور کوئی محب اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں قتل، قید اور شکلیں بگاڑنے کے ساتھ عذاب دیا۔ ساتھ ہی تم یہ بھی اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ چند دنوں کے لئے تمہیں عذاب دے گا۔ پھر بات اس طرح تو نہ ہوئی جس طرح تم نے گمان کیا بلکہ تمہاری حالت بھی وہی ہے جو دوسرے بنی آدم کی ہے کہ انہیں برے اور اچھے عمل پر بدلہ دیا جاتا ہے۔ جس کے حق میں چاہتا ہے کفر کے علاوہ بطور فضل گناہ بخش دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے بطور عدل اسے عذاب دیتا ہے۔ زمین و آسمان اور اس میں موجود ہر چیز اس کی مملوک اور مخلوق ہونے میں برابر ہے اور مملوکیت بیٹا ہونے کے منافی ہے۔ اس میں عزیر اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 24 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

حضرت عیسیٰ کے بیٹا ہونے کی نفی ہونے پر تنبیہ ہے۔ نیز اس بات سے بھی آگاہ کیا جا رہا ہے کہ ہر چیز کا ٹھکانہ اسی کی طرف ہے۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب سے جزا دے گا۔ اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔

ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں رغبت دلائی تو معاذ بن جبل اور سعد بن عبادہ نے کہا اے جماعت یہود اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ کی قسم تم جانتے ہو کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں آپ کی بعثت سے پہلے تم آپ کے بارے میں ذکر کرتے تھے اور آپ کی صفات بیان کرتے تھے تو رافع بن حریملہ اور وھب بن یہودا نے کہا کیا ہم نے تم کو یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی بشر رسول مبعوث کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)

يَاهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۹

"اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے (احکام الٰہی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ لے"

لے رسولنا سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو تمہارے لئے هدایت کے آثار اور دین کے احکام کی وضاحت کرتے ہیں تاہم مفعول کو حذف اس لئے کر دیا کیونکہ یہ ظاہر ہے یا اس کا مفعول به ما کنتم ہے کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا اس لئے اسے حذف کر دیا یہ بھی جائز ہے کہ اس کا مفعول مقدر نہ مانا جائے معنی اس کا یہ ہوگا تمہارے لئے ظاہر کر رہا ہے یہ جملہ حال کے محل میں ہے تقدیر کلام یوں ہو گی جآءکم رسولنا مبینا لکم یعنی تمہارے پاس ہمارا رسول آیا اس حال میں کہ وہ تمہارے لئے واضح کر رہا تھا علی فترة جار مجرور جاء کے متعلق ہے یعنی وہ تشریف لایا کہ رسل کے فترت اور وحی کے انقطاع کا زمانہ تھا یا یبین کی ھو ضمیر سے حال بن رہا ہے۔ ان تقولوا کے معنی میں تاویلیں ہیں۔ یا تو اس سے پہلے کراھۃ کا لفظ محذوف ہوگا یا ان کے بعد لا نافیہ اور ان سے پہلے لام تعلیل محذوف ہوگا۔ اب تم عذر پیش نہیں کر سکتے کیونکہ تمہارے پاس بشیر و نذیر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پے در پے انبیاء ورسل بھی بھیج سکتی ہے جس طرح اس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کیا۔ ان کے درمیان سترہ یا سولہ یا پندرہ سو سال کا فاصلہ تھا اور اس عرصے میں ہزار نبی تشریف لائے۔ ابن سعد زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ بن عمران اور مریم بن عمران کے درمیان سترہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ دونوں ایک سبط سے تعلق نہیں رکھتے۔ حاکم نے حضرت ابن عباس سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار نبی تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ وقفے سے بھی رسول بھیج سکتا ہے۔ جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان کیا ہے۔ ان دونوں ہستیوں کے درمیان تقریباً چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ یہ ابن عساکر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا ہے۔ یا دونوں کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا عرصہ ہے۔ اسے عبد الرزاق، عبد بن حمید اور ابن جریر نے معمر کے واسطہ سے قتادہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہمارے رسول ﷺ کے سوا کوئی رسول تشریف نہیں لایا۔ اس آیت میں ان

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 478-477 (العلمیہ)

پر یہ احسان جتلایا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت اس وقت ہوئی جب وحی کے آثار مٹ چکے تھے وہ اس کے زیادہ محتاج تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دنیا و آخرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں۔ تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ان کی شریعتیں مختلف ہیں اور دین ایک ہے۔ حضرت عیسیٰ اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں متفق علیہ (1)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ⑳

''اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا۔ جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں لے''

لے قومہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ انبیاء مبعوث فرما کر تم پر نعمت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کے ذریعے تمہیں ہدایت دی اور تمہیں شرف سے نوازا۔ کسی اور امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں ہوئے جتنے بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ ساتھ ہی ان میں بادشاہ بنائے۔ فرعون کے غرق ہونے کے بعد ان میں بے شمار بادشاہ ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت یحییٰ کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا حضرت ابن عباس نے فرمایا یہاں ملوک سے مراد نوکروں چاکروں والے سردار مراد ہیں۔ قتادہ نے کہا یہ پہلے وہ لوگ تھے جو نوکروں چاکروں والے تھے ان سے پہلے کسی کے خادم نہ تھے۔ ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل میں اگر کسی کی خادمہ بیوی اور سواری ہوتی تو وہ ملک لکھا جاتا۔ زید بن اسلم کی ایک مرسل روایت اس کی شاہد ہے عبد الرحمٰن حبلی نے کہا میں نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے سنا، جبکہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا تھا کیا ہم مہاجر فقیر نہیں تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا کیا تیری بیوی ہے جس کے پاس تو جاتا ہے، اس نے کہا ہاں۔ پوچھا کیا تیرا گھر ہے جس میں تم رہتے ہو، اس نے کہا ہاں۔ تو فرمایا پھر تو تم غنی ہو۔ اس نے عرض کی میرا ایک خادم بھی ہے، فرمایا پھر تو تم ملک ہو۔ سدی نے کہا اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزاد بنایا، تم اپنے آپ کے مالک ہو، جبکہ پہلے تم قبطیوں کے قبضے میں تھے جو تمہیں غلام بنائے رکھتے تھے۔ ضحاک نے کہا ان کے گھر وسیع تھے جن میں جاری پانی ہوتا جس کا گھر کھلا ہو وافر پانی ہو وہ تو بادشاہ ہوا (2) عالمین سے مراد ان کا زمانہ ہے دنیا میں رفعت اور کرامات کے باوجود انبیاء کی صحبت کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کے ذی قرب نصیب ہوا۔ دنیا میں جو انعام ہوئے ان میں سمندر کا پھٹ جانا ان کے دشمنوں پر مختلف عذابوں کا نازل ہونا، جبکہ یہ لوگ ان سے محفوظ رہے۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ㉑

''اے میری قوم داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے لے''

لے مجاہد نے کہا ارض مقدسہ سے مراد طور اور اس کے ارد گرد کا علاقہ ہے۔ ضحاک نے کہا اس سے مراد ایلیا اور بیت المقدس ہے۔ عکرمہ اور سدی نے کہا اس سے مراد اریحا ہے۔ کلبی نے کہا اس سے مراد دمشق، فلسطین اور اردن کا بعض حصہ ہے۔ قتادہ نے کہا اس

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 265 (قدیمی) 2۔ ماخوذ از تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 25 (التجاریہ)

سے تمام شام مراد ہے۔ کعب نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پایا کہ شام اللہ کی زمین میں سے اللہ کا خزانہ ہے اس کا نام مقدسہ ہے کیونکہ یہ انبیاء کی قرارگاہ اور مومنوں کا مسکن ہے۔ اس ملک میں داخل ہونا تم پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر روزہ اور نماز فرض کی۔ قتادہ اور سدی نے اسی طرح کہا(1) اب تم مصر کی طرف مت جاؤ اللہ تعالیٰ نے جن امور کا تمہیں حکم دیا ہے اس کے خلاف مت عمل کرو۔ ورنہ تم دونوں جہانوں میں خسارہ اٹھانے والے ہو جاؤ گے فتنقلبوا میں جزم عطف کی وجہ سے اور نصب جواب کی وجہ سے لانا جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ تمہارا مسکن ہوگا۔ اس تاویل کی صورت میں لازم ہے کہ اسے شرط مقدر کے ساتھ مشروط کیا جائے وہ یہ ہوگی ان امنتم و اطعتم کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ یہ سرزمین ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے حرام کی گئی تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ لکم کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف لوٹ رہی ہو اور مراد ان میں سے فرمانبردار ہوں اور محرمة علیهم کی ضمیر ان کے علاوہ بعض دوسرے یعنی نافرمانیوں کی طرف ہو یا جس طرح کہا جاتا ہے یہ حرمت صرف چالیس سال تک مقید تھی پھر ان کے لیے مسکن قرار دے دی گئی۔ ابن اسحاق نے کہا کتب الله لکم کا معنی وهب الله لکم ہے اور جعلها لکم ہے(2) کلبی نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام لبنان کی پہاڑی پر چڑھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نگاہ دوڑاؤ جہاں تک تیری نظر پہنچے گی وہ سرزمین مقدس ہوگی اور تیری اولاد کی میراث ہوگی۔ امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اسے اور اس کی قوم کو ارض مقدسہ کا مالک بنائے گا۔ اس سے مراد شام ہے، اس میں کنعانی جبار لوگ رہتے تھے۔ جب فرعون کے معاملہ سے فارغ ہونے کے بعد بنی اسرائیل مصر میں قرار پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اریحا جو شام کے علاقہ میں ہے، کی طرف جانے کا حکم دیا۔ یہی ارض مقدسہ ہے جس میں ایک ہزار دیہات تھے اور ہر دیہات میں ایک ہزار باغ تھے۔ میرا خیال ہے یہاں ہزار سے مراد کثرت ہے مخصوص تعداد مراد نہیں واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ میں نے تمہارے لئے گھر اور قرارگاہ معین کر دیا ہے۔ اس کی طرف نکل پڑو اور وہاں جو دشمن آباد ہیں ان سے جہاد کرو کیونکہ میں ان کے خلاف تمہارا مددگار رہوں۔ اپنی قوم سے بارہ نقیب لو۔ ہر قبیلہ سے ایک نقیب ہونا چاہیے جو اس بات کا ذمہ دار ہو کہ انہیں جو حکم دیا جائے گا قوم کے افراد اسے پورا کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان نقیبوں کو بھیجا تا کہ حقیقت حال کی خبر لیں۔ انہیں جبار قوم کا ایک آدمی (1) ملا جس کا نام عوج بن عنق تھا جس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ذراع تھا۔ وہ بادلوں میں سوراخ بنا کر ان سے پانی پیتا، سمندر کی گہرائی سے مچھلی پکڑ لیتا، سورج کی طرف اٹھا کر اسے بھون لیتا پھر اسے کھاتا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے جب پانی زمین پر موجود پہاڑوں کو ڈھانپ لیتا تو پانی اس کے گھٹنے تک ہی پہنچتا۔ یہ تین ہزار سال زندہ رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اسے ہلاک کیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے برابر وہ ایک پتھر اٹھا لایا۔ لشکر ایک مربع فرسخ میں تھا، اس نے یہ پتھر اس لئے اٹھایا تا کہ ایک ہی بار سب کو نیچے دبا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کو اس پر مسلط کر دیا۔ اس نے اپنی چونچ سے اس میں سوراخ کر دیا۔ پتھر اس کی گردن میں آ پڑا اور اسے نیچے گرا دیا۔ جب وہ گرا ہوا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف تشریف لائے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کی والدہ عنق حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے تھیں۔ وہ ایک جریب زمین پر بیٹھتی تھیں۔ عوج نقیبوں سے ملا جبکہ اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا تو بارہ کے بارہ سرداروں کو پکڑ لیا

1۔ ماخوذ از تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 26 (التجاریہ) 2۔ ماخوذ از تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 26 (التجاریہ)

(1) یہ اسرائیلی روایات ہیں۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مترجم

۔ نیفہ میں اٹکایا اور اپنی بیوی کے پاس لے گیا کہا انہیں دیکھو یہ ہم سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں اور بیوی کے سامنے پھینک دیا۔ میں انہیں پاؤں سے روند دیتا ہوں۔ اس کی بیوی نے کہا ایسا نہ کرو، انہیں چھوڑ دو تا کہ وہ اپنی قوم کو جا کر کچھ بتائیں جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک روایت یہ بھی ذکر کی گئی کہ ان سب کو اپنی آستین میں لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس لے آیا، اس کے سامنے انہیں پھینکا۔ بادشاہ نے انہیں کہا واپس چلے جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ جا کر اپنے ساتھیوں کو بتاؤ۔ ان کے انگور کے ایک خوشہ کو انہیں میں سے پانچ افراد ایک تختہ پر رکھ کر اٹھاتے جب کہ انار کے ایک حصہ سے دانے نکال لئے جاتے تو اس میں پانچ آدمی سما جاتے۔

میں کہتا ہوں امام بغوی نے عوج بن عنق کے بارے میں یہی کچھ ذکر کیا ہے۔ اس میں ایسے مبالغے ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی۔ محدثین نے ان تمام چیزوں کا انکار کیا ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ عوج بن عنق جبار قوم میں سے عظیم جثہ والا اور سب سے قوی تھا یہ لوگ بڑے جسیم اور قوی تھے۔ جب نقیب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا ان کے احوال کو مخفی رکھو اور لشکر میں کسی کو نہ بتانا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب بزدل بن جائیں ان سب نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو آگاہ کر دیا مگر دو آدمیوں نے کچھ نہیں بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ انہیں بتایا تھا اس کے ساتھ وفا کی ان میں سے ایک یوشع (ا) بن نون اور دوسرا کالب بن یوحنا (ب) تھا۔ یہ دونوں یہودا کی نسل سے تھے۔ جب یہ خبر بنی اسرائیل میں عام ہو گئی تو وہ بلند آواز سے رونے لگے کہنے لگے کاش ہم مصر میں مرجاتے، کاش ہم پہلے ہی مرجاتے اور ان کے علاقے میں داخل نہ ہوتے۔ ہماری عورتیں، ہمارے بچے اور ہمارے اموال ان کے لئے غنیمت نہ ہوتے۔ ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہم اپنا سردار بنالیں اور مصر واپس چلے جائیں (1)

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

"کہنے لگے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم آباد ہے اور ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے اس میں جب تک وہ نہ نکل جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ ا "

ا۔ ھا ضمیر سے مراد وہ سرزمین ہے جبار یہ جبرہ علی الامر سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی کسی کو کسی کام پر مجبور کرنا ہے بغوی نے کہا جبار اس عظیم انسان کو کہتے ہیں جس پر غلبہ نہ پایا جاسکے اور نہ ہی اس کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ایک قول یہ کہا جاتا ہے نخلة جبار ۃ اس وقت کہا جاتا ہے جو بہت طویل ہو اور ہاتھوں کی رسائی سے باہر ہو (2) میں کہتا ہوں ان کا محفوظ ہونا یا تو طویل ہونے کی وجہ سے تھا یا جسموں کے قوی ہونے کی وجہ سے تھا جس طرح واقعہ دلالت کرتا ہے یا ان کے لشکر ان کے اموال اور آلات حرب بہت زیادہ تھے۔ بغوی نے کہا یہ عمالقہ اور قوم عاد کے افراد تھے (3)

کیونکہ ان کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ جب بنو اسرائیل نے یہ کہا اور واپس مصر جانے کا ارادہ کر لیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سجدہ میں گر گئے۔ کالب اور یوشع بن نون نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے۔ یہ وہی دونوں ہیں جن کے بارے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 26 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

(ا) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاص خادم تھے۔ (ب) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے۔

میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

"(اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار۔ "

۱۔ یہاں رَجُلٰنِ سے مراد کالب اور یوشع ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں رجلان سے مراد وہ دو افراد ہیں جو جبابرہ سے مسلمان ہوئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس صورت میں واؤ ضمیر بنی اسرائیل کے لئے ہوگی اور ضمیر عائد محذوف ہوگی تقدیر کلام یوں ہوگی مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُهُمْ بنو اسرائیل سعید بن جبیر کی قرأت دوسری تعبیر کی تائید کرتی ہے جو یخافون پڑھتے ہیں۔ اسے ابن جریر نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے اسے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

یہاں انعام سے مراد ایمان اور ثابت قدمی ہے۔ ترکیب کلام میں اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا یا تو رجلان کی صفت ثانیہ ہے اور یا یہ جملہ معترضہ ہے۔ آیت میں الباب سے مراد ان کی بستی کا دروازہ ہے، یعنی اچانک ان پر حملہ کر دو یا تنگ جگہ میں انہیں دھکیل دو، انہی صحراء کی طرف نکلنے سے روک دو جب دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو جگہ کی تنگی کی وجہ سے ان کے لئے حملہ کرنا مشکل ہوگا اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ ان کے جسم تو بڑے تھے مگر ان کے دل کمزور تھے۔

اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ امام بغوی نے کہا بنو اسرائیل نے ارادہ کیا کہ دونوں کو پتھروں سے رجم کر دیں اور ان دونوں پر سخت غضبناک ہوئے۔(1)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

" کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔ ۱ "

۱۔ لن ندخل ابدا کہہ کر انہوں نے ہمیشہ کے لئے اور تاکید کے ساتھ داخل ہونے کی نفی کی مادا موا ابدا سے بدل بعض ہے فاذھب سے قاعدون تک کی کلام۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول کی اہانت اور ان کی پرواہ نہ کرنے کی۔ بناء پر کی یہ معنی کرنا بہت ہی مستبعد ہے کیونکہ یہ کفر کو مستلزم ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، جبکہ بنو اسرائیل آپ کی صحبت میں رہے۔ ان کے اوپر من وسلویٰ اترتا رہا، بادل نے ان پر سایہ کیا، ان کے پینے کے پانی کے لئے پتھر سے چشمے جاری ہوئے ۔ معنی یہ ہوگا آپ جائیں تیرا رب تیری مدد کرے (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ مقداد بن اسود نے ایسا مقام پایا اگر وہ مجھے میسر ہو جاتا تو سب سے محبوب ہوتا، نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تاکہ مشرکین کے خلاف جہاد کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 27 (التجاریہ)

دعوت دیں۔ حضرت مقداد نے عرض کیا ہم وہ نہیں کہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا بلکہ ہم آپ کے دائیں، آپ کے بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے جنگ کریں گے تو میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور دل خوش ہو گیا(1) اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ جب بنو اسرائیل نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور یوشع و کالب کے بارے میں برا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام غضبناک ہوئے اور بددعا کی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔ 1"

1 میں اپنے نفس کا اور میرا بھائی اپنے نفس کا مالک ہوگا اخی یا تو منصوب ہے، اس کا عطف ان کے اسم پر ہے یا محل رفع میں ہے اور اس کا عطف اَمْلِكُ کی ضمیر مرفوع پر ہے یا یہ مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے جو کذلک ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہو کہ میری اطاعت صرف میرا نفس اور میرا بھائی کرتا ہے۔ اس صورت میں اخی یا تو منصوب ہوگا تو اس کا عطف نفس پر ہوگا یا مجرور ہوگا اور اس کا عطف نفس کی یاء متکلم پر ہوگا۔ عاصی قوم کی طرف منسوب ہونے کی بناء پر یہ حصر اضافی ہے۔ یہ کلام ان کی شکایت کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یوشع اور کالب نے بھی اطاعت نہیں کی۔ تفریق کر دے کا مفہوم یہ ہے کہ فیصلہ فرما دے جو مدح و ثواب اور مذمت و عقاب کا مستحق ہے وہ اسے دے دے یا معنی یہ ہے ہمیں ان سے دور کر کے جدا کر دے اور ہمیں ان کی سنگت سے الگ کر دے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

"اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے 1 ان پر چالیس سال تک 2 سرگرداں پھریں گے زمین میں 3 سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر 4"

1 قال کا فاعل ضمیر ہے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ھا ضمیر سے مراد ارض مقدسہ ہے محرمۃ سے مراد تحریم (ا) منع ہے تحریم تعبد (ب) نہیں، یعنی اب ارض مقدسہ ان کے لئے ممنوع ہے وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے اور نافرمانی کے سبب اس میں نہیں رہ سکیں گے۔

2 ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق محرمۃ کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ حرمت محدود وقت کے لئے ہوگی دائمی نہ ہوگی۔ یہ اللہ نے لوح محفوظ میں لکھا کہ یہ تمہارا مسکن ہوگا۔ اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے باقی ماندہ افراد کے ساتھ اریحا کو فتح کیا تھا۔ حضرت یوشع مقدمۃ الجیش کے سردار تھے۔ انہوں نے جبابرہ سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں قیام کیا پھر آپ کا وصال ہوا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ آپ کی قبر کو کوئی بھی نہیں جانتا(2) امام بغوی نے کہا یہ صحیح ترین قول ہے کیونکہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا(3) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 663 (وزارت تعلیم)	2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 30 (التجاریہ)	3۔ ایضاً

(ا) داخل ہونے سے روک دیئے گئے تھے۔	(ب) داخل ہونے کا حکم تو پہلے دیا گیا جو اس طرح قائم تھا داخل ہونا حرام نہیں کیا گیا تھا۔

کے فرمان وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ سے فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ تک دلالت کرتا ہے کہ تیہ سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں آئے تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ تھے یہ واقعہ چالیس سال بعد ہوا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ ظرف مابعد کے متعلق ہے۔

۲ؔ وہ اس میں چلتے رہتے ہیں اور راہ بھی نہیں پاتے۔ اس صورت میں شہر میں داخل ہونے کی حرمت مطلق ہوگی۔ ان لوگوں میں سے کوئی بھی ارض مقدس میں داخل نہیں ہوا جنہوں نے یہ کہا لا ندخلها بلکہ وہ سب تیہ میں ہلاک ہو گئے جبابرہ سے جہاد ان کی اولادوں نے حضرت یوشع کی قیادت میں کیا تھا جب کہ چالیس سال گزر چکے تھے اور ان کی اولادیں جوان ہو چکی تھیں۔ حضرت یوشع جبابرہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اس وقت تک روانہ نہ ہوئے جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال نہ ہو گیا تھا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام تیہ میں وصال فرما گئے تھے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے امام بغوی نے کہا اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جبابرہ سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے تو سب نے حضرت یوشع کی تصدیق کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، بنو اسرائیل اریحا کی طرف چل پڑے، جبکہ ان کے ساتھ تابوت میثاق بھی تھا۔ اس لشکر نے چھ ماہ تک اریحا کا محاصرہ کئے رکھا۔ جب ساتواں مہینہ شروع ہوا تو سینگ پھونکا، زور کی آواز پیدا ہوئی، شہر کی فصیل گر پڑی۔ بنی اسرائیل شہر میں داخل ہو گئے، جبابرہ سے جنگ کی انہیں شکست دی، انہیں قتل کرنے لگے۔ بنی اسرائیل کا ایک جتھہ ایک آدمی کی گردن پر اکٹھے حملہ کرتا اسے مارتے تھے لیکن اسے کاٹتے نہیں تھے، یہ جنگ جمعہ کے روز ہوئی تھی ابھی تھوڑا وقت باقی تھا سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور ہفتہ کی رات داخل ہوا چاہتی تھی۔ حضرت یوشع نے عرض کی اے اللہ سورج مجھ پر لوٹا دے سورج سے فرمایا تو اللہ کی اطاعت میں ہے اور میں بھی اللہ کی اطاعت میں ہوں۔ آپ نے سورج سے کہا کہ وہ اس وقت تک یوں ہی ٹھہرا رہے یہاں تک کی ہفتہ کی رات شروع ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لے لیا جائے۔ سورج آپ پر لوٹا دیا گیا اور دن میں اضافہ کر دیا گیا یہاں تک کہ تمام جبابرہ کو قتل کر دیا(1) امام احمد نے اپنی مسند میں مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ سورج کو کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا مگر حضرت یوشع کے لئے اسے روکا گیا جب وہ بیت المقدس پر حملہ کرنے کے لئے گئے تھے۔ امام بغوی نے کہا کہ حضرت یوشع نے شام کے بادشاہوں کا پیچھا کیا۔ ان میں سے اکتیس بادشاہوں کو قتل کیا یہاں تک کہ شام کی تمام سرزمین پر غالب آ گئے۔ آپ نے اس کے اطراف میں اپنے عامل بھیجے۔ غنائم کو جمع کیا، آگ غنائم جلانے کے لئے نازل نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع کی طرف وحی کی۔ اس مال غنیمت میں خیانت کی گئی ہے انہیں حکم دیں کہ وہ آپ سے بیعت کریں۔ لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک آدمی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے ساتھ چپٹ گیا۔ حضرت یوشع نے اسی سے فرمایا جو کچھ تیرے پاس ہے وہ لے آؤ۔ وہ سونے سے بنے بیل کا ایک سر لے آیا جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھا یہ اس نے مال غنیمت سے چوری کیا تھا آپ نے یہ سر اور آدمی کو قربانی کے مال میں رکھ دیا۔ آگ آسمان سے نازل ہوئی جو آدمی اور قربانی کو کھا گئی۔ حضرت یوشع کا وصال ہو گیا اور افرائیم پہاڑ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ایک سو چھبیس سال تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ نے چھبیس سال تک معاملات کا نظام سنبھالے رکھا(2)

۳ؔ اس میں خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے کیونکہ جب آپ نے بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کی تو بعد میں اس پر شرمندہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 30-29 (التجاریہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 31 (ماخوذ)

ہوئے۔ اور اس بات کی وضاحت کی کہ بنی اسرائیل چالیس سال تک چھ فراسخ میں رہے۔ وہ ہر روز سفر کرتے، جب شام ہوتی تو وہیں ہوتے جہاں سے انہوں نے سفر شروع کیا ہوتا(1) ابن جریر اور ابوالشیخ نے العظمۃ میں اور ابن جریر نے وھب بن منبہ سے چھ فراسخ کے ذکر کے بغیر اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ امام بغوی نے کہا ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ان میں نہیں تھے، جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ ان میں شامل تھے۔ یہ ان کے لئے سزا نہ تھی بلکہ ان کے لئے راحت اور درجات میں زیادتی کا باعث تھی۔ سزا صرف اس قوم کیلئے تھی۔ بادل تیہ میں انہیں سورج کی دھوپ سے پانچ یا چھ فرسخ تک سایہ میں لئے رہتا۔ ابن جریر نے ربیع بن انس سے اس طرح نقل کیا ہے رات کے وقت روشنی کے ستون ان کے لئے طلوع ہوتے جو ان کے لئے روشنی کا اہتمام کرتے، ان کا کھانا من اور سلویٰ تھا اور پانی اس پتھر سے حاصل کرتے جو وہ ساتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا یہاں تک کہ تیہ کا عرصہ اختتام کو پہنچا۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مصر میں فروکش ہوں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبابرہ سے جنگ کی، اریحا کو فتح کیا۔ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے گزریں اور زبان سے کلمہ استغفار کہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کا قصہ

سدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں حضرت ہارون کی روح قبض کرنے والا ہوں، تم اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے آؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پہاڑ کی طرف چل پڑے۔ اچانک ایک درخت کے پاس پہنچتے ہیں جس کی مثل پہلے درخت نہ دیکھا تھا۔ وہاں ایک گھر بنا ہوا تھا جس میں ایک پلنگ تھا، جس پر بستر موجود تھا، جس میں عمدہ خوشبو تھی۔ جب حضرت ہارون علیہ السلام نے اسے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اس چارپائی پر سو جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس پر سو جاؤ۔ حضرت ہارون کہنے لگے مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس گھر کا مالک آئے گا اور مجھ پر ناراض ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا خوفزدہ نہ ہو میں تیری طرف سے اس گھر کے مالک کے لئے کافی ہوں۔ حضرت ہارون نے کہا اے موسیٰ تم بھی میرے ساتھ یہاں سو جاؤ۔ اگر اس گھر کا مالک آیا تو ہم دونوں پر ناراض ہوگا۔ جب دونوں سو گئے حضرت ہارون علیہ السلام وصال فرما گئے۔ جب حضرت ہارون نے موت کا احساس کیا تو حضرت موسیٰ سے کہا میری آنکھیں بند کردو۔ جب ان کی روح قبض ہوگئی تو وہ گھر، وہ درخت اور چارپائی آسمان کی طرف اٹھالی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تشریف لائے جبکہ حضرت ہارون آپ کے ساتھ نہ تھے تو بنی اسرائیل کہنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو قتل کر دیا ہے اور ان سے حسد کیا کیونکہ بنی اسرائیل حضرت ہارون سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم پر افسوس ہو کیا تم مجھ پر بہتان باندھتے ہو کہ میں نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ جب انہوں نے زیادہ باتیں کیں تو آپ اٹھے، دو رکعت نماز ادا کی پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ پلنگ نیچے اترا یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے اس پلنگ کو زمین و آسمان کے درمیان دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ایک پہاڑ پر چڑھے، حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تم نے حضرت ہارون کو قتل کیا ہے۔ آپ کو اذیتیں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا فرشتوں نے آپ کو اٹھایا اور بنو اسرائیل کے پاس سے گذرے اور آپ

1۔ ایضاً، صفحہ 29

(۱) گدھے کی نسل کا ایک جانور

کی وفات کے بارے میں باہم ذکر کیا۔ تب بنواسرائیل نے تسلیم کیا کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کی باتوں سے محفوظ رکھا۔ پھر فرشتوں نے آپ کو اٹھایا اور دفن کر دیا۔ آپ کی قبر کی جگہ کا کسی کو علم نہیں سوائے رخم (ا) کے جسے اللہ تعالیٰ نے بہرہ گونگا بنا دیا۔ عمرو بن میمون نے کہا حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے تیہ میں وصال فرمایا۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے فوت ہوئے۔ دونوں ایک پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت ہارون کا وصال ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو دفن کیا اور بنواسرائیل کی طرف تشریف لائے۔ بنواسرائیل نے کہا آپ نے حضرت ہارون کو اس لئے قتل کیا ہے کیونکہ ہم انہیں پسند کرتے تھے۔ بنواسرائیل میں حضرت ہارون بڑے محبوب تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے آہ و زاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی۔ انہیں حضرت ہارون کی قبر کے پاس لے چلو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ندا کی اے ہارون۔ حضرت ہارون علیہ السلام سر جھاڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا میں نے تجھے قتل کیا ہے؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا نہیں۔ بلکہ میں تو اپنی موت خود مرا ہوں۔ حکم ہوا اپنے بستر کے پاس چلے جاؤ اور لوگ بھی واپس آ گئے(1)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قصہ

ابن اسحاق نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کو ناپسند کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان کے دل میں موت کی محبت پیدا کریں تو حضرت یوشع بن نون کو نبوت عطا کی۔ حضرت یوشع صبح و شام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے پوچھتے اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا نیا پیغام دیا ہے تو حضرت یوشع جواب میں کہتے اے اللہ کے نبی کیا میں اتنے سال آپ کے ساتھ نہیں رہا، کیا میں آپ سے نئے پیغام کے بارے میں پوچھتا تھا تو آپ خود ہی آغاز کرتے اور بتاتے تھے اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حالت دیکھی تو زندگی سے نفرت کرنے لگے اور موت سے محبت کرنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موت کا فرشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور کہا اپنے رب کے حکم پر لبیک کہئے (موت کا جام پیجئے)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موت کے فرشتے کی آنکھ پر طمانچہ مارا اور اس کی آنکھ کو پھوڑ دیا۔ موت کا فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس چلا گیا، عرض کی (اے اللہ) تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت کا ارادہ نہیں کرتا، اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی آنکھ واپس کر دی۔ فرمایا میرے بندے کی طرف واپس جاؤ، اس سے کہو تو زندگی چاہتا ہے اگر تو واقعی زندگی چاہتا ہے تو بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ۔ تیرے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آگئے اتنے سال تو زندہ رہے گا (فرشتے نے پیغام پہنچایا)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہو گا۔ فرشتے نے عرض کی پھر تجھے موت قبول کرنا ہو گی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر ابھی سہی۔ عرض کی اے میرے رب مجھے ارض مقدسہ سے اتنا قریب کر دے جتنا پتھر پھینکنے کی مسافت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ ٹیلے کے پاس راستے کی ایک جانب آپ کی قبر تمہیں دکھا دیتا متفق علیہ۔ حضرت وہب نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی کام کی غرض سے گئے۔ آپ فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کھود رہے تھے۔ آپ نے اس جیسی چیز نہ دیکھی تھی اور نہ ہی اس جیسی سبزی، تر و تازہ اور خوبصورت شی دیکھی تھی جو اس قبر میں موجود تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا اے موت کے فرشتو تم کس

1۔ تفسیر خازن مع حاشیہ بغوی، جلد 2، صفحہ 30-31 (التجاریہ)

کے لئے یہ قبر کھودرہے ہو فرشتوں نے جواب دیا ایسے بندے کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا معزز ہے۔ فرمایا بے شک وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مرتبے والا ہوگا میں نے تو ایسی قبر نہیں دیکھی۔ فرشتوں نے عرض کی اے اللہ کے برگزیدہ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے ہو۔ فرمایا میں اسے پسند کرتا ہوں فرشتوں نے کہا اس قبر میں اتریں لیٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کریں۔ حضور نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام لیٹ گئے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہلکا سا سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کرلیا۔ پھر فرشتوں نے آپ کے جسم پر مٹی ڈال دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ملک الموت جنت سے ایک سیب لایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سونگھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض کرلیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی (1) واللہ اعلم۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۷

"اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک[1] جب دونوں نے قربانی دی[2] تو قبول کی گئی ایک سے[3] اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے[4] (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کرڈالوں گا[5] (پہلے نے) کہا (تو بلا وجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے[6]"

[1] بنی آدم سے مراد ہابیل و قابیل ہیں۔ بالحق مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی تلاوة ملتبسة بالحق یا یہ اتل میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے یا نبا سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ملتبسا بالصدق موافقا لما فی کتب الاولین۔ یعنی ایسی خبر جو سچی ہو اور پہلی کتابوں کے موافق ہو۔

[2] یہ نبا کی ظرف ہے یا اس سے حال ہے یا مضاف کے حذف ہونے کی صورت میں بدل ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اتل نباء هم نبا ذالک الوقت قربان اس چیز کا نام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے وہ ذبیحہ ہو یا کوئی اور چیز۔ جس طرح حلوان عطیہ کو کہتے ہیں۔ یہ اصل میں مصدر ہے اسی وجہ سے اس کا تثنیہ ذکر نہیں کیا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تقدیر کلام اس طرح ہے جب ان میں سے ہر ایک نے قربانی پیش کی۔ ان کی قربانی کا سبب علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حواء ایک بطن (1) سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جنتی تھیں۔ انہوں نے کل چالیس بچے بیس بطنوں سے جنے۔ سب سے پہلے قابیل کو جنا جس کی جڑواں بہن اقلیمہ تھی، دوسری دفعہ ہابیل کو جنا ان کی جڑواں لیوذا تھی۔ آخری بچہ ابو مغیث تھا جس کی جڑواں ام مغیث تھی (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے حضرت آدم علیہ السلام کا وصال اس وقت تک نہ ہوا جب تک آپ کی اولاد چالیس ہزار تک نہ پہنچ گئی۔ محمد بن اسحاق نے بعض اہل کتاب کے علماء سے نقل کیا ہے کہ قابیل اور اس کی جڑواں بہن جنت میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت حواء کو دکھ تھکان نہ ہوا، نہ درد زہ ہوا اور نہ ہی اس کے ساتھ خون دیکھا۔ جب دونوں زمین پر آئے تو حواء قابیل اور اس کی بہن کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو یہ سب چیزیں دیکھیں اور محسوس کیں ایک اور نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت آدم نے زمین پر اترنے کے سو سال بعد حضرت حواء سے مجامعت کی تو حضرت قابیل اور ان کی بہن ایک بطن سے پیدا ہوئے۔ پھر دوسرے بطن سے ہابیل اور اس کی بہن پیدا ہوئے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 31 (التجاریہ)   2۔ ایضاً

(1) جب ایک دفعہ حمل ٹھہرے اور کم از کم چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو اسے بطن کہتے ہیں۔

دونوں کے درمیان دو سال کا عرصہ تھا، یہ کلبی کا قول ہے۔ حضرت آدم کی اولاد جب جوان ہوتی تو ایک بطن کے لڑکے کی شادی دوسرے بطن سے پیدا ہونے والی لڑکی سے کر دیتے۔ آپ کی اولاد میں سے مرد اپنی جڑواں بہن کے سوا جس سے چاہتا شادی کر لیتا۔ جب حضرت ہابیل و قابیل جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو وحی کی کہ ان کی شادی دوسرے کی جڑواں بہن سے کر دیں تو حضرت ہابیل راضی ہو گئے لیکن قابیل ناراض ہو گیا کیونکہ قابیل کی جڑواں خوبصورت تھی۔ کہنے لگا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے۔ حضرت آدم نے قابیل کو فرمایا یہ تمہارے لئے حلال نہیں۔ قابیل نے یہ بات قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ آپ کی ذاتی رائے ہے۔ حضرت آدم نے فرمایا کہ تم دونوں قربانی پیش کرو جس کی قربانی مقبول ہو گئی وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہو گا۔ جب قربانی قبول ہوتی تو آسمان سے سفید آگ اترتی تھی جو اس قربانی کو کھا جاتی۔ جب قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ نازل نہ ہوتی تو پرندے درندے اسے کھا جاتے۔ وہ قربانی دینے کے لئے نکلے۔ قابیل زمیندار کرتا تھا اس نے ردی فصل میں سے کھانے کا ایک ڈھیر قربانی کے طور پر پیش کیا۔ اپنے دل میں یہ چھپا رکھا تھا مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں قربانی قبول ہو یا نہ ہو۔ وہ اس کی بہن سے شادی نہیں کرے گا۔ ہابیل ریوڑ کے مالک تھے۔ انہوں نے ریوڑ میں سے بہترین مینڈھے کا انتخاب کیا اور قربانی پیش کی اور دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خواہش کی۔ دونوں نے اپنی قربانیاں پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیں، آسمان سے آگ آئی(1)

سے یعنی ہابیل کی قربانی قبول ہوئی، آگ ان کی قربانی کو کھا گئی۔

ہے یعنی قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی، قربانی رد ہونے کی وجہ سے قابیل سخت غصے ہوا۔ یہ اپنے دل میں حسد چھپائے ہوئے تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ آئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس سے غائب ہوئے تو قابیل ہابیل کے پاس آیا۔

ھے قابیل نے کہا میں تجھے ضرور قتل کروں گا تو ہابیل نے کہا تو ایسا کیوں کرے گا؟ قابیل نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیری قربانی قبول کی اور میری قربانی رد کر دی، نیز تو میری حسین بہن سے شادی کرنے والا ہے اور میں تیری بدصورت بہن سے شادی کروں لوگ باتیں کریں گے کہ تو مجھ سے بہتر ہے۔ تیری اولاد میری اولاد پر فخر کرے گی۔ ہابیل نے کہا اس میں میرا کیا گناہ ہے۔

لے اللہ تعالیٰ متقی کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حاسد کو چاہیے کہ اپنی محرومی کو اپنی کوتاہی میں دیکھے اور اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کی وجہ سے محسود عزت اور نصیب والا ہوا ہے۔ اس کے حصہ کو زائل کرنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ چیز اسے نقصان تو دے گی۔ نفع کچھ نہ پہنچائے گی۔ اطاعت اسی مومن کی قبول کی جاتی ہے جو رزائل اور منہیات سے بچتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں اخلاص نیت بھی ہو۔ ابن ابی شیبہ نے ضحاک سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں نقل کیا ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے ہیں۔ میں کہتا ہوں شاید اس آیت سے مراد یہ ہے کہ قربانی دو مقابلہ کرنے والوں میں سے حق پرست کی قبول کی جاتی ہے، باطل پرست کی قبول نہیں کی جا سکتی واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ بن اعین سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا حرام کے ڈر سے حلال چیزوں سے بھی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 32 (التجاریہ)

بچو۔ابن ابی الدنیا نے حضرت علی بن ابی طالب سے نقل کیا ہے کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا عمل بھی قلیل نہیں ہوتا۔ جو عمل قبول ہو جائے وہ قلیل کیسے ہوسکتا ہے؟ ابن ابی الدنیا نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو خط لکھا میں تجھے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی چیز قبول نہیں فرماتا۔ وہ متقی پر ہی رحم فرماتا ہے، اسی پر اجر عطا فرماتا ہے۔ اس کے واعظ تو بہت زیادہ ہیں مگر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں۔ا سے ابن ابی حاکم نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک نماز قبول کر لی ہے تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ متقین سے قبول کرتا ہے۔ ابن عساکر نے ہشام سے نقل کیا ہے، وہ اپنے باپ یحییٰ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک سائل حضرت ابن عمر کے پاس آیا۔ آپ نے اپنے بیٹے کو فرمایا ایک درہم دے دو۔ اس نے درہم دے دیا تو آپ کے بیٹے نے عرض کیا اس نے آپ کے درہم کو قبول کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ایک سجدہ اور ایک درہم صدقہ کو قبول کر لیا ہے تو موت سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز مجھے محبوب تر ہے۔ تو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کس کا عمل قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی کا عمل قبول فرماتا ہے(1) ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت نقل کی ہے مجھے اگر یہ علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے عمل کو قبول کر لیا ہے تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ زمین بھر کر میرے لئے سونا ہو۔ حضرت عامر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب موت کا وقت آیا تو رونے لگے۔ عرض کی گئی کیوں رو رہے ہو جبکہ آپ تو کثرت سے عبادت کرتے تھے۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو سنا کہ وہ متقی کی عبادت کو قبول فرماتا ہے۔ ہابیل نے قابیل کے جواب میں کہا۔

لَئِنۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

" تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۱ "

۱۔ نافع، ابوعمرو اور حفص نے یدی کو یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ساکن پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا اللہ کی قسم اگرچہ مقتول (ہابیل) طاقت ور تھا لیکن گناہ سے بچنے کے لئے اس نے دست درازی(2) نہ کی، یعنی خدا خوفی کی وجہ سے خود سپردگی سے کام لیا یا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی دفاع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مجاہد نے کہا اس وقت یہی حکم تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے تو دوسرا دفاع نہ کرے بلکہ صبر سے کام لے(3) یا دو امروں میں جو افضل امر تھا اس کی تلاش کے لئے یہ کام کیا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ کا مقتول بندہ بن۔ اللہ کا قاتل بندہ نہ بن۔ ابن سعد نے طبقات میں عبداللہ کی حدیث روایت کی ہے ہماری شریعت میں یہ بھی جائز ہے کہ وہ خود سپردگی سے کام لے جس طرح حضرت عثمان غنی نے کیا۔ ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا کہ وہ گھر کے محاصرے کے روز حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہا میں آپ کی مدد کے لئے حاضر ہوا ہوں تو حضرت عثمان نے فرمایا کیا تجھے یہ آسان لگتا ہے کہ تو تمام لوگوں کو قتل کر دے اور میں بھی ان میں شامل ہوں۔ میں نے کہا نہیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا اگر تو نے ایک آدمی قتل کر دیا(4) تو گویا سب کو قتل کر دیا۔ عبدالرزاق اور ابن جریر نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 485 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 33 (التجاریہ) 3۔ ایضاً 4۔ کذا فی الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 490 (التجاریہ)

اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم کے بیٹوں نے اس امت کے لئے مثال قائم کی ہے، ان میں سے اچھے کے اسوہ کو اپناؤ(1) عبد بن حمید نے انہیں سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ان میں سے اچھے کی موافقت کرو، برے کی مماثلت اختیار نہ کرو(2) حضرت ہابیل نے قابیل کے جواب میں جو یہ کہا تھا کہ میں دست درازی کرنے والا نہیں ہوں۔ اس برے عمل سے مطلقاً برات کا اظہار کیا اور اس سے بچنا مقصود تھا کہ ان کے ساتھ وصف بیان کیا جائے اسی وجہ سے حرف باء کے ساتھ اس کی تاکید ذکر کی۔

إِنِّىٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثْمِى وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُا۟ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾

"میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھا لے میرا گناہ اور اپنا گناہ تا کہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی ۱؎"

۱؎ انی کو نافع نے یاء کے فتحہ اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ تبوء کے بعد ایک محذوف ہے، یعنی تو اپنے رب کی طرف لوٹے باثمی اور اثمک دونوں تبوء کی ضمیر سے حال ہیں یعنی جب تو مجھے قتل کرے گا تو تو ان خطاؤں کو اٹھائے ہوئے ہوگا جو میں نے کی ہیں اور میرے قتل اور اپنے دوسرے گناہوں کو بھی اٹھائے ہوئے ہوگا۔ ابن نجیح نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔

قیامت کے روز مظلوم کو ظالم کی نیکیاں دے دی جائیں گی تا کہ ظالم کے ظلم کا بدلہ ہو سکے۔ اگر ظالم کی نیکیاں نہ ہوں یا نیکیاں تھیں لیکن تمام حقوق ادا کرنے سے قبل وہ ختم ہو گئیں تو ظالم پر مظلوم کی خطاؤں کا گناہ ڈال دیا جائے گا اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا اس کو مارا ہوگا۔ اسے اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اگر فیصلہ مکمل ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوم کے گناہ لئے جائیں گے اور ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے لئے نافرمانی اور بدبختی کا ارادہ کرے تو ہابیل نے اس امر کا ارادہ کیسے کر لیا؟ ہم کہیں گے کلام اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔ ہابیل کا مقصود یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کا بھائی لازماً اسے قتل کر دے اور اس کا بھائی قاتل اور نافرمان بن جائے۔ بلکہ جب اسے یہ علم ہو گیا کہ اسے قاتل یا مقتول بننا ہے تو قاتل بننے سے نفی کا ارادہ کیا، نہ کہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس کا بھائی قاتل بن جائے۔ اصل مقصود یہ تھا کہ اس پر (ہابیل) کوئی گناہ لازم نہ آئے۔

فَطَوَّعَتْ لَهُۥ نَفْسُهُۥ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُۥ فَأَصْبَحَ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٣٠﴾

"پس آسان بنا دیا اس کے لئے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے ۱؎ اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں سے ۲؎"

۱؎ لہ ربط میں زیادتی کے لئے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے حفظت لزید مالہ گویا قابیل نے اپنے نفس کو اس امر کی دعوت دی۔ نفس نے اسے پسند کیا اور اس کی اطاعت کی۔ صحاح میں ہے طوعت اطاعت سے زیادہ بلیغ ہے۔ جب قابیل نے حضرت ہابیل کو

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 2، صفحہ 14 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 486
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 320 (قدیمی)

قتل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ معلوم نہیں تھا کہ کیسے قتل کرے۔ ابن جریج نے کہا ابلیس انسانی صورت میں اس کے سامنے آیا، اس نے ایک پرندہ پکڑا اور اس کا سر پتھر پر رکھا اور ایک پتھر سے اس کا سر کچل دیا، جبکہ قابیل سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس طرح شیطان نے اسے قتل کرنا سکھا دیا۔ قابیل نے ہابیل کا سر دو پتھروں میں کچل دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا حضرت ہابیل نے خود سپردگی سے کام لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا سوتے ہوئے دھوکے سے ہابیل کا سر کچل دیا(1)

2۔ وہ دنیا میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا کیونکہ باقی زندگی وہ دھتکارہ ہوا اور غمگین ہوا اور آخرت میں جنت کے بدلے جہنم کا مستحق ہو گیا۔ قتل کے وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے ثور پہاڑ پر قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا حراء کی گھاٹی میں قتل کیا۔ جب قتل کر دیا تو لاش کھلی چھوڑ دی۔ اب پتہ نہیں تھا کہ اس کا کیا کرے کیونکہ انسانوں میں سے یہ پہلی روئے زمین پر لاش تھی۔ درندے اس لاش کے درپے ہو گئے۔ اب قابیل نے وہ لاش ایک بوری میں ڈالی اور چالیس روز تک پشت پر اٹھائے رکھی(2) حضرت ابن عباس نے کہا ایک سال تک اٹھائے رکھی یہاں تک کہ وہ خراب ہونے لگی۔ پرندے اور درندے بھی اسی انتظار میں تھے کہ کب وہ اس لاش کو پھینکے اور وہ اسے کھائیں تو اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے، دونوں آپس میں لڑے، ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر قاتل کوے نے اپنی چونچ اور پاؤں سے گڑھا کھودا یہاں تک کہ اس کے لئے لاش کو چھپانا ممکن ہوا پھر اس کی لاش کو گڑھے میں ڈالا اور مٹی سے چھپا دیا۔ قابیل یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا(3)

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

"پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کھودتا تھا زمین کو تا کہ دکھائے 1 اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی 2 کہنے لگا ہائے افسوس 3! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی 4 غرض وہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے 5"

1۔ لیریہ میں ضمیر مرفوع اللہ تعالیٰ یا غراب کی طرف لوٹ رہی ہے۔

2۔ کیف یہ یوداری میں موجود ضمیر مرفوع سے حال بن رہا ہے کیونکہ اسماء استفہام میں سے ہے۔ اس لئے کلام کے آغاز میں اسے لانا ضروری ہے اور یہ پورا جملہ لیریہ کا مفعول ثانی ہے۔ یہاں رؤیۃ (ا) علم کے معنی میں ہے، ابصار (ب) کے معنی میں نہیں کیونکہ ابصار بھائی کی لاش کو چھپانے میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ کوے کے جسم کو چھپانے میں ہوا۔ یہاں تیسرے مفعول کی ضرورت ہے کیونکہ باب افعال کا ہمزہ فعل کو متعدی بنانے کے لئے آتا ہے تو پس یہ کہا جائے گا کہ یہ جملہ لیریہ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ جس طرح تیرے اس قول میں ہے عَلِمْتُ اَیُّ زَیْدًا قَائِمٌ کلام کا معنی یہ ہوگا کہ وہ قابیل کو دکھائے اپنے بھائی کی لاش کو چھپانا جو اس کیفیت کے ساتھ متکیف ہو۔ یہاں سَوْءَةَ اَخِیْ سے مراد اس کا مردہ جسم ہے کیونکہ یہ وہ چیز ہوتی ہے جسے دیکھنا ناپسند کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد شرمگاہ ہے اور جسم کا وہ حصہ جس کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے یہ الہام قابیل کو نہ کیا بلکہ کوے کو کیا تا کہ قابیل کی حقارت بیان ہو اور اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 33 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

(ا) بتانا، تعلیم دینا (ب) دیکھنا

بات پر آگاہی ہو کہ قابیل اللہ تعالیٰ کے ہاں کوے کے مرتبے سے کم ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قابیل کو کوے کا شاگرد بنا دیا۔

[3] یہ حسرت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس میں الف یاء متکلم کے بدلہ میں ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا ہائے افسوس کہ میں اس طرح گڑھا کھودنے سے عاجز ہوا یا یہ معنی ہے کہ تم نے عجز کے الم سے شرمندہ کیا۔ ویل کا معنی ہلاکت ہے، یہ منادی ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے یا ندبہ کا کلمہ ہے جس طرح یہ لفظ کہا جاتا ہے یا حسرتا۔

[4] فَاُوَارِیَ کا عطف اَنْ اَکُوْنَ پر ہے۔ یہ استفہام کا جواب نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ نہیں اگر میں عاجز ہوتا تو لاش چھپا دیتا (اس سے معنی بالکل بدل جاتا ہے) میں وہ طریقہ نہ جان سکا جو تو جانتا ہے۔

[5] کیونکہ وہ ایک سال تک لاش کو کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ بھائی کی جدائی پر شرمندہ ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ قتل پر شرمندہ ہوا کیونکہ اس طرح اس نے اپنے والدین کو ناراض کر دیا اور اس کے قتل سے کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ وہ قتل پر اس حوالے سے شرمندہ نہیں ہوا تھا کہ اس پر گناہوں کا بوجھ آ گیا ہے۔ مطلب بن عبد اللہ بن حطب نے کہا جب ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو زمین میں زلزلہ برپا ہو گیا پھر زمین ہابیل کا خون اس طرح پی گئی جس طرح پانی پی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ندا کی تیرا بھائی ہابیل کہاں ہے، اس نے کہا میں نہیں جانتا، میں اس پر نگہبان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے ا بھائی کا خون مجھے زمین سے پکارتا ہے تو نے اپنے بھائی کو قتل کیوں کیا؟ قابیل نے کہا اگر میں نے اس کو قتل کیا ہے تو اس کا خون کہاں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد زمین پر یہ حرام کر دیا کہ وہ خون پیئے(1)

روایت کیا گیا ہے جب قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا اس کا جسم سیاہ ہو گیا حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے بھائی کے بارے میں پوچھا، اس نے جواب دیا میں اس پر نگہبان تھوڑا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اسے قتل کر دیا ہے اسی لئے تیرا جسم سیاہ ہو گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے برأت کر لی۔ قابیل اس کے بعد سو سال تک زندہ رہا کبھی مسکراتا نہیں تھا(2) مقاتل بن سلیمان نے ضحاک سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے جب قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا، جبکہ حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تھے تو درخت کانٹے دار ہو گئے، کھانے بدلنے لگے، پھل کھٹے ہو گئے، پانی کڑوا ہو گیا، زمین غبار آلود ہو گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا زمین میں کوئی بڑا حادثہ رونما ہو گیا ہے۔ آپ ہند میں آئے تو قابیل ہابیل کو قتل کر چکا تھا۔ آپ کہنے لگے آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شعر کہا(3)

شہر بدل گئے اور اس میں رہنے والے بدل گئے   روئے زمین غبار آلود اور بدصورت ہو گئی

ہر ذائقہ اور رنگ بدل گیا   خوبصورت چہرے کی بشاشت کم ہو گئی (4)

میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا، جس نے یہ کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شعر کہا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولا ہے کیونکہ حضور ﷺ اور انبیاء شعر کے حوالے سے برابر حکم رکھتے ہیں مگر جب قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا تو حضرت آدم نے ان کا مرثیہ کہا وہ سریانی زبان میں تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے مرثیہ کہا تو آپ نے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا اس کلام کو یاد رکھو تا کہ یہ نسل در نسل چلتا رہے اور لوگوں کے دل اس سے نرم ہوں۔ یہ اسی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 34 (التجاریہ)   2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 34 (ایضاً)   3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 34 (ایضاً)

4۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 34 (ایضاً)

طرح چلتا رہا یہاں تک کہ یعرب بن قحطان تک پہنچا۔ یہ سریانی اور عربی دونوں زبانوں میں کلام کرتا تھا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے عربی زبان میں لکھا۔ وہ شعر بھی لکھتا تھا اس نے مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کیا اسے وزن دیا اور اس میں کئی بیتوں کا اضافہ کیا۔

مجھے کیا ہو گیا کہ میں آنسو کیوں نہیں بہاتا　　جب کہ ہابیل کو قبر نے اپنی گود میں لے لیا

میں دیکھتا ہوں ساری زندگی غم مجھ پر غالب رہے گا　　کیا میں زندگی سے براحت حاصل کر سکوں گا

جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال ہوئی۔ یہ حضرت ہابیل کے قتل کے پانچ سال بعد کا واقعہ ہے تو حضرت حواء نے حضرت شیث کو جنم دیا۔ اس کا نام ھبۃ اللہ ہے۔ یہ حضرت ہابیل کے خلیفہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رات دن کی ساعتوں کا علم عطا فرمایا۔ ہر ساعت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی۔ آپ پر پچاس صحیفے نازل فرمائے۔ حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم کے وصی اور ولی عہد ہوئے۔ قابیل کو کہا گیا جا مردود دفع ہو جا مارا مارا پھرتا رہ، تجھے امن نصیب نہ ہو، جسے تو دیکھے اس سے تجھے امن نصیب نہ ہو۔ اس نے اپنی بہن اقلیمہ کا ہاتھ پکڑا اور یمن کے علاقہ عدن کی طرف بھاگ گیا۔ ابلیس ان کے پاس آیا، قابیل سے کہا ہابیل کی قربانی آگ اس لئے کھا گئی کیونکہ وہ آگ کی پوجا کرتا تھا تو بھی آگ کے لئے جگہ بنا جو تیرے اور تیری نسل کے لئے۔ ہو قابیل نے ایک آتش کدہ بنایا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے آگ کی پوجا کی۔ قابیل کی اولاد نے لہو ولعب کے آلات بنائے جیسے بانسری، ڈھول، باجے، عود اور طنبورے بنائے۔ یہ لہو ولعب، شراب خوری، آگ کی پرستش، بدکاری اور فواحش میں منہمک ہو گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان نے انہیں غرق کر دیا اور حضرت شیث علیہ السلام کی نسل باقی رہ گئی۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی انسان بھی دوسرے انسان کو ظلماً قتل نہیں کرتا مگر اس کے گناہ کا بوجھ قابیل پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ سب سے پہلا آدمی ہے جس نے قتل کو رواج دیا۔ اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے شعب ایمان میں حضرت عمرو کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قاتل بیٹا دوزخیوں سے عذاب کی صحیح صحیح تقسیم کرے گا، اس پر نصف عذاب ہو گا۔ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی سے سال بھر قطع رحمی کی، وہ اللہ تعالیٰ سے قابیل کے گناہ جتنا گناہ لے کر ملاقات کرے گا۔ دوزخ کے عذاب میں داخل ہونے کے سوا جدانہ (۱) ہو گا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

”اسی وجہ سے [۱] (حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر [۲] کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے [۳] اور زمین میں فساد برپا کرنے کے [۴] تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو [۵] اور جس نے بچا لیا کسی جان کو [۶] تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو [۷]۔ اور بے شک آئے ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ [۸] پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی [۹] زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں [۱۰]۔“

[۱] ابو جعفر نے ہمزہ کو قرأت میں حذف کر کے اور نون مکسور کو جیم ساکن کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے متن کے مطابق پڑھا

(۱) قابیل کا عذاب زیادہ ہو گا۔

ہے، یعنی ابن آدم سے بڑی خباثت اور قتل کا دروازہ بند کرنے کی وجہ سے مابعد حکم ویا اجل اصل میں مصدر ہے اَجَلَ شَرًّا یَاْجَلُ سے مشتق ہے۔ وہ اس شر کو کھینچ کر لایا۔ قاموس میں ہے اَجَلَ لِلشَّرِّ عَلَیْھِمْ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ شر کو اس پر برانگیختہ کرے اور بھڑکائے۔ پھر یہ جنایات کی علت بیان کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا پھر ہر علت بیان کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس میں مِن، ابتدائیہ ہے جو مابعد فعل کے متعلق ہے۔

[2] یعنی مابعد مذکور حکم کی ابتداء اس وجہ سے ہوئی۔

[3] یعنی اپنے نفس کے قتل کے بغیر جو قصاص کو واجب کرے۔

[4] یہ اہل حرب کے فساد، باغیوں کے شر، ڈاکوؤں کے ڈاکہ اور بدکار وغیرہ کو شامل ہے، یعنی جس نے ان کے علاوہ افراد کو قتل کیا۔

[5] امام بغوی نے کہا علماء نے اس کے معنی بیان کرنے میں اختلاف سے کام لیا ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس نے کسی نبی اور عادل امام کو قتل کیا گویا اس نے تمام لوگوں (۱) کو قتل کیا۔ جس نے نبی کی قوت یا عادل امام کو مضبوط کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی عطا کی۔ مجاہد نے کہا جو آدمی ناحق کسی انسان کو قتل کرے تو وہ اس قتل کے بدلہ میں اس طرح جہنم میں داخل ہوگا جس طرح تمام لوگوں کو قتل کر کے جہنم میں داخل ہوگا۔ جس نے اسے زندہ رکھا یعنی جو ناحق کسی انسان کو قتل کرنے سے رک گیا تو وہ تمام لوگوں کے قتل سے محفوظ رہا۔ قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو بڑھائے گا اور اس کے بوجھ کو زیادہ کر دے گا۔ اس کا معنی یہ ہے جو ناحق کسی مسلمان کے قتل کو حلال جانے تو وہ گناہ میں اس طرح ہے جس طرح وہ تمام لوگوں کو گناہ میں قتل کرے کیونکہ وہ اس سے محفوظ نہیں (1)

[6] جو اس کے قتل سے بچایا۔ اسے ہلاکت کے اسباب سے بچایا جس طرح ناحق قتل کرنا، غرق کرنا، جلانا، گرانا وغیرہ۔

[7] یعنی ثواب میں وہ اس مقام پر ہوگا کیونکہ تمام لوگ اس کے شر سے محفوظ ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا تمام لوگوں کو قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک انسان کے قتل سے اس پر قصاص اس طرح واجب ہوگا جس طرح تمام لوگوں کو قتل کرنے سے قصاص واجب ہوگا (2) اس آیت میں مقصود نفس کو قتل کرنے اور اسے زندہ رکھنے کی عظمت دلوں میں اجاگر کرنا ہے تاکہ انہیں ایسا کرنے سے ڈرایا جائے اور نفس کی حفاظت کرنے پر رغبت دلائی جائے۔ حضرت براء بن عازب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کا زوال ایک ناحق بندہ مومن کے قتل سے آسان ہے (3) اسے ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اگر سب اہل آسمان اور اہل زمین ایک بندہ مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں جس نے ناحق کسی کا خون بہایا۔ امام مسلم کے ہاں عبداللہ بن عمر کی حدیث پہلی حدیث کی مثل ہے۔ امام نسائی حضرت بریدہ کی حدیث نقل کرتے ہیں بندہ مومن کا (ناحق) قتل اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی تباہی سے بڑھ کر ہے (4) ابن ماجہ کے ہاں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، آپ فرما رہے تھے تو کتنا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے، تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مومن کی حرمت تیرے سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اس کے مال اور خون کی حرمت (5) سلیمان بن علی نے کہا میں نے حضرت حسن

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 36 (التجاریہ) 2۔ تفسیر خازن مع حاشیہ بغوی، جلد 2، صفحہ 36 (ایضاً) 3۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 191 (وزارت تعلیم)

4۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 162 قدیمی کتب خانہ کراچی 5۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 290، مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور

(۱) مجاہد سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ سورۂ نساء کی آیت وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا کی مثل ہے، وہ فرماتے اگر سب کو قتل کرے تو اس کے وبال میں اضافہ نہ ہو۔

بصری سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کیا یہ ہمارے لیے بھی ہے۔ ابوسعید نے کہا یہ ہمارے لئے اس طرح ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لئے تھی فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں بنی اسرائیل کے خون ہمارے خونوں سے معزز نہ تھے (1)

۸ یعنی بنی اسرائیل کے پاس ہمارے رسول واضح معجزات لائے۔

۹ اس کے بعد ہم نے ان پر یہ سخت حکم لازم کیا اس کی وجہ ان کا یہ جرم تھا اور ہم نے ان کی طرف واضح معجزات کے ساتھ رسول مبعوث کئے۔ مقصود امر کی تاکید اور عہد کی تجدید تھا تا کہ ان کی اکثریت اس سے اپنے آپ کو بچائے۔

۱۰ وہ قتل کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور معاملات میں حد اعتدال سے بہت آگے نکل جاتے تھے۔ (ا)

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَـٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾

"بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے ۱ اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی ۲ یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے ۳ یا جلا وطن کر دیے جائیں ۴ یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے ۵"

۱ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ راستوں کے محافظ ہیں۔ خلفاء اور بادشاہ تو آپ کے بعد آپ کے نائبین ہیں۔ یا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرتے ہیں۔ معنی یہ ہے وہ ان کے امر کی مخالفت کرتے ہیں، جان اور مال کی حرمت کو پامال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے ثابت کرنے سے ثابت تھی۔ امام بیضاوی نے کہا حرب کا اصل معنی مال چھیننا ہے۔ قاموس میں ہے حرب کا معنی معروف ہے۔ نیز اس کا معنی مال چھیننا بھی ہے۔ یہ وضاحت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لفظ ان معانی میں مشترک ہے اور امام بیضاوی نے جو کچھ کہا وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ منقول ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 36 (التجاریہ)

(ا) خرائطی نے مکارم اخلاق میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ عرینہ قوم کے افراد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اعضاء شل ہو گئے، ان کے چہرے زرد ہو گئے، پیٹ بڑھ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں صدقہ کے اونٹوں کی چراگاہ کی طرف بھیج دیا کہ ان کے دودھ اور بول پئیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا وہ تندرست ہو گئے۔ اور موٹے ہو گئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے معین چرواہے پر حملہ کیا، اسے قتل کر دیا، اونٹ ہانک کر لے گئے اور اسلام سے مرتد ہو گئے۔ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور کہا ان کے پیچھے دستے بھیجیں، آپ نے دستہ بھیج دیا پھر جبرئیل نے کہا آپ یہ دعا کریں اے اللہ بے شک آسمان تیرا آسمان ہے، زمین تیری زمین ہے، مشرق تیرا مشرق ہے اور مغرب تیرا مغرب ہے، اے اللہ زمین کی وسعت کے باوجود اسے ان پر تنگ کر دے یہاں تک تو اس زمین کو مسک جمل سے بھی تنگ کر دے یہاں تک کہ تو مجھے ان پر قدرت دے۔ مسلمان دستہ انہیں پکڑ کر لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا جبرئیل نے پیغام دیا جو ڈاکو مال لے اور قتل کرے اسے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ جو قتل کرے اور مال نہ چھینے اسے قتل کر دیا جائے۔ جو مال لے اور قتل نہ کرے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا یہ دعا ہر بھاگنے والے کے لیے ہے اور اس کے لیے بھی جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے خواہ وہ انسان ہو یا کوئی اور وہ یہ دعا کرے کسی چیز میں لکھے اور کسی پاکیزہ چیز میں دفن کر دے۔ اللہ تعالیٰ اسے قدرت عطا فرمائے گا۔

یا فساد مفسدین کے معنی میں ہو کر حال یا یہ مفعول لہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو کیونکہ کوشش فساد تھی گویا یہ سعیا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یا تقدیر کلام یوں ہے یُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اس آیت کے شان نزول کے بارے میں اختلاف ہے، ابن جریر نے یزید بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت انس کی طرف خط لکھا کہ وہ اس بارے میں بتائیں تو حضرت انس نے انہیں یہ خط لکھا کہ یہ آیت اہل عرینہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔ انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا تھا اور اونٹ بھگا کر لے گئے تھے(1) جریر سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ عبدالرزاق نے اسی کی مثل ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ اس طرح امام بغوی نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے اسے حضرت انس سے روایت کیا۔ جب عکل سے ایک جماعت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ مسلمان ہو گئے، انہیں مدینہ کی ہوا موافق نہ ہونے کی وجہ سے پیٹ کا مرض لگ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں صدقہ کے اونٹوں کی طرف بھیج دیا۔ انہیں ان کے بول اور دودھ پینے کا حکم دیا انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ صحت مند ہو گئے پھر وہ مرتد ہو گئے، ان کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے۔ یہ اہل عرینہ کو پکڑ کر لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا پھر ان کی آنکھوں میں سلائیں پھیرنے کا حکم دیا۔ ان کی آنکھوں میں سلائیں پھیر دی گئیں، انہیں کھلی جگہ پھینکنے کا حکم دیا، وہ پانی طلب کرتے لیکن انہیں پانی نہ دیا جاتا یہاں تک کہ (2) وہ مر گئے۔ ابو قلابہ نے کہا اہل عرینہ نے قتل کیا تھا، چوری کی تھی، اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی تھی، زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کی تھی(3) اہل عرینہ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا وہ حکم اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے کیونکہ مثلہ کرنا جائز نہیں بعض نے کہا آنکھوں میں سلائی پھیرنے اور مثلہ کرنے کے علاوہ حکم ثابت ہے۔ اس قول کا تصور اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب امام کو مذکورہ آیت میں مذکور چاروں احکام میں سے کسی کو اپنانے کا اختیار ہو۔ قتادہ نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے تھا۔ ابو الزناد نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو اللہ تعالیٰ نے حدود کے بارے میں احکام جاری کر دیئے اور آپ کو مثلہ سے منع کر دیا۔ اس وجہ سے دوبارہ یہ سزا آپ نے نہ دی۔ قتادہ سے مروی ہے، کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس واقعہ کے بعد صدقہ پر برانگیختہ کرتے اور مثلہ سے منع کرتے۔ سلیمان تیمی نے حضرت انس سے کہا نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائی اس لئے پھروائی کیونکہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ لیث بن سعد نے کہا یہ آیت رسول اللہ ﷺ کو عتاب کرنے اور ان کو دی گئی سزا کے بارے میں تعلیم دینے کے لئے نازل ہوئی۔ اسی لئے فرمایا کہ ان کی سزا تو صرف یہ ہے، مثلہ کرنا (جائز) نہیں۔ ضحاک نے کہا یہ آیت چند اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی(4) ان اہل کتاب اور نبی کریم ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا۔ انہوں نے وعدہ توڑا، ڈاکہ ڈالا، زمین میں فساد برپا کیا۔ کلبی نے کہا یہ آیت ہلال بن عویمر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ نبی کریم ﷺ نے ہلال بن عویمر کے ساتھ معاہدہ کیا جو ابو برزہ اسلمی کے نام سے مشہور تھا کہ وہ حضور ﷺ کی مدد کرے گا، نہ مخالفت کرے گا۔ جو شخص ہلال بن عویمر کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گا وہ امن میں ہو گا، اس پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ بنی کنانہ کی ایک قوم جو اسلام لانے کا ارادہ رکھتی تھی، ہلال بن عویمر کی قوم ان لوگوں کے پاس سے گزری جو مسلمان ہو چکی تھی۔ ہلال اس وقت موجود نہ تھا، ہلال کی قوم کے لوگوں نے بنی کنانہ کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 134 (الامیریہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 37 (التجاریہ)
3۔ ایضاً　　4۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 494 (العلمیہ)

لوگوں پر حملہ کر دیا اور مال چھین لیا۔ جبرائیل امین ان کے متعلق حکم لے کر تشریف لائے۔

فائدہ۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں محاربین مفسدین سے مراد ڈاکو ہیں، وہ مسلمان ہوں۔ یا ذمی ہوں تمام علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے جو آدمی قافلہ کو روکے، اس نے شہر سے باہر ڈرانے اور حملہ کرنے کی غرض سے اسلحہ لہرایا، جبکہ اس جگہ مدد پہنچنے کی کوئی صورت نہ تھی تو وہ محارب ڈاکو ہوگا۔ اس پر اس آیت کے احکام جاری ہوں گے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جو آدمی رات یا دن کے وقت شہر میں ڈاکہ ڈالتا ہے یا کوفہ اور حیرہ کے درمیان ڈاکہ ڈالتا ہے تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ کہنا ہے وہ محارب ڈاکو ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے محارب ڈاکو اسی وقت بنے گا جو شہر سے اتنا دور ہو کہ اسے مدد نہ پہنچ سکے۔ صاحب رحمۃ الامۃ نے اسی طرح کہا ہے۔ امام بغوی نے کہا شہروں میں ڈاکہ زنی کرنے والے بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ یہ امام مالک، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد اور امام شافعی کا قول ہے(1) ابن ہمام نے کہا یہ امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ "وجیز" میں ہے جس نے شہر میں زبردستی کسی کا مال چھینا وہ ڈاکو ہے۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق ظاہر روایت یہ ہے کہ جس جگہ وہ مال چھین رہا ہے اس جگہ اور شہر کے درمیان سفر کی مسافت ہونا شرط ہے (جب وہ ڈاکو بنے گا) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جب وہ شہر سے باہر ہو، اس کے قریب نہ ہو اس پر حد واجب ہوگی کیونکہ مظلوم کو مدد نہیں مل سکتی کیونکہ یہ محارب بلکہ اس کا یہ اعلانیہ فعل جنگل میں اعلانیہ عمل سے زیادہ سخت ہے۔ قرآن وحدیث میں ڈاکہ مارنے کی جگہ کے بارے میں وضاحت نہیں۔

امام مالک سے یہ مروی ہے جو آدمی کسی دوسرے سے اس طریقہ پر مال چھین لے کہ مالک کے لئے مدد طلب کرنا ممکن نہ ہو تو یہ ڈاکو کہلائے گا۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ ڈاکہ آبادی سے تین میل کے فاصلہ پر ہو۔ امام احمد نے ایک موقع پر توقف کیا۔ جبکہ آپ کے اکثر اصحاب کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مظلوم ایسی جگہ ہو جہاں اسے مدد نہ پہنچ سکتی ہو۔ امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر اس نے اسلحہ کے زور پر شہر میں دن کے وقت ڈاکہ ڈالا تو وہ ڈاکو ہوگا۔ اگر اس نے چھڑی یا اس جیسی چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا تو وہ ڈاکو نہ ہوگا۔ رات کے وقت اگر اس نے لکڑی، پتھر وغیرہ سے بھی ڈاکہ مارا تو وہ ڈاکو شمار ہوگا کیونکہ اسلحہ اپنا کام مدد پہنچنے سے پہلے کر چکا ہوتا ہے اس لئے یہ ڈاکہ ہوگا۔ رات کو مدد دیر سے پہنچتی ہے اس لئے اسلحہ کے بغیر بھی ڈاکہ واقع ہو جاتا ہے۔ شرح طحاوی میں ہے فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ ھدایہ میں فرمایا امام ابوحنیفہ کا قول استحسان ہے اور امام شافعی کا قول قیاس ہے کیونکہ حقیقتاً ڈاکہ پایا گیا ہے اور استحسان کی دلیل یہ ہے ڈاکہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی مدد کرنے والا نہ ہو۔ یہ صورت شہر اور اس کے قرب وجوار میں متحقق نہیں ہوتی کیونکہ اس میں مدد پہنچنے کا غالب امکان موجود ہوتا ہے۔ ابن ہمام نے کہا آیت میں مذکور حد معروف ڈاکوؤں پر نہیں کیونکہ یہ نام تو لوگوں کی طرف سے رکھا گیا ہے۔ ہم نے مضاف (ا) مقدر ماننے کے ساتھ جوڑ کر کیا ہے اسی حوالے سے یہ حد ان لوگوں پر جاری ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے جنگ کرتے ہیں۔ یہ صورت شہر سے باہر ہی واقع ہو سکتی ہے۔ پھر مذکورہ دلیل شہر اور ڈاکہ کی جگہ کے درمیان تین دن کی مسافت کی تعیین کا فائدہ نہیں دیتی۔ میں کہتا ہوں اہل عرینہ والی حدیث بھی شہر اور ڈاکہ کی جگہ کے درمیان اتنی مسافت کے ہونے کا انکار کرتی ہے۔

مسئلہ۔ ڈاکوؤں کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اتنی طاقت کے مالک ہوں جو اپنا دفاع کر سکیں وہ جماعت ہو یا اکیلا فرد ہو۔ وہ لوگ جو قافلہ کے آخری حصہ میں داخل ہو کر مال چھین لیتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں وہ ڈاکو نہیں۔ اگرچہ وہ ان لوگوں کے حق میں ڈاکو ہوں گے جن

1۔ تفسیر خازن مع حاشیہ بغوی، جلد 2، صفحہ 37 (تجاریہ)

(ا) مضاف عباد محذوف ہے

پر وہ غالب آ گئے تھے اور بڑے قافلے کے حق میں ڈاکو نہ تھے۔ یہ شرط آیت سے معلوم ہو رہی ہے کیونکہ محاربہ اور زمین میں فساد برپا کرنا یا اپنے دفاع پر قادر ہونے کے بغیر متحقق نہیں ہوگا۔

سے یہاں ہاتھوں سے دائیں ہاتھ اور پاؤں سے بائیں پاؤں مراد ہیں۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے۔

سے ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ امام کو محاربین کے بارے میں اختیار ہوگا کہ وہ انہیں قتل، سولی، ہاتھ پاؤں کاٹنے یا جلاوطن کرنے کی سزا دے جس طرح آیت کے لفظ او سے معلوم ہوتا ہے (1) کیونکہ او کا کلمہ تخییر کے لئے ہے۔ اس صورت میں کسی قید کو مقدر ماننے کی ضرورت نہ ہو گی۔ یہ سعید بن مسیب، عطاء، داؤد، حسن، ضحاک، نخعی، مجاہد، اور ابو ثور کا قول ہے۔ امام مالک نے فرمایا امام وقت ان کے ساتھ جو مناسب سمجھے گا وہ فیصلہ کرے گا۔ ان ڈاکوؤں میں سے جو صاحب رائے اور قوت والا ہو اسے قتل کر دے۔ اگر ساتھ ہی ان میں سیاست کا معاملہ دیکھے تو اسے سولی پر لٹکا دے۔ ان میں جو صاحب رائے ہو، نہ قوت رکھتا ہو تو اسے جلاوطن کر دے۔ آپ کے نزدیک جلاوطن کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس شہر میں وہ رہ رہا ہے اس سے دوسرے شہر میں نکال دے اور وہاں اسے قید کر دے۔ اسی طرح ہم محمد بن جبیر کا قول نقل کریں گے۔

امام مالک کے نزدیک چھینے گئے مال کا نصاب کے برابر ہونا بھی شرط ہے۔ یہ شرط نہیں کہ ہر ڈاکو کے حصہ میں نصاب کے برابر مال آئے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور قتادہ نے کہا یہاں او کا کلمہ ڈاکو کے مختلف احوال ظاہر کر رہا ہے اگر انہوں نے ڈاکہ ڈالنے کا قصد کیا، لوگوں کو خوفزدہ کیا، مال چھیننے یا قتل کرنے سے پہلے ہی پکڑے گئے انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جلاوطنی سے مراد یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کے آثار ظاہر ہوں کیونکہ لوگوں سے اس کا شر دور کرنے کے ساتھ اسے زمین سے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ مکحول نے کہا حضرت عمر بن خطاب پہلے حاکم ہیں جنہوں نے جیل میں مجرموں کو قید کیا۔ فرمایا میں اسے اس وقت تک قید کروں گا یہاں تک کہ اس سے توبہ کے آثار ظاہر ہوں، میں اسے کسی دوسرے شہر کی طرف جلاوطن نہیں کروں گا کہیں یہ ان لوگوں کو اذیت نہ دے (2) محمد بن جبیر نے کہا اسے دوسرے شہر کی طرف جلاوطن کیا جائے گا۔ اس شہر کی جیل میں قید کر دیا جائے گا جس کی طرف اسے جلاوطن کیا گیا یہاں تک کہ اس پر توبہ کے آثار ظاہر ہوں (3) اس قول کی صورت میں حقیقت و مجاز جمع ہوں گے۔ اکثر علماء نے کہا امام یہ حکم دے کہ جس شہر میں بھی یہ پایا جائے اسے وہاں سے جلاوطن کر دیا جائے۔ وہ کسی جگہ بھی اپنے ٹھکانے کو مخفی نہیں رکھ سکتے۔ اگر ان ڈاکوؤں نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لیا اور قتل نہ کیا اور چھینا گیا مال جب ڈاکوؤں پر تقسیم کیا جائے تو ہر ڈاکو چوری کے نصاب تک پہنچ جاتا ہو جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دس درہم، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک دینار کا چوتھائی حصہ یا تین درہم جس کا ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے تو امام ان کے ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹ دینے کا حکم دے۔ اگر ڈاکو قتل کریں، مال نہ چھینیں تو امام انہیں بطور حد قتل کر دے۔ وارثوں نے معاف کر بھی دیا ہو تو اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اگر ڈاکوؤں میں سے ایک نے قتل کیا یا مال چھینا تو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سب پر حد جاری ہوگی کیونکہ ڈاکے کی جزاء ہے۔ ڈاکہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ بعض بعض کے لئے دفاع کا کام کرتے ہیں۔ اگر کسی کے قدم اکھڑ جائیں تو سب بھاگ جاتے ہیں۔ اس میں شرط یہ ہے کہ قتل انہیں میں سے ایک سے صادر ہو اللہ تعالیٰ کے فرمان اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ میں حرف پر شد کا آنا اسی امر کا فائدہ دیتا ہے کہ بعض نے بھی اگر یہ عمل کیا تو سب پر باری باری حد جاری ہوگی کیونکہ باب تفعیل کثرت پر دلالت کرتا ہے نیز یہ مبالغہ کا فائدہ بھی دیتا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 37 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 38 (ایضاً) 3۔ تفسیر خازن مع حاشیہ بغوی، جلد 2، صفحہ 38 (ایضاً)

ہے اس لئے ورثاء کی طرف سے معاف کرنا جائز نہیں ہوگا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مددگاروں پر قید اور جلاوطنی جیسی سزا کے علاوہ کوئی اور سزا نہ دی جائے گی۔ اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا اور مال چھینا تو امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ انہیں قتل کرنے کا حکم دے۔ اور انہیں سولی پر لٹکا دے اگر چاہے تو صرف انہیں قتل کر دے اور اگر چاہے تو انہیں صرف سولی پر لٹکا دے۔ امام شافعی اور امام احمد کا یہ قول ہے کہ انہیں قتل کیا جائے گا اور سولی پر لٹکا دیا جائے گا، اسی صورت میں ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم نہ ہوگا آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ امام محمد نے فرمایا اسے قتل کیا جائے گا یا سولی پر لٹکایا جائے گا، اس کے ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ یہ ایک جنایت ہے، اس سے دو حدیں ثابت نہیں ہوتیں کیونکہ حدود میں نفس کو ضائع کرنے سے کم جو جنایت ہے وہ نفس کو ضائع کرنے میں داخل ہو جاتی ہے۔ جس طرح چوری اور رجم کی سزا۔ امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے یہ ایک سزا ہے جو سبب کی شدت کی وجہ سے سخت ہوگئی ہے، وہ یہ ہے کہ قتل کرنے اور مال چھیننے کے ساتھ امن مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بڑی چوری ڈاکے کی صورت میں ہاتھ پاؤں کاٹنا ایک حد ہوگی اگرچہ چھوٹی چوری کی صورت میں یہ دو حدیں ہیں۔ تداخل دو حدوں میں ہوتا ہے ایک حد میں ممکن نہیں۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اسے ہر صورت میں قتل کیا جائے گا اور سولی پر لٹکایا جائے گا۔ سولی پر لٹکانے کا حکم نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ نص میں یہ حکم موجود ہے۔ اس سے مقصود تشہیر ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اصل تشہیر قتل کے ساتھ ہوتی ہے۔ سولی پر لٹکانے میں مبالغہ پایا جاتا ہے اس لئے اسے اختیار ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک سولی پر لٹکانے کی صورت یہ ہے کہ پہلے اسے قتل کیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ کے نزدیک اسے زندہ ہی سولی پر لٹکایا جائے گا پھر اسے نیزہ مارا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ دونوں روایتیں امام ابوحنیفہ سے بھی مروی ہیں پہلی روایت امام طحاوی کی پسندیدہ ہے تاکہ مثلہ سے بچا جا سکے۔ دوسری امام کرخی سے مروی ہے، یہی صحیح قول ہے کیونکہ قتل اور سولی کے درمیان اس کا حکم داخل ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے تین دن سے زیادہ سولی پر نہیں لٹکایا جائے گا کیونکہ اس کے بعد اس کے جسم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے، جس وجہ سے لوگ اذیت محسوس کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے اسے سولی پر لٹکایا جائے گا اور اسے چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ خود بخود اس کے اعضاء ٹوٹ کر گر جائیں تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ عبرت سولی پر لٹکانے سے ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی انتہا کی صورت مطلوب نہیں۔ اسی تفسیر کو جمہور علماء نے پسند کیا۔ امام شافعی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ڈاکوؤں کے بارے میں فرمایا جب وہ قتل کریں اور مال چھینیں تو انہیں قتل کیا جائے گا اور سولی پر لٹکایا جائے گا۔ جب قتل کریں اور مال نہ چھینیں تو انہیں قتل کیا جائے گا سولی پر نہیں لٹکایا جائے گا، جب وہ مال چھینیں اور کسی کو قتل نہ کریں تو مختلف سمتوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ جب راستے میں وحشت تو پھیلائیں لیکن مال نہ لیں تو انہیں اس علاقہ سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ اسے امام بیہقی نے محمد بن سعد عوفی کی سند سے، وہ اپنے آباء سے اور وہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب ڈاکو ڈاکہ ڈالے اور کسی کو قتل کرے، اگر تو بہ سے قبل اسے گرفتار کر لیا گیا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ جب وہ ڈاکہ ڈالے مال چھینے اور قتل کرے تو اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔ اگر وہ قتل نہ کرے تو مختلف سمتوں سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ اگر وہ ڈاکہ مارے اور صرف وحشت پھیلائے تو اسے جلاوطن کیا جائے گا۔ امام محمد نے امام ابو یوسف سے، وہ کلبی سے، وہ ابو صالح سے، وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ ہلال بن عویمر اسلمی کے ساتھ مخالفت اور حمایت نہ کرنے کا معاہدہ کیا کچھ لوگ اسلام قبول کرنے کی نیت سے آئے۔ ابو بردہ کے لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈالا۔ جبرائیل امین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حد کے احکام لے کر حاضر ہوئے جس نے قتل کیا اور مال چھینا اسے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ جس نے قتل کیا اور مال نہ لیا اسے قتل کر دیا جائے جس نے مال لیا اور قتل نہ کیا اس کے مختلف سمتوں سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ جو مسلمان بن کر آیا، اسلام اس کے شرک میں کیے گئے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ عطیہ کی ایک روایت میں ہے جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جس نے راستے میں دہشت پھیلائی اور قتل نہ کیا اور نہ ہی مال چھینا اسے جلا وطن کر دیا جائے گا۔ امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی تفسیر میں ابو معاویہ سے، وہ عطیہ سے نقل کرتے ہیں۔ نیز حدود کو مختلف صورتوں میں رکھنے کا قول یہ شرع کے قواعد کے موافق ہے۔ امام کی رائے پر موقوف کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ جرم نرمی اور سختی میں مختلف ہوتا رہتا ہے۔ امام کی رائے پر موقوف کرنا یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ سخت ترین جرم پر خفیف ترین سزا دی جائے اور اس کے برعکس بھی جائز ہو۔ قتل کے بدلے قتل، مال چھیننے کی صورت میں ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم، جرم کی تمام صورتیں جمع ہوں تو سولی چڑھانا اور قتل کرنا سب امر معقول ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے صرف قتل پر اکتفا کیا ہے اور سولی پر لٹکانے کو چھوڑ دیا۔ آپ یہ اہل عرینہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں سولی پر نہیں لٹکایا تھا۔

مسئلہ:۔ اگر ڈاکو نے کسی کو قتل نہ کیا اور نہ ہی کسی کا مال چھینا مگر اسے زخمی کیا تھا۔ جن میں قصاص کا حکم ہو اس میں ڈاکو سے قصاص لیا جائے گا اور جس میں دیت یا مالی معاوضہ لازم آتا ہے اس میں یہی حکم ہوگا۔ اس میں معاملہ مظلوم کے ہاتھ میں ہوگا اگر وہ معاف کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ ہدایہ میں ہے کیونکہ اس جنایت میں حد ثابت نہیں ہوتی اس لئے بندے کا حق ظاہر ہوگیا وہ وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس جنایت میں جلاوطنی کی حد محض دہشت پھیلانے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے صاحب ہدایہ کا یہ قول "اس جنایت میں کوئی حد نہیں" تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ:۔ اگر ڈاکو نے پہلے مال چھینا پھر کسی مسافر کو زخمی کیا تو ڈاکو کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور زخموں کی سزا باطل ہو جائے گی کیونکہ جب حد اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے واجب ہوگئی تو بندے کے حق کے طور پر نفس کی عصمت ساقط ہوگئی جس طرح مال کی عصمت امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساقط ہوگئی۔ امام شافعی نے فرمایا حد کے بدلہ میں بندے کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ اس لئے حد کے ساتھ ساتھ زخموں کا بدلہ لیا جائے گا۔ اسی اختلاف کی بناء پر جب ڈاکو کو بطور حد قتل کر دیا جائے گا یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں تو جو مال اس نے چھینا تھا اس کی اس سے ضمانت نہیں لی جائے گی۔ وہ مال ہلاک ہوگیا یا ڈاکو نے ہلاک کر دیا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس پر ضمانت ہوئی اگر مال ڈاکو کے پاس موجود ہو تو بالاتفاق مال کو لوٹا دیا جائے گا۔ اسی اختلاف کو ہم چوری کی حد میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ:۔ اگر ڈاکوؤں میں کوئی عورت ہو جو ان کی موافقت کرتی ہے اس نے قتل کیا اور پھر پکڑی گئی، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اسے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا اور اس سے مال کی ضمانت بھی لی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر ڈاکوؤں میں کوئی بچہ یا مجنون ہو تو تینوں ائمہ کے نزدیک باقی ڈاکوؤں پر حد جاری ہوگی، جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام ترمذی کے نزدیک باقی لوگوں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف سے یہ قول مروی ہے اگر عقلاء ڈاکہ ڈالیں تو باقی افراد پر بھی حد جاری

کی جائے گی۔ اس طرح اس صورت میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ اگر ڈاکوؤں میں سے کوئی قافلہ کے بعض افراد کا قریبی رشتہ دار ہو امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب ایک جنایت ہے جو سب پر صادر ہوئی۔ اب رشتہ داری کی وجہ سے باقی میں بھی شبہ پیدا ہو گیا (اس لئے حد ساقط ہو جائے گی) جبکہ جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے اس شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر اسی شبہ کا اعتبار کیا جائے تو پھر کسی پر بھی حد جاری نہ ہو سکے گی۔

مسئلہ:۔ جب قافلہ کے بعض افراد نے قافلہ کے بعض افراد پر ڈاکہ ڈالا تو حد واجب نہ ہوگی کیونکہ پورا قافلہ ایک حفاظت میں ہے۔ اس کی مثال یہ بنے گی جس طرح ایک چور کسی ساتھی کا سامان چوری کرتا ہے جب کہ دوسرا آدمی بھی اسی کے ساتھ گھر میں رہتا ہے جب ایسے ڈاکوؤں پر حد جاری نہیں ہو سکتی تو قصاص اور ضمانت (۱) واجب ہوگی۔

۵ جو سزا دی گئی اس میں ان لوگوں کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور ان کے بڑے گناہ کی وجہ سے بڑا عذاب ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

"مگر وہ جنہوں نے توبہ قبول کر لی اس سے پہلے کہ تم قابو پالو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔"

امام بغوی نے فرمایا جو علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے اس کا یہ معنی کیا ہے مگر وہ لوگ شرک سے تائب ہو گئے اور ابھی ان پر غلبہ نہیں پایا گیا تو وہ مسلمان ہو گئے اب ان پر کوئی سزا نہیں ہوگی جیسے حدود، اور حالت کفر میں جو انہوں نے خون بہایا یا کسی کا مال چھینا اس کے بارے میں ان پر کوئی چیز نہ ہوگی (1) میں کہتا ہوں یہی حکم اس حربی مشرک کا بھی ہوگا جو غلبہ کے بعد شرک سے توبہ کرے۔ یہ حکم دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے مگر مسلمان یا ذمی ڈاکو اگر گرفتار ہونے سے پہلے ڈاکہ مارنے سے توبہ کرے تو اس استثناء کی وجہ سے حقوق اللہ میں اس سے یہ حد ساقط ہو جائے گی۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔

جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے، بعض نے کہا وہ بھی ساقط ہو جائیں گے اس لئے خون بہانے یا مال چھینے کی صورت میں کسی آدمی کی اب ڈاکو پر ضمانت نہ ہوگی۔ اگر ڈاکو کے پاس بعینہ وہ مال موجود ہو تو مالک کو لوٹا دیا جائے گا (2) حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حارث بن بدر کے بارے میں یہی مروی ہے کہ اس نے محارب کے طور پر خروج کیا تھا، اس نے کئی لوگ قتل کئے، لوگوں کے اموال لوٹے پھر گرفتار ہونے سے پہلے خود ہی توبہ کرتے ہوئے پیش ہو گیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی چیز لازم نہ کی (3) ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے امام شعبی سے، انہوں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید نے اشعث سے، انہوں نے ایک آدمی سے، انہوں نے ابو موسیٰ اشعری سے اسی کی مثل نقل کیا ہے، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک حقوق العباد اس سے ساقط نہ ہوں گے۔ اگر اس نے قتل کیا۔ لوگوں کا مال چھینا اور گرفتار ہونے سے پہلے ہی تائب ہو گیا تو مظلوم کا ولی قصاص لے گا یا معاف کر دے گا۔ اگر مال ڈاکو کے پاس ہلاک ہو گیا یا اس نے خود ہلاک کیا تو مال کی ضمانت واجب ہوگی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا قصاص اور ضمانت یہ حد کے وجوب پر موقوف تھے۔ حد یہ خالص اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب استثناء سے یہ معلوم ہو گیا کہ حد واجب نہ ہوگی تو جان اور مال کے اتلاف میں بندے کا حق ظاہر ہو گیا۔ اب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 38 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

(۱) اگر قتل کیا یا ایسا زخم لگایا جس میں قصاص جاری ہوتا ہے تو قصاص بصورت دیگر دیت یا چٹی اسی طرح مال کے نقصان کی صورت میں مال کی ضمانت۔ مترجم

قتل اور اعضاء کاٹنے میں قصاص واجب ہوگا اور اموال میں ضمانت ہوگی واللہ اعلم۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدو جہد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ۔ ۱۔"

۱۔ وسیلہ سے مراد تقرب ہے۔ یہ امام حاکم نے حذیفہ سے روایت کیا ہے۔ اس طرح فریابی، عبد بن حمید، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد قرب ذاتی ہے جو بلا کیف ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے وسیلہ سے مراد بادشاہ کے ہاں مقام و مرتبہ، درجہ و قرب ہے۔ واسل کا معنی رغبت کرنے والا ہے۔ صحاح میں ہے وسیلہ سے مراد رغبت کے ساتھ کسی شے تک پہنچنا یہ وصیلہ سے خاص ہے کیونکہ وسیلہ میں رغبت کا معنی بھی موجود ہوتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسا درجہ ہے جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ تم اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں سوال کرو وہ مجھے مقام وسیلہ عطا کرے (1) اسے امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ ابوسعید خدری سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ امام مسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم موذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی اسی طرح کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل فرمائے گا پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو کیونکہ یہ جنت میں ایک مقام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک کے شایان شان ہے۔ میں امید کرتا ہوں یہ میرے لئے ہے۔ جس نے میرے حق میں وسیلہ کا سوال کیا اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہے (2) اگر یہ سوال کیا جائے یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ وسیلہ ایک درجہ ہے جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختص ہے جس طرح نصوص اور اجماع دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ میں اس کی طلب کا حکم ہے تو اس سے غیر کے لئے اس کے حصول کا جواز ثابت ہوتا ہے پھر اس تخصیص کی کیا توجیہ ہوگی میں یہ کہتا ہوں وہ مرتبہ جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اصل کے اعتبار سے اس کا حصول کسی امتی کے لئے ممکن نہیں لیکن حبعاً اور وراثۃً اس کا حصول کاملین امت کے لئے جائز ہے۔ جو آدمی اس کی مزید شرح چاہتا ہے وہ میرے سید اور امام قیوم ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی طرف رجوع کرے۔ آپ کی گفتگو سے ان لوگوں کے اعتراضات جو معاملہ کی حقیقت سے غافل ہیں دور ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے وسیلہ اللہ تعالیٰ کے قرب درجات کو عام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے جس درجہ کا مطالبہ کیا ہے وہ ان میں سے ایک اعلیٰ و ارفع درجہ ہے۔

فائدہ:۔ جوہری نے صحاح میں جس طرح ذکر کیا ہے رغبت اور محبت وسیلہ کے مفہوم میں داخل ہے یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس مقام تک رسائی صرف محبت سے ہی ہوتی ہے کسی اور صورت میں ممکن نہیں۔ مجدد الف ثانی نے جو کچھ کہا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے یعنی مرتبہ لا تعین جو قرب کا سب سے بلند مقام ہے، جس کے بارے میں حضور ﷺ نے اشارہ کیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت حاصل ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی یہ (سیر نظری) محبت پر ہی منحصر ہے کوئی اور چیز اس میں موثر نہیں ہوتی واللہ اعلم۔

محبت اتباع سنت کا ثمرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنائے گا۔ نبی کریم ﷺ کی ظاہر اور

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 63 مطبوعہ دار الفکر، بیروت
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 166 (قدیمی)

باطن کمال اتباع اس مرتبہ کے حصول میں فائدہ مند ہوتی ہے لیکن انہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہے یہ بھی اصل کے اعتبار سے نہیں بلکہ تبع اور وراثت کے اعتبار سے میسر ہوتی ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی نفس، شیاطین اور کفار کے ساتھ جہاد کرو تاکہ اپنے مقصود کو پالو جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں خلوص، کمال تقویٰ اور وسیلہ کا حصول ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

"بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا۔[1]"

[1] میں ضمیر واحد ذکر کی جبکہ مذکور دو چیزیں ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ ضمیر اسم اشارہ کے قائم مقام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسم اشارہ ہے عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ یا وَمِثْلَهٗ میں واؤ مع کے معنی میں ہے یہ کل رجل و ضیعۃ کے حکم میں ہو کر ان کے اسم پر معطوف ہوگا اور معہ کا حکم اس کی تاکید کے لئے ہوگا اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے کہ یہاں واؤ مع کے معنی میں ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ واؤ ثبوت میں معیت کا فائدہ دیتی ہے، فدیہ دینے میں معیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں جب ضمیر ایک چیز کی طرف لوٹے اور اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز بھی متعلق ہو تو اگر اس پہلی چیز پر کوئی حکم اس اصل کے اعتبار سے لگایا جائے تو دوسری چیز کے لئے بھی حکم بالتبع ثابت ہوگا۔ وہ فدیہ اس لئے دینا چاہتے ہیں تاکہ قیامت کے عذاب سے بچیں جو اللہ تعالیٰ سے حد درجہ دور ہونے اور اس کی رحمت سے دھتکارے ہوئے ہونے کی وجہ سے مرتب ہو رہا ہے۔

مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ "لَوْ" کا جواب ہے اور لَوْ اپنی شرط و جزا سے مل کر اِنَّ کی خبر ہے۔ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ جن کفار نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اپنی ذات، اولاد اور اموال وغیرہ کو اپنا محبوب بنایا اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کوئی چیز خرچ نہ کی، اب اگر آخرت میں انہوں نے خرچ کیا بھی تو وقت گزرنے کی وجہ سے یہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ مفہوم تو اس سے مختصر کلام میں بھی حاصل ہو سکتا تھا تو اس اسلوب کو اپنانے کا کیا فائدہ ہے؟ ہم کہیں گے اس اسلوب میں دو عظیم فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اگر انہیں خرچ کرنے اور فدیہ دینے کے لئے زمین میں جو کچھ ہے اور اسی کی مثل حاصل ہو جاتا، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہوتے، اس کے لئے فدیہ کی حفاظت بھی کرتے اور فدیہ دینے اور اسباب کی رعایت بھی کرتے، جس طرح خیال رکھنا چاہیے تب بھی ان کی طرف سے فدیہ قبول نہ کیا جاتا چہ جائیکہ ان سے فدیہ اس حالت میں قبول کیا جائے، جبکہ وہ اس سے غافل ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ فدیہ قبول نہ کرنا اس لئے ہے کہ ان کے پاس فدیہ دینے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں واللہ اعلم۔

ان کے لئے عَذَابٌ اَلِيْمٌ اس طرح ہے جس طرح ان کا عذاب ختم نہیں ہوگا اس طرح اس میں تخفیف بھی نہ ہوگی۔ حضرت انس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس آدمی سے فرمائے گا جس کو سب سے خفیف عذاب دیا جا رہا ہوگا اگر زمین میں جو کچھ تیرے پاس ہو تو کیا اس عذاب سے چھٹکارا کے لئے فدیہ دے دیگا۔ وہ عرض کرے گا ہاں میں ایسا کر گزروں گا۔ اللہ تعالیٰ

فرمائے گا میں نے اس سے بھی آسان امر کا مطالبہ کیا تھا، جبکہ تو ابھی حضرت آدم کی پشت میں تھا۔ وہ امر یہ تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے مگر تو نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾

"بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے اور وہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کے لئے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا۔[1]"

[1] یعنی وہ جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے "جب کبھی بھی وہ اس جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، یعنی اسی میں واپس لوٹا دیا جائے گا یا اس کا معنی ہے اس کی تمنا کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی طلب کریں گے جس طرح اللہ کے فرمان میں ہے اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال۔ اس کے جواب میں مبالغہ کے لئے جملہ فعلیہ کی جگہ وما هم بخارجين جملہ اسمیہ ذکر کیا ہے یہ جملہ یریدون کی ضمیر سے حال بن رہا ہے عذاب مقیم سے مراد ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے جو مفہوم سابقہ کلام سے ضمناً سمجھا جا رہا تھا یہاں اس کی تصریح کی گئی ہے اس سے جو یہ سمجھ آ رہا تھا کہ عذاب ختم ہوگا اس میں تخفیف ہوگی اسی طرح اس سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ اس میں دوام نہ ختم ہوگا اور نہ ہی زائل ہوگا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾

"اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لئے جو انہوں نے کیا (اور) عبرتناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔[1]"

[1] ایسے مواقع جہاں اس کے بعد ایک ایسا فعل ہو جس میں ایک ضمیر ہو جو ماقبل کی طرف لوٹے تو نحویوں کا پسندیدہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے اسم کو اضمار علی شرط تفسیر کے قاعدہ پر منصوب پڑھتے ہیں کیونکہ جملہ انشائیہ کسی چیز کو مضمر ماننے اور تاویل کے بغیر خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جبکہ اس آیت میں قراء کا اتفاق ہے کہ السارق و السارقة مرفوع ہیں تو یہاں نحویوں نے تکلف سے کام لیا۔ سیبویہ نے کہا یہ آیت حقیقت میں دو جملے ہیں السارق والسارقة مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی حُكْمُهُمَا مَا قِيلَ عَلَيْكُمْ اور فاقطعوا محذوف شرط کی جزا ہوگی۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ ثَبَتَ سَرِقَتُهُمَا فَاقْطَعُوْا۔ امبرد نے کہا یہ ایک جملہ ہے اور فعل کا انشائیہ ہونا اگرچہ مذکورہ اسم پر نصب کا تقاضہ کرتا ہے لیکن فاقطعوا کی فاء اس سے مانع ہے کہ یہ فعل ماقبل میں عمل کرے اس لئے السارق والسارقة مبتدا ہوگا جو شرط کا معنی لیے ہو۔ اس لئے اس کی خبر پر فاء داخل ہوئی تقدیر کلام یوں ہوگی اَلَّذِيْ سَرَقَ وَالَّتِيْ سَرَقَتْ فَاقْطَعُوْا۔ محقق تفتازانی نے فرمایا ایسے مواقع پر انشاء کسی تکلف کے بغیر مبتدا کی خبر بن سکتی ہے کیونکہ یہ حقیقت میں شرط کی جزا ہوتی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اِنْ سَرَقَ اَحَدٌ فَاقْطَعُوْا اللہ تعالیٰ نے یہاں اور حد زنا میں عورتوں کو مردوں کے ضمن میں ذکر نہیں کیا۔ جس طرح قرآن حکیم میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس صراحت کی وجہ یہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس آیت میں مرد کا پہلے ذکر کیا، جبکہ زنا کے حکم میں عورت کا پہلے ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چوری میں جرأت کی ضرورت ہوتی ہے جو مرد میں زیادہ ہوتی ہے، جبکہ بدکاری میں شہوت سبب بنتی ہے، جبکہ وہ عورت میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے کیونکہ یہی چوری کرنے کا آلہ ہے، جبکہ زنا کے آلے کو کاٹنے کا حکم نہیں دیا تا کہ نسل کو ختم کرنے سے بچایا جا سکے ید کا لفظ کندھے تک کے حصہ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے

خوارج اسی طرف گئے ہیں کہ کاٹنے کی جگہ کندھا ہے لیکن عمل چلا آ رہا ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا۔ اس کے لئے خصوصی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس میں آقائے دو عالم ﷺ سے متون وارد ہوئے ہیں کہ حضور ﷺ نے کلائی سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اسے دار قطنی نے صفوان کی چادر کی روایت میں ذکر کیا ہے۔ یہ روایت عذری راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دی گئی۔ ابن عدی نے اسے کامل میں عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا اس میں ایک راوی عبد الرحمن بن سلمہ ہے۔ ابن قطان نے کہا میں اس کے احوال سے واقف نہیں۔ ابن ابی شیبہ نے رجاء بن حیوہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کا ہاتھ والے جوڑ سے کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ روایت مرسل ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی سے نقل کیا گیا کہ ان دونوں نے بھی یہاں سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ید مشترک اسم ہے جو کندھے اور ہاتھ کے جوڑ تک (پونچے) کے حصے پر بولا جاتا ہے۔ دوسرا معنی زیادہ مشہور ہے اسی لئے جب اسے مطلق بولا جائے تو یہی ذہن میں آتا ہے۔ جب یہ لفظ دو معانی میں مشترک ہے تو پونچے سے کاٹنا یقینی ہوا اور زائد کو چھوڑ دیا کیونکہ اس کے مراد نہ ہونے کا احتمال موجود ہے یہاں ایدیھما سے مراد بالا تفاق دائیاں ہاتھ مراد ہیں تاکہ ابن مسعود کی قرأت پر عمل ہو جائے۔ آپ کی قرأت یہ ہے فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَهُمَا یہ قرأت مشہور ہے اس لئے محققین کے معنی میں یہ قید درست ہوگی۔ جب دونوں قرأتیں حکم میں برابر ہوں اور واقعہ بھی ایک ہو تو مطلق کو مقید کرنا جائز ہوتا ہے۔ یہ مجمل کا بیان ممکن نہیں کیونکہ یہاں کسی قسم کا اجمال نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ نے دایاں ہاتھ ہی کاٹا۔ اگر ہاتھ سے مطلق ہاتھ مراد ہوتا، دایاں ہاتھ مراد نہ ہوتا تو لوگوں کی حتی المقدور سہولت کے لئے بایاں ہاتھ ہی کاٹا جاتا کیونکہ دائیں ہاتھ میں بائیں ہاتھ کی نسبت زیادہ نفع ہے واللہ اعلم۔ جب مراد ان کے دائیں ہاتھ ہیں تو جمع کا صیغہ تثنیہ کی جگہ رکھنا درست ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ یہاں بھی مضاف الیہ کے تثنیہ ہونے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور تثنیہ کو مکرر لانے سے احتراز کیا ہے یہ اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب التباس کا اندیشہ نہ ہو۔ اس لئے تثنیہ کے ارادہ سے اَفْرَاسُكُمَا وَ غِلْمَانُكُمَا کہنا درست نہیں ہوتا۔ اگر مطلق مراد ہوں تو التباس کی وجہ سے یہ جائز نہیں کیونکہ دو افراد کے ہاتھ چار ہوتے ہیں تو جمع کا ارادہ بھی جائز ہوگا واللہ اعلم۔ اس لئے جمع کی اضافت تثنیہ کی طرف جائز نہ ہوگی۔

سرقہ سے مراد محفوظ جگہ سے کسی کا مال خفیہ طریقہ سے لینا ہے۔ قاموس میں ہے سَرَقَ مِنْهُ الشَّیْءَ وَاسْتَرَقَهُ یعنی وہ خفیہ طریقہ سے محفوظ جگہ کی طرف آیا، غیر کا مال لیا پس خفیہ طریقہ کے ساتھ کسی دوسرے کا مال لینا چوری کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس وجہ سے چوری کے ثابت ہونے میں یہ شرطیں ہیں (1) مال غیر کی ملک میں ہو، چور کی اس مال میں ملکیت ہو نہ ہی ملکیت کا شبہ ہو (2) مال محفوظ جگہ پر ہو، اس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو جو کسی مال کے لئے حرز (محفوظ جگہ) ہو وہ تمام اموال کے لئے حرز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ دوسرے تینوں ائمہ کے نزدیک اموال کے مختلف ہونے کے ساتھ حرز بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ اس کا دارومدار عرف پر ہے اگر کسی نے گھوڑوں کے اصطبل اور بھیڑ بکریوں کے باڑے سے موتی چرا لیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، جبکہ باقی ائمہ کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حرز کبھی مخصوص جگہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور کبھی حفاظت کرنے والے کی موجودگی کے ساتھ۔ جس طرح ایک آدمی راستہ میں یا مسجد میں بیٹھا ہو جبکہ اس کا سامان اس کے پاس موجود ہے تو وہ مال محفوظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا جس نے سفیان کے سر کے نیچے سے چادر چرائی تھی، جبکہ سفیان مسجد میں سو رہے تھے (1) اسے امام مالک نے موطا میں روایت کیا اور امام احمد نے دوسری سند سے۔ نیز امام حاکم، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے،

1۔ مؤطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 834 (ماخوذ) مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

صاحب تنقیح نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے کثیر طرق ہیں، اس کے الفاظ مختلف ہیں۔ اگرچہ بعض میں انقطاع اور بعض میں ضعف ہے۔ اگر چوری دن میں ہو تو اس کے آغاز اور اختتام کے اعتبار سے عمل مخفی ہونا چاہیے اگر چوری رات کے وقت ہو تو صرف ابتداء کے اعتبار سے مخفی ہونا چاہیے کیونکہ جب اس نے خفیہ طریقہ سے دیوار میں نقب لگائی پھر مالک سے زبردستی مال لے لیا تو وہ چوری ہوگی۔ ان شرائط کی بالا جماع رعایت کی جائے گی کیونکہ یہ سرقہ کے مفہوم سے اخذ شدہ ہیں اور ہم نے اس میں ملکیت کے شبہ نہ ہونے یا محفوظ جگہ ہونے کی شرائط ذکر کی ہیں۔ وہ مرفوع احادیث سے اخذ شدہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو۔ اگر تم مسلمان کے لئے خلاصی کی کوئی صورت پاؤ تو اس کی راہ چھوڑ دو کیونکہ امام کا معاف کرنے میں خطا کر جانا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہت بہتر ہے(1) اسے امام شافعی امام ترمذی امام حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے سند حسن کے ساتھ مرفوع روایت نقل کی ہے جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ کے بندوں سے حدود کو دور رکھو۔ حضرت علی شیر خدا سے مرفوع روایت مروی ہے حدود کو ساقط کرو، حدود کو معطل کرنا امام کو زیبا نہیں۔ اسے دار قطنی اور بیہقی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ اہل مصر کی حدیث سے اپنے جزء میں نقل کیا ہے جزبزہ نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے شبہات کے ساتھ حدود کو ساقط کردو اور شرفاء سے حدود کے علاوہ لغزشوں سے درگزر کرو۔ ابو مسلم کجی اور ابن سمعانی نے ذیل میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے مرسل اور مسدد نے حضرت ابن مسعود سے موقوف انداز میں روایت کیا ہے، علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حدود شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔ جب ہم چوری کی مذکورہ شرائط جو تمہید کے طور پر تھیں ان سے فارغ ہوئے تو ان کے متعلقہ مسائل ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ:۔ لٹیرے اور اچکے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ اعلانیہ مال لیتے ہیں اس لئے یہ چوری نہیں خیانت کرنے والے اور ودیعت واپس کرنے سے انکار کرنے والے پر بھی حد نہیں ہوگی کیونکہ محفوظ مکان کی شرط موجود نہیں کیونکہ مال خیانت کرنے والے کے قبضہ میں ہے اور خائن کی حرز مالک کی حرز نہیں کیونکہ مالک نے اسے امانت دے کر اسے محفوظ جگہ رکھ دیا۔ لیکن چور (خائن) کو اس حرز میں داخل ہونے کی اجازت تھی اس میں دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لٹیرے پر قطع ید نہیں۔ جس نے اعلانیہ مال لوٹا وہ ہم میں سے نہیں(2) اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر ہی حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں خائن لٹیرے اور اچکے پر قطع ید (ہاتھ کاٹنے کی سزا) نہیں(3) اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ نیز اسے نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔ اس کی ایک شاہد عبد الرحمن بن عوف کی حدیث ہے جسے ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ ایک اور روایت جوزہری حضرت انس سے روایت کرتے ہیں جسے طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے۔ ابن جوزی نے اسے علل میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد نے فرمایا ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کرنے سے انکار کرنے والے پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے ایک مخزومیہ عورت تھی جو سامان ادھار لیتی پھر واپس کرنے سے انکار کر دیتی نبی کریم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ عورت کے گھر والے حضرت اسامہ کے پاس آئے اور اس بارے میں بات چیت کی۔ حضرت اسامہ نے حضور ﷺ سے گذارش کی۔ حضور نے فرمایا اے اسامہ میری رائے یہ نہ تھی کہ تو مجھ سے اللہ تعالیٰ کی حدود میں

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 171 (وزارت تعلیم)

2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 603 (وزارت تعلیم)

3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 175 مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور۔

سفارش کرے گا۔ پھر نبی کریم ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، فرمایا تم میں سے پہلی قومیں اس لئے تباہ و برباد ہو گئیں کہ اگر ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیتے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم دے دیتا تو اس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ مخزومی عورت سامان ادھار لیتی پھر انکار کر دیتی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جمہور علماء نے اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ عورت ادھار لی ہوئی چیز کے انکار میں مشہور تھی۔ یہ چیز اس کی صفت لازمہ بن چکی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی مشہور صفت کے حوالے سے اس کا ذکر کر دیا اس کا مفہوم یہ ہوگا ایک عورت تھی جو ادھار لے کر انکار کرنے میں مشہور تھی، اس نے چوری کی تو حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اگر ہم اس حدیث کے ظاہر معنی کو تسلیم کر لیں تو یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہوگی جو ہم نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ خیانت کرنے والے پر چوری کی حد جاری نہ ہوگی، جبکہ امت نے اسے قبول کیا اور اسی پر عمل بھی ہے۔ تو اس وجہ سے حضرت عائشہ والی حدیث کو منسوخ مانا جائے گا تاکہ حد ساقط ہو جائے۔

مسئلہ:۔ کفن چور پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ ملکیت اور محفوظ مکان کا شبہ موجود ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ کفن ورثاء کی ملکیت میں نہیں کیونکہ ان کا ترکہ میں حق تجہیز و تکفین سے بچ جانے والے مال میں ثابت ہوتا ہے بلکہ میت کے قرض اور وصیت کے جاری ہونے کے بعد ان کا ترکہ میں حق ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ میت کی ملک میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ اب میت دنیاوی احکام کے اعتبار سے جمادات کی طرح ہے اب دنیاوی چیزوں پر اس کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی قبر صحراء میں ایک کھودا گیا گڑھا ہے جہاں سے ہر کوئی گزر سکتا ہے۔ دن کو گذرے یا رات کو گذرے نہ کوئی تالا ہے نہ ہی نگہبان۔ اس لئے قبر محفوظ مکان نہیں ہو سکتی۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کفن چور پر بھی چوری کی حد جاری ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس نے کفن چوری کیا ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے(2) یہ حدیث منکر ہے اسے امام بیہقی نے معرفۃ میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے، ساتھ ہی کہا اس کی سند میں بعض ایسے لوگ ہیں جو مجہول ہیں۔ امام بخاری نے تاریخ میں کہا ہشیم نے کہا ہمیں سہل نے بیان کیا میں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس موجود تھا۔ آپ نے کفن چور کا ہاتھ کاٹا تھا۔ سہل ضعیف ہے۔ عطاء نے کہا ہم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے ہشیم سے، انہوں نے یونس سے، انہوں نے حسن اور ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ کفن چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ معاویہ بن قرہ سے بھی روایت ہے کہ کفن چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اس باب کی کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں۔

مسئلہ:۔ بیت المال سے چوری کرنے والے پر قطع ید نہ ہوگی۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام نخعی اور شعبی کا نقطہ نظر ہے امام مالک نے فرمایا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ ہم یہ کہتے ہیں یہ عام لوگوں کا مال ہے چور بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ بیت المال سے چوری کرنے والے پر قطع ید نہیں کیونکہ اس میں ہر ایک کا حق ہے۔ امام بیہقی نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا ہے جس نے بیت المال سے چوری کی اس پر قطع ید نہیں(3) ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ خمس میں وصول شدہ ایک غلام نے مال غنیمت میں سے چوری کی۔ اس کا معاملہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دیا،

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 64-65 (قدیمی) 2۔ معرفۃ السنن والآثار از بیہقی، جلد 12، صفحہ 409 مطبوعہ قاہرہ
3۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 282 مطبوعہ دار الفکر بیروت

فرمایا یہ سب اللہ کا مال ہے بعض نے بعض کو چوری کیا (1) حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آپ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے بیت المال کے مال سے چوری کیا تھا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ اس مال میں ہر کسی کا حق ہے۔

مسئلہ:۔ جب کوئی آدمی ایسے مال کو چرائے جس میں اس کی شراکت ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، یعنی ایک شریک نے دوسرے کی حرز سے مشترک مال چوری کر لیا۔

مسئلہ:۔ جس نے کسی دوسرے سے درہم لینے ہوں اس نے اپنے حق کے برابر دوسرے کے دراہم چوری کر لئے تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ اس نے اپنا حق لیا ہے۔ اگر اس نے حق سے زیادہ چوری کیا ہے تو بھی یہی حکم ہوگا کیونکہ زیادہ میں اپنے حق کے مطابق شریک ہے۔

مسئلہ:۔ باپ، دادا اور مائیں خواہ کتنی ہی اوپر چلی جائیں اگر وہ اپنی اولاد کے مال سے چوری کریں تو ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اس طرح اگر اولاد اپنے والدین کا مال چوری کریں تو بھی ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ یہ ائمہ ثلاثہ کا نقطۂ نظر ہے کیونکہ انہیں مال لینے اور محفوظ مکان میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے، جبکہ امام مالک نے فرمایا اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اس طرح جس نے کسی قریبی رشتہ دار کا مال چوری کیا جس طرح بھائی اور چچا تو کیونکہ ان کے مال کے محفوظ مقامات میں انہیں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے قطع ید نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ان افراد کو ظاہری زینت کے مقامات کو دیکھنے کی اجازت ہوتی ہے، جبکہ تینوں ائمہ کے نزدیک چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے کیونکہ ان رشتہ داروں کو دوسرے دور کے رشتہ داروں کے ساتھ ملایا جائے گا۔ رشتہ داروں کے بارے میں محفوظ مکان میں کمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ...... کیونکہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہیں گھروں میں داخل ہونے اور کھانے پینے کی اجازت ہے یا اگر کوئی اس امر کے مانع دلیل قائم ہو بھی جائے تو تب بھی شبہ باقی رہے گا جس طرح حضور ﷺ کے اس فرمان میں ہے، تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس وجہ سے یہ بھی چاہیے کہ دوست کے گھر سے بھی چوری کرنے سے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہیں گے جب اس نے اپنے دوست کا مال چوری کر لیا تو اس نے اس پر زیادتی کی۔ اس لئے چوری کے وقت وہ دوست نہ رہا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ذی رحم رشتہ دار کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگر اس نے غیر رشتہ دار کے گھر سے رشتہ دار کا مال چرایا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ دوسری صورت میں محفوظ مکان سے مال چوری کیا گیا، جبکہ پہلی صورت میں مکان محفوظ نہیں۔

مسئلہ:۔ میاں بیوی میں سے اگر کوئی دوسرے کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ ایسے کمرے سے چرائیں جو ایک کے لئے خاص ہو یا اس میں دونوں رہتے ہوں۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطۂ نظر ہے۔ یہی امام احمد کا دوسرا قول ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے ایسے کمرے سے چوری کیا جس میں دونوں رہتے ہیں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ مرد کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جبکہ عورت کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ نے ہندؓ جو حضرت ابوسفیان کی بیوی تھی کو کہا کہ تو حضرت ابوسفیان کے مال سے اتنا لے لے جو تیرے اور تیرے بچے کے لئے کافی ہو۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 189 مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی

عام عادت ہے اسی وجہ سے محفوظ مکان کی شرط باقی نہ رہی۔ موطا امام مالک میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک غلام لایا گیا جس نے اپنے آقا کی بیوی کا آئینہ چرایا تھا۔ آپ نے فرمایا اس پر کوئی سزا نہیں کیونکہ تمہارے خادم نے تمہارا مال چوری کیا ہے جب خادم کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے تو خاوند کے بدرجہ اولیٰ ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

مسئلہ:۔ غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے اپنے آقا کا مال چوری کیا یا آقا کی بیوی کا مال چوری کیا یا مالکہ کے خاوند کا مال چوری کیا کیونکہ غلام کو ان کے کمروں میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ اسی طرح مہمان اگر اپنے میزبان کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ انہیں بھی اس مکان میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس طرح ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر کوئی کسی ایسی جگہ سے مال چوری کرتا ہے جہاں اسے داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے جس طرح دن کے وقت تاجروں کی دکانیں۔

مسئلہ:۔ جب کوئی نصاب کے برابر مال چوری کرے پھر وہ اس کا خریدنے یا ہبہ کے ذریعے قبضہ کرنے کے ساتھ مالک بن گیا یا وراثت وغیرہ سے اس کی ملکیت ثابت ہوگئی۔ یہ صورت قاضی کے پاس مسئلہ لے جانے سے پہلے پیدا ہوئی یا بعد میں یا فیصلہ کے بعد ہوئی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ چوری منعقد ہونے اور ظاہر ہونے کے اعتبار سے مکمل ہو چکی ہے اس وجہ سے اس میں کوئی شبہ نہیں صفوان بن امیہ کی حدیث بھی ہے اسی اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ ایک چور آیا، اس نے میرے سر کے نیچے سے کپڑا کھینچ لیا۔ میں نے چور کو پکڑ لیا اور اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ میں نے عرض کی اس نے میرا کپڑا چوری کر لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے اس کے ہاتھ کٹوانے کا ارادہ نہیں کیا تھا، یہ کپڑا اس پر صدقہ کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے یہ میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں (1) کہا؟ اسے امام مالک، امام احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ امام نسائی نے اپنی روایت میں یہ زائد کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حد کے بارے میں مجھ تک پہنچنے سے پہلے ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو۔ جو معاملہ مجھ تک حد کے بارے میں پہنچ گیا تو حد واجب ہوگی (2) ابن ہمام نے صفوان بن امیہ کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ صفوان کی حدیث ایک روایت میں اس طرح ہے جس طرح ذکر کی گئی، جبکہ مستدرک میں حاکم کی روایت میں اس طرح ہے کہ میں چادر اس کے ہاتھ میں بیچتا ہوں اور قیمت ادا کرنے میں اسے مہلت دیتا ہوں تو آقائے دو عالم ﷺ نے خاموشی فرمائی۔ کثیر روایات میں یہ مذکور ہی نہیں، صرف اتنا ہے کہ میں اس کا ارادہ نہیں رکھتا تھا یا یہ کہا کہ ایک عرب کا ہاتھ تین درہموں میں کاٹ دیا جائے گا اس زیادتی میں اضطراب ہے اور اضطراب ضعف کا باعث ہے۔ حد کا نافذ کرنا یہ فیصلہ کی تکمیل ہوتی ہے اور فیصلہ سے پہلے چور کا مالک بن جانا لازماً شبہ کو ثابت کرتا ہے۔

فصل:۔ اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ حد جاری کرنے کے لئے مسروقہ مال کا نصاب کے برابر ہونا شرط ہے، جبکہ خوارج کے نزدیک نصاب کے برابر ہونا شرط نہیں۔ ابن بنت شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ داؤد کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے کیونکہ آیت مطلق ہے اور حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے اللہ تعالیٰ اس چور پر لعنت کرے جو رسی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ وہ انڈا چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے (3)

1۔ موطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 835-834 (التراث العربی)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 601 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 64 (تقدیم و تاخیر) (قدیمی)

ہم کہتے ہیں آیت بالاتفاق مطلق نہیں خوارج کے قول کا اعتبار نہیں داؤد اور حسن کے قول کی بھی یہی حالت ہے، اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر ایک جماعت نے نصاب کے برابر مال یا اس سے زیادہ چوری کیا، جبکہ ہر چور کو نصاب سے کم مال ملا۔ امام احمد نے فرمایا تمام کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کا بھی یہی معنی ہے۔ امام مالک نے فرمایا اگر انہوں نے مل کر نصاب کے برابر مال چوری کیا، اکٹھے اسے لے گئے۔ چیز ایسی تھی جس کے لے جانے میں انہیں تعاون کی ضرورت تھی تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے ورنہ اس وقت تک ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا جب تک ہر ایک کو نصاب کے برابر مال نہ ملے۔

مسئلہ:۔ چوری کا نصاب دس درہم ہے یا ایک دینار ہے یا ایسی چیز جس کی قیمت ان میں سے کسی ایک کے برابر ہو جائے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ظاہر روایت یہ ہے کہ انہیں چوتھائی دینار یا تین دراہم یا اس کے برابر قیمت کی کوئی چیز امام شافعی کے نزدیک ربع دینار دراہم میں سے یا کوئی اور چیز جو چوتھائی درہم کے برابر ہو کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کی مرفوع حدیث ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ چوتھائی دینار میں ہی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ دونوں لفظوں کے ساتھ روایت متفق علیہ ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت سے کم چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ امام مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہاتھ چوتھائی دینار میں ہی کاٹا جائے گا۔ مسند امام احمد میں حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو اس سے کم میں ہاتھ نہ کاٹو(1) ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ڈھال کی چوری پر چور کے ہاتھ کاٹے، جبکہ اس کی قیمت تین درہم تھی(2) متفق علیہ امام مالک نے موطا میں عمرہ بنت عبد الرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ ایک چور نے حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں ترنج چرا لیا۔ آپ نے اس کی قیمت لگانے کا حکم دیا۔ اس کی قیمت تین درہم لگائی گئی جو درہم ایک دینار کے بدلہ میں بارہ ملتے تھے تو آپ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا(3)

امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے اس باب میں اکثر (دس درہم) کو اپنانا بہتر ہے کیونکہ اس میں حدود کے نفاذ میں بچاؤ ہے، جبکہ ترنج کی قیمت تین درہم سے زیادہ ذکر کی گئی۔ امام حاکم نے مستدرک میں مجاہد سے، انہوں نے ایمن سے نقل کیا ہے، کہا رسول اللہ ﷺ کے دور میں ترنج کی قیمت میں ہی ہاتھ کاٹے جاتے تھے۔ ان دنوں اس کی قیمت ایک دینار تھی(4) امام احمد اور امام شافعی نے ابن اسحاق سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے کہ ترنج کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دس درہم تھی۔ دار قطنی اور امام احمد نے سالم بن قتیبہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ ہمیں زفر بن ہذیل نے بیان کیا، انہیں حجاج بن ارطاۃ نے بتایا، انہوں نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ دس درہم چوری کرنے میں کاٹا جائے گا(5) ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں کتاب اللقطہ میں سعید بن مسیب سے انہوں نے مزینہ کے ایک آدمی سے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ مال مسروقہ کی قیمت اگر ترنج کی قیمت تک پہنچ گئی تو چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے اور ترنج کی قیمت دس درہم تھی۔ عبد الرزاق اور طبرانی نے قاسم بن عبد الرحمٰن سے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے موقوف نقل کی ہے کہ قطع ید ایک دینار یا دس درہم میں ہوگی۔ یہ روایت موقوف

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 65 (دار الفکر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 63 (قدیمی) 3۔ موطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 832 (التراث العربی)
4۔ مستدرک حاکم، جلد 4، صفحہ 420 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 5۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 193 (المحاسن)

اور منقطع ہے کیونکہ قاسم نے حضرت ابن مسعود سے نہیں سنا۔ حق بات یہ ہے کہ وہ احادیث جن سے جمہور نے استدلال کیا ہے وہ حد درجہ کی صحیح ہیں، جبکہ ان کے مقابل یہ احادیث ضعیف ہیں۔ ترجیح اور احتیاط کا قاعدہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم پلہ دلائل متقابل ہوں کیونکہ ابن اسحاق، سالم، زفر اور حجاج جو عمرو بن شعیب کی حدیث کے راوی ہیں سب ضعیف ہیں۔ نیز راوی کا قول کہ ترنج کی قیمت حضور ﷺ کے زمانہ میں دس درہم تھی یہ بھی راوی کا ظن وتخمین ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈھال کی قیمت کبھی تین درہم کبھی دس درہم اور کبھی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے یہ حدیث کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت سے کم والی چیز کے چوری کرنے پر ہاتھ نہ کاٹے جاتے مجمل ہے، جبکہ وہ احادیث جن میں یہ الفاظ ہیں يُقْطَعُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ، لَا يُقْطَعُ إِلَّا فِي رُبُعِ دِينَارٍ، اِقْطَعُوْا فِيْ رُبُعِ دِيْنَارٍ اور لَا تَقْطَعُوْ فِيمَا هُوَ أَدْنَى مِنْ ذٰلِكَ یہ محکم ہے۔ اس کے معارض صرف وہ حدیث ہو سکتی ہے اگر صحیح ہو جس میں یہ الفاظ ہیں لَا يُقْطَعُ السَّارِقُ إِلَّا فِيْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ لیکن ان الفاظ کے ساتھ مرفوع روایت صحیح اور موقوف نہیں اور موقوف میں اختلاف ہے جو بالاجماع حجت نہیں۔ امام شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے محمد بن حسن سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زائد مال چوری کرنے میں ہاتھ کاٹے جائیں گے تو میں یہ کیسے کہوں کہ ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے مگر دس درہموں میں۔ امام محمد نے مجاہد کی حدیث سے، انہوں نے ایمن بن ام ایمن سے جو اسامہ بن زید کے اخیافی بھائی تھے سے استدلال کیا ہے۔ امام شافعی نے یہ جواب دیا کہ ایمن بن ام ایمن غزوہ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور وہاں شہید ہو گئے تھے جب کہ مجاہد ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے، ابو حاتم نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی ایمن اس ایمن سے مختلف ہیں جو غزوہ حنین میں قتل کئے گئے تھے، یہ تابعی تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ اور خلفاء اربعہ میں سے کسی کا زمانہ نہیں پایا۔ میں کہتا ہوں جس نے خلفاء راشدہ کا زمانہ بھی نہیں پایا تو وہ اس ام ایمن کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جو حضور ﷺ کی لونڈی تھی، جبکہ یہ عمر میں حضور ﷺ سے بڑی تھی اور یہ حضور کو گود میں اٹھاتی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ایمن دو تابعین کے نام ہیں۔ ان میں سے ایک مولی بن زبیر ہیں اور دوسرے ابی عمر کے غلام ہیں۔ ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ان دونوں کو ایک فرد قرار دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ:۔ جن علاقوں میں جو چیز حقیر اور مباح سمجھی جاتی ہو جیسے لکڑی، گھاس، سرکنڈا، مچھلی، پرندہ، شکرہ، گچ اور چونا۔ اس طرح وہ چیزیں جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں جیسے دودھ، گوشت، تازہ پھل اور تازہ کھجوریں ان کے چوری کرنے پر حد جاری نہ ہوگی، جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک ان سب میں حد جاری ہوگی اگر یہ محفوظ جگہ سے چوری کی گئی ہوں۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت عام نہیں، اس پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ نصاب سے کم اس حکم سے خارج کیا گیا ہے تو پس یہ حقیر اشیاء اور جلد خراب ہونے والی اشیاء بھی اس حکم سے خارج ہوں گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے کہ حقیر چیز چوری کرنے پر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عبد الرحمن بن سلیمان سے، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا۔ انہوں نے اسے وکیع سے، انہوں نے ہشام سے، انہوں نے اپنے باپ سے "مرسل روایت کیا ہے، عبد الرزاق نے اسے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ ہمیں ابن جریج نے ہشام سے روایت کیا ہے اسحق بن راہویہ نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے ہشام سے روایت کیا ابن عدی نے کامل میں عبد اللہ بن قبیصہ فزاری سے، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے

حضرت عائشہ سے مسند کے طریقہ پر روایت کیا۔ عبداللہ کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا کہ میں نے اس کا متابع نہیں پایا اور متقدمین میں اس کے بارے میں کوئی کلام نہیں۔ ابن ہمام نے کہا اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ تمام مراسیل حجت ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے اسے متصل روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق نے جو روایت کی ہے اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو عبداللہ بن سیار سے روایت کرتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک آدمی لایا گیا جس نے مرغی چوری کی تھی۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو انہیں سلمہ بن عبدالرحمن بن مہدی نے کہا۔ حضرت عثمان نے فرمایا پرند میں قطع ید نہیں ہے(1) ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمن بن مہدی سے انہوں نے زہیر بن محمد سے، انہوں نے یزید بن حفصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں ایک آدمی لایا گیا جس نے پرندہ چوری کیا۔ اس مسئلہ میں آپ نے سائب بن یزید سے فتویٰ طلب کیا۔ انہوں نے کہا میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا جس نے پرندے کے بارے میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہو۔ اس چوری میں اس چور پر قطع ید نہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے چھوڑ دیا(2) ابو داؤد نے مراسیل میں جریر بن حازم سے، انہوں نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں کھانے والی چیزوں میں قطع ید کا حکم نہیں دیتا۔ عبدالحق نے بھی اسے ذکر کیا ہے اور ارسال کے علاوہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، جبکہ ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ اس میں حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھل اور چھپائے گئے خزانے میں قطع ید نہیں(3) اسے امام ترمذی نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے اسے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے۔ دونوں یحییٰ بن سعید سے، وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے، وہ اپنے چچا واسع سے نقل کرتے ہیں۔ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ جب متصل اور منقطع کا تعارض آئے تو متصل درجہ میں بلند ہوتی ہے کیونکہ اس میں زیادتی ہوتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ امام طحاوی نے کہا اس حدیث کو امت نے قبول کیا۔ علماء نے کہا اس حدیث میں پھل سے مراد وہ پھل ہے جو ابھی درخت کے ساتھ لٹک رہا ہو کیونکہ وہ محفوظ مقام میں نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث سے جسے وہ اپنے باپ سے، وہ عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے درخت کے ساتھ لٹکتے پھل کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا جو ضرورت مند اسے کھا لے، جھولی میں نہ ڈالے تو اس پر کوئی چیز نہیں۔ جو وہاں سے کوئی پھل لے کر باہر آ گیا تو اس پر دگنی چٹی ہے۔ جس نے اسے خشک کرنے کے بعد چوری کیا اور اس چیز کی قیمت ڈھال تک پہنچ گئی تو اس پر قطع ید ہوتی۔ اسے ابو داؤد نے ابن عجلان، ولید بن کثیر، عبیداللہ بن اخنس اور محمد بن اسحاق سے ان سب نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے اسے وہب کی سند سے، انہوں نے عمرو بن حارث اور ہشام بن سعد سے، انہوں نے عمرو بن شعیب سے نقل کیا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے مزینہ کے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے حریسہ(1) کے بارے میں پوچھا حضور نے فرمایا اس کی چوری کرنے والے پر اس کی دوگنا قیمت، مار اور عبرت ناک سزا لازم ہے۔ جو باڑہ سے چوری کی جائے اگر اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر قطع ید ہوگی لوگوں نے عرض کی پھلوں کا کیا حکم ہے جو ابھی غلاف کے اندر ہوں؟ فرمایا جس نے ان میں سے کھا لیا اور جھولی میں نہ ڈالے تو اس پر کوئی سزا نہیں۔ جو وہاں سے اٹھا کر باہر لے گیا اس پر دوگنا قیمت، مار اور عبرت ناک سزا ہے اور جو پھل خشک کرنے کی جگہ سے چرائے اس پر قطع ید ہے۔ اسے امام احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں آپ درخت پر لٹکتے پھلوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا معلق پھل چوری کرنے پر حد جاری نہ

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 10، صفحہ 220
2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 5، صفحہ 522 مطبوعہ مکتبۃ الزمان للثقافۃ والعلوم
3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 175 (وزارت تعلیم)
(1) وہ بھیڑ بکری جو چراگاہ میں رہ گئی ہو واپس گھر نہ آئی ہو۔" مترجم"

ہوگی مگر وہ پھل جو خشک کرنے کی جگہ سے چوری کیا گیا ہو اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت تک پہنچ جائے تو اس پر حد جاری ہوگی اور جس کی قیمت ڈھال کی قیمت تک نہ پہنچے اس پر دوگنا قیمت اور عبرتناک سزا ہے(1) حاکم نے اسے اسی متن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ہمارے امام اسحٰق بن راہویہ نے کہا اگر عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو پھر یہ سند اس طرح ہوگی جس طرح ایوب نافع سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرے۔ اسے ابن ابی شیبہ سے روایت کیا اور عبداللہ بن عمرو پر موقوف کیا کہا پھلوں کی چوری میں قطع ید نہیں مگر جب انہیں خشک کرنے کی جگہ سے چوری کیا جائے۔ اسے حضرت ابن عمر سے بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث تینوں ائمہ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب پھل محفوظ جگہ تک پہنچ جائے تو اس میں قطع ید ہوگی۔ ان کے مذہب کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو امام مالک نے موطا میں ذکر کی ہے کہ ایک چور نے حضرت عثمان کے دور میں ترنج چوری کی اس کی، قیمت تین درہم لگائی گئی جو بارہ درہم ایک دینار کے بدلے میں ملتے تھے تو حضرت عثمان نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا(2) امام مالک نے فرمایا یہ وہ ترنج تھی جسے لوگ کھاتے ہیں۔ ابن کنانہ نے کہا وہ ترنج سونے کا تھا جس کی مقدار چنے کے برابر تھی اس میں لوگ خوشبو رکھتے ہیں لیکن اس قول کو رد کر دیا گیا کیونکہ اگر وہ سونے کی ہوتی تو اس کی قیمت نہ لگائی جاتی بلکہ (اس کا وزن کیا جاتا)۔ امام ابوحنیفہ نے اس کا کئی طریقوں سے جواب دیا ہے(1) کتاب اللہ کی نص کی وجہ سے اس حدیث کا ظاہر چھوڑ دیا گیا کیونکہ پھل چوری کرنے کے بارے میں حدیث میں یہ آیا ہے کہ اس کی دوگناہ قیمت چور پر لازم ہوگی اور جنگل میں رہ جانے والی بھیڑ بکری کی بھی دوگنا قیمت چور پر لازم آتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تم بھی ان پر اسی طرح کی زیادتی کرو جس طرح انہوں نے تم پر زیادتی کی۔ حدیث میں معنوی انقطاع ہے جو عمل کے ترک کو واجب کر دیتا ہے۔

(2) یہ حدیث ان مطلق احادیث کے معارض ہے جن میں یہ ذکر تھا کہ پھل اور خزانہ میں قطع ید نہیں۔ یہ روایت انہیں بھی شامل ہے جو پھل خشک کرنے کی جگہ تک پہنچا دیا گیا ہو اور دوسرے پھلوں کو بھی شامل ہے۔ اس تعارض کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ تقسیم کر دی جائے کہ تر پھلوں پر حد جاری نہ ہوگی اور خشک پھلوں پر حد جاری ہوگی یا حد کو ساقط کرنے کے لئے اسے ترجیح دینا جو قطع ید کو ثابت نہیں کرتی واللہ اعلم۔

حدیث میں کھانا جو حد کو واجب نہیں کرتا اس سے مراد وہ چیز ہے جو جلد خراب ہو جاتی ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ گندم اس جیسی دوسری اجناس اور شکر میں قطع ید ہوگی مگر قحط کے سال میں حد جاری نہ ہوگی کیونکہ اس میں ضرورت ہوتی ہے جو اسے مباح کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ سے ایک روایت ہے کہ مجبوری کی بھوک میں قطع ید نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ قحط سالی میں قطع ید نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ پہلی دفعہ چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا گیا۔ وہ پھر چوری کرتا ہے یا اس نے پہلی دفعہ چوری کی، جبکہ اس کا دایاں ہاتھ ویسے ہی کٹا ہوا تھا تو بالاتفاق اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا یہ حکم اجماع سے لگایا گیا۔ اس آیت سے یہ حکم ثابت نہیں کیونکہ آیت میں صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت اور اجماع سے دائیں ہاتھ کے کاٹنے کا حکم خاص کر دیا گیا۔ جب کاٹنے کا محل نہ ہو تو پھر سنت اور اجماع سے حکم ثابت کریں گے۔ اگر چور کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں پہلے ہی کٹا ہوا ہے یا حد جاری ہونے کے بعد اس نے تیسری دفعہ چوری کی تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک اس پر حد جاری نہ کی جائے گی بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا اور کوئی تعزیر(1) جاری کی جائے گی۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا دوسری دفعہ چوری کرنے پر اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اگر اس نے تیسری دفعہ چوری

1۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 260 (وزارت تعلیم)
2۔ مؤطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 832 مطبوعہ مصر
(1) یہ کم سے کم تین کوڑے اور زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں۔

کی تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اگر اس نے چوتھی دفعہ چوری کی تو اس کا دایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ یہی امام احمد سے بھی مروی ہے اگر وہ پانچویں دفعہ چوری کرے تو اسے جسمانی سزا (تعزیر) دی جائے گی اور اسے قید کر دیا جائے گا۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا مسلک ہے۔ یہی نقطہ نظر ہمارے نزدیک تیسری دفعہ چوری کرنے میں تھا۔ حضرات عطاء، عمرو بن عاص، عثمان، عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ پانچویں دفعہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر دوبارہ چوری کرنے پر پکڑ کر لایا گیا تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا پھر چوری کرنے پر پکڑ کر لایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر چوری کرنے پر پکڑ کر لایا گیا تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا پھر چوری کرنے پر پکڑ کر لایا گیا تو اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اسے قتل کر دیا گیا (1) اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں محمد بن یزید بن سنان ہے۔ یہ ضعیف ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے پھر دوبارہ اسے لایا گیا، آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا اس کے پاؤں کاٹ دو اس کے پاؤں کاٹ دیئے گئے پھر تیسری دفعہ اسے لایا گیا فرمایا اسے قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کی اس نے چوری کی ہے فرمایا اس کا ہاتھ کاٹ دو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر اسے چوتھی مرتبہ لایا گیا فرمایا اسے قتل کر دو۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے۔ فرمایا اس کا پاؤں کاٹ دو تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا پھر اسے پانچویں دفعہ لایا گیا فرمایا اسے قتل کر دو۔ حضرت جابر نے کہا ہم اسے ریوڑ کے باڑہ کی طرف لے گئے، وہ پشت کے بل لیٹ گیا۔ ہم نے اسے قتل کر دیا پھر ہم اسے کھینچ کر لائے اور کنویں میں پھینک دیا اور اس پر پتھر پھینکے (2) اس کی سند میں مصعب بن ثابت ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں، حدیث منکر ہے۔ میں اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں جانتا۔ اسی باب میں حارث بن حاطب سے امام نسائی اور حاکم کے پاس روایت ہے ابونعیم کے ہاں حلیہ میں عبداللہ بن زید سے مروی روایت ہے۔ ابن عبداللہ نے کہا قتل والی حدیث منکر ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے۔ اہل علم کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ابومصعب نے حضرت عثمان اور عمر بن عبدالعزیز سے جو یہ روایت کیا ہے کہ چور کو قتل کیا جائے گا اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ وہ اجماع کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔

ان ائمہ نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب کوئی چور چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دو اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو اس کے پاؤں کاٹ دو اگر پھر چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اور پھر چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو (3) اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں واقدی ہے، امام احمد نے کہا یہ بڑا جھوٹا ہے۔ امام شافعی نے اپنے کسی شیخ سے، انہوں نے ابن ابی ذئب سے، انہوں نے حارث بن عبدالرحمن سے، انہوں نے ابوسلمہ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوع روایت اسی کی مثل نقل کی ہے۔ اس باب میں عصمہ بن مالک سے روایت ہے جسے طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس موجود تھا۔ آپ نے ایک ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد چور کا ہاتھ کاٹا تھا (4) امام مالک نے موطا میں عبدالرحمن بن قاسم سے، انہوں نے اپنے

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 181 (المحاسن)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد، صفحہ 605 کتاب الحدود (وزارت تعلیم)
3۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 181 (المحاسن)
4۔ ایضاً

باپ سے روایت کیا ہے کہ یمن کا ایک آدمی ہاتھ پاؤں کٹے ہونے کی حالت میں مدینہ طیبہ آیا وہ حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے شکایت کی کہ یمن کے عامل نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ وہ رات کو نماز پڑھتا تھا حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں تیرے باپ کی قسم تیری رات چور کی رات نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس کا ہار نہ پایا۔ وہ آدمی بھی لوگوں کے ساتھ گھومتا پھرتا تھا، کہتا اے اللہ تجھ پر لازم ہے کہ تو اسے پکڑ لے جس نے اس نیک گھر والوں پر ظلم کیا وہ زیور ایک سنار کے پاس پایا گیا اس نے بتایا وہ ہاتھ کٹا میرے پاس لایا تھا، ہاتھ کٹے نے بھی جرم کا اعتراف کر لیا اور اس پر گواہی دی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اپنے خلاف دعا اس کی چوری سے زیادہ شدید ثابت ہوئی(1) اس کی سند میں انقطاع ہے۔ عبدالرزاق نے اس کی مثل روایت کیا ہے، محمد بن حسن نے موطا میں کہا، زہری نے کہا، حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے، فرمایا جس نے حضرت اسماء کا زیور چرایا تھا اس کا دایاں ہاتھ پہلے ہی کٹا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس کا بایاں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ امام محمد نے فرمایا ابن شہاب زہری دوسروں کی بنسبت اس حدیث کو زیادہ جانتے تھے۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے بتایا وہ عمرو بن مرہ سے، وہ عبد اللہ بن سلمہ سے، وہ حضرت علی شیر خدا سے روایت کرتے ہیں، فرمایا جب چور چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر وہ پھر چوری کرے گا تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اگر وہ پھر چوری کرے گا تو اسے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اس میں بھلائی ظاہر ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اسے اس حال میں چھوڑوں کہ اس کا کوئی ہاتھ نہ ہو جس کے ساتھ وہ کھانا کھائے اور استنجا کرے اور اس کا کوئی پاؤں نہ ہو جس پر وہ چلے۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے ہمیں معمر نے بتایا وہ جابر سے، وہ امام شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا چور کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں حد کے طور پر کاٹا کرتے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ چوری کرتا تو اسے قید کر دیتے اور کہتے میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں(2) ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے ہمیں حاتم بن اسماعیل نے جعفر بن محمد سے نقل کیا ہے، وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت علی سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں جو امام شعبی نے حضرت علی سے نقل کی ہے۔ امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن سلمہ سے، انہوں نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں چور لایا گیا آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر اسے لایا گیا آپ نے اس کا پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر اسے لایا گیا آپ نے فرمایا میں اس کا ہاتھ کاٹوں تو یہ کس چیز کے ساتھ مسح کرے گا اور کس چیز کے ساتھ کھائے گا؟ میں اس کا پاؤں کاٹتا ہوں تو یہ کس چیز پر چلے گا؟ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں پھر آپ نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اسے ہمیشہ کے لئے قید میں ڈال(3) دیا۔ عبدالهادی کی تنقیح میں ہے کہ سعید بن منصور نے فرمایا ہمیں ابو معشر نے بیان کیا، انہوں نے سعید بن ابی سعید مقبری سے، انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ میں حضرت علی شیر خدا کے پاس موجود تھا آپ کی خدمت میں ایک ایسا چور پیش کیا گیا جس کا ہاتھ پاؤں کٹا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ لوگوں نے عرض کی اے امیر المومنین اس پر قطع ید کا حکم جاری کریں۔ فرمایا پھر تو میں نے اسے قتل کر دیا جب کہ اس پر قتل ثابت نہیں۔ یہ کس چیز سے کھائے گا، کس طرح وضو کرے گا، کس طرح غسل جنابت کرے گا، کس طرح قضائے حاجت کرے گا، آپ نے اسے قید میں ڈال دیا پھر اسے نکالا۔ صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ صحابہ نے پہلے والا مشورہ پیش کیا آپ نے بھی صحابہ کو پہلی والی بات کہی

1۔ موطا امام مالک، جلد 2، صفحہ 835 (التراث العربی)
2۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 10، صفحہ 186 (المجلس العلمی) 3۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 275 (الفکر)

آپ نے اسے سخت جسمانی سزا دی پھر اسے آزاد کر دیا۔ سعید نے یہ بھی کہا ابوالاحوص نے سماک بن حرب سے ہمیں بیان کیا، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عامر سے نقل کیا کہ حضرت عمر کی خدمت میں ایک ہاتھ پاؤں کٹا لایا گیا جس نے چوری کی تھی۔ آپ نے اس کا پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا یہ ان لوگوں کی جزا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں۔ اس کا ہاتھ پاؤں کاٹ دیا گیا ہے اب اس کا پاؤں کاٹنا مناسب نہیں، آپ اسے ایسی حالت میں نہ چھوڑیں کہ اس کا پاؤں بھی نہ ہو جس پر وہ چل سکے یا تو آپ اس پر تعزیر جاری کریں یا آپ اسے قید میں ڈال دیں۔ آپ نے اسے قید میں ڈال دیا۔ امام بیہقی نے اسے روایت کیا۔ ابن ابی شیبہ نے اسے سماک سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ایک چور کے بارے میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ صحابہ نے حضرت علی کے قول پر اتفاق کیا۔ مکحول سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا جب کوئی آدمی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اگر دوبارہ کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دو۔ اس کا دوسرا ہاتھ نہ کاٹو، اسے چھوڑ دو تاکہ وہ اس کے ساتھ کھائے اور استنجا کرے لیکن اسے مسلمانوں کے پاس جانے سے روک دو(1) ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے حضرت علی شیر خدا کے قول کے موافق روایت کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی جو کچھ حضرت علی نے فرمایا۔ اس پر اجماع منعقد ہو گیا اور حضرت عمر نے اس کی طرف رجوع کر لیا۔ امام شافعی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے یا تو اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔ اگر صحابہ کے پاس حضور ﷺ کے عمل کے بارے میں علم ہوتا تو وہ حضرت علی شیر خدا کے خلاف ضرور استدلال کرتے اور حضرت علی شیر خدا کے لئے بھی یہ قول کرنا صحیح نہ ہوتا کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ کے دین میں تمہیں ان کے بارے میں شفقت نہ آئے واللہ اعلم۔ حضرت علی شیر خدا نے جو استدلال کیا ہے اس سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ جس کا بایاں ہاتھ یا انگوٹھا یا دایاں پاؤں کٹا ہوا یا شل ہوا اور اس نے پہلی دفعہ چوری کی تو اس کا دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ معنی یہ ہلاک کرنا ہے، جبکہ اس پر قتل لازم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد اسے داغنا واجب ہے تاکہ یہ عضو تلف نہ کر دے۔ امام شافعی اور امام احمد سے مروی ہے کہ یہ مستحب ہے۔ امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اس نے ایک چادر کی چوری کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا خیال نہیں کہ اس نے چوری کی ہو چور نے کہا کیوں نہیں میں نے چوری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر اسے داغنا پھر اسے میرے پاس لے کر آنا۔ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا(2) اسے داغا گیا پھر حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا توبہ کرو۔ اس نے عرض کی میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ کو قبول کیا اور تجھ پر نظر شفقت فرمائی۔ کہا یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ ابوداؤد نے اسے مراسیل میں روایت کیا۔ قاسم بن سلام نے اسے غریب الحدیث میں روایت کیا۔ دارقطنی نے اسے حضرت علی سے موقوف روایت کی ہے اس کا ہاتھ پونچے سے کاٹا گیا پھر اسے داغا گیا۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چور ایک دفعہ بھی چوری کا اقرار کر لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور اکثر علماء کا نقطہ نظر ہے، جبکہ امام احمد، امام ابو یوسف، ابن ابی لیلیٰ، امام زفر اور ابن شبرمہ نے کہا جب تک دو دفعہ اقرار نہیں کرے گا اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ دو مجلسوں میں دو دفعہ اقرار کی شرط ابی امیہ مخزومی کی حدیث سے استدلال کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چور لایا گیا جس نے چوری کا اعتراف کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 274، (حاشیہ میں موجود ہے)
2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 41

میرا خیال نہیں کہ تو نے چوری کی ہو۔اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے چوری کی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس پر دو دفعہ یا تین دفعہ بات دھرائی پھر اس کے بارے میں حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔اس پر قطع ید کا حکم جاری نہیں کیا گیا مگر اس کے اقرار کے تکرار کے بعد۔امام طحاوی نے حضرت علی شیر خدا کی طرف منسوب کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ کے پاس چوری کا دو دفعہ اقرار کیا۔حضرت علی نے فرمایا تو نے دو دفعہ اپنے اوپر گواہی دی ہے۔آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔زنا میں شہادت پر قیاس کرتے ہوئے گواہوں کی تعداد کے مطابق اقرار کرنے کا اعتبار کیا گیا۔ابو امیہ مخزومی کی حدیث کے بارے میں جواب یہ ہے کہ خطابی نے کہا اس کی سند میں اعتراض ہے کہا جب حدیث کو مجہول راوی روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہوتی، نہ اس کے ساتھ حکم واجب ہوتا ہے۔جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ قیاس مع الفارق (ا) ہے کیونکہ گواہی میں تعداد کی وجہ تہمت کا اندیشہ ہے، جبکہ اقرار میں کوئی تہمت نہیں۔زنا میں اقرار کی تعداد کی شرط یہ نص کی وجہ سے ہے جو قیاس کے خلاف ہے اسی طرح حد قذف اور قصاص پر قیاس بھی اس کے مخالف (ب) ہے۔امام ابو حنیفہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ہے جو ہم نے داغنے کے مسئلے میں ذکر کی ہے۔کہ ایک دفعہ اقرار کرنے سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

۱؎ جزاء اور نکالا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔یا یہ مفعول مطلق ہیں ان کے فعلوں کے حذف پر فاقطعوا دلالت کرتا ہے امام بغوی نے کہا یہ دونوں حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں یعنی اسم فاعل کے معنی میں ہو کر یہ فاقطعوا کے فاعل سے حال ہیں مدارک میں ہے جزاء مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور نکالا اس سے بدل ہے۔قاموس میں نکل تنکیلا کا معنی ہے کسی کو ایسی سزا دینا جو دوسرے لوگوں کے لئے عبرت کا باعث ہو اور وہ شخص بھی آئندہ ایسا عمل نہ کرے نکال کا معنی ہے دوسرے آدمی کو کسی کام سے روک دینا، محقق تفتازانی نے کہا حرف عطف کو چھوڑنا اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ قطع ید اس کے عمل کا بدلہ ہے۔جزاء کے ارادہ سے ہاتھ کا شائبہ عبرت دلانے، دوبارہ ایسا عمل کرنے سے روکنے اور دوسروں کو بھی ایسے عمل سے روکنا مقصود ہے۔میں کہتا ہوں اس معنی کی بناء پر زیادہ بہتر یہ ہے کہ جزاء' فاقطعوا کا مفعول لہ بنایا جائے اور انکا' جزاء کا مفعول لہ بنایا جائے۔بعض محققین فرماتے ہیں عطف اس لیے نہیں کیا کیونکہ علت دونوں چیزوں کا مجموعہ ہے اور جزاء کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں بندے کا حق ہے اور نکال کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو چوری کیا گیا مال معصوم نہیں رہتا۔آپ کے نزدیک قطع ید کے ساتھ ساتھ مال کی ضمانت لازم نہیں ہوتی، جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک ہاتھ کاٹنے سے مال کی عصمت ساقط نہیں ہوتی اور قطع ید کے ساتھ مال کی ضمانت لازم ہو جاتی ہے۔اگر مال مسروقہ چور کے پاس موجود ہو تو بالاتفاق مال مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔خواہ یہ مال ہاتھ کاٹنے سے پہلے واپس کیا جائے یا بعد میں واپس کیا جائے۔اگر مال ہلاک ہو جائے یا چور بذات خود ہلاک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک چور پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی، جبکہ دوسرے علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر پہلے چور نے وہی مال دوبارہ مالک سے چوری کر لیا، جبکہ پہلی چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جا چکا تھا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا دوبارہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ مال معصوم نہیں رہا، جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ نے کئی طریقوں سے یہ استدلال کیا ہے پہلا استدلال آپ اس آیت سے کرتے ہیں علماء نے کہا ہے جب جزاء

(ا) جب دونوں کی علتیں مختلف ہوں۔ (ب) ان میں متعدد دفعہ اقرار ضروری نہیں۔مترجم

کا لفظ عقوبات میں مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد وہ سزا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر لازم آئے وہ بندے کا حق نہ ہو نکال کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ پس قطع ید کا حکم محض اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر لازم ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جنایت خالص اللہ کے حق میں ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جنایت کا محل لعینہ حرام ہو جس طرح شراب۔ وہ کسی اور وجہ سے حرام نہ ہو ورنہ وہ بذاتہ مباح ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے جزاء نہ ہوگی۔ نیز اگر وہ لذاتہ مباح ہو تو شبہ کی وجہ سے قطع ید ختم ہو جائے گی۔ نیز جزاء یا تو جزی بمعنی قضی سے مشتق ہوگا یا جزء بما کفی سے مشتق ہوگا۔ یہ دونوں کمال پر دلالت کرتے ہیں اور کمال حرمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب حرام بعینہ ہوا حرام ہو تو وہ معصوم نہ رہا جس طرح شراب اور مردار۔ اس وجہ سے ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے کی صورت میں ضمانت لازم نہ ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے اگر قطع ید کے بعد ضمانت واجب ہو جائے تو چور ضمانت کی ادائیگی کے ساتھ چوری شدہ مال کا اس وقت سے مالک بن جائے گا جب سے اس نے یہ مال لیا تو اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ چوری اس کے اپنے مال میں ہوئی تو قطع ید کا حکم ختم ہوگیا۔ جو چیز حکم کی نفی کی طرف لے جائے وہ خود بھی منتفی ہو جاتی ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ چور کا جب دایاں ہاتھ بطور سزا کاٹ دیا جائے تو اس پر کوئی چٹی نہ ہوگی (1) امام نسائی نے اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے چور پر جب حد جاری کردی جائے تو اس سے کوئی چٹی نہ لی جائے گی۔ بزار نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ حد کے جاری کرنے کے بعد چور پر کوئی ضمانت لازم نہ ہوگی اس حدیث کا دارومدار سعید بن ابراہیم پر ہے جسے وہ اپنے بھائی مسور بن ابراہیم سے وہ اپنے دادا عبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کرتا ہے۔ دار قطنی نے کہا سعید بن ابراہیم مجہول ہے اور مسور، عبدالرحمٰن بن عوف کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ ساتھ ہی کہا یہ کئی سندوں سے روایت کی گئی کوئی بھی سند ثابت نہیں۔ ابن ہمام نے کہا سعید بن ابراہیم زہری ہے جو مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔ یہ ثقہ اور مضبوط راوی ہیں۔

شوافع نے آیت سے استدلال کے بارے میں فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا کہ جب جزاء کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد ایسی سزا ہوتی ہے جو حق اللہ کی وجہ سے لازم ہو قابل تسلیم نہیں یہ کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا الآیۃ یہ حکم اس امر میں صریح ہے کہ جزاء بندے کے حق کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ اسی صورت میں ہی معافی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ جزاء کا لفظ بندے کے حق اور نکال کا لفظ اللہ تعالیٰ کے حق کی طرف اشارہ کرتا ہے جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جزاء کا لفظ اگرچہ کمال پر دلالت کرتا ہے لیکن جنایت میں کمال اس صورت میں ہوگا کہ وہ دونوں حقوق میں جنایت کرے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حق اور بندے کے حق میں ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ قطع ید خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محل حرام لعینہ ہو کہ اس پر ضمان مرتب ہو بلکہ قطع ید حق شرع ہے۔ اس کا سبب ممنوع امر سے نہ رکنا ہے۔ ضمان بندے کے حق کی وجہ سے ہے اور اس کا سبب وہ مال لینا ہے جس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے۔ جس طرح احرام کی حالت میں کسی کا مملوکہ شکار جان بوجھ کر ہلاک کر دینا۔

ہم محل کی حرمت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ حرمت نہی کی وجہ سے ہے۔ اس معنی کی وجہ سے نہیں جو اس محل کی ذات میں موجود

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 182 (المحاسن)

ہے۔ اگر یہ چیز اپنی ذات کی وجہ سے حرام ہوتی تو قطع ید کے بعد مال کی بقاء کی صورت میں مسروقہ مال حلال نہ ہوتا اور زانی کے رجم کے بعد خاوند کے لئے بدکارہ سے وطی کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ اس میں بھی نکالا کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح اگر حرمت اس کی ذات کی وجہ سے ہوتی جس طرح شراب اور مردار میں ہے تو قطع ید واجب نہ ہوتی کیونکہ شراب اور مردار چوری کرنے میں قطع ید کی سزا واجب نہیں ہوتی پس ہاتھ کاٹنے کی سزا ختم ہوگی۔ جو چیز کسی اور کو ختم کرنے کی طرف لے جائے وہ خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر مال مسروق کی عصمت کو فرق چوری سے پہلے کیا جائے تو شراب کا معاملہ اس سے مختلف ہوگا کیونکہ اس میں عصمت ساقط ہے۔ اگر قطع ید ممنوع نہ ہوتو شبہ وارد کرنے سے تم کوئی دلیل نہیں۔ ہم حرمت لعینہ کو تسلیم کر لیتے ہیں جس طرح شراب ہے۔ تو یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ دو حرمتوں یا تین حرمتوں کی وجہ سے حرام ہو۔ جس طرح رمضان شریف میں ایسی شراب پینا جو ذمی کی ملک ہو یا رمضان شریف میں غیر کی لونڈی سے بدکاری کرنا۔ علماء نے دوسرے استدلال کا یہ جواب دیا کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ چور مال مسروقہ کا اس وقت سے مالک بن جاتا ہے جس وقت اس نے مال چوری کیا تھا بلکہ مال ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے کی صورت میں وہ مال کا ضامن ہوگا۔ تیسرے استدلال کا جواب یہ دیا کہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر حدیث صحیح بھی ہوتی تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معارض نہیں ہوسکتی فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ عام ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کے معارض نہیں ہوسکتی کہ ہاتھ پر وہ چیز لازم ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ وہ مالک کو ادا کردے۔ اسے امام احمد اصحاب سنن اربعہ سے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے۔

کہ وہ غالب ہے۔ اس کے حکم میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ جو بھی حکم دیتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے۔

امام احمد، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چوری کی، اس کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں توبہ کر سکتی ہوں، فرمایا ہاں (توبہ کی صورت میں) تو اپنے گناہ سے یوں پاک ہو جائے گی جس طرح تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت پاک تھی(1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو یوں نازل فرمایا۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۹

"پھر جس نے توبہ کر لی اپنے اس (ظلم) کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا اس پر بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ [1]"

[1] جس نے چوری اور اس جیسے عمل کے بعد توبہ کر لی۔ توبہ سے مراد اپنی معصیت پر شرمندگی کا اظہار کرنا، ظلم کو ختم کرنا، اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا اور آئندہ یہ فعل نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا ہے۔ جس نے ایسا کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرماتا ہے اور اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور آخرت میں اسے عذاب نہیں دیتا۔ اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ توبہ کرنے سے اس پر قطع ید کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے یا کہ نہیں۔ امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے اس سے قطع ید کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ توبہ کے ساتھ حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کے ساتھ ہر حد ساقط ہو جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 497 (العلمیہ)

الآیۃ یعنی اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان دونوں سے اعراض کرو اور حضور ﷺ کا یہ فرمان بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس آدمی جیسا ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ امام شافعی کا ایک قول ہے جب آدمی کو توبہ کیے ہوئے ایک سال گذر گیا ہو تو اس پر سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کے ایک قول میں یہ ہے کہ ڈاکہ کی حد کے علاوہ کوئی بھی حد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی کیونکہ آیت میں صرف ڈاکو کی استثناء ہے۔ علماء نے یہ فرمایا یہ آیت حد کے سقوط پر دلالت نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا یہ ابتداء اسلام میں تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ پر رجم کی سزا ان دونوں کی توبہ کے بعد جاری کی گئی تھی۔

مسئلہ:۔ جس نے چوری کی اور حاکم کے سامنے مسئلہ پیش ہونے سے قبل مال مالک کو واپس کر دیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام ابو یوسف کا قول ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسے اس صورت پر قیاس کیا جائے گا کہ اب وہ مال اس وقت واپس کرتا ہے جب مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کر دیا گیا ہو ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ چوری کے ظاہر ہونے کے لئے قاضی کے سامنے خصومت شرط ہے۔ اس لئے حد جاری کرنے میں بھی یہ شرط ہوگی۔ جب مال مالک کو واپس کر دیا جائے تو اس کے بعد خصومت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ یہ صورت سابقہ صورت سے مختلف ہوگی کہ وہ مالک کو مال مسئلہ پیش ہونے، گواہیاں سننے اور فیصلہ کے بعد دے۔ اس صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس طرح بطور استحسان گواہیاں سننے کے بعد اور فیصلہ سے پہلے بھی قطع ید ہوگی کیونکہ خصومت کے بعد شہادت سننے سے قاضی کے ہاں چوری ظاہر ہو چکی ہے۔

مسئلہ:۔ چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ اس کے لئے توبہ ہے یا نہیں۔ مجاہد نے کہا ہاں یہ اس کے لئے توبہ ہے کیونکہ حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جبکہ آپ کے اردگرد صحابہ کرام موجود تھے کہ مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، تم چوری نہیں کرو گے، بدکاری نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ کسی پر اپنی طرف سے بنا کر بہتان نہیں باندھو گے، نیکی کے معاملہ میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے وعدہ کو پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جو ان میں سے کسی عمل کا ارتکاب کر بیٹھا اور دنیا میں اسے سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ ہوگی اور جس نے ان میں سے کسی عمل کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو یہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اگر چاہے تو معاف کر دے چاہے تو سزا دے۔ ہم نے ان امور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی (1) متفق علیہ۔ امام بغوی نے کہا صحیح یہ ہے کہ قطع ید جرم کا بدلہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جزاء بما کسبا اس کے بعد توبہ لازم ہے (2) اس پر حضرت ابوہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو ہم نے قطع ید کے واقعے کے مسئلہ میں ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے اسے فرمایا، جبکہ اس کے اقرار کی وجہ سے قطع ید کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو تو اس آدمی نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ (وزارت تعلیم)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 41 (التجاریہ)

"کیا تو نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ۱؎"

۱؎ الم تعلم میں خطاب حضور ﷺ کو ہے، یعنی اے نبی اور مراد آپ کی امت ہے، یعنی اے انسان کیا تو نہیں جانتا یشاء کا مفعول ان یعذبہ محذوف ہے، یعنی گناہ گاروں کو سزا دینی چاہیے خواہ اس نے گناہ صغیرہ کا ارتکاب کیا یا گناہ کبیرہ کا کیونکہ یہ عدل ہے اور معصیت کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کو توبہ اور بغیر توبہ کے بخش دیتا ہے لیکن جس کے حق میں یہ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عذاب دینے یا بخشنے میں سے جس کا بھی ارادہ کرے اس پر قادر ہے تاہم اس پر کوئی چیز واجب نہیں یہاں عذاب دینے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ مستحق عذاب ہونا یہ بخشش پر مقدم ہے کیونکہ مقصود اللہ تعالیٰ کا قیامت کا بیان ہے۔ عذاب دینے میں بخشش کی بنسبت قدرت کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کیونکہ بخشش کی صورت میں بندے کی طرف سے کوئی انکار نہیں ہوتا، جبکہ عذاب کی صورت میں بندے کی طرف سے انکار ہوتا ہے واللہ اعلم۔ امام احمد، امام مسلم اور دوسرے محدثین نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی جس کا منہ سیاہ کیا گیا تھا اور اسے کوڑے مارے گئے تھے حضور ﷺ کے پاس سے گزرا حضور نے یہودیوں کو بلایا فرمایا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو۔ یہودیوں نے کہا ہم اسی طرح پاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے یہودیوں کے ایک عالم کو بلا بھیجا، فرمایا میں تجھے اس اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی حد پاتے ہو۔ اس نے جواب دیا اللہ کی قسم حکم اس طرح نہیں ہے اگر آپ واسطہ نہ دیتے تو میں آپ کو نہ بتاتا۔ ہم اپنی کتاب میں زانی کی سزا رجم پاتے ہیں لیکن برائی ہمارے اشراف میں عام ہوگئی جب ہم کسی معزز کو اس جرم میں پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے۔ جب کسی کمزور کو پکڑتے تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ ہم نے لوگوں کو کہا آؤ ہم ایک سزا متعین کر لیں جو معزز اور کمزور پر جاری کریں تو ہم نے منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے پر اکتفا کر لیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو تیرے حکم کو زندہ کروں گا، جبکہ انہوں نے اس حکم کو ختم کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے حد جاری کرنے کا حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا پھر ما بعد آیت یاایھا الرسول نازل ہوئی یہودی لوگوں کو کہتے تم حضرت محمد کے پاس جاؤ اگر وہ تمہیں منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو فیصلہ قبول کر لینا اگر رجم کا حکم کریں تو عمل سے احتراز کرنا(1)

امام بغوی نے یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ خیبر کے اعلیٰ خاندان کے ایک مرد اور ایک عورت نے بدکاری کی۔ یہ دونوں شادی شدہ تھے تورات میں اس جرم کی سزا رجم تھی۔ یہودیوں نے ان کے خاندان کی شرافت کی وجہ سے انہیں رجم کرنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے بنی قریظہ کے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجا کہ تم حضور ﷺ سے یہ پوچھو کہ جب شادی شدہ آدمی بدکاری کریں تو ان کا کیا حکم ہے؟ ساتھ ہی کہا اگر وہ کوڑے مارنے کا حکم دیں تو تم قبول کر لینا۔ اگر تمہیں رجم کا حکم دیں تو احتراز کرنا۔ اور اسے قبول نہ کرنا ان کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرنے والوں کو بھی بھیج دیا۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر نے کہا اللہ کی قسم وہ تمہیں اسی چیز کا حکم دیں گے جسے تم ناپسند کرتے ہو پھر یہودیوں میں سے کعب بن اشرف، سعید بن عمرو، مالک بن حنیف، بن ابی الحقیق اور دوسرے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی ہمیں بتائیں کہ جب بدکار اور بدکارہ شادی شدہ ہوں تو آپ کی کتاب میں اس کا کیا حکم؟ ہے آپ نے پوچھا کیا تم میرے فیصلہ پر راضی ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم راضی ہیں تو جبرائیل امین رجم کا حکم لے کر نازل ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں اس

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 70 (قدیمی)

بارے میں خبر ارشاد فرمائی۔ انہوں نے یہ فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت جبرائیل امین نے کہا آپ اپنے اور ان کے درمیان ابن صوریا کو حکم (ثالث) بنالیں۔ ساتھ اس کی نشانیاں بیان کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس بے ریش نوجوان کو جانتے ہو جو فدک میں رہتا ہے جسے ابن صوریا کہتے ہیں۔ سب نے کہا ہم اسے جانتے ہیں۔ آپ نے پوچھا وہ تم میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کچھ نازل کیا روئے زمین پر ابن صوریا سے بڑھ کر اسے کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا اسے بلا بھیجو۔ ابن صوریا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تجھے اس اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی، تمہیں مصر سے نجات عطا فرمائی تمہارے لئے سمندر پھاڑا، تمہیں نجات عطا کی اور فرعونیوں کو غرق کیا، جس نے تم پر بادل سے سایہ کیا، تم پر من وسلویٰ نازل کیا، تم پر اپنی کتاب نازل فرمائی، جس میں حلال وحرام کے احکام ہیں۔ کیا تمہاری کتاب میں یہ حکم ہے کہ جب شادی شدہ آدمی بدکاری کرے تو اس کی سزا رجم ہے؟ ابن صوریا نے کہا جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے حکم اسی طرح ہے۔ جھوٹ بولنے کی صورت میں اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تورات مجھے جلا دے گی تو میں آپ کے سامنے اس کا اعتراف نہ کرتا لیکن اے محمد ﷺ بتایئے آپ کی کتاب میں یہ حکم کیسے ہے؟ فرمایا جب چار عادل آدمی اس امر کی گواہی دیں کہ اس نے اپنا آلہ تناسل یوں عورت کی شرمگاہ میں داخل کیا جس طرح سلائی کو سرمہ دانی میں داخل کیا جاتا ہے تو رجم ثابت ہو جائے گا۔ ابن صوریا نے کہا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا سب سے پہلے تم نے کس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل چھوڑا، اس نے جواب دیا ہم میں سے کوئی معزز آدمی بدکاری کرتا تو ہم اسے چھوڑ دیتے۔ جب کوئی کمزور بدکاری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تو ہمارے معزز خاندانوں میں برائی عام ہو گئی یہاں تک کہ ہمارے بادشاہ کے چچازاد نے بدکاری کی، ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر دوسرے خاندان کے ایک فرد نے بدکاری کی تو اس بادشاہ نے اس پر رجم کی سزا جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے مقابلے میں اس کی قوم کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے کہا تم اس وقت تک اس پر حد زنا جاری نہیں کر سکتے جب تک تم اپنے چچازاد پر بدکاری کی سزا جاری نہیں کرتے۔ ہم نے کہا آؤ ہم اکٹھے ہوں اور رجم کے علاوہ کسی سزا کو معین کر لیں جو ادنیٰ اور اعلیٰ دونوں کے لئے ہو تو ہم نے اس شخص کے لئے کوڑے اور منہ کالا کرنے کی سزا معین کی۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور مسجد کے دروازہ کے سامنے انہیں رجم کر دیا گیا۔ فرمایا اے اللہ میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا، جبکہ یہ اسے ختم کر چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (1)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا
بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ
لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ
اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ
تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 44 (التجاریہ)

الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

”اے رسول ﷺ نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ۱؎ ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ۲؎ ہم ایمان لائے ہیں ۳؎ (صرف) اپنے منہ سے ۴؎ حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل ۵؎ اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں ۶؎ جاسوسی کرنے والے ہیں ۷؎ جھوٹ بولنے کے لئے ۸؎ وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس ۹؎ بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو ۱۰؎ اس کے صحیح موقعوں سے ۱۱؎ کہتے ہیں ۱۲؎ اگر تمہیں دیا جائے یہ حکم ۱۳؎ تو مان لو اسے ۱۴؎ اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم ۱۵؎ تو بچو ۱۶؎ اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا ۱۷؎ تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی ۱۸؎ یہ وہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو ۱۹؎ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے ۲۰؎ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ ۲۱؎“

۱؎ کفر میں جلدی کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی موقع پاتے ہیں شرع میں جس کا اقرار کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس کا انکار کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ چند یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے ذکر کیا کہ ان کی قوم کے ایک مرد اور عورت نے بدکاری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم رجم کے متعلق تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم انہیں رسوا کرتے ہیں اور انہیں کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا تم نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ تورات لے آؤ۔ انہوں نے تورات کھولی۔ ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ رجم والی آیت پر رکھ لیا اور اس کا ماقبل اور مابعد حصہ پڑھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو نیچے رجم والی آیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا تو انہیں رجم کر دیا گیا، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا میں نے اس مرد کو دیکھا، وہ عورت کو پتھروں سے بچانے کے لئے عورت پر جھک جاتا (1) امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ اہل فدک میں سے ایک آدمی نے بدکاری کی۔ وہاں کے لوگوں نے مدینہ طیبہ کے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھیں۔ اگر تمہیں کوڑے مارنے کا حکم دیں تو تسلیم کر لینا۔ اگر رجم کا حکم دیں تو اسے تسلیم نہ کرنا۔ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے اس بارے میں آپ سے سوال کیا۔ پھر امام مسلم کی روایت جیسا واقعہ ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے رجم کا حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ۔ امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابوہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا اس آیت کے نزول کا سبب قصاص تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو نضیر کو بنی قریظہ پر فضیلت حاصل تھی۔ بنو قریظہ نے کہا بنو نضیر ہمارے بھائی ہیں، ہمارا باپ ایک ہے، ہمارا دین ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے۔ جب ان کے خاندان میں سے کوئی فرد ہمارے خاندان کے کسی فرد کو قتل کرتا ہے تو وہ ہمیں قصاص نہیں دیتے۔ اس کی دیت ستر وسق کھجور دے دیتے ہیں۔ جب ہم میں سے کوئی ان کے خاندان کو قتل کر دے تو وہ قصاص کے طور پر قاتل کو قتل کرتے ہیں اور دیت کے طور پر دوگناہ، یعنی ایک سو چالیس وسق کھجور لیتے ہیں۔ اگر ان کا مقتول عورت ہو تو اس کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیتے ہیں۔ ایک مرد کے بدلے میں دو مرد اور غلام کے بدلے میں ہمارا آزاد قتل کر دیتے ہیں۔ ہمارے درمیان زخموں کی دیت کی بھی یہی صورت حال ہے (2) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 44 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً

اسی کی مثل روایت کیا ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو یہودیوں کی دو جماعتوں کے بارے میں نازل فرمایا۔ دورِ جاہلیت میں ایک جماعت دوسری جماعت پر اس طرح غالب تھی کہ انہوں نے باہم اس امر پر رضا مندی کا اظہار کیا اور باہم صلح کی کہ ہر ایسا مقتول جسے غالب جماعت قتل کرے اس کی دیت پچاس وسق ہوگی اور ہر ایسا مقتول جسے ادنیٰ خاندان کا فرد قتل کرے اس کی دیت سو وسق ہوگی۔ وہ اسی ضابطہ پر قائم تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اتفاق سے ادنیٰ خاندان کے ایک فرد نے اعلیٰ خاندان کے ایک فرد کو قتل کر دیا اعلیٰ خاندان والوں نے انہیں پیغام بھجوایا کہ سو وسق دیت بھیجو۔ ادنیٰ خاندان والوں نے کہا کیا یہ طریقہ کبھی ایسے دو قبیلوں میں بھی ہوا ہے جن کا دین ایک ہو نسبت ایک ہو۔ اور شہر بھی ایک ہو ان میں سے بعض کی دیت دوسروں کے مقابلہ میں نصف ہو۔ ہم آج تک تمہیں یہ دیت ظلم اور ڈر کی وجہ سے دیتے رہے ہیں مگر جب سے حضرت محمد تشریف لائے ہیں ہم تمہیں یہ دیت نہ دیں گے۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ بھڑک اٹھتی کہ وہ اس امر پر راضی ہو گئے کہ حضور ﷺ کو ثالث بنالیں۔ انہوں نے چند منافق حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجے تاکہ آپ کا نقطۂ نظر جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

۲؎ یہ اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ کا بیان ہے۔

۳؎ یہ قَالُوْا کا مقولہ ہے۔

۴؎ یہ قَالُوْا کے متعلق ہے اٰمَنَّا کے متعلق نہیں۔

۵؎ قَالُوْا کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا عطف قَالُوْا پر ہو۔

۶؎ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا کا عطف مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا پر ہے۔ اس سے مراد منافق اور یہودی ہیں۔

۷؎ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے هُمْ سَمّٰعُوْنَ ھُم کی ضمیر دونوں جماعتوں کے لئے ہے یا اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ کی طرف لوٹ رہی ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ہو تقدیر کلام یوں بنے گی مِنَ الْیَهُوْدِ قَوْمٌ سَمّٰعُوْنَ۔

۸؎ یا تو اس میں لام زائدہ ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے یا اس لئے لام آیا ہے کہ سماع قبول کا معنی لئے ہوئے ہے، یعنی ان کے علماء جو جھوٹ بولتے ہیں اسے قبول کرتے ہیں یا لام تعلیلیہ ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی سَمّٰعُوْنَ كَلَامَكَ لِيَكْذِبُوْا عَلَيْكَ کہ اس میں زیادتی کی اور تغیر و تبدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس میں لام الیٰ کے معنی میں ہے یعنی وہ اپنے علماء کے جھوٹ کو توجہ سے سنتے ہیں۔

۹؎ دوسری قوم سے مراد یہودی ہیں جو آپ کے پاس تکبر اور دشمنی کی زیادتی کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتے اور آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ لِقَوْمٍ پر لام یا تو اس لئے ہے کہ سمٰعون اپنے ضمن میں قبول کا معنی لئے ہوئے ہے، یعنی دوسری قوم کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں اور انہیں خبر پہنچاتے ہیں، یعنی بنی قریظہ دوسری اقوام کے جاسوس ہیں۔ دوسری قوم سے مراد خیبر میں بسنے والے یہودی ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام کذب کے متعلق ہو اور دوسرا سَمّٰعُوْنَ پہلے سَمّٰعُوْنَ کی تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہو وہ آپ کی کلام سنتے ہیں تاکہ دوسری قوم کے لئے آپ سے جھوٹ بولیں۔

۱۰؎ تورات میں جو احکام نازل ہوئے ہیں جیسے رجم، قصاص وغیرہ الکلم اسم جنس ہے یا یہ اسم جمع ہے، یہ جمع نہیں لفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضمیر واحد کی ذکر کی۔

۱۱؎ یعنی بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کو ان کے مواقع پر رکھا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تورات میں جو احکام ہیں ان میں لفظی تحریف کرتے ہیں یعنی انہیں دوسرے احکام سے بدل دیتے ہیں یا معنوی تحریف کرتے ہیں کہ ان کا ایسا معنی بتاتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتا یہ جملہ قوم کی دوسری صفت ہے یا یہ سماعون کی صفت ہے یا فیہ کی ضمیر سے حال ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی هُمْ يُحَرِّفُونَ۔

۱۲؎ اسی طرح اس جملہ کا اعراب ہے نیز یہ بھی جائز ہے کہ یہ یحرفون کی ضمیر سے حال ہو۔

۱۳؎ یعنی اگر محمد ﷺ تمہیں اس تحریف شدہ جیسا حکم دیں۔

۱۴؎ تو اس پر عمل کر لینا۔

۱۵؎ یعنی اگر محمد ﷺ اس کے برعکس تمہیں فتویٰ دیں۔

۱۶؎ آپ تمہیں جو فتویٰ دیں اس کے قبول کرنے سے بچیں۔

۱۷؎ فتنہ سے مراد گمراہی ہلاکت اور عذاب ہے۔

۱۸؎ اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کی مراد کو دور کرنے پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے یا اللہ تعالیٰ کی مراد کو نہیں روک سکتے۔ مِنَ اللہ کا قول یا تو تَمْلِكَ کے متعلق ہے۔ اس صورت میں مِن ابتدائیہ ہے یا یہ ظرف مستقر ہے، یعنی محذوف کے متعلق ہے اور شیئاً سے حال ہے شیئاً مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس آیت میں ہماری معتزلہ کے خلاف دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ سے جدا نہیں ہو سکتی بلکہ ارادہ اور مراد لازم ملزوم ہیں۔

۱۹؎ یعنی کفر سے ان کے دل پاک کرے۔ یہ آیت اس امر میں محکم ہے اور معتزلہ کے اس قول کے فاسد ہونے پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کے بارے میں ارادہ کرتا ہے کفر کا ارادہ نہیں کرتا۔

۲۰؎ یعنی قتل کی صورت میں انہیں ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ جس طرح بنی قریظہ کے ساتھ ہوا یا جزیہ ادا کرنا ہوگا اور مومنوں سے خوفزدہ رہنا پڑے گا۔

۲۱؎ عذاب عظیم سے مراد جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ لَهُمْ کی ضمیر الَّذِينَ هَادُوا کے لئے ہے، جبکہ اسے جملہ مستانفہ بنایا جائے۔ بصورت دیگر دونوں جماعتوں کے لئے ہوگی۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـٴًـاؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

"قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو ۱؎ بڑے حرام خور ہیں ۲؎ تو اگر وہ آئیں آپ کے پاس تو چاہے فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی ۳؎ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے ۔ ۴؎"

لے تاکید کے لئے اسے مکرر ذکر فرمایا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی هُمْ سَمّٰعُوْنَ اس کی مثل ترکیب میں مابعد کلام ہے۔

سے ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی اور ابو جعفر نے تینوں مواقع پر حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے سحت کا معنی حرام ہے۔ جبکہ اصل معنی ہلاکت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وہ تمہیں عذاب کے ساتھ ہلاک فرمائے گا۔ اخفش نے کہا سحت ہر ایسی کمائی ہے جو حلال نہ ہو۔ یہ آیت یہودیوں کے سرداروں کعب بن اشرف اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ رشوت لیتے اور راشی کے حق میں فیصلہ کر دیتے راشی کا جھوٹ بھی غور سے سنتے، اسے قبول کرتے اور اس کے مخالف کی طرف کوئی توجہ نہ کرتے۔

حضرت حسن بصری، مقاتل، اور قتادہ اور ضحاک نے کہا سحت سے مراد فیصلہ میں رشوت لینا ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا جب تو رشوت اس لئے دے تاکہ جو تیرا حق نہ ہو وہ تیرا حق بنا دے یا تجھ پر جو حق ہے وہ باطل بنا دے (1) مگر جب کوئی آدمی والی کو اس لئے کوئی چیز دے تاکہ والی کے ظلم کو اپنی ذات سے دور کرے تو اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے رشوت دینے والے پر کوئی گرفت نہ ہوگی مگر جو رشوت لے رہا ہے اس کے لئے رشوت لینا حرام ہے میں کہتا ہوں یہی صورتحال اس وقت بھی ہوگی جب مدعی حق پر ہو، اس کا خیال یہ ہو کہ قاضی رشوت لئے بغیر اس کے حق میں فیصلہ نہیں دے گا اور اس سے ظلم دور نہیں کرے گا تو رشوت دینے میں کوئی حرج نہ ہوگا لیکن قاضی کے لئے اس حوالے سے کوئی چیز لینا حرام ہوگا کیونکہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور ظلم دور کرنا اس پر واجب ہے۔ صحیح فیصلہ کرنے کے لئے کوئی چیز لینا اس کے لئے جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جس نے کسی کا حق دلانے یا ظلم ختم کرنے کے لئے سفارش کی۔ ساتھ ہی حاکم کو کوئی چیز بطور تحفہ پیش کی۔ اس نے سفارشی سے وہ چیز قبول کر لی تو یہ حرام ہوگا۔ آپ سے عرض کی گئی اے ابو عبدالرحمن ہم تو صرف غلط فیصلے کرانے کی صورت میں یہ سمجھتے تھے۔ آپ نے فرمایا خلاف فیصلہ کرنے کے لئے رشوت لینا تو کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے" جنہوں نے اس کے خلاف فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو وہی کافر ہیں (2) حضرت مسروق سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب سے عرض کیا بتاؤ کیا خلاف فیصلہ کرانے کے لئے مال دینا سحت (حرام) ہے فرمایا نہیں بلکہ یہ کفر ہے سحت یہ ہے کہ ایک آدمی کو حاکم کے پاس قدر و منزلت حاصل ہے، جبکہ دوسرے آدمی کا حاکم کے پاس کوئی کام ہے وہ اس وقت تک کام کرنے پر آمادہ نہیں یہاں تک کہ اسے ہدیہ دیا جائے (3) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا سحت کے دو دروازے ہیں جن سے لوگ کھاتے ہیں۔ ایک فیصلہ میں رشوت اور دوسرا بدکارہ کا مہر (4) حضرت لیث سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں دو آدمی پیش ہوئے، فیصلہ چاہا، آپ نے انہیں روک دیا پھر وہ آگے بڑھے، آپ نے انہیں پھر روک دیا پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ اس بارے میں آپ سے عرض کی گئی آپ نے فرمایا وہ دونوں میرے پاس آئے تھے تو میں نے ایک کے حق میں دوسرے کے مقابل جھکاؤ محسوس کیا تو میں نے اس کیفیت میں یہ فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا پھر وہ آئے تو پھر بھی میں نے کچھ میلان پایا۔ میں نے اس حالت میں بھی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا پھر وہ لوٹے، اب وہ جھکاؤ ختم ہو چکا تھا تو میں نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فیصلہ کرانے کے لئے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ امام احمد نے سند ضعیف کے ساتھ اسے ثوبان سے مرفوع انداز میں نقل کیا ہے کہ رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور درمیان میں واسطہ بننے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 45 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 502 (مفہوم) (ایضاً) 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 502 (ایضاً) 4۔ ایضاً

فائدہ: ابن ہمام نے کہا رشوت کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو لینے اور دینے والے پر حرام ہے۔ یہ قاضی بننے کے لئے رشوت دینا ہے۔ اس طرح وہ حقیقت میں قاضی بنتا ہی نہیں۔ قاضی کا فیصلہ کرنے کے لئے رشوت لینا۔ اس کا فیصلہ اس واقعہ میں نافذ نہیں ہوتا اگر چہ وہ حق فیصلہ کرے کیونکہ صحیح فیصلہ کرنا اس پر واجب تھا۔ اس کا مال لینا حلال نہیں اور نہ ہی دینا حلال ہے۔ اس میں سے ایک قسم وہ ہے جو لینے والے پر حرام ہے، دینے والے پر حرام نہیں جس طرح ایک آدمی اس لئے مال دیتا ہے تا کہ اس کا معاملہ حاکم کے پاس درست ہو جائے تا کہ اپنے نقصان کو دور کرے اور نفع حاصل کرے ایسا حیلہ جس کی بناء پر لینے والے کے لئے یہ حلال ہو سکتا ہے کہ وہ ایک یا دو دن کی اجرت لگائے پھر اسے فلاں آدمی کے کام کے لئے بادشاہ کے پاس جانے میں صرف کرے۔ اسی طرح جب کوئی آدمی اپنی جان اور مال سے خوف زائل کرنے کے لئے مال دیتا ہے تو یہ لینے والے کے لئے حرام ہے، دینے والے کے لئے حرام نہیں کیونکہ مسلمان پر نقصان کو دور کرنا واجب ہے، جبکہ جو امر فرض ہو اس پر مال لینا جائز نہیں۔

فائدہ: محیط میں ہے رشوت کی کئی اقسام ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو مال دیتا ہے تا کہ اس کی محبت حاصل کرے۔ یہ ہدیہ دینے اور لینے والوں کے لئے حلال ہے۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اور ایک دوسرے سے محبت کیا کرو۔

دوسری قسم یہ ہے آدمی دوسرے آدمی کو مال اس لئے دیتا ہے کہ دوسرے نے اسے خوفزدہ کیا۔ اب وہ خوف ختم کرنے کے لئے مال دے یا حاکم کو مال دیتا ہے تا کہ اپنی ذات سے یا اپنے مال سے ظلم کو دور کرے۔ یہ ایسی قسم ہے جو لینے والے کے لئے حلال نہیں۔ عام مشائخ کی یہ رائے ہے کہ دینے والے کے لئے حلال ہے کیونکہ اس نے اپنی جان اور مال بچانے کے لئے اپنا مال صرف کیا ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس لئے مال دیتا ہے تا کہ اس کے اور حاکم کے درمیان معاملہ درست کرا دے اور اس کے معاملہ میں اس کی مدد کرے اگر اس کا کام حرام ہو تو دینا اور لینا حرام ہوگا۔ اگر کام مباح ہو اور یہ شرط لگائی گئی ہو کہ وہ اس لئے تحفہ دے رہا ہے کہ وہ بادشاہ کے ہاں اس کی مدد کریگا تو اس کا لینا حلال نہیں کیا۔ اس کا دینا حلال ہے تو اس میں علماء نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں بعض نے یہ کہا یہ حلال ہے۔ بعض نے کہا حلال نہیں۔ اس میں حیلہ کی صورت یہ ہے کہ غرضمند آدمی اسے اجرت پر رکھے تا کہ اس کا کام کرے اگر چہ اس نے یہ شرط نہ لگائی ہو مگر وہ ہدیہ اس لئے دیتا ہے تا کہ وہ بادشاہ کے ہاں اس کی مدد کرے۔ عام مشائخ نے یہ فرمایا اس کا لینا مکروہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مکروہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

ﻉ جب کفار آپ کو ثالث بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا کہ چاہیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور چاہیں تو ان سے اعراض کریں۔ امام بغوی نے کہا آج اس آیت کے حکم کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ کیا حاکم کو اس بارے میں اختیار ہے کہ جب ذمی اپنا کوئی مسئلہ حاکم کے سامنے لائیں تو چاہے فیصلہ کرے اور چاہے اعراض کرے۔ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ حکم ثابت ہے سورۂ مائدہ میں یہ منسوخ نہیں۔ مسلمان حکمرانوں کو اختیار ہے کہ وہ اہل کتاب کے بارے میں چاہے فیصلہ کریں، چاہے فیصلہ نہ کریں۔ اگر وہ فیصلہ کریں تو اسلام کے مطابق فیصلہ کریں۔ یہ امام نخعی، امام شعبی، عطاء اور قتادہ کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا مسلمان حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کریں۔ یہ آیت منسوخ ہے، اس کی ناسخ آیت یہ ہے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے (1) حضرت ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے کہ آپ کا فرمان ہے سورۂ مائدہ سے صرف دو آیتیں منسوخ ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا فرمان

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 45 (التجاریہ)

لَا تُحَوِّلُوا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ اس کی ناسخ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ اس کی ناسخ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ امام بیضاوی نے کہا ایک قول یہ کیا گیا اگر دو کتابی مسلمان قاضی کے سامنے اپنا مسئلہ لائیں تو قاضی پر ان کا فیصلہ کرنا واجب نہیں (1) یہ امام شافعی کا قول ہے، جبکہ زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ جب قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے والے دونوں یا ایک ذمی ہو تو فیصلہ کرنا واجب ہے کیونکہ ہم نے اپنے اوپر یہ لازم کیا ہے کہ ہم ان کا دفاع کریں گے اور ان سے ظلم کا ازالہ کریں گے۔ یہ آیت ذمیوں کے بارے میں نہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی پر ہر حال میں فیصلہ کرنا واجب ہے۔ میں یہ کہتا ہوں جب قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے والے دو ذمی کافر یا حربی کافر ہوں تو قاضی پر واجب ہے کہ ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرے کیونکہ انہوں نے سلطان کی طرف سے یہ منصب اس لئے قبول کیا ہے کہ وہ حق کے ساتھ فیصلہ کریں اسی طرح جب ایک فریق مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرے، جبکہ مدعی علیہ مسلمان ہو یا ذمی ہو کیونکہ اسلام قبول کر کے یا اس کے احکام کے سامنے اطاعت کا اظہار کر کے شرع کے حکم کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے مگر اس صورت میں مسئلہ مختلف ہوگا کیونکہ اس نے احکام اسلام اپنے اوپر لازم نہیں کئے مگر جب دو مسلمان یا دو ذمی یا دو حربی یا دو مختلف دین رکھنے والے افراد مسلمان قاضی کے علاوہ کسی اور مسلمان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کریں تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ثالث قبول کرنا اس پر واجب نہ ہوگی بلکہ اسے اختیار ہوگا چاہے ثالث بنے چاہے اعراض کرے۔

؎ مقسطین سے مراد عادل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں نور کے منبروں پر ہوں گے (2) اسے امام مسلم نے عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز ایسا امام ہوگا جو عادل اور خوش اخلاق ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بری جگہ وہ امام ہوگا جو ظالم اور جاہل ہو (3) اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

"اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں وہ ایمان دار ۔"

؎ جس ذات پر وہ ایمان نہیں رکھتے اس کو ثالث ماننے پر تعجب کا اظہار ہے، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو جانتے ہیں کیونکہ ان کے پاس تورات موجود ہے، جس میں اللہ کا حکم ہے اور وہ رجم ہے جس پر وہ عمل نہیں کرتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کو ثالث بنانے سے ان کا مقصود حق کو پانا اور شرعی حکم کا نفاذ نہیں بلکہ وہ اس کے طالب ہیں جو ان پر زیادہ آسان ہے اگر چہ وہ اللہ کا حکم نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ یہ تورات سے حال ہے اگر آپ اسے ظرف کی وجہ سے مرفوع پڑھیں اگر آپ اسے مبتدا بنائیں تو یہ اس ضمیر سے حال ہوگا جو ظرف میں پوشیدہ ہے۔ یہ مونث اس لئے ہے کیونکہ کلام عرب میں اس کی نظیر مونث ہے جس طرح رماۃ يَتَوَلَّوْنَ کا عطف يُحَكِّمُوْنَ پر ہے۔ یہ بھی تعجیب میں داخل ہے یعنی وہ آپ کے اس حکم سے اعراض کرتے ہیں جو ان کی کتاب کے موافق ہے۔ اب جب انہوں نے

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 150 سورۂ مائدہ، آیت نمبر 42 (فراس)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 121 (قدیمی)
3۔ شعب الایمان، جلد 6، صفحہ 16-17 (العلمیہ)

آپ کو ثالث بنالیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب پر بھی ایمان لانے والے نہیں، یعنی نہ تورات پر ایمان رکھتے ہیں ورنہ وہ اس پر عمل بھی کرتے اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی تصدیق کرتی ہے اور موافقت کرتی ہے اور نہ ہی آپ کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾

"بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے [1] حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء [2] جو (ہمارے) فرمانبردار تھے [3] یہودیوں کو [4] اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے [5] اور علماء [6] اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے [7] اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ [8] پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے [9] اور ڈرا کرو مجھ سے [10] اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سے قیمت سے [11] اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں۔ [12]"

[1] یعنی حق کی طرف راہنمائی کرنے والا اور نور اس لئے کیونکہ اس کے ذریعے اللہ کے احکام منکشف ہوتے ہیں اور اس سے ایسے دل جلا پاتے ہیں جو سخت نہیں۔

[2] نبیوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بعد میں آنے والے انبیاء ہیں۔ سب سے آخر میں حضور ﷺ ہیں جنہوں نے رجم کا فیصلہ کیا۔ حضرت حسن بصری اور سدی نے یہ کہا کہ یہاں نبیوں سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے کہ آپ نے یہودیوں پر رجم کا فیصلہ فرمایا۔ جمع کا لفظ اس طرح ذکر کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا [1] یحکم مضارع کا صیغہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضور ﷺ کا فیصلہ بھی آیت کے مقصود میں داخل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ النَّبِيُّونَ سے مراد وہ انبیاء ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے تاکہ وہ تورات کے احکام کے مطابق فیصلہ کریں اس پر قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى اگر نبیون کے کلمہ میں یہ تقدیر کی جائے کہ یہ کلمہ حضور ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء کو شامل ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم میں تاویل کرنا پڑے گی کہ ضمیر ان سب کی طرف لوٹ رہی ہے، جبکہ منسوب بعض کی طرف ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب تک نسخ ثابت نہ ہو سابقہ شریعتوں پر عمل کرنا واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دنیا و آخرت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں۔ انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف ہیں جبکہ ان کا دین ایک ہے (2) متفق علیہ۔ یعنی دین سب کا ایک ہے۔ وہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرما دیا، جبکہ دنیا میں اس دین کے ظہور کے طریقے مختلف ہیں وہ اتنے ہی ہیں جتنے انبیاء کی تعداد ہے۔

[3] یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی یہ صفت ہے جو انبیاء کی مدح اور مسلمانوں کی شان کو بلند کرنے کے لئے لائی گئی۔ ساتھ ہی یہودیوں سے اشارۃً بات کی گئی ہے کیونکہ وہ تورات میں موجود احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 46 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 265 (ماخوذ) (قدیمی)

ے یعنی جنہوں نے کفر سے توبہ کی اس کا تعلق انزلنا کے ساتھ ہے یا یہ ظرف مستقر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ یا یہ یحکم کے متعلق ہے، یعنی وہ باہم محاکمہ میں اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ تیسری تقدیر کی صورت میں لام علی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا یعنی اس پر لازم ہے۔ اس میں لام علی کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ یہاں بھی لَهُمْ میں لام علی کے معنی میں ہے۔ اس تاویل کی صورت میں یہ جائز ہے کہ آیت کا معنی یہ ہو کہ انبیاء یہودیوں کے کفر کی وجہ سے تورات کے مطابق ان کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ تورات انہیں حکم دیتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں جو تمہارے پاس موجود پیغام حق کی تصدیق کرنے والے ہیں تو ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ امام بیضاوی نے فرمایا اَلَّذِيْنَ هَادُوْا والی قید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں انبیاء سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہیں۔ جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث کیا گیا تا کہ وہ تورات کے احکامات کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس سے مراد وہ انبیاء نہیں جو تورات کے مکلف ہی نہیں۔ انہی میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ تورات کے مکلف نہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس میں امام شافعی کے قول کی دلیل ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں ہمارے لئے حجت نہیں۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تورات کے تمام احکام منسوخ ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ان کے بعض یا اکثر کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جب تک سابقہ شریعتوں میں سے کسی حکم کے بارے میں کتاب وسنت سے اس کا نسخ ثابت نہ ہو اس وقت تک اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ واللہ اعلم۔

ھے اس سے مراد زاہد صوفی ہیں۔ وہ اپنے ارادتمندوں کو تورات میں سے حکم دیتے ہیں تا کہ ان کے اخلاق کو مہذب بنائیں اور دلوں کو صاف کریں۔

لے یہ حبر کی جمع ہے۔ واحد کو حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھتے ہیں تاہم کسرہ زیادہ فصیح ہے۔ یہ ایسا عالم ہوتا ہے جو اس چیز کا ماہر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حبر کا معنی جمال ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے جہنم سے ایک ایسا آدمی نکلے گا جس کا حسن اور شکل وصورت ناپید ہو چکی ہوگی۔ اس سے ایک لفظ تحبیر ہے جو تحسین کے معنی میں ہے۔ عالم کو حبر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس پر علم کا جمال ہوتا ہے اور علماء کو حبر اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں امت کا جمال ہوتا ہے۔

کے اس میں ضمیر عائد محذوف ہے، مابعد کلام اس کا بیان ہے مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ بما والا جار مجرور یحکم کے متعلق ہے با سببیہ ہے اور جمع کی ضمیر انبیاء، ربانیون اور احبار کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ان سے حفاظت کے مطالبہ کا مطلب اسے یاد کرنے، اس پر عمل کرنے، بھلانے، عمل نہ کرنے، اسے ضائع اور تحریف سے روکنے کا مکلف بنانا ہے، یعنی انبیاء اور ان کے پیروکار اس کے مطابق حکم دیتے رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی حفاظت کا حکم دیا تھا۔

ٰ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا مطالبہ یا اس سے مراد کتاب اللہ ہے۔ شھداء سے مراد نگہبان ہیں جو انہیں تعلیم دیتے ہیں اور اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

9 اے حاکمو لوگوں کی خواہشات کے خلاف فیصلہ کرتے وقت ان سے نہ ڈرو۔

10 یعنی میری کتاب اور میرے احکام پر عمل نہ کرنے میں مجھ سے ڈرو۔ یہاں وصل کی صورت میں یاء کو صرف ابو عمرو نے ثابت رکھا ہے،

جبکہ جمہور نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔ ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا جو بنی آدم سے ڈرتا ہے اس پر اس انسان کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو کوئی اور اس پر مسلط نہیں ہوتا جو کسی انسان سے امید رکھتا ہے، اسے اسی انسان کے سپرد کر دیا جاتا ہے اگر وہ صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھے اللہ تعالیٰ اسے کسی اور کے سپرد نہیں کرتا۔

۱۔ میرے احکام کے بدلے میں دنیا کا مال و متاع بطور رشوت نہ لو۔ یہ حکم اس امر میں صریح ہے کہ امت محمدیہ بھی ان احکام کی مکلف ہے جو تورات میں ہیں اور جو قرآن و سنت میں منسوخ نہیں۔

۲۔ عکرمہ نے کہا جس نے حکم الٰہی کو حقیر جانتے ہوئے، یعنی اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو حقیر جانتے ہوئے فیصلہ نہ کیا تو وہ کافر ہیں ایک قول یہ کیا گیا کفر سے مراد فسق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کفر سے مراد حق کو چھپانا ہے۔ ابن عباس اور طاؤس نے کہا یہ وہ کفر نہیں جو دین سے خارج کر دے بلکہ جب وہ ایسا کرے تو اس نے حق کو چھپایا، یہ اس کافر کی طرح نہیں جو اللہ اور یوم آخرت کا انکار کرے (۱)

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

"اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لئے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان[۱] آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت[۲] اور زخموں کے لئے قصاص ہے[۳] تو جو شخص معاف کر دے بدلا تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا[۴] اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔[۵]"

۱۔ آیت میں نفس سے مراد قاتل ہے وہ آزاد ہو یا غلام مذکر ہو یا مونث مسلمان ہو یا ذمی۔ اسے مقتول کے مقابلہ میں قاتل کہا جائے گا کسائی نے العین، الانف، الاذن، السن کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ جملے آپس میں معطوف معطوف علیہ ہیں پھر ان کا عطف ان اور اس کے تابع جو چیزیں ہیں اس پر ہے گویا کلام یوں کی گئی ہم نے ان پر فرض کیا ہے کہ نفس کو نفس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا کیونکہ فعل کتب۔۔۔ قرأت قول کی طرح جملہ پر بھی داخل ہوتے ہیں یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا اس طرح آنکھ کو آنکھ کے بدلے میں پھوڑا جائے گا، ناک کو ناک کے بدلے میں کاٹا جائے گا، کان کو کان کے بدلے میں کاٹا جائے گا، دانت کو دانت کے بدلے میں اکھاڑا جائے گا۔ یہ مرفوع اس وجہ سے ہے کہ یہ اس ضمیر پر معطوف ہے جو اس شبہ فعل میں ہے جس کے ساتھ بالنفس متعلق ہے۔ یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب اسم ظاہر کا اسم ضمیر متصل پر عطف کیا جائے تو پہلے ضمیر مرفوع منفصل سے اس کی تاکید لگانا ضروری ہوتی ہے۔ جبکہ یہاں ایسا نہیں تو مصنف اشارہ کرتے ہیں کہ درمیان میں فاصلہ آ چکا ہے اس لئے یہ عطف کرنا جائز ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے۔ نافع نے الاذن اور اذنیہ میں ذال کو ساکن پڑھا ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی واقع ہوا، جبکہ باقی نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲۔ ابن کثیر، کسائی، ابوعمرو، ابن عامر اور ابوجعفر نے اسے مرفوع پڑھا ہے کہ تفصیل کے بعد اجمالاً حکم ذکر کیا گیا ہے، جبکہ باقی قراء نے

۱۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 47 (تجاریہ)

ان کے اسم پر عطف کرتے ہوئے اسے منصوب پڑھا ہے۔ یہ تخصیص کے بعد تعمیم کی صورت ہوگئی۔ قصاص کا لفظ مماثلت کا معنی دیتا ہے۔ وہ زخم جس میں مماثلت ممکن ہو اس میں قصاص واجب ہوگا اور جس میں مماثلت ممکن نہ ہو اس میں قصاص جاری نہ ہوگا۔ ہاتھ اگر پہنچے سے اگر جان بوجھ کر کاٹا گیا ہو تو کاٹنے والے کا ہاتھ بھی اسی جوڑ سے کاٹا جائے گا اگر چہ اس کا ہاتھ بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ پاؤں ناک کا نرم حصہ، کان اور دانت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ مماثلت کی رعایت ممکن ہے۔ جس آدمی نے کسی کی آنکھ پر ضرب لگائی اور اسے پھوڑ دیا اب اس پر قصاص نہیں ہوگا کیونکہ آنکھ پھوڑنے میں مماثلت ممکن نہیں اگر آنکھ اپنی جگہ موجود ہے اور بینائی ضائع ہوگئی تو اس پر قصاص لازم ہوگا کیونکہ اس میں مماثلت ممکن ہے۔ اس کے لئے آئینہ گرم کیا جائے گا اور اس کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے گی۔ اس کی آنکھ کو آئینہ کے مقابل رکھا جائے گا تو اس کی بینائی چلی جائے گی۔ یہی چیز بے شمار صحابہ سے منقول ہے۔ کفایہ میں ہے یہ حادثہ ہے جو حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں واقع ہوا۔ آپ نے صحابہ سے اس بارے میں پوچھا صحابہ کے پاس اس کا جواب نہ تھا۔ اسی اثناء میں حضرت علی شیر خدا تشریف لائے، آپ نے یہ جواب دیا۔ حضرت عثمان غنی نے یہی فیصلہ صادر فرما دیا۔ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہ کیا پس یہ اجماع بن گیا ہڈیوں میں سے صرف دانت میں قصاص ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک زخموں کے مندمل ہونے کے بعد ہی قصاص لیا جائے گا، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اسی وقت اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ہمارے پیش نظر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی کو زخمی کیا گیا تو اس نے ارادہ کیا کہ وہ اسی وقت اپنے زخم کا قصاص لے گا تو رسول اللہ ﷺ نے زخمی کرنے والے سے اس وقت تک قصاص لینے سے منع کر دیا جب تک زخمی تندرست نہ ہو جائے (1)

مسئلہ:۔ جس نے نصف کلائی سے کسی کو زخمی کیا یا ایسا زخم لگایا جو پیٹ تک پہنچ گیا۔ بعد میں زخمی تندرست ہو گیا تو مجرم پر قصاص لازم نہ ہوگا کیونکہ یہاں مماثلت ممکن نہیں کیونکہ پہلی صورت میں ہڈی کو توڑنا پڑتا۔ اب اس میں کوئی طریقہ کار نہیں۔ اس طرح اس سے صحت مند ہونا نادر و نایاب ہوتا ہے، جبکہ دوسری صورت میں پیٹ کا زخم انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ امام شافعی نے کہا اگر اس نے بازو توڑا اور اسے الگ کر دیا تو اس کا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا جائے گا، جبکہ باقی حصہ میں ایک منصف کا فیصلہ ہوگا۔ یہی حکم کلائی اور دوسری ہڈیوں میں ہے کہ اس کے قریب ترین جوڑ سے اسے کاٹا جائے گا اور باقی میں عادل آدمی کا فیصلہ مانا جائے گا۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زبان اور آلہ تناسل کے کاٹنے میں کوئی قصاص نہیں مگر اس صورت میں آلہ تناسل حشفہ سے کاٹا جائے گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں سکڑتی اور پھیلتی ہیں اس لئے مماثلت کا اعتبار ممکن نہیں۔ امام ابو یوسف سے یہ مروی ہے کہ جب زبان اور آلہ تناسل جڑ سے کاٹے گئے ہوں تو قصاص لازم ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے کیونکہ ان میں مساوات ممکن ہے۔ ہونٹ اگر جڑ سے کاٹا گیا ہو تو قصاص واجب ہوگا کیونکہ مماثلت کا اعتبار ممکن ہے۔ اگر کچھ حصہ کاٹا گیا ہو تو قصاص نہ ہوگا کیونکہ اعتبار کرنا متعذر ہے۔

مسئلہ:۔ صحیح ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے بدلے میں اور بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا اسی پر اجماع ہے۔

مسئلہ:۔ ایسی آنکھ جو ویسے درست تھی لیکن نور نہیں تھا، اسی طرح شل ہاتھ، گونگے کی زبان، شل آلہ تناسل اور زائد انگلی کے کاٹنے میں

1۔ سنن الدارقطنی، جلد 3، صفحہ 88 (المحاسن)

جمہور علماء کے نزدیک ایک عادل آدمی کا فیصلہ ہوگا جبکہ امام احمد کا یہ فرمان ہے اگر عضو صحیح ہو تو جتنی دیت لازم ہوتی ہے اس کا تیسرا حصہ لازم ہوگا کیونکہ عمرو بن شعیب کی حدیث ہے جو وہ اپنے والد اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس بے نور آنکھ جو اپنی جگہ موجود ہو جب اسے ضرب لگا کر نکال دیا تو صحیح آنکھ کا تیسرا حصہ، شل ہاتھ کاٹنے میں صحیح ہاتھ کا تیسرا حصہ، سیاہ دانت میں دانت کی دیت کا تیسرا حصہ ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا(1) اسے امام بیہقی نے امام نسائی کی سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے موقوف روایت ہے کہ شل ہاتھ میں ہاتھ کی دیت کا تیسرا حصہ لازم ہے(2) اپنی جگہ پر موجود آنکھ جو بے نور ہو اس میں صحیح آنکھ کا تیسرا حصہ لازم ہے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا اگر اس کا ہاتھ صحیح تھا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل تھا یا اس کی انگلیاں کم تھیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس کا ہاتھ کاٹا گیا اسے اختیار ہے چاہے تو عیب والا ہاتھ قصاص کے طور پر کاٹ دے۔ اب اس پر مزید کوئی چیز نہیں چاہے تو ہاتھ کی پوری دیت لے لے کیونکہ اس صورت میں پورا پورا حق لینا مشکل ہے۔ اب اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ پورا حق لینے سے درگزر کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا بدل لے لے، جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس کے لئے صرف دیت لینا ہی جائز ہے۔

مسئلہ:۔ دانت توڑنے کی صورت میں قصاص لازم ہوگا۔ جس طرح دانت اکھاڑنے کی صورت میں قصاص لازم ہوتا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ دانت توڑنے کی صورت میں قصاص نہیں ہوگا کیونکہ مساوات ممکن نہیں۔ ہم کہتے ہیں برابری ممکن ہے کیونکہ آری کے ساتھ اسے کاٹا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت انس کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دانت میں قصاص کا فیصلہ کیا۔ اسے امام نسائی نے روایت کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ ربیع نے جو حضرت انس بن مالک کی پھوپھی تھی انصار کی ایک عورت کا ثنیہ (سامنے والے دو دانت) توڑ دیئے۔ وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ تو حضرت انس بن نضر جو حضرت انس بن مالک کے چچا تھے نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے ثنیہ کو نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہے۔ قوم راضی ہوگئی اور دیت قبول کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ایسے بھی بندے ہیں اگر وہ قسم اٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے پورا کرے گا(3) متفق علیہ۔

مسئلہ:۔ نفس (قتل کرنے) سے کم میں شبہ عمد کا حکم جاری نہیں ہوتا۔ وہ یا تو عمد میں ہوگا یا خطا میں ہوگا کیونکہ نفس سے کم میں شبہ عمد بھی عمد شمار ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ جان کے اتلاف (قتل) سے کم میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص جاری نہیں ہوتا۔ اسی طرح آزاد اور غلام کے درمیان، اسی طرح دو غلاموں کے درمیان بھی قصاص جاری نہیں ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک تمام صورتوں میں قصاص جاری ہوگا مگر اس صورت میں قصاص جاری نہیں ہوگا جب کوئی آزاد کسی غلام کا کوئی عضو کاٹ دے کیونکہ ان ائمہ کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ غلام کے بدلے میں آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ یہ آیت عام ہونے کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے خلاف دلیل ہے۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اعضاء کی حیثیت اموال کی سی ہوتی ہے اس لئے قیمت میں فرق ہونے کی وجہ سے مساوات نہ رہے گی جو یہاں قطعی طور پر معلوم ہے کیونکہ شرع نے ان کی قیمت لگائی ہے اس وجہ سے اس

1۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 250 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 214 (المحاسن) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 59 (قدیمی)

(قیمت) کا قیاس کرنا ممکن ہے انسانی جان کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں جو چیز تلف ہوئی ہے وہ زندگی ہے جو روح کے نکلنے سے واقع ہوئی اس میں کوئی تفاوت نہیں۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسلمان اور ذمی کے اعضاء میں قصاص واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں کی دیت برابر ہے امام شافعی اور امام احمد نے کہا اگر مسلمان نے کافر کا کوئی عضو کاٹ دیا تو ان میں قصاص جاری نہ ہوگا کیونکہ ان کے درمیان جان میں قصاص جاری نہیں ہوگا یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ ...... كَفَّارَةٌ لَّهُ: حقدار زیادتی کرنے کو معاف کر دے اور قصاص نہ لے تو یہ حق دار کی طرف سے اپنے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت حسن، حضرت شعبی اور قتادہ نے یہی کہا ہے ابن مردویہ نے ایک انصاری سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس ارشاد فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ (1) کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا یہ وہ آدمی ہے جس کا دانت توڑا گیا یا اس کا ہاتھ کاٹا گیا یا کوئی اور چیز کاٹی گئی یا اس کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کیا گیا وہ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے تو معاف کرنے والے کے اسی مقدار میں گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں مگر اس عمل میں چوتھائی دیت لازم آتی تھی تو اس کے گناہوں کا چوتھا حصہ معاف کر دیا جاتا ہے اگر دیت کا تیسرا حصہ لازم آتا ہے تو اس کے گناہوں کا تیسرا حصہ معاف کر دیا جاتا ہے اگر پوری دیت لازم آتی تھی تو اس کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں امام طبرانی نے کبیر میں حسن سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے جسم کا کوئی حصہ صدقہ کیا اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے امام طبرانی اور بیہقی نے سخبرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے کوئی مصیبت آئی تو اس نے صبر کیا جسے دیت دی گئی تو اس نے شکر کیا جس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا جس پر زیادتی کی گئی تو اس نے دعائے مغفرت کی تو ان کے لئے امان ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابودرداء سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس آدمی کو بھی جسم میں زخم لگا تو اس نے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کا درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے (2) جب ہمارے شیخ اور امام (مرزا جان جاناں) کو زخمی کیا گیا جس میں آپ کا وصال ہو گیا تو امیر امراء (مرزا نجف خان) نے پیغام بھیجا اے شیخ جنہوں نے آپ پر زیادتی کی میں ضرور ان سے بدلہ لوں گا تو شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جس نے مجھ پر زیادتی کی ہے اس کو کچھ نہ کہنا حضرت شیخ نے قصوروار کو معاف کر دیا ایک قول یہ کیا گیا کہ كَفَّارَةٌ لَّهٗ میں ہ ضمیر زیادتی کرنے والے کی طرف لوٹ رہی ہے جو سابقہ کلام سے سمجھا جا رہا ہے (اگرچہ صراحۃً اس کا ذکر نہیں) تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ مظلوم کا معاف کرنا یہ زیادتی کرنے والے کے لئے کفارہ ہوگا آخرت میں اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا جس طرح قصاص قصوروار کے جرم کا کفارہ ہے معاف کرنے والے کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے معاف کیا اور اپنی اصلاح کی اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے امام بغوی نے فرمایا یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے مجاہد، ابراہیم اور زید بن اسلم نے بھی یہی کہا ہے اس آیت کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ جس پر قصاص واجب ہو چکا تھا اس نے قصاص کے حکم کی اطاعت کی تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 510 (العلمیہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 167 مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور

۳؎ جو آدمی بھی اس حکم پر عمل نہیں کرتا وہی ظالم ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

"اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لئے ۱؎ اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ ۲؎"

۱؎ قَفَّيْنَا کا مفعول بہ ہم ضمیر محذوف ہے اسے حذف اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ بعد والا جار مجرور اس پر دلالت کرتا ہے آثَارِهِمْ میں هِمْ ضمیر سے مراد نبیین ہیں جو اس حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ عیسیٰ بن مریم یہ فعل کا مفعول ثانی ہے۔ فعل کو با حرف جار کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ فِيْهِ هُدًى ترکیب کلام میں انجیل سے حال ہے اس لئے محل نصب میں ہے۔ بَيْنَ يَدَيْهِ میں ضمیر سے مراد انجیل ہے۔ مِنَ التَّوْرٰةِ میں اس کا عطف فِيْهِ هُدًى پر ہے اسی طرح وَهُدًى وَمَوْعِظَةً مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں جن کا عطف محذوف کلام پر ہے یعنی رَحْمَةً لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ میں متقین کو خاص اس لئے کیا ہے کیونکہ وہی ہدایت اور نصیحت سے نفع حاصل کرتے ہیں یا یہ محذوف کلام کے ساتھ متعلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وَاٰتَيْنٰهُ هُدًى وَّمَوْعِظَةً مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کا عطف ان پر کیا گیا ہے۔

۲؎ حمزہ کی قرأت میں ولیحکم کے لام کو کسرہ دیا گیا ہے اور یحکم پر نصب دی گئی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وَلِكَيْ يَحْكُمَ پہلی تاویل کی صورت میں لام کی محذوف کلام کے متعلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی وَاٰتَيْنَا لِيَحْكُمَ مگر جمہور کی قرأت کے مطابق لام ساکن ہے اور فعل کے آخر میں جزم ہے۔ اس صورت میں یہ امر کا صیغہ ہوگا۔ اور جملہ مستانفہ ہوگا اگر یہ سوال کیا جائے کہ انجیل تو قرآن کے ساتھ منسوخ ہو چکی ہے اور امر کا صیغہ زمانہ حال یا استقبال کے لئے ہوتا ہے تو جو کچھ انجیل میں ہے اس کے حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس کے تمام احکام منسوخ ہیں۔ ان میں سے جو منسوخ ہے اس کا قرآن کی اتباع کرتے ہوئے چھوڑنا ضروری ہے۔ یہ انجیل میں بھی حکم تھا قرآن حکیم میں ناسخ کا حکم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انجیل میں نازل فرمایا تھا۔ اب اگر منسوخ ہونے کے بعد اس کا حکم دیں گے تو انجیل کے حکم پر بھی عمل کا ترک لازم آئے گا۔ اہل انجیل سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہے مگر یہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ہے، جبکہ آپ کی بعثت کے بعد اہل انجیل سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے کیونکہ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ اس کے حکم سے انحراف کرنے والا ہے یا اس کی تحقیر کرنے کی وجہ سے ایمان سے خارج ہونے والا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ

بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

"اور (اے حبیب ﷺ) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر [1] تو آپ فیصلہ فرمادیں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ [2] اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو) ایک ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں [3] اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے [4]"

[1] اِلَيْكَ میں کاف ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے مِنَ الْكِتٰبِ سے مراد تمام نازل شدہ کتابیں ہیں پہلے الْكِتَابَ کے اوپر الف لام عہدی ہے اور دوسرے میں الف لام جنسی ہے۔ والبی نے حضرت ابن عباس سے مُهَيْمِنًا کا معنی شَاهِدًا ذکر کیا ہے۔ یہی مجاہد، قتادہ، سدی اور کسائی کا قول ہے، جبکہ عکرمہ نے اس کا معنی دَالًّا کیا ہے۔ سعید بن جبیر اور ابو عبیدہ نے اس کا معنی موتمنا علیہ کیا ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی اَمِينًا کیا ہے۔ سعید بن مسیب اور ضحاک نے اس کا معنی قَاضِيًا کیا ہے۔ خلیل نے اس کا معنی رَقِيبًا اور حَافِظًا کیا ہے، جبکہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں۔ کل کا معنی یہ ہوگا کہ ہر کتاب جس کی شہادت قرآن دے اور اس کی تصدیق کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ ابن جریج نے کہا قرآن سابقہ کتابوں پر امین ہے۔ اہل کتاب اپنی کتابوں کے بارے میں جو بات کریں اگر وہ قرآن میں بھی موجود ہو تو اس کی تصدیق کرو بصورت دیگر اس کو جھٹلا دو۔ معنی یہ ہوگا اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہو تو اہل کتاب کی بات کی تصدیق کرو (1) اگر قرآن میں اس کی تکذیب ہو تو اس کی تکذیب کرو۔ اگر قرآن اس بارے میں خاموش ہو تو تم بھی خاموش ہو جاؤ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اہل کتاب سچے یا جھوٹے ہوں۔ ایک قول یہ کیا مہیمن کی اصل ما یمن علیہ ہے یا امانت سے مفیعل کے وزن پر ہے تو اس کے ہمزہ کو ھاء سے بدل دیا گیا۔

[2] آپ پر لازم ہے کہ لوگوں کے درمیان ان کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نازل کیا کیونکہ یا تو وہ سابقہ کتابوں کے احکام کے موافق ہوگا یا اس کے لئے ناسخ ہوگا۔ اگر لوگ آپ سے اپنی خواہشات کے مطابق نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ لینا چاہیں تو آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ عَمَّا جَاءَكَ ترکیب کلام میں لَا تَتَّبِعْ کے متعلق ہے کیونکہ یہ اپنے ضمن میں لا تنحرف کا معنی لئے ہوئے ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اس حال میں کہ آپ اس حق سے اعراض کر رہے ہوں جو آپ پر نازل ہوا۔ شرعة سے مراد ایسا راستہ ہے جو پانی تک پہنچا دے۔ دین کو اس کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کیونکہ دین بھی حقیقی اور ابدی زندگی تک پہنچنے کا سبب ہے۔ منہاج واضح راستہ کو کہتے ہیں۔ یہ نہج الامر سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب معاملہ خوب واضح ہو جائے۔ امام بیضاوی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہم سابقہ شریعتوں کے مکلف نہیں، جبکہ ہم یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 49 (ماخوذ) (التجاریہ)

کہتے ہیں جب کتاب وسنت سے یہ ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں سے کسی ایک میں کسی امر کا حکم دیا تھا، جبکہ اس کا نسخ ثابت نہ ہوا ہو تو ہم اس کے مکلف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ ہماری شریعت کے احکام ہیں سابقہ کتب میں جو کچھ نازل ہوا اس کے چھوڑنے کا قول کرنا اس کی تائید عقل کرتی ہے نہ نقل کرتی ہے۔ شریعتوں میں اختلاف یا کثر فرعی مسائل میں ہے، اصولی مسائل میں سب متفق ہیں۔

۳؎ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام کو ایک امت بنا دیتا اور تم سب تمام زمانوں میں تمام مسائل فرعیہ میں متفق ہوتے، کسی قسم کا نسخ اور تبدیلی نہ ہوتی لیکن اس نے یہ نہ چاہا بلکہ تمہیں مختلف امتیں بنا دیا اور مختلف شریعتیں عطا فرمائیں تاکہ تمہیں آزمایا جائے کہ کون اللہ کے حکم کی اتباع کرتا ہے اور کون حق سے روگردانی کرتا ہے اور اپنے آباء واجداد کے دین پر ڈٹا رہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے اگر تم سب کو اسلام پر متفق کرنے کا ارادہ کرتا تو تمہیں اس پر مجبور کر دیتا لیکن تمہیں آزمانے کیلئے مجبور نہیں کیا یا اس لئے اچھے اعمال کی طرف جلدی کرو اور اس فرصت کو غنیمت جانو اور سبقت لے جانے کی فضیلت کو اکٹھا کرو کیونکہ جس نے کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اسے ملے گا، جبکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

۴؎ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں سبقت لے جانے کی علت نیز بھلائی کی طرف جلدی کرنے والوں کے لئے وعدہ اور کوتاہی کرنے والوں کے لئے وعید ہے۔

۵؎ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ سے مراد جزاء ہے جو حق پرست اور باطل پرست میں فرق کر دے گی۔ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ کعب بن اسد، عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے کہا چلو محمد ﷺ کے پاس چلیں۔ شاید ہم انہیں دین کے معاملہ میں فتنہ میں ڈال دیں۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے اے محمد ﷺ آپ پہچانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے علماء، معزز اور سردار لوگ ہیں اگر ہم آپ کی اتباع کریں تو یہودی ہماری پیروی کریں گے اور کوئی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمارا اپنی قوم کے ساتھ ایک جھگڑا ہے۔ ہم آپ کے پاس مسئلہ لے کر آئیں گے، آپ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں، ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ حضور ﷺ نے ان کی خواہش پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (1)

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف ۱؎ اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ ۲؎"

۱؎ اَنِ احْكُمْ سے لے کر ما بعد آیت يُوْقِنُوْنَ تک کا عطف الکتاب پر ہے یعنی اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْحُكْمَ۔ یا اس کا عطف الحق پر ہے یعنی اَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ وَبِاَنِ احْكُمْ۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایک جملہ ہو تقدیر کلام یوں ہوگی وَاَمَرْنَا اَنِ احْكُمْ

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 50-51 (التجاریہ)

بَیْنَهُمْ اور وَلَا تَتَّبِعْ کا عطف اَحْكُمْ پر ہے۔ اسی طرح واحذر کا عطف بھی اسی پر ہے۔ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ سے مراد وہ تمہیں گمراہ کریں اور حق سے پھیر دیں۔ اَنْ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر وَاحْذَرْهُمْ کی ضمیر منصوب متصل سے بدل اشتمال ہوگا یا مفعول لہ ہوگا کہ آپ ان سے محتاط رہیں کہ کہیں وہ آپ کو آزمائش میں نہ ڈال دیں۔ (حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے کلام میں ان تقدیروں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک یہ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ سے پہلے مَخَافَةَ کا لفظ محذوف ہے اور دوسری یہ کہ اَنْ کے بعد لا محذوف ہے۔)

یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کریں اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کے سبب انہیں دنیا میں جلد عذاب میں مبتلا کرے گا۔ یہاں اس ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اعراض کے سبب انہیں دنیا میں سزا دینے کا ارادہ کیا ہے۔ یہاں صراحۃً اس لئے ذکر نہیں کیا تا کہ اس اعراض کی عظمت کا ذکر ہو، اس بات پر آگاہی ہوئی کہ ان کے گناہ بہت زیادہ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ سے مراد یہودی ہیں اور فاسقون سے سرکش اور کفر میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

''تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے۔ لے''

لے ابن عامر نے تَبْغُوْنَ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یَبْغُوْنَ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہاں جاہلیت سے مراد ملت جاھلیہ یعنی وہ خواہش نفس کی پیروی کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ آیت بنی قریظہ اور بنو نضیر کے حق میں نازل ہوئی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ ان کے مقتولوں کے بارے میں دور جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق فیصلہ کریں جس میں بنو نضیر کو بنو قریظہ پر فضیلت حاصل تھی۔ اس میں استفہام انکاری ہے یعنی آپ ایسا نہ کریں۔

لِقَوْمٍ میں لام بیانیہ ہے۔ جس طرح اس قول میں لام بیانیہ ہے هیت لک۔ یہ استفہام یقین رکھنے والی قوم کے لئے ہے کیونکہ یہی لوگ امور میں تدبیر کرتے ہیں اور نظر و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زیادہ حسین کسی اور کا حکم نہیں ہو سکتا۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول مسلمان ہوا پھر اس نے کہا میرا بنو نضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ معاہدہ ہے۔ مجھے تو مصائب زمانہ کا خوف رہتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا۔ عبادہ بن صامت نے کہا جو بنو قریظہ اور بنو نضیر سے معاہدہ کرے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں اللہ اور اس کے رسول سے دوستی کرتا ہوں (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ تک نیز اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ اور لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کو نازل فرمایا۔

ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت عبادہ بن صامت سے نقل کیا ہے کہ جب بنو قینقاع کی آپس میں لڑائی ہوئی تو عبد اللہ بن ابی انہیں میں الجھا رہا اور حضرت عبادہ بن صامت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان کے معاہدہ سے برأت کا اظہار کیا۔ بنی عوف بن خزرج کے ایک آدمی کا ان یہودیوں سے اسی طرح کا معاہدہ تھا جس طرح عبد اللہ بن ابی کا تھا۔ اس آدمی نے ان کی دوستی سے برأت کا اعلان کیا، کہا یہ آیت اس کے اور عبد اللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 515 (العلمیہ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

"اے ایمان والو نہ بناؤ (۱) یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے سو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔ ۱ "

۱ اے مومنوں تم یہود و نصاریٰ پر اعتماد کرو اور نہ ہی ان کے ساتھ ایسے معاملات کرو جس طرح دوستوں کے ساتھ معاملات کئے جاتے ہیں بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ میں نہی کی علت کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ تمہاری مخالفت اور تمہیں نقصان پہنچانے پر متفق ہیں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں کیونکہ ان کا دین ایک ہے اور جو ان سے دوستی رکھتا ہے وہ انہیں میں سے ہے، جس طرح عبداللہ بن ابی نے کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابوالحباب یہودیوں کی دوستی سے عبادہ بن صامت پر جو تمہیں ترجیح حاصل ہوگی وہ بھی تمہارے لئے ہوگی اس کے لئے نہ ہوگی تو ابن ابی نے کہا میں اسے قبول کرلوں گا (۱) یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ میں مجازی معنی ہو، یعنی اس سے مراد یہ ہو جس نے ان سے دوستی کی وہ فاسق ہے اور فاسق کافر کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہو کہ مسلمانوں پر ان کی دوستی سے پہلو تہی کرنا فرض ہے اور اس پر تشدید کی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ہر مسلمان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکوں کے ساتھ رہتا ہے (کہ مسلمان اسے کافر سمجھتے ہوئے قتل کر دیا) اسے طبرانی نے ثقہ راویوں کے ساتھ خالد بن ولید سے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اسے جریر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے۔

انہیں ظالم اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے کفار کے ساتھ دوستی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور مومنوں کے دشمنوں کے ساتھ دوستی اختیار کر کے مومنوں پر ظلم کیا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ

"سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے ۱ کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف ۲ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے ۳ وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) دیدے فتح کامل ۴ یا (ظاہر کر دے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے ۵ تو پھر ہو جائیں گے ۶ اس پر جو انہوں

1۔ تفسیر بغوی، جلد2، صفحہ 51 (التجاریہ)

(۱) قاضی عیاض سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ابوموسیٰ اشعری کو حکم دیا کہ انہوں نے جو کچھ وصول کیا اور جو کچھ کسی کو دیا وہ سب لکھ کر پیش کریں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا ایک نصرانی کاتب تھا اس نے تمام تفصیلات پیش کیں۔ حضرت عمر بہت خوش ہوئے فرمایا یہ تو بہت اچھا حافظہ رکھنے والا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا ہمارا شام سے ایک خط آیا ہے اسے مسجد میں جا کر پڑھ دو۔ حضرت ابوموسیٰ نے عرض کی یہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا یہ جنبی ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عرض کی نہیں بلکہ یہ نصرانی ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا حضرت عمر نے مجھے جھڑکا دیا اور میری ران پر ضرب لگائی فرمایا اسے فارغ کر دو پھر یہ آیت پڑھی۔

نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم ہے۔"

۱۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی ہیں۔

۲۔ یہودیوں سے دوستی کرنے اور ان کی معاونت کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ تری کا مفعول ثانی ہے۔ اگر رویت علم کے معنی میں ہو ورنہ اس کے فاعل سے حال ہوگا۔

۳۔ یقولون یہ یسارعون کی ضمیر سے حال ہے دائرۃ سے مراد حادثات زمانہ ہیں مطلب یہ ہے معاملہ الٹ جائے اور حکومت کفار کی آ جائے ابھی حضرت محمد ﷺ کو مکمل غلبہ حاصل ہی نہ ہو کہ ہم پھر مغلوب ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس نے یہی کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت آ جائے اور ہمیں ان کی مدد کی ضرورت ہو یا ہمیں خشک سالی آ لے اور یہ ہمیں غلہ نہ دیں۔ ابن جریر نے عطیہ اور ابن اسحاق کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے یہودی دوست ہیں جن کی تعداد بے شمار ہے میں ان کی دوستی سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے تعلق قائم کرتا ہوں۔ ابن ابی نے کہا مجھے تو حادثات زمانہ کا ڈر ہے، میں ان کی دوستی سے برأت کا اظہار نہیں کر سکتا(1) امام بغوی نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابوالحباب یہودیوں کے ساتھ دوستی میں جو تمہیں عبادہ پر ترجیح حاصل ہوگی وہ تیرے لئے ہوگی، اس کے لئے نہ ہوگی تو اس نے کہا میں اسے قبول کرلوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا(2)

۴۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا یہاں فتح سے مراد حضور ﷺ کی مدد کا قطعی فیصلہ ہے۔ کلبی اور سدی نے کہا فتح سے مراد فتح مکہ ہے(3) ضحاک نے کہا فتح سے مراد فتح خیبر اور فدک کے علاقوں کی فتح ہے۔

۵۔ اس سے مراد منافقین کے رازوں کو ظاہر کرنا، انہیں قتل کرنا، انہیں ذلیل ورسوا کرنا، بنی قریظہ کو قتل کرنا، بنی نضیر کو جلاوطن کرنا اور جزیرہ عرب سے یہودیوں کا خاتمہ ہے۔

۶۔ یہ منافق ہو جائیں۔ یہ فعل اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے جو فاء سببیہ کے بعد مقدر ہے۔ یہاں عَسٰى لَعَلَّ کے معنی میں ہے تمنی کے ملحقات میں سے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تمنی کے معنی ہے لَعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ یہاں بھی فاطلع کو نصب اسی حوالے سے دی گئی ہے میں یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف فتح پر ہو تقدیر کلام یوں ہوگی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ وَ صيرورة المنافقين نادمين یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف یَاْتِیَ پر ہے یہ یا تو اس تقدیر پر ہوگا کہ اَنْ يَّاْتِيَ کو عسٰی کا اسم بنایا جائے جو لفظ اللہ اسم جلالت کا بدل ہو یہ کیونکہ اپنے اندر معنی حدثی رکھتا ہے اس لئے اسے خبر کی ضرورت نہیں یا عسى الله ان ياتى کو عسی ان یاتی اللہ کی جگہ رکھا جائے کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے پھر تقدیر کلام یہ ہوگی عَسٰى اَنْ يَّاْتِيَ اللّٰهُ بِالْفَتْحِ، وَ عَسٰى اَنْ يصبحوا مگر اس میں شرط یہ ہوگی کہ اَنْ يَاتِ، عَسٰى کی خبر ہو کیونکہ اس صورت میں عَسٰی کی خبر میں ایک ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو عسی کے اسم کی طرف لوٹے یہ بھی ہے کہ اقسموا باللہ میں لفظ اللہ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے۔

۷۔ جو نفاق اور کفار کی دوستی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں اس پر بھی شرمندہ ہوں گے چہ جائیکہ وہ ظاہر اعمال جو ان کے نفاق کا شعور دلاتے ہیں۔ نادمین یہ یصبحوا کی خبر ہے۔ جار مجرور اس کے متعلق ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 51 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

"اور (اس وقت) کہیں گے ایمان والے [1] کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سخت سے سخت [2] کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں [3] اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر) نقصان اٹھانے والے [4]۔"

[1] کوفیوں نے یہاں واؤ اور یقول کو مرفوع پڑھا ہے اس لئے کہ یہ نئی کلام ہے۔ ابن کثیر، نافع اور ابن عامر نے واؤ کے بغیر پڑھا ہے۔ ان کے مصاحف میں بھی یہ اسی طرح ہے اور یقول کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سائل یہ کہتا ہے کہ مَاذَا يَقُوْلُ الْمُؤْمِنُوْنَ حِيْنَئِذٍ ابو عمرو اور یعقوب نے اسے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ یقول کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف یصبحوا پر ہے معنی یہ ہوگا جب فتح آئے گی تو منافق شرمندہ ہوں گے اور مومن متعجب ہوتے ہوئے کہیں گے یا اس میں دوسرے احتمالات جاری ہوں گے جو ہم نے فیصبحوا میں ذکر کئے ہیں اور تقدیر کلام یہ ہوگی عَسٰى اَنْ يَّاْتِيَ اللّٰهُ بِالْفَتْحِ وَقَوْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَذٰلِكَ یا اس کی تقدیر یہ ہوگی عَسٰى اَنْ يَّقُوْلَ يَاْتِيَ اللّٰهُ بِالْفَتْحِ اَوْ عَسَى الْمُؤْمِنُوْنَ یا یہ تقدیر ہوگی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

[2] هٰؤُلَآءِ سے مراد منافق ہیں۔ جَهْدَ سے مراد سخت ہے، یہ مصدر ہے جو جملہ کے قائم مقام ہے جو حال بن رہا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ يَجْتَهِدُوْنَ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔ اسی وجہ سے اس کا معرفہ ہونا بھی جائز ہے یا یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کو نصب اَقْسَمُوْا فعل دے گا کیونکہ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔

[3] یہ جملہ جواب قسم ہے، یعنی تعجب کرتے ہوئے ایک دوسرے کو یہ کہیں گے کیونکہ منافقوں نے قسمیں اٹھائیں تھیں کہ وہ مومنوں کے ساتھ ہیں یا اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی نعمت فرما کر جو ان پر احسان کیا ہے اس پر خوش ہو کر یہ کہیں گے یا یہودیوں سے کہیں گے کیونکہ منافق یہودیوں کے لئے قسمیں اٹھاتے تھے کہ ہم ایک دوسرے کو قوت بہم پہنچائیں گے اور انہیں کہتے اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔

[4] وہ دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہوں گے یہ جملہ یا تو مومنوں کا مقولہ ہے یا اللہ تعالیٰ کی کلام ہے اور ان کے اعمال کے ضائع ہونے اور ان کے خسارہ پانے پر گواہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

"اے ایمان والو جو پھر گیا [1] تم میں سے اپنے دین سے [2] (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے [3] جو نرم ہوں گے [4] ایمان داروں کے لئے [5] بہت

سخت ہوں گے کافروں پر ؎ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں ؎ اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ؎ یہ (محض) ؎ اللہ کا فضل و کرم ہے نوازتا ہے ؎ اس سے جسے چاہتا ہے ؎ اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ ؎(1)"

؎ نافع اور ابن عامر نے فک ادغام کی صورت میں یرتدد پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ادغام کی صورت میں دال پر فتحہ پڑھا ہے۔

؎ یعنی اسلام سے کفر کی جانب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایک قوم اسلام سے پھر جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی۔

؎ اس میں ضمیر عائد محذوف کی طرف لوٹ رہی ہے تقدیر کلام یوں ہو گی فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ تَعَالٰی بِمُقَابَلَتِهِمْ قَوْمًا مِّنْكُمْ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ کے لئے تمہیں میں سے ایک قوم پیدا فرمادے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے۔ اس قوم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت علی بن ابی طالبؓ حضرت حسنؓ ضحاک اور قتادہ نے کہا وہ حضرت ابوبکر اور آپ کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدوں اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جنگ کی تھی اس کی وجہ یہ بنی کہ جب نبی کریم ﷺ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا۔ عام عرب قبائل مرتد ہو گئے مگر مکہ اور مدینہ کے لوگ نیز طائف کے لوگ اس سے محفوظ رہے۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ان سے جنگ کرنے کا قصد کیا۔ دوسرے صحابہ نے اسے ناپسند کیا۔ حضرت عمر نے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ جس نے یہ کہا اس نے مجھ سے اپنا

---

(1) حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا جبکہ اسے علم تھا کہ لوگوں میں سے کچھ مرتد ہوں گے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو عام عرب مرتد ہو گئے مگر تین بستیوں کے لوگ اسلام پر قائم رہے اہل مدینہ اہل مکہ اور اہل طائف جو عبدالقیس کی اولاد تھے۔ جو لوگ مرتد ہوئے انہوں نے کہا ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہ دیں گے اللہ کی قسم ہمارے اموال کو کوئی غصب نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق سے اس بارے میں بات چیت کی گئی کہ آپ ان سے درگزر کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ سے یہ کہا گیا خبردار اگر یہ دین کو سمجھ گئے تو زکوٰۃ بھی دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ان دو چیزوں کو فرق نہ ہونے دوں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھے ذکر کیا ہے۔ اگر انہوں نے عقال دینے سے بھی انکار کیا جو ان پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ بھی چند جماعتیں کر دیں جنہوں نے مرتدوں کے ساتھ جنگ کی۔ یہاں تک کہ انہیں مغلوب کر دیا گیا اور انہوں نے زکوٰۃ دینے کا اقرار کیا۔ قتادہ نے کہا ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم لائے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابوالشیخ، بیہقی نے اپنی سنن اور ابن عساکر نے اسے نقل کیا ہے۔

فائدہ: مرتدین کے ساتھ جنگ صرف حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں ہوئی۔ صحابہ نے آپ پر ملامت کی اور ابتداء میں اس جنگ کو ناپسند کیا لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ان کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ کی پھر آخر میں انہوں نے حضرت ابوبکر کی تعریف کی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا آپ نے فرمایا وہ اہل یمن میں سے پھر اہل کندہ میں سے پھر سکون میں سے پھر تجیب میں سے ہیں (یعنی ان میں سے تخصیص فرمائے گئے) قاسم بن مخیمرہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ پر مرحبا فرمایا پھر اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور تین بار فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتا ہوں وہ لوگ تم میں سے ہوں گے۔ امام بخاری نے اسے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں حضرت ابوبکر صدیق کے لشکروں کی اہل یمن کی مدد سے مرتدوں سے جنگ ہوئی تھی۔

مال اور جان محفوظ کر لیا مگر اس پر جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اللہ کی قسم میں اس سے جنگ کروں گا جس نے نماز و زکوٰۃ میں فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے مجھے بکری کا بچہ نہ دیا جو وہ حضور ﷺ کو دیتے تھے تو میں ایسا کرنے پر ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت انس بن مالک نے کہا صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کو ناپسند کیا۔ انہوں نے کہا یہ اہل قبلہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے تلوار گلے میں لٹکائی اور اکیلے ہی نکل پڑے۔ اب صحابہ کو آپ کے پیچھے نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا ہم نے ابتداءً اسے ناپسند کیا۔ آخر کار آپ کی تعریف کی۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا میں نے ابو حفص کو یہ کہتے ہوئے سنا انبیاء کے بعد حضرت ابوبکر سے بڑھ کر کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے یہ بھی کہا نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تین جماعتیں مرتد ہوئی تھیں ان میں سے ایک مذحج تھی۔ انکا رئیس ذوالحمار عبہلہ بن کعب عنسی تھا، جس کا لقب اسود تھا، یہ شعبدہ باز کاہن تھا۔ اس نے یمن کے علاقہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنے علاقوں پر غالب آ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور دوسرے مسلمانوں کو خط لکھا اور انہیں حکم دیا لوگوں کو اپنے دین پر قائم رہنے پر برانگیختہ کریں اور اسود عنسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے برانگیختہ کریں۔ فیروز دیلمی نے اسود عنسی کو اس کے بستر پر ہلاک کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی رات خبر دی گئی جس رات اسے قتل کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسود عنسی آج رات قتل کر دیا گیا۔ اسے ایک بابرکت آدمی نے قتل کیا ہے۔ آپ سے عرض کی گئی وہ بابرکت آدمی کون ہے؟ فرمایا فیروز۔ فیروز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اسود عنسی کے ہلاک ہونے کی خوشخبری سنائی۔ اگلے روز آقائے دو عالم ﷺ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا اور ربیع الاول کے آخر میں اسود عنسی کے قتل کی خبر مدینہ طیبہ پہنچی، جبکہ حضرت اسامہ کا لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ یہ فتح کی پہلی خبر تھی جو حضرت ابوبکر صدیق کو پہنچی تھی۔

دوسری مرتد جماعت بنو حنیفہ تھی جو یمامہ میں رہتے تھے ان کا رئیس مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے سن دس ہجری کے آخر میں دعویٰ نبوت کیا اور نبی کریم ﷺ کو اس طرح خط لکھا، مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد ﷺ کی طرف۔ بے شک نصف زمین میرے لئے ہے اور نصف زمین آپ کے لئے ہے۔ اس نے اپنے ساتھی بھی خط کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا اگر یہ قاعدہ نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا پھر حضور ﷺ نے یوں اس کے خط کا جواب دیا۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ اس کے بعد زمین سب اللہ تعالیٰ کی ہے جسے چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے۔ عاقبت متقین کے لئے ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ نے پردہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحشی غلام کے ہاتھوں اسے ہلاک کر دیا جس کا نام مطعم بن عدی تھا۔ جس نے حضرت حمزہ کو غزوہ احد میں شہید کیا تھا۔ وحشی کہا کرتا تھا میں نے دور جاہلیت میں سب سے بہتر انسان کو قتل کیا اور اسلام میں سب سے برے آدمی کو قتل کیا۔

تیسری مرتد جماعت بنو اسد تھی ان کا رئیس طلیحہ بن خویلد تھا۔ طلیحہ نے حضور ﷺ کے زمانہ میں سب سے آخر میں دعویٰ نبوت کیا اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد مرتدوں میں سب سے پہلے جس کے ساتھ جنگ کی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت خالد بن

ولید کو بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید نے زبردست لڑائی کے بعد انہیں شکست دی۔ طلیحہ پسپا ہو گیا اور جدھر منہ آیا شام کی طرف بھاگ گیا۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں بہت زیادہ لوگ مرتد ہو گئے ان میں سات قبیلے یہ تھے۔

(1) فزارہ جو عیینہ بن حصین کی قوم تھی (2) غطفان جو قرۃ بن سلمہ قشیری کی قوم تھی (3) بنو سلیم جو فجاۃ بن عبد یالیل کی قوم تھی (4) بنو یربوع جو مالک بن نویرہ کی قوم تھی (5) تمیم کے کچھ لوگ جو سجاح بن منذر کی قوم تھی۔ اس عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مسیلمہ کذاب سے شادی کی تھی بعد میں اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا (6) کندہ۔ یہ اشعث بن قیس کی قوم تھی (7) بنو بکر بن وائل جو بحرین میں رہتے۔ یہ حطیم کی قوم تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے خلاف ہمت دی اور حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اپنے دین کی مدد کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو عرب قبائل مرتد ہو گئے اور نفاق جڑ پکڑ گیا اور میرے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق پر وہ مصائب آئے، اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر بھی واقع ہوتے تو انہیں ریزہ ریزہ کر دیتے۔ حضرت فاروق اعظم کے دور میں جبلہ بن ایہم کی قوم مرتد ہوئی۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت فاروق اعظم نے ایک غریب آدمی کا قصاص جبلہ بادشاہ پر جاری کرنے کا حکم دیا۔ وہ خود نصرانی ہو گیا اور شام بھاگ گیا۔

ایک قوم نے کہا اس قوم سے مراد اشعری ہیں عیاض بن غنم سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد اس کی قوم ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کیا (1) ابن جریر نے اسے اپنی سنن اور طبرانی اور حاکم نے اسے روایت کیا ہے یہ یمن کے لوگ تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں یہ کمزور اور نرم دل والے ہیں۔ ایمان تو یمن والوں کا ہے اور حکمت بھی یمنی ہے (2) متفق علیہ۔ کلبی نے کہا یہ یمن کے قبائل ہیں دو ہزار نخع کے۔ پانچ ہزار کندہ اور بجیلہ کے اور تین ہزار مختلف قبائل تھے۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظم کے دور میں قادسیہ میں جنگ کی تھی (3)

یہ اذلۃ یہ ذلیل کی جمع ہے یہ ذل یذل ذلا ذلالۃ سے مشتق ہے۔ اسی طرح اس کا مصدر ذلۃ' مزلۃ اور ذلالۃ آتا ہے۔ اس کا معنی نرم ہونا ہے قاموس میں اسی طرح ہے اگر یہ نرمی انسان کی اپنی طرف سے ہو تو یہ پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ یعنی ان دونوں (والدین) کے لیے تو اضع کرنے والا بن جا۔ اگر یہ ذلت اور پستی کسی دوسرے کی وجہ سے اس پر طاری ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا اس پر عذاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان پر ذلت چھائی ہوگی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کر دی جائے گی۔ ذلت کی ضد عز ہے جس کا معنی غلبہ ہے۔ عزیز اسے کہتے ہیں جو غالب ہو مغلوب نہ ہو۔ اگر یہ چیز انسان کی اپنی طرف سے ہو تو یہ مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ یہاں عزت کا لفظ خود ساختہ غلبہ (تکبر) کے معنی میں استعمال ہے۔ بعض اوقات یہ مجازاً حمیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ یہاں عزت حمیت کے معنی میں ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو تو یہ کمال اور نعمت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے ہر وہ عزت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو وہ ذلت ہے۔ امام بیضاوی نے ارشاد فرمایا اذلۃ یہ ذلیل کی جمع ہے، ذلول کی جمع نہیں کیونکہ ذلول کی جمع ذلل آتی ہے (4) لیکن قاموس میں ہے کہ ذلیل کی جمع ذلال' اذلاء اور اذلۃ ہے۔ ذلول کی جمع ذلل اذلۃ ہے۔ اذلۃ دونوں کی جمع

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 54-53 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 54 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 54 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 153 (فراس)

ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ ذلول کی جمع ہے تو یہ صعب کی ضد ہے۔ ان دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ دونوں کا ماحصل معنی ہے وہ تواضع کرنے والے، نرم رحم کرنے والے، اور باہم شفقت کرنے والے ہیں۔

۵ قیاس تو یہ تھا کہ یہاں لِلْمُؤْمِنِيْنَ کا لفظ ہوتا۔ یہاں لام کی جگہ علیٰ کا لفظ ذکر کیا ہے قاعدہ مشاکلہ کی بنا پر کیونکہ مقابلہ میں کلام آنے کی وجہ سے اس نے علیٰ کا تقاضا کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ کرنا مقصود تھی کہ ان کی یہ تواضع مومنین کے لئے خاص ہے، جبکہ ان کا مرتبہ اور شان ان لوگوں سے بہت بلند ہے جن کے لئے یہ تواضع کر رہے ہیں یا یہ علیٰ لام کے معنی میں نہیں بلکہ اپنے اصلی اور وضعی معنی میں ہے۔ اسے بطور صلہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ ذل عطف اور حنو کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے یا اذلۃ کا اعزۃ کے مقابلہ میں ذکر اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ مومنوں پر غالب نہیں۔ گویا کلام یوں کی گئی ہے غَيْرِ اعِزَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۶ یعنی وہ کافروں پر شدید ہیں، ان پر غالب ہیں، ان کے مقابلہ میں عاجزی کا اظہار کرتے ہیں نہ کمزوری کا اظہار کرتے ہیں اسی آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔

۷ اعزۃ میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس سے یہ جملہ حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قوم کی دوسری صفت ہو۔

۸ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ واؤ حالیہ بھی ہو سکتی ہے، یعنی وہ جہاد کرتے ہیں اس حال میں کہ انہیں کفار کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ جس طرح منافقین کا حال ہے وہ اسلام کے لشکروں میں نکلتے تو انہیں یا تو نفاق کے ظاہر ہونے کا خوف ہوتا یا مال غنیمت کی طمع ہوتی۔ اس کے باوجود وہ اپنے یہودی دوستوں کی ملامت سے ڈرتے رہتے۔ وہ کوئی ایسا کام نہ کرتے جس کے بارے میں انہیں یہ خیال ہوتا کہ یہودیوں کی طرف سے انہیں ملامت کا سامنا ہوگا یا یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا عطف يُجَاهِدُوْنَ پر ہے، یعنی یہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو جہاد اور دین میں مضبوطی کو جامع ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم پیغام حق سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے(1) ہم جہاں کہیں ہوں گے حق قائم کریں گے اور حق ہی کہیں گے ہم اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے متفق علیہ لومۃ لوم سے تعداد بیان کرنے کے لئے بطور مصدر استعمال ہوتا ہے۔ لومۃ اور لائم کو نکرہ ذکر کرنے میں مبالغہ کا اظہار ہے۔ گویا یہ فرمایا وہ کسی بھی ملامت کرنے والے کی کسی بھی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

۹ ذٰلِکَ اس کا مشار الیہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور محبوبیت، مومنوں کے لئے نرم خو ہونا، کفار پر غالب ہونا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنا ہے، جبکہ انہیں میں سے کئی قومیں مرتد ہو گئیں اور ان کی قوت و شوکت کم ہو گئی۔

۱۰ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل اور اس کا احسان ہے۔

۱۱ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے حق میں چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے۔ جو انسان اپنے اندر ان میں سے کوئی بھی وصف دیکھے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور فخر و مباہات کا اظہار نہ کرے۔ جو انسان اوصاف حمیدہ سے متصف ہو اس سے فخر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

۱۲ اس کا فضل اور قدرت بہت وسیع ہے۔ صوفیاء نے کہا اس کی وسعت وسیع ہے اور بلا کیف ہے۔ اس کے کمالات تمام مظاہر میں ہیں، ظاہر و نمایاں ہیں۔ وہ اپنی قدرت کے اعمال کے تمام مواقع سے آگاہ ہے۔ اس کی حکمت جس امر کا تقاضا کرتی ہے وہ اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 56 (قدیمی)

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾

”تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں [1] جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں [2] اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔ [3]“

[1] اس آیت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ ہے لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ۔ درمیان میں یا تو نہی کی تاکید کے لئے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ یا وہ جو ولایت کا مستحق ہے۔ اس کی تمہید کے طور پر اسے ذکر فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور یہ آیت ان کی تعیین کے لئے لائی گئی جو ولایت کے حقدار ہیں بصریوں کے قول کے مطابق جو نفی ان سے کبھی جارہی ہے یہ اس سابقہ نہی کی تاکید کے لئے ہے جو سابقہ کلام سے کبھی جارہی تھی۔ یہاں وَلِيُّكُمْ فرمایا ہے اولیاء کم نہیں فرمایا مقصود اس چیز سے باخبر کرنا ہے۔ اصل میں ولایت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی ولایت بالتبع ہے۔

[2] الَّذِينَ يُقِيمُونَ یہ الَّذِينَ آمَنُوا کی صفت ہے کیونکہ یہ اسم موصول کے قائم مقام ہے اگر الَّذِينَ آمَنُوا کے لئے موصوف کو مقدر مانا جائے تو یہ موصوف کی دوسری صفت ہوگی یا یہ اس سے بدل ہوگا۔ اسے بطور مدح منصوب پڑھنا بھی جائز ہے یا اسے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہوگا۔ اس صورت میں اس سے پہلے مبتدا مقدر ہوگا جو هُمْ ضمیر ہوگی یا یہ جملہ مستانفہ ہوگا جو مقدر سوال کا جواب ہوگا سوال یہ ہے کہ من الَّذِينَ آمَنُوا ایمان لانے والے کون ہیں۔

[3] وَهُمْ رَاكِعُونَ میں واو عاطفہ ہے اور اس کا عطف يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا وہ رکوع والی نماز پڑھتے ہیں، جبکہ یہود و نصاریٰ کی نماز اس نماز سے مختلف ہے کیونکہ ان کی نماز میں کوئی رکوع نہیں ہوتا یا اس کا معنی یہ ہے وہ اپنی نماز اور زکوٰۃ میں خضوع اور خشوع کرنے والے ہیں۔ جوہری نے کہا کبھی کبھی رکوع تواضع اور عاجزی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ واؤ حالیہ ہو اور یہ جملہ یوتون کے فاعل سے حال ہو، یعنی وہ احسان کی طرف جلدی کرتے ہوئے حالت رکوع میں ہی زکوٰۃ دیتے ہیں طبرانی نے اوسط میں ایسی سند سے روایت کی ہے جس میں مجہول راوی ہیں اور وہ عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا کے پاس ایک سائل آیا، جبکہ آپ نوافل پڑھ رہے تھے اور حالت رکوع میں تھے آپ نے اپنی انگوٹھی اتاری اور سائل کو دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔ عبدالرزاق بن عبدالوہاب بن مجاہد نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا یہ آیت حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔ ابن جریر نے مجاہد اور ابن ابی حاتم نے سلمہ بن کہیل سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے۔ ثعلبی نے ابوذر سے اور حاکم نے علام الحدیث میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ یہ وہ شواہد ہیں جن میں سے بعض بعض کو قوت بہم پہنچاتے ہیں۔ یہ قصہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نماز میں تھوڑا سا عمل نماز کو باطل نہیں کرتا۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ نیز نفلی صدقہ کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس آیت کا نزول یہ آپ کے ساتھ حکم کے خاص ہونے کا تقاضا نہیں کرتا

کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، مورد کے خصوص کا نہیں ہوتا جس پر جمع کا صیغہ بھی دلالت کرتا ہے۔ شاید یہاں رکوع کا ذکر تمثیل کے طریقہ پر ہے یا اس واقعہ کے نتیجہ میں ہے۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ جونہی ان سے سوال کیا جائے بغیر مہلت کے وہ زکوۃ دیتے ہیں۔ امام بیضاوی نے کہا اگر یہ قول صحیح ہو کہ یہ آیت حضرت علی شیر خدا کے حق میں نازل ہوئی تو شاید جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا تا کہ لوگوں کو اس قسم کا کام کرنے کی رغبت دلائی جائے تا کہ وہ بھی اس حکم کا مصداق بن جائیں (1)

میں یہ کہتا ہوں اگر اس سے مراد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے تو بصریوں کے قول کے مطابق اِنَّمَا سے حصر اضافی (ا) مراد ہوگا اور وہ یہود و نصاریٰ ہوں گے۔ مومنین سے حصر نہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ میں حصر اضافی مراد ہے۔

امام بغوی نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ روایت حضرت عبادہ بن صامت اور عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی۔ جب حضرت عبادہ بن صامت نے یہودیوں سے اپنی برأت کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا میں اللہ اس کے رسول اور مومنوں کو دوست بناتا ہوں تو ان کے بارے میں یاَ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے لے کر اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ الآیہ تک آیات نازل ہوئیں۔ اس سے مراد حضرت عبادہ اور دوسرے صحابہ ہوں گے اور کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ہماری قوم بنو قریظہ اور بنو نضیر نے ہم سے قطع تعلق کر لی اور قسمیں اٹھائی ہیں کہ وہ ہماری مجلس میں نہیں بیٹھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا ہم اللہ اس کے رسول اور مومنوں کے دوست ہونے پر راضی ہیں (2) جو یبر نے ضحاک سے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ مومن ہیں جن میں سے بعض بعض کے دوست ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن علی باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ مومنوں کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ سے عرض کی گئی بعض لوگ کہتے ہیں یہ حضرت علی شیر خدا کے حق میں نازل ہوئی۔ فرمایا آپ بھی تو مومنوں میں شامل ہیں (3) اسے عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے، حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی نے کہا ان روایات کی بناء پر وَهُمْ رٰكِعُوْنَ سے یہ ارادہ کیا کہ وہ نفلی نماز پڑھتے ہیں دن کے وقت یا رات کے وقت (4)

وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾

"اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔ ل"

ل حضرت ابن عباس نے فرمایا یہاں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مہاجرین و انصار ہیں، یعنی جس نے انہیں دوست بنایا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے۔ مقصود اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ ان کے غالب آنے کی دلیل ان کا اللہ والا ہونا ہے۔ گویا کلام یوں کی گئی جو ان سے دوستی بنائے وہ اللہ کی جماعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب ہے۔ نیز ان کے ذکر کو عام کرنا' ان کی شان کی عظمت بیان کرنا' یہ نام دے کر ان کو شرف عطا کرنا اور جو ان کے علاوہ دوسروں سے دوستی رکھے انہیں اشارۃً یہ کہنا ہے کہ وہ

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 154 (فراس) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 55 (التجاریہ) 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

(ا) تمام افراد کو خارج نہیں کیا جائے بلکہ بعض افراد کو خارج کیا جائے گا۔

شیطان کی جماعت ہے۔ قاموس میں ہے حزب سے مراد ورد، جماعت، اسلحہ آدمی کا لشکر اور اس کے ہم رائے لوگ ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں اس سے یہی مراد ہے۔ امام بیضاوی نے کہا حزب سے مراد ایسی قوم ہے جو کسی ناگہانی امر کی وجہ سے اکٹھی ہوئی ہو(1) قاموس میں ہے حزب الامر یعنی اچانک انہیں مصیبت آ پڑی اور معاملہ ان پر سخت ہو گیا۔ رافضیوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ خلافت حضرت علی شیر خدا میں ہی محصور ہے۔ انہوں نے یہ استدلال کیا کہ یہاں ولی سے مراد مسلمانوں کے امور کا متولی اور ان کے معاملات میں تصرف کرنے کا حق رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے لئے اور اپنے رسول کے لئے ولایت کو ثابت کیا ہے اسی طرح حضرت علی کے لئے بھی ولایت کو ثابت کیا ہے اور حصر کے لئے اِنَّمَا کا کلمہ ذکر کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی ولایت عام ہے اسی طرح حضرت علی شیر خدا کی ولایت بھی عام ہے۔ اس لئے امام صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں کوئی اور امام نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب غدیر خم پر پڑاؤ ڈالا تھا تو آپ نے حضرت علی شیر خدا کا ہاتھ پکڑا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کیا تم نہیں جانتے میں مومنوں پر ان کی ذاتوں سے بڑھ کر تصرف کا حق رکھتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا بات اسی طرح ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مومن کی ذات سے بڑھ کر اس کی ذات پر تصرف کا حق رکھتا ہوں۔ لوگوں نے عرض کی کیوں نہیں تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ جس کا میں مولی ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔ اے اللہ جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔ اس کے بعد حضرت عمر حضرت علی شیر خدا سے ملے اور ان سے کہا اے علی مبارک ہو تم صبح شام ہر مومن اور مومنہ کے لئے مولی ہو(2) اسے امام احمد اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے یہ حدیث تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ اسے محدثین کی ایک جماعت نے صحاح، سنن اور مسانید میں تقریباً تیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے۔ جن میں حضرت علی شیر خدا، حضرت بریدہ بن حصیب، حضرت ابو ایوب، حضرت عمرو بن مرہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت عمارہ بن بریدہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت انس، حضرت جریر بن مالک بن حویرث، حضرت ابو سعید خدری، حضرت طلحہ، حضرت ابو الطفیل، حضرت حذیفہ بن اسید اور دوسرے صحابہ ہیں۔ بعض روایات میں یہ ہے من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی ولیہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ روافض نے یہ کہا کہ غدیر خم والی حدیث حضرت علی شیر خدا کی خلافت پر نص جلی ہے۔ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور یہ ہر مومن کے ولی ہیں(3) اسے امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں احادیث آیت سے بنسبت استدلال کے زیادہ مناسب ہیں کیونکہ احادیث حضرت علی شیر خدا کی ولایت میں محکم نص ہیں اور یہ احادیث کسی غیر کی ولایت کو شامل نہیں جبکہ آیت کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اگر یہ صحیح بھی ہو کہ یہ آیت حضرت علی شیر خدا کے متعلق نازل ہوئی تب بھی یہ تمام مومنین کو شامل ہے کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، مورد کے خصوص کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن روافض کا دونوں احادیث اور آیت سے یہ استدلال کرنا کہ کسی دوسرے کی خلافت برحق نہیں درست نہیں، کیونکہ لفظ ولی اور مولی ولی سے مشتق ہے جس کا معنی قرب اور دنو ہے۔ قاموس میں کہا ولی یہ ولی سے بنا ہے۔ محب، صدیق اور مددگار کو ولی کہتے ہیں۔ صحاح میں ہے ولاء اور توالی کا مفہوم یہ ہے کہ دو یا زیادہ چیزیں ایسا قرب پائیں کہ ان میں غیریت باقی نہ رہے۔ اسے مجازاً معانی، نسبت، دین، دوستی، مدد

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 154 (فراس) 2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 281 (صادر) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 213 (وزارت تعلیم)

اعتقاد، ولایت اور حمایت کے قرب کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا اطلاق معاملہ کے ذمہ دار ہونے پر بھی ہوتا ہے۔ قاموس میں مولیٰ سے مراد مالک، غلام، آزاد کرنے والا، جسے آزاد کیا گیا ہو، صاحب، قریبی جیسے چچازاد، پڑوسی، حلیف، کسی کے ہاں رہائش اختیار کرنے والا، شریک، بھانجا، مالک، مددگار، احسان کرنے والا، جس پر احسان کیا گیا ہو، محبت کرنے والا، تابع دار اور دوست ہے۔ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو قرب اور محبت ہے اسے ولایت کہتے ہیں۔ ولی کا اطلاق مومن پر بھی ہوتا ہے جیسے ولی اللہ اور اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مولیٰ کا لفظ بھی آیا ہے جیسے نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اور باہم مومنوں کے درمیان جو رشتہ ہے اس کے لئے بھی مولیٰ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے فرمان فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ آیت اور احادیث نہ تو حضرت علی شیر خدا کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کی خلافت کی نفی کرتی ہیں بلکہ آیت محبت کے مستحق ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حدیث طیبہ آپ کی محبت کے واجب ہونے اور آپ کی عداوت کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جس طرح آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کی محبت کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی محبت اور ان کی مدد حرام ہے۔ ابونعیم مدائنی نے حسن مثنیٰ بن حضرت حسن مجتبیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ والی حدیث حضرت علی شیر خدا کی امامت کے لئے نص صریح ہے فرمایا خبردار اگر رسول اللہ ﷺ اس سے امامت مراد لیتے تو آپ صحابہ کے سامنے اسے واضح فرما دیتے کیونکہ حضور ﷺ مسلمانوں کے لئے دوسرے لوگوں کی بنسبت زیادہ وضاحت سے بیان کرنے والے اور فصیح تھے۔ غدیر خم پر آپ کے خطبے کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ نے حضرت علی شیر خدا کو یمن کی طرف امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے خمس میں سے ایک باندی لے لی۔ بعض لوگوں نے اس بارے میں شکایت کی۔ نبی کریم ﷺ اس شکایت کی وجہ سے غضبناک ہو گئے فرمایا تم اس آدمی کے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں حضور ﷺ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تا کہ مومنوں کے دلوں میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی محبت راسخ ہو جائے اور مومنوں کی شکایت زائل ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّیْ اَوْلٰی بِكُلِّ مُؤْمِنٍ سے غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کو اس بات پر آگاہ کیا جائے کہ حضرت علی شیر خدا کے بارے میں جو حکم ہے اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے۔ حدیث کے آخر میں آپ نے جو دعا فرمائی ہے یہ بھی آپ کی محبت کی تاکید کے لئے ہے۔

میں کہتا ہوں یہ آیت دو وجوہ سے روافض کے دعویٰ کو باطل کرتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ یہ تفسیر کی بنیاد کو اکھیڑ رہی ہے، جبکہ ان کے مذہب کی بنیاد ہی تقیہ پر ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا نے تینوں خلفاء کی پیروی کی' ان کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور تیئس سال تک ان کی معیت میں جہاد کرتے رہے۔ آپ نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ اگر حضرت علی نے یہ تقیہ کرتے ہوئے کیا جب کہ آپ لوگوں سے خوفزدہ تھے تو آپ اس آیت کے حکم میں داخل نہ ہوں گے اس قول باطل کی گنجائش رافضیوں کے ہاں ہی ہے اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے واللہ اعلم۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نجات پانے والی جماعت صرف اہل سنت والجماعت ہیں۔ رافضی یا دوسرے بدعتی اور خواہشات کے غلام نہیں کیونکہ تمام ازمنہ اور تمام علاقوں میں اہل سنت کو غلبہ رہا بلکہ رافضی بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا تینوں خلفاء کے ساتھ رہے مگر تقیہ کرتے ہوئے مغلوب و مقہور

ہو کر، اور آپ کے بعد والے ائمہ نے بھی اپنا دین لوگوں کے خوف کی وجہ سے ظاہر نہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو دین خفیہ طریقہ سے سکھاتے رہے اور اسے مخفی رکھنے کا ہی حکم دیتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے دیواروں کے بھی کان ہیں انہوں نے ویسے ہی امام باقر اور امام جعفر صادق سے اپنی کتابوں میں روایت کی ہوئی ہیں۔ انہیں یہ بھی کہا کہ صاحب امر (امام مہدی) ہزار سال سے ایک جانور کی کھوہ میں چھپے ہوئے ہیں جو سرمن رای (شہر کا نام) میں ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رفاعۃ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے نفاق کے طور پر اسلام ظاہر کیا۔ کچھ مسلمان ان سے محبت رکھتے تھے تو مابعد آیت کریمہ نازل ہوئی (1)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

"اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفار سے (اپنے) دوست اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار۔"

یہاں هُزُوًا اور لَعِبًا اسم مفعول کے معنی میں ہیں کیونکہ وہ ایمان ظاہر کرتے اور کفر چھپاتے تھے۔ یہاں دوستی کرنے کی نہی کو ان کے استہزاء کرنے پر مرتب کیا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس نہی کی علامت ہی ان کا استہزاء کرنا ہے اور یہ آگاہ کرتا ہے کہ ان کا یہ وصف اور معاملہ ان کے ساتھ دشمنی کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایسے سے دوستی کرنے کو کیسے جائز کر سکتا ہے یہاں أُوتُوا الْكِتَابَ سے مراد یہودی اور کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت بھی اسی کی تائید کرتی ہے آپ کی قرأت میں و من الذین اشرکوا ہے ابوعمرو اور کسائی نے اسے دوسرے اسم موصول پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے پہلے اسم موصول پر عطف کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے یہاں مشرکین کو کفار سے تعبیر کیا ہے کیونکہ انکا کفر کئی گنا بڑھا ہوا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کفار کا لفظ اہل کتاب اور اہل شرک سے عام ہو۔ اس اعتبار سے تخصیص کے بعد تعمیم ہوگی۔ اسے منصوب پڑھنے کی صورت میں اس بات پر آگاہ کرنا مقصود ہوگا کہ استہزاء اور کفر میں سے ہر ایک اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان سے دشمنی کی جائے اور یہ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے۔ اتقوا اللہ سے مراد یہ ہے کہ تم مناہی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ یہ شرط ہے اور جزاء سے غنی ہے کیونکہ سابقہ کلام اس کی جزاء پر دلالت کرتی ہے۔ مراد اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا اس کا وعدہ اور وعید ان منہیات سے بچنے کو لازم کرتا ہے جو وعید کی متقاضی ہیں۔ کلبی نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کا موذن نماز کے لئے اذان کہتا اور مسلمان نماز کے لئے اٹھتے، یہودی کہتے انہوں نے قیام تو کیا مگر قیام نہ کیا نماز پڑھی مگر نہ پڑھی۔ یہ بطور استہزا کہتے اور پھر مسکراتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (2)

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

"اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشا یہ (حماقت) اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔"

اس کا عطف اتَّخَذُوا دِينَكُمْ پر ہے، یعنی تم انہیں بھی اپنا دوست نہ بناؤ جن کا طرز عمل یہ ہو کہ جب تم نماز کے لئے اذان دو تو اسے ہنسی

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 521 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 56 (التجاریہ)

مذاق بنالیں۔ ابن ابی حاتم نے سدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک نصرانی تھا جب وہ موذن کو یہ کہتے ہوئے سنتا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو وہ کہتا اَحْرَقَ اللّٰهُ الْكَاذِبَ۔ ایک رات اس کا خادم آگ کے انگارے لے کر اس کے پاس آیا جب وہ اور اس کے گھر والے سوئے ہوئے تھے تو ایک شرارہ اڑا جس سے وہ عیسائی اور اس کے گھر والے سب جل گئے (1) ایک قول یہ کیا گیا جب کفار اذان سنتے تو مسلمانوں سے حسد کرتے۔ ایک روز وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے محمد آپ نے ایسا کام شروع کیا ہے جو پہلی امتوں میں نہیں سنا گیا۔ اگر آپ نبوت کے دعویدار ہیں تو آپ نے اپنے سے پہلے انبیاء کے طریقہ کی مخالفت کی ہے۔ اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو پہلے انبیاء اس کو اپنانے کے زیادہ مستحق تھے یہ مینڈھے کی طرح چیخ و پکار ہے یہ آواز کتنی ہی قبیح ہے اور کتنا ہی برا کام ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا اور ساتھ ہی آیت بھی نازل فرمائی (2)

یہ استہزاء وہ اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ عقل نہیں رکھتے کیونکہ عقل کا تقاضا تو یہ ہوتا ہے کہ انسان استہزاء کو چھوڑ دے اور کسی شے کے حسن و قبح میں غور و فکر کرے۔ اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفار امور دنیا میں سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود امور دینیہ میں کچھ عقل بھی نہیں رکھتے۔ اس سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ حواس، عقل اور مقدمات میں نظر و فکر مطالب کے علم کے حاصل ہونے کے لئے علت لازمہ نہیں۔ جس طرح فلاسفہ گمان کرتے ہیں بلکہ یہ امر عادی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو نظر و فکر کے بعد علم کو پیدا فرما دیتا ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہودی حاضر ہوئے جن میں ابو یاسر بن اخطب، رافع بن ابی رافع اور عازی بن عمرو تھے پوچھا آپ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ نے یہ آیت پڑھی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو عطا کیا گیا اور مکمل آیت پڑھی۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ کا ذکر کیا تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا، کہنے لگے ہم حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی اس پر ایمان رکھتے جو ان پر ایمان رکھے۔ ایک روایت میں ہے وہ کہنے لگے ہم تم سے بڑھ کر دنیا و آخرت میں کم حصہ والا کسی کو نہیں جانتے اور نہ ہی تم سے بڑھ کر برے دین والا کسی کو جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (3)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹

"آپ فرمائیے اے اہل کتاب تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔"

کسائی نے ھل اور بل کے لام کو تاء میں ادغام کر کے پڑھا ہے جس طرح اس آیت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ھل تعلم اس طرح تاء، سین، زاء، طاء، ضاد اور نون میں بھی ادغام کر کے پڑھا ہے، جس طرح ھل ثوب، بل سولت، ھل تربن، بل طبع، بل ظننتم، بل ضلوا، ھل ندلکم، ھل ننبئکم، ھل نحن، جبکہ حمزہ نے لام کو صرف تاء، ثاء اور سین میں ادغام کر کے پڑھا ہے، جب کہ خلاد سے بل طبع کی طاء میں ادغام میں مختلف قول ذکر کیا گیا ہے۔ ابو عمرو نے هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ اور فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ فِيْ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 521 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 56 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

الْمُلْکِ میں لام کو تاء میں ادغام کیا ہے، جبکہ باقی نے اظہار کیا ہے۔ یہاں استفہام انکاری ہے جو نفی کا معنی دے رہا ہے۔ نقم کا معنی ایسا عیب جو ناپسندیدہ ہو یا جس کا انجام برا ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ تم ہمارے اعمال اور صفات میں سے کوئی بھی چیز ناپسند نہیں کرتے اور اسے عیب دار نہیں سمجھتے مگر یہ کہ ہم اللہ جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ہم سے پہلوں پر نازل کیا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں، جبکہ ہمارا یہ عمل تو حسن ہے اور اس کا حسن واضح اور ظاہر ہے وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ میں واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ تنقمون کی ضمیر سے حال ہوگا۔ معنی یہ ہو گا کہ تم ہمارے ایمان کو ناپسند کرتے ہو، جبکہ حال یہ ہے کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں یعنی کافر ہیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ کتب سماویہ کے انکار سے تم قبیح ترین صفت کے حامل ہو اور ہم ایمان رکھنے کی وجہ سے بہترین صفت کے حامل ہیں۔ اس کے باوجود تم اچھی صفت کو ناپسند کرتے ہو اور ناپسندیدہ صفت کو ناپسند نہیں کرتے۔ یا یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا عطف اَنْ اٰمَنَّا پر ہے۔ مستثنیٰ دونوں امروں کو لازم ہے جو مخالفت ہے یعنی تم ہماری کسی بات کو ناپسند نہیں کرتے مگر یہ چیز کہ ہم نے تمہاری مخالفت کی ہے کیونکہ ہم ایمان میں داخل ہوئے اور تم اس سے نکلنے والے ہو یا تقدیر کلام یوں ہے وَاعْتِقَادُ اَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ یہاں مضاف حذف ہے یا اس کا عطف اٰمَنَّا کی علت پر ہے۔ یہاں فعل مقدر ہے اور یہ محل نصب میں ہے یعنی اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا وَاعْتَقَدْنَا اَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ یا یہ محذوف علت پر معطوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا لِعَدَمِ اِنْصَافِكُمْ وَلِاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ اس صورت میں یہ محل نصب میں ہے اور حرف جار حذف ہے یا فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس پر تنقمون کا فعل دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وَلَا تَنْقِمُوْنَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ یا۔ یہ مع کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی هَلْ تَنْقِمُوْنَ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا مَعَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ نحویوں کے ظاہر کلام کے مطابق اسے مفعول معہ بنانا صحیح نہیں کیونکہ نحوی مفعول معہ میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ فعل اور معمول میں مصاحبت ہو جبکہ اخفش کے مذہب کے مطابق اسے مفعول معہ بنانا درست ہے کیونکہ اس کے نزدیک مفعول معہ میں وجود میں مقارنت کافی ہوتی ہے۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ مفعول معہ میں جو شرط ہے وہ اس امر کو ثابت نہیں کرتی کہ وہ ہر واؤ جو مع کے معنی میں ہو اس میں بھی یہ شرط ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہو مگر وہ عاطفہ ہو اور وہ نحویوں کے نزدیک شرط نہ ہونے کی وجہ سے مفعول معہ نہ ہو، جبکہ اخفش کے نزدیک وہ مفعول معہ ہو۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ مجرور ہو اور اس کا عطف بِ پر ہو یعنی مَا تَنْقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا الْاِيْمَانَ بِاللّٰهِ وَبِمَآ اُنْزِلَ وَبِاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہو اور اس کی خبر محذوف ہو تقدیر کلام یہ ہو وَمَعْلُوْمٌ عِنْدَكُمْ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ لیکن ریاست اور مال کی محبت تمہیں انصاف سے روکتی ہے یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو وما تَنْقِمُوْنَ مِنَّا شَيْئًا اِلَّا لِاَنْ اٰمَنَّا وَلِاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی وہ علت جس کے باعث تم ہم سے اس چیز کو ناپسند کرتے ہو وہ اور کچھ نہیں مگر ہمارا تمہارے دین میں مخالفت کرنا ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ

هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

"آپ (انہیں) فرمایئے کیا میں آگاہ کروں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہِ راست سے۔ اور جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے۔ [1]"

مثوبة کا لفظ خیر کے لئے مختص ہے جس طرح عقوبت کا لفظ شر کے لئے مختص ہے۔ یہاں مثوبۃ کو عقوبۃ کی جگہ بطور استہزا کا ذکر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ مثوب کا لفظ بِشَرٍ سے بطور تمیز منصوب ہے۔ امام بغوی نے کہا جب یہودیوں نے کہا ہم نے کوئی ایسا دین والا نہیں دیکھا جو آپ سے کم دنیا و آخرت میں حصہ رکھتا ہو یا تمہارے دین سے برا دین رکھتا ہو تو اسی سیاق میں بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِكَ کا لفظ ذکر کیا، جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور کتابوں پر ایمان لانا کوئی بری بات نہیں یہی اسلوب اس آیت کریمہ میں اپنایا گیا۔

عِنْدَ اللّٰهِ یہ شَرٍّ کے متعلق ہے اور مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ شَرٍّ سے بدل ہے۔ یہاں مضاف حذف ہے یا ماقبل میں مضاف حذف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی بِشَرٍ مِنْ ذٰلِكَ دِیْنُ مَنْ لَعَنَهُ یا یہ بِشَرٍّ مِنْ اَهْلِ ذٰلِكَ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور مضاف بھی محذوف ہوگا اور خنازیر انہیں بنایا گیا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مائدہ کا انکار کیا تھا علی بن ابی طلحہ اور حضرت ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے کہ جن کی شکلیں مسخ کی گئی تھیں وہ دونوں جماعتیں سبت کے قانون کو توڑنے والی تھیں۔ ان کے نوجوانوں کو بندروں کی شکل میں اور بوڑھوں کو خنازیر کی شکل میں مسخ کیا گیا تھا (1)

حمزہ نے عبد کو باء کے ضمہ اور الطاغوت کو تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ مضاف اور مضاف الیہ ہوں گے اور اس کا عطف القردۃ پر ہوگا۔ جب عبد کو باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ مفرد ہے جس طرح عبد باء کے سکون کے ساتھ مفرد ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ جس طرح سَبُع اور سَبْع دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ باء کے ضمہ کی صورت میں یہ مبالغہ کا وزن ہوگا جس طرح حذر اور فطن دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ عبد کی جمع ہے۔ قاموس میں اسے جمع کے صیغوں میں ذکر کیا ہے جس طرح ندس ایک قول یہ کیا گیا اصل میں یہ عبدۃ ہے اضافت کی وجہ سے تاء کو حذف کر دیا تا کہ دو سے زیادہ حروف کا اجتماع نہ ہو جو تاء اور اضافت ہے جس طرح اس قول میں ہے اخلفوک عدل الامر الذی وعدوا یا اصل میں عدۃ الامر تھا، جبکہ باقی قراء نے اسے باء کے فتحہ کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور الطاغوت کو منصوب پڑھا ہے۔ اس جملے کا عطف مَنْ کے صلہ یعنی لَعَنَهُ پر ہوگا۔ یہاں طاغوت سے مراد یا تو بچھڑا ہے جو شیطان کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتا ہے۔ دونوں میں قدر مشترک معبود باطلہ ہونا ہے یا اس سے مراد شیطان ہے کیونکہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا اس لئے کی تھی کیونکہ شیطان نے ان کے سامنے اس چیز کو مزین کر کے پیش کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد کاہن ہیں اور وہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے جس کی اطاعت کی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 57 (التجاریہ)

ان ملعونوں کے مکان کو شر اس لئے کہا تا کہ ان کی شرارتوں پر دلالت کرنے میں زیادہ بلیغ ہو اور یہ ہر راستہ بھٹکنے والے سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔

وَقَدْ دَخَلُوْا ...... قَدْ خَرَجُوْا ۱ یہ دونوں جملے قَالُوْا کے فاعل سے حال ہیں۔ بالکفر اور بہ یہ دخلوا اور خرجوا کے فاعل سے حال ہیں معنی یہ ہوگا ہم آپ پر ایمان لائے جبکہ حال یہ ہے کہ وہ اپنے قول میں جھوٹے ہیں اور جبکہ وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو کفر کو ساتھ ملائے ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ باہر نکلے۔ اس وجہ سے جو کچھ انہوں نے آپ سے سنا تھا اس نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا واللہ اعلم ...... یَکْتُمُوْنَ میں ان کے لئے وعید ہے کہ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب ہے۔

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ دوڑ دوڑ کر تیز رفتار ہیں گناہ اور زیادتی کرنے میں اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی برے کام کر تے رہے ہیں۔ ۱"

۱۔ مِنْهُمْ سے مراد یہودی ہیں یا منافقین ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اثم سے مراد معاصی اور عدوان سے مراد ظلم ہے ایک قول یہ کیا گیا اثم سے مراد جو انہوں نے تورات کے احکام چھپائے اور عدوان سے مراد جو کچھ انہوں نے اس میں اضافہ کیا۔ سحت سے مراد حرام ہے اسے خاص طور پر اس لئے ذکر کیا تا کہ مذمت میں مبالغہ کا اظہار ہو کیونکہ رشوت خوری نے انہیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے روک دیا اور انہیں تورات کی تحریف، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے اور دوسروں کو ایمان لانے سے روکنے پر برانگیختہ کیا۔ جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں کتنا ہی برا ہے۔ پہلے ان کے سوءِ اعتقاد کا ذکر کیا تھا اب ان کے برے اعمال کا ذکر کیا۔ مقصود یہ ہے تا کہ ان کے نفاق پر استدلال ہو۔

لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

"کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت برے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے۔ ۱"

۱۔ احبار سے مراد علماء ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ربانی سے مراد نصاریٰ کے علماء ہیں اور احبار سے مراد یہود کے علماء ہیں۔ اس نہی میں علماء کو خاص کیا گیا یہاں اثم سے مراد جھوٹ ہے۔ سحت سے مراد حرام ہے۔ اس میں انہیں حد درجہ شرمندگی دلائی جارہی ہے کیونکہ ان کا منصب تو یہ تھا کہ وہ منکر سے روکتے، جبکہ وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں یَصْنَعُوْنَ میں یَعْمَلُوْنَ کے مقابلہ میں مبالغہ ہے کیونکہ صنع اس عمل کو کہتے ہیں جو تجربہ عادت اور تحری کے بعد ہو۔ اسی وجہ سے اس کے ذریعے خواص کی مذمت کی۔ مدارک میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے یہ قرآن حکیم کی شدید ترین آیت ہے کیونکہ وعید میں برائی نہ روکنے والے کو برائی کرنے والے کی جگہ رکھا گیا ہے بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔ امام بیضاوی نے کہا برائی کرنے کی بجائے اچھائی کو چھوڑنا زیادہ قبیح ہے کیونکہ نفس اس کے ذریعے لذت حاصل کرتا ہے اور اس کی طرف مائل ہوتا ہے، جبکہ نیکی چھوڑنے میں ایسی صورتحال نہیں ہوتی اس

لئے وہ زیادہ مذمت کا مستحق ہوتا ہے (1)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

"اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے لے جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس (گستاخانہ) قول کے بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ٹے خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے تے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے یہ جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں ہے اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں دشمنی اور بغض روز قیامت تک ہے جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ لے اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو۔ ے"

لے حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک اور قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا یہاں تک کہ وہ لوگوں سے زیادہ مالدار اور جن کی کھیتیاں دوسروں سے سرسبز و شاداب ہوتیں جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رحمتوں کو روک لیا۔ اسی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کی (2) فنحاص بن عازوراء نے کہا جو بنو قینقاع کا رئیس تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں یعنی وہ رزق نہیں دیتا (3) اسی طرح ابو الشیخ ابن حبان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی جسے نباش بن قیس کہتے ہیں، نے کہا کہ آپ کا رب بخیل ہے۔ وہ خرچ نہیں دیتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ بات فنحاص یا نباش نے کہی لیکن جب دوسرے لوگوں نے اسے منع نہ کیا اور اس کی بات پر راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اس قول میں ان کے ساتھ شریک کر دیا غل الید و بسطھا یہ بخل اور سخاوت سے مجاز ہے۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔

ٹے یہ ان کے بارے میں بخل یا فقر یا مسکین کی بددعا ہے یا یہ حقیقی معنی میں ہے کہ دنیا میں انہیں قیدی بنا کر ہاتھ جکڑے جائیں گے اور آخرت میں ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے اور زنجیریں ڈالی جائیں گی۔ ید اللہ سمع، بصر اور وجہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اے انسان تو اپنی عقل کسی مخصوص عضو یا اس کی کیفیت کی طرف نہ لے جا۔ بندوں پر لازم ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور دل و جان سے اسے تسلیم کریں۔ اہل سنت کے اسلاف نے ان صفات کے بارے میں فرمایا جس طرح ان صفات کا ذکر ہے اسی طرح انہیں ماننا لازم ہے مگر ان کی کوئی کیفیت بیان نہ کی جائے۔ حضرت عمرو بن عبسہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ کے متعلق سنا آپ فرما رہے تھے اس کے دونوں ہاتھ دائیں

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 155 (فراس) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 58 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو انبیاء اور شہداء تو نہیں لیکن ان کے چہرے کا نور دیکھنے والوں کی نظروں پر چھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام اور قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو مختلف قبائل سے نکل کر ایک جگہ اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں وہ اچھی گفتگو کو اسی طرح چاہتے ہیں جس طرح لوگ اچھے کھانے (ا) پسند کرتے ہیں۔ اسے طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جبکہ اہل سنت کے متاخرین علماء ان الفاظ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہو جس طرح قدرت علماء نے کہا بسط الیدین سے مراد سخاوت ہے۔ یہاں تثنیہ کا صیغہ اس لئے ذکر فرمایا تاکہ ہر دو میں مبالغہ اور بخل کی نفی ہو اور حد درجہ سخاوت کو ثابت کیا جائے کیونکہ سخی کے مال میں خرچ کرنے کے کمال کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے مال دیتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات پر آگاہ کیا کہ وہ دنیا اور آخرت عطا فرماتا ہے اور بعض اوقات وہ بطور استدراج عطا فرماتا ہے اور بعض اوقات بطور تکریم عطا فرماتا ہے۔

۳؎ یعنی اپنی حکمت کے مطابق کبھی رزق میں فراخی کر دیتا ہے اور کبھی رزق میں تنگی کر دیتا ہے۔ یہ جملہ جود کی تاکید ہے اور رزق میں کمی کرنے کی صورت میں جو بخل کا وہم تھا اس کو دور کرنا مقصود ہے۔

۴؎ جس طرح صالح غذا صحیح آدمی کی قوت میں اضافہ کرتی ہے اسی طرح مریض کے مرض اور ضعف میں اضافہ کرتی ہے اسی طرح قرآن حکیم ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کا باعث بنتا ہے جن کے باطن میں فساد ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب بھی آیت نازل ہوتی ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں جس کے باعث ان کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جب قرآن حکیم نازل ہوتا ہے تو وہ حسد کرتے اور انکار کرنے میں حسد سے تجاوز کر جاتے۔ اس لئے مجازاً فعل کو سبب بعید کی طرف منسوب کیا۔

۵؎ بَيْنَهُمُ میں هُمْ ضمیر سے مراد یہود و نصاریٰ (ب) ہیں یہ حضرت حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ هُمْ سے مراد یہود کے مختلف قبائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنہیں مختلف دینوں کا حامل بنا دیا۔ اس لئے ان کے اقوال میں کوئی مطابقت نہیں۔

۶؎ لِلْحَرْبِ یہ ظرف مستقر ہے اور نَارًا کی صفت ہے یا یہ ظرف لغو ہے اور جار مجرور أَوْقَدُوا کے متعلق ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ جب بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیا یا آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا تو اللہ

(ا) اس سے مراد صوفیاء ہیں جو خانقاہیں آباد کرتے ہیں یا وہ طلبہ ہیں جو مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

(ب) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اکہتر 71 فرقوں میں تقسیم ہوئی۔ ان میں سے ستر جہنم میں اور ایک جنت میں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بہتر 72 فرقوں میں تقسیم ہوگی ان میں سے ایک جنت میں اور اکہتر 71 جہنم میں ہوں گے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی ان میں سے ایک جنت میں اور بہتر دوزخ میں ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے جو جنت میں جائیں گے فرمایا جو جماعت کی صورت میں ہوں گے۔ اسے ابن مردویہ نے یعقوب بن زید کے واسطہ سے زید بن اسلم سے، انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ یعقوب بن زید نے کہا جب حضرت علی شیر خدا آقائے دو عالم ﷺ سے اس حدیث کو بیان فرماتے تو آپ اس میں قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا...... سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ عبد ضعیف ثناء اللہ کہتا ہے فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا۔ زیاد بن لبید نے عرض کیا علم کس طرح جاتا رہے گا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حضور نے فرمایا اے ابن ام لبید تیری ماں تجھ پر روئے میں تجھے مدینہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ جانتا تھا کیا یہود و نصاریٰ تورات و انجیل نہیں پڑھتے جو کچھ ان دونوں کتابوں میں ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اسے لبید پر روایت کیا ابن جریم نے جبیر بن نفیر سے روایت کیا اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں پھر یہ آیت پڑھی وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ الآیۃ

تعالیٰ نے ان میں جھگڑا پیدا کر دیا جس کے باعث ان کے شر کو حضور ﷺ سے دور کر دیا، انہیں مغلوب کر دیا اپنے نبی اور دین کی مدد کی، قتادہ نے کہا یہ آیت ہر اس حرب کو عام ہے جسے یہودی برپا کرنا چاہیں (1) اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے فساد برپا کرنا چاہا اور تورات کے حکم کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ططوس رومی کو بھیجا پھر انہوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مجوسیوں کو مسلط کر دیا پھر انہوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھیجا۔ آپ کسی شہر میں بھی یہودیوں کو نہیں پائیں گے مگر اس حال میں کہ وہ لوگوں میں سے ذلیل ترین ہوں گے۔

یہ فَسَادًا ترکیب کلام میں مفعول لہ ہے یا یہ مفسدین کے معنی میں ہو کر حال ہے۔ اس سے مراد ان کی جنگ اور فتنہ بھڑکانے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یَسْعَوْنَ یَطْلُبُوْنَ کے معنی میں ہو اور فَسَادًا مفعول بہ ہو یعنی وہ فساد اور کفر کی طلب رکھتے ہیں اور دین اسلام اور اپنی کتابوں سے حضور ﷺ کے ذکر کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان فسادیوں سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۶۵﴾

"اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیز گار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کرتے انہیں نعمت کے باغوں میں۔"

اگر اہل کتاب حضور ﷺ اور قرآن پر ایمان لاتے اور کفر و معاصی سے بچتے تو ہم ان کے وہ گناہ بخش دیتے جو انہوں نے پہلے کئے اگرچہ وہ گناہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوتے۔ حضرت عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی کہ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تمہیں کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کی میں ایک شرط لگانے کا ارادہ رکھتا ہوں؟ فرمایا جو چاہو شرط لگاؤ۔ میں نے عرض کی کہ مجھے بخش دیا جائے۔ فرمایا اے عمرو تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے ہجرت پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے (2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ جنت میں داخل ہونا یہ ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی یہودی یا عیسائی جس نے میری دعوت کے بارے میں سنا اور اس پیغام حق پر ایمان لائے بغیر مر گیا جو میں لایا ہوں تو وہ جہنمی ہوگا (3) اسے امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

"اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا ہے انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 60 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 76 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 86 (قدیمی)

ہے اور اکثر ان میں سے بہت برا ہے جو کر رہے ہیں۔ ۱؎ ''

۱؎ اگر یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل کی حدود و احکام کو قائم کرتے اور ان پر عمل کرتے، ان میں تحریف نہ کرتے اور نہ ہی انہیں چھپاتے تو ان پر یہ نوازشات ہوتیں۔ ان حدود و احکام کے قائم کرنے میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی جو صفات بیان کی ہیں انہیں بیان کرتے۔

وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِمۡ سے مراد قرآن، زبور اور دوسری تمام سماوی کتابیں ہیں کیونکہ وہ تمام کتابوں پر ایمان لانے کے مکلف تھے۔ گویا یہ سب ان کی طرف نازل کی گئیں۔

لَاَكَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ سے مراد رزق میں وسعت ہے۔ جس طرح یہ جملہ اسی معنی میں بولا جاتا ہے فلان فی الخیر من القرن الی القدم(۱) حضرت ابن عباس نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ آسمان سے ان پر بارش نازل ہوتی اور زمین سے ان کے لئے نباتات نکالی جاتی(2) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰۤى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو رزق روک لیا ہے وہ ان کے کفر اور معاصی کی نحوست کی وجہ سے ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے بخل کی وجہ سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔

اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ سے مراد عادل جماعت ہے جو غلو کرتی ہے اور نہ ہی کوتاہی کرتی ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن سلام اور ان جیسے لوگ ہیں جو اہل کتاب سے ایمان لائے۔

سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ کے ما کے بارے میں ایک توجیہ یہ بیان فرمائی کہ ما موصولہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے اور ما نکرہ ہے، شی، کے معنی میں ہے اور تمیز ہے اور برے عمل سے مراد دشمن' کتاب اللہ میں تحریف کرنا' اس سے اعراض کرنا اور نبی کریم ﷺ سے عناد میں افراط سے کام لینا۔ ابو الشیخ نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میرے دل میں تنگی پیدا ہوئی اور میں نے پہچان لیا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وعید سنائی کہ میں پیغام حق لوگوں تک پہنچا دوں ورنہ وہ مجھے عذاب میں ڈالے گا تو یہ آیت نازل ہوئی(3)

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ‌ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۞

'' اے رسول ﷺ پہنچا دیجئے جو اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے ۱؎ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ۲؎ اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے ۳؎ یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو۔ ۴؎ ''

۱؎ جو چیز بھی تمہاری طرف نازل کی گئی اس میں سے کوئی بھی چیز نہ چھوڑو، نہ نقصان کا اندیشہ کرتے ہوئے اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہو کر۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 60 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 528 (العلمیہ) 4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 61 (التجاریہ)

(۱) ابن ابی حاتم' ابن مردویہ اور ابن عساکر نے ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے روز حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یوں قرأت کرتے تھے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسروق سے روایت کی گئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا جو تمہیں یہ بتائے کہ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ چیز میں سے کچھ چھپایا ہے تو اس نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (1) ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے رجم اور قصاص کا جو حکم نازل کیا گیا وہ آپ پہنچا دیں۔ یہ آیت یہود کے قصہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ذکر کیا گیا کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش اور ان سے نکاح (1) کے بارے میں نازل ہوئی۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت جہاد کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ منافقین نے جہاد کو ناپسند کیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِیْهَا الْقِتَالُ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ..... بعض مومنوں نے بھی اسے ناپسند کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ جب رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے بعض کی ناپسندیدگی کو دیکھا تو آپ انہیں جہاد پر برانگیختہ کرنے سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہ نقل کیا ہے کہ جب اس آیت کا پہلا حصہ نازل ہوا تو حضور ﷺ نے عرض کی اے میرے رب میں یہ کیسے کر سکتا ہوں جب کہ میں تنہا ہوں وہ سب میرے خلاف جمع ہو جاتے ہیں تو آیت کا اگلا حصہ نازل ہوا (2)

نافع، ابن عامر، ابو بکر اور یعقوب نے جمع کا صیغہ رسالاتہ پڑھا ہے باقی قراء نے واحد کا صیغہ رسالتہ پڑھا ہے یعنی اگر آپ نے ہر شے کی تبلیغ نہ کی اور بعض کو چھوڑ دیا۔ گویا آپ نے کچھ تبلیغ بھی نہ کی کیونکہ بعض کو چھپانا اسے بھی ضائع کر دیتا ہے جو ادا کیا جا چکا ہو۔ جس طرح نماز کے بعض ارکان کو ترک کرنا پوری نماز کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ بعض کی تبلیغ کو ترک کرنا لوگوں کی طرف سے اس بعض کا کفر اور انکار لازم آئے گا اور کتاب کے بعض حصے پر ایمان، جبکہ بعض کا انکار کیا ہو اسے ایمان نہیں کہتے۔ جس طرح یہودی کہتے ہیں ہم بعض کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے بعض حصہ کو چھپانا یہ عقاب کو اس طرح لاتا ہے جس طرح کل کو چھپانا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا۔

اس لئے آپ تبلیغ سے خوفزدہ نہ ہوں اگر آپ اکیلے بھی ہوں گے تب بھی وہ آپ کو قتل نہ کر سکیں گے۔ یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ یہ کہا جائے کہ آقائے دو عالم ﷺ کا سر زخمی ہوا اور آپ کے اگلے چار دانت ٹوٹ گئے اور آپ کو کئی اور طریقوں سے اذیتیں دی گئیں۔ ایک جواب تو اس کا یہ دیا گیا یہ آیت آپ کے سر مبارک کے زخمی ہونے کے بعد نازل ہوئی کیونکہ سورۂ مائدہ نزول کے اعتبار سے سب سے آخری سورت ہے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ سے یہ نقل کیا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کا پہرہ دیا جاتا تھا یہاں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 60 (التجاریہ) 2۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 91 (ابن حزم)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی، جبکہ نقلی اور عقلی دلائل اس آیت کا سیاق وسباق بلکہ اس صورت کا سیاق وسباق سے انکار کرتا ہے نقلی دلیل تو یہ ہے کہ اس میں صحیح ترین روایت حضرت امام بخاری کی روایت ہے آپ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں اس کے موافق وہ روایت ہے جسے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ سے نقل کیا اور طبرانی نے ابو سعید خدری سے نقل کیا یہ آیت غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئی۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ جب آقائے دو عالم ﷺ غدیر خم پر اترے تھے اس وقت آپ کے پاس کوئی وحی نہیں بچی تھی جس کی تبلیغ نہ کی گئی ہو بلکہ یہ سب مکمل ہوئی تھی حجۃ الوداع کے موقع پر نویں ذوالحجہ کو یہ آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ...... تو یہ بات کیسے کی جا سکتی ہے کہ جو مذکورہ آیت میں ہے جبکہ اس وقت جزیرہ عرب میں کوئی مشرک موجود نہیں تھا تو آپ کو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ساتھ ہی ساتھ یہ چیز بھی مانع ہے کہ اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد بھی یہود ونصاریٰ کے بارے میں خطاب ہے تو اس سے ظاہر امر یہ ہے کہ تبلیغ سے مراد رجم وقصاص کی آیت ہے جو یہود کے قصہ میں نازل ہوئی جس طرح ابو الشیخ نے حضرت حسن بصری سے نقل کی ہے اور اس آیت کے بعد یہ ارشاد ہے قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ۔

تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قبہ (خیمہ) سے اپنا سر باہر نکالا، فرمایا اے لوگو اب چلے جاؤ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت کا ذمہ لے لیا (1) اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ یہ آیت کریمہ رات کے وقت آپ کے بستر میں نازل ہوئی۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت نقل کی ہے نبی کریم ﷺ حفاظت کی غرض سے جاگا کرتے تھے۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو فرمایا کاش کوئی صالح صحابی میری حفاظت کرتا۔ اسی اثنا میں ہم نے اسلحہ کی آواز سنی فرمایا یہ کون ہے؟ جواب آیا میں سعد بن ابی وقاص ہوں، میں آپ کی حفاظت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں تو نبی کریم ﷺ سو گئے (2) طبرانی نے ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے، یہ ان اشخاص میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نگہبانی کا سلسلہ ترک کر دیا گیا۔ عصمہ بن مالک حطمی سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ ہم رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے لئے پہرہ دیتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو نگہبانی کا سلسلہ چھوڑ دیا گیا۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر ہوتے، ہم بڑا درخت آپ کے لئے چھوڑ دیتے تاکہ آپ اس کے سائے میں آرام فرمائیں۔ آپ اس کے نیچے آرام فرماتے۔ آپ ایک روز ایک درخت کے نیچے اترے، آپ نے درخت میں اپنی تلوار لٹکائی۔ ایک آدمی آیا، اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی، کہا اے محمد کون آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مجھے تجھ سے بچائے گا؟ اس نے تلوار رکھ دی تو یہ آیت نازل ہوئی (3) امام بغوی نے کہا محمد بن کعب قرظی نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اس میں یہ ذکر ہے بدو کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور وہ اپنا سر درخت سے مارنے لگا یہاں تک کہ اس کا سر پھٹ گیا اور دماغ باہر نکل آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (4)

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بنی انمار پر حملہ کیا تو آپ ذات رقیع میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے فروکش ہوئے۔ اسی اثناء میں آپ کنویں میں پاؤں لٹکائے اس کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے تھے تو بنی نجار کے ایک آدمی وارث نے کہا میں محمد ﷺ کو ضرور قتل کروں گا؟ اس کے ساتھیوں نے کہا تو آپ کو کیسے قتل کرے گا؟ اس نے کہا میں آپ سے کہوں گا آپ مجھے اپنی تلوار عطا کریں۔ جب آپ مجھے اپنی تلوار دے دیں گے تو میں آپ کو قتل کر دوں گا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی اے محمد ﷺ اپنی تلوار مجھے دیجئے تاکہ میں اسے سونگھوں۔ حضور ﷺ نے اپنی تلوار اسے دی تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اور تیرے درمیان وہ حائل ہو گیا جس کا تو ارادہ کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (4) امام بخاری نے اسی قصہ کی مثل ذکر کیا ہے۔ اس میں اس آیت کے نزول کا ذکر نہیں۔

اس آیت کے سبب نزول میں غریب روایت یہ بھی ہے جسے ابن مردویہ اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی جاتی۔ حضرت ابو طالب ہر روز بنی ہاشم کا ایک آدمی آپ کی حفاظت کے لئے بھیجتے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کے چچا نے ارادہ کیا کہ آپ کی حفاظت کے لئے کوئی آدمی بھیجیں تو آپ نے فرمایا اے چچا اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں سے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ یہ حدیث تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت مکی ہے، جبکہ ظاہر اس کے خلاف ہے۔

یعنی وہ آپ کو قتل کرنے اور دین اسلام کو مٹانے کا جو ارادہ رکھتے ہیں وہ ان کے لئے ممکن نہیں۔ امام بغوی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 130 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 404 (وزارت تعلیم)
3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 529-530 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 62 (التجاریہ)

یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں اور آپ کا مذاق اڑانے لگے، وہ کہتے تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ ہم تمہیں حنان بنالیں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو حنان (مہربان شفیق) بنایا تھا جب نبی کریم ﷺ نے ان کے اس طرز عمل کو دیکھا تو آپ خاموش ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی (1)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رافع سلام بن مشکم اور مالک بن حنیف آئے اور عرض کی اے محمد کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین پر ہو اور جو پیغام حق ان کے پاس تھا اس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں میں ایمان رکھتا ہوں لیکن تم نے نئی باتیں اپنا رکھی ہیں اور اس میں جو کچھ تھا اس کا انکار کر دیا ہے اور جس چیز کو واضح کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا اس کو تم نے چھپا دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہم تو اسی کو اپنائیں گے جو ہمارے پاس ہے۔ بے شک ہم ہدایت اور حق پر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (2)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَىْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَٰنًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٦٨﴾

"آپ فرمائیے اے اہل کتاب نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر۔ [1]"

[1] یہاں شی ء سے ایسا دین مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذی شان اور ذی قدر ہو یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان کا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں۔ دین کا نماز کی طرح ایک اعتباری وجود ہوتا ہے جسے شرع معتبر جانے تو معتبر ہوتا ہے۔ اگر شرع میں معتبر نہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس لئے جب ان کا دین شرعاً معتبر نہیں تو وہ باطل ہوا۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ تم کسی دین پر نہیں۔

تورات اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد دین کے اصولوں پر ایمان لانا ہے۔ انہیں میں سے حضور ﷺ کی ذات اور قرآن پر ایمان لانا ہے نیز ان کے احکامات کے نتیجہ میں حضور ﷺ کی نعت بیان کرنا اور تورات کے وہ احکام جو منسوخ نہیں ان پر عمل کرنا اور نسخ کے بعد ناسخ پر عمل کرنا۔ یہ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ پہلی شریعتوں پر عمل کرنا واجب ہے۔

مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ سے مراد قرآن ہے۔ انہیں کافر اس لئے کہا گیا کیونکہ ان کی سرکشی بڑھ چکی ہے۔ آپ رحم کرتے ہوئے ان پر غمگین ہوں اور نہ ہی ان کے شر سے خوفزدہ ہو کر غمگین ہوں۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلصَّٰبِـُٔونَ وَٱلنَّصَٰرَىٰ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے) ایمان لایا اور اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک عمل کئے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ [1]"

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 529 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 61 (التجاریہ) 3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 531 (العلمیہ)

لے آیت کریمہ میں الصابئون کو مرفوع پڑھا گیا ہے، جبکہ منصوب ہونا چاہیے تو کوئی علماء نحو اس طرف گئے ہیں کیونکہ یہ ان کے اسم پر معطوف ہے اور اسم کے محل کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس میں خبر کے پہلے گذرنے کی کوئی شرط نہیں کیونکہ ان علماء کے نزدیک انّ صرف اپنے اسم میں عمل کرتا ہے، جبکہ کسائی اور مبرد کے نزدیک ان کے اسم میں اس وقت جائز ہوتا ہے جب وہ مبنی اور ان کا عمل اس میں ظاہر نہ ہوا ہو۔ گویا انّ نے اس پر عمل کیا ہی نہیں۔ ان علماء کے مذہب کے مطابق یہاں کوئی اشکال نہیں، جبکہ بصرہ کے علماء نحو کا یہ نقطہ نظر ہے یہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک خبر پہلے گذر نہ چکی ہو کیونکہ ایک خبر میں دو عامل جمع نہ ہو جائیں۔ دو عامل ان اور ابتداء ہے۔ اس وجہ سے انہیں تاویل کی ضرورت پیش آئی۔ سیبویہ نے کہا یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف اور نیت میں وہ مؤخر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ كَذٰلِكَ اس جملہ کو اپنے محل سے پہلے ذکر کیا ہے تا کہ اس پر دلالت کرے کہ صابئون میں گمراہی اور تمام ادیان سے اعراض ظاہر ہونے کے باوجود انہیں بخش دیا جائے گا اور انہیں بدلہ بھی دیا جائے گا۔ اگر ان کا ایمان صحیح ہوا اور انہوں نے عمل صالح کیا تو دوسرے لوگ بدرجہ اولیٰ بخشش کے مستحق ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ النَّصَارٰى بھی اَلصَّابِئُوْنَ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں اور مابعد خبر ہو، جبکہ ان کی خبر مقدر ہو جس پر مابعد دلالت کرتا ہے جس طرح شاعر کا شعر ہے۔

نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَاَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ وَالرَّاْيُ مُخْتَلِفٌ اس میں نحن کی خبر رَاضُوْنَ محذوف ہے۔

ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تو اس پر راضی ہے جو تیرے پاس ہے، جبکہ رائے مختلف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اَلصَّابِئُوْنَ کا عطف صلہ اور موصولہ دونوں پر ہو جبکہ اس اسم موصول کے صلہ کا آغاز محذوف ہو تقدیر کلام یوں ہو وَالَّذِيْنَ هُمُ الصَّابِئُوْنَ ایک قول یہ کہا گیا انّ نَعَمْ کے معنی میں ہے اس کا مابعد مبتدا ہونے کی حیثیت میں محل رفع میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اَلصَّابِئُوْنَ محل نصب میں مفتوح ہے کیونکہ جمع مذکر سالم کی نصب جس طرح یاء نون کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح واؤ نون کے ساتھ ہوتی ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝

”بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے ان کی طرف رسول جب کبھی آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ لے“

لے بنی اسرائیل سے تورات میں توحید، تورات کے احکام پر عمل کرنے، تمام انبیاء کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ لیا تھا اور ان کی طرف رسول اس لیے بھیجے تھے تا کہ انہیں وعدہ یاد دلاتے رہیں اور ان کے لئے دین کے احکام ان پر واضح کرتے رہیں۔ جب کوئی رسول ان کے پاس ایسا پیغام لاتا جو ان کی خواہشات کے برعکس ہوتا تو بعض انبیاء کی صرف تکذیب کی اور بعض کو قتل کر دیا۔ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ یہ كُلَّمَا کا جواب ہے اور جملہ شرطیہ رُسُلًا کی صفت ہے۔ اس میں ضمیر عائد محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ ایک قول یہ کیا گیا کہ جواب محذوف ہے اور جملہ شرطیہ رُسُلًا کی صفت نہیں بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ کلام میں قَتَلُوْا کی جگہ يَقْتُلُوْنَ کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ حال ماضیہ کی حکایت ہو جائے تا کہ اسے ذہن میں یاد رکھا جائے اور قتل کے عمل کو عظیم خیال کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ تنبیہ مقصود ہے کہ یہ ان کی زمانہ ماضی اور زمانہ حال میں عادت معروفہ ہے۔ نیز آیت کے سروں کی محافظت ہو جائے یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آپ سے جنگ کرتے ہیں،

آپ کے کھانے میں زہر ملاتے ہیں اور آپ پر جادو کرتے ہیں۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

''اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انہیں) عذاب تو اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے پھر نظر رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں۔[1]''

[1] حَسِبُوْا کی ضمیر سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے تَكُوْنَ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ حسبان علم کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا ہے تقدیر کلام یوں ہے انہ لا تکون ان اور اس کا اسم اور خبر دو مفعولوں کے قائم مقام ہیں، جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ ان مصدر یہ ہے اور کان تامہ ہے ان کا فاعل فِتْنَةٌ ہے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ انبیاء کو قتل کرنے اور انہیں جھٹلانے سے انہیں کوئی عذاب اور آزمائش نہیں پہنچے گی۔ اسی وجہ سے وہ دین اور دلائل سے مطلقاً اندھے ہو گئے اور حق سننے سے بہرے ہو گئے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد وہ اسے باطل خیال کرتے تھے۔ پھر جب وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب انہوں نے حضور ﷺ کا انکار کیا تو پھر ایک دفعہ وہ اندھے اور بہرے بن گئے کثیر منھم یا تو ضمیر سے بدل ہے یا یہ فاعل ہے اور واؤ علامت جمع ہے۔ جس طرح عربوں کا قول ہے اکلونی البرا غیث یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی اُولٰئِكَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ ان کے اعمال سے واقف ہے اس لئے ان کے اعمال کے حساب سے بدلہ دے گا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔[1]''

[1] مسیح علیہ السلام کو اللہ کہنے کا قول ملکائیہ نے کیا تھا جبکہ انہیں میں سے یعقوبیہ نے یہ کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا اور دونوں کی ذاتیں ایک ہو گئیں نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو تمہاری طرح مربوب ہیں۔ اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ رب مربوب کے ساتھ متحد ہو جائے اور رب مربوب میں حلول کرے۔

جو انسان بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مستحق عبادت ہونے میں یا واجب الوجود ہونے میں یا جو صفات اور افعال اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہیں ان میں شریک کرے تو اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دیتا ہے جو اس نے موحد اور متقی لوگوں کے لئے تیار کی ہے، یعنی ان پر اس جنت میں داخل ہونا حرام ہے تو ایسے آدمی کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو مشرکین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

وَمَالِلظّٰلِمِیْنَ میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے اس امر سے آگاہ کرنے کے لئے کہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ یہاں مِنْ زائدہ ہے یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ یہاں ناصر کی جگہ انصار کا لفظ ذکر کرنا ان کے اس گمان پر مبنی ہے کہ ان کے بہت زیادہ مددگار ہیں۔ مقصود ان سے استہزاء کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان کے لئے کثیر جماعت کا ہونا ضروری ہے جو ان کی مدد کرے، جبکہ ان کے لئے جماعتیں نہیں۔ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ سے لے کر آخر تک کا کلام اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا حصہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے بطور حکایت ذکر کیا ہو مقصود اس چیز سے آگاہ کرنا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم اور اپنے گمان کے مطابق آپ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کہا، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے جھگڑ رہے ہیں اور مخالفت کر رہے ہیں تو دوسرے حق پرستوں کے بارے میں خود اندازہ لگا لیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

"بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب۔ ۱"

۱۔ یعنی تین معبودوں میں سے تیسرے ہیں۔ یہ قول مرقوسیہ اور نسطوریہ نے کہا تھا کہ اقانیم تین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ثلاثہ سے مراد اللہ جو مرتبہ ذات ہے حضرت عیسیٰ جو ان کے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے اور جبرائیل یہ ان کے گمان کے مطابق صفت حیواۃ ہے ایک قول یہ کیا گیا ثلاثہ سے مراد اللہ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہیں جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کا قول دلالت کرتا ہے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

مَا مِنْ اِلٰهٍ میں مِن زائدہ ہے اور یہ استغراق کا فائدہ دے رہا ہے یہاں الٰہ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ ما مشابہ بلیس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی وجود و امکان تمام میں کوئی الٰہ نہیں جو واجب الوجود ہو اور مستحق عبادت ہو اس طرح کہ وہ واجب الوجود ہو اور تمام دوسرے موجودات کا مبدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وحدانیت کی صفت سے موصوف ہے اور ذات ماہیت اور صفات میں شرکت کو قبول کرنے سے ماوراء ہے۔ اگر وہ شرکیہ کلام کرنے سے باز نہ آئے اور توحید کو نہ اپنایا تو انہیں دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ مِنْهُمْ میں مِنْ بیانیہ یا تبعیضیہ ہے اس بناء پر کہ جو لوگ کفر پر قائم رہے وہ انہیں میں سے ہیں یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے مقصود ان کے کفر پر شہادت کو مکرر لانا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس امر پر تنبیہ ہے کہ جو آدمی کفر پر قائم و دائم رہا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

"تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ۱"

۱۔ یعنی کیا وہ شرک کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور اس وضاحت اور دھمکی کے بعد وہ اتحاد و حلول کے عقیدہ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے موحد بن کر اللہ تعالیٰ سے بخشش کے امیدوار نہیں بنیں گے، جبکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اگر وہ توبہ کریں تو انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اس استفہام میں ان کے اصرار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

''نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھی دونوں کھایا کرتے تھے کھانا دیکھو کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لئے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں۔ [1]''

[1] مسیح بن مریم تو رسول ہیں وہ الٰہ نہیں جس طرح نصاریٰ نے گمان کر لیا ہے۔ یہاں حصر اضافی ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جن چیزوں کی نسبت کرتے تھے ان سے حصر کرنا مقصود ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یہ جملہ رسول کی صفت ہے یعنی آپ بھی دوسرے رسولوں کی طرح رسول ہیں جو ممکن حادث ہیں اور ان پر بھی عدم طاری ہو سکتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں بعض معجزات کے لئے خاص کیا جس طرح کوڑھی اور مادر زاد اندھے کو تندرست کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، جس طرح دوسرے انبیاء کو دوسرے معجزات کے ساتھ خاص کرنا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر عصا کو زندگی عطا کی اور اسے چلتا پھرتا سانپ بنایا۔ یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بھی زیادہ عجیب معجزہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا کیا تھا۔

اور آپ کی ماں صدیقہ تھی یعنی ان کی والدہ بھی دوسری عورتوں کی طرح ایک عورت تھی۔ تاہم آپ کو سچائی، اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے انبیاء کی تصدیق کے ساتھ فضیلت عطا کی۔ یہ دونوں دوسرے حیوانوں کی طرح کھانے کے محتاج تھے پہلے اس چیز کی وضاحت کی جو ان کے کمال کا باعث ہے۔ ساتھ ہی اس کو بیان کیا کہ ان کے لئے الوہیت ثابت نہیں اور کثیر لوگ ان کی حقیقت اور اصلیت میں شریک ہیں۔ پھر ان کے نقص، ان کے حادث ہونے کی علامات اور ربوبیت کے منافی چیزوں کو بیان فرمایا اور یہ ذکر کیا کہ یہ دونوں بھی ان مرکبات میں سے ہی ہیں جو فساد کا شکار ہونے والے ہیں۔ پھر ان لوگوں پر تعجب کا اظہار کیا جو ان ظاہر و باہر اولہ کے ہوتے ہوئے ان دونوں کے لئے ربوبیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

دیکھو تو سہی ہم ان کے لئے کس طرح وہ آیات بیان کرتے ہیں جو ان کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر دیکھو انہیں حق سننے اور اس میں غور کرنے سے کیسے پھیر دیا جاتا ہے۔ یہاں ثم کا لفظ دو عجبوں میں فرق بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یعنی ہمارا بیان بھی عجیب ہے اور ان کا اس سے اعراض کرنا اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حادث اور ممکن ہونا ایجاد اور باقی رکھنے والی علت کے بدیہی طور پر محتاج ہونے کے باوجود اس کے ممکن اور حادث ہونے کا حکم نہیں لگاتے، جبکہ رب اور مربوب میں بہت ہی زیادہ فرق ہے۔ جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان صفات کاملہ کو دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اخذ شدہ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الٰہ ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

''آپ فرمائیے کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ [1]''

لے یہاں مَالَا یَمْلِکُ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ کے افعال بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ جس طرح دوسرے تمام انسانوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو وہ حقیقت میں کسی چیز کے مالک بھی نہ ہوئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مالک بنانے سے وہ بعض اشیاء کے مالک بنے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ان سے وہ چیزیں صادر بھی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں جن مصائب سے دوچار کرتا ہے اور آخرت میں عذاب دیتا ہے۔ اس طرح کرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام قادر نہیں اور اللہ تعالیٰ دنیا میں صحت اور رزق کی فراخی عطا کرتا ہے اور آخرت میں جنت عطا کرتا ہے۔ اس طرح کا نفع دینے پر بھی وہ قادر نہیں۔ یہاں ما کا کلمہ ذکر کیا ہے، جبکہ ما کا کلمہ غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مقصود ان سے قدرت کی مطلقاً نفی کرنا ہے۔ یہاں ضرر کو پہلے ذکر فرمایا کیونکہ ضرر کو دور کرنا نفع حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اقوال کو سنتا ہے اور عقائد کو جانتا ہے اور اسی حساب سے بدلہ عطا فرماتا ہے۔ درمیان میں ضمیر فصل (ھو) حصر بیان کرنے کے لئے ہے اور اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتی طور پر سماعت، بصارت اور علم وغیرہ کی کوئی صفت کمال بھی نہیں رکھتے بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

"آپ فرمائیے اے اہل کتاب نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے۔ لے"

لے غلو کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے، افراط کی صورت میں ہو یا تفریط کی صورت میں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح دین یہ ہے کہ انسان یہ ایمان رکھتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہودیوں نے تفریط سے کام لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کر دیا، آپ کی ماں پر بہتان لگایا، جبکہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں افراط سے کام لیا اور آپ کے بارے میں اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ خطاب صرف نصاریٰ کو ہے۔

غَيْرَ الْحَقِّ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی غُلُوًّا بَاطِلًا غَيْرَ الْحَقِّ یہ تاکید کا فائدہ دے رہا ہے ورنہ غلو بذات خود باطل ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دِيْنِكُمْ سے حال ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اس حال میں کہ وہ حق نہ ہو باطل دین میں غلو سے مراد اس پر اصرار کرنا ہے۔

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ سے مراد ان کے وہ پیشرو ہیں جو حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اپنی اپنی شریعتوں میں گمراہ ہوئے۔ نیز انہوں نے ان بے شمار لوگوں کو گمراہ کر دیا جنہوں نے بدعت و ضلالت میں ان کی پیروی کی۔ ساتھ ہی ساتھ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی تکذیب اور آپ پر بغاوت کر کے گمراہ ہو گئے۔ سَوَآءِ السَّبِيْلِ سے مراد دین اسلام ہے جس کا حق ہونا ظاہر و باہر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا پہلے ضلال سے مراد ان کا خود گمراہ ہونا ہے اور دوسرے ضلال سے مراد دوسروں کو گمراہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ پہلے ضلال سے مراد ان کا از روئے عقل کے گمراہ ہونا ہے اور دوسرے ضلال سے مراد از روئے شرع گمراہ ہونا ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

"لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے۔ لے"

لے بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں اور لسان داؤد سے مراد زبور میں اس سے ایلا بستی کے رہائشی ہیں جنہوں نے ہفتہ کے ضابطہ کے بارے میں حدود سے تجاوز کیا۔ تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا تھا اے اللہ انہیں اپنی رحمتوں سے دور کردے اور انہیں عبرت بنا دے تو انہیں بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا گیا(1) ان کافروں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بھی لعنت کی گئی۔ اس سے مراد مائدہ والے کافر ہیں۔ جب وہ ایمان نہ لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ انہیں اپنی رحمتوں سے دور کردے اور انہیں عبرت کا نشان بنادے تو انہیں خنازیر کی صورت میں مسخ کر دیا گیا(2) ان کی تعداد پانچ ہزار تھی ان پر یہ لعنت ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کے باعث ہوئی۔ پھر ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کی وضاحت مابعد آیت کی صورت میں کی۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

"نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ لے"

لے یعنی وہ برے اعمال کرنے سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے یا اس کا معنی یہ ہے جس برائی کا وہ ارادہ کرتے تھے اس کے کرنے سے نہ روکتے تھے کیونکہ برائی سے نہ روکنے کا جرم تمام لوگوں کے لئے عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ ان سب پر اللہ تعالیٰ عذاب لے آئے۔ اسے ائمہ اربعہ (حدیث) نے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں جب کوئی قوم برائی کو دیکھے اور اسے تبدیل نہ کرے۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں کوئی قوم جس میں نافرمانیاں کی جارہی ہوں اور وہ انہیں ختم کرنے پر قدرت رکھتے ہوں اور انہیں ختم نہ کریں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ وہ برے عمل نہیں رکھتے بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے تناهى عن الامر و انتهى عنه یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس کام سے رک جائے۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا میں ان کے عمل پر تعجب کا اظہار ہے اور مذمت کو قسم کے ساتھ مؤکد کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے قبل بنی اسرائیل میں جب کوئی برا عمل کرتا تو بطور تعزیر منع کرنے والا اسے منع کرتا تو جب اگلا دن آتا تو اس کے پاس بیٹھا کھانا کھاتا اور مشروب پیتا گویا اس نے گذشتہ روز غلطی کرتے ہوئے دیکھا تک نہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کو دیکھا تو ان کے دل ایک دوسرے جیسے کر دیئے اور انہیں بندروں اور خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر ان پر لعنت کی۔ اس کی وجہ ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا تھا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو، سفیہ کا ہاتھ پکڑو اور حق پر جمع ہو جاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل بھی ایک جیسے کر دے گا اور تم پر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر لعنت کی(3)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 65 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 65 (التجاریہ)

اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور ابوداؤد نے عبداللہ بن مسعود سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

"آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے۔ بہت ہی برا ہے جو آگے بھیجا ان کے لئے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ 1"

1 مِنْهُمْ سے مراد کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی ہیں۔ وہ مشرکین مکہ سے دوستی کرتے ہیں کیونکہ یہ حضور ﷺ پر حملہ کرنے کی دعوت دینے کے لئے مکہ مکرمہ گئے تھے۔ ابن عباس، مجاہد اور حسن نے کہا مِنْهُمْ سے مراد منافقین ہیں کیونکہ یہ یہودیوں سے دوستی کرتے تھے (1) ان اپنے صلہ سے مل کر مخصوص بالذم ہے یہاں سَخِطَ سے مراد وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور دائمی عذاب کا موجب ہے یا مخصوص بالذم محذوف ہے اور یہ (اَنْ اور صلہ) اس کی علت ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی لَبِئْسَ شَيْئًا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ ذلک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور دائمی عذاب کا موجب ہے۔

وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

"اور اگر وہ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔ 1"

1 اگر یہ یہودی یا منافق اللہ تعالیٰ اور نبی پر ایمان لاتے۔ یہودی مراد ہوں تو وہ اپنے نبی پر ایمان لاتے۔ منافق ہوں تو ہمارے نبی پر ایمان لاتے۔ نیز تورات یا قرآن پر ایمان لاتے تو یہودی نبی کریم ﷺ سے بغض کی وجہ سے مکہ کے کافروں سے دوستی نہ کرتے اور منافق یہودیوں کو دوست نہ بناتے کیونکہ انبیاء اور آسمانی کتابوں پر ایمان انہیں اس چیز سے روکتا لیکن ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت سے خارج ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

"ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور پائیں گے آپ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔ 1"

1 ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی یہودی مسلمان کو تنہائی میں نہیں پاتا مگر یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 66 (التجاریہ)

خیال کرتا ہے کہ مسلمان کو قتل کر دے (1) وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا سے مراد عرب کے مشرک ہیں کیونکہ وہ خواہشات کی اتباع میں منہمک ہیں۔ تقلید میں اپنی توجہات مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ تحقیق سے بہت دور ہیں، انبیاء کی تکذیب اور ان سے دشمنی کرنے کے عادی ہیں۔

امام بغوی نے کہا آیت میں نصاریٰ سے مراد تمام نصرانی نہیں کیونکہ وہ بھی مسلمانوں سے دشمنی کرنے انہیں قتل کرنے، قید کرنے ان کے شہر برباد کرنے ان کی مساجد گرانے اور مصاحف کو جلانے میں یہودیوں کی طرح ہیں اس لئے تمام نصاریٰ کی کرامت کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ آیت ان نصاریٰ کے حق میں ہے جو مسلمان ہو گئے تھے جیسے نجاشی اور اس کے ساتھی (2)

امام نسائی، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت نجاشی اور ان کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم اور دوسرے محدثین نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ وفد ہے جو حضرت جعفر طیار اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے آیا تھا (3) اسی طرح عطاء سے منقول ہے کہ یہاں نصاریٰ سے مراد نجاشی اور اس کے اصحاب ہیں (4) ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت عام یہودیوں اور نصرانیوں کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہودی بہت ہی سخت دل ہیں اور نصاریٰ بہت ہی زیادہ نرم دل ہیں۔ یہ یہودیوں کے بنسبت مشرکین کی تھوڑی مدد کرتے تھے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ آیت کے لفظ کا عموم اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ان سے مخصوص جماعت مراد نہ لی جائے اگرچہ اس کا سبب نزول حضرت نجاشی کا قصہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کیسے مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہودیوں میں سے بھی ایک مخصوص جماعت مسلمان ہوئی تھی جس طرح عبداللہ بن سلام اور آپ کے احباب اور کعب الاحبار بھی اسی صفت کے حامل تھے۔ اس وجہ سے یہود و نصاریٰ میں فرق کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں نصاریٰ سے مراد وہ عیسائی ہیں جو حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین حق پر قائم تھے جیسے نجاشی اور اس کے اصحاب۔ ان سے مراد وہ عیسائی نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الٰہ ہونے کا اعتقاد رکھتے یا ثالث ثلاثہ کا اعتقاد رکھتے کیونکہ نصاریٰ کے یہ فرقے قساوت قلبی میں یہودیوں کی طرح تھے۔ یہ بھی ان کی طرح خواہشات نفسانیہ کی ہی پیروی کرتے تھے جس طرح نجران کا وفد تھا مگر وہ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین حق پر تھے اور آپ کی وصیت پر قائم تھے، انجیل کے عالم تھے اور اس رسول کی آمد کے منتظر تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے تھے، جن کا نام نامی حضرت احمد ﷺ ہے، وہ علم اور عمل میں مشغول تھے، دنیا سے اعراض کرنے والے تھے حضور ﷺ کی بعثت سے قبل ان کے دل صاف تھے کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ ان میں سے علماء تھے۔ امام بغوی نے کہا رومی زبان میں قس اور قسیس عالم کو کہتے ہیں (5) قاموس میں ہے علم میں نصاریٰ کے رئیس کو قس یا قسیس کہتے ہیں۔ قس کا اصل معنی کسی شے کی رات کے وقت تتبع اور طلب کرنا۔ ان کا نام یہ شاندار اس لئے رکھا کیونکہ علماء رات کی تاریکیوں میں علم اور عبادت گذار اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔

رہبان یہ راہب کی جمع ہے جس طرح رکبان راکب کی جمع ہے۔ خانقاہوں میں رہنے والے عبادت گزار۔ قاموس میں ہے کہ رہب بروزن علم جس کا معنی ڈرا اور ترھب بروزن تعبد ہے یعنی عبادت گذار رہنا۔

نصاریٰ کی اس صفت کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب انہیں حق کی طرف بلایا جائے تو وہ حق قبول کرنے سے تکبر نہیں کرتے جس طرح یہودی

1۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 537 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 66 (التجاریہ)
3۔ الدرالمنثور، جلد 2، صفحہ 537 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 69 (التجاریہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 67 (التجاریہ)

تکبر کرتے ہیں۔

قتادہ نے کہا یہ آیت اہل کتاب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ان الفاظ سے تعریف کی(1) میں یہ کہتا ہوں کہ نصاریٰ میں سے وہ لوگ تھے جو حضور ﷺ کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین حق پر قائم تھے۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ پر ایمان لے آئے۔ آقائے دو عالم ﷺ کے ارشاد ثَلَاثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ میں اہل کتاب سے یہی لوگ مراد ہیں ایک کتابی جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور حضور ﷺ پر بھی ایمان لایا(2) متفق علیہ۔ یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے واللہ اعلم۔

اہل تفسیر نے کہا کہ قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ مومنوں کو ان کے دین سے برگشتہ کریں تو ہر قبیلہ اپنے قبیلے کے مسلمانوں کو اذیت دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بے شمار لوگ اس سے دوچار ہوئے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا ارادہ کیا وہ ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا حضرت ابو طالب کے ذریعے محفوظ رکھا۔ جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ یہ سلوک ہوتے ہوئے دیکھا جبکہ آپ نہ ان کا دفاع کر سکتے تھے نہ ہی آپ کو ابھی جہاد کا حکم دیا گیا تھا تو آپ نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا فرمایا وہاں ایک صالح حکمران ہے جو نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ہی کسی پر ظلم کرنے کی اجازت دیتا ہے اس لئے تم وہاں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے کوئی راہ نکالے۔ آپ کی صالح بادشاہ سے مراد حضرت نجاشی تھا جن کا نام اصحمہ تھا، جبکہ حبشہ میں اسے عطیہ کہتے تھے نجاشی حبشہ میں بادشاہ کو کہتے جس طرح قیصر و کسریٰ بادشاہ کو کہتے چھپ چھپا کر گیارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ چلے گئے۔ ہجرت کرنے والے صحابہ یہ تھے حضرت عثمان بن عفان، آپ کی زوجہ حضرت رقیہ جو آقائے دو عالم ﷺ کی صاحبزادی تھیں، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، آپ کی زوجہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد، آپ کی زوجہ ام سلمہ بنت امیہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن ربیعہ آپ کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ، حضرت حاطب بن عمرو اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ سب سمندر کی طرف نکل گئے، ایک کشتی کرائے پر لی اور حبشہ جانے کے لئے نصف دینار کرائے کا تعین ہوا۔ یہ بعثت نبوی کا پانچواں سال اور رجب کا مہینہ تھا۔ یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب حبشہ گئے پھر مسلمان لگاتار وہاں جاتے رہے۔ حبشہ جانے والے مسلمان مردوں کی کل تعداد بیاسی 82 افراد پر مشتمل تھی۔ بچے اور عورتیں اس کے علاوہ تھیں۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن عاص اور آپ کے ایک ساتھی کے ہاتھ نجاشی اور دینی راہنماؤں کو تحائف بھیجے تاکہ نجاشی ان مسلمانوں کو واپس کر دے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو ان کے ظلم وستم سے محفوظ رکھا۔ میں نے اس پورے واقعہ کو سورۂ آل عمران آیہ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ میں ذکر کیا ہے۔ جب یہ دونوں سفیر واپس لوٹے تو مسلمان وہاں خوش وخرم اور بہترین حفاظت میں رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور آپ کو غلبہ نصیب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے سن چھ ہجری کو عمرو بن امیہ ضمیری کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ نجاشی ان کا نکاح ام حبیبہ بنت سفیان سے کر دے۔ حضرت ام حبیبہ نے اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور آپ کا خاوند وہاں ہی فوت ہو گیا تھا ساتھ ہی یہ پیغام دے دیا کہ جو مسلمان وہاں موجود ہیں انہیں مدینہ طیبہ بھیج دے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 67 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 86 (قدیمی)

حضرت نجاشی نے اپنی لونڈی ام حبیبہ کے پاس بھیجی جسے ابرھہ کہتے تھے تاکہ حضور ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام پہنچائے تو حضرت ام حبیبہ نے اس پیغام سے خوش ہو کر اپنے کنگن لونڈی کو دے دیئے اور حضرت خالد بن سعید بن عاص کو وکیل بنایا۔ حضرت خالد نے چار سو دینار کے عوض حضرت ام حبیبہ کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ حضرت نجاشی نے چار سو دینار ابرھہ لونڈی کے ہاتھ حضرت ام حبیبہ کے ہاتھ بھیج دیئے۔ جب ابرہہ یہ دینار لے کر آئی تو ام حبیبہ نے پچاس دینار اسے ہبہ کر دیئے تو ابرھہ نے وہ دینار واپس کر دیئے اور کہا مجھے بادشاہ نے حکم دیا کہ میں آپ سے کوئی چیز وصول نہ کروں اور کہا میں بادشاہ کے تیل اور لباس کی ذمہ دار ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی ہے اور آپ پر ایمان لے آئی ہوں اور مجھے آپ سے ایک کام ہے کہ آپ میرا اسلام آپ ﷺ تک پہنچائیں تو حضرت ام حبیبہ نے فرمایا ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گی۔ بادشاہ نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ ان کے پاس عنبرہ عود (خاص قسم کی خوشبو ہیں) جو بھی موجود ہو وہ ام حبیبہ کو بھیج دیں۔ رسول اللہ ﷺ خوشبو کو ام حبیبہ کے جسم پر اور ان کے ہاں پاتے اور کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرتے۔

حضرت ام حبیبہ نے فرمایا ہم مدینہ طیبہ آئے۔ جبکہ آقائے دوعالم ﷺ خیبر میں تھے جو وہاں جانا چاہتے تھے وہاں چلے گئے۔ جبکہ میں مدینہ طیبہ میں ہی رہی یہاں تک کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ مجھ سے نجاشی کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے میں نے آپ کو ابرھہ لونڈی کا سلام پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ یعنی ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ کے ساتھ نکاح کے واسطہ سے محبت پیدا کر دے گا۔ جب ابوسفیان کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے یہ جملہ بولا تھا ذلک الفحل لا یقرع انفہ یعنی اس ہستی پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ حضرت جعفر کے آنے کے بعد نجاشی نے اپنے بیٹے ارھا بن اصحمہ کی قیادت میں ساٹھ آدمیوں کا ایک وفد حبشہ سے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور یہ لکھا یا رسول اللہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے رسول ہیں، میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت کی، میں نے اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے آگے جھکا دیا میں نے اپنے بیٹے ارھا کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اگر آپ پسند کریں تو میں خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو۔ یہ وفد حضرت جعفر کے پیچھے کشتی پر سوار ہوا۔ جب یہ سمندر کے درمیان پہنچے تو سب غرق ہو گئے۔ حضرت جعفر اور آپ کے ستر ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے جبکہ ان کے جسموں پر اون کا لباس تھا۔ ان میں باسٹھ افراد حبشہ کے تھے اور آٹھ شام کے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان پر سورۃ یٰس ابتداء سے آخر تک پڑھی۔ جب انہوں نے قرآن حکیم کو سنا تو خوب روئے اور آپ پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے کہا یہ کلام اس کلام کے کس قدر مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى یعنی نجاشی کا وفد جو حضرت جعفر کے ساتھ آئے تھے ان کی تعداد ستر تھی۔ یہ خانقاہوں میں رہنے والے لوگ تھے۔ مقاتل اور کلبی نے کہا یہ کل چالیس افراد تھے۔ بتیس حبشہ کے تھے اور آٹھ شامی تھے (1) عطاء نے کہا یہ کل اسی افراد تھے۔ چالیس نجران کے باشندے تھے۔ بتیس حبشہ کے تھے اور آٹھ شامی تھے۔ ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم اور واحدی نے ابن شہاب کے واسطہ سے سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمن اور عروہ بن زبیر سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی طرف بھیجا۔ ساتھ ہی ایک خط تحریر کیا۔ حضرت

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 68 (التجاریہ)

عمرو بن امیہ ضمیری نجاشی کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا پھر نجاشی نے حضرت جعفر اور دوسرے مہاجرین کو بلایا اور پھر راہبوں اور علماء کو بلا بھیجا پھر حضرت جعفر کو کہا کہ قرآن پڑھ کر سناؤ تو حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ لوگ قرآن پر ایمان لے آئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ نجاشی نے فلاں نامی شخص کی قیادت میں ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ وفد نجاشی کے بہترین ساتھیوں پر مشتمل تھا۔رسول اللہ ﷺ نے ان پر سورۂ یس کی تلاوت کی تو وہ لوگ رونے لگے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی(1)

امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

"اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لئے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں۔ ؎"

؎ طبرانی نے حضرت ابن عباس سے سابقہ روایات سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ نقل کیا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ نجاشی یا اس کے وفد کے بارے میں آیت کا شان نزول حکم میں ان کے اختصاص کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، محل نزول کے خصوص کا نہیں ہوتا۔ وَاِذَا سَمِعُوْا کا عطف لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ پر ہے۔ یہ ان کے دل کی رقت، خوف کی زیادتی، قبول حق کی طرف تیزی اور اس کے انکار نہ کرنے کا بیان ہے۔ فیض کا معنی کسی برتن کے بھر جانے کے بعد اس کا بہہ پڑنا ہے۔ فیض کو امتلاء کی جگہ رکھنا مبالغہ کے اظہار کے لئے یا زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کو اس طرح بنا دیا گیا گویا وہ خود ہی بہہ جائیں گی۔ تَفِيْضُ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے کیونکہ رؤیت ابصار کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مِنْ ابتدائیہ ہے، جبکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ تعلیلیہ ہے۔ مِمَّا عَرَفُوْا میں بھی مِنْ ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور تعلیلیہ بھی ہوسکتا ہے۔ معنی یہ ہوگا مِنْ اَجْلِ الْمَعْرِفَةِ اور ما موصولہ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوئی مِنَ الَّذِیْ عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ میں مِن بیانیہ ہے۔ یا تبعیضیہ ہے یعنی انہوں نے بعض حق کو پہچانا تو اس نے انہیں رلا دیا۔ اگر یہ سارا حق پہچان لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ عطاء کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ سامعین سے مراد نجاشی اور اس کے ساتھی ہیں جن پر حضرت جعفر نے حبشہ میں کھیعص کی تلاوت کی وہ لگاتار روتے رہے یہاں تک کہ آپ قرأت سے فارغ ہوگئے(2)

يَقُوْلُوْنَ عَرَفُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔ اٰمَنَّا کا مفعول یہ حضور ﷺ اور قرآن ہے جو آپ پر نازل کیا گیا۔ اس اٰمَنَّا سے مراد نئے سرے سے ایمان لانا اور اس میں داخل ہونا ہے۔ انہوں نے رَبَّنَا کا لفظ ذکر کیا تاکہ یہ بتائیں کہ وہ خالص ایمان لائے ہیں منافقین کی طرح ایمان نہیں لائے۔ پس ہمیں حضور ﷺ کے ساتھ لکھ لے جو تمام اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کہی تھی کیونکہ انجیل میں انہوں نے اس امت کا ذکر اسی طرح پایا تھا۔ یا اس کا معنی ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو آپ کی نبوت کی گواہی دینے والے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 4 (الامیریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 69 (التجاریہ)

ہیں اور یہ گواہی دیتے ہیں کہ قرآن حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ شہادت اسے کہتے ہیں جو صمیم قلب سے ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ اس میں وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان کے نفوس نفاق سے پاک ہیں۔ پھر انہوں نے اس امر پر دلیل پیش کی کہ ان کا ایمان شہداء کا ایمان ہے منافقین کا ایمان نہیں۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

''اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آ چکا ہے ہمارے پاس حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں۔ ۱؎''

۱؎ وَمَا جاءَ نا مِنَ الْحَقِّ سے مراد قرآن حکیم ہے ان یدخلنا کا مفعول فیہ الجنۃ ہے صالحین سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔

ترکیب کلام میں وما لنا مبتدا اور خبر ہے اور لا نؤمن حال ہے جس طرح یہ قول ما لک قائما میں قائما حال ہے اور نطمع کا نؤمن پر عطف ہے یعنی ہمیں زیبا نہیں کہ ہم ایمان نہ لائیں اور امید نہ رکھیں یا اس کا عطف نُؤْمِنُ پر ہے۔ معنی یہ ہوگا ہمیں زیبا نہیں کہ ہم ایمان نہ لائیں اور امید نہ رکھیں یا اس کا عطف نؤمن پر ہے معنی یہ ہوگا کہ ہمیں زیبا نہیں کہ ہم ایمان نہ لانے اور امید نہ رکھنے کو جمع کریں کیونکہ یہ دونوں چیزیں متضاد ہیں کیونکہ ایمان کے بغیر امید رکھنا باطل ہے یا یہ مبتدا محذوف (نحن) کی خبر ہے واؤ حالیہ ہے اور نَحْنُ نَطْمَعُ کا جملہ نُؤْمِنُ کی ضمیر سے حال ہے۔ اس میں اس امر کا بھی اظہار ہے کہ ایک طرف ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی اس پر مرتب ہونے والا امر یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کی امید خلاف واقع اور ناممکن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ سوال کا جواب ہے۔

امام بغوی نے یہ ذکر کیا کہ یہودیوں نے انہیں عار دلائی اور کہا تم کیوں ایمان لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا (۱) ایک قول یہ کیا گیا جب وہ اپنی قوم کی طرف پلٹے تو قوم نے انہیں ملامت کی تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ اس تاویل پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عطف کی صورت میں جواب کیسے آ سکتا ہے، جبکہ جواب تو فصل کا تقاضا کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو اس کی توجیہ کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو مالک لا تو من وما لنا لا نومن۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

''تو عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اس قول کے باغات رواں ہیں ان کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا۔''

ان کے اعتقاد کے خالص ہونے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدلہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا قول اعتقاد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح فلاں کے اعتقاد کے لئے یہ جملہ کہا جاتا ہے هذا قول فلان ای معتقد فلان۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 69 (التجاریہ)

محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پورے خشوع اور حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہ دیکھے وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر بعد والی آیت میں کافروں کی جزا کا ذکر کیا۔ جس طرح قرآن حکیم کا اسلوب ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب کو جمع کرتا ہے جب سابقہ آیت میں دل سے تصدیق اور حق کا زبان سے اقرار کا ذکر کیا تو اس کے بعد اس کی ضد کا ذکر فرمایا جو حق کا انکار اور اس کی تکذیب ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

"اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں۔ 1"

1 جنہوں نے دل سے ہماری آیات کا انکار کیا اور زبان سے ان کی تکذیب کی۔

امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو مجھے عورت کی خواہش ہوتی ہے اور شہوت مجھ پر غالب آ جاتی ہے اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے (1) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

"اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔ 1"

1 طیبات سے مراد پاکیزہ اور لذیذ چیزیں ہیں جن کی انسان خواہش رکھتا ہو جب کہ وہ حلال ہوں۔ ان آیات کی ترتیب میں لطافت ہے کیونکہ اس میں پہلی آیات اس چیز کو ضمن میں لئے ہوئے تھیں کہ نصاریٰ نے جو رہبانیت اختیار کی تھی اس پر ان کی مدح کی گئی۔ انہیں کسر نفسی پر برانگیختہ کیا گیا اور شہوات کو چھوڑنے کا ذکر تھا۔ پھر اس کے بعد اس مسئلہ میں افراط اور اللہ تعالیٰ کی معین کردہ حد سے تجاوز کرنے سے نہی کا ذکر فرمایا۔ افراط یہ ہے کہ حلال کو حرام بنا دیا جائے۔

اس سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو حلال کیا ہے ان کی حدود کو حرام کردہ چیزوں کی طرف نہ لے جاؤ۔ یہ آیت اس چیز سے روک رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام اور حرام کردہ چیز کو حلال کیا جائے بلکہ ان کی درمیانی راہ اختیار کرنے کی دعوت ہے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ طیبات کو استعمال کرنے میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ ابن جریر نے عوفی کی سند سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت عثمان بن مظعون بھی تھے نے اپنے اوپر عورتوں اور گوشت کو حرام کر لیا استرے لے لئے تاکہ اپنے اپنے آلہ تناسل کو کاٹ دیں تاکہ شہوت کا خاتمہ ہو جائے اور عبادت کے لئے فارغ رہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (2)

ابن جریر نے اسی کی مثل عکرمہ سے مرسل اور ابو قلابہ، مجاہد، ابو مالک، نخعی، سدی اور دوسرے محدثین سے روایت نقل کی ہے۔ سدی کی روایت اس طرح ہے کہ یہ دس صحابہ کرام تھے جن میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی شیر خدا بھی تھے۔ عکرمہ کی روایت میں ہے، ان میں حضرت عثمان بن مظعون، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت مقداد بن اسود اور سالم مولی حذیفہ تھے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 130 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 8 (الامیریہ)

مجاہد کی روایت میں ہے ان صحابہ میں حضرت ابن مظعون اور حضرت عبداللہ بن عمر تھے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سدی صغیر سے، انہوں نے کلبی سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت صحابہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جن میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت مقداد بن اسود' حضرت سالم مولی ابی حذیفہ تھے۔ ان سب نے اتفاق کیا کہ وہ آلہ تناسل کو کاٹ دیں گے' عورتوں سے الگ تھلگ رہیں گے' گوشت اور روغنی چیزیں استعمال نہیں کریں گے، کمبل کا لباس پہنیں گے، بقدر ضرورت ہی کھانا کھائیں گے اور راہبوں کی طرح زمین میں سیاحت کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بغوی نے مفسرین سے نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وعظ فرمایا اور قیامت کا ذکر کیا۔ لوگوں کے دلوں میں رقت پیدا ہوئی اور خوب روئے۔ دس صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت علی ابن ابی طالب' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت ابوذر غفاری، حضرت سالم جو ابوحذیفہ کے غلام تھے، حضرت مقداد بن اسود' حضرت سلمان فارسی اور حضرت معقل بن مقرن تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور اس بات پر اتفاق کہ وہ رہبانیت اختیار کریں گے' کمبل کا لباس پہنیں گے' اپنی شرمگاہیں کاٹ دیں گے' صوم دھر رکھیں گے' ساری رات قیام کیا کریں گے۔ بستر پر نہیں سوئیں گے' گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے' عورتوں اور خوشبو کے قریب نہیں جائیں گے اور زمین میں سیاحت کریں گے۔ حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ حضرت عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لائے۔ حضرت عثمان بن مظعون گھر پر موجود نہ تھے آپ نے ان کی بیوی خولا وبنت ابی امیہ جو خوشبو بیچا کرتی تھیں سے پوچھا کہ تیرے خاوند اور دوسرے صحابہ کے بارے میں جو خبر مجھے پہنچی ہے کیا وہ درست ہے تو انہوں نے یہ بھی ناپسند کیا کہ حضور ﷺ کے سامنے جھوٹ بولیں اور یہ بھی پسند نہ کیا کہ اپنے خاوند کا راز ظاہر کریں۔ عرض کی یا رسول اللہ اگر آپ کو حضرت عثمان بن مظعون نے بتایا ہے تو انہوں نے سچ ہی کہا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ جب حضرت عثمان گھر آئے تو زوجہ نے تمام بات عرض کر دی۔ حضرت عثمان اور آپ کے ساتھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ تم نے اس اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ بات اسی طرح ہے مگر ہم نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ان چیزوں کا حکم نہیں دیا گیا پھر فرمایا تمہارے نفوس کا بھی تم پر حق ہے روزہ رکھو اور افطار بھی کرو' رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی۔ بے شک میں قیام کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں گوشت اور چربی بھی کھاتا ہوں اور بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ پھر سب لوگوں کو جمع کیا اور انہیں خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا اس قوم کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے اوپر عورتیں' کھانا' خوشبو' نیند اور دنیا کی لذات حرام کر لی ہیں خبردار میں تمہیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تم راہب اور سادھو بن جاؤ۔ میرے دین میں گوشت اور عورتیں چھوڑنے کا حکم نہیں اور نہ ہی گرجوں جیسی عبادت گاہیں بنانے کا حکم ہے۔ میری امت کی سیاحت روزہ اور رہبانیت جہاد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، حج اور عمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو، اللہ تعالیٰ سے استقامت طلب کرو، وہ تمہیں استقامت نصیب فرمائے گا۔ تم سے قبل قومیں سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے آپ پر سختی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔ گرجوں اور کنیسوں میں انہیں کی باقیات ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس

آیت کو نازل فرمایا(1)

امام بغوی نے اپنی سند سے سعد بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی ہمیں اپنے آپ کو خصی کرنے کی اجازت دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو۔ میری امت میں خصی ہونا روزے رکھنا ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ ہمیں سیاحت کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کی سیاحت جہاد کرنا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے رہبانیت کی اجازت دیجئے۔ حضور نے جواب ارشاد فرمایا میری امت میں رہبانیت مساجد میں بیٹھنا ہے اور نماز کا انتظار کرنا ہے(2) صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ تین جماعتیں حضور کی ازواج کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ نبی کریم ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھیں۔ جب انہیں آپ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا گویا انہوں نے اس عبادت کو قلیل تصور کیا تو کہنے لگے ہم کہاں اور نبی کریم ﷺ کی شان کہاں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک صحابی نے کہا میں ہمیشہ رات کو عبادت کرتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا ان سے کبھی شادی نہ کروں گا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے فرمایا تم نے یہ یہ کہا خبردار میں اللہ تعالیٰ سے تم سے زیادہ ڈرنے والا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور اسے چھوڑتا بھی ہوں، میں نیند کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں(3)

ابوداؤد نے حضرت انس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ فرمایا کرتے اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا کیونکہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی باقیات گرجوں اور کنیساؤں میں ہیں۔ رہبانیت کو انہوں نے خود اپنایا ہم نے ان پر لازم نہ کیا تھا۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود عمل کیا پھر رخصت دی تو لوگوں نے اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھایا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر فرمایا اس قوم کا کیا حال ہے جو اس عمل سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ کی شانوں سے زیادہ واقف ہوں اور ان کی بنسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کسی کو اپنا مہمان بنایا، جبکہ خود حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ جب گھر لوٹے تو دیکھا گھر والوں نے ان کے انتظار میں مہمانوں کو کھانا نہ دیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا آپ نے میری وجہ سے میرے مہمانوں کو کھانا نہیں دیا یہ کھانا مجھ پر حرام ہے۔ ان کی بیوی نے کہا یہ مجھ پر بھی حرام ہے۔ مہمان نے کہا یہ مجھ پر بھی حرام ہے۔ جب حضرت عبداللہ نے یہ دیکھا تو کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا اللہ کے نام کے ساتھ اسے کھاؤ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر اس واقعہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کو نازل فرمایا(4)

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

"اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان لائے ہوئے ہو"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 69-70 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 70 (التجاریہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 757، صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 449 (قدیمی)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 901 (وزارت تعلیم)

لے حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا حلال اسے کہتے ہیں جو تم نے شروع طریقے سے حاصل کیا ہو اور طیب کہتے ہیں جو غذائیت اور نشو ونما کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جامد چیزیں جیسے مٹی یا جو غذا نہ بن سکیں تو یہ مکروہ ہیں مگر انہیں دوائی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حَلٰلًا كُلُوْا کا مفعول ہے اور مِمَّا رَزَقَكُمُ اس سے حال ہے حال کو مقدم اس لئے کیا گیا کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے اور من تبعیضیہ ہے اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض رزق حلال ہوتا ہے اور بعض حرام۔ جس طرح اہل الحق کا نقطہ نظر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ من ابتدائیہ اور كُلُوْا کے متعلق ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول بہ ہو اور حلالا اسم موصول سے حال ہو اور ضمیر عائد محذوف ہو یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہو یعنی اَكْلًا حَلٰلًا تمام صورتوں میں اگر لفظ رزق کا اطلاق حرام رزق پر نہ ہو تو لفظ حَلٰلًا کے ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ یہ مامور بہ کی تاکید کے لئے ہے اور اس کی تاکید میں اضافہ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ سے کیا کیونکہ ایمان کا مقصود امر و نہی میں تقویٰ اختیار کرنا ہے۔

امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ حلوہ اور شہد کو پسند فرماتے تھے (1) اسے امام بخاری نے روایت کیا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید اور حلوہ کا ثرید تھا۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا کھانے والا اور شکر بجالانے والا صابر روزے دار کی طرح ہے (2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اسے ابن ماجہ اور دارمی نے سنان بن سنہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔

امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنی قسموں کا کیا کریں؟ صحابہ نے ان چیزوں کے بارے میں قسم اٹھائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت نازل فرمائی (3)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

"نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر (1) لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو لے تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کے کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو سے یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں سے یا آزاد کیا جائے غلام ھے اور جو نہ پائے لا (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے رکھے تین دن کے یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اٹھاؤ ۸ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی ۹ اسی

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 840 (وزارت تعلیم) 2۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، جلد 7، صفحہ 201 مطبوعہ دار الفکر بیروت

3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 71 (التجاریہ)

(1) ابو الشیخ اور عبد بن حمید نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دو، اس قسم کا کفارہ دو، اس چیز کو اپنے اوپر حرام نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اگر اسی حال میں مر گئے تو مواخذہ ہوگا۔

طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔ ؎"

؎ ابن ذکوان نے باب مفاعلہ سے عاقدتم پڑھا ہے مگر معنی مجرد کا دے گا۔ ابوبکر' حمزہ اور کسائی نے مجرد سے عَقَدتُم پڑھا ہے جس کا وزن ضَرَبتُم ہے۔ باقی قراء نے باب تفعیل مشدد پڑھا ہے اس آیت کی تفسیر قسم کی اقسام اور اس کے احکام سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے یہاں مواخذہ سے مراد آخرت میں مواخذہ ہے اور بما عقدتم الایمان سے مراد وہ قسمیں ہیں جن کو پختہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو اور اس میں کسی فعل کو کرنے یا نہ کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا گیا ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ چیز انشاء میں ہی متحقق ہوگی۔ قسم کی یہ قسم حلف اٹھانے والے پر اس فعل کے کرنے یا نہ کرنے کو واجب کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو! اپنے وعدے' قسموں کو پورا کرو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُ بِمَا عَقَّدْتُّمْ یعنی تم نے جو قسمیں توڑی ہیں ان پر مواخذہ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی لکن یواخذ بنکث ما عقدتم یا یہ ہوگی یواخذ کم بما عقدتم۔ ان حَنِثْتُمْ کلام سے حذف اس لئے کیا گیا کیونکہ ہر کسی کو اس کا علم ہے۔

مسئلہ:۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء یا وہ اسم جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہو اس پر حرف قسم داخل کیا جائے جس طرح والذی نفسی بیدہ والذی لا الہ غیرہ ومقلب القلوب' ورب السموات والارض اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ۔ بعض مشائخ حنفیہ نے یہ کہا کہ ہر وہ اسم جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کے لیے نہ بولا جاتا ہو جب اسے قسم میں استعمال کیا جائے تو وہ قسم ہو جائے گی۔ وہ اسماء جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسری ذاتوں کے لئے بولے جائیں ان اسماء کے استعمال کرنے سے قسم نہ ہوگی جیسے حلیم' علیم' قادر' وکیل' رحیم وغیرہ۔ ہاں نیت' عرف اور دلالت حال کی وجہ سے قسم بن سکتی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کے ساتھ قسم اٹھانے سے بھی قسم ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا وہ صفات جن کے ساتھ عرف میں قسم اٹھائی جاتی ہے وہ قسم ہو جائے گی جس طرح وعزۃ اللہ' وعظمتہ اور وکبریائہ لیکن وہ صفات جن کے ساتھ عرف میں قسم نہیں اٹھائی جاتی وہ قسم نہ ہوں گی جس طرح وعلم اللہ' وارادتہ' ومشیتہ عراق کے مشائخ کی یہاں اور وضاحت ہے وہ یہ ہے کہ وہ صفات جو صفات ذات کہلاتی ہیں ان کے ذکر کرنے میں قسم ہو جائے گی اور صفات فعل ذکر کرنے میں قسم نہ ہوگی صفات ذات وہ کہلاتی ہیں جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ذکر نہیں کی جاتی جیسے قدرت' جلال' کبریاء' عظمت' عزت اور صفات فعل انہیں کہتے ہیں جن کی اضداد کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ذکر کی جاتی ہے جس طرح رحمت' غضب' رضا' سخط' قبض اور بسط۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے قرآن کی قسم اٹھائی تو تینوں ائمہ کے نزدیک یہ قسم ہوگی' جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عرف نہ ہونے کی وجہ سے قسم نہ ہوگی۔ ابن ہمام نے کہا یہ امر مخفی نہیں اب قرآن کی قسم متعارف ہے پس اب یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم ہوگی جس طرح تینوں ائمہ کا نقطہ نظر ہے۔ یہی گفتگو ہوگی اس صورت میں بھی کہ جب کسی نے مصحف کی قسم اٹھائی کیونکہ مصحف سے مراد قرآن ہے' کاغذ نہیں۔ ابن عبدالبر نے تمہید میں اس مسئلہ کے بارے میں صحابہ اور تابعین کے اقوال ذکر کیے ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں کفارہ واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں اسی نے اختلاف کیا جس کے قوم کی کوئی اہمیت نہیں۔ علماء نے کفارہ کی مقدار میں اختلاف کیا ہے' امام مالک اور امام شافعی نے کہا ایک کفارہ لازم ہوگا۔ امام احمد سے دو روایتیں مروی ہیں ایک جمہور کی طرح ہے' جبکہ دوسرے قول میں ہر آیت کے عوض میں ایک کفارہ ہوگا اگر اس نے وحق اللہ کے الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی تو تینوں ائمہ کے نزدیک قسم ہو جائے گی' جبکہ امام ابوحنیفہ نے اس میں اختلاف

کیا ہے اگر اس نے عمر اللہ اورایم اللہ کے الفاظ کہے تو امام ابوحنیفہ نے کہا وہ نیت کرے یا نہ کرے وہ قسم ہو جائے گی۔ امام احمد سے بھی یہی روایت ہے۔ امام شافعی کے بعض اصحاب نے کہا یہ امام احمد سے روایت ہے اگر اس نے نیت نہ کی تو یہ قسم نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ جس نے کعبہ اور نبی کی قسم اٹھائی تو وہ قسم نہ ہوگی۔ تینوں ائمہ کے نزدیک وہ قسم نہ ہوگی۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، جبکہ امام احمد سے زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ نبی کی قسم اٹھانے سے قسم ہو جائے گی۔ ہمارے پیش نظر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو قسم اٹھانا چاہے وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے(1) متفق علیہ۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی نام کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا(2) اسے ابوداؤد نے روایت کیا حضرت ابن مسعود سے موقوف روایت ہے مجھے اللہ کے نام کی جھوٹی قسم اٹھانا زیادہ پسند ہے بنسبت اس کے کسی غیر کے نام کی قسم اٹھاؤں۔ صاحب ہدایہ نے کہا یہ اس صورت میں ہوگا جب وہ یوں قسم اٹھائے والنبی اگر اس نے یہ کہا اگر وہ اس طرح کرے تو وہ نبی یا کعبہ سے بری ہے یا اس نے کہا اگر اس نے یہ کہا تو وہ یہودی یا نصرانی یا کافر ہے تو یہ قسم ہو جائے گی کیونکہ جب اس نے شرط ایسی ذکر کی جو کفر کی علامت ہے تو اس نے اسے واجب الامتناع (جس سے رکنا واجب ہے) بنا دیا۔ غیر کے لئے اس کے واجب ہونے کا قول ممکن ہے تو ہم نے اسے قسم بنا دیا جس طرح جب کوئی حلال کو حرام قرار دے تو ہم اسے قسم کہتے ہیں(3) کیونکہ ہمارے نزدیک حلال کو حرام قرار دینا قسم ہے، جبکہ امام شافعی نے فرمایا حلال کو حرام قرار دینا قسم نہیں۔ ہمارے پیش نظر حضور ﷺ کا یہ عمل ہے کہ حضور ﷺ نے ماریہ قبطیہ اور شہد پینے کو اپنے اوپر حرام کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ صحیحین اور دوسری احادیث کی کتابوں میں یہی ہے۔ سورۂ تحریم میں ہم ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے یوں قسم اٹھائی اگر میں نے ایسا کیا تو وہ یہودی ہے یا اسلام سے بری ہے یا اس جیسی کوئی بات کہی، جبکہ اس نے اس طرح کیا بھی تھا تو یہ یمین غموس ہوگی۔ مستقبل پر قیاس کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے کافر نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا اسے کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ معنی یہ کلام حتمی ہے مشروط نہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا صحیح یہ ہے کہ اسے کافر قرار نہیں دیا جائیگا اگر اسے یہ معلوم ہو کہ یہ قسم ہے اگر اس کے نزدیک یہ واضح ہو کہ قسم اٹھانے سے وہ کافر ہو جائے گا تو اسے کافر قرار دیا جائے گا(4) حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے یہ کہا کہ میں اسلام سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اگر وہ جھوٹا ہو تو جس طرح اس نے کہا وہ اسی طرح ہو جائے گا اگر وہ سچا ہو تو اسلام کی طرف سالم نہیں لوٹے گا(5) اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے فعل قسم کا ماضی کا صیغہ اللہ کے نام اور اس کی صفت پر داخل کیا جیسے اس نے کہا اَقْسَمْتُ بِاللّٰهِ یا حَلَفْتُ بِاللّٰهِ یا شَهِدْتُ بِاللّٰهِ یا عَزَمْتُ بِاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا تو بغیر اختلاف کے یہ قسم ہوگی۔ اگر اس نے مضارع کا صیغہ کہا جیسے اُقْسِمُ بِاللّٰهِ یا اَحْلِفُ بِاللّٰهِ یا اَشْهَدُ بِاللّٰهِ یا اَعْزِمُ بِاللّٰهِ تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تو یہ قسم ہوگی، جبکہ امام شافعی کے نزدیک قسم نہ ہوگی مگر جب وہ قسم کی نیت کرے کیونکہ مستقبل سے مراد وعدہ ہوگا۔ حنفیہ نے کہا مضارع کا صیغہ حال میں حقیقت اور مستقبل میں مجاز ہوگا۔ مستقبل کا معنی اسی صورت میں لیا جائے گا جب سین، سوف یا اس جیسا کوئی قرینہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اَقْسَمْتُ یا اُقْسِمُ حَلَفْتُ یا اَحْلِفُ جیسے صیغے استعمال کئے، جبکہ ساتھ اسم جلالت یا اس کی صفت ذکر نہ کی تو

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 46 (قدیمی) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 463 (وزارت تعلیم) 3۔ مفہوم از ہدایہ اولین، صفحہ 481
4۔ ہدایہ اولین، صفحہ 481 5۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 464 (ایضاً)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ قسم ہوگی وہ نیت کرے یا نہ کرے۔ اگر اس نے قسم کے علاوہ کسی اور چیز کی نیت کی تو دیانۃً اس کی تصدیق ہو جائے گی مگر قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی امام مالک' امام احمد کے ایک قول میں اور امام زفر نے کہا اگر اس نے قسم کی نیت کی تو قسم ہو جائے گی ورنہ قسم نہ ہوگی کیونکہ اس میں غیر اللہ کی قسم کا احتمال ہے۔ جبکہ امام شافعی نے فرمایا یہ قسم نہ ہوگی اگر چہ نیت بھی کرے۔ ہم کہتے ہیں اللہ کے نام کی قسم ہی معروف اور جائز ہے۔ جبکہ کسی غیر کے نام کی قسم ممنوع ہے اس لئے جب نیت نہ ہو تو اسے مشروع کی طرف پھیرا جائے گا۔ اس مسئلہ میں امام شافعی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ایک آدمی نے خواب دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس کی تعبیر کروں حضور ﷺ نے اجازت دی حضرت ابوبکر نے تعبیر بتائی پھر پوچھا یا رسول اللہ کیا میں نے صحیح تعبیر بتائی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کچھ صحیح بتائی کچھ میں غلطی کی۔ عرض کی میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ مجھے غلطی کے بارے میں بتائیں حضور ﷺ نے فرمایا اس طرح قسم نہ اٹھاؤ(1) امام احمد نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیحین میں اور الفاظ کے ساتھ اسے نقل کیا گیا واللہ لتخبرنی بالذی اخطأت قال لا تقسم واللہ اعلم۔

۲۔ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ہ ضمیر سے پہلے عَقَّدْتُّمْ یا معقود محذوف ہے یعنی قسم توڑنے کا کفارہ یا اس سے مراد یہ ہے کہ قسم توڑنے کی صورت میں یمین منعقدہ کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ کفارہ ایسا فعل ہے جو گناہ چھپا لیتا ہے اور اسے ختم کر دیتا ہے۔ اطعام کا معنی کسی دوسرے کو کھانا کھلانا خواہ مالک بنانے کی صورت میں ہو یا صرف کھانا کھانے کی اجازت کی صورت میں۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے یہ ارشاد فرمایا اگر کسی نے دس مسکینوں کو صبح شام سیر ہو کر کھانا کھلا دیا اگر چہ انہیں مالک نہ بھی بنایا تو یہ جائز ہو جائے گا انہوں نے تھوڑا کھایا یا۔ زیادہ کھایا امام کرخی نے اپنی سند سے اسی طرح ذکر کیا ہے، جبکہ امام شافعی کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے آپ کے نزدیک مسکین کو مالک بنانا شرط ہے۔ آپ اس مسئلہ کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہیں۔ دوسری دلیل آپ کی یہ ہے کہ مالک بنانا احتیاج ختم کرنے میں زیادہ موثر ہے۔ اسی وجہ سے صرف کھانا کھانے کی اجازت دینا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

امام شافعی کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں زکوٰۃ کے بارے میں آیت کریمہ میں ایتاء اور صدقہ فطر میں ادا کا لفظ ہے جن کا حقیقی معنی تملیک ہے، جبکہ طعام کی صورت مختلف ہے کیونکہ اس کا حقیقی معنی کھانا کھانے کی قدرت عطا کرنا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے جب اطعام کا حقیقی معنی کھانا کھانے کی قدرت دینا ہے تو پھر مالک بنانا جائز نہ ہوتا ورنہ حقیقت ومجاز کو جمع کرنا لازم آتا ہے۔ ہم کہیں گے یہ اعتراض تو کھانے کا مالک بنانے میں بھی ہوگا یا یہ کہا جائے گا کہ مالک بنانے کا جواز دلالۃ النص سے ثابت ہے اور دلالۃ النص حقیقت پر عمل کرنے سے مانع نہیں جس طرح تافیف (اف کہنا) کے ساتھ ساتھ والدین کو مارنا اور انہیں گالیاں دینا حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نص کھانے کی حاجت کو دور کرنے کے لئے نازل ہوئی، جبکہ مالک بنانا تمام ضرورتوں کو دور کرتا ہے، جبکہ کھانا کھلانے والی حاجت بدرجہ اولی اس میں شامل ہوگی۔ عبد بن حمید ابن منذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں روایت کیا ہے کہ وہ اگر چاہے تو مسکینوں کو روٹی اور گوشت یا روٹی اور زیتون یا روٹی اور گھی یا روٹی اور کھجور صبح وشام کھلائے(2)

مسئلہ:۔ اگر کھانا کھانے والوں میں دودھ چھڑایا گیا بچہ ہو تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا۔

مسئلہ:۔ گندم کی روٹی کے علاوہ روٹی میں سالن کا ہونا ضروری ہے تاکہ جب انہیں کھانا کھانے کی اجازت دی جائے تو وہ سیر ہو کر کھانا کھا سکے۔ گندم کی روٹی کی صورت میں یہ شرط نہیں اگر گھر میں درمیانی کھانا بغیر سالن کے کھایا جاتا ہو۔

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 236 (صادر)
2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 553 (العلمیہ)

مسئلہ:۔ اگر ایک مسکین کو دس دن کھانا دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اگر ایک ہی دن میں اسے دس دفعہ کھانا دیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ناجائز اس صورت میں ہوگا جب اسے کھانا کھانے کی اجازت دی ہو۔ اگر اسے دس دفعہ مالک بنایا (دس دفعہ صدقہ فطر کے برابر چیز دی) تو یہ جائز ہوگا کیونکہ مالک بنانے کی ضرورت تو دن میں دس دفعہ پیدا ہو سکتی ہے لیکن دن میں دس دفعہ کھانے کی ضرورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک فقیر کو ایک دن میں دس مسکینوں کا کھانا اکٹھے دے دیا تو یہ جائز نہ ہوگا یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مقصود محتاج کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ ضرورت ہر دن میں نئی ہو جاتی ہے دوسرے دن دینا نئے فقیر کو دینے کی طرح ہے۔ تاہم ایک دن میں دس دفعہ کھانے کی ضرورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا صحیح مذہب یہی ہے اکثر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ ایک مسکین کو دس دن کا کھانا کھلانا صحیح نہیں اگر چہ اسے کھانے کا مالک ہی کیوں نہ بنایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دس مسکینوں کا ذکر فرمایا۔ ایک مسکین میں حاجت کا بار بار پیدا ہونے سے دس مسکین نہیں ہو جاتے۔ یہ دلیل دینا کہ اس سے مقصود محض ایک ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا ہے یہ نص کے معنی کو باطل کرتی ہے اس لئے یہ جائز نہیں۔

مسئلہ:۔ جب کفارہ ادا کرنے والے نے دس مسکینوں کو مالک بنایا اہل عراق (عراقی علماء) کے نزدیک ہر مسکین کے لئے دو مد ہوں گے جو نصف صاع کے برابر ہے۔ امام بغوی نے کہا یہ حضرت عمر اور حضرت علی سے مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا نصف صاع گندم اور ایک صاع جو یا کھجور۔ یہی امام شعبی، امام نخعی، سعید بن جبیر، مجاہد اور حاکم کا قول ہے(1) امام مالک نے فرمایا ایک مد لازم ہوگا جو دو بغدادی رطلوں کے برابر ہے۔ امام احمد نے فرمایا ایک مد گندم یا آٹا اور دو مد جو یا کھجور اور دو رطل گندم کی روٹی۔ امام شافعی نے فرمایا نبی کریم ﷺ کا مد لازم ہوگا جو ایک مکمل رطل اور ایک تہائی رطل کے برابر ہے۔ یہ شہر کی عمومی خوراک سے لازم ہوگا۔ آپ کے نزدیک روٹی اور آٹا دینا جائز نہیں بلکہ گندم دینا ضروری ہے۔ امام بغوی نے کہا یہی حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کا قول ہے۔ سعید بن مسیب، قاسم، سلیمان بن یسار، عطاء اور حسن کا قول بھی یہی ہے۔ تمام کفارات میں یہی اختلاف ہے(2) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان چیزوں کی قیمت دراہم و دنانیر کی صورت میں دینا جائز ہے، جبکہ دوسرے ائمہ کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے۔ امام کرخی نے اپنی سند سے حضرت عمر سے ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کھجور اور جو کا ایک صاع اور گندم کا نصف صاع اور اپنی سند سے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے فرمایا قسم کا کفارہ نصف صاع گندم (ہر فقیر کے لئے) اپنی سند سے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں ہر کفارہ ہر مسکین کے لئے نصف صاع گندم ہے۔ ابن جوزی نے تحقیق میں اپنی سند سے سلیمان بن یسار سے نقل کیا ہے کہا میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ مساکین کو ایک ایک مد (۱) دیتے ہیں یہ بھی روایت کی جاتی ہے۔ یہ انہیں کفایت کر جاتا ہے اس باب میں ابو سلمہ کی حدیث ہے کہ سلیمان بن صخر جسے سلمہ بن صخر بیاضی بھی کہا جاتا ہے اس نے اپنی بیوی سے رمضان کے لئے ظہار کر لیا جب نصف رمضان گزرا تو رات کو حقوق زوجیت ادا کر لئے پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غلام آزاد کرو۔ انہوں نے عرض کی میرے پاس غلام نہیں۔ فرمایا دو ماہ لگاتار روزے رکھو۔ عرض کی میں یہ بھی طاقت نہیں رکھتا۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کی میرے پاس یہ بھی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عروہ بن عمرو سے فرمایا اسے ایک فرق دے دو۔ یہ ایک پیمانہ ہے جس میں پندرہ سولہ صاع ساٹھ چونسٹھ کلو جنس آتی ہے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے، کہا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 71 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

(۱) ایک پیمانہ جس کی مقدار اہل حجاز کے نزدیک $1\frac{1}{3}$ رطل اور اہل عراق کے نزدیک دو رطل کے برابر ہے دو رطل پانچ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے۔

میں عورتوں کا دوسروں کی بنسبت زیادہ حریص تھا۔ یہ حدیث امام شافعی اور ان لوگوں کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مسکین کیلئے چوتھائی صاع یعنی ایک کلو ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے طبرانی نے اوس بن صامت سے روایت کیا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو تیس صاع کھلاؤ۔ عرض کی میں تو اس کا مالک نہیں مگر اس صورت میں کہ آپ میری مدد کریں۔ نبی کریم ﷺ نے پندرہ صاع سے اس کی مدد کی اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کی مدد کی یہاں تک کہ مقدار پوری ہو گئی۔

میں عرض کرتا ہوں شاید وہ جنس گندم تھی۔ ابوداؤد نے ابن اسحاق کے واسطہ سے معمر بن عبداللہ سے، انہوں نے یوسف بن عبد اللہ سے اوس بن صامت کی حدیث میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایک فرق کھجور سے تیری مدد کروں گا۔ انہوں نے کہا میں اس کی ایک اور فرق سے مدد کرونگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا۔ فرق ساٹھ صاع (ایک سوبیس کلو) کا ہوتا ہے۔ حدیث کو اسی سند سے ذکر کیا تاہم کہا پیمانہ تیس صاع کا تھا۔ ابن ہمام نے کہا یہ تعبیر زیادہ صحیح ہے کیونکہ اگر فرق ساٹھ صاع کا ہوتا تو ایک اور فرق سے مدد کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ابوداؤد نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ فرق پندرہ صاع کے زنبیل کو کہتے ہیں۔ ابوداؤد نے سلمہ بن صخر کی حدیث میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے ساٹھ مسکینوں میں ایک وسق کھجوروں کا تقسیم کیا۔ عرض کی قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ ہم نے تو رات بھوکے گزاری ہے، ہم اپنی ضرورت کے کھانے کے مالک نہیں۔ فرمایا بنی زریق کے صدقہ کے نگہبان کے پاس جاوہ تجھے کھانا دے گا۔ کھجور کا ایک وسق مسکینوں کو کھلانا جو باقی بچے وہ خود اور گھر والے کھالینا۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ چھوٹے مسکین کو کھانا دینا اور اسے مالک بنانا جائز ہے جس کو چھوٹے کا ولی قبول کرے کیا ایسا چھوٹا فقیر جو خود کھانا نہیں کھاتا اسے کھانا دینا جائز ہے تو تین ائمہ نے جائز کا قول کیا ہے، جبکہ امام احمد اس کو جائز نہیں سمجھتے۔

مسئلہ:۔ اگر کفارہ کا صدقہ کسی ذمی فقیر کو دے دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہوگا کیونکہ مصرف والی نص مطلق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ جو کفار تمہارے دین کے بارے میں جنگ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں نہیں روکتا۔ جبکہ جمہور علماء کے نزدیک زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں کہتے کیونکہ بالاتفاق ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ، مِنْ اَوْسَطِ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ مفعول محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی اَنْ تُطْعِمُوْا عَشَرَةَ مَسٰكِيْنَ طَعَامًا مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ یا یہ محل رفع میں ہوگا کیونکہ یہ اطعام کا بدل ہے۔ امام بغوی نے کہا اس کا معنی ہے تمہارے خاندان کی بہترین خوراک(1)

میں کہتا ہوں ظاہری مراد یہ ہے کہ کیفیت میں درمیانی کھانا نہ بہت اعلیٰ ہو اور نہ ہی بہت ادنیٰ۔ جو آدمی غنی ہو اور اس کے گھر والے لذیذ کھانا کھاتے ہیں تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ صبح اور شام کو وہی کھانا کھلائے جو اس کے گھر والوں کا عمومی کھانا ہوتا ہے۔ یہ کلام امام ابوحنیفہ کے نقطہ نظر پر دلالت کرتی ہے کہ فقیر کو کھانا مباح کرنا جائز ہے۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مِنْ اَوْسَطِ سے مراد تمہاری تنگی اور خوشحالی کے درمیان ہو۔ ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ نہ بہت اعلیٰ ہو اور نہ ہی بہت ادنیٰ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 71 (التجاریہ)

ہو۔ اھل کی جمع یا ءنون سے آنا شاذ ہے کیونکہ یہ علم (نام) نہیں۔

؎ اس کا عطف اطعام پر ہے یا اس کا عطف من اوسط پر ہے۔ اگر من اوسط کو بدل بنایا جائے کیونکہ کلام میں مقصود بدل ہی ہوتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک کم سے کم لباس وہ ہوتا ہے جس میں نماز جائز ہو۔ امام محمد سے بھی یہی مروی ہے۔ مرد میں پاجامہ، تہہ بند اور قمیص کافی ہے، جبکہ عورت میں کم از کم دو کپڑے ضروری ہیں، ایک قمیص اور دوسری اوڑھنی، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کم سے کم لباس وہ ہوتا ہے جو عام بدن کو ڈھانپ لے اس لئے صرف پاجامہ جائز نہیں اگرچہ اس میں نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کیونکہ صرف پاجامہ پہننے والے کو عرف میں ننگا کہتے ہیں، جبکہ یہاں حکم یہ ہے کہ وہ لباس پہنے ہوئے ہو۔ یہ بھی جائز ہے وہ صرف ایک قمیص دے جو عورت کے جسم کو ڈھانپ لے اگرچہ عورت کے لئے خمار کے بغیر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہوتا کیونکہ عورت جب قمیص پہنے ہوئے ہو تو عرف میں اسے ننگا نہیں سمجھا جاتا بلکہ لباس پہنے ہوئے سمجھا جاتا ہے۔ ابن مردویہ نے حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کِسْوَتُهُمْ کا کیا معنی ہے فرمایا اس سے مراد عباء ہے(1) اسی طرح طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ہر مسکین کے لئے عباء ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کم سے کم وہ لباس جس پر کسوہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ آپ کے نزدیک پگڑی دینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح صرف پاجامہ، قمیص دینا بھی جائز ہے۔ ٹوپی کے بارے میں آپ کے ساتھیوں کی دو آراء ہیں اگر اس نے پانچ مسکینوں کو کھانا کھلایا اور پانچ کو کپڑے پہنائے تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے کہا یہ جائز ہے، جبکہ امام مالک اور شافعی نے کہا یہ جائز نہیں۔

؎ یعنی ایک غلام آزاد کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ قسم اور ظہار کے کفارہ میں کافر غلام آزاد کرنا بھی جائز ہے، جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مومن غلام ہی آزاد کرنا جائز ہے وہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں مومن غلام آزاد کرنے کا حکم کفارہ قتل میں موجود ہے ہم کہتے ہیں مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہے گا اور مقید اپنی تقیید پر جاری رہے گا ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ:۔ او کا کلمہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ان تین چیزوں میں سے مطلقاً ایک واجب ہو۔ مکلف کو ایک کی تعیین کا اختیار ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے جب کفارہ کی آیت نازل ہوئی تو حضرت حذیفہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں اس چیز کا اختیار حاصل ہے فرمایا تجھے اختیار حاصل ہے اگر چاہے تو کپڑے دے اگر چاہے تو کھانا کھلا دے جو یہ بھی نہ پائے تو تین دن کے لئے پے در پے روزے رکھ لے(2)

؎ جب کوئی آدمی ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو، یعنی اس کے پاس قرض، اپنی روزی، گھر والوں کی خوراک اور ان کی ضروریات سے کوئی چیز بچی ہوئی نہ ہو تو بعض علماء نے کہا جب وہ کسی ایسی چیز کا مالک ہو جس کے ذریعے وہ کھانا کھلا سکتا ہو یا کفارہ کی دوسری صورتوں میں کسی صورت میں کفارہ ادا کر سکتا ہو اگرچہ واجبات ادا کرنے سے کوئی چیز نہ بچتی ہو تب بھی وہ عاجز نہ ہوگا یہ حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔

ابوالشیخ نے قتادہ سے نقل کیا ہے اگر اس کے پاس پچاس درہم ہوں تو یہ طاقت رکھتا ہے اور اس پر مسکین کو کھانا کھلانا واجب

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 554 (العلمیہ)

2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 555 (کچھ اضافہ کے ساتھ) (العلمیہ)

ہے۔ اگر اس کے پاس اتنے درہم بھی نہیں تو قدرت نہیں رکھتا اس لیے وہ روزے رکھے(1) ابوالشیخ نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے اگر اس کے پاس بیس درہم ہوں تب بھی اس پر مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے(2)

مسئلہ:۔ غلام کے لئے روزے کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں کیونکہ کھانا کھلانے' لباس پہنانے اور غلام آزاد کرنے پر وہ قادر نہیں کیونکہ وہ مال کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ اگر اس کا مالک اس کی طرف سے غلام آزاد کردے یا کھانا کھلا دے یا لباس پہنا دے تو یہ جائز نہیں ہوگا مکاتب غلام اور جو غلام کما کر اپنی غلامی کا بدل دینا چاہ رہا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ:۔ اگر غلام نے روزے رکھے اگر روزوں سے فارغ ہونے سے ایک لحہ قبل وہ آزاد ہو گیا اور اس نے مال پالیا تو اس پر نئے سرے سے کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ فقیر کی بھی یہی حالت ہوگی جب اس نے روزے رکھے اور فارغ ہونے سے قبل مال کا مالک بن گیا تو نئے سرے سے کفارہ ادا کرے گا۔

مسئلہ:۔ ہمارے نزدیک قادر ہونے کا اعتبار کفارہ ادا کرنے کے وقت کیا جائے گا، جبکہ امام شافعی کے نزدیک جب وہ قسم توڑے گا۔ ہمارے نزدیک روزہ مال کا نائب ہے جس طرح تیمم وضو کا نائب ہے اس میں ادائیگی کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے۔

یہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ شرطیہ کی جزاء ہے تقدیر کلام یہ ہوگی فَكَفَّارَتُهُ ثَلٰثَةُ ایام۔

مسئلہ:۔ امام مالک کے نزدیک پے در پے روزے رکھنا واجب نہیں کیونکہ نص مطلق ہے بلکہ ایسا کرنا مستحب ہے۔ امام شافعی سے دو قول مروی ہیں نیا اور راجح قول یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

امام ابوحنیفہ' امام احمد اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے۔ امام احمد اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا جو مقید کفارہ قتل اور کفارہ ظہار میں مذکور ہے۔ امام شافعی کے نئے قول کی دلیل یہ ہے کہ اس کفارہ کے مقابل دو قاعدے ہیں ایک پے در پے روزے رکھنے کا تقاضا کرتا ہے اور دوسرا جدا جدا روزے رکھنے کا اگر اسے کفارہ قتل اور کفارہ ظہار پر محمول کیا جائے تو پے در پے روزے رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر حج تمتع کے روزوں پر محمول کیا جائے تو یہ الگ الگ روزے رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس وجہ سے دونوں پر عمل ترک کر دیا اور یہاں نص کو مطلق رکھتے ہوئے مطلق پر عمل کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت ہے کیونکہ ان کی قرأت متتابعات ہے یہ قرأت مشہور ہے۔ اس کے ساتھ مطلق نص کو مقید کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حکم پر داخل ہے سبب پر داخل نہیں۔

مسئلہ:۔ کافر کی قسم منعقد نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آتا، جبکہ دوسرے تینوں ائمہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم آجاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ قسم اٹھانے کا اہل نہیں کیونکہ قسم اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے منعقد ہوتی ہے اور کفر کے ساتھ وہ اس کی عظمت بیان نہیں کرتا۔ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ دعویٰ میں جب کافر مدعیٰ علیہ ہو اور منکر ہو تو بالا جماع اس سے قسم لی جاسکتی ہے۔ ایک اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ کفارہ ادا کرنے کا اہل نہیں کیونکہ یہ عبادت ہے۔ میں کہتا ہوں اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کافر قسم اٹھائے پھر وہ مسلمان ہو جائے اور اسلام لانے کے بعد وہ قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا واللہ اعلم۔

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 555 (العلمیہ) 2۔ ایضاً

∆ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم اٹھاؤ اور پھر انہیں توڑ دو کیونکہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد بھی واجب ہوتا ہے، اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ امام احمد اور امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ ادا کرنا جائز ہے۔ امام مالک کی بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ کفارہ کو قسم کی طرف مضاف کیا گیا ہے، قسم توڑنے کی طرف منسوب نہیں کیا گیا اور اضافت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ حکم شرعی میں مضاف الیہ مضاف کا سبب ہوتا ہے یا جو چیز حکم شرعی کا متعلق ہو اس کا سبب ہو۔ جس طرح ہمارا یہ مسئلہ ہے کیونکہ کفارہ حکم شرعی وجوب کا متعلق ہے جب اس کا سبب ہونا ثابت ہو گیا تو کفارہ کو قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ شرط ہو گی اور یہ سبب کے پائے جانے کے بعد شرط کے پائے جانے سے پہلے ادائیگی شرعی طور پر ثابت ہے۔ جس طرح زکوٰۃ میں نصاب کا مالک ہونے کے بعد اور سال گذرنے سے پہلے ادائیگی جائز ہے۔ اسی طرح جب مقتول کو زخمی کیا گیا تو اس کے مرنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا صحیح ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے مال اور روزے کے ذریعے کفارہ ادا کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ امام مالکؒ امام احمد اور امام شافعی کا پرانا قول یہی ہے، جبکہ امام شافعی کا نیا قول یہ ہے مالی کفارہ تو قسم توڑنے سے پہلے ادا کیا جا سکتا ہے لیکن روزے کی صورت میں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ سبب کے پائے جانے کے بعد ادائیگی کے وجوب سے پہلے ادائیگی کرنا یہ صرف عبادت مالیہ میں معروف ہے، جبکہ روزے اور نماز کو واجب ہونے سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا مطلقاً جائز نہیں آپ ارشاد فرماتے ہیں کفارہ کا سبب قسم نہیں بلکہ قسم توڑنا ہے۔ کیونکہ کفارہ اس لئے لازم ہوا تا کہ جنایت (غلطی) کو چھپایا جائے اور گناہ ختم ہو اب جنایت اور گناہ کا تصور قسم توڑنے کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ قسم نہ تو قسم توڑنے کا سبب ہے اور نہ ہی کفارہ کا سبب ہے بلکہ یہ قسم اس کام کو پورا کرنے کے لئے اٹھائی جاتی ہے۔ سبب میں کم از کم یہ وصف ہونا چاہیے کہ جس کے لئے اسے سبب قرار دیا گیا ہے وہ اس تک پہنچانے والا ہو، جبکہ قسم کے اندر ایسی صورتحال نہیں پائی جاتی کہ جس چیز کے لئے قسم اٹھائی جا رہی ہے اس کے معدوم ہونے کے یہ مانع ہے تو یہ اس تک پہنچانے والی کیسے بن سکتی ہے؟ ہاں کبھی کبھی قسم اٹھانے کے بعد اس کا توڑنا متحقق ہو جاتا ہے۔ اضافت کبھی کبھی شرط کی طرف بھی ہوتی ہے جس طرح صدقہ فطر میں اضافت شرط کی طرف ہے۔ اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ قسم سبب ہے تو اس میں کوئی شک والی بات نہیں کہ قسم توڑنا کفارہ واجب ہونے کے لئے شرط ہے اس لئے کفارہ کا وجوب شرط سے پہلے نہیں ہو سکتا اس لئے وجوب کے ثبوت سے قبل وجوب ساقط نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی ایسے فعل کی وجہ سے ساقط ہو سکتا ہے جو اس کے وجود سے پہلے پایا جائے، جبکہ وہ فعل واجب بھی نہ ہو۔ اس دلیل کا نتیجہ یہ ہے کہ سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ اور یوم فطر سے پہلے صدقہ فطر دینا جائز نہ ہو لیکن ان کی ادائیگی کا جواز ان کے واجب ہونے سے پہلے خلاف قیاس نص سے ثابت ہے۔ اس وجہ سے انہیں اپنی اپنی جگہ پر محدود رکھا جائے گا۔ زکوٰۃ تو پہلے ادا کرنا اس لئے جائز ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا کی حدیث ہے کہ حضرت عباس نے حضور ﷺ سے وقت آنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دینے کے بارے میں سوال کیا تو حضور ﷺ نے انہیں رخصت دے دی(1) اسے ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔ جہاں تک صدقہ فطر کا تعلق ہے امام بخاری نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر فرض کیا۔ اس روایت کے آخر میں کہا صحابہ کرام عید الفطر سے ایک یا دو روز پہلے صدقہ فطر دے دیتے تھے(2) یہ امر حضور ﷺ پر مخفی نہیں رہ سکتا بلکہ پہلے سے اجازت ہونا ضروری ہے کیونکہ وجوب سے پہلے اسقاط امر معقول نہیں۔ اس لئے یہ حکم سننے سے پہلے وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ ابن ہمام نے اسی

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 229 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 205 (وزارت تعلیم)

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 995 (وزارت تعلیم)

طرح قول کیا ہے۔ جبکہ میرے (قاضی ثناء اللہ) نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ قسم کفارہ کا سبب ہے جس پر یہ اضافت دلالت کرتی ہے مگر قسم توڑنا اس کے سبب ہونے کے لئے شرط ہے جس طرح اصول فقہ میں یہ ثابت ہے کہ اس قول میں تعلیق بالشرط اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ یہ سبب کے مانع ہے حکم کے مانع نہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کا نقطۂ نظر ہے، جبکہ امام شافعی کے نزدیک یہ مانع حکم ہے۔ یہ کلام طلاق کا سبب نہیں مگر اس وقت سبب بنے گی جب وہ گھر میں داخل ہو جائے اور مانع زائل ہو جائے۔ اس سے قبل یہ عورت کو گھر میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اسے پورا کرنے کے لئے سبب ہے اور جب وہ پوری نہ کی جائے اور قسم توڑنے کے بعد وہ کفارہ کا سبب ہوگی۔ اب قسم توڑنے سے کفارہ کی ادائیگی سب سے پہلے ہوگی۔ زکوٰۃ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کا سبب مال ہے۔ اسی طرح صدقۂ فطر کا معاملہ بھی مختلف ہے کیونکہ اس کا سبب وہ فرد ہے جس کی کفالت اس کے ذمہ ہے قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے کے جواز کو ابوالاحوص عوف بن مالک سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس چچازاد بھائی کے بارے میں بتایئے جس کے پاس میں آتا ہوں، اس سے کوئی چیز مانگتا ہوں وہ مجھے کچھ نہیں دیتا اور نہ ہی مجھ سے صلہ رحمی کرتا ہے پھر اسے میری ضرورت پڑتی ہے، وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے سوال کرتا ہے، جبکہ میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں اسے کوئی چیز نہ دوں گا اور نہ ہی اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں وہ کروں جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دوں۔ اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس میرا چچازاد بھائی آتا ہے میں قسم اٹھا لیتا ہوں کہ میں اسے کوئی چیز نہ دوں گا اور نہ ہی اس سے صلہ رحمی کروں گا تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔ اسی طرح ایک روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم میں قسم اٹھاتا ہوں پھر اس امر کے علاوہ کوئی اور اس سے بہتر دیکھتا ہوں تو قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں اگر وہ امر اچھا ہو تو قسم پر قائم رہتا ہوں (1) متفق علیہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو کسی امر پر قسم اٹھائے، بعد میں اس کے غیر کو بہتر پائے تو قسم کا کفارہ ادا کر اور جو بہتر ہو اسے بروئے کار لا ایک روایت میں ہے جو بہتر ہو اسے بجا لا۔ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر (2) متفق علیہ۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی امر پر قسم اٹھائی پھر اس کے غیر کو بہتر پایا تو وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور جو بہتر ہو اسے کرے (3) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ ان احادیث سے یہ استدلال کرنا کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز ہے کیونکہ بعض روایات میں قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے کا ذکر ہے تو یہ استدلال کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے استعمال ہوتی ہے اس میں ترتیب لازمی نہیں، اگر یہ سوال کیا جائے بعض روایات میں ثم کا کلمہ آیا ہے کیونکہ ابوداؤد نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے فکفر عن یمینک ثم ائت الذی ھو خیر کہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو پھر وہ کرو جو بہتر ہو (4) اور مستدرک میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قسم اٹھاتے تو اسے نہ توڑتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ یمین کا حکم نازل فرمایا فرمایا: لا احلف الی ان قال الا کفرت عن یمینی ثم اتیت الذی ھو خیر (5) ہم یہ کہیں گے یہ روایت شاذ ہے جو صحیحین کی اس روایت کے خلاف ہے جو عبدالرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اس حدیث کے بھی خلاف ہے جو حضرت عائشہ سے بخاری شریف

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 48 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 465 (وزارت تعلیم) 5۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 995 (وزارت تعلیم)

میں مروی ہے۔ اس میں حرف واؤ کے ساتھ عطف ہے۔ اس کے لئے یہ روایت صحیحین، سنن اور مسانید کی روایت سے مختلف ہونے کی وجہ سے شاذ ہوگی۔

9۔ اس کا ایک معنی یہ کیا گیا کہ ہر معاملہ میں قسم نہ اٹھاؤ، جبکہ صحیح معنی یہ ہے کہ قسم توڑنے سے قسم کی حفاظت کی جائے اور قسم کے نتیجہ میں جو اپنے اوپر واجب کیا ہے اس کو پورا کیا جائے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اس باب میں حکم یہ ہے کہ جس امر پر قسم اٹھائی ہو اگر وہ طاعت ہو اس کو پورا کرنا لازم ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس کو پورا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود کفارہ کی طرف عدول کرنا اس کے لئے جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں تا کہ اس آیت پر عمل ہو جائے۔ امام شافعی نے فرمایا اولیٰ یہ ہے کہ اس سے نہ پھرے۔ اگر وہ اس سے پھرے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ امام مالک سے ان دونوں مذہبوں کے مطابق دو روایتیں مروی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے مباح امر پر قسم اٹھائی جس کا ترک کرنا اس پر عمل کرنے سے بہتر نہ ہو۔

جس کام کے بارے میں قسم اٹھائی اگر وہ گناہ ہو تو اس کو توڑنا واجب ہے اور اس کا کفارہ ادا کرے کیونکہ معصیت کا گناہ لازم ہوگا اور قسم توڑنے کا گناہ کفارہ ادا کرنے سے زائل ہو جائے گا۔ اگر کسی مستحب امر کے ترک کرنے پر قسم اٹھائی تو بہتر یہ ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ یعنی نیک اعمال سے روکنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور جو بہتر ہے اسے بجا لاؤ۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں کہ فلاں فلاں قوم کو کچھ نہ دوں گا پھر انہیں عطا کرنا مجھے مناسب نظر آتا ہے تو کفارہ کے طور پر دس مسکینوں کو کھانا دے دیتا۔ ایک ایک صاع جو اور کھجور کا یا نصف نصف صاع گندم کا۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر جب قسم اٹھاتے تو اسے نہ توڑتے یہاں تک کہ کفارہ والی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں میں قسم نہیں اٹھاتا مگر کسی دوسرے امر کو بہتر دیکھتا ہوں تو بہتر کام ہی سرانجام دیتا ہوں(1) اور اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول کر لیتا ہوں اسے ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، امام بخاری اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے

نذر کے بارے میں فصل:۔ جب کسی نے شرط کے ساتھ معلق نذر مانی جس شرط کے پائے جانے کا وہ ارادہ رکھتا ہو۔ جس طرح وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میرا مریض صحت مند ہو گیا تو مجھ پر روزہ لازم ہے تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ جس طرح غیر مشروط نذر کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے اگر اس نے ایسی شرط کے ساتھ مشروط نذر مانی جس کے نہ ہونے کا ارادہ رکھتا تھا جس طرح وہ کہتا ہے میں اگر ایسا کروں گا تو مجھ پر حج لازم ہے۔ اس میں ترک فعل کا ارادہ رکھتا تھا تو امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے نذر پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور کہا تھا قسم کا کفارہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا۔ یہ امام کا قول بھی ہے، امام احمد نے بھی یہی کہا ہے کہ وہ شرط پوری کرکے یا کفارہ دے کر قسم سے بری ہو سکتا ہے۔ ان دونوں میں سے جو چاہے اپنا سکتا ہے۔ امام احمد کی ایک روایت ہے کہ صرف کفارہ واجب ہوگا کوئی اور چیز لازم نہ ہوگی۔ امام شافعی سے آخری دو روایتوں کی طرح قول منقول ہے۔ امام مالک نے فرمایا مال کے صدقہ کی شرط ہو تو تیسرا حصہ لازم ہوگا، جبکہ دوسری شرطوں کی صورت میں شرط پوری کرنا لازم ہوگی۔ امام مالک نے ابی لبابہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 995 (وزارت تعلیم)

گھر کو چھوڑ دوں گا جس میں میں گناہ کا مرتکب ہوا اور تمام مال صدقہ کر کے اس سے چھٹکارا پا لوں۔ حضور ﷺ نے اسے جواب دیا مال کا تیسرا حصہ صدقہ میں کافی ہے۔ کفارہ کے جواز کی دلیل عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے اور عمران بن حصین کی دلیل ہے کہ غضب کی حالت میں کوئی نذر نہیں ہوتی اور نذر کا کفارہ وہی ہوتا ہے جو قسم کا کفارہ ہوتا ہے امام احمد اور امام نسائی نے اسی کی مثل روایت کیا ہے(2)

مسئلہ:۔ ایک آدمی ایسی نذر مانتا ہے جس کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا جس طرح وہ پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانتا ہے صوم دھر (زمانہ بھر) کی نذر مانتا ہے یا وہ نافرمانی کی نظر مانتا ہے تو وہ اس کی طرف سے قسم کا کفارہ دے کیونکہ نذر کا معنی اپنے آپ پر کسی چیز کو واجب کرنا ہے اور جب کسی چیز کو اپنے اوپر واجب کیا جائے تو یہ اس کی ضد کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔ کسی چیز کو حرام قرار دینا یہ بھی قسم ہوتی ہے۔ نذر میں جو لام استعمال ہوا ہے وہ بھی قسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لعمرک** اس باب میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ نافرمانی میں کوئی نذر نہیں ہوتی اور نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے(3) اسے امام احمد، ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے عمران بن حصین سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے غیر معین نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ جس نے معصیت کی نذر مانی اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے جس نے ایسی نظر مانی جس کو پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہوتا ہے اور جو ایسی نظر مانے جس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا تھا تو اسے پورا کرے(4) اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اسے حضرت ابن عباس پر موقوف کیا ہے۔ عبد اللہ بن مالک سے مروی ہے کہ عقبہ بن عامر نے نبی کریم ﷺ سے اپنی بہن کے بارے میں سوال کیا جس نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ پیدل اور ننگے سر حج کرے گی۔ آپ نے فرمایا اسے کہو کہ وہ اوڑھنی لے اور سوار ہو جائے اور تین دن کے روزے رکھ لے(5) اسے اصحاب سنن اربع اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جس نے قسم اٹھائی اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ قسم توڑنے والا نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی قسم ہی نہ ہوگی کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قسم اٹھائی، ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ قسم توڑنے والا نہ ہوگا(6) اسے اصحاب سنن اربعہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمر پر موقوف کیا ہے۔

ذٰلِکَ سے مراد یہ بیان ہے اور آیات سے مراد شریعت کے احکام ہیں تا کہ تم ان پر شکر بجا لاؤ کہ اس نے تعلیم کی نعمت یا فرض کی ادائیگی کی نعمت، ذمہ داری سے فارغ ہونے کی نعمت، اللہ تعالیٰ کی رضا کی نعمت، قرب اور ثواب کے درجات کی نعمت عطا کی کیونکہ اس قسم کی وضاحت فرائض کی ادائیگی کو آسان کر دیتی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 45 (قدیمی)
2۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 149 (و۔ت)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 467 (و۔ت)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 472 (وزارت تعلیم)
5۔ سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 146 (و۔ت)
6۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 464 (و۔ت)

"اے ایمان والو! یہ شراب (۱) اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ ل"

ل خمر اور میسر اور ان کے حکم کی وضاحت سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے انصاب سے مراد اصنام ہیں جو عبادت کے لئے نصب کئے گئے ہوں ازلام کی تفسیر بھی سورۂ کے آغاز میں گزر رہ چکی ہے۔ رجس ایسی گندگی کو کہتے ہیں جس سے عقل سلیمہ اور صالح طبیعتیں نفرت کرتی ہیں اسے مفرد اس لئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ خمر کی خبر ہے اور خمر کے معطوفات کی خبریں محذوف ہیں۔ یا یہاں مضاف محذوف ہے گویا یہ کہا گیا کہ شراب پینا اور جوا کھیلنا یہ شیطان کے ورغلانے اور اس کے مزین کرنے سے ہوتے ہیں فَاجْتَنِبُوْهُ میں ضمیر رجس یا ذکر یا تعاطی کے لئے ہے۔ لَعَلَّكُمْ میں لَعَلَّ لِكَيْ کے معنی میں ہے، یعنی اس شراب سے اجتناب کرکے تم فلاح پا جاؤ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کی حرمت کو اس آیت میں مؤکد کیا ہے کہ جملہ کے شروع میں اِنَّمَا ذکر کیا اور ان دونوں چیزوں کو انصاب اور ازلام کے ساتھ ملایا۔ ان دونوں کو رجس کا نام دیا۔ انہیں شیطان کا عمل قرار دیا تاکہ اس بات پر آگاہی ہو کہ ان دونوں میں مشغول ہونا خالص برائی ہے۔ ان دونوں کی ذاتوں سے اجتناب کا حکم دیا اور اس اجتناب کو فلاح کا سبب قرار دیا پھر اس کے بعد ان میں موجود دینی اور دنیاوی مفاسد کا ذکر کیا جو اس سے اجتناب کا تقاضا کرتے ہیں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

"یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو! ل"

ل شیطان اس طرح تم میں دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے جس طرح ایک انصاری (ب) نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی مار کر حضرت سعد بن

---

(۱) امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے دعا کی اے اللہ شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما تو وہ آیت نازل ہوئی جو سورۃ بقرہ میں نازل ہوئی يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ۔ حضرت عمرؓ کو بلایا گیا اور ان پر اس آیت کو پڑھا گیا انہوں نے پھر عرض کی اے اللہ اس میں واضح حکم نازل فرما تو سورۂ نساء والی آیت یا ایها الذین امنو لا تقربوا الصلوۃ نازل ہوئی حضرت عمرؓ کو بلایا گیا اور یہ آیت پڑھی گئی پھر انہوں نے یہی دعا کی اے اللہ شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما تو سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ يُوْقِعَ ...... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تو حضرت عمرؓ کو بلایا گیا اور یہ آیت پڑھی گئی تو حضرت عمرؓ نے کہا ہم اس سے رک گئے ہم اس سے رک گئے۔ امام نسائی نے حضرت عبدالرحمٰن بن حارث سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان سے سنا آپ ارشاد فرماتے شراب سے بچو کیونکہ یہ تمام خبائث کی جڑ ہے سابقہ اقوام میں ایک آدمی تھا جو بڑا عبادت گزار تھا ایک بدکار عورت نے اس سے تعلقات بنا لئے اس عورت نے اس کی طرف اپنی لونڈی بھیجی لونڈی نے پیغام دیا ہم تجھے شہادت کے لئے بلاتے ہیں وہ اس کی لونڈی کے ساتھ چل پڑا جب بھی وہ ایک دروازے سے داخل ہوتا تو لونڈی دروازہ بند کر دیتی یہاں تک کہ اسے خوبصورت عورت تک پہنچا دیا جاتا جس کے پاس ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور شراب پڑی ہوئی تھی۔ عورت نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے تجھے گواہی کے لئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے تاکہ یا تو مجھ سے قربت کرے یا شراب کا جام پیئے یا اس غلام کو قتل کرے تو اس عابد نے کہا مجھے پھر شراب پلا دو تو اس عورت نے اسے شراب پلا دی۔ جب اسے نشہ چڑھا تو عابد ذرا ٹھہرا تو وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ اس عورت سے بدکاری کی اور بچے کو بھی قتل کر دیا۔ اس شراب سے بچو اللہ تعالیٰ کی قسم ایمان اور شراب نوشی جمع نہیں ہو سکتے قریب ہے کہ ایک واقع ہو اور دوسرا نکل جائے۔

(ب) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں شراب پینے والوں کو ہاتھ، جوتوں اور ڈنڈوں سے مارا جاتا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کاش ہم ان کے لئے ایک حد مقرر کر دیتے۔ آپ نے حضور ﷺ کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابی وقاص کا سر زخمی کر دیا تھا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی سورۂ بقرہ میں یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ ایک آدمی گھر والوں اور مال پر جوا کرتا تھا پھر گھر والے اور مال چھن جانے پر پریشان حال رہتا اور اپنے مدمقابلوں پر غصے رہتا(1) شراب اور جوئے کا دوبارہ خصوصاً ذکر کیا اور اس میں موجود فساد کی وضاحت کی تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو کہ یہاں بیان میں بھی مقصود ہیں۔ انصاب اور ازلام کا یہاں اس لئے ذکر کیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو جائے کہ حرمت اور برائی میں یہ دونوں ان کی مثل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شراب پینے والا بت پرست کی طرح ہے۔ بزار نے اسے عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے نقل کیا ہے، جبکہ ابن ماجہ نے اسے مد عن الشراب کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا(2) جبکہ حارث نے اسے شارب الخمر کعابد اللات والعزی کے الفاظ سے ذکر کیا۔

وَيَصُدَّكُمْ میں ھو ضمیر شیطان کے لئے ہے جو شراب اور جوئے کے ذریعے تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شراب خوری اور قمار بازی میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذکر سے غافل کر دیتا ہے اور نماز اس پر مشتبہ کر دیتا ہے جس طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے مہمانوں کے ساتھ ہوا۔ ایک آدمی کو انہوں نے آگے کھڑا کیا تاکہ انہیں مغرب کی نماز پڑھائے، جبکہ وہ پہلے شراب پی چکے تھے تو امام نے سورۂ کافرون میں لَا اَعْبُدُ کی جگہ اَعْبُدُ پڑھا جس طرح یہ واقعہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے اذکار میں سے نماز کو خاص طور پر ذکر کیا تاکہ اس کی عظمت کا اظہار ہو اور اس بات کا شعور دلائے کہ نماز سے روکنے والا ایمان سے روکنے والا ہے کیونکہ یہ مومنوں کا شعار دین کا ستون اور مومن و کافر کے درمیان صورۃً فرق کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ یہاں اِيْمَانَكُمْ سے مراد تمہاری نماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان فاصلہ نماز کو ترک کرنے میں ہے(3) اسے امام مسلم، ابوداؤد، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن بریدہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں جس نے نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث روایت کی کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے نماز کا ذکر کیا، فرمایا جس نے نماز کی محافظت کی اس کے لئے یہ قیامت کے روز نور، برہان اور نجات ہوگی۔ جس نے اس پر محافظت اختیار نہ کی اس کے لئے نور اور نجات نہ ہوگی۔ وہ قیامت کے روز

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 73-74 (التجاریہ) 2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 250 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانہ میں دی جانے والی سزاؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے چالیس درے سزا مقرر کی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا پھر ان کے بعد حضرت عمر خلیفہ بنے تو آپ نے لوگوں کو چالیس درے اس جرم میں مارے یہاں تک کہ آپ کے سامنے مہاجرین اولین میں سے ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی ہوئی تھی، آپ نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا، اس نے کہا آپ مجھے کیسے کوڑے مار سکتے ہیں، جبکہ میرے اور آپ کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب حائل ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ کتاب میں کونسا حکم ہے جس میں تم یہ پاتے ہو کہ میں تجھے کوڑے نہ ماروں اس نے کہا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ایمان لائے، نیک اعمال کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور احسان کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق اور تمام جنگوں میں حاضر ہوا حضرت عمر نے فرمایا کیا تم اسے جواب نہیں دو گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیات تو ان لوگوں کے حق میں بطور عذر نازل ہوئیں جو اس دنیا سے کوچ کر چکے تھے اور یہ بعد میں آنے والوں کے لئے حجت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ...... یہ ان لوگوں میں تھا جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور احسان کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے منع کیا۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو حضرت علی شیر خدا نے جواب دیا ہماری رائے یہ ہے کہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہو جاتا ہے، جب اسے نشہ ہو جاتا ہے تو وہ ہذیان بکنے لگتا ہے جب ہذیان بکنے لگتا ہے تو بہتان تراشی کرتا ہے۔ بہتان تراشی کرنے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا تو اسے اسی کوڑے مارے گئے۔ اسے ابوالشیخ، ابو مردویہ اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔

قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا پھر شراب سے رکنے پر برانگیختہ کرنے کیلئے استفہام کا صیغہ ذکر کیا تا کہ سابقہ مفاسد کی انواع پر اسے مرتب کیا جائے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ میں حرف استفہام اور اس کا معنی امر کی بلیغ ترین صورت ہے۔ گویا کلام یہ کی گئی کیا تم ان مفاسد کے ذکر کے بعد بھی اس سے رکو گے یا نہیں رکو گے گویا تمہیں نصیحت ہی نہیں کی گئی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

"اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)۔ لے"

لے یعنی شراب نوشی، قمار بازی اور دوسرے مناہی سے رکنے اور فرائض ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان دونوں کی مخالفت کرنے سے بچو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت سے اعراض کرو گے تو تمہارا اعراض کرنا رسول اللہ کو کچھ نقصان نہیں دے گا بلکہ یہ تمہیں نقصان دے گا۔ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ کوئی بندہ بھی اس دنیا میں اسے نہ پیئے ورنہ اللہ تعالیٰ اسے طينة الخبال پلائے گا کیا تم جانتے ہو طينة الخبال کیا ہے؟ فرمایا جہنمیوں کا پسینہ (1) اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے ہی مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں شراب پی پھر توبہ نہ کی اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے شراب سے محروم کر دے گا (2) اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ آپ سے ہی مروی ہے، انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے شراب، اس کے پینے والے، پلانے والے، اس کے بیچنے والے، اس کا رس نچوڑنے والے، رس نچوڑنے کی خواہش کرنے والے، اس کے اٹھانے والے، جس کے لئے اسے اٹھایا جا رہا ہے اور اس کی قیمت کھانے والوں پر لعنت کی ہے (3) اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے اسے روایت کیا اس میں اس کی قیمت کھانے والوں کا ذکر نہیں۔ اس باب میں انس بن مالک سے روایت مروی ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔ انہی سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے جس نے شراب نوشی کی، اللہ تعالیٰ چالیس روز تک اس کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اگر پھر شراب پی لی تو اللہ تعالیٰ چالیس روز تک اس کی نمازیں قبول نہیں فرمائے گا۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔ اگر اس نے پھر شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز تک نمازیں قبول نہیں کرے گا۔ اگر اس نے پھر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ اگر اس نے چوتھی دفعہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور اسے خبال کی نہر سے پلائے گا (4) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں والدین کا نافرمان، جوا باز، ہمیشہ شراب پینے والا داخل نہیں ہوگا (5) اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 74 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 517 (وزارت تعلیم)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 8 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن دارمی، جلد 2، صفحہ 38 (کچھ اختلاف کے ساتھ) (المحاسن)

ابی امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمة للعالمين اور هدى للعالمين بنا کر بھیجا ہے۔ میرے رب نے مجھے ساز، باجے، بت، صلیب اور جاہلیت کے دور کے امور مٹانے کا حکم دیا ہے میرے رب نے یہ قسم اٹھائی مجھے اپنی عزت کی قسم کوئی بندہ ایک گھونٹ شراب نہ پیئے گا مگر میں اسے اسی قدر پیپ پلاؤں گا۔ وہ میرے خوف کی وجہ سے شراب نوشی نہیں چھوڑے گا مگر میں اپنے مقدس حوض سے پلاؤں گا(1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں پر جنت حرام کردی گئی ہمیشہ شراب پینے والا، والدین کی نافرمانی کرنے والا اور بے غیرت۔ اسے امام احمد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے بھی اسی کی مثل روایت ہے اس میں ہمیشہ شراب خوری کرنے والا، قطع رحمی کرنے والا، جادو کی تصدیق کرنے والا(2) اسے امام احمد نے روایت کیا ہم نے سورۂ بقرہ میں ذکر کیا ہے جسے امام احمد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ شراب پیتے تھے پھر حدیث ذکر کی اور کہا یہاں تک کہ اس سے سخت حکم نازل ہوا يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ ...... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تو مدینہ طیبہ کے لوگوں نے کہا اے ہمارے رب ہم رک گئے۔ لوگوں نے کہا کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اپنے بستروں پر وفات پائی، جبکہ وہ شراب پیتے تھے اور جوا کی رقم کھاتے تھے، جبکہ اب اللہ تعالیٰ نے اسے ناپاک اور شیطان کا عمل قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ۔ امام نسائی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوا جنہوں نے شراب پی لی۔ جب ان پر نشہ طاری ہو گیا بعض نے بعض کے ساتھ فضول حرکتیں کیں جب نشہ ختم ہوا تو اس نے اپنے چہرے، سر اور داڑھی پر اس کا اثر دیکھا تو اس نے کہا میرے ساتھ فلاں نے اس طرح کیا۔ ان میں بھائی چارہ تھا، ان میں کسی قسم کا بغض اور کینہ نہیں تھا اگر وہ میرے ساتھ رؤف اور رحیم ہوتا تو میرے ساتھ یہ حرکت نہ کرتا یہاں تک کہ ان کے دلوں میں بغض اور کینہ پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ الآیۃ نازل فرمائی(3) بعض تکلف کرنے والوں نے یہ کہا یہ سراپا نجاست ہے۔ یہ فلاں کے پیٹ میں تھی جب اسے غزوہ احد میں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

"نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب کہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے۔"

یعنی جن لوگوں نے شراب اور جوا کی حرمت سے قبل شراب پیا یا جوئے کا مال کھایا پھر انہوں نے شرک سے منہ موڑ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور ایمان کے بعد اچھے اعمال کئے پھر ان چیزوں کی حرمت نازل ہونے کے بعد شراب اور جوئے سے بچے اور ان دونوں کی حرمت پر ایمان لائے پھر تمام حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کیا۔ پہلے تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا، دوسرے تقویٰ سے مراد محرمات

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 257 (صادر)
2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 399 (صادر)
3۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 286-85 (الفکر)

سے بچنا اور تیسرے تقویٰ سے مراد شبہات سے بچنا ہے۔ پھر انہوں نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا یا انہوں نے اعمال میں احسان سے کام لیا، یعنی اپنے رب کی عبادت یوں کی گویا وہ اس کا دیدار کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے کوئی مواخذہ نہ کرے گا۔ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ جس نے یہ کیا وہ محسن ہو گیا اور جو محسن ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

مابعد آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان ذی قعدہ سن چھ ہجری میں احرام باندھے ہوئے تھے۔ یہ صلح حدیبیہ کا موقع تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

"اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار سے پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

شَیْءٍ سے مراد حقیر چیز ہے، یعنی یہ بڑی آزمائش نہ ہوگی جس میں پڑنے سے قدم ڈگمگا جائیں جیسے جان دینی پڑے یا مال خرچ کرنا پڑے۔ مِنَ الصَّیْدِ، یہ شی کی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ شکار تمہاری طرف بھیجے گا تَنَالُهُ، یہ شی کی دوسری صفت ہے۔ شکار (1) ان کے پڑاؤ میں اتنے قریب آجاتے تھے کہ وہ ہاتھوں سے پکڑ سکتے اور نیزے سے انہیں شکار کر سکتے تھے۔ لِیَعْلَمَ یہ یَبْلُوَ کے متعلق ہے۔ یہ آزمائش اس لئے تھی کہ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ نہ ڈرنے والے سے ممتاز ہو جائے۔ لفظ علم ذکر کیا مراد معلوم کا وقوع اور ظہور لیا یا علم کا معدوم کے ساتھ تعلق مراد لیا یا اس کا معنی یہ ہوگا تاکہ ڈرنے والے کا خوف موجود جانے جس طرح اس کے واقع ہونے سے پہلے جانتا تھا کہ یہ ہو کر رہے گا تاکہ ان ڈرنے والے کو ان کے عمل پر ثواب دے، محض اپنے علم کی وجہ سے ثواب نہ دے۔

بِالْغَیْبِ ھو ضمیر فاعل سے حال ہے، یعنی وہ عذاب سے غائب ہوتے ہوئے ڈرتا ہے یا یہ ضمیر مفعول سے حال ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کرنے کے لئے اس آزمائش سے باخبر کیا تاکہ یہ معصیت سے بچنے کے لئے زیادہ صابر رہیں۔ جو آدمی اس شکار کی آزمائش کے بعد حد سے تجاوز کرے، یعنی اسے شکار کرے، یا اللہ تعالیٰ کی کسی طرف سے آزمائش کی خبر کے بعد حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ اس حقیر چیز کے معاملے میں بھی اپنے نفس پر ملکیت نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت نہیں کرتا تو وہ امور جن کی طرف وہ زیادہ میلان رکھتا ہے ان میں اپنے نفس پر کیسے قابو رکھے گا۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس کی پشت اور پیٹ کی جلد کھول دی جائے گی یا اس کے کپڑے اتار لئے جائیں گے (1) امام بغوی نے ذکر کیا ہے ایک آدمی جسے ابو الیسر کہتے اس نے ایک جنگلی گدھے پر حملہ کیا (2) تو مابعد آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 76 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

(1) ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے روایت نقل کی کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے عمرہ کے موقع پر نازل ہوئی درندے پرندے اور شکار صحابہ کے پڑاؤ میں کثرت سے آئے ایسا منظر پہلے انہوں نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے ان کا شکار کرنے سے انہیں منع کر دیا جبکہ وہ حالت احرام میں ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ کون بن دیکھے ڈرتا ہے۔

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

"اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو۔ اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر ۲ تو اس کی جزاء یہ ہے کہ ۳ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے ۴ فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے ۵ درآں حالیکہ یہ قربانی ۶ کعبہ میں پہنچنے والی ہو ۷ یا کفارہ ادا کرے وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے ۸ یا اس کے برابر روزے رکھے ۹ تا کہ چکھے سزا اپنے کام کی ۱۰ معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا ۱۱ اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا اللہ تعالیٰ اس سے ۱۲ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔ ۱۳"

۱۔ یہاں صید سے مراد ایسا حیوان ہے جو اپنی حفاظت خود کر سکتا ہو اور انسان سے دور بھاگتا ہو یہ چیز اس میں پیدائشی طور پر ہو خواہ وہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ قاموس میں صید کی یہی تعریف کی گئی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے صید کی یہی تعریف کی ہے۔ تاہم ان میں سے سانپ' بچھو' چوہا' چیل' کوا اور بھیڑیے کو خارج کیا ہے۔ کتے کو قتل کرنا جائز ہے خصوصاً باؤلے کو ظاہر یہ ہے کہ وہ شکار ہے اور اس میں مانوس ہونے کا وصف عارضی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ شکار نہیں کیونکہ طبیعت کے اعتبار سے یہ انسانوں سے دور نہیں بھاگتا۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ محرم کن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا بچھو' چوہا' کوا' چیل اور باؤلا کتا۔ صحیحین میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ ابن جوزی نے کہا کلب عقور سے مراد ہر درندہ ہے کیونکہ کلب کا اطلاق درندے پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے قصے میں یہ دعا کی تھی اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ لغوی اعتبار سے کلب کا اطلاق ہر درندے پر ہو سکتا ہے لیکن عرف میں اس کا استعمال مخصوص حیوان کے لئے ہوتا ہے۔ حدیث کو عرف پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ابو عوانہ نے مستخرج میں امام بخاری کی سند سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے اور اس میں چھ چیزوں کا ذکر کیا اور ان میں سانپ کا اضافہ کیا۔ ابو داؤد نے ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محرم سانپ' بچھو' چوہے' باؤلے کتے' چیل اور عادی درندے کو قتل کر دے، کوے کو پتھر مارے گا(1) اسے قتل نہیں کرے گا۔ امام ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور اس میں عادی درندے کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا جس کوے کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اسے کھیتی کے کوے پر محمول کیا جائے گا۔ ابن خزیمہ اور ابن منذر نے حضرت ابو ہریرہ سے پانچ مشہور چیزوں کے علاوہ بھیڑیے اور چیتے کو زائد ذکر کیا ہے لیکن ابن خزیمہ نے کہا کہ بھیڑیا اور چیتا یہ کلب عقور کی وضاحت ہے جو راوی کی طرف سے کی گئی۔ سعید بن مسیب کی مرسل میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ محرم سانپ اور بھیڑیا قتل کرے گا۔ اسے ابن ابی شیبہ' سعید بن منصور اور ابو داؤد نے روایت کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ سے اس روایت کو ذکر کیا اور چار چیزوں کا ذکر کیا اور پانچ مشہور چیزوں میں سے بچھو کو خارج کر دیا(2)

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 56 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 381 (قدیمی)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قاعدہ کو بنیاد بناتے ہوئے اخبار آحاد کے ساتھ کتاب اللہ کے حکم میں تخصیص کی جائے۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اس لئے یہ حدیث مشہور کے حکم میں ہے جس کے ساتھ کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے یا یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ اجماع سے ثابت ہے کہ بعض شکاری جانوروں کو قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے۔ پس یہ عام مخصوص البعض ہو گیا۔ اس لئے ہم نے احادیث کے ساتھ اسے خاص کیا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا قتل کرنا محرم پر حرام ہے اور جن کا گوشت کھانا حلال نہیں انہیں قتل کرنا حلال ہے کیونکہ احادیث میں بعض کو قتل کی حرمت سے الگ کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ اذیت پہنچانے والے درندے بعض قتل کرنے والے کیڑے مکوڑے اور بعض پرندے ہیں جو سباع کے معنی میں داخل نہیں بلکہ ان کا گوشت خبیث ہے۔ اس لئے ہم نے حکم گوشت کے کھائے جانے پر لگا دیا جب آیت حدیث سے خاص ہوگئی ہم نے قیاس کے ساتھ اسے خاص کر دیا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ گوشت نہ کھائے جانے پر قتل کے حکم کو مرتب کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ مصلحت کو لازم نہیں اس لئے یہ قیاس جائز نہ ہوگا۔ میرے نزدیک فتویٰ کے لئے پسندیدہ قول وہ ہے جو صاحب بدائع نے کہا کہ خشکی کے جانور دو قسموں میں منقسم ہیں (1) جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا (2) جو عموماً حملہ کرنے میں پہل کرتے ہیں اور جو اس طرح نہیں کرتے۔ حالت احرام میں ایسے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہوتا ہے جو اذیت پہنچانے میں پہل کرتے ہیں اور ان کا گوشت بھی نہیں کھایا جاتا امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں بھی اسی طرح ہے۔ امام مالک سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ قیاس میں موثر علت اذیت پہنچانے میں اس کا آغاز کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں اذیت پہنچانے کی کئی قسمیں ہیں گویا نبی کریم ﷺ نے بچھو کے ذریعے زہریلے جانوروں سے آگاہ کیا جیسے بھڑ اور دوسری چیزیں جو ڈنگ مار کر زہر جسم میں داخل کرتے ہیں۔ چوہے کے ذریعے ان چیزوں سے آگاہ کیا جو نقب لگاتے ہیں اور چیز کو کاٹ ڈالتے ہیں جیسے بجو اور کوے اور چیل کے ذریعے ان چیزوں سے آگاہ کیا جو چیزوں کو جھپٹ کر اٹھا لیتی ہیں جیسے شکرہ، باز وغیرہ اور کلب عقور کے ذریعے ہر عادی درندے سے آگاہ کیا۔ گھروں میں رہنے والی بلی امام ابوحنیفہ کے نزدیک شکار نہیں کیونکہ وہ انسانوں سے دور نہیں بھاگتی، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بھی وحشی ہے اور اس کا مانوس ہونا عارضی ہے مگر ایسے چوپائے جو کسی وجہ سے جنگل میں بھاگ گئے ہوں کیونکہ وہ پیدائشی مانوس ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ شکار کو قتل کرنے کے حکم میں شکار کی طرف اشارہ کرنا اور اس آدمی کی راہنمائی کرنا جو اس شکار کو قتل کرنا چاہتا ہو بھی شامل ہے۔ اس پر اجماع ہے کیونکہ یہ قتل کے معنی میں ہے کیونکہ یہ شکار سے امن کو زائل کر دیتا ہے کیونکہ وہ انسانوں سے دور رہنے اور آنکھوں سے دور رہنے کی وجہ سے امن میں ہوتا ہے۔ شیخین نے صحیحین میں ابوقتادہ کی حدیث روایت کی ہے کہ سب نے احرام باندھ لیا مگر ابوقتادہ نے احرام نہ باندھا۔ اسی اثناء میں کہ وہ چل رہے تھے کہ انہوں نے وحشی گدھے دیکھے۔ ابوقتادہ نے گدھوں پر حملہ کر دیا، ایک کو شکار کر لیا اور ہمارے پاس لے آیا۔ صحابہ نے اس کا گوشت کھایا۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے ابوقتادہ کو برانگیختہ کیا ہو یا اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔ صحابہ نے کہا ایسا کوئی بھی نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا اس میں سے جو گوشت باقی ہے اسے کھاؤ (1) حدیث طیبہ میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 380-381 (قدیمی)

نے شکار کھانے کی اجازت اس صورت میں دی جب اس کی طرف اشارہ نہ کیا گیا ہو۔

مسئلہ:۔ شکار کے حکم میں پرندے کا انڈہ بھی ہوگا۔ داؤد ظاہری نے کہا انڈہ توڑنے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا ہم عنقریب وہ احادیث اور آثار جو انڈے کے بارے میں آئی ہیں ان کا ذکر کریں گے۔

مسئلہ:۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ محرم جب کوئی شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا۔ اسے نہ غیر محرم کھا سکتا ہے اور نہ ہی محرم کھا سکتا ہے۔ ثوری ابوثور اور ایک جماعت نے کہا اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو چور ذبیحہ کا ہے۔ یہی امام شافعی کی دلیل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ اس کے ذبح کرنے میں گناہ گار ہے۔ اس کا حکم جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنے والے جیسا ہے۔ اس لئے یہ ذبیحہ اس ذبیحہ کے حکم میں ہوگا جس کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ چور کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ حقیقت میں ذبح ہے وہاں جو چیز مانع ہے وہ ایک بندے کا حق ہے جسے ضمانت دینے کے ساتھ پورا کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر شکار کو غیر محرم نے قتل کیا جب کہ محرم نے شکار کرنے کے لئے کہا تھا یا شکار پر راہنمائی کی تھی یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا کھانا محرم کے لیے حرام ہے۔ دلیل وہی ہے جو ہم نے ابوقتادہ کی حدیث ذکر کی تھی کیونکہ اس میں حضور ﷺ نے محرم کے لئے کھانا اس وقت جائز قرار دیا تھا جبکہ محرم نے شکار کے لئے نہ کہا ہو اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔ حلالی کے لئے اسے کھانا بالاجماع جائز ہے۔

یہ ضمیر سے مراد شکار کہ ضمیر سے مراد محرم مومن ہیں۔ سعید بن جبیر، داؤد، ابوثور اور ابومنذر شافعی نے کہا، یہی امام احمد سے مروی ہے یہ قید اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ شکار کی جزاء اس وقت تک لازم نہ ہوگی جب محرم نے شکار خطاً قتل کیا یا اسے احرام یاد ہی نہ تھا یا اسے مجبور کیا گیا ہو، مجاہد اور حسن نے کہا شکار کی جزاء اس وقت واجب ہوگی جب اس نے شکار جان بوجھ کر قتل کیا ہو خواہ اسے احرام بھولا ہوا ہو جب اس نے احرام یاد ہوتے ہوئے شکار قتل کیا تو اس پر کوئی حکم نہیں ہوگا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا کیونکہ اس کا جرم کفارہ سے بہت بڑھ کر ہے۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا یہ کہنا ہے کہ جزاء واجب ہوگی خواہ اس نے قتل جان بوجھ کر کیا ہو، احرام کھول کر کیا ہو، شکار کرنے پر مجبور ہو کر کیا ہو، غیر ارادی طور پر کیا ہو یا حرمت سے ناواقفی کے طور پر کیا ہو۔ امام زہری نے کہا جان بوجھ کر شکار کرنے والے پر جزاء کتاب اللہ سے ثابت ہے اور غیر ارادی شکار کرنے والے پر جزاء سنت سے ثابت ہے اور مفہوم مخالف امام ابوحنیفہ کے نزدیک حجت نہیں اور جو اس کے حجت ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک مفہوم دلیل ظنی ہے، جبکہ حدیث طیبہ اس سے اقوی دلیل ہے اور اجماع سب سے قوی ہے کیونکہ یہ دلیل قطعی ہے۔ ابن جوزی نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے رسول اللہ ﷺ سے بجو کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ بھی شکار ہے۔ جب محرم اسے مار ڈالے تو حضور ﷺ نے ایک مینڈھا بطور بدی لازم فرمایا (1) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث صحیح ہے اور حکم کے مطلق ہونے کا استدلال کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مُتَعَمِّدًا یہ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ کی تمہید ہے۔

مسئلہ:۔ جب محرم شکار پر شکاری کی راہنمائی زبان سے کرے یا ہاتھ سے جبکہ وہ شکاری اس شکار کو قتل کرنا چاہتا تھا تو محرم پر یہ جزاء اسی طرح واجب ہوگی جس طرح شکار کو قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہوتی تھی۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا نقطہ نظر ہے، جبکہ امام شافعی اور امام مالک کا یہ قول ہے کہ راہنمائی کرنے والے پر کوئی جزاء لازم نہ ہوگی اگر چہ وہ ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا۔ جس طرح ایک روزے دار کو ایک عورت کے بارے میں راہنمائی کرتا ہے جو اس عورت سے جماع کرتا ہے تو راہنمائی کرنے والے پر نہ کفارہ لازم ہوگا اور نہ اس کا روزہ فاسد ہوگا

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 104 (الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ) (وزارت تعلیم)

لیکن وہ گناہ گار ہوگا یہاں بھی یہی کیفیت ہوگی کیونکہ راہنمائی کرنا قتل نہیں اور یہ جزاء قتل کرنے پر ہے جو نص سے ثابت ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ شکار پر راہنمائی کرنا یہ قتل کے معنی میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اشارہ اور قتل میں برابری کی ہے۔ جس طرح ابوقتادہ کی حدیث میں گذرا ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ شکار پر راہنمائی کرنا یہ احرام کے ممنوعات میں سے ہے۔ اگر اس پر جزاء واجب نہ کی جائے تو اس کا یہ گناہ کس طرح ختم ہوگا۔ جزاء کے ساتھ قتل کا گناہ تو ختم ہو جاتا ہے (اگر اس کا گناہ باقی رہے) تو راہنمائی کا عمل شکار قتل کرنے سے بھی بڑا سمجھا جائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے اس سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ راہنمائی کرنے والے پر کفارہ واجب ہو اگرچہ اشارہ کے بعد شکاری شکار کو قتل نہ بھی کرے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ راہنمائی کرنا فانی چیز ہے۔ یہ شکار کی طرف تیر پھینکنے کی طرح ہے جو قتل کے اسباب میں سے ہے۔ تیر پھینکنا اس وقت تک جزاء کا سبب نہیں بنتا جب تک شکار قتل نہ ہو، جب تک قتل نہ ہو یہ سبب نہیں بن سکتا۔

سے یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فالواجب علیہ جزاء یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر ظرف ہوگی جو اس سے پہلے مقدر مانی جائے گی یا یہ اسی ظرف کا فاعل ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی فعلیہ جزاء اور یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر من کی خبر ہوگا اور فاء اس پر اس لئے ہے کیونکہ من میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے۔ جمہور قراء نے اسے مابعد کی طرف مضاف کرتے ہوئے پڑھا ہے۔

سے ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ اضافت بیانیہ ہے، جبکہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہاں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اس نے جس قسم کا شکار قتل کیا ہے اس پر اسی کی جزاء لازم ہوگی۔ کوفیوں نے اسے فجزاء پڑھا ہے اور مثل کا لفظ بھی مرفوع ہے کیونکہ یہ اس سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے دونوں قرأتیں معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک مثل سے مراد قیمت ہے کیونکہ کامل مثل جو صورت اور معنی میں حاصل ہوتی ہے وہ نوع میں حاصل ہوتی ہے جو یہاں بالاجماع مراد نہیں۔ پس مثل معنوی باقی رہ گئی جو قیمت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض شکاروں کے قتل کرنے میں بالاتفاق قیمت واجب ہے۔ وہ ایسے شکار ہیں جنکی چوپاؤں میں کوئی مثل نہیں ہوتی اور اسی طرح ان جانوروں میں جو کبوتر سے چھوٹے ہوتے ہیں جیسے چڑیا اور بکری۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمام شکاروں میں مثل معنوی کو واجب کیا جائے تاکہ حقیقت و مجاز کو جمع کرنا اور عموم مشترک لازم نہ آئے۔ آیت اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب مثل کا لفظ مطلق بولا جائے تو شرع میں معروف یہی ہے کہ اس سے مراد نوع میں مشارکت یا قیمت لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ظلم و زیادتی کی ضمانت کے بارے میں ارشاد فرمایا فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ یہاں اس سے مراد اعم ہے، یعنی اگر ضائع ہونے والی چیز مثلی ہے تو نوع میں مماثل چیز لازم ہوگی اگر وہ ذات القیم میں سے ہے، مثلی نہیں تو اس میں قیمت لازم ہوگی کیونکہ یہ مشترک معنوی ہے۔

حیوانات میں ایک نوع کے افراد میں باطنی اختلاف کو غلبہ دیتے ہوئے مماثلت کو ختم کر دیا اور انہیں ذوات القیم کہا گیا جبکہ ایک نوع جانوروں میں صورت میں مماثلت ہوتی ہے تو آپ کا ان جانوروں کے بارے میں کیا گمان ہے جب ان میں نوع کے اعتبار سے ہی مشارکت نہیں ان میں مماثلت صرف بعض عوارض کی وجہ سے ہو جس طرح شتر مرغ کو گردن اور ٹانگوں کے لمبا ہونے کی وجہ سے اونٹ کی مثل قرار دینا اور کبوتر کو بکری کے مشابہ قرار دینا کیونکہ وہ پانی پیتے وقت آواز نکالتا ہے، جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور محمد بن حسن کے نزدیک مثل سے مراد ایسا گھروں میں پالا جانے والا حیوان ہے جو شکل وصورت میں اس حیوان کے مشابہ ہو جسے قتل کیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بجو شکار ہے اور اس میں ایک بکری ہے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے۔

اصحاب سنن نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابن حبان نے حضرت جابر سے روایت کیا حاکم کے الفاظ یہ ہیں بجو شکار ہے۔ جب محرم اسے شکار کرے تو اس میں مینڈھا لازم آئے گا اور اسے کھایا جائے گا اور کہا اس کی سند صحیح ہے، امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے صحیح سند کے ساتھ عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے بجو کو شکار کرنے پر مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور ہرن میں بکری ذبح کرنے کا حکم دیا تھا(1) امام شافعی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جنگلی چوہا مارنے کی صورت میں بکری کا نر یا مادہ بچہ ذبح کرنے کا حکم دیا(2) امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حرم کے کبوتر میں ایک بکری ہے۔ دو انڈوں میں ایک درہم لازم ہے، شتر مرغ میں اونٹ ہے، نیل گائے میں گائے لازم ہے گدھے میں گائے لازم ہے۔ امام شافعی اور بیہقی نے حضرت عثمان بن عفان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ام حبین (گرگٹ جیسے جانور) میں میمنے کا فیصلہ کیا تھا۔(3)

من النعم یہ مثل کی صفت اور اس کا بیان ہے۔ نعم کا معنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہے، جبکہ قیمت تو نعم میں داخل نہیں۔ احناف نے ان کے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے مذکورہ اندازے قیمت کے اعتبار سے ہیں۔ محض صوری مماثلت سے نہیں۔ نیز ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ من النعم میں یہ مثل کی صفت ہے بلکہ یہ تو اس ضمیر سے حال ہے جو محل نصب میں ہے اور محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی مثل ما قتله حال كون المقتول من النعم اور نعم سے مراد چوپائے ہیں۔ نعم کا لفظ وحشی پر اس طرح بولا جاتا ہے جس طرح گھروں میں رہنے والے چوپاؤں پر ہوتا ہے ابو عبیدہ نے اس طرح کہا ہے اور قاموس میں بھی اسی طرح ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شکار کی جزاء میں کلام مطلق ہے۔ وہ شکار چوپایا ہو یا پرندہ ہو، اسے مقتول سے حال بنانا مقصود کے خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں میرے نزدیک یہ مثل کی صفت ہے اور مثل سے مراد گھروں میں رکھا جانے والا ایسا حیوان ہے جو قیمت میں مقتول کے مشابہ ہو، نہ کہ اس میں بعض صفات کی مشابہت ہو۔ جس طرح امام ابو حنیفہ نے دلیل بیان کی ہے۔ میرے نزدیک جب غلطی کرنے والا محرم جانور ذبح کرنا چاہے تو وہ گھروں میں رکھے جانے والے اس جانور کا انتخاب کرے جو اس شکار کی قیمت کی مثل قیمت رکھتا ہو یا اس کے قریب قریب قیمت رکھتا ہو۔ جب محرم وحشی گدھا یا نیل گائے یا ایسا جانور شکار کرے جس کی قیمت بکری کی قیمت سے بڑھ کر ہو، اس کی قیمت گائے کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو وہ اعلیٰ گائے ذبح کرے یا ردی گائے ذبح کرے لیکن شرط یہ ہے کہ ہدی کی قیمت شکار کی قیمت سے کم نہ ہو اور جس شکار کی قیمت گائے سے زیادہ ہو وہ اونٹ کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو اونٹ ہی ذبح کرے۔ اگر شکار ایسا ہو جس کی قیمت اونٹ سے بھی زیادہ ہو تو وہ ایک بکری اور اونٹ یا ایک گائے اور بکری یا ایک اونٹ اور گائے یا دو اونٹ یا دو گائے یا دو بکریاں یا اسی طرح کا جانور ذبح کرتا ہوگا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدی کی قیمت شکار کی قیمت کے مثل یا اس سے زیادہ ہونی چاہیے جس کی قیمت بکری کی قیمت جیسی ہو۔ جس بکری کو بطور قربانی ذبح کیا جا سکتا ہے تو بکری کو بطور ہدی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ جس شکار کی قیمت بکری کی قیمت سے کم ہو جس طرح بجو(ا) وبر، جنگلی چوہا، ہرن، گرگٹ، گوہ اور لومڑی تو بکری کے ان بچوں کو بطور ہدی ذبح کیا جائے گا جن کی قیمت شکار کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ کبوتر یا اس سے کم قیمت کا پرندہ شکار کرنے کی صورت میں جب وہ ہدی دینا چاہے تو کم از کم ایسی چیز کا انتخاب کرے جس پر بھیڑ بکری کا نام رکھا جا سکے۔ یہ جمہور علماء کے قاعدے کے مطابق ہے کہ یہ شرط نہیں کہ ہدی ایسی چیز ہو جو

1۔ موطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 414 (التراث العربیہ)
2۔ معرفۃ السنن والآثار از امام بیہقی، جلد 7، صفحہ 413 (العلمیہ)
3۔ معرفۃ السنن والآثار، جلد 7، صفحہ 418 (العلمیہ)
(ا) بلی سے چھوٹا جانور (مترجم)

قربانی کے طور پر ذبح کی جاسکتی ہو۔ میرے نزدیک فتویٰ کے لئے یہی پسندیدہ قول ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کے اصول کے مطابق ھدی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی قیمت اس بکری کی قیمت کے برابر ہو جس کو بطور قربانی ذبح کیا جاسکتا ہو۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے کہ شکار کیا گیا جانور چھوٹا یا بڑا صحیح ہو یا عیب دار ھدی میں ایسا جانور ہی واجب ہوگا جس کو بطور قربانی ذبح کیا جاسکتا ہو، وہ بڑا بھی ہو اور عیوب سے پاک بھی ہو۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اسی وجہ سے متعہ اور تمام جنایات کی صورت میں ایسا جانور ہی ذبح کرنا جائز ہوتا ہے جس کو بطور قربانی ذبح کرنا جائز ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے بھیڑ اور بکری کے بچے بھی واجب کئے۔ نیز ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ نص میں مذکور مطلق ھدی ہے جس سے کامل فرد مراد ہے جس طرح کہ متعہ کی ھدی میں ہے بلکہ یہاں مثل ما قتل من النعم هديا ہے تو اس سے مراد وہ ہدی ہے جو شکار کئے گئے جانور کی مثل ہو یا تو وہ صورت میں اس کی مثل ہو جس طرح امام شافعی نے کہا یا قیمت میں اس کی مثل ہو جس طرح ہم نے کہا۔ اس لئے بڑا جانور جس کی قربانی جائز ہو اس کو واجب کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ ہم نے اس آیت کی جو تفسیر ذکر کی ہے وہ اقوال صحابہ کے مقابل نہیں کیونکہ صحابہ نے خرگوش کے مقابلہ میں بھیڑ کا بچہ لازم کیا جس کی قیمت خرگوش کی قیمت کے برابر ہوتی ہے اور کبوتر شکار کرنے کی صورت میں ہم نے بکری لازم کی ہے کیونکہ بکری ھدی کی سب سے ادنیٰ قسم ہے۔ گائے اور اونٹ کے مقابلہ میں بکری کبوتر کی قیمت کے زیادہ قریب ہے۔ اگر وہ ہدی ذبح کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ادنیٰ بکری ذبح کرے۔ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ انہوں نے صورت میں مماثلت کا کوئی اعتبار کیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور عطاء خراسانی نے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عباس اور حضرت امیر معاویہ سے نقل کیا ہے کہ ان سب نے شتر مرغ قتل کرنے پر اونٹ لازم کیا ہے(1) امام مالک نے اسے ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے، انہوں نے اپنے باپ سے مکاتبہ (1) کے طریقہ پر روایت کیا ہے۔ امام مالک نے کہا میں ہمیشہ سے یہ سنتا چلا آ رہا ہوں کہ شتر مرغ میں اونٹ لازم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کے نزدیک شتر مرغ میں اونٹ لازم کرنے کی وجہ گردن اور ٹانگوں کی طوالت کی مشابہت ہے۔ قیمت میں مشابہت کا اعتبار نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں اس اثر میں ضعف اور انقطاع ہے۔ امام شافعی نے کہا محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اور نہ ہی قیاس اس کی تائید کرتا ہے کہ شتر مرغ میں اونٹ ہو یا پھر صحابہ کے قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ بعض شتر مرغ کسی زمانہ میں اونٹ کی قیمت کے ہوتے تو بعض صحابہ نے یہ حکم لگا دیا کہ شتر مرغ میں اونٹ لازم ہوگا پھر تابعین کی ایک جماعت نے یہ گمان کرتے ہوئے ان کی پیروی کی کہ صحابی نے شتر مرغ میں اونٹ کا حکم اس لئے لگایا کہ صوری مماثلت پر عمل ہو۔ یہ چیز تمام لوگوں میں عام ہوگئی۔ اسی وجہ سے امام مالک نے یہ فرمایا کہ میں لگا تار لوگوں سے یہ سن رہا ہوں کہ شتر مرغ شکار کرنے کی صورت میں اونٹ لازم ہوگا۔ اگر یہ سوال کیا جائے امام بیہقی نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا میں نے ایک خرگوش قتل کیا جب کہ میں احرام کی حالت میں تھا اب آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے کہا وہ چار پاؤں پر چلتا ہے، جبکہ بکری کا بچہ جو سال سے کم عمر کا ہو وہ بھی چار پاؤں پر چلتا ہے۔ خرگوش جگالی کرتا ہے اور بکری کا بچہ بھی جگالی کرتا ہے۔ خرگوش پتے گھاس کھاتا ہے۔ بکری کے بچے کی بھی یہی حالت ہے اس لئے خرگوش کی جگہ بکری کے بچے کو ذبح کر دے۔ یہ صوری مماثلت میں صریح ہے۔

1۔ معرفۃ السنن والآثار، جلد 7، صفحہ 402 (العلمیہ) (1) علم اصول حدیث کی اصطلاح ہے جس سے مراد ہے لکھ کر کسی کو حدیث بھیجنا۔ (مترجم)

ابن ابی شیبہ نے عطاء کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے کبوتری اور اس کے بچوں پر دروازہ بند کر دیا۔ پھر عرفات اور منیٰ کی طرف چلا گیا۔ جب واپس آیا تو وہ مر چکے تھے۔ وہ آدمی حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے تین بکریاں ذبح کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے ساتھ ایک اور آدمی بھی ثالث کے طور پر موجود تھا ثوری' ابن ابی شیبہ امام شافعی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ کبوتر میں بکری کا لازم کرنا قیمت کی وجہ سے نہیں بصورت دیگر تین کبوتروں یا اس سے زیادہ میں بھی ایک ہی بکری کافی ہو جاتی۔ ہم کہتے ہیں بعض آثار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں صورۃً مشابہت ہوتی ہے۔ یہ ان کی ذاتی رائے ہے، یہ آقائے دو عالم ﷺ سے مروی نہیں۔ ہم پر بعض صحابہ کی اتباع لازم نہیں، جبکہ ان کی رائے کتاب اللہ کے حکم کے مخالف بھی ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ، ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اونٹ شتر مرغ کی مثل نہیں اور اسی طرح بکری صورت اور قیمت میں کبوتر کی مثل نہیں۔ بعض صفات میں مشابہت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا ورنہ تمام حیوان کسی نہ کسی صفت میں دوسروں کے مشابہ ہوتے ہیں۔

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ۔ ہٖ ضمیر سے مراد جزاء اور مثل ہے۔ یہ جملہ جزاء کی صفت ہے یا مثل کی صفت ہے۔ مثل کا لفظ نکرہ میں غلو رکھتا ہے۔ اس لئے مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں بنتا۔ اس لئے اس کی صفت جملہ سے لانا یا اس کے مضاف الیہ کی صفت لانا جائز ہے یا یہ جزاء کی ضمیر سے حال ہوگا جو اس کی خبر میں ہے یا یہ جزاء سے حال ہوگا۔ جب یہ ظرف کا فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہوا۔ کثر حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ مماثلت کا اعتبار کرنے کے لیے ایک آدمی کافی ہے کیونکہ بے شمار صحابہ نے تنہا فیصلہ کیا، جبکہ دو بطور احتیاط ہیں اور غلطی سے دوری کا باعث ہیں، جبکہ امام شافعی اور جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ فیصلہ کرنے کیلئے تعداد اور عدالت (۱) شرط ہے۔ فتویٰ کے لئے یہ پسندیدہ قول ہے کیونکہ یہ نص کے مطابق ہے اور صحابہ کے عمل کی اقتداء بھی اسی میں ہے کیونکہ آثار اسی کے حق میں ہیں۔ امام مالک نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ہرن کی جزاء کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا آؤ تا کہ میں اور تم فیصلہ کریں تو دونوں نے بکری کی قربانی کا حکم دیا۔ اس آدمی نے کہا یا امیر المومنین یہ جو ایک ہرن کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر نے اس آدمی کی بات سن لی۔ آپ نے اسے بلایا۔ اس سے پوچھا کیا تو سورۂ مائدہ کی تلاوت کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر تو مجھے یہ بتاتا کہ تو سورۂ

---

(۱) میمون بن مہران سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی میں نے احرام کی حالت میں ایک شکار مار ڈالا آپ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا جو آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے تیری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ بدو نے کہا میں تمہارے پاس آیا ہوں، آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں، میں آپ سے پوچھتا ہوں، آپ دوسروں سے پوچھ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تو اسے کیوں عجیب خیال کرتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میں سے دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں، میں نے اپنے ساتھی سے مشورہ کیا ہے۔ جب اتفاق ہو جائے گا تو ہم تمہیں حکم دے دیں گے۔ ابوبکر مزنی سے مروی ہے کہ دو آدمی محرم تھے ایک نے ہرن کو ہانکا، دوسرے نے اسے قتل کر دیا۔ دونوں حضرت عمر کے پاس آئے، جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حضرت عمر نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا بکری۔ حضرت عمر نے فرمایا میری بھی یہی رائے ہے۔ دونوں نے بکری ذبح کی جب آپ کے پاس سے چلے گئے تو ایک نے دوسرے سے کہا حضرت عمر خود نہیں جانتے یہاں تک کہ آپ نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ حضرت عمر نے یہ بات سنی، انہیں واپس بلایا اور یہ بات کرنے والے پر درہ مارنے کے لئے آگے بڑھے فرمایا تم شکار کرتے ہو جبکہ تم محرم تھے پھر شرعی فیصلہ سے بھی آنکھیں بند رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ دو آدمی فیصلہ کریں پھر فرمایا جب اللہ تعالیٰ عمر کے اکیلے فیصلے سے راضی نہیں تو میں نے اپنے ساتھی سے مدد طلب کی۔

مائدہ پڑھتا ہے تو میں تمہیں سخت مارتا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ فرماتا ہے یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔

مسئلہ:۔ مثل صوری کا حکم دینے والے علماء کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔ امام مالک کا یہ کہنا ہے کہ ہر دور میں دو ثالث نیا حکم دیں، جبکہ اکثر علماء کا یہ کہنا ہے کہ اس میں حکم وہی ہے جو پہلے علماء فیصلہ کر گئے ہیں۔ اس سے انحراف نہیں کیا جائے گا اور جن چیزوں میں انہوں نے فیصلہ نہیں کیا اس میں نئے سرے سے فیصلہ کیا جائے گا اور جس چیز کے بارے میں اختلاف ہو اس میں اجتہاد کیا جائے گا۔ ثوری نے کہا جس میں اسلاف نے اختلاف کیا ہے اس میں ہمیشہ دو ثالثوں کے سامنے مسئلہ پیش کرنا پسندیدہ ہے۔ جبکہ قرآن ان تمام اقوال کو باطل ٹھہراتا ہے کیونکہ صوری مماثلت کا اعتبار کرتے ہوئے ہر زمانہ میں نیا حکم مفید نہیں کیونکہ پیدائشی مماثلت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اور اسلاف کے فیصلہ کو اپنانے کو بھی قرآن کا یہ حکم رد کرتا ہے یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ کیونکہ یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر زمانے میں دو عادل آدمی نئے سرے سے فیصلہ کریں۔ اگر ایک دفعہ کا فیصلہ کافی ہوتا تو نبی کریم ﷺ تمام شکاروں میں یا اکثر شکاروں میں ایک ہی دفعہ فیصلہ کر دیتے اور ہر دفعہ ثالثوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں مثل سے مراد قیمت میں مماثل ہونا ہے تا کہ ہر زمانہ اور مکان میں دو ثالثوں کی ضرورت باقی رہے کیونکہ زمان و مکان کی تبدیلی سے قیمتوں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

هَدْيًا یہ اس ضمیر سے حال ہے جو جزاء کی طرف لوٹ رہی ہے یا ش کی طرف لوٹ رہی ہے یا یہ جزاء سے حال ہے اگرچہ جزاء نکرہ ہے لیکن صفت کی وجہ سے اس میں تخصیص آ گئی ہے اس لئے ذوالحال بن سکتا ہے یا یہ مثل سے بدل ہے۔ اعراب میں اس کے محل کا اعتبار ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء نے کہا هَدْيًا یہ امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے کیونکہ آپ مثل سے قیمت مراد لیتے ہیں کیونکہ قیمت ھدی نہیں ہو سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے مثل کی جو تفسیر ایسے چوپائے سے کی جو قیمت میں شکار کے برابر ہو تو اس حوالے سے یہ لفظ امام ابوحنیفہ کے نقطہ نظر کو رد نہیں کرتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ هَدْيًا حال مقدرہ ہو یعنی وہ قیمت ھدی بن جائے۔ جب ہم اس قیمت کے ساتھ جانور خرید لیں اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اس تعبیر کی صورت میں بلا ضرورت لفظ صائر مقدر کرنا پڑتا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے ضرورت ثابت ہے۔ نیز امام شافعی کی تعبیر کی بناء پر بھی لفظ مقدر ماننا پڑے گا کیونکہ دونوں ثالثوں کا فیصلہ اس ھدی کے بارے میں نہیں جو فیصلہ کے وقت مکہ مکرمہ پہنچی ہوئی ہے بلکہ اس ھدی کے بارے میں فیصلہ ہے جسے بعد میں پہنچایا جائے گا۔ اس لئے امام شافعی کی تعبیر کی صورت میں بھی لفظ مقدر ماننا ہوگا تاہم دونوں تعبیروں میں محل مختلف ہوگا۔

مسئلہ:۔ کیا اس ہدی میں یہ لازم ہے کہ اسے ہانک کر مکہ لے جایا جائے یا یہ بھی جائز ہے کہ اسے مکہ مکرمہ میں خرید لیا جائے؟ امام مالک کا یہ فرمان ہے کہ اسے ہانک کر لے جانا ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ پر عمل ہو جائے۔

یہ هَدْيًا کی صفت ہے کیونکہ یہ اضافت لفظیہ ہے۔ جمہور علماء کا کہنا ہے مکہ مکرمہ سے باہر جانور خرید کر مکہ مکرمہ بھیجنا واجب نہیں بلکہ ارشاد هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ حرم کا علاقہ اس ھدی کو ذبح کرنے کے لئے شرط ہے۔ اسی پر علماء کا اجماع ہے۔ باہر سے خرید کر پہنچانا مقصود نہیں۔

میں کہتا ہوں حجۃ الوداع کے قصہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باہر سے قربانی بھیجنا شرط نہیں کیونکہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا جس کے پاس ھدی ہو وہ احرام سے حلال نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ حج کے افعال سے فارغ ہو جائے۔ جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، اپنے بال کٹوائے اور

عمرہ کے احرام سے حلال ہو جائے۔ پھر حج کا احرام باندھے۔ بعد میں قربانی کرے اور جو قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے ۔ نبی کریم ﷺ نے اسے ہدی کا نام دیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر وہ حج کا احرام باندھے اور پھر قربانی ذبح کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تمتع کے بارے میں ارشاد فرمایا فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ امام مالک نے جو یہ ارشاد فرمایا جو آدمی حرم سے قربانی خریدے تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ قربانی کو عرفہ ساتھ لے جائے تو یہ ایک ایسا امر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ:۔ کیا اس ہدی کا گوشت مکہ مکرمہ کے فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے؟ جمہور نے کہا یہ واجب ہے کیونکہ ہدی کو کعبہ پہنچانے کی صفت اس بات کا شعور دلاتی ہے کہ وہ یہ گوشت حرم کے مساکین پر خرچ کرے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا یہ واجب نہیں بلکہ وہ جن مساکین پر چاہے ان پر صدقہ کردے وہ حرم کے ہوں یا باہر کے کیونکہ قربانی دینا یہ ایسی عبادت ہے کہ جو خلاف عقل ہے اس لئے اس میں مکان کی رعایت کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر اس نے یہ قربانی حرم کے علاوہ کسی اور جگہ کی تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگی۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس کے گوشت کی قیمت شکار کی قیمت تک پہنچ جائے۔ وہ کھانا کھلانے کی نیت کے ساتھ اسے فقراء کو دے دے۔ گوشت فقراء کو کھلانا یہ امر معقول ہے اس لئے حرم کے مساکین کو خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ اشعار کرنے کا جو انہوں نے ذکر کیا وہ ممنوع ہے۔

۵ اس کا عطف جزاء پر ہے۔ نافع اور ابن عامر نے کفارۃ کو طعام کی طرف مضاف کر کے پڑھا ہے۔ یہ اضافت بیانیہ ہوگی، جبکہ باقی قراء نے کفارہ پر تنوین پڑھی ہے اور طعام پر رفع پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ کفارہ سے عطف بیان، بدل یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ مبتدا یہ ہوگا ھی طعام مسکین۔ اوکلمہ تخییر (۱) کے لئے ہے جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جنایت کرنے والے کو ان امور میں اختیار ہے چاہے تو وہ جانور ذبح کرے چاہے تو کفارہ دے اور مساکین کو کھانا کھلائے چاہے تو وہ روزے رکھے۔ امام شعبی اور نخعی نے کہا شکار کی جزاء ترتیب کے اعتبار سے واجب ہوگی۔ یہ آیت ان کے خلاف ہماری دلیل ہے۔

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ کھانا کھلانے کا دارومدار قیمت پر ہے۔ نیز علماء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ جب شکار کی چوپاؤں میں مثل موجود نہ ہو تو اس صورت میں معتبر شکار کی قیمت ہوگی جس کے ساتھ کھانا خریدا جائے گا۔ اگر چوپاؤں میں اس شکار کی قیمت ہو تو جمہور علماء کے نزدیک اس کی مثل کی قیمت کا اعتبار ہوگا کیونکہ اس صورت جمہور علماء کے نزدیک اس پر واجب شکار کا مثل ہوتا ہے، شکار کی قیمت واجب نہیں ہوتی اور اطعام کفارہ سے بدل ہوگا جس نے کبوتر کو قتل کیا اور کھانا کھلانا پسند کیا تو جمہور کے نزدیک بکری کی قیمت سے کھانا کھلائے گا کبوتر کی قیمت سے کھانا نہیں کھلائے گا کیونکہ مثل بالذات واجب ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مطلقاً شکار کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ آپ کے نزدیک اصل میں شکار کی قیمت ہی واجب ہوتی ہے اور جو میں نے یہ کہا ھدی پسند کرنے کی صورت میں چوپاؤں میں سے اس کی مثل لازم ہوگا تو یہاں مثل سے مراد قیمت میں مثل ہے اور

---

(۱) لفظ او کے حکم کے ساتھ عطف تخییر کے لئے ہے یعنی غلطی کرنے والے پر تخفیف کرتے ہوئے اسے ان تین چیزوں میں سے ایک کے انتخاب کا حکم دیا گیا۔ جس طرح قسم کے کفارہ میں اختیار ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا نقطہ نظر ہے، جبکہ امام محمد اور امام شافعی نے کہا ان تین چیزوں میں تعیین کا اختیار دونوں ثالثوں کو ہے۔ آیت میں اس قول پر کوئی دلیل نہیں بلکہ آیت تو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مثل سے مراد قیمت اور قیمت کی تعیین دونوں ثالثوں کے سپرد ہے۔ جب وہ دونوں قیمت کا تعین کر دیں تو پھر جنایت کرنے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ جانور خرید کر کعبہ بھیج دے یا مساکین کے لئے کھانا خریدے یا ہر مسکین کی جگہ ایک روزہ رکھ لے۔ ان میں سے کسی شے کی تعیین میں ثالثوں کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ حاکم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انہیں تخفیف کے اختیار دینا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ یہ جان کو اختیار دینے کی صورت میں ہے۔

شکار کی قیمت سے اگر ہدی زائد ہو تو زیادتی بطور نفل لازم ہوگی یا اس وجہ سے لازم ہوگی کہ ہدی کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ جب وہ کھانا کھلانا چاہے تو نہ ضرورت ہے نہ التزام تو اس صورت میں کبوتر کی قیمت لازم ہوگی، بکری کی قیمت لازم نہ ہوگی کیونکہ جو چیز ضائع ہوتی ہے اس کی ضمانت دی جاتی ہے۔ نقصان کو پورا کرنے کے لئے کسی اور چیز کی قیمت لگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مثل ہی بالذات واجب ہوتا ہے کیونکہ جس نے کبوتر کو قتل کیا اگر وہ اس کے بدلے میں اونٹ ذبح کرے تو یہ جائز ہے۔ اگر بکری ہی بالذات واجب ہوتی تو اونٹ ذبح کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز یہ قول کرنا کہ نظیر بالذات واجب ہے یہ اس وقت تک متصور نہیں ہوتا جب تک واجب میں ترتیب ثابت نہ ہو۔ جس طرح امام شعبی اور امام نخعی نے کہا ہے تو اس صورت میں پہلے مثل واجب ہوگا۔ اگر مثل نہ پایا جائے تو کھانا کھلا کر فرض سے سبکدوش ہوگا۔ اگر وہ کھانا کھلانے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے گا مگر یہ قضاء غیر معقول ہے۔ جبکہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ فرض تین چیزوں میں سے ایک بطور تخییر ہے۔ جس طرح ہم نے ذکر کیا بغیر دلیل شرعی کے ایک چیز کا دوسری میں اعتبار کرنا باطل ہے۔ روزوں میں کھانا کھلانے کا اندازہ لگانا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے۔

۹؎ اس کا عطف جزاء پر ہے۔ فراء نے کہا عدل کا لفظ جب عین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو ہم جنس میں سے مثل اور جب عین کے فتحہ کے ساتھ ہو تو غیر جنس میں سے مثل ہے۔

مسئلہ:۔ علماء نے ہر مسکین کو دیئے جانے والے کھانے کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہر مسکین کو ایک مد دے۔ جس طرح آپ کے نزدیک روزے، ظہار اور قسم کے کفارہ میں ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو اور کھجور کا دے۔ جس طرح یہی مقدار آپ کے نزدیک صدقۂ فطر میں ہے۔ آپ نے تمام کفارات کو اسی پر محمول کیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس شہر کی غالب خوراک کا نصف صاع دے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جنایات کے باب میں کھانے کی یہی مقدار لازم ہوتی ہے جیسے معذور آدمی حلق کرائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب کو چھ مسکینوں میں تین فرق تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ اس پر اسے محمول کرنا صدقۂ فطر پر محمول کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جنایت کی جنس ایک ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک حرم کے مساکین کو کھانا دینا شرط ہے۔ جس طرح ہدی کا گوشت حرم کے مساکین کو دینا شرط ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط نہیں اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر شکار کی قیمت ایک مسکین کے کھانے سے کم ہو یا مسکین کے کھانے سے تھوڑی سی چیز بچ جائے تو یہ مقدار بھی کسی مسکین کو دے دے۔ بالاجماع اس کمی کو پورا کرنا اس پر واجب نہیں۔ اگر وہ بچے ہوئے کھانے کے عوض روزہ رکھے تو پورے دن کا روزہ رکھے کیونکہ روزہ کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر وہ جانور قربانی دینا چاہتا ہے تو کم از کم ایسا جانور ذبح کرے جس پر شاۃ کا لفظ بولا جا سکے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بکری کو بطور قربانی دینا جائز ہے۔

۱۰؎ یہ محذوف کلام کے متعلق ہے یعنی ہم نے اس پر یہ جزاء اور کفارہ لازم کیا ہے تاکہ جرم کرنے والا اپنے کئے کی جزاء چکھے وبال سے مراد بوجھ اور برا انجام ہے۔ وبل کا اصل معنی بوجھ ہے جس طرح کہا جاتا ہے طعام و بیل ای ثقیل اسی سے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا۔

۱۱؎ جس نے دور جاہلیت میں احرام کی حالت میں شکار قتل کیا یا حرمت کا حکم آنے سے پہلے یا ایک دفعہ۔

۱۲؎ اس ایک دفعہ کے بعد اس نے پھر شکار قتل کیا جو حو ہے، اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے کیونکہ جب جملہ فعلیہ جزاء بن رہا ہو اور فعل مضارع ہو تو اس پر فاء نہیں آتا۔ حضرت ابن عباس اسی آیت کے ظاہر کے اعتبار سے اسی طرف گئے ہیں کہ جب کوئی محرم کسی شکار کو قتل کرتا تو آپ اس سے پوچھتے کیا تو نے اس سے پہلے بھی کسی شکار کو قتل کیا ہے؟ اگر وہ کہتا کہ میں نے اس سے قبل بھی شکار قتل کیا ہے تو آپ فیصلہ نہ کرتے فرماتے اللہ تعالیٰ تمہیں خود بدلہ دے گا۔ اگر وہ کہتا میں نے اس سے پہلے کوئی شکار قتل نہیں کیا تو آپ اس کے بارے میں فیصلہ کرتے۔ اگر وہ دوبارہ اس قسم کا کام کرتا تو آپ فیصلہ نہ کرتے بلکہ اس کے سینے اور پشت پر سخت ضربیں لگاتے۔ امام بغوی نے اسی طرح کہا۔ میں کہتا ہوں زیادہ بہتر یہ ہے کہ جس نے جزاء دے دی، اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا اور جو دوبارہ ایسا کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا، یعنی اللہ تعالیٰ دوبارہ اس پر جزاء لازم کرے گا۔ اگر اس نے جزاء نہ دی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے عذاب دے گا۔

۱۳؎ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کرنے تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لینے والا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

"حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا ۱؎ فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلے ۲؎ اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو ۳؎ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ۴؎"

۱؎ یہاں اس سے مراد سمندر سے شکار کرنا (ا) ہے کیونکہ صَيْدُ الْبَرِّ (ب) سے مراد بھی خشکی سے شکار کرنا ہے۔ جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے اور طَعَامُهٗ سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں کھایا جاتا ہے۔ طعامہ کی ضمیر یا تو صید کی طرف لوٹ رہی ہے یا بحر کی طرف۔ معنی یہ ہوگا کہ سمندر کے شکار سے حاصل کردہ کھانا یا سمندر سے حاصل کردہ کھانا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ صَيْدُ الْبَحْرِ ہر ایسا حیوان ہے جو پانی میں رہتا ہے۔ اس کے طعام سے مراد اسے کھانا ہے۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک نے فرمایا ہر سمندری جانور کو کھانا حلال ہے۔ یہ مسئلہ سورت کے آغاز میں گذر چکا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صید البحر سے مراد جو سمندر سے شکار کیا جائے اور اس کے طعام سے مراد جو سمندر باہر پھینک دے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ طعامہ سے مراد وہ جانور ہے جسے پانی ساحل پر مردہ حالت میں پھینک دے۔ حضرات سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، عکرمہ، قتادہ، نخعی اور مجاہد نے کہا صیدہ سے مراد تازہ اور طعامہ سے مراد خشک نمک لگایا گیا (1)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 78 (التجاریہ)

(ا) حضرت انس نے حضرت ابو بکر صدیق سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہاں صیدہ سے مراد جانور ہیں جنہیں کو خود سمندر سے پکڑے اور طعامہ سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں سمندر ساحل پر پھینک دے اسے ابو الشیخ نے روایت کیا۔

(ب) حارث بن نوفل سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے حج کیا تو آپ کی خدمت میں شکار کا گوشت پیش کیا گیا جسے غیر محرم نے شکار کیا تھا۔ حضرت عثمان نے اسے کھایا، جبکہ حضرت علی نے تناول نہ فرمایا۔ حضرت عثمان نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نے اسے شکار کیا نہ حکم دیا اور نہ ہی اشارہ کیا۔ حضرت علی نے فرمایا جب تک تم احرام میں ہو کم تم پر خشکی کا شکار کر دیا گیا۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ایسے شکار کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہ دیکھتے جو غیر کے لیے شکار کیا گیا ہو جبکہ حضرت علی اسے مکروہ جانتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا ہے از مولف رحمۃ اللہ

۲؎ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ؛ متاعاً یا احل کا مفعول لہ ہے یعنی تمہارے لئے اس لئے حلال کیا گیا تا کہ تم مقیم ہو تو تازہ سے لطف اندوز ہو اور مسافر اس کے ٹکڑے خشک کر کے اپنے لئے زاد راہ بنالیں۔

۳؎ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ایک قول یہ کیا گیا کہ خشکی کا شکار ہر حال میں محرم پر حرام ہے اگرچہ محرم کے کئے بغیر اس کی مدد اور اشارہ کے بغیر شکار کیا ہو نیز اس نے یہ محرم کے لئے بھی نہ شکار کیا ہو۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ یہی طاؤس اور سفیان ثوری کا قول ہے اس کی تائید حضرت ابن عباس کی وہ حدیث بھی کرتی ہے جو صعب بن جثامہ لیثی سے مروی ہے کہ صعب نے ایک جنگلی گدھا شکار کر کے ابوداؤ یا ودان کے مقام پر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول نہ کیا۔ جب حضور ﷺ نے اس کے چہرے پر اضطراب کے آثار دیکھے تو فرمایا ہم نے آپ کا تحفہ اس لئے واپس کیا ہے کہ ہم حالت احرام میں ہیں (1) یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ امام نسائی کے ہاں یہ روایت بھی موجود ہے کہ کیونکہ تم شکار کا گوشت نہ کھاؤ۔ سعید کی روایت جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ یوں اگر ہم محرم نہ ہوتے تو اسے قبول کر لیتے۔

اس کا جواب امام بخاری کی اس روایت سے دیا گیا ہے کہ وہ شکار ابھی زندہ تھا اور محرم کے لئے شکار ذبح کرنا جائز نہیں۔ امام مالک سے بھی یہی تاویل نقل کی گئی ہے یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اسحاق نے اپنی سند سے اپنی مسند میں موسیٰ سے، انہوں نے محمد بن عمرو بن علقمہ سے، انہوں نے زہری سے نقل کیا ہے کہ یہ وحشی گدھے کا گوشت تھا۔ طبرانی نے زہری سے نقل کیا ہے کہ وہ وحشی گدھے کا پاؤں تھا جو انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ امام مسلم نے حبیب بن ابی ثابت کے واسطہ سے سعید سے نقل کیا ہے۔ ایک دفعہ کہا وہ وحشی گدھا تھا اور دوسری دفعہ کہا وحشی گدھے (2) کا ایک حصہ تھا۔ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ آپ نے یہ تحفہ قبول نہ کیا تھا مگر وہ روایت جسے وہب اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جس کی سند حسن ہے۔ یہ عمرو بن امیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وحشی جانور کا پچھلا حصہ پیش کیا گیا جب کہ آپ جحفہ کے مقام پر تھے۔ آپ نے خود بھی اسے کھایا اور صحابہ نے بھی اسے کھایا۔ ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ انہیں دو مختلف واقعات پر محمول کیا جائے کیونکہ صحیحین میں جو قصہ مروی ہے وہ ابواء یا ودان کے مقام کا ہے۔ وہب کی روایت میں جحفہ کے مقام پر واقع ہوا۔ جحفہ اور ابواء کے درمیان تئیس میلوں کا فاصلہ ہے۔ ودان آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس باب میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ اشجع قبیلہ کا جو فرد یہاں موجود ہو میں اسے قسم دیتا ہوں کہ وہ بتائے کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکار کا ایک حصہ پیش کیا گیا تو حضور ﷺ نے اسے قبول نہ کیا تو جواب دیا بات اسی طرح ہے (3) اسے ابوداؤد اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے لیکن قرن اول کے بعد مسلمانوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جس شکار کو حلال اپنے لئے شکار کرے محرموں کے لئے اسے کھانا حلال ہے۔ ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شکار کا گوشت کھایا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی اجازت دی۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے باقی ماندہ گوشت کو کھاؤ۔ بعض صحیح روایات میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خود شکار کا گوشت تناول فرمایا۔ انہیں میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جو ہم نے صعب بن جثامہ سے نقل کی ہے کہ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا گوشت خود بھی تناول فرمایا تھا۔ انہیں میں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 379 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 379 (قدیمی)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 256 (وزارت تعلیم)

سے ایک روایت وہ ہے جسے امام مسلم نے معاذ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی ہے کہ ہم طلحہ بن عبداللہ کے ساتھ تھے، ہم احرام باندھے ہوئے تھے۔ حضرت معاذ کی خدمت میں ایک پرندہ پیش کیا گیا۔ حضرت طلحہ سوئے ہوئے تھے۔ ہم میں سے کچھ نے اسے کھایا اور کچھ نے نہ کھایا۔ جب حضرت طلحہ بیدار ہوئے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی اور کہا ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ شکار کا گوشت کھایا تھا(1) انہیں میں سے ایک روایت عمرو بن سلمہ ضمیری کی روایت ہے جو بھزی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ کے ارادہ سے نکلے جب کہ آپ احرام کی حالت میں تھے جب آپ روحاء کے مقام پر پہنچے تو وہاں ایک جنگلی گدھا زخمی حالت میں موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو تو امید ہے کہ اس کو شکار آ پہنچے۔ بھزی آ گئے۔ انہوں نے اس شکار کو زخمی کیا تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس شکار کے ساتھ آپ جو پسند کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو حکم دیا آپ نے اسے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا(2) اسے امام مالک اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ کی تفسیر یہ ہے کہ تم پر اس کا شکار حرام ہے۔

مسئلہ:۔ جس شکار کو حلالی محرم کے لئے شکار کرے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا وہ مطلقاً حلال ہے یہاں تک کہ وہ محرم بھی اسے کھا سکتا ہے جس کے لئے اسے شکار کیا گیا۔ امام مالک نے فرمایا اس کا کھانا حلالی اور محرم دونوں کے لئے حلال نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد نے کہا جو شکار محرم کے لئے شکار کیا جائے خواہ اس کے احرام باندھنے سے پہلے ہو یا احرام باندھنے کے بعد اس محرم کے لئے اسے کھانا حرام ہے۔ اس محرم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے اسے کھانا حرام نہیں۔ اسی طرح دوسرے وہ محرم بھی کھا سکتے ہیں جن کے لئے اسے شکار نہ کیا گیا۔ ہو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب حضرت عثمان سے مروی ہے۔ امام مالک نے موطا میں عبداللہ بن ابی بکر سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان کو عرج کے مقام پر دیکھا جب کہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے۔ موسم گرمیوں کا تھا، آپ نے کپڑے کے ایک ٹکڑا سے سر ڈھانپ رکھا تھا پھر آپ کی خدمت میں شکار کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا اسے کھالو۔ ساتھیوں نے عرض کی کیا آپ خود تناول نہیں کریں گے؟ فرمایا میں تمہاری طرح نہیں یہ میرے لئے شکار کیا گیا ہے(3)

جو یہ روایت کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے شکار کا گوشت کھایا اور جو یہ روایت کی گئی آپ نے اسے لوٹا دیا اور نہ کھایا تینوں ائمہ ان میں یہ تطبیق دیتے ہیں دونوں روایتوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس شکار کا گوشت تناول فرمایا تھا جو حلالی نے اپنے لئے شکار کیا تھا اور جو شکار حلالی نے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے محرموں کے لئے کیا تھا اسے نہ کھایا۔

ہم یہ کہتے ہیں ان احادیث میں اس وضاحت پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ میرے نزدیک ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب حلالی کوئی جانور شکار کرے تو محرم کے لئے مطلقاً اسے کھانا مباح ہے لیکن اسے ترک کرنا افضل ہے۔ کسی وقت کھا کر نبی کریم ﷺ نے جواز کی تعلیم دی اور کسی وقت چھوڑ کر اس کے مستحب ہونے پر آگاہ کیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے جب احادیث متعارض ہوں اور انہیں ایک دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جا سکے تو احتیاط اسی میں ہے کہ حرمت والی دلیل کو اپنایا جائے۔ ہم کہتے ہیں بات اسی طرح ہے لیکن ہم نے اس طرح نہیں کیا کیونکہ اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ محرم کے لئے بعض شکار حلال ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے اس شکار کی حرمت کا استدلال حضرت جابر کی حدیث سے کیا ہے جو محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 381 (قدیمی) 2۔ موطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 351 (التراث العربی) 3۔ ایضاً، صفحہ 354

کہ خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے، جبکہ تم محرم ہو بشرطیکہ تم نے خود اسے شکار نہ کیا ہو اور نہ ہی تمہارے لئے اسے شکار کیا گیا ہو (1)

اسے امام ترمذی، امام نسائی، ابن خزیمہ اور امام احمد نے روایت کیا ہے امام مالک نے فرمایا حضور ﷺ اس شکار کو جو محرم خود کرے یا اس کی حالت احرام میں اس کے لئے کیا جائے دونوں کو برابر رکھا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو محرم کے لئے شکار کیا جاتا ہے اس کا حکم وہی ہے جو محرم کے شکار کا ہے۔ یہ شکار بھی مردار کی طرح تمام لوگوں پر حرام ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا کہ آحاد کو آحاد پر منقسم ہونا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر محرم کے لئے وہ شکار بھی حرام ہے جسے وہ خود شکار کرے اور وہ بھی حرام ہے جو اس کے لئے شکار کیا جائے مگر وہ شکار جسے دوسرا محرم یا حلالی شکار کرے یا کسی دوسرے محرم کے لئے شکار کیا جائے یا حلالی کے لئے شکار کیا جائے، اس حدیث سے ان کا حکم ثابت نہیں ہوتا، اس کا حکم خارج سے پہچانا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث استدلال کے لائق نہیں کیونکہ اس کا دارومدار عمرو بن ابی عمرو پر ہے۔ امام احمد نے ان سے روایت کیا، انہوں نے ایک انصاری سے روایت کیا انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے اسے عمرو سے اور اس نے مطلب سے، انہوں نے جابر سے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی روایت میں جابر سے روایت کرنے والا مجہول ہے۔ امام ترمذی نے کہا مطلب کا جابر سے سماع ثابت نہیں پھر عمرو بن ابی عمرو، یہ مطلب کا غلام ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یحییٰ بن معین اور ابوداؤد نے یہ بھی کہا یہ قوی نہیں لیکن امام احمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے، جبکہ ہمارے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال کرنا جائز نہیں۔

علماء نے حضرت قتادہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے انہوں نے کہا میں صلح حدیبیہ کے زمانہ میں حضور ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلا، میرے احباب نے احرام باندھ لیا اور میں نے احرام نہیں باندھا تھا، میں نے ایک وحشی گدھا دیکھا، اس پر حملہ کر دیا، میں نے اسے شکار کیا، میں نے اس کے بارے میں حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ذکر کیا، میں نے یہ بھی عرض کی میں نے احرام نہیں باندھا تھا اور یہ شکار میں نے آپ کی نیت سے کیا تھا نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ کھائیں اور خود نہ کھایا۔ اسے اسحاق، ابن خزیمہ اور دار قطنی نے نقل کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن خزیمہ، ابوبکر نیشاپوری اور دار قطنی نے کہا کہ اس زیادتی میں معمر منفرد ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ کسی نے ان کے اس قول کو ذکر نہیں کیا۔ میں نے اسے آپ کیلئے شکار کیا ہے اور نہ ہی اس قول کو کہ آپ نے خود اسے نہ کھایا۔ شاید یہ معمر کے اوہام میں سے ہے۔ امام ذہبی نے کہا معمر بن راشد کو وہم ہو جاتا تھا۔ وہ روایات جن کی صحت پر اتفاق ہے ان میں یہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے کھایا۔ معمر کی روایت سے استدلال یہ امام مالک کے خلاف دلیل ہے آپ کے حق میں دلیل نہیں کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا۔ انہوں نے اسے کھایا کیونکہ امام مالک کے نزدیک وہ شکار بھی حرام ہوتا ہے جو کسی محرم کی نیت سے کیا جائے۔

۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ یعنی اللہ سے ڈرو جس کی بارگاہ میں تمہیں پیش کیا جائے گا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 104 (وزارت تعلیم)

"بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لے لوگوں کے لئے ۲ے نیز حرمت والے مہینوں کو سے اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تا کہ تم خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ۳ے"

لے یہاں جَعَلَ صیر کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنا دیا۔ کعبہ کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ مربع شکل کا ہے اور عرب مربع شکل کے کمرہ کو کعبہ کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا اسے کعبہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ منفرد عمارت ہے۔ بعض نے اس نام کی وجہ یہ ذکر کی کیونکہ یہ زمین سے بلند ہے۔ اس کا اصل معنی نکلنا اور بلند ہونا ہے۔ ٹخنہ کو کعب اس لئے کہتے ہیں کیونکہ پاؤں کی دونوں جانب میں اٹھی ہوئی جگہ ہوتی ہے۔ جب کوئی بچی بلوغت کی عمر کو پہنچے اور اس کے پستان ابھرنے لگیں تو اسے تکعبت کہتے ہیں (1)

البیت الحرام یہ الکعبۃ کا عطف بیان ہے اور بطور مدح مذکور ہے یا یہ بدل ہے یا یہ مفعول ثانی ہے۔ اسے بیت حرام اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا اور اس کی حرمت کو عظیم کہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے پیدا کرنے کے دن سے مکہ کو حرمت عطا کی۔

۲ے یہ مفعول ثانی ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا یہ حال ہے۔ ابن عامر نے اسے قِیَمًا الف کے بغیر پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے الف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یہ ان کے لئے قوام ہے۔ قوام اسے کہتے ہیں جس سے لوگوں کے امور دینیہ یا امور دنیویہ قائم ہوں۔ دینی امر یہ تھا کہ یہاں حج اور دوسری عبادات کی جاتی ہیں۔ دنیاوی یہ کہ وہ اس بستی میں ڈاکے اور حملہ سے محفوظ رہتے۔ حرم کی حدود میں ان سے کوئی تعرض نہ کرتا۔

۳ے الشہر کے اوپر الف لام جنسی ہے۔ اس سے مراد رجب، ذی قعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہے۔ ان کے قِیَامًا لِلنَّاسِ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں لوگ قتال سے امن میں ہوتے ہیں۔

۴ے ھدی اور قلائد کی تفسیر سورت کے آغاز میں گذر چکی ہے۔ ذٰلِکَ کا مشار الیہ جَعَلَ ہے یا احرام اور دوسری چیزوں کی حرمت کے بارے میں جو حکم مذکور ہے وہ مراد ہے۔ زجاج نے کہا یہ ان غیب کی خبروں اور رازوں کے کشف کی طرف راجع ہے جیسے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (2) اور جیسے ان کا کتاب میں تحریف کرنے کی خبر دینا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ مضرتوں کے وقوع سے پہلے ان کے دور کرنے کے احکامات اور منافع کے حصول کے لئے احکامات یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کمال علم پر دال ہیں۔ اسی طرح غیب کی خبر دینا بھی اس کے علم کے کمال پر دلیل ہے۔

بکل شیء علیم یہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہے اور اطلاق کے بعد مبالغہ ہے۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

"خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے۔ لے"

لے جو اللہ تعالیٰ کی محارم کو پامال کرے اور ان کو ختم کرے اس کے لئے وعید ہے اور جو ان کی حفاظت کرے اور ان کی پابندی کرے اس کے لئے وعدہ ہے۔ ابو الشیخ نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق پر جب وصال کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کیا تم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 80 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نرمی کی آیت سختی والی آیت کے ساتھ اور عذاب والی آیت رحمت والی آیت کے ساتھ ذکر کی تاکہ مومن اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت بھی رکھے۔ ساتھ ہی ساتھ ڈرتا بھی رہے اللہ تعالیٰ پر ناحق آرزو نہ کرے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے (1)

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾

"نہیں (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو۔ [1]"

[1] رسول اللہ ﷺ پر تبلیغ کا جو فریضہ عائد ہوتا تھا اس سے آپ فارغ ہو چکے ہیں اور تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اب کوتاہی کرنے میں تمہارے لئے کوئی عذر نہیں اس میں فرائض کی بجا آوری کے واجب ہونے میں تشدید ہے۔

تم تصدیق یا تکذیب میں جو ظاہر کرتے ہو یا جو چھپاتے ہو یا اپنے اعمال اور عزم میں سے جو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ واحدی اور اصبہانی نے ترغیب میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب کی حرمت کا ذکر کیا تو ایک بدو اٹھ کھڑا ہوا، عرض کی میری تجارت اسی میں ہے، میں نے اس سے مال کمایا ہے۔ اگر میں اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا مجھے یہ عمل نفع دے گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال کو پسند فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

"آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک [1] اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت [2] سو ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ۔ [3]"

[1] اللہ تعالیٰ کے ہاں افراد اور اعمال میں سے جو ردی اور اعلیٰ ہیں ان میں برابری کی عمومی نفی ہے۔ اس میں اچھے عمل اور حلال مال کی رغبت دلائی گئی ہے۔

[2] کیونکہ تھوڑا اچھا عمل جو اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو وہ اخلاص سے خالی زیادہ عمل سے بہتر ہے اور تھوڑا حلال مال خرچ کرنا زیادہ حرام مال خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال میں قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ میں قبول کرتا ہے اور اس کے مالک کے لیے بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم بچھیرے کی نگہداشت کرتے ہو یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے (2) لوگوں میں سے کچھ مخلص اور صالح لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں زمین پر جنتیوں سے بہترین ہیں۔ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو حضور ﷺ نے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا تیری اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا یہ لوگوں میں سے معزز ترین ہے۔ اللہ کی قسم یہ اس قابل ہے کہ اگر کسی کو نکاح کی دعوت دے تو اس سے نکاح کر لیا جائے گا۔ اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ راوی نے کہا رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ پھر ایک اور آدمی آپ کے پاس سے

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 590 (العلمیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 326 (قدیمی)

گزرا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ مسلمانوں میں ایک فقیر آدمی ہے۔ یہ اس حیثیت کا حامل ہے کہ اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے تو کوئی اس سے نکاح نہ کرے۔ اگر یہ سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے (1) اگر یہ کوئی بات کرے تو کوئی اس کی بات نہ سنے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ایک آدمی پہلی قسم کے زمین بھرآدمیوں سے بہتر ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

ﷲ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ لوگوں میں سے ہو جاؤ اور پاکیزہ عمل اور مال کو ترجیح دو اگر چہ تھوڑا ہو بنسبت اس عمل اور مال کے جو خبیث ہو اور زیادہ ہو۔ امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حاجیوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو اگر چہ وہ مشرک ہوں۔ شریح کا قصہ سورت کے آغاز میں گذر چکا ہے اولی الالباب سے مراد عقل سلیم والے لوگ ہیں لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کا معنی ہے یہ امید کرتے ہوئے کہ تم تقویٰ کے ذریعے فلاح کو پالو گے۔ امام احمد، امام ترمذی اور حاکم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور ابن جریر نے اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو امامہ اور حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہر سال فرض ہے؟ تو حضور ﷺ خاموش رہے پھر انہوں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر سال؟ فرمایا نہیں۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا (2) ایک روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں خوف لاحق نہیں ہوا کہ میں ہاں کہہ دوں گا۔ اللہ کی قسم اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ جس کا میں ذکر نہ کروں اسے رہنے دیا کرو۔ تم سے پہلی قومیں زیادہ سوال کرتے اور انبیاء سے بار بار مطالبے کرنے سے تباہ و برباد ہو گئیں۔ اگر میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو۔ جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو اس سے رک جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت نازل فرمائی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

"اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں لے کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لئے تو بری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو گے ان کے متعلق جبکہ اتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لئے ۲ معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔ ۳"

ل یہ بات پوچھنے والا عکاشہ بن محصن تھا۔ ابن جریر کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ کی روایت اسی طرح ہے، یعنی تم اشیاء کے بارے میں نہ پوچھو جن کا بجالانا تمہارے لئے مشکل ہو جس طرح ہر سال حج کرنا خلیل، سیبویہ اور جمہور بصریوں کی رائے یہ ہے کہ یہ اصل میں شیئا تھا جس کا وزن فعلاء ہے اس میں دو ہمزے ہیں، درمیان میں الف ہے، دوسرا ہمزہ تانیث کا ہے، اسی وجہ سے منصرف نہیں جس طرح حمراء۔ یہ لفظ میں مفرد اور معنی میں جمع ہے، یعنی یہ اسم جمع ہے۔ جب دو ہمزوں کا اجتماع ثقیل ہوا تو پہلے ہمزہ کو شین سے پہلے لے آئے تو اس کا وزن لفعاء ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی اصل اشیاء ہے جس کا وزن افعلاء ہے یہ شئی کی جمع ہے جو اصل میں شیئ تھا جس طرح ھینی یا یہ شییی کی جمع ہے جس طرح صدیق پھر اس میں تخفیف کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اصل میں افعال ہے جو شئی کی جمع ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں جس طرح بیت کی جمع ابیات آتی ہے اس میں دو سبب جمع نہیں پھر بھی یہ شاذ طور پر غیر منصرف ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 955-954 (وزارت تعلیم) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 100 (وزارت تعلیم)

۲؎ اگر تمہارے لئے وہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں، یعنی تمہیں ان چیزوں کا حکم دیا جائے تو تم غمگین ہو جاؤ گے۔ ان کا بجالانا تمہارے لئے مشکل ہوگا اگر تم یہ اس وقت پوچھو گے، جبکہ رسول اللہ ﷺ تمہارے درمیان تشریف فرما ہیں تو یہ احتمال موجود ہے کہ تمہارے لئے یہ امور ظاہر کر دیئے جائیں اور جن مشکل امور کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو اس کا تمہیں حکم دے دیا جائے گا۔ یہ دونوں شرطیہ جملے جو آپس میں معطوف معطوف علیہ ہیں یہ اشیاء کی صفت ہیں۔ یہ دونوں ایسے مقدمات کی طرح ہیں جو سوال نہ کرنے کا سبب ہیں۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ کے اصول کے مطابق امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا احتمال رکھتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ اگر حضور ﷺ اس صحابی کے جواب میں نعم کہہ دیتے تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور وہ امر ظاہر ہو جاتا تو یہ امر مطلق کے لئے ناسخ ہوتا، اس کا بیان نہ ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ اگر یہ بیان ہوتا تو بغیر سوال کے بھی ضرورت کے وقت سے بیان کا متاخر ہونا ممتنع ہوتا کیونکہ بیان کبھی عقل، کبھی تامل اور کبھی لغت میں غور و فکر سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سوال اور استفسار مجمل، مشکل اور خفی کے بارے میں ہوتا ہے اگر اس کے بارے میں سوال ہو تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عاجز کی شفا سوال ہے۔ سوال کرنا ایسے امر شرعی کے بارے میں ممنوع ہے جس کے بارے میں حکم وارد نہ ہوا۔ ہو جس طرح ہر سال حج کرنے کا سوال اور اس گائے کے رنگ کے بارے میں سوال جس کے ذبح کرنے کا حکم بنو اسرائیل کو دیا گیا تھا۔

۳؎ ھا ضمیر سے مراد مذکورہ مشکل امور ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ یہ اشیاء کی دوسری صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سوال کرنے والی سابقہ غلطی معاف کر دی ہے اس لئے آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس لئے تمہاری افراط و تفریط والی غلطی پر جلدی سزا نہیں دے گا۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

"تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا انکار کرنے والے۔"

سَاَلَهَا کی ھا ضمیر اشیاء کی طرف لوٹ رہی ہے (۱) اس صورت میں اس سے پہلے عَنْ حرف جار محذوف ہے یا ضمیر مسئلہ کی طرف لوٹ رہی ہے جس پر لَا تَسْئَلُوْا دلالت کر رہا ہے اسی وجہ سے عن حرف جار ذکر نہیں کیا۔ امام بیضاوی نے کہا مِنْ قَبْلِكُمْ سَاَلَهَا کے متعلق ہے۔ یہ قوم کی صفت ہے کیونکہ ظرف زمان نہ جثہ کی صفت بن سکتی ہے، نہ اس سے حال اور نہ ہی اس کی خبر بنتی ہے (۱) کہا گیا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ ظرف کو ایسے جثہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس کا وجود اس ظرف میں متعین نہیں ہوتا جیسے الھلال یوم الجمعۃ اس لئے اسے قوم کی صفت بنانا صحیح ہے۔

بنو اسرائیل نے اس وقت سوالات کئے تھے جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا مَاهِيَ، مَا لَوْنُهَا، مَاهِيَ یہ امر ان پر مشکل ہو گیا تھا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے مائدہ کا سوال کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے یہ سوال کیا تھا اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَعَ جَالُوْت۔ بعد میں ان کا انکار کرنے کے سبب سے وہ کافر (۱) ہو گئے کیونکہ سوال کے بعد جب انہیں حکم دیا گیا تو انہوں نے اس کی پیروی نہ کی۔ ابو ثعلبہ خشنی نے

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 163 (فراس)

(۱) قتادہ نے کہا ابی بن کعب کی قرأت میں ہے قد سالها قوم بينت لهم فاصبحوا بها كافرين اسے ابن جریر، ابن منذر اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔

کہا اللہ تعالیٰ نے فرائض معین فرما دیئے۔ سوالات کر کے ان پر سبقت نہ لے جاؤ۔ بعض اشیاء سے منع کیا ان کی طرف تجاوز نہ کرو۔ اس نے کچھ حدود معین کی ہیں ان کو پامال نہ کرو اور بغیر بھولے بعض چیزوں کے بارے میں حکم نہیں دیا ان کے بارے میں جستجو نہ کرو(1)

امام بخاری نے حضرت قتادہ سے اور حضرت قتادہ نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور سوال کرنے میں اصرار سے کام لیا تو آپ غضبناک ہو گئے پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے فرمایا آج تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے میں تمہارے لئے اسے بیان کر دوں گا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو ہر کوئی سر جھکائے کپڑا لپیٹے رو رہا تھا تو ایک آدمی اٹھا جس کے بارے میں لوگ کہتے کہ اس کا نسب اس کے باپ سے ثابت نہیں۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر حضرت عمر اٹھے عرض کی ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں، ہم فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے آج جیسا خیر اور شر والا دن نہیں دیکھا۔ میرے لئے جنت اور دوزخ سامنے کی گئی یہاں تک کہ میں نے انہیں دیوار کی دوسری طرف دیکھا۔ قتادہ اس حدیث کے ذکر کرتے وقت اسی آیت کا ذکر فرماتے(2)

یونس نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے۔ ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے خبر دی۔ ام عبد اللہ بن حذافہ نے عبد اللہ بن حذافہ سے کہا میں نے تجھ سے زیادہ کوئی نافرمان لڑکا نہیں دیکھا، تجھے کچھ خوف نہیں ہوا کہ تیری ماں ایسی ہی حرکت کر بیٹھی جیسی دور جاہلیت کی عورتیں کرتی تھیں تو تو تمام لوگوں کے سامنے رسوا کر دیتا تو عبد اللہ بن حذافہ نے کہا اگر وہ میرا تعلق کسی حبشی سے جوڑ دیتے تو میں اپنے آپ کو اس کے ساتھ جوڑ دیتا۔ یہ روایت کی گئی کہ حضرت عمر نے یہ عرض کیا ہمارا دور جاہلیت قریب ہی ہے، ہمیں معاف کر دیں اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے تو حضور ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا(3)

امام بخاری نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک قوم رسول اللہ ﷺ سے بطور استہزاء سوال کرتی تھی۔ کوئی کہتا میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا میری اونٹنی گم ہو گئی ہے میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(4) حافظ ابن حجر نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کہا جائے کہ یہ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کی حدیث سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں حج کے متعلق سوال والا قصہ کتاب کے سیاق کے حوالے سے زیادہ موافق ہے۔ اگر یہ آیت باپ کے متعلق سوال کرنے سے نازل ہوئی تو معنی یہ ہو گا اگر تمہارا نسب تمہارے باپ کے علاوہ ظاہر کر دیا جائے تو تم رسوا ہو جاؤ گے اور تمہیں برا لگے گا۔ مجاہد نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے متعلق سوال کیا۔

1۔ تفسیر کبیر، جلد 6، صفحہ 113 مطبوعہ دار الفکر بیروت　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 81 (التجاریہ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 81، الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 592 (العلمیہ)　　4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 665 (وزارت تعلیم)

(1) حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے جب کہ آپ سخت غصے میں تھے اور چہرہ سرخ تھا، آپ منبر پر بیٹھ گئے۔ ایک آدمی اٹھا اس نے پوچھا میرے آباء کہاں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ جہنم میں ہیں، ایک اور اٹھا اس نے پوچھا میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ فلاں ہے ایک اور اٹھا اس نے پوچھا میرا باپ کون، آپ نے فرمایا تیرا باپ فلاں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب کھڑے ہو گئے عرض کی ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہیں، حضرت محمد ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

"نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔"

مِنْ کا کلمہ زائد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے بارے میں حکم نہیں دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس نے پانچ بچے دیئے ہوں۔ وہ اس اونٹنی کے کان کاٹ دیتے، اس پر بوجھ لادنا چھوڑ دیتے، اس پر سوار نہ ہوتے، اس کے بال نہ کاٹتے، اسے پانی پینے اور چرنے سے کوئی نہ روکتا۔ اگر اس اونٹنی کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کرتے اور مرد و عورتیں سب کھاتے۔ اگر وہ مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹ دیتے(1) ابو عبیدہ نے کہا سائبہ اس اونٹ کو کہتے تھے جسے سانڈ بنا کر چھوڑ دیا جاتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی کہ دور جاہلیت میں جب کوئی آدمی بیمار ہو جاتا یا اس کا کوئی قریبی سفر پر جاتا اور زیادہ عرصہ گزر جاتا تو وہ یوں نذر مانتا اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے یا میرے مریض کو شفا دے یا میرے غائب آدمی کو واپس لوٹا دے تو میری یہ اونٹنی سائبہ ہے پھر اسے سانڈ بنا کر چھوڑ دیا جاتا اسے کسی جگہ چرنے یا پانی پینے سے نہیں روکا جاتا تھا اور نہ اس پر کوئی سوار ہوتا تھا۔ یہ بھی حکم میں بحیرہ کی طرح ہوتا(2) ایک قول یہ کیا گیا جب اونٹنی بارہ مادہ جنتی تو اسے سائبہ بنا دیا جاتا، اس پر نہ کوئی سواری کرتا، نہ اس کے بال کاٹے جاتے اور نہ ہی اس کا دودھ پیا جاتا مگر مہمان کی ضیافت کی جا سکتی تھی۔ اگر اس کے بعد وہ بچہ جنتی تو اس کے کان پھاڑ دیئے جاتے اور اسے اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا اسے بحیرہ بنت سائبہ کہتے۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جو اس کی ماں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ علقمہ نے کہا کہ غلام کو سائبہ بنانے سے مراد یہ ہوتی اس پر ولا و لازم نہ ہوگی، نہ دیت ہوگی اور نہ ہی میراث۔ حضور ﷺ نے فرمایا ولا اس کے لئے ہے جو آزاد کرے۔

سائبہ کا وزن فاعلۃ ہے مگر یہ مفعولۃ کے معنی میں ہے۔ اس لئے یہ مسیبۃ کے معنی میں ہے جس طرح عیشۃ راضیۃ میں راضیۃ مرضیہ کے معنی میں ہے۔

وصیلہ بھیڑ بکری سے ہوا کرتی۔ جب ان میں سے کوئی بچے دیتی تو وہ یہ دیکھتے اگر ساتواں مذکر ہوتا تو اسے ذبح کرتے اور مرد عورت سب کھاتے۔ اگر وہ مونث ہوتا تو اسے ریوڑ میں چھوڑ دیتے۔ اگر ایک بچہ نر اور دوسرا مادہ ہوتا تو مادہ بچے کی وجہ سے مذکر کو بھی رہنے دیتے اور کہتے مادہ اپنے مذکر بھائی سے مل گئی اور مذکر کو ذبح نہ کرتے۔ مونث کا دودھ عورتوں پر حرام ہوتا۔ اگر ان میں سے کوئی مر جاتا تو مرد و عورتیں سب کھاتے۔

رہا حام یہ نر کو کہتے ہیں۔ جب اس کی دوسری نسل سے مذکر سواری کے قابل ہو جاتا۔ یہ بھی کہا جاتا جب کسی اونٹ کی جفتی سے دس بچے جنم لیتے تو لوگ کہتے اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے۔ اس پر نہ سواری کی جاتی، نہ بوجھ لادا جاتا اور نہ گھاس چرنے اور پانی پینے سے روکا جاتا۔ جب یہ مر جاتا تو اسے مرد و عورتیں سب کھاتے۔

امام بخاری نے حضرت سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے جس کا دودھ بتوں کے لئے مختص ہوتا اس سے کوئی بھی نہ دھوتا تھا۔ سائبہ اسے کہتے جو بتوں کے نام وہ چھوڑ دیتے۔ ان پر کوئی بوجھ نہیں لادا جاتا۔ وصیلہ اس باکرہ اونٹنی کو کہتے ہیں جو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 82 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 82 (التجاریہ)

پہلی اونٹنی سے نر بچہ دیتی۔ دوسری اونٹنی سے مادہ دیتی۔ اگر دو مادہ بچوں کے درمیان کوئی مذکر بچہ نہ ہوتا تو وہ اسے اپنے بتوں کے لئے مختص کر دیتے۔ حام ایسے نر اونٹ کو کہتے ہیں جس کے لیے مخصوص اونٹنیوں کا تعین کرتے۔ جب وہ یہ مقدار پوری کر چکتا تو وہ اسے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے۔ وہ اسے بوجھ لادنے سے آزاد کر دیتے، اس پر کوئی بوجھ نہیں لادا جاتا تھا اور اسے حام کہتے (1)

حضرت ابوہریرہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا جو جہنم کی آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ پہلا شخص تھا جس نے جانوروں کو سائبہ قرار دیا۔ امام بغوی نے کہا محمد بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم تیمی سے، انہوں نے ابوصالح سمان سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثم بن جون خزاعی سے پوچھا اے اکثم میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا جو اپنی انتڑیاں جہنم میں کھینچ رہا ہے۔ میں نے تجھ سے بڑھ کر اس کا مشابہ اور اس سے بڑھ کر تیرا مشابہ نہیں دیکھا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیل کو تبدیل کیا۔ اس نے بت نصب کئے، جانوروں کو بحیرۂ سائبہ، وصیلہ اور حام بنایا۔ میں نے اسے جہنم میں دیکھا جو اپنی انتڑیوں کی بدبو سے جہنمیوں کو اذیت دے رہا تھا۔ اکثم نے عرض کیا کیا اس کے ساتھ مشابہت مجھے نقصان دے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں تجھے کچھ نقصان نہیں دے گی کیونکہ تو مومن ہے اور وہ کافر ہے۔ (2)

ان کا اللہ تعالیٰ پر افتراء یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت حلت اور حرمت کی علت نہیں جانتے بلکہ وہ اپنے جاہل آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان میں سے بعض اس افتراء کے باطل ہونے کو پہچانتے تھے لیکن سرداری کی محبت اور اپنے آباء کی تقلید انہیں اعتراف کرنے سے روکتی تھی۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

”اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ (اس کے) رسول کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وہ انہیں کی پیروی کریں گے)۔[1]“

[1] یعنی حرام و حلال کے متعلق جو احکام نازل فرمائے اس کی طرف آؤ حَسْبُنَا مبتداء ہے اور مَا وَجَدْنَا خبر ہے یعنی جس پر ہم نے اپنے آباء اجداد کو پایا وہ ہمارے لئے کافی ہیں، یہ ان کی عقل کی کوتاہی کا بیان (1) ہے اور ان کے پاس تقلید کے سوا کوئی دلیل نہیں۔ اور وَلَوْ كَانَ میں واؤ حالیہ ہے، اس پر ہمزہ اس لئے داخل ہوا تا کہ اس حال میں تقلید پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے، کیا جس حالت پر انہوں نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے اسے کافی سمجھتے ہیں اگرچہ وہ جاہل اور گمراہ ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اقتداء ہدایت یافتہ علماء کی کی جانی چاہیے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 665 (وزارت تعلیم)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 83 (التجاریہ)

ابن ابی حاتم نے عمر جو عفرہ کا غلام ہے سے نقل کیا ہے یہ آیت نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ کیونکہ ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے جب کہ اس کا والد اور بھائی کافر ہوتا ہے۔ جب ان کے دل میں ایمان کی مٹھاس داخل ہو جاتی تو وہ اپنے اباء اور بھائیوں کو اسلام کی دعوت دیتے تو وہ جواب دیتے ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنا آباء کو پایا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے۔''

عَلَيْكُمْ جار مجرور اسم فعل ہے جو الزموا کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اَنْفُسَكُمْ کو نصب دی ہے، یعنی اپنے نفسوں کی اصلاح کو لازم پکڑو اور ان کی حفاظت کرو اور يَضُرُّكُمْ یہ رفع کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہوگا اور جزم کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اس صورت میں جواب امر ہوگا یا لا نہی ہوگا اور راء کو ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع میں دیا گیا جو راء میں مدغم سے نقل کیا گیا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان کفار پر حسرت کرتے اور ان کے ایمان کی تمنا کرتے۔ امام احمد، طبرانی اور دوسرے محدثین نے ابو عامر اشعری سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب تم ہدایت یافتہ ہو تو کفار کا گمراہ ہونا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا(1)۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی تم اپنے نفسوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت یافتہ ہو تو اہل کتاب کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم ان سے جزیہ لو اور انہیں چھوڑ دو۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کوئی آدمی مسلمان ہوتا تو کہا جاتا تو نے اپنے باپ کو بے وقوف بنا دیا، ابن ابی حاتم نے عمر جو عفرہ کا غلام تھا سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کیونکہ ایک آدمی مسلمان ہوتا، جبکہ اس کا باپ اور بھائی کافر ہوتے۔ جب اس کے دل میں اسلام پختہ ہو جاتا تو وہ اپنے باپ اور بھائیوں کو بھی اسلام کی دعوت دیتا تو وہ جواب میں کہتے ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے آباء و اجداد کو پایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ اپنی طاقت کے مطابق نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہدایت میں سے ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اسے ایسی جگہ منطبق کرتے ہو جو اس کا محل نہیں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے جب لوگ کوئی برائی دیکھیں اور اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل کر دے(2) اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ ہے جب لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔ آپ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کسی قوم میں لوگ برائیوں کا ارتکاب کریں وہ قوم ان برائیوں کو ختم کرنے کی طاقت رکھتی ہو پھر وہ انہیں ختم نہ کرے تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عذاب نازل فرما دے۔ انہیں سے ایک اور روایت مروی ہے کہ کسی قوم میں برائیاں کی جائیں، جبکہ برائیوں سے اجتناب کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو۔ (الحدیث) ایک روایت میں ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں یا اللہ تعالیٰ تمہیں میں سے شریر لوگوں کو تم پر مسلط کر دے تو وہ تمہیں سخت عذاب دیں گے پھر تم میں سے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کریں گے تو تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔

امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کے متعلق فرمایا جب تک تمہاری بات مانی جائے اس وقت تک نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ اگر تمہاری بات رد کی جائے تو تمہیں خیال رکھنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ قرآن مجید میں کچھ ایسی

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 129 (صادر) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 131 (وزارت تعلیم)

آیات نازل ہوئیں جن کا مصداق ان کے نازل ہونے سے پہلے ظاہر ہو چکا تھا اور کچھ آیات ایسی نازل ہوئیں جن کا مصداق حضور ﷺ کے زمانہ میں ظاہر ہو گیا اور کچھ آیات ایسی نازل ہوئیں جن کا مصداق حضور ﷺ کے زمانے کے تھوڑے عرصے بعد ظاہر ہو گیا۔ اس میں کچھ آیات ایسی ہیں جن کا مصداق آج سے کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوگا۔ اس میں کچھ آیات ایسی ہیں جن کا مصداق آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اس میں کچھ آیات ایسی ہیں جن کا مصداق قیامت کے روز ظاہر ہوگا۔ یہ وہ آیات ہیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے جب تک تمہاری خواہشات اور دلوں میں موافقت ہے تم فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے اور ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوئے اس وقت تک نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ جب دل اور خواہشات مختلف ہو جائیں، تم گروہوں میں بٹ جاؤ اور تم میں سے بعض بعض پر حملہ آور ہو جائیں تو اس وقت اس آیت کا مصداق ظاہر ہوگا(1)

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور بیہقی نے شعب میں ابوالعالیہ سے یہ قصہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا انہوں نے کہا خدا کی قسم اس کے بارے میں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا آپ نے فرمایا بلکہ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکتے رہو یہاں تک کہ تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے، خواہش نفس کی غلامی کی جارہی ہے، دنیا میں محبت آخرت پر غالب آچکی ہے اور ہر کوئی اپنی رائے پر خوش ہو رہا ہے اور تو کوئی ایسی چیز دیکھے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس وقت اپنے نفس کو برائیوں سے دور رکھ اور لوگوں کے معاملات سے بے نیاز ہو جا۔ تمہارے بعد صبر کے ایام ہیں، ان میں جس نے صبر کیا وہ اس طرح ہے جس نے اپنے ہاتھوں میں انگارے پکڑے ہوئے ہوں۔ اس زمانہ میں نیکی کا کام کرنے والوں کے لئے پچاس آدمیوں کا اجر ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ انہیں کے پچاس آدمیوں کے برابر اجر ہوگا(2) فرمایا نہیں بلکہ تمہارے پچاس آدمیوں کے برابر اجر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ آیت خواہشات نفسانی کی غلامی کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

ابو جعفر نے کہا صفوان بن محرز کے پاس خواہشات نفسانی کا غلام ایک نوجوان آیا اس نے اپنے متعلق کچھ باتیں کیں۔ صفوان نے کہا میں تجھے ایسی آیت نہ بتاؤں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی خصوصیات بیان کی ہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ الآیۃ اس پر تلاوت کی(3)

اس آیت میں واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب نے لوٹ کر جانا ہے گمراہ ہو یا ہدایت یافتہ۔ پھر تمہیں وہ سب کچھ بتائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا اور کسی ایک کا بھی مؤاخذہ دوسرے کے گناہ سے نہیں کرے گا۔ اس آیت میں ایک جماعت کے لئے وعدہ اور دوسری جماعت کے لئے وعید ہے۔

امام بغوی نے ذکر کیا اور اسی کی مثل امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ نیز ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ تمیم داری اور عدی تجارت کی غرض سے شام گئے۔ یہ دونوں اس وقت عیسائی تھے، جبکہ بدیل حضرت عمرو بن عاص کا غلام ان کے ساتھ تھا۔ یہ مسلمان تھا جب یہ شام پہنچے تو بیمار ہو گیا۔ انہوں نے اپنے سامان کی فہرست بنائی اور اپنے سامان میں رکھ دی اور اپنے

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 84 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 131 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 84 (روایت بالمعنی) (التجاریہ)

ساتھیوں کو اس کی خبر نہ دی۔ ان دونوں کو وصیت کی کہ اس کا سامان اس کے گھر والوں تک پہنچا دیں۔ بدیل وہاں فوت ہو گیا۔ ان دونوں نے سامان کی تلاشی لی، اس سے ایک چاندی کا پیالہ نکال لیا جس کا وزن تین سو مثقال تھا، اس پر سونے کے نقش و نگار تھے۔ اس پیالے کو دونوں نے غائب کر دیا، اپنی تجارت کی پھر مدینہ طیبہ آ گئے سامان گھر والوں کو دے دیا۔ گھر والوں نے سامان کی تلاشی لی، اس میں سارے سامان کی فہرست موجود تھی۔ وہ عدی اور تمیم کے پاس گئے پوچھا کیا ہمارے غلام نے اپنے سامان میں سے کچھ بیچا تھا؟ دونوں نے کہا اس نے کچھ نہیں بیچا تھا۔ کیا اس نے کوئی تجارت کی تھی، دونوں نے کہا نہیں۔ گھر والوں نے کہا کیا وہ طویل عرصہ تک بیمار رہا جس وجہ سے اپنے اوپر کوئی مال خرچ کیا۔ دونوں نے کہا وہ زیادہ عرصہ بیمار نہیں رہا۔ گھر والوں نے کہا سامان میں ایک فہرست موجود ہے جس میں سارے سامان کی تفصیل ہے ہم نے سامان میں ایک چاندی کا پیالہ نہیں پایا جس کا وزن تین سو مثقال ہے جس پر سونے کے نقش و نگار ہیں۔ دونوں نے کہا ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اس نے ہمیں وصیت کی اور ہمیں یہ سامان تم تک پہنچانے کا کہا ہم نے وہ سامان تمہارے حوالے کر دیا ہمیں اس پیالے کے بارے میں کچھ علم نہیں پیالہ دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو مابعد آیت نازل ہوئی (1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝

”اے ایمان والو آپس میں تمہاری گواہی جب آ جائے کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) [1] دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت روکو ان دو گواہوں کو [2] نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں گے اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گناہ گاروں میں (شمار) ہوں گے [3]“

[1] ترکیب کلام میں شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ مبتدا ہے اس کی خبر اثنان ہے اس کا مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے تقدیر کلام یوں ہے شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ شَهَادَةُ اثْنَيْنِ ہے۔ لفظاً یہ جملہ خبریہ ہے اور معنی یہ امر ہے اور جملہ انشائیہ ہے معنی یہ ہے چاہیے کہ دو گواہ گواہی دیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اثنان مصدر کا فاعل ہو، یعنی تمہارے درمیان دو آدمی گواہ ہوں یا مصدر مبتداء ہو اور اس کی خبر پہلے حذف ہو تقدیر کلام یوں ہو فیما امرتم شهادة اثنين معنی یہی ہوگا کہ دو آدمی گواہی دیں بین کے لفظ میں وسعت ہے اس لئے مصدر کو اس کی طرف مضاف کیا۔ یہاں شہادت سے مراد گواہ بنانا ہے یعنی انہیں وصی بنانے کے لئے حاضر کرنا جس پر اس قصہ کا سیاق

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 85 (التجاریہ)

دلالت کرتا ہے۔ جس قصہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَلَيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہاں دو وصیوں کا ہونا بطور احتیاط ہے ورنہ ایک وصی بنانا بھی کافی ہے۔ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ اِذَا حَضَرَ ترکیب کلام میں شہادۃ کی ظرف ہے اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ کا معنی ہے جب موت کی علامات ظاہر ہو جائیں حِيْنَ الْوَصِيَّةِ یہ حضر کی ظرف ہے یا یہ اذا حضر کا بدل ہے اسے بدل بنانے میں اس امر پر تنبیہ موجود ہے کہ وصیت ایسی چیز ہے جس میں کسی قسم کی سستی نہیں ہونی چاہیے یعنی اے مومنو جب موت کا وقت قریب ہو تو وصیت کے وقت تمہارے دینی بھائیوں میں سے دو گواہ ہونے چاہئیں ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اِثْنَانِ کی دونوں صفتیں ہیں کیونکہ عادل مسلمان ہی شاھد بنائے جانے کا زیادہ اہل ہے۔ اگر تم مسافر ہو تو پھر دوسرے ادیان کے لوگوں کو وصی بنایا جائے۔ اِنْ کے بعد فعل مضمر ہے جس کی تفسیر اَنْتُمْ کے بعد ضَرَبْتُمْ فعل کر رہا ہے۔ تمہیں سفر میں موت کی مصیبت آ پہنچے تو تم انہیں وصی بناؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے تم انہیں دیدو بعد میں میت کے ورثاء ان دونوں پر تہمت لگائیں اور ان پر خیانت کرنے کا دعویٰ کریں جبکہ دونوں وصی خیانت کا انکار کریں اس تقدیر کلام پر اس آیت کا شان نزول دلالت کرتا ہے

کیونکہ بدیل کے ورثاء نے جب وہ لسٹ دیکھی تو انہوں نے ان دونوں سے پیالے کا مطالبہ کیا تھا تو دونوں نے اس سے انکار کیا تھا۔

2۔ یہ اثنان کی صفت ہے یا اخران کی صفت ہے، یعنی حاضرین میں سے جو دو عادل ہیں انہیں وصیت کے لئے روک لو وہ تم میں سے ہوں یا کسی اور دین کے پیروکار ہوں اسے صرف اخرین کی صفت بنانے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ معنی یہ ہوگا کہ تم ان وصیوں کو روک لو جو خیانت کا انکار کرتے ہیں۔

3۔ مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ میں من زائدہ ہے اور صلوۃ سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ لوگوں کے جمع ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ نیز دن اور رات کے فرشتے اس موقع پر جمع ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ نماز کوئی بھی ہو سکتی ہے اگر تمہیں شک ہو تو دونوں وصی قسم اٹھائیں اِنِ ارْتَبْتُمْ یہ شرط جزاء سے غنی ہے۔ مراد یہ ہے اگر تم میں سے وصیت کرنے والے کا وارث شک کرے وصیوں پر خیانت کی تہمت لگائے، جبکہ وصی خیانت کا انکار کریں تو حاکم وصیوں سے قسم لے گا تو وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ اگر وہ شک نہ کریں اور تہمت نہ لگائیں تو ان سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس حوالے سے اِنِ ارْتَبْتُمْ جملہ معترضہ ہے اور جواب قسم لَا نَشْتَرِيْ ہے یعنی ہم قسم یا اللہ تعالیٰ کے نام کے بدلے دنیا کا مال نہیں لیتے یا کسی بھی لالچ میں جھوٹی قسم نہیں اٹھاتے۔ اگر وصی میت کا قریبی رشتہ دار ہو اور وارث اس پر خیانت کا دعویٰ کرے تو یہی حکم ہے کیونکہ قسم کا مطالبہ صرف اجنبی وصیوں کے ساتھ خاص نہیں جب وہ خیانت کا انکار کریں اور وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت قائم کرنے کا جو ہمیں حکم دیا ہے ہم اس شہادت کو نہیں چھپاتے یہاں شہادت سے مراد حق کا اظہار اور سچی خبر دینا ہے اگرچہ یہ گواہی اپنی ذات کے خلاف ہو یعقوب نے شہادۃ اللہ پڑھا ہے یعنی ہمزہ کو طویل کیا ہے اور ہمزہ استفہام کو حرف قسم کا عوض بنایا ہے یعنی واللہ۔

اگر ہم حق کو چھپائیں گے تو گنہگار ہو جائیں گے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی، آپ نے تمیم اور عدی کو بلایا اور منبر کے نزدیک ان سے قسم لی اس اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو چیز انہیں دی گئی اس میں انہوں نے خیانت نہیں کی۔ ان دونوں نے قسم اٹھا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد چھوڑ دیا۔ طویل عرصہ گذر جانے کے بعد وہ برتن ان کے پاس پایا گیا[1] سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے یہ برتن مکہ مکرمہ میں پایا گیا جن کے پاس تھا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 87 (التجاریہ)

انہوں نے کہا ہم نے اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ یہ خبر بنی سہم تک پہنچ گئی وہ عدی اور تمیم کے پاس آئے۔ دونوں نے کہا ہم نے یہ برتن بدیل سے خریدا تھا۔ بنی سہم نے کہا کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہمارے غلام نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز نہیں بیچی تھی۔ دونوں نے کہا ہمارے پاس اس خریداری کے گواہ نہ تھے تو ہم نے اس خریداری کا اقرار کرنا پسند نہ کیا۔ اسی وجہ سے ہم نے اسے چھپایا تھا۔ بنی سہم انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تو اس وقت مابعد آیت نازل ہوئی (1)

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْأَوْلَيَٰنِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ لَشَهَٰدَتُنَآ أَحَقُّ مِن شَهَٰدَتِهِمَا وَمَا ٱعْتَدَيْنَآ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾

''پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے [1] تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ [2] ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے [3] اور (یہ نئے دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا (اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ [4]''

[1] اگر اطلاع ہو جائے کہ دونوں وصی گناہ کے مستحق بن گئے ہیں۔ عثر کا اصل معنی کسی شئے پر واقع ہونا استحقا یعنی انہوں نے ایسا عمل کیا جس کے باعث وہ گناہ گار ہو گئے، یعنی انہوں نے خیانت کی، جھوٹی قسم اٹھائی اس چیز کے خریدنے کا دعویٰ کیا یا اس جیسا کوئی عمل کیا تاکہ اپنے آپ سے خیانت کی تہمت کو زائل کر دیں۔

[2] تو دو اور گواہ ان کی جگہ گواہی دیں۔ وارثوں میں سے دو افراد کو گواہ کہا گیا کیونکہ یہ دونوں اپنے دعویٰ کے حق ہونے اور شرع کی ان کی یہ تصدیق کرنے کہ ان کا دعویٰ درست ہے۔ یہ سابقہ دو گواہوں کے گناہ کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ دونوں ان کے گناہ پر گواہ ہیں میت کے قریبیوں میں سے دو گواہوں کی تخصیص اس واقعہ کی خصوصیت کی وجہ سے ہے جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر میت کا وارث ایک ہو تو وہی ایک قسم اٹھائے گا اگر وہ دو سے زیادہ ہوں اور سب وصیوں کی خیانت کا دعویٰ کریں تو سب قسم اٹھائیں گے۔

[3] حفص نے استحق کو معروف پڑھا ہے۔ عَلَيْهِمُ میں ھم ضمیر سے مراد وارث ہیں، یعنی وارثوں میں سے جو شہادت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ان کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ وہ میت کے زیادہ قریبی ہیں۔ یہ اور دو وارثوں کی وجہ سے محجوب (ا) نہیں، یہ اس لائق ہیں کہ تمام دوسرے ورثاء انہیں شہادت کے لئے منتخب کریں اور وصیوں کے جھوٹ کو ظاہر کریں اس قرأت کی صورت میں اَلْاَوْلَیٰنِ استحق کا فاعل ہے اور جار مجرور الاولیان کے متعلق ہے، جبکہ قراء نے استحق کو مجہول پڑھا ہے، اس کا نائب فاعل عَلَيْهِمُ ہے اس صورت میں علی فی کے معنی میں ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان عَلٰی مُلْكِ سُلَيْمٰنَ میں علٰی، فی کے معنی میں ہے، یعنی دونوں قسم اٹھانے والے ان کی وجہ سے گناہگار ہوئے اور الاولیان، اخرین کی صفت ہے۔ الاولیان اگرچہ معرفہ ہے پھر بھی اخران کی صفت بنانا درست ہے کیونکہ جب اخران کی صفت مِنَ الَّذِيْنَ سے لگا دی تو وہ بھی معرفہ ہو گیا، جبکہ ظاہر یہ ہے کہ الاولیان اخران کا بدل ہے یا يَقُوْمٰنِ میں جو ضمیر ہے اس سے بدل ہے۔ یہاں صفت کا ضمیر سے خالی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہاں مبدل منہ موجود ہے اگرچہ یہ ترک کرنے کے حکم میں ہے نیز بدل مبدل منہ کا عین ہے اس لئے یہ اس کے قائم مقام ہے جس طرح اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 87 (التجاریہ)

(ا) کوئی اور وارث انہیں مطلقاً محروم نہیں کرتا نہ ان کے حصے میں کمی کرتا ہے۔

جائے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھما ضمیر ہے۔ یہاں الاولیان سے مراد میت کے قریبی لوگ ہیں جنہیں کوئی اور رشتہ محجوب نہیں کرتا۔ ابوبکر نے عاصم، حمزہ اور یعقوب نے الاولین پڑھا ہے کیونکہ یہ الَّذِيْنَ کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے یا الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ سے بدل ہے۔ اس صورت میں انہیں اولین اس لئے کہا گیا کیونکہ شہادۃ بینکم میں ذکر میں اول ہیں۔

وہ دونوں وصیوں کی خیانت اور خریدنے کے دعویٰ میں جھوٹا ہونے پر اور اسی طرح کے معاملات میں یہ قسم اٹھائیں کہ ہماری گواہی (قسم) قبولیت میں ان کی قسم سے بہتر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور ہم نے اپنی قسموں میں حق سے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم حق سے تجاوز کریں تو ہم باطل کو حق کی جگہ رکھنے والے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سہمی کے اولیاء میں سے دو آدمی اٹھے اور انہوں نے قسم اٹھا دی۔ بخاری کی روایت میں اسی طرح ہے۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور انہیں کے خاندان میں سے ایک اور آدمی اٹھا دونوں نے قسم اٹھا دی (1) امام بغوی نے دوسرے کا نام مطلب بن وداعہ سہمی رکھا ہے۔ ان دونوں نے عصر کے بعد قسم اٹھائی شاید دونوں سہمیوں نے یہ قسم اٹھائی (2) کہ انہیں یہ علم نہیں کہ بدیل نے وصیوں کے ہاتھ چاندی کا برتن بیچا تھا۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابن عباس کی حدیث سے نقل کیا ہے، جبکہ دوسرے محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ تمیم داری سے اسے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت ہمارے علاوہ کسی اور کے حق میں نازل ہوئی۔ میں اور عدی بن بداء نصرانی تھے۔ اسلام سے قبل ہمارا شام آنا جانا رہتا تھا۔ ہم تجارت کی غرض سے شام آئے۔ ہمارے پاس بنی سہم کا غلام آیا جسے بدیل بن ابی مریم کہتے ہیں۔ اس کے پاس دوسرے مال کے علاوہ چاندی کا ایک جام تھا، وہ بیمار ہو گیا، اس نے ہمیں وصیت کی اور کہا کہ جو کچھ چھوڑے جا رہا ہے وہ اس کے اہل تک پہنچا دیں جب وہ مر گیا تو ہم دونوں نے وہ جام لے لیا۔ ایک ہزار درہم میں اسے بیچا اور ہم دونوں نے رقم آپس میں تقسیم کر لی۔ جب ہم واپس آئے تو جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ اس کے ورثاء کو دے دیا۔ انہوں نے چاندی کا برتن نہ پایا، ہم سے اس کے بارے میں پوچھا، ہم نے جواب دیا اس کے علاوہ اس نے ہمیں کچھ نہیں دیا تھا۔ جب میں مسلمان ہو گیا تو اس گناہ سے توبہ کا ارادہ کیا۔ میں اس کے ورثاء کے پاس آیا، انہیں سارا واقعہ بتایا اور پانچ سو درہم انہیں دے دیا۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ میرے ساتھ عدی کے پاس بھی اتنی ہی رقم ہے وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان ورثاء سے گواہ طلب کئے۔ ان کے پاس گواہ موجود نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس سے یہ قسم لے لیں تو عدی نے قسم اٹھا دی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو حضرت عمرو بن عاص اور ایک دوسرا آدمی اٹھا ان دونوں نے قسم اٹھائی اور عدی بن بداء سے پانچ سو درہم لے لئے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۱۰۸

"یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔"[1]

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 436 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 88 (التجاریہ)

ذٰلِکَ کا مشارالیہ وصیوں کو قسم اٹھانے کا حکم ہے جب وارثوں کو شک ہو یا وارثوں کو قسم اٹھانے کا حکم دینا جب وصی یہ دعویٰ کریں کہ انہوں نے وہ مال اس میت سے خریدا تھا ادنیٰ کا معنی اقرب ہے اَنْ یَّاْتُوْا میں واؤ ضمیر وصیوں کے لیے ہے۔ الشہادۃ سے مراد حق کا اظہار اور میت نے جو انہیں وصیت کی تھی اس کا بیان کرنا ہے۔ عَلٰی وَجْهِهَا سے مراد جس طرح انہوں نے لیا تھا بغیر کسی خیانت کے یَخافوا کا عطف یا تو یاتوا پر ہے وصی نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے اس کے انکار کی صورت میں قسمیں وارثوں پر لوٹائی جائیں گی۔ جبکہ پہلے وصیوں نے قسمیں اٹھائی تھیں وَاتَّقُوا اللّٰهَ کا عطف محذوف کلام پر ہے تقدیر کلام یوں ہے اِحْفَظُوْا اَحْكَامَ اللّٰهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں حکم دیا ہے اسے قبول کرنے کی نیت سے سنو اور اگر تم تقویٰ اختیار نہ کرو اور توجہ سے پیغام حق نہ سنو تو تم فاسق ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو جنت اور حق کے راستہ کی ہدایت نہیں دیتا۔ آیت کی جو تفسیر میں نے ذکر کی ہے وہ آیت کے سبب نزول سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس طرح یہاں نسخ لازم نہیں آئے گا کیونکہ وصی پر قسم اس وقت لازم آئے گی جب خیانت کا انکار کرے گا اور وارث پر اس وقت لازم آئے گی۔ جب وصی کی طرف سے خریدنے کے دعویٰ کا انکار کرے گا تو اس طرح یہ آیت محکم ہوگی اور حکم ثابت ہوگا۔ ایک قوم کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ سورۂ مائدہ میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جب مریض پر موت کا وقت قریب ہو تو وہ دو گواہ بنائے جو قاضی کے پاس اس آدمی کے حق میں گواہی دیں گے جس کے لیے مریض نے وصیت کی۔ اس پر آیت کا ظاہر دلالت کرتا ہے لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى یعنی اگر وصی انکا قریبی ہے تب بھی ہم کسی لالچ میں اس کے حق میں وصیت سے زیادہ کی گواہی نہ دیں گے۔ اس تاویل کی صورت میں یہ کہا گیا ہے کہ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ کا معنی ہے جو وصیت کرنے والے خاندان سے ہوں اور آخران سے مراد دوسرے خاندان کے لوگ ہوں۔ یہ حسن بصری' زہری اور عکرمہ کا قول ہے۔

مسئلہ: کسی بھی حکم میں کافر کی مسلمان کے خلاف شہادت جائز نہیں۔ اکثر مفسرین نے مِنْكُمْ کا معنی تمہارے دین والے اور مِنْ غَيْرِكُمْ کا معنی دوسرے دین والے کیا ہے۔ حضرت ابن عباس' ابوموسیٰ اشعری' سعید بن مسیب' ابراہیم نخعی' سعید بن جبیر' مجاہد اور عبیدہ نے یہی کہا ہے۔ امام نخعی اور ایک جماعت نے کہا یہ آیت منسوخ ہے۔ ابتداء میں مسلمان کے خلاف ذمیوں کی شہادت مقبول تھی پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا کیونکہ مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت نہیں سنی جاتی۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ثابت ہے۔ انہوں نے یہ کہا جب وہ مسلمان نہ پائیں تو وہ دو کافروں کو گواہ بنائیں۔ شریح نے کہا جب کوئی آدمی مسلمان ایسے علاقہ میں ہو جہاں کوئی اور مسلمان موجود نہ ہو تو جیسے وہ اپنی وصیت پر گواہ بنائے تو وہ دو کافروں کو گواہ بناتا ہے تو ان کی شہادت جائز ہوتی ہے اور کسی کافر کی مسلمان کے خلاف جائز نہیں ہوتی مگر وصیت میں جائز ہے۔ امام شعبی سے مروی ہے کہ دقوقا (۱) میں ایک مسلمان پر موت کا وقت قریب ہوا۔ اس نے وہاں کوئی مسلمان نہ پایا جس کو وصیت پر گواہ بناتا۔ اس نے اہل کتاب میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنایا۔ دونوں اس کے ترکہ کو لے کر کوفہ آئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی خدمت میں حاضر ہو کر سب واقعہ ذکر کیا نیز مال اور وصیت پیش کی۔ ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ آپ نے ان دونوں کی قسم لی اور ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ اگر اس آیت کا حکم ثابت ہوتا تو ضروری تھا کہ قسم وارثوں پر پھیری جاتی اگر کسی صورت میں بھی گواہوں کا جھوٹ ظاہر ہوتا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

(۱) جگہ کا نام

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾

''جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔[1]''

[1] یوم سے مراد قیامت کا دن ہے ترکیب کلام میں یہ لا یهدی کی ظرف ہے، یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی طرف نہیں لے جائے گا یا اِتَّقُوْا کے مفعول سے بدل اشتمال ہے یا اسْمَعُوْا کا مفعول بہ ہوگا۔ اس صورت میں یوم سے پہلے خبر کا لفظ محذوف ہوگا یا اس سے پہلے اذکروا یا احذروا کا فعل محذوف ہوگا اللہ تعالیٰ رسولوں سے فرمائے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ ماذا یہ اُجِبْتُمْ کا مفعول مطلق ہے یعنی تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا؟ یا معنی یہ ہوگا۔ کہ تم نے اپنی قوموں کو جو دعوت دی تھی اس کا تمہاری قوموں نے کیا جواب دیا؟ انبیاء سے یہ سوال ان کی امتوں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہے، جس طرح زندہ درگور کرنے والے کو شرمندہ کرنے کے لیے زندہ درگور کی گئی بچی سے سوال کیا جائے گا بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ رسول عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو علام الغیوب ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد اور سدی نے کہا کہ قیامت کے مناظر بڑے ہولناک ہیں جس سے ان کے دل دہل جائیں گے اور رسل خوفزدہ ہوں گے جس وجہ سے وہ جواب بھول جائیں گے اور عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ پھر جب ان کی عقلوں کو ثبات نصیب ہوگا تو وہ اپنی امتوں پر گواہی دیں گے۔ ابن جریج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ان کے انجام، ہمارے بعد وہ کیا کچھ کرتے رہے اور جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھتے تھے اس کا ہمیں کچھ علم نہیں، جبکہ اے اللہ تو انہیں جانتا ہے جو ہم سے غائب ہیں جبکہ ہم وہی جانتے ہیں جو ہمارے مشاہدہ میں ہے۔ ابو بکر اور حمزہ نے جہاں بھی غیوب کا لفظ آیا ہے اسے غین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے غین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت انس حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ حوض کوثر کی طرف آ رہے ہوں گے تو میں انہیں پہچان لوں گا، انہیں میرے پاس آنے سے روک لیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ میرے صحابہ ہیں تو کوئی کہنے والا کہے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا (1) اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے کہا اس کا معنی یہ ہے ہم جتنا علم رکھتے ہیں اس سے زیادہ تو علم رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہمارے علم کی تیرے علم کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہمیں حکمت کا علم نہیں جس کی وجہ سے تو ہم سے سوال کر رہا ہے، تو ہم سے بہتر جانتا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 665 (وزارت تعلیم) تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 89 (التجاریہ)

كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا۔ اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تو بنا تا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب تو تندرست) کر دیا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنھوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں مگر کھلا ہوا جادو۔ ؎"

؎ اِذْ قَالَ یہ یَوْمَ یَجْمَعُ کا بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو شرمندہ کرنے کے لیے رسولوں سے پوچھے گا کہ ان کی امتوں نے کیا جواب دیا تھا اور ان معجزات کا شمار کیا جا رہا ہے جو ان پر ظاہر کیے گئے تھے ایک جماعت نے ان رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادو گر کہا ایک جماعت نے ان رسولوں کی محبت میں غلو سے کام لیا اور انہیں معبود بنا لیا یا اس سے پہلے اذ کو فعل محذوف ہے جس نے اذ کو نصب دی ہے نعمۃ یہ لفظاً تو واحد ہے تا ہم معناً جمع ہے کیونکہ اس سے جنس نعمت مراد ہے یہاں و الدتک سے مراد حضرت مریم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بنایا اور جہاں بھر کی عورتوں پر فضیلت عطا کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا نعم کے ذکر سے مراد نعمت کا شکر بجالانا ہے اَیَّدْتُّکَ سے مراد میں نے تجھے قوی بنایا۔ اِذْ بِهٖ نِعْمَتِیْ کی ظرف ہے یا اس سے حال ہے۔ روح القدس سے مراد جبرائیل امین ہیں یا اس سے مراد ایسی کلام ہے جس سے نفوس ابدی زندگی پاتے ہیں اور وہ کلام نفوس کو گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ اسی وجہ سے روح کے لفظ کو قدس کی طرف مضاف کیا کیونکہ یہ کلام ہی پاکیزگی کا سبب تھا اور اسی سے مردے زندہ ہوتے تھے تکلم الناس ترکیب کلام میں ایدتک کے مفعول سے حال ہے۔ فِی الْمَهْدِ یہ بھی حال ہے تقدیر کلام اس طرح ہے کَآئِنًا فِی الْمَهْدِ یعنی آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بچپنے اور پکی عمر میں ایک جیسی کلام کرتے ہیں۔ آپ کے بچپنے کی حالت کو کمال عقل اور حکمت کے ساتھ کلام کرنے میں پکی عمر کے ساتھ ملایا ہے۔ اس سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے کیونکہ جب آپ کو زمین سے اٹھایا گیا تو اس وقت آپ کی عمر کہولت والی نہ تھی۔ حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ دین کا حکم تیس سال کی عمر میں دیا۔ آپ نے یہ فریضہ صرف تیس ماہ ادا کیا پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا۔ بعض فضلاء نے یہ کہا کہ اس آیت میں بچپنے اور پکی عمر میں کلام کی برابری پر کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ کَهْلًا کو تشبیہ بلیغ بنایا جائے۔ معنی یہ ہوگا کہ آپ بنی اسرائیل سے کلام فرماتے تھے اس حال میں جبکہ پنگھوڑے میں تھے اور اسی طرح وہ اس عمر میں کلام کرتے تھے جیسے وہ پکی عمر میں ہوں۔ اس صورت میں آیت میں آپ کے دوبارہ زمین پر آنے کی صریح دلالت نہ ہوگی۔ اِذْ عَلَّمْتُکَ کا عطف اِذْ اَیَّدْتُّکَ پر ہے۔ وَاِذْ کَفَفْتُ کا عطف اِذْ عَلَّمْتُکَ پر ہے۔ یعنی میں نے تیری حفاظت کی اور بنی اسرائیل نے جب تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے انہیں تم سے پھیر دیا بینات سے مراد وہ معجزات ہیں جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اِذْ یہ کففت کی ظرف ہے اِنْ هٰذَآ میں اِنْ نافیہ ہے یعنی انہوں نے کہا جو کچھ آپ ہمارے پاس لائے ہیں یہ نہیں ہے مگر واضح جادو۔ حمزہ اور کسائی نے یہاں سورۃ ہود اور سورۃ صف میں ساحر پڑھا ہے یہاں

اشارۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اور سورۂ ہود میں حضور ﷺ کی طرف ہے۔

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔[1]"

[1] وَ اِذْ اَوْحَیْتُ کا عطف اِذْ كَفَفْتُ پر ہے۔ اَوْحَیْتُ کا معنی میں نے الہام کیا ہے اور ان کے دلوں میں القاء کیا ہے۔ عبد بن حمید نے قتادہ سے اور ابوالشیخ نے سدی سے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے انہیں حکم دیا اَنْ اٰمِنُوْا میں اَنْ مصدریہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اَوْحَیْتُ سے اَنْ مفسرہ ہو جب ہم نے انہیں حکم دیا اور توفیق دی تو انہوں نے کہا ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اے عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گواہ بن جائیے کہ ہم مخلص مسلمان ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

"جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب[1] کہ اتارے ہم پر ایک خوان آسمان سے۔[2] (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو۔[3]"

[1] اِذْ یا تو اُذْكُرْ کی ظرف ہے یا اس سے پہلے قَالُوْا فعل محذوف ہے۔ جمہور قراء نے یَسْتَطِیْعُ کو غائب کا صیغہ اور رَبُّكَ کو مرفوع پڑھا ہے اور یہ فعل کا فاعل ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر تو سوال کرے تو کیا تیرا رب تیری عرضداشت پوری کرے گا۔ استطاع اطاع کے معنی میں ہے جس طرح استجاب اَجاب کے معنی میں ہے۔ ابن ابی حاتم نے عامر بن شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ کو هَلْ یَطِیْعُ رَبُّكَ پڑھتے تھے۔ آثار میں یہ روایت موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ اس کی عرضداشت پوری فرماتا ہے۔ کسائی کی قرأت اس کی تائید کرتی ہے جو یہ ہے هَلْ تَسْتَطِیْعُ رَبَّكَ اس میں خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے اور ربک منصوب ہے۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہے۔ یہ حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور مجاہد کی قرأت ہے۔ حاکم نے اسے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے یعنی کیا تو اپنے رب کے حکم کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی تیری عرضداشت پوری کرے گا، یعنی یستطیع، یطیع کے معنی میں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا حواری اللہ تعالیٰ کو اس سے بہتر جانتے تھے کہ وہ یہ کہیں کہ اگر تو دعا کرے تو کیا وہ تیری عرضداشت قبول کرے گا(1) اسے ابن ابی شیبہ، ابوالشیخ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ استطاعت اس کی حکمت اور ارادہ کے تقاضا کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی قدرت کے تقاضا کے مطابق نہیں ہوتی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے شکایت کرتے ہوئے یہ نہ کہا بلکہ جس طرح ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہتا ہے کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ تم میرے ساتھ اٹھو، جبکہ یہ بات کہنے والا خوب جانتا ہے کہ وہ اٹھنے کی طاقت رکھتا ہے مگر وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ کیا تو ایسا کرے گا۔ بعض لوگوں نے آیت کو ظاہر معنی پر محمول کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ بات ان سے معرفت مستحکم ہونے سے

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 609 (العلمیہ)

پہلے ہوئی تھی۔ وہ ایسے لوگ تھے جن کا دور جاہلیت قریب تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے قول کو حقیقت سے بہت بعید جانتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہ کرو۔

۲؎ مائدہ سے مراد دستر خوان ہے جس پر کھانا موجود ہو۔ یہ مادہ میدہ سے اسم فاعل کا وزن ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اس نے دوسرے آدمی کو عطا کیا اور اسے کھلایا۔ جو تیرے پاس آتا ہے تو اسے کھلاتا ہے۔ پس مائدہ کا معنی کھانا کھانے والوں کو کھانا عطا کرنے والا اور کھلانے والا ہے۔ کھانے کو مجازاً مائدہ کہہ دیتے ہیں۔ جس طرح کہتے ہیں جری النهر نهر بهی۔ اہل کوفہ نے کہا اسے مائدہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ کھانے والوں کی وجہ سے حرکت میں آ جاتا ہے اور اہل بصرہ نے کہا یا اسم فاعل بمعنی مفعول ہے یعنی کھانا کھانے والوں کی وجہ سے اسے حرکت دی جاتی ہے۔

۳؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم ایسے سوال نہ کرو جو پہلی امتوں نے نہیں کیے۔ آپ نے انہیں معجزات طلب کرنے سے منع کیا یا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور میری نبوت کی صحت پر ایمان رکھتے ہو تو اس کی قدرت میں شک نہ کرو یا اگر اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو۔ حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے العظمۃ میں، ابوبکر شافعی نے فیلانیات میں سلیمان فارسی سے نقل کیا ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس مطالبہ کو سخت ناپسند کیا، فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں جو کچھ عطا فرمایا ہے اس پر قناعت کرو اور مائدہ کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر تم پر یہ نازل کر دیا گیا تو یہ تمہارے رب کی جانب سے معجزہ ہوگا۔ قوم ثمود اس وقت تباہ و برباد ہوئی تھی جب انہوں نے اپنے نبی سے معجزہ کا مطالبہ کیا تھا۔ پس کے ساتھ انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔ حواریوں نے اس سے باز آنے سے انکار کیا اور عرض کیا کہ مائدہ ضرور نازل ہو(1)

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

"حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر گواہی دینے والوں سے۔ ۱؎"

۱؎ حواریوں نے عرض کی ہم نے مائدہ کا مطالبہ اس لیے کیا ہے تاکہ ہم اسے کھائیں اور جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں ہمارا مشاہدہ علم استدلال کے ساتھ ملے گا تو ہمیں اطمینان نصیب ہوگا اور آپ کے نبوت کے دعویٰ کے بارے میں ہمیں یقین ہوگا کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہمارے ایمان اور یقین میں اضافہ ہوگا ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا جب وہ افطار کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال کریں گے اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مائدہ کا سوال کیا۔ انہوں نے کہا ہم جانتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے، یعنی جب ہم تیس روزے پورے کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری عرضداشت کو پورا کرے گا تو ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی قدرت اور آپ کی نبوت پر گواہ ہو جائیں گے، جبکہ پہلے ہم غائبانہ ایمان لائے تھے یا اس کا معنی یہ ہے جب ہم ان کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہم بنی اسرائیل کے پاس آپ کے حق میں گواہی دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت غسل کیا، کمبل کا لباس زیب تن کیا، دو رکعت نماز ادا فرمائی، اپنا سر جھکایا آنکھیں بند کیں اور خوب روئے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 610 (العلمیہ)

عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

”عرض کی عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر خوان آسمان سے بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لئے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔1“

1۔ رَبَّنَا یہ دوسری ندا ہے۔ یہ اَللّٰهُمَّ کی صفت نہیں اور نہ اس کا بدل ہے کیونکہ اَللّٰهُمَّ کی صفت نہیں آتی اور نہ ہی اس کا بدل ذکر کیا جاتا ہے۔ تفتازانی نے اسی طرح کہا ہے۔ سدی نے مائدہ کے نازل ہونے کے دن کے عید ہونے کا معنی یہ بیان کیا کہ ہم اور ہمارے بعد والے اس کی تعظیم کریں گے۔ عید غم کے بعد خوشی کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ خوشی کے دن کو عید اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں غم سے خوشی کی طرف لوٹا جاتا ہے۔ یہ قول بھی کیا گیا کہ دن اتوار تھا اسی وجہ سے نصاریٰ نے اتوار کو عید قرار دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ عید بمعنی مائدہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت اور برہان۔ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا، یہ لَنَا کا بدل ہے اور حرف جار کو دوبارہ لایا گیا، یعنی یہ ہمارے زمانے اور بعد کے لوگوں کے لیے عید ہوگی۔ حضرت ابن عباس نے اس کا یہ معنی کیا کہ اس مائدہ سے ہمارا آخری آدمی اسی طرح کھائے گا جس طرح ہمارا پہلا آدمی کھائے گا(1) ظاہر بات یہ ہے کہ لَنَا کَانَ کی خبر ہے اور عید ادوسری خبر ہے اور لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا عید کی صفت ہے اور لفظ آیَةً کا عِیْدًا پر عطف ہے۔ مِنْکَ آیَةً کی صفت ہے یعنی یہ تیری کمال قدرت اور میری نبوت کی صحت پر تیری طرف سے دلیل ہو۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

”فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلا شبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہاں سے۔1“

1۔ مُنَزِّلُهَا میں ھا ضمیر سے مراد مائدہ ہے۔ نافع ابن عامر اور عاصم نے باب تفعیل سے اسے پڑھا ہے باب تفعیل یکے بعد دیگرے کثرت پر دلالت کرتا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے۔ اس مائدہ کا نزول تمہاری دعا کی قبولیت کے طور پر ہے پس جس نے اس مائدہ کے نازل ہونے کے بعد انکار کیا تو میں اسے سخت عذاب دوں گا۔ عَذَابًا یہ مفعول مطلق ہے اور باب تفعیل کا مصدر ہے اور جنس کے لیے استعمال ہوا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے بطور مجاز مفعول بہ بنایا جائے پھر تقدیر کلام یہ ہوگی اُعَذِّبُهٗ بِعَذَابٍ اس صورت میں عذاب سے مراد وہ چیز ہوگی جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جاتا ہے۔ لَا اُعَذِّبُهٗ یہ عَذَابًا کی صفت ہے۔ اس میں ضمیر مفعول مطلق کے لیے ہے یا مفعول بہ کے لیے ہے جب عَذَابًا کو مفعول بہ کے طور پر استعمال کریں گے۔

یہاں الْعٰلَمِيْنَ سے مراد اس زمانہ کے عالم ہیں یا عالمین مطلق ہے کیونکہ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد جب انہوں نے کفر کیا تو انہیں بندر اور خنزیر کی صورتوں میں مسخ کر دیا گیا۔ اس جیسا عذاب کسی اور کو نہ دیا گیا۔ حضرت سلمان فارسی کی مذکورہ حدیث کا نتیجہ یوں ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے مائدہ کا سوال کیا تو دو بادلوں کے درمیان سرخ دسترخوان نازل ہوا۔ ایک بادل اوپر تھا اور ایک بادل نیچے تھے، وہ اسے نیچے آتا دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ وہ دسترخوان ان کے سامنے زمین پر آ گیا۔ حضرت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 91 (التجاریہ)

عیسیٰ علیہ السلام رو رہے تھے اور عرض کر رہے تھے اے اللہ مجھے شکر گزار بندوں سے بنا دے اے اللہ اسے رحمت بنا دے اسے ہمارے لیے عذاب نہ بنا دینا۔ بنی اسرائیل اسے دیکھ رہے تھے۔ ایسی چیز انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی ایسی پاکیزہ خوشبو محسوس کی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تم میں سب سے اچھے کردار کا حامل اٹھے اور اس دسترخوان کو کھولے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرے تو شمعون صفار جو حواریوں کا سردار تھا نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ ہم میں سے اس کے زیادہ مستحق ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے، وضو کیا، طویل نماز پڑھی، بہت زیادہ روئے پھر مائدہ سے رومال ہٹایا اور پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الرّٰزِقِيْنَ وہ ایک بھنی ہوئی مچھلی تھی، اس میں سنا تھا اور نہ ہی کانٹا، مچھلی سے تیل بہہ رہا تھا، اس کی سر کی طرف نمک تھا اور دم کی جانب سرکہ اور اطراف میں مختلف قسم کی سبزیاں تھیں۔ گیندنا (۱) نہ تھا۔ ساتھ میں پانچ روٹیاں تھیں۔ ایک روٹی پر زیتون، دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر گوشت کے ٹکڑے تھے۔ شمعون نے عرض کی اے روح اللہ کیا یہ دنیا کا کھانا ہے یا آخرت کا فرمایا جو کچھ تم دیکھ رہے ہو نہ یہ دنیا کا کھانا اور نہ ہی آخرت لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت غالبہ سے بنایا ہے۔ جو تم نے سوال کیا تھا اب اسے کھاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور اپنے فضل سے اس میں اضافہ کرے گا۔ حواریوں نے عرض کیا اے روح اللہ آپ سب سے پہل اس سے کھائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اس کے کھانے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بلکہ اسے وہی کھائے جس نے اس کا سوال کیا تھا۔ اب وہ اس کے کھانے سے ڈر گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھوکوں، مریضوں، برص اور جزام میں مبتلا لوگوں، اپاہج اور مصیبت زدہ لوگوں کو بلایا، فرمایا اللہ تعالیٰ کے رزق کو کھاؤ، تمہارے لیے یہ مبارک ہو اور دوسرے لوگوں کے لیے مصیبت۔ انہوں نے اس مائدہ کو کھایا، اسے تیرہ سو افراد نے سیر ہو کر کھایا، جن میں مرد، عورتیں، فقیر، مریض اور اپاہج لوگ تھے مگر مچھلی اسی طرح تھی جس طرح وہ اتری تھی پھر مائدہ اوپر بلند ہوتا گیا، جبکہ وہ اسے دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ وہ چھپ گیا۔ اس سے جس اپاہج، مریض اور مصیبت زدہ نے کھانا کھایا وہ صحت یاب ہو گیا، جس فقیر نے کھایا وہ غنی ہو گیا، جس نے اس سے نہ کھایا وہ شرمندہ ہوا یہ مائدہ چالیس دن تک نازل ہوتا رہا یہ چاشت کے وقت نازل ہوتا تو غنی، فقیر، چھوٹے بڑے مرد اور عورتیں سب اکٹھے ہو جاتے، لوگ لگا تار اس سے کھاتے رہتے یہاں تک کہ جب سورج ڈھلتا تو دسترخوان اڑ جاتا۔ لوگ اسے دیکھتے رہتے یہاں تک کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ یہ ایک دن چھوڑ کر نازل ہوتا جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ایک دن بعد پانی پیتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی میرے مائدہ اور رزق کو فقراء کے لیے مختص کر دو، اغنیاء کو اجازت نہ دو۔ یہ حکم اغنیاء پر شاق گزرا اور وہ شکایت کرنے لگے اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے لگے، لوگوں کو کہا کیا تم یہ دیکھتے ہو کہ مائدہ واقعی آسمان سے نازل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی میں نے مائدہ نازل کرنے کے لیے یہ شرط لگائی تھی جس نے مائدہ نازل ہونے کے بعد کفر کیا میں اسے ایسا عذاب دوں گا جیسا عذاب میں نے عالمین میں سے کسی کو نہیں دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اگر تو انہیں بخش دے تو تو عزیز و حکیم ہے تو ان میں سے تین سو تیرہ آدمیوں کو مسخ کر دیا گیا۔ وہ رات کو زمین پر اپنی بیویوں کے ساتھ سوئے، صبح کے وقت خنزیر بن گئے، وہ راستوں اور کنیساؤں میں بھاگتے پھرتے تھے اور گندگی کھاتے تھے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو گھبرائے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوب روئے۔ جب خنزیروں نے حضرت عیسیٰ علیہ

(۱) ایک بدبودار قسم کی سبزی ہے۔

السلام کو دیکھا تو روئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارد گرد چکر لگانے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں ان کے ناموں سے پکارتے۔ وہ اپنے سروں سے اشارہ کرتے اور روتے، وہ کلام نہ کر سکتے تھے۔ وہ تین دن تک اسی طرح زندہ رہے اور پھر ہلاک ہو گئے(1)

امام بغوی نے کہا خلاس بن عمرو، عمار بن یاسر سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ مائدہ روٹی اور گوشت کی صورت میں نازل ہوا تھا۔ انہیں کہا گیا یہ اسی طرح رہے گا جب تک تم اس میں خیانت نہیں کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔ ابھی ایک دن بھی نہیں گذرا یہاں تک کہ انہوں نے اس میں خیانت کی اور اس میں سے چھپانے لگے تو انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دیا گیا(2)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں تیس روزے رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا پھر اللہ تعالیٰ سے جو چاہو سوال کرو وہ تمہیں کھلائے گا۔ انہوں نے روزے رکھے، جب وہ فارغ ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے اگر ہم کسی کے لیے عمل کرتے اور اس کا کام پورا کر چکتے تو وہ ہمیں ضرور کھانا کھلاتا اور ساتھ ہی مائدہ کا سوال کیا۔ فرشتے مائدہ اٹھائے ہوئے آئے، اس پر سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں یہاں تک کہ لوگوں کے سامنے دستر خوان پر رکھ دیا۔ آخری آدمی نے بھی اس سے اسی طرح کھایا جس طرح پہلے آدمی نے کھایا تھا۔

کعب الاحبار نے کہا مائدہ سرنگوں اترا تھا فرشتے اسے زمین و آسمان کے درمیان اڑاتے پھرتے تھے، گوشت کے علاوہ اس پر سب کھانے تھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے مائدہ پر ہر چیز نازل کی گئی مگر روٹی اور گوشت نہیں تھا(3) قتادہ نے کہا اس پر جنت کے پھلوں میں سے پھل تھے۔ عطیہ عوفی نے کہا آسمان سے ایک مچھلی نازل ہوئی جس میں ہر قسم کا کھانا تھا۔ کلبی نے کہا اس پر چاول کی روٹی تھی۔ وہب بن منبہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں اتاریں، ایک قوم اسے کھاتی اور پھر وہاں سے نکل جاتی۔ دوسری آجاتی وہ اسے کھاتی یہاں تک کہ ان سب نے اسے کھایا اور وہ بچ بھی گیا(4) کلبی اور مقاتل سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے روٹی، مچھلی اور کلیجے اتارے، جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا اس میں سے کھایا۔ جبکہ لوگوں کی تعداد ہزار سے کچھ اوپر تھی۔ جب لوگ اپنی بستیوں کی طرف واپس آئے اور اس بات کا ذکر کیا تو جو لوگ وہاں موجود نہ تھے وہ ہنسے اور کہنے لگے تم پر افسوس تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے حق میں خیر کا ارادہ کیا اسے بصیرت پر رکھا اور جسے آزمانا چاہا وہ کفر کی طرف لوٹ گیا تو انہیں خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دیا گیا ان میں کوئی بچہ اور عورت نہ تھی۔ یہ لوگ تین دن تک اسی طرح رہے پھر ہلاک ہو گئے۔ ان سے آگے اولاد نہ ہوئی، نہ انہوں نے کھایا اور نہ ہی کچھ پیا۔ ہر مسخ شدہ آدمی کا یہی حال تھا(5) قتادہ نے کہا وہ جہاں بھی ہوتے مائدہ ان پر صبح وشام نازل ہوتا۔ جس طرح بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل ہوتا۔ اکثر علماء کے اقوال اسی طرح ہیں۔ مجاہد اور حسن نے کہا مائدہ اترا ہی نہ تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے مائدہ کے اترنے کے بعد کفر کرنے پر دھمکی دی تھی تو بعض کے انکار کے خوف کی وجہ سے وہ ڈر گئے۔ انہوں نے معافی چاہی اور عرض کی ہم اس کا ارادہ نہیں کرتے اس لیے وہ دستر خوان نازل نہ ہوا اور اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ کا معنی یہ ہے کہ اگر تم مجھ سے سوال کرو گے تو میں اسے تم پر نازل کرونگا، جبکہ صحیح وہی ہے جو اکثر کا نقطہ نظر ہے کہ یہ مائدہ نازل ہوا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ اس کی خبر میں خلاف واقع نہیں ہو سکتا نیز حضور ﷺ صحابہ کرام اور تابعین سے تواتر کے ساتھ مائدہ کے نازل

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 92 (التجاریہ)
2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 92 (التجاریہ)
3۔ ایضاً، صفحہ 93
4۔ تفسیر خازن، جلد 3، صفحہ 92 (التجاریہ)
5۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 93 (التجاریہ)

ہونے کی خبریں آئی ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕؔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

"اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ تعالیٰ کے سوا وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق۔ اگر میں نے کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔"

امام بغوی نے کہا اس قول میں علماء کا یہ اختلاف ہے کہ یہ کس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا؟ سدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ اس وقت فرمایا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا۔ اس قول پر اذ کا کلمہ دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ ماضی کیلئے ہے اور قَالَ صیغہ ماضی ہے باقی مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا مقصود انہیں شرمندہ کرنا اور دلیل کے ساتھ لاجواب کرنا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ یہاں یوم سے مراد قیامت کا دن ہے[1] بعض اوقات اذ کا لفظ فعل ماضی کے صیغہ کے ساتھ مستقبل پر دلالت کرتا ہے تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ یہ امر ہو کر رہے گا گویا یہ ہو چکا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا۔

ءَاَنْتَ قُلْتَ میں کفار کو شرمندہ کرنا مقصود ہے۔ مسند الیہ (انت) کو مسند فعلی (قلت) پر مقدم کیا گیا ہے تا کہ نسبت کو تقویت حاصل ہو کیونکہ اس قول کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت حقیقت سے بہت ہی دور ہے۔ اسی لیے اسے تقویت کی ضرورت ہوئی اس میں کفار کے لیے توبیخ ہے۔

آیت میں مریم کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ امی کا لفظ ذکر کیا۔ مقصود کفار کو شرمندہ کرنا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور حضرت مریم آپ کی والدہ تھیں تو آپ کے لیے الوہیت کا دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ معبود کا تو الد اور تماثل سے پاک ہونا ضروری ہے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ اِلٰهَیْنِ کی صفت ہے یا اتَّخِذُوْنِیْ کا صلہ ہے یا یہ اتخذونی کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ جب فاعل سے حال ہو تو معنی ہوگا اس حال میں کہ تم مجھے الٰہ بنانے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تجاوز کر رہے ہو یا اس حال میں کہ مجھے الٰہ بناؤ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ دون کا معنی مغائرت ہے۔ اس میں اس امر پر تنبیہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ جب غیر اللہ کی عبادت کی جائے تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی عبادت کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی۔ یہ بھی جائز ہے کہ دون کا معنی کم کیا جائے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے کہ وہ عبادت کے مستحق ہونے میں مستقل ہیں بلکہ ان کا گمان یہ تھا کہ ان دونوں کی عبادت اللہ تعالیٰ تک پہنچانے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 93 (التجاریہ)

والی ہے۔ ابوروق نے کہا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ خطاب سنیں گے تو آپ کے جوڑ جوڑ میں کپکپی طاری ہو جائے گی اور آپ کے جسم پر موجود ہر بال کی جڑ سے خون کا چشمہ پھوٹ پڑے گا پھر وہ کہیں گے جس کی حکایت اللہ تعالیٰ نے بیان کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ میں تیری تسبیح بیان کرتا ہوں اور اس چیز سے تیری پاکی بیان کرتا ہوں کہ تیرا کوئی شریک ہو یا اس چیز سے پاکی بیان کرتا ہوں کہ تو کسی چیز کو جاننے میں سوال یا وضاحت کا محتاج ہو مجھے ناحق بات کرنے کا حق نہیں اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو اسے جانتا ہوتا مجھے معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تو بھی اسے جانتا ہوتا کیونکہ تو وہ بھی جانتا ہے جسے میں اپنے دل میں چھپاتا ہوں اور جن معلومات کو تو چھپاتا ہے انہیں میں نہیں جانتا۔ یہاں نفس سے مراد ذات ہے۔ اسے نفس سے تعبیر کرنا مشاکلہ کے طور پر ہے۔ غیوب کی قرأت میں اختلاف گزر چکا ہے اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ یہ جملہ خبر ہے یا اَنْتَ اِنَّ کے اسم کی تاکید ہے اور علام الغیوب ان کی خبر ہے۔ یہ جملہ سابقہ دونوں جملوں کی لفظاً اور معنیً میں تاکید ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

"نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ [1]"

[1] جس چیز کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا، پہلے ایسی چیز ذکر کی جو اس پر دلالت کرتی تھی۔ اب شرک کی نفی اور توحید کے اثبات پر صراحت کی، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ وہ جس طرح تمہارا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح مجھے پیدا کرنے والا ہے۔ اَنْ اپنے صلہ کے ساتھ ملکر بہ میں موجود ضمیر سے عطف بیان ہے یا اس کا بدل ہے۔ بدل کے لیے یہ شرط نہیں کہ مبدل منہ کو مطلقاً چھوڑ دینا جائز ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو تب یہ سوال لازم آ سکتا تھا کہ پھر یہاں اسم موصول ما ضمیر عائد کے بغیر موجود ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو جو هُوَ ہے یا یہ اَعْنِیْ فعل کے مقدر ہونے کے ساتھ منصوب ہے۔ ہاں اسے مَا اَمَرْتَنِیْ سے بدل بنانا درست نہیں کیونکہ مصدر قول کا مفعول نہیں ہوتا۔ یہاں اَنْ مفسرہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل امر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہ یہ نہیں فرماتا اُعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ اور قول کی تفسیر ان اللّٰهُمَّ سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ایک صورت ہے کہ قول کو امر کے معنی میں لیا جائے تقدیر کلام یوں ہوگی مَا اَمَرْتُهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ میں نے انہیں حکم نہیں دیا مگر جو تو نے مجھے حکم دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے امر کی وضاحت یوں کی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ. اُمِرْتُ کو قلت کی جگہ رکھنے میں بہت بڑا نکتہ ہے وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ جیسا امر کہنے میں اعراض کیا ہے۔

شہید کا معنی نگہبان ہے اور ان کے کفر و ایمان کے احوال کا مشاہدہ کرنے والا انہیں حق کی طرف راہنمائی کرنے والا اور قول باطل اور اعتقاد باطل سے انہیں روکنے والا ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کا معنی ہے جب تو نے مجھے قبض کر لیا اور اپنی طرف اٹھا لیا۔ تَوَفِّی کا معنی پوری پوری چیز لینا۔ موت بھی اس کی ایک قسم

ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا۔ اَلرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ سے مراد ان کے اعمال کی محافظت کرنے والا اور احوال کی نگرانی کرنے والا ہے۔ پس جس کی عصمت کا تو ارادہ فرماتا ہے تو اسے دلائل کی طرف راہنمائی کر کے، رسول بھیج کر، کتابیں نازل کر کے اور توفیق دے کر محفوظ کر لیتا ہے۔ میرا قول اور ان کے اقوال و اعمال سب کا تو مشاہدہ فرمانے والا ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

"اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے۔[1]"

[1]۔ مالک مطلق اپنے مملوک کے ساتھ جیسا بھی معاملہ کرے اس پر کوئی بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ان لوگوں نے تیرے علاوہ اور چیزوں کی عبادت کی، تو نے انہیں پیدا کیا۔ انہوں نے تیرے سوا اوروں کا شکر ادا کیا، جبکہ تو نے ان پر انعام کیا۔

عزیز کا معنی غالب، قادر اور قوی ہے وہ جس طرح چاہے ثواب اور سزا دے سکتا ہے۔ تیری بخشش کسی عجز کی وجہ سے نہیں کہ بخشش کو قبیح جانا جائے، تو حکیم ہے، تو وہی کرتا ہے حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر تو ان بندوں کو عذاب دے تو یہ تیرا عدل ہے۔ اگر تو انہیں بخش دے تو یہ تیرا فضل ہے۔ مشرک کو وعید کے نتیجہ میں نہ بخشنا یہ مغفرت کے فی ذاتہٖ جواز کے منافی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان شرطیہ کے ساتھ تردید اور مشروط کرنا ممتنع ہوتا۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں کفار کے لیے مغفرت طلب نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں یہ نہیں فرمایا فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ بلکہ اس میں حکم کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی حکمت کی طرف امر کو تفویض کرنا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود یوں پڑھتے اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ گویا ان کی یہ قراءت یہ دیکھتے ہوئے تھی کہ العزیز الحکیم عذاب دینے کے مناسب ہے مغفرت کے مناسب نہیں اسی وجہ سے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس آیت میں معنوی اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہے۔ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ مستحسن اور مناسب وہی ہے جو قراءت متواتر ہے (جو توجیہ ابتداء میں گزر چکی ہے اس کی طرف اشارہ ہے)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی جس میں حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کناں ہیں رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور وہ آیت جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ تو عرض کی اے میرے اللہ تو ساتھ ہی رونے لگے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین سے فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں جاؤ پوچھو تم کیوں روتے ہو؟ جبکہ تیرا رب تو خوب جانتا ہے۔ جبرائیل امین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا بتائی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے جبرائیل حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو ہم آپ کی امت کے بارے میں خوش کریں گے آپ کو ناراض نہیں کریں گے (1)(۱)

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 113 (مختصراً) (قدیمی)

(۱) ابن مردویہ نے ابوذر سے نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آج رات میں ایک آیت طویل وقت تک پڑھتے رہے اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے فرمایا میں نے اپنی امت کے لئے دعا کی، عرض (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾

"فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے یہی ہے بڑی کامیابی۔ لے"

لے نافع نے یوم کو منصوب پڑھا ہے یا تو یہ قال کی ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کلام حضرت عیسیٰ سے اس وقت فرمایا جب سچوں کو ان کی۔ سچائی نفع دے گی یہ بھی جائز ہے کہ ھذا کی خبر محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہو ھذا حق یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کہا ہے وہ حق ہے۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق اور آپ کی امت کی توبیخ کے لیے فرمائی یا یہ ظرف مستقر ہے اور یہ فعل ھذا کی خبر ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی ھذا واقع یوم ینفع یہ جملہ سابقہ جملہ کی تاکید ہے یا یہ ھذا کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے مگر مبنی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

یہ سوال نہ کیا جائے کہ یہاں تو یوم فعل مضارع کی طرف مضاف ہے، جبکہ فعل مضارع معرب ہوتا ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ فعلیہ کی طرف مضاف ہے اس لیے بات سمجھنے کے لیے اتنی وضاحت ہی کافی ہے۔

جمہور قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ھذا کی خبر ہے۔ اس میں اس وہم کا رد ہے جو کفار کے حق میں استغفار کا معنی سمجھا جا رہا تھا، یعنی اس روز صادقین کو ان کا صدق نفع دے گا۔ جھوٹے کفار کو کوئی نفع نہ دے گا کیونکہ ان کیلئے کوئی مغفرت نہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال سے جو خوف مترشح ہو رہا تھا اس کا ازالہ کر دیا۔ معنی اس کا یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کا سچا ہونا، آخرت میں فائدہ دے گا مگر جو لوگ دنیا میں جھوٹ بولتے تھے اگر وہ آخرت میں سچ بھی بولیں اور وہ یہ کہیں ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور شیطان کہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تو یہ سچ انہیں نفع نہیں دے گا۔ اسی طرح قیامت کے روز ان کا جھوٹ بھی انہیں نفع نہیں دے گا بلکہ اگر وہ جھوٹ بولیں اور کہیں اللہ ہمارا رب ہے اور ہم مشرک نہیں تھے تو ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی، ان کے اعضاء بول پڑیں گے اور وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں صادقین سے مراد انبیاء ہیں۔ کلبی نے کہا مومنین کو ان کا ایمان نفع دے گا۔ عطاء نے کہا یہاں یوم سے مراد دنیا کا دن ہے کیونکہ آخرت دار جزاء ہے، وہ عمل کا گھر نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا نفع اور ثواب بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں کیونکہ دونوں جانب سے محبت ہے۔ صوفیاء نے اسی طرح کہا ہے، جبکہ عام علماء نے یہ کہا اللہ تعالیٰ ان کی پسندیدہ کوشش پر راضی ہوا اور بندے اس کی وافر جزاء پر راضی ہوئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ یہ باقی رہنے والی ہے، جبکہ دنیا کی کامیابی کی یہ صورت حال نہیں ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی آپ کو کیا جواب ملا فرمایا جو جواب مجھے ملا اگر اس کی اطلاع کر دوں تو بہت سے لوگ نماز چھوڑ دیں عرض کی کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں فرمایا کیوں نہیں حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ لوگوں کی طرف یہ خوشخبری بھیج دی جائے تو وہ عبادت کرنے کی بجائے اسی پر بھروسہ کر لیں گے تو آپ واپس آنے کا حکم دیا اور اس آیت کی تلاوت کی امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت بیان کی، نصاریٰ کے جھوٹ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کے بارے میں ان کے دعویٰ کے بطلان پر آگاہ کیا۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

"اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔[1]"

[1] یہاں عقل کو غلبہ دیتے ہوئے وَمَنْ فِيْهِنَّ نہیں فرمایا بلکہ عقلاء کو غیر عقلاء کے تابع کرتے ہوئے وَمَا فِيْهِنَّ ارشاد فرمایا۔ مقصود اس بات پر آگاہ کرنا تھا کہ وہ امکان میں غیر ذوی العقول کے ساتھ ہم مرتبہ ہونے اور علم و ارادہ میں کمی کے باعث الوہیت کے مرتبہ سے بہت پست ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ممکن میں صفات کا ملنا ہونے کے برابر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یعنی تم اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہو کیونکہ ما کا کلمہ تمام اجناس پر بولا جاتا ہے۔ عموم کے ارادہ کی وجہ سے ما کا لفظ لانا زیادہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو روکنے، عطا کرنے، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر قادر ہے۔

سورۂ مائدہ کی تفسیر سولہ ذی الحجہ گیارہ سو انچاس ہجری کو مکمل ہوئی۔

ترجمہ 26 فروری 2000ء کو مکمل ہوا۔ الحمد للہ

سورۃ الانعام

آیاتھا ۱۶۵ — سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ ۶ — رکوعاتھا ۲۰

سورۃ الانعام مکیہ ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو [1] اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو [2] پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں۔ [3]"

[1] جملہ خبریہ کی صورت میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے کا طریقہ سکھایا گیا یہ ثابت کرتے ہوئے کہ تمام تر حمدیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اشارۃً یہ بات بھی سمجھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی حمد سے مستغنی ہے۔ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اگرچہ اس کی حمد نہ کی جائے۔ خَلَقَ کا معنی فَطَرَ اور اَوْجَدَ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے بغیر سابقہ مثال کے آسمان و زمین کو عدم سے وجود عطا کیا اور انہیں مخصوص انداز سے پیدا کیا۔ خالقیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کرنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد کا ثبوت ظاہر و باہر ہے، اس میں کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے زمین و آسمان کو ذکر میں اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ بندے مخلوقات میں سے جنہیں دیکھتے ہیں ان میں سے یہ دونوں عظیم ترین چیزیں ہیں۔ ان دونوں میں بڑی عبرت کے سامان اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ نیز ان کے علاوہ دوسری چیزوں کا پیدا کرنا اور ان کا حادث ہونا ظاہر و باہر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض جہلاء نے آسمان و زمین کو قدیم گمان کرنا شروع کر دیا یہاں سَمٰوٰت کو جمع اور ارض کو واحد ذکر کیا، جبکہ زمینیں بھی آسمانوں جتنی ہیں۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ آسمان کی ماہیت اور شکل ایک دوسرے سے مختلف ہے، جبکہ زمینیں اس طرح نہیں۔ کعب الاحبار نے کہا کہ یہ آیت تورات کی پہلی آیت اور آخری آیت وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ہے(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا آغاز حمد سے کیا، فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اور حمد پر ہی ان کو ختم کیا فرمایا وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ(2)

[2] قاموس میں ہے کہ جَعَلَ کا معنی پیدا کرنا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا دونوں کے درمیان فرق ہے خلق کا معنی تقدیر ہے اور جَعَلَ میں تضمین کا معنی ہوتا ہے(3) یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ضمن میں دینا، یعنی ایک چیز دوسری سے حاصل کی جائے یا ایک سے دوسری چیز بنا دی جائے یا ایک سے دوسری چیز کی طرف اسے منتقل کر دیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جَعَلَ میں دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے نور اور ظلمت کے پیدا کرنے کو جعل سے تعبیر کیا ہے تاکہ اس امر پر تنبیہ ہو کہ یہ دونوں قائم بنفسہ (بذات خود قائم) نہیں

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 96 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 168 (فراس)

جس طرح ثنویہ(1) کا کہنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ دونوں چیزیں قائم بالذات نہیں پھر بھی جَعَلَ فعل کی نسبت ظلمت کی طرف ہے حالانکہ ظلمت عدمی چیز ہے اور جَعَلَ فعل عدم کے متعلق نہیں ہوسکتا۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ ظلمت بھی ایسی چیز سے اخذ شدہ ہے جو مخلوق ہے۔ ظلمات کو جمع اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ جو اجرام اس کے حامل بنتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، جبکہ نوری اجرام کی تعداد کم ہے پس نور کی نسبت ظلمات کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسے ایک کی نسبت متعدد چیزوں کے ساتھ ہو۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا ظلمات سے مراد کفر اور ایمان سے مراد نور ہے کیونکہ کفر کی کئی صورتیں ہیں اس لئے اسے جمع ذکر کیا اور ایمان کا راستہ ایک ہے اس لئے اسے واحد ذکر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے فرمایا یہ ایسے راستے ہیں جس میں سے ہر ایک راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ لوگوں بلاتا ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ(1) اسے امام احمد، امام نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔ یہاں ظلمات کا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ وجود میں یہ پہلے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر ان پر اپنا نور ڈالا، جس تک اس کا نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا۔ جس تک نہ پہنچا وہ گمراہ رہا۔ اسی وجہ سے میں کہتا ہوں علم الٰہی میں فیصلہ ہو چکا۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا(2)

3۔ اس کا عطف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ حمد کا مستحق ہے کیونکہ اس نے بندوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں پیدا کیا پھر جنہوں نے کفر کیا، وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں یا اس کا عطف خَلَقَ پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کو پیدا فرمایا جس پر کوئی اور قادر نہیں پھر کفر کرنے والے اس ذات کے ساتھ ایسی چیزوں کو برابر جانتے ہیں جو مطلقاً کسی چیز پر قادر نہیں۔ ثُمَّ کا معنی یہ ہے کہ اس وضاحت کے بعد ان کا اعراض کرنا بہت ہی دور کی بات ہے۔ بِرَبِّهِمْ میں با، كَفَرُوْا کے متعلق ہے۔ يَعْدِلُوْنَ کا صلہ محذوف ہے، یعنی يَعْدِلُوْنَ عَنْهُ تا کہ فعل پر تعجب کا اظہار ہو۔ دوسری صورت میں بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا کفار بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ نضر بن شمیل نے کہا، با عَنْ کے معنی میں ہے، یعنی وہ غیر کی طرف انحراف کرتے ہیں۔ یہ عدول سے مشتق ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲

"اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے 1۔ پھر مقرر کی ایک میعاد 2۔ اور ایک معیاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک 3۔ پھر بھی تم شک کر رہے ہو۔ 4۔"

1۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا کیونکہ تمہاری اصل یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، یا کُمْ ضمیر سے پہلے اَبَا کا لفظ محذوف ہے، یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ سدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو زمین کی

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 435 (المکتب الاسلامی) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89 (وزارت تعلیم)

(1) ایک جماعت جن کا یہ عقیدہ ہے کہ نور سراپا خیر ہے اور ظلمت سراپا شر ہے اور یہ دونوں خود قائم ہیں کسی کے محتاج نہیں۔ از مترجم

طرف بھیجا تا کہ زمین سے کچھ مٹی لائے۔ زمین نے کہا میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں کہ تو مجھ میں کچھ کمی کرے تو حضرت جبرئیل امین واپس چلے گئے اور کچھ بھی نہ لیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے رب زمین نے تیری پناہ چاہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ زمین نے پھر اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی۔ وہ بھی واپس ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو بھیجا۔ زمین نے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی تو ملک الموت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں تو ملک الموت نے روئے زمین سے مٹی لی۔ سرخ' سیاہ اور سفید مٹی کو آپس میں ملایا۔ اسی وجہ سے بنی آدم کے رنگ مختلف ہوئے۔ پھر میٹھے نمکین اور کڑوے پانی سے اسے گوندھا۔ اسی وجہ سے ان کے اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جبرئیل امین اور میکائیل نے زمین پر رحم کیا اور تو نے رحم نہیں کیا۔ اس مٹی سے جو مخلوق پیدا کروں گا ان کی روحیں تیرے ہاتھ میں دوں گا۔ (یعنی تو ہی ان کی روحیں قبض کرے گا) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، مٹی کا گارا بنایا پھر اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ وہ لیسدار مٹی بن گئی پھر اس کا ڈھانچہ بنایا اور اس کی صورت بنائی پھر اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ بجنے والی مٹی ہو گیا جس طرح ٹھیکری ہوتی ہے پھر اس میں اپنی روح پھونکی امام بغوی نے اس طرح کہا ہے (1)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مٹھی بھر مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جو اس نے تمام زمین سے لی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کے حساب سے ہی ظہور پذیر ہوئی، یعنی سرخ' سفید اور سیاہ، نرم خو اور سخت' خبیث اور پاکیزہ (2) اسے امام احمدؒ امام ترمذیؒ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جابیہ (1) مٹی سے پیدا کیا، اس مٹی کو جنت کے پانی سے گوندھا۔ اسے حکیم اور ابن عدی نے سند حسن سے روایت کیا ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا۔

؎ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتہ اس کی تخلیق کے مکمل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اجل لکھتا ہے، جس پر ثُمَّ کا لفظ اور جملہ فعلیہ دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ ہمیں صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ تمہاری تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چالیس روز تک ماں کے پیٹ میں تمہیں نطفہ کی صورت میں رکھتا ہے پھر اتنے ہی دن جمے ہوئے خون کی صورت میں رکھتا ہے پھر اتنے ہی دن لوتھڑے کی صورت میں رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ فرشتہ بھیجتا ہے۔ فرشتہ اس کا عمل' موت کا وقت' رزق اور اس کا شقی وسعید ہونا لکھتا ہے پھر اس میں روح پھونکتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم میں سے ایک آدمی جنتیوں جیسا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو وہ جہنمیوں جیسا عمل کرتا ہے تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے ایک آدمی جہنمیوں جیسا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ جنتیوں والا عمل کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ (3)

؎ وہ اجل اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں معین اور مثبت ہے، وہ تبدیل ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اسے جملہ اسمیہ کے ساتھ تعبیر کیا جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں اس کی عظمت کے اظہار کے لئے جملہ مستانفہ ذکر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 96 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 420 (وزارت تعلیم) 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 20 (قدیمی)

(1) جابیہ جبا سے مشتق ہے اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہوتا ہو۔

کیا۔ اسی وجہ سے اسے نکرہ ذکر کیا کیونکہ اجل اپنی صفت کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے خبر کو مقدم کرنے سے اسے غنی کر دیا۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک نے کہا پہلی اجل سے مراد ولادت سے موت کا وقت ہے اور دوسری اجل سے مراد موت سے دوبارہ اٹھائے جانے کا وقت ہے جسے برزخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے ہر ایک کے لئے دو اجل ہیں۔ ایک مدت ولادت سے موت تک کے لئے ہے اور دوسری اجل موت سے لے کر دوبارہ اٹھائے جانے تک ہے۔ اگر وہ نیک، متقی اور صلہ رحمی کرنے والا ہو تو عمر کی مدت میں بعث کی مدت میں سے اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ فاجر اور قطع رحمی کرنے والا ہو تو عمر والی مدت میں کمی کر دی جاتی ہے اور بعث والی مدت میں زیادتی کر دی جاتی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا پہلی اجل سے مراد دنیا والی مدت ہے اور دوسری اجل سے مراد آخرت والی اجل ہے۔ عطیہ نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا میں اجل سے مراد نیند ہے جس میں روح کو قبض کرتا ہے اور بیداری کے وقت اسے واپس لوٹا دیتا ہے اور اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ سے مراد موت ہے۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (1) یعنی پھر تم شک کرتے ہو، یہ مریۃ سے مشتق ہے۔ یا پھر تم جھگڑا کرتے ہو یہ مراء سے مشتق ہے، یعنی اس کے فیصلہ اس کی قدرت اور دوبارہ اٹھائے جانے میں شک کرتے ہو یا جھگڑا کرتے ہو۔ ثُمَّ کا کلمہ لانے میں حکمت یہ ہے کہ اس امر کے ظاہر ہونے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ان کا ان کے آباؤ اجداد کا خالق ہے اور ایک مدت تک انہیں زندگی عطا کرنے والا ہے۔ اس کے بعد شک کرنا اور جھگڑا کرنا بہت ہی عجیب بات ہے جس کی یہ شان ہو تو اس کی قضاء اور علم سے کوئی چیز خارج نہیں وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اسی طرح قادر ہے جس طرح پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ افراد ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور نبی نے لعنت کی ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا، قوت و طاقت سے غلبہ پانے والا تاکہ اللہ تعالیٰ نے جسے ذلت دی ہے اسے عزت دے اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال جاننے والا، میری عترت (اولاد) کو حلال جاننے والا اور میری سنت کا تارک (2) اسے امام بیہقی نے مدخل میں روایت کیا ہے اور رزین نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والے رافضی ہیں کیونکہ تیس پاروں پر دس پاروں کا اضافہ کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے یہ قرآن سے ساقط کر دیئے تھے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ جتنی لمبی تھی۔ حضور ﷺ کی اولاد کو حلال جاننے والے خارجی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے انکار کرنے والے معتزلہ ہیں۔ اس آیت میں انہیں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال جاننے والے مرجئہ ہیں اور جبر کے قائلین ہیں۔ متسلط بالجبروت سے مراد ظالم بادشاہ ہیں اور سنت کے تارک سے مراد تمام خواہش نفس کی غلامی کرنے والے اور فاسق لوگ ہیں۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ۚ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾

"اور وہی اللہ ہے [1] آسمانوں میں اور زمین میں [2] وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی [3] اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو۔ [4]"

[1] اس میں هُوَ ضمیر کا مرجع اللہ ہے جو مذکورہ صفات کا موصوف ہے لفظ اللہ اسم جلالت اس کی خبر ہے یا اس کا بدل ہے یہ بھی جائز ہے کہ هُوَ ضمیر ضمیر شان ہو۔ لفظ اللہ اسم جلالت مبتدا ہو۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 97 (التجاریہ) 2۔ شعب الایمان، جلد 3، صفحہ 443 (العلمیہ)

۲؎ جار مجرور لفظ اللہ اسم جلالت کے متعلق ہے کیونکہ اسم مشتق ہے، اور معبود کے معنی میں ہے یعنی زمین و آسمان میں وہی معبود برحق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور، یعنی اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ یا یہ بذات خود مشتق تو نہیں مگر مشتق کے معنی میں کریں تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا یعنی وہ اس نام کے ساتھ زمین و آسمان میں پہچانا جاتا ہے یا زمین و آسمان میں اس نام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے یا وہ ظرف مستقر ہے اور بطور مجاز خبر ہے کیونکہ تمام مخلوقات اس کی صفات کی مظہر اور کمالات کی جلوہ گاہ ہیں۔ امام بیضاوی نے فرمایا اللہ تعالیٰ کیونکہ ان دونوں کا کمال علم رکھتا ہے اس لئے گویا یوں فرمادیا وہ ان میں ہے۔

۳؎ یہ جملہ دوسری خبر ہے یا یہ خبر اول ہے اور ظرف اس کے متعلق ہے۔ ظرف کے صحیح ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا معلوم ان دونوں میں ہے جس طرح کہا جاتا ہے رَمَيْتُ الصَّيْدَ فِي الْمَفَازَةِ مِنَ الْعُمْرَانِ اس کا معنی یہ ہے جو تم اپنے اندر چھپائے ہوئے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

۴؎ جو تم اپنے اعضاء سے اچھا یا برا عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی جزا دے گا۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تمہارے دل اور اعضاء کے پوشیدہ اعمال کو بھی جانتا ہے اور ان میں سے جو تم اعلانیہ اعمال کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے جو تم بعد میں کرو گے، جبکہ تم خود اس سے واقف نہیں کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے خصائص میں سے ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴﴾

"اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے مگر وہ ہو جاتے ہیں اس سے منہ پھیرنے والے۔"

هُمْ ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں مِنْ آيَةٍ میں مِنْ زائدہ ہے جو استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ آيَاتِ رَبِّهِمْ سے مراد چاند کا پھٹنا، کنکریوں کا بولنا اور اس طرح کے دوسرے معجزات ہیں۔ عطاء نے کہا یہاں قرآن کی آیات مراد ہیں اور مِنْ بعضیہ ہے۔ مُعْرِضِينَ سے مراد نظر و فکر سے اعراض کرنے والے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۵﴾

"بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس سو اب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں۔ اس چیز کی جس کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے ۱؎"

۱؎ حق سے مراد قرآن حکیم ہے یا حضور ﷺ کی ذات ہے، قَدْ کے اوپر فاء تفریع کے لئے ہے، یعنی جب انہوں نے تمام معجزات سے اعراض کرلیا تو انہوں نے قرآن کو بھی جھٹلا دیا جو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس لائے تھے یا یہ فاء سببیہ ہے، یعنی جب انہوں نے قرآن کی تکذیب کی جو لفظی اور معنوی طور پر ہر وقت اور ہر زمانہ میں عظیم معجزات میں سے ہے اور حضور ﷺ کی تکذیب کی، جبکہ آپ کے معجزات ظاہر ہو چکے تھے کیونکہ آپ ان کے درمیان امی کی حیثیت سے پیدا ہوئے، آپ نے دور جاہلیت اور علم و حکمت کے انقطاع کے دور میں کسی سے پڑھنا اور لکھنا بھی نہیں سیکھا، جبکہ آپ سے علم، حکمت اور آداب کے چشمے پھوٹتے تھے۔ جس کی تائید سابقہ کتب کرتی ہیں، آپ کی نبوت کا اقرار قسیسین علماء اور راہبوں نے کیا تو وہ متفرق معجزات کا انکار کیوں نہ کریں گے۔

قیامت کے روز یا اسلام کے ظہور کے موقع پر یا جب اس کی شان بلند ہوئی۔ اسلام کا جو وہ مذاق اڑاتے تھے اس کی قباحت ان پر ظاہر ہو جائے گی، یعنی آخرت میں یا دنیا میں ان پر عذاب نازل ہوگا تو سب کچھ ان پر عیاں ہو جائے گا۔

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۶﴾

"کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کردیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنادیں نہریں جو بہتی تھیں (ان کے گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر ہم نے ہلاک کردیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کردی ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم[1]"

[1] یعنی کیا انہوں نے شام کے سفروں میں نہیں دیکھا؟ یہاں كَمْ خبریہ ہے اور کثرت کے معنی میں ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ میں مِنْ زائدہ ہے۔ اس طرح مِنْ قَرْنٍ میں بھی مِنْ زائدہ ہے۔ قرن ایسی قوم کو کہتے ہیں جو ایک زمانہ میں ہو۔ اس کی جمع قرون آتی ہے۔ اس معنی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ یعنی جو لوگ میرے ہم عصر ہیں وہ سب سے بہتر ہیں۔ یا ایک محدود زمانے کو قرن کہتے ہیں جس میں لوگ اکٹھے رہتے ہیں۔ اس میں کئی اقوال ہیں جیسے چالیس سال' دس سال' بیس سال' تیس سال' پچاس سال' ساٹھ سال' ستر سال' اسی سال' سو سال یا ایک سو بیس سال۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ سو سال کا عرصہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن بشر مازنی سے فرمایا آپ ایک قرن تک زندہ رہیں گے تو آپ سو سال تک زندہ رہے تھے۔ امام بغوی نے اسی طرح ذکر کیا (1) نہایت الجزری میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا، فرمایا ایک قرن زندہ رہو، وہ سو سال تک زندہ رہا تھا۔ اگر اس سے مراد زمانہ ہو تو پھر اس سے پہلے اہل کا لفظ محذوف ہوگا۔ (2)

مَكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ کا معنی ہے ہم نے انہیں زمین میں ثابت قدمی عطا کی اور انہیں ایسی قوتیں اور اسباب عطا فرمائے جن کے باعث وہ اپنے ارادوں میں مضبوط ہوگئے یہ جملہ محل جر میں ہے کیونکہ یہ قرن کی صفت ہے۔ هُمْ ضمیر معنی کی رعایت کرتے ہوئے ذکر کی۔

مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے تمہیں قوت' مال' اسباب اور اسلحہ عطا نہ کیا تھا۔ یہاں ما موصوفہ ہے جو شَيْئًا کے معنی میں ہے اور منصوب ہے یا تو اس بنا پر کہ یہ مَكَّنّٰهُمْ کا مفعول ثانی ہے جو اپنے ضمن میں اَعْطَيْنٰهُمْ کا معنی لئے ہوئے یا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، اس وقت یہ ما مصدریہ ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی مَكَّنّٰهُمْ شَيْئًا مِنَ التَّمْكِيْنِ لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ مِثْلَهُمْ یعنی ہم نے انہیں ایسی قدرت عطا کی جو تمہیں نہیں دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ ہم نے انہیں عمر میں مہلت عطا کی، جبکہ تمہیں مہلت عطا نہ کی تھی جس طرح قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود کو لمبی عمریں دی گئیں (3) اس میں غیب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ بصریوں نے کہا اہل مکہ کے بارے میں غائب کے صیغوں سے خبر دی۔ فرمایا اَلَمْ یَرَوْا جب ان میں حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ بھی تھے تو خطاب کا صیغہ ذکر فرمایا۔ اَرْسَلْنَا کا عطف مَكَّنّٰا پر ہے۔ السماء سے مراد بارش ہے۔ مِدْرَارًا یہ در سے مفعال کا وزن ہے، در کا معنی دودھ ہے، دودھ میں عربوں کے لئے خیر کثیر تھا۔ مِدْرَارًا یہ السماء سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ وہ ضرورت کے وقت زیادہ نفع والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی مُتَتَابِعًا ہے یعنی پے در پے (4) مِنْ تَحْتِهِمْ سے مراد تَحْتَ مَسَاكِنِهِمْ ہے، یعنی وہ محلوں اور نہروں کے درمیان خوشحالی کی زندگی بسر کریں گے۔ جب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 98　2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 98　3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 98　4۔ ایضاً

ہمارے رسول ان کے پاس آئے اور انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بِذُنُوْبِهِمْ میں باء سببیہ ہے، یعنی انہوں نے رسولوں کی جو تکذیب کی ہے اس کے سبب انہیں ہلاک کر دیا۔ دنیا میں ان کا اقتدار اور خوشحالی انہیں کچھ فائدہ نہ دے سکی۔ جب یہ کفار حضور ﷺ اور قرآن کی تکذیب کریں گے تو ان کے اسباب انہیں کیسے فائدہ دیں گے تو جس طرح ہم نے تم سے پہلوں کو ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو دے دی، اے اہل مکہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ہم تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا کہ نضر بن حارث، عبداللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا اے محمد ﷺ ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس خط نہیں لائیں گے، اس کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ خط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (1) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا۔[1]"

[1] کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ فَلَمَسُوْهُ میں ہ ضمیر سے مراد قرطاس ہے، یعنی یہ اس کاغذ کو اپنے ہاتھ سے چھو لیں اس طرح کہ کسی قسم کے دھوکے کا احتمال باقی نہ رہے کیونکہ ہاتھوں سے چھوئی گئی چیز میں جادو جاری نہیں ہوتا۔ اس لئے اب ان کے لیے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ یہ کہیں کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود وہ سرکشی اور عناد کی وجہ سے کہیں گے کہ یہ مکتوب واضح جادو ہے کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝

"اور بولے کیوں نہ اتارا گیا ان پر فرشتہ اور اگر ہم اتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انہیں۔[1]"

[1] عَلَيْهِ میں ہ ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور علیٰ مَعَ کے معنی میں ہے، یعنی آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو ہم سے یوں کلام کرتا کہ آپ نبی ہیں۔ جس طرح اس فرمان باری تعالیٰ میں ہے لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا۔ اب جس طرح انہوں نے مطالبہ کر دیا ہے اگر ہم فرشتہ نازل کر دیتے تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ جس طرح سابقہ قوموں نے معجزات طلب کیے اور پھر انکار کیا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا اور انہیں آنکھ جھپکنے کے برابر بھی مہلت نہ دی گئی۔ مجاہد نے کہا لَقُضِيَ الْاَمْرُ سے مراد یہ ہے کہ ان پر قیامت قائم کر دی گئی (2) ضحاک نے کہا اگر ان کے پاس فرشتہ اصلی صورت میں آتا تو وہ اس کی ہیبت کے خوف سے ہلاک ہو جاتے (3) یہاں ثُمَّ کا لفظ تراخی مرتبہ کے لئے ہے، یعنی فیصلہ اور مہلت نہ ملنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ عذاب کا اچانک آنا نفس عذاب سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

"اور اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 98 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 99 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

اب ہیں۔ ۱؎ ''

۱؎ ہ ضمیر منصوب یا رسول کے لئے ہے، یعنی اگر ہم آپ کا ساتھی فرشتہ بناتے تو وہ اسے دیکھ لیتے یا اس کا معنی یہ ہے اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے کیونکہ کبھی وہ یہ کہتے آپ کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا تو وہ آپ کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔ کبھی یہ کہتے اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا۔ لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا کا معنی یہ ہے کہ ہم اسے انسان کی صورت عطا کر دیتے جس طرح جبریل امین اکثر حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر ہوتے کیونکہ انسان اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ فرشتے کو اپنی اصلی صورت میں دیکھے۔ بعض انبیاء نے اپنی قدسی قوتوں کے ساتھ فرشتوں کو اصلی حالت میں دیکھا تھا۔ رسول خالق اور مخلوق کے درمیان برزخی حیثیت رکھتا ہے۔ برزخ میں دونوں نسبتیں ضروری ہیں۔ ایک اسے خالق کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے وہ فیوض و برکات حاصل کرے ایک مناسبت مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ مخلوق تک وہ فیوضات پہنچائے جو جناب قدس سے حاصل کیے ہیں کیونکہ افادہ اور استفادہ مناسبتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ رسول کو باطنی طور پر خالق سے مناسبت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس کا مبدا تعین (۱) اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہوتی ہے۔ باقی ساری مخلوق کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ان مخلوقات میں سے انبیاء اور فرشتوں کا معاملہ عام مخلوق سے الگ ہوتا ہے کیونکہ مخلوق کے تعینات کے مبادی اللہ تعالیٰ کی صفات کے ظل ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ رسول کی لوگوں کے ساتھ صوری مناسبت ہو جن کی طرف اس رسول کو مبعوث کیا گیا ہے۔ نیز مکلف بنائے جانے کا انحصار ایمان بالغیب ہے۔ اب اس کو مکلف بنانے کے لئے اس پر معاملہ کا مشتبہ (ب) ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ان پر معاملہ خلط ملط کر دیتے ہیں اور وہ یہ نہ جان سکتے کہ وہ فرشتہ ہے بلکہ وہ کہتے یہ تو تمہاری طرح بشر ہے۔ جس طرح رسول کے معجزات ظاہر ہونے کے بعد بھی ان پر معاملہ مشتبہ ہے۔ پھر حضور ﷺ کو اس اذیت پر صبر دلایا گیا ہے جو آپ کی قوم کی طرف سے استہزاء کرنے سے آپ کو پہنچی تھی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

'' اور بلاشبہ مذاق اڑایا گیا رسولوں کا آپ سے پہلے پھر گھیر لیا انہیں جو مذاق اڑاتے تھے رسولوں کا اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے ۱؎ ''

۱؎ اے محمد ﷺ پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا جس طرح آپ کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس لئے غم نہ کریں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱

'' آپ فرمایئے سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا ۱؎ ''

(۱) یہ حضرت مجدد الف ثانی کی اصطلاحات میں سے ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبوت و ملکیت کو ایک آئینہ کہہ سکتے ہیں جو آفتاب الوہیت کے مقابل ترچھا ہوتا ہے۔ جب آفتاب الوہیت کی شعاعیں اس آئینہ پر پڑتی ہیں تو وہ روشن ہو جاتا ہے پھر اس سے منعکس ہونے والی شعاعیں ایسی چیزوں اور جگہوں پر پڑتی ہیں، جن پر براہ راست آفتاب الوہیت کی شعاعیں نہیں پڑ رہی تھیں۔ اس حوالہ سے فرمایا کہ رسول، نبی اور فرشتہ کا مبدا تعین اللہ تعالیٰ کی صفات ہوتی ہیں جبکہ دوسری مخلوق کا مبدا تعین اس کی صفات کا سایہ ہوتے ہیں۔

(ب) یعنی ہم اسے بھی انسانی صورت میں پیدا فرماتے اور وہ یہ نہ پہچان سکتا کہ یہ فرشتہ ہے یا انسان

لے اے محمد ﷺ انہیں فرمائیں زمین میں گھومو، یعنی چلنے پھرنے کے ساتھ یا عقل وفکر کے ساتھ عبرت حاصل کرتے ہوئے پھر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھو کہ کفر و تکذیب نے انہیں کیسی ہلاکت اور نا کامی عطا کی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے ایک موقع پر آیت اس طرح ہے قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی اس میں فاء ہے، جبکہ اس آیت میں ثُمَّ کا لفظ ہے۔ فاء کا لفظ ترتیب اور مہلت نہ ہونے کے لئے آتا ہے، جبکہ ثم کا لفظ ترتیب اور مہلت کے لئے آتا ہے تو ان دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ گھومنا پھرنا ایک طویل عمل ہے۔ جب سفر شروع ہوتا ہے تو عموماً سابقہ امتوں کے جھٹلانے والوں کے مکانات کا مشاہدہ اور عبرت کافی عرصہ بعد ہوتا ہے، جبکہ یہ مشاہدہ اس سفر کے آخری حصہ کے متصلاً بعد ہوتا ہے جہاں فاء کا لفظ مذکور ہے، وہ اس سفر کے بعض اجزاء کی بناء پر ہے، جبکہ ثُمَّ کا لفظ آغاز سفر کے اعتبار سے ہے امام بیضاوی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جس آیت میں فاء کا لفظ ہے وہ سفر غور وفکر کے لئے تھا جبکہ یہاں ایسی صورت حال نہیں اسی وجہ سے یہ کہا گیا اس آیت کا معنی یہ ہے تجارت اور دوسرے کاموں کے لئے سفر مباح ہے جبکہ ہلاک ہونے والوں کے آثار میں غور وفکر کرنا واجب ہے صاحب مدارک نے بھی اسی طرح کہا ہے ساتھ ہی اس چیز کا اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ثم کے لفظ کے ساتھ ہلاک ہونے والوں کے آثار میں نظر وفکر کے واجب ہونے پر آگاہ کیا کیونکہ واجب اور مباح میں بڑا بعد ہے۔

ان دونوں شیوخ کے اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ فاء سببیت کے لئے آتی ہے، جبکہ ثم کا لفظ سببیت کے لئے نہیں آتا۔ سببیت کا مقتضی یہ ہے کہ سفر واقع میں نظر وفکر کا سبب ہو خواہ یہ سفر نظر وفکر کے لئے کیا گیا ہو یا نہ ہو۔ دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے کہ دو چیزیں مطلوب ہیں مطلق سفر اور ہلاک ہونے والوں کے آثار میں غور وفکر مگر یہ آیت جو ثم کے لفظ کے ساتھ ہے یہ ایک چیز کا دوسری چیز کے لئے سبب ہونے کا فائدہ نہیں دیتی، جبکہ دوسری آیت جس میں فاء کا لفظ ہے وہ ایک دوسرے کیلئے سبب ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ دونوں آیتوں کا سیاق اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں حکم غور وفکر کرنے کا ہے۔ سفر وسیاحت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس لئے کیونکہ یہ نظر وفکر کا وسیلہ ہے۔ یہاں جو ثم کا لفظ ہے وہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ جو چیز مقصود بالذات ہے اور جو چیز اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اس تحقیق کی بناء پر یہ ضرورت باقی نہیں رہتی کہ دونوں آیتیں جن میں سے ایک میں فاء ہے اور دوسری میں ثم ہے اس میں یہ تطبیق دی جائے کہ ثم کا لفظ آغاز سفر اور فاء کا لفظ سفر کے اس جزء کی بناء پر ہے جو عبرت حاصل کرنے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

"آپ (ان سے) پوچھئے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے لے آپ (ہی انہیں) بتائیے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے اس نے لازم کر لیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا ۲ یقیناً جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن ۳ ذرا شک نہیں اس میں ۴ (مگر) جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے۔ ۵"

۱؎ یہاں حضور ﷺ کو خطاب خصم کو چپ کرانے کے لئے ہے۔ مَنْ استفہامیہ ہے اور ظرف خبر ہے اور مابعد مَا فِی السَّمٰوٰتِ مبتدا ہے۔ ما سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں۔ یہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہیں اسی لئے ما کا لفظ ذکر کیا۔

۲؎ قُلْ لِلّٰهِ کے الفاظ اس لئے ذکر کئے ہیں کیونکہ یہ ان کے نزدیک بھی ثابت ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اس میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ کسی کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور جواب دے۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت اپنے اوپر لازم کر لی ہے اور اس کا ایسا پختہ وعدہ کیا ہے جس کی خلاف ورزی کا امکان نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمادیا تو اس نے ایک تحریر لکھی وہ عرش پر اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی میں لکھا میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ ایک روایت میں ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ اسے امام بغوی نے حضرت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے(1) ابو ہریرہ سے ہی مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک رحمت اس نے جنوں، انسانوں، چوپاؤں اور کیڑے مکوڑوں میں نازل فرمائی۔ اسی کے باعث وہ آپس میں شفقت کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی کے باعث وحشی اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ چھوڑی ہیں جن کے ساتھ وہ قیامت کے روز اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے(2) میں یہ کہتا ہوں یہاں سو کا عدد کثرت بیان کرنے کے لئے ہے عدد متعین کرنے کے لئے نہیں کیونکہ جو کچھ مخلوقات کے پاس ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ ممکنات کی صفات متناہی ہوتی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں جو رحمت نازل فرمائی اور لوگوں کے دلوں میں اسے پیدا کیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایوں میں سے ایک سایہ ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں قیدی پیش کئے گئے، ان قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ اچانک قیدیوں میں وہ ایک بچہ دیکھتی ہے، اسے اٹھاتی ہے، اپنے جسم کے ساتھ چمٹا لیتی ہے اور اسے دودھ پلاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی، ہم نے عرض کی حتی المقدور وہ ایسا نہیں کرے گی تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس عورت کی بنسبت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ جتنا رحم یہ عورت اپنے بچوں پر کرتی ہے(3) یہ بات ذہن نشین کرلو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کچھ حصہ دنیاوی نعمتوں پر مرتب ہوتا ہے اور کچھ آخرت کی نعمتوں کی صورت میں مرتب ہوگا جیسے رسولوں کا مبعوث کرنا، کتابیں نازل کرنا، ایسے ادلہ معین کرنا جو توحید پر دلالت کرتے ہیں، موت دینا، اس کے بعد دوبارہ اٹھانا جو جنت کی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات تک لے جاتی ہیں۔ اس باب میں بہترین اور جن کا ذکر مقصود ہے وہ ایسی نعمتیں ہیں جو آخرت سے تعلق رکھتی ہیں، جن پر مذکورہ احادیث اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے۔

۳؎ یعنی دوبارہ اٹھا کر تمہارے اجزاء کو جمع کرے گا۔ ظاہر بھی ہے کہ یہاں اِلٰی فِی کے معنی میں ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک تمہیں مردہ حالت میں قبروں میں جمع رکھے گا اس سے التزاماً سمجھ آتا ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ اٹھائے گا تو تم تنہا تنہا جاؤ گے تا کہ اپنے اعمال دیکھو۔ یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہے اور یہ رحمت سے بدل بعض ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ رحمت سے اصل مقصود اخروی رحمت ہے جب کفار دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار میں مبالغہ سے کام لیتے تو اللہ تعالیٰ نے اسے قسم کے ساتھ مؤکد کیا۔ جبکہ پہلے انہیں مبلغ صادق کی تکذیب پر ڈرایا اور اپنی قدرت کا بیان اس طرح فرمایا لِمَنْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ دوبارہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 99 (التجاریہ)　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 356 (وزارت تعلیم)　3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 100 (التجاریہ)

اٹھائے جانے کی حکمت اپنے اس ارشاد سے کی كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

؎ لوگوں کو جمع کرنے یا اس دن میں کوئی شک نہیں۔ جب آیت اللہ تعالیٰ کے عموم رحمت کا تقاضا کرتی ہے تو یہ امر کا بھی وہم دلاتی ہے کہ یہ رحمت کفار کو بھی شامل ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے اور یہ بیان کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کی محرومی ان کے برے اعمال اور نقصان کرنے کی وجہ سے ہے۔

؎ شرک کے ارتکاب میں انہوں نے اپنا نقصان کیا کیونکہ انہوں نے اپنا راس المال ہی ضائع کر دیا جو فطرت سلیمہ اور عقل سلیم ہے، رحمت سے اپنے حصہ کو ضائع کر دیا، اس کے بدلے میں عذاب اور ناراضگی کو حاصل کیا۔ اسم موصول مبتداء ہے اور مابعد جملہ خبر ہے۔ فَهُمْ یہ اس امر پر دلالت کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا نقصان والا ہونا ان کے ایمان نہ لانے کا سبب ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس جملہ کا عطف لَا رَيْبَ فِيهِ پر ہوتا۔ فصل کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے گویا یہ کلام کی گئی کہ کافر کیوں شک کرتے ہیں تو انہیں جواب دیا گیا کہ ان کا اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہی ان کے ایمان نہ لانے کا سبب بنا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسم موصول مذمت کے طور پر منصوب ہو۔ جس طرح یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے اور کافر اپنے برے اعمال اور نقصان کرنے کی وجہ محروم رہے۔ اس طرح ابی امامہ کی حدیث بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر کوئی جنت میں داخل ہوگا مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح دور بھاگتا ہے۔ جس طرح اونٹ اپنے مالک سے دور بھاگتا ہے اسے طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾

"اور اس کا ہے جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں اور وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔"

سَكَنَ یہ سُکنیٰ سے ہے، یہ مکان کی طرف فِی کے واسطہ سے متعدی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَسَكَنْتُمْ فِي مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہاں مجازاً زمانہ کی طرف متعدی ہے اور اس سے مراد ہے ہر وہ چیز جس پر رات دن کا گزر ہوتا ہے یا یہ سکون سے مشتق ہے تو پھر معنی ہوگا ہر وہ چیز جو ان دونوں میں ساکن ہو یا متحرک ہو۔ یہاں دو ضدوں میں سے ایک کا ذکر کیا جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ یہاں گرمی اور سردی دونوں مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی آوازوں کو سنتا اور حالات کو جانتا ہے۔ یہ مشرکین کے اقوال و افعال پر انہیں وعید ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾

"آپ فرمائیے کیا بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں (وہ اللہ جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا فرمائیے بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا شرک کرنے والوں سے"

وَلِيًّا کا معنی مددگار یا معبود ہے حرف استفہام اس امر پر ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر کسی اور کو ولی بنایا

جائے، کسی کو محض دوست بنانے پر ناراضگی کا اظہار نہیں۔ اسی وجہ سے اَتَّخِذُ کے مفعول اول کو فعل سے پہلے اور ہمزہ کے متصلاً بعد ذکر کیا۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قوم کے دین کی طرف دعوت دی گئی۔

اِنِّیْ میں یاء کو نافع نے مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ یہاں اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت سے دین میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ کا عطف قُلْ پر ہے۔ یہاں اُمِرْتُ پر اس کا عطف اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی قِيْلَ لِيْ اَنْ لَّا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

"آپ فرمایئے میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے"

اس آیت میں نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے اِنِّیْ کی یاء کو مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے عَصَيْتُ رَبِّيْ کا معنی ہے اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کروں۔ اس آیت میں کفار کی آرزو کو مطلقاً ختم کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی انہیں اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ کفر اور نافرمانی کی وجہ سے عذاب کے مستحق بن گئے ہیں۔ یہاں فعل اور مفعول کے درمیان شرط آ گئی ہے اور جواب شرط حذف ہے کیونکہ یہ جملہ جواب شرط پر دلالت کرتا ہے، یعنی میں اس یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے، یعنی اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ قیامت کے دن عذاب دے گا۔

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

"وہ شخص ٹال دیا گیا (عذاب) جس سے اس روز تو یقیناً رحم فرمایا اللہ نے اس پر اور یہی کھلی کامیابی ہے"

حمزہ، کسائی اور ابو بکر نے عاصم اور یعقوب سے معروف کا صیغہ يَصْرِفْ پڑھا ہے اور ضمیر فاعل ربی کی طرف لوٹے گی اور مفعول بہ محذوف ہے یا يَوْمَئِذٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام رکھ دیا ہے، یعنی جس کو میرا رب اس دن عذاب سے محفوظ رکھے۔ باقی قراء نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور نائب فاعل کی ضمیر عذاب کی طرف لوٹے گی، یعنی جس سے اس روز عذاب دور کر دیا جائے گا یا یہ مضاف کے حذف کے ساتھ يَوْمَئِذٍ کی طرف منسوب ہے۔ حِيْنَئِذٍ اور يَوْمَئِذٍ مبنی بر فتحہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب سے نجات دے کر اور جنت میں داخل کر کے اس پر رحم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں تھا۔ عذاب سے نجات پانا واضح کامیابی ہے۔ قاموس میں ہے فوز کا معنی نجات، کامیابی اور ہلاکت ہے، یہاں اس کا معنی کامیابی حاصل کرنا ہے۔ سیاق کلام کی وجہ سے ہلاکت کسی صورت میں مراد نہیں۔ اسی طرح یہاں نجات بھی مراد نہیں کیونکہ ذٰلِكَ اسم اشارہ کا مشار الیہ صرف ہے جو عین نجات ہے اس لئے نجات معنی کرنا فائدہ مند نہیں، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے اس سے عذاب دور کرنے کی صورت میں جنت میں داخل ہونا لازم ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کرنا ممکن ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی درجہ نہیں، جبکہ معتزلہ اس درجہ کے قائل ہیں

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

"اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دکھ تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس دکھ کو سوائے اس کے اور اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

ضر سے مراد سختی ہے جیسے تنگ دستی، مرض اور عذاب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اگر کسی کو عذاب میں مبتلا کرے تو اس کو چھٹکارا دینے والا کوئی نہیں اگر اسی کی مرضی کے بغیر کوئی چھٹکارا دے سکتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے جو محال ہے کیونکہ یہ الوہیت اور واجب الوجود ہونے کے منافی ہے۔ خیر سے مراد عافیت اور نعمت ہے، وہ صحت، غنا کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقے سے یعنی اللہ تعالیٰ اگر کسی کو نعمت سے نوازے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے نعمت سے نوازدے اور نعمت کی حفاظت کرے۔ اسی طرح نعمت زائل کرنے پر بھی قادر ہے اس کے علاوہ کوئی اور اس نعمت کو زائل نہیں کر سکتا۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا جو کسریٰ نے آپ کے لئے بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ آپ نے اسے بالوں کی رسی کی لگام دی پھر آپ نے مجھے پیچھے بٹھالیا۔ آپ تھوڑا مجھے لے کر چلے پھر میری طرف متوجہ ہوئے، فرمایا اے لڑکے میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں، فرمایا اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر، وہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اس کی محارم کا خیال رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ خوشحالی کے زمانہ میں اسے یاد رکھ، وہ تنگدستی کے دور میں تجھے یاد رکھے گا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کر۔ جب تو مدد کا خواستگار ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر۔ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا فیصلہ ہو چکا۔ اگر ساری مخلوق تجھے وہ نفع پہنچانے کا ارادہ کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے تیرے حق میں فیصلہ نہیں کیا وہ تجھے نفع نہ پہنچا سکیں گے۔ اگر وہ تجھے ایسا نقصان پہنچانے کا ارادہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے حق میں نہیں لکھا وہ اس پر قادر نہ ہوں گے۔ اگر تو طاقت رکھے کہ یقین کے ساتھ صبر کرتے ہوئے کام کرے تو ایسے کر۔ اگر تو ایسی طاقت نہ رکھے تو صبر کر کیونکہ ناموافق چیز پر صبر کرنا خیر کثیر ہے۔ یہ بھی جان لو کہ مدد اور غلبہ صبر کے ساتھ ہے اور دکھ کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے(1) امام احمد اور ترمذی نے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے ان دونوں کی روایت میں فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَعْمَلَ بِالصَّبْرِ کے الفاظ نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾

"اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ بڑا دانا ہر چیز سے خبردار ہے۔"

هُوَ الْقَاهِرُ یہ مبتدا خبر ہیں۔ قہر کا معنی غلبہ ہے، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ مقدور کی تذلیل کا معنی بھی موجود ہے۔ اس میں قدرت کی بنسبت معنی میں زیادتی ہے، یعنی قادر کے ارادہ کے خلاف ارادہ کرنے والے کو مقصد سے روک دینا۔ فَوْقَ عِبَادِهِ یہ دوسری خبر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے قہر اور شان کی بلندی کی وضاحت ہے۔ وہ اپنے حکم میں حکمی اور ہر چیز سے باخبر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

کلبی نے کہا اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہنے لگے ہمیں وہ دکھاؤ جو اس بات کی گواہی دے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کیونکہ کوئی بھی ایسا نہیں دیکھتے جو آپ کی تصدیق کرتا ہے۔ ہم نے آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ آپ کا ان کے ہاں کوئی ذکر نہیں(2) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 101 (التجاریہ)　2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 102 (التجاریہ)

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲

”آپ پوچھئے کونسی چیز بڑی (معتبر) ہے گواہی کے لحاظ سے ۱؎ آپ ہی بتایئے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان ۲؎ اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ ۳؎ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے ۴؎ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں ۵؎ آپ فرمایئے میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا ۶؎ آپ فرمایئے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے ۷؎ اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو ۸؎“

۱؎ شَیْءٌ کا لفظ ہر موجود چیز پر بولا جاتا ہے۔ اس کی گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس کا معنی ہے کون سا گواہ اَیُّ شَیْءٍ مبتدا ہے اور اَکْبَرُ خبر ہے۔ شَهَادَةً نسبت سے تمیز ہے یعنی کون سا گواہ شہادت کے اعتبار سے بڑا ہے اگر وہ جواب دیں تو ٹھیک ورنہ خود ہی کہہ دیں۔

۲؎ اللہ ازروئے شہادت کے سب سے بڑا ہے لفظ اللہ اسم جلالت مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے کیونکہ سوال اس کا قرینہ ہے شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو هُوَ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللّٰهُ شَهِیْدٌ جواب ہو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ گواہ ہے تو وہی شہادت کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔ اس آیت کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ میری رسالت کے ہونے یا نہ ہونے سے بڑھ کر کونسی چیز شہادت دیئے جانے کے قابل ہے؟ جواب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ میری رسالت پر گواہ ہے اور یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر گواہ ہو وہی چیز شہادت دیئے جانے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس صورت میں کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ رسالت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مراد ایسے معجزات کا اظہار کرنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ جب قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے تو اس شہادت کو اللہ تعالیٰ نے اس سے واضح فرمایا۔

۳؎ جو معجز ہے مبدا اور معاد کی اس طرح خبریں دیتا ہے جس طرح سابقہ کتابوں نے بیان فرمایا یہ قرآن میری طرف اس لئے وحی کیا گیا تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤں گا اگر تم اس پر ایمان نہ لاؤ یہاں صرف ڈرانے کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ بشارت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ حال اور مقال اس پر دلالت کرتا ہے انداز کا اہتمام اس لئے کیا کیونکہ تکلیف کو دور کرنا نفع کے حصول سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

۴؎ یہ محل نصب میں ہے اور اس کا عطف کُمْ ضمیر پر ہے۔ معنی یہ ہوگا اے اہل مکہ تاکہ تمہیں ڈراؤں اور انہیں ڈراؤں جن تک یہ قرآن پہنچے وہ اس زمانے میں موجود تھے یا بعد کے زمانے میں ہوں گے وہ جن ہیں یا انسان۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے پیغام حق لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ بنی اسرائیل کی باتیں بھی بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے متفق علیہ (1) حدیث طیبہ میں بنی اسرائیل سے مراد ان میں سے سچے مومن ہیں کیونکہ کافر اور کذاب لوگوں کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی دلیل حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی احادیث ہیں، دونوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ سے ایسی حدیث بیان کی جس کے بارے میں اس کا گمان ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (2) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد رکھا، اسے سمجھا پھر دوسرے لوگوں تک اسے پہنچایا۔ بعض اوقات سمجھدار آدمی اپنے سے زیادہ سمجھدار آدمی تک اپنی بات پہنچا دیتا ہے (3)

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 7 (قدیمی)　2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 6 (قدیمی)　3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 90 (وزارت تعلیم)

تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل کبھی بخل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا مسلمانوں کے لئے مخلص ہونا اور جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا، بے شک ان کی دعوت باقی سب کو محیط ہوگی۔ اسے امام شافعی سے امام بیہقی سے موصل میں روایت کیا مگر امام ترمذی ' ابوداؤد' ابن ماجہ اور دارمی نے زید بن ثابت سے روایت کیا مگر امام ترمذی اور ابوداؤد نے ثلث لا یغل کا ذکر نہیں کیا۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا جسے قرآن پہنچے گویا اس نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ سے قرآن کو سنا۔

ﮬ اب اہل مکہ کو ہے، یہ استفہام تقریری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان پر ناپسندیدگی کا اظہار اور تعجب کیا جا رہا ہے کہ تم ایسے امر کی گواہی دیتے ہو جس کا باطل ہونا دلائل قطعیہ سے ظاہر و باہر ہے اور توحید پر دلائل قطعی اور نقلی موجود ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دلائل معین کرنے اور معجز قرآن نازل کر کے توحید پر گواہی دیتا ہے جو سب سے بڑی گواہی ہے۔ کیا تم اس کے برعکس گواہی دیتے ہو۔ میں کہتا ہوں شاید انہوں نے توحید و رسالت دونوں پر گواہ طلب کئے تھے۔ کلبی نے شان نزول میں رسالت پر شہادت طلب کرنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ رسالت پر شہادت کا طلب کرنا توحید پر شہادت طلب کرنے کو مستلزم ہے جب کہ اس کے برعکس ثابت نہیں۔

ﮭ اے محبوب آپ فرما دیجئے میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا جس کی تم گواہی دیتے ہو۔

ﮮ یعنی اللہ تعالیٰ مستحق عبادت ہونے' واجب الوجود ہونے' پیدا کرنے' رزق دینے اور دوسری صفات کمال میں یکتا ہے، کوئی بھی ان چیزوں میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ وہ ترکیب و تعدد سے پاک ہے، اسی طرح ان چیزوں سے بھی منزہ ہے جو ترکیب و تعدد کو مستلزم ہیں جیسے جسم ہونا' مکان میں ہونا یا صفات کمال میں کسی چیز کا ان کے ساتھ شریک ہونا۔

حمل (۱) کے غیر مفید ہونے کا جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ وارد نہیں ہوتا۔ اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئی حقیقی ہے اور جزئی حقیقی تعدد کا احتمال نہیں رکھتی۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب ما کو کافہ بنایا جائے گا اور ھُوَ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ما موصولہ مبتدا ہو اور ھو ضمیر عائد ہو۔ ھُوَ اِلٰہٌ صلہ ہو اور واحد اسم موصول خبر ہو تو اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، یعنی وہ وہ ہے جو الہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا واجب الوجود ہونا اور صفات کمالیہ سے متصف ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ میں اس کی گواہی نہیں دیتا جس کی تم گواہی دیتے ہو بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں ﮯ یعنی تم بتوں میں سے جن کو مستحق عبادت ہونے میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اس سے یا تمہارے شرک کرنے سے برات کا اظہار کرتا ہوں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۠ ﴿۲۰﴾

"جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے۔"

یَعْرِفُوْنَهٗ کی ہ ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کی صفت عطا کی گئی کیونکہ حضور ﷺ کا

---

(۱) ایسی دو چیزیں جو مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہوں، انہیں وجود کے اعتبار سے ایک کر دینا یہاں اللہ واحد کو خبر بنایا گیا۔ اس پر یہ اعتراض ہو رہا ہے کہ اس خبر لانے کا فائدہ نہیں، جبکہ حضرت مفسر فرماتے ہیں کہ ہماری سابقہ وضاحت سے اعتراض باقی نہیں رہتا۔

حلیہ آپ کے اخلاق اور اوصاف ان صفات کے مطابق تھے جو تورات و انجیل میں آپ کے مذکور تھے۔ وہ آپ کو اس طرح پہچان لیتے تھے جس طرح وہ بچوں میں سے اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے تھے۔ اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے حضور ﷺ کی نعت کو چھپایا ،انہوں نے اپنا نقصان کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم قدیم میں ان کے لئے خسارے کو مقدر کر دیا تھا۔

اس لئے وہ حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے یقین ہونے کے باوجود وہ ظلم اور سرکشی کے طور پر حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کیا کرتے تھے۔ یہ کلام ان کی اس بات کا جواب ہے تحقیق ہم نے آپ کے متعلق یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے، ان کا گمان یہ ہے کہ ان کے ہاں آپ کا کوئی ذکر نہیں، یعنی انہوں نے جھوٹ بولا اور اپنا نقصان کیا کیونکہ انہوں نے ایمان لا کر جنت میں جگہ بنانے کی بجائے جہنم میں جگہ بنالی۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو ٹھکانے ہیں، ایک ٹھکانہ جنت میں ہے اور دوسرا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ جب وہ فوت ہوتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے جنتی اس کے ٹھکانے کے وارث بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا یہی مفہوم ہے(1) امام بغوی نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوتا ہے تو جہنمیوں کے جنت والے گھر جنتیوں کو دے دیتا ہے اور جنتیوں کے جہنم والے گھر جہنمیوں کو دے دیتا ہے۔ یہی خسران ہے(2) میں کہتا ہوں سیاق کلام کا تو تقاضا یہ تھا کہ کلام یوں ہوتا فَهُوَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ لیکن مبالغہ کے لئے کلام کو بدل دیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱

’’اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے ؎‘‘

؎ یعنی جس نے جھوٹ بولتے ہوئے رسالت کا دعویٰ کیا اس نے کہا میری طرف وحی کی گئی، جبکہ اس کی طرف وحی نہ کی گئی تھی اور اس نے قرآن میں نازل شدہ آیات اور ان معجزات کی تکذیب کی جو توحید اور رسول کی سچائی پر دلالت کرتی تھیں، اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اس معنی کی بناء پر یہ آیت نبی کریم سے جھوٹ صادر ہونے کی پاکی بیان کرنے اور کافروں کو اس امر پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ ظالم ہیں۔ اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اس آدمی سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے ور ایسی باتیں کرے جو اس کے شایان شان نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو بیٹا کہنا، اس کے لیے کسی کو شریک ٹھہرانا، پتھروں کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا۔ اس معنی کی بناء پر مناسب یہ لگتا ہے کہ عطف واؤ کے ساتھ ہوتا کیونکہ انہوں نے دونوں امروں کو جمع کیا لیکن او کا کلمہ ذکر فرمایا اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے کہ ان دونوں امروں میں سے ہر ایک امر ظلم میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ جب یہ دونوں جمع ہوں تو ظلم کا کیا حال ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ او کے کلمہ میں اس بات کا شعور دلایا گیا کہ یہ دونوں امر متضاد ہیں، جبکہ دونوں قبیح ہیں۔ اس کے باوجود اپنی حماقت کی زیادتی کی وجہ سے کفار نے دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا۔ اس تناقض کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز حرام کی، فلاں چیز حلال کی، اس نے بیوی اور بچہ اپنایا، وہ بتوں کی سفارش قبول کرے گا یہ رسالت کے دعویٰ کی طرح ہیں۔ وہ گمان رکھتے ہیں کہ بغیر دلیل کے اسے قبول کرنا واجب ہے، جبکہ دوسری طرف ان کا آیات اور معجزات کو جھٹلانا اور ان کا یہ کہنا کہ رسول

1۔ شعب الایمان، جلد 1، صفحہ 342 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 103 (التجاریہ)

بشر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے فرشتہ ہونا ضروری ہے اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ قطعی دلائل کے باوجود رسالت کا دعوی قبول نہیں جب عام ظالم فلاح نہیں پا سکتا تو لوگوں میں سے جو سب سے بڑھ کر ظالم ہے وہ کیسے فلاح پا سکتا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾

"اور (یاد کرو) وہ دن جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے انہیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے (خدا ہونے کا) تم دعوی کیا کرتے تھے۔"

هُمْ ضمیر سے مراد کفار اور ان کے معبودان باطلہ ہیں۔ یعقوب نے نَحْشُرُ کو يَحْشُرُ غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور اس میں ھو ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ حفص نے سورۂ سبا میں یعقوب کی موافقت کی ہے، جبکہ باقی قراء نے دونوں مقامات پر متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ ظرف میں فعل محذوف عامل ہے۔ فعل اس لئے حذف کیا تا کہ ذہن کثیر حالات اور متعدد احوال کی طرف منتقل ہو جو اس دن لوگوں کو لاحق ہوں گے۔ گویا کلام یوں کی گئی کہ وہ ایسے دہشت زدہ ہوں گے کہ الفاظ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ سورج ان کے قریب ہو جائے گا، پسینہ ان کے منہ تک پہنچ جائے گا اور ان کا پسینہ زمین میں ستر باع (۱) تک چلا جائے گا جس طرح صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔ جس دن انہیں اٹھایا جائے گا ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اذکر فعل کا مفعول بہ ہو۔

ثُمَّ نَقُولُ کا عطف نَحْشُرُ پر ہے تو ثم کے کلمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد وہ سوال کئے جانے کے منتظر ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب اللہ تعالیٰ تمہیں پچاس ہزار سال تک یوں اکٹھا رکھے گا جس طرح تیر ترکش میں جمع کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظر تک نہیں کرے گا۔ اسے حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا، کیا تم قیامت کے روز ہزار سال تک یوں ٹھہرے رہو گے کہ آپس میں بات تک نہیں کرو گے۔ اسے بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا۔ شُرَكَاؤُكُمْ سے مراد وہ معبودان باطلہ جنہیں تم عبادت میں اللہ کا شریک بناتے تھے۔ اور تم یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ عبادت کے مستحق ہونے میں اللہ کے ساتھ شریک ہیں یا تم انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی گمان کرتے تھے یہاں دونوں مفعولوں کو حذف کیا گیا اور استفہام سے یہاں مراد انہیں شرمندہ کرنا ہے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

"پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے۔"

حمزہ، کسائی اور یعقوب نے تَكُنْ کو یاء کے ساتھ يَكُنْ پڑھا ہے اور هُمْ کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ کان کی خبر ہے اور اس کا اسم أَنْ قَالُوا ہے۔ نافع، ابو عمرو، ابو بکر اور ابو جعفر نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ خبر مونث ہے اور هُمْ کو منصوب پڑھا ہے، جبکہ ابن کثیر، ابن عامر اور حفص نے لَمْ تَكُنْ تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور هُمْ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ کان کا اسم ہے اور مستثنیٰ اس کی خبر ہے اور ثم کا کلمہ جواب میں زیادہ دیر تک غور پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں فتنہ سے مراد کفر ہے یعنی زیادہ عرصہ غور کرنے اور شرمندگی کے بعد ان کے کفر کا انجام یہ قول ہوگا۔ ابن عباس اور قتادہ نے کہا فتنہ سے مراد ان کی معذرت ہے۔ معذرت کو فتنہ کا نام اس لئے دیا کیونکہ معذرت

(۱) جب دونوں بازوؤں کو شمالاً جنوباً پھیلایا جائے تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیانی فاصلہ کو باع کہتے ہیں۔

کو وہ اپنی خلاصی تصور کریں گے۔ یہ فتنت الذھب سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو سونے کو خالص کرے(1) ایک قول یہ کہ ثم کا معنی ہے ان کا جواب۔ جواب کو فتنہ اس لئے کہا کیونکہ وہ جھوٹ (۱) ہے یا اس لئے کیونکہ اس کے ذریعے انہوں نے چھٹکارا پانے کا قصد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی تجربہ ہے۔ جب ان سے سوال ان کے مافی الضمیر کے اظہار کا تجربہ ہوگا اس لئے اس جواب کو فتنہ کا نام دیا گیا۔ زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ میں ایک لطیف معنی ہے یہ ایسے آدمی کی مثل ہے جو کسی انسان کو محبوب بنالیتا ہے پھر اس محبت کی وجہ سے اسے مصائب پہنچتے ہیں تو وہ اپنے محبوب سے برات کا اظہار کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے تمہارا عشق محض اتنا تھا، اس طرح کفار بتوں کی محبت میں گرفتار ہوئے۔ میں کہتا ہوں وہ اپنے آباء کی تقلید میں بتوں کی محبت میں گرفتار ہوئے تھے(2) جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ان سے برات کا اظہار کریں گے۔

وَاللّٰهِ رَبِّنَا..... مشرکین ان کے قول کا مقولہ ہے۔ حمزہ نے نداء اور مدح کے طور پر منصوب پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مجرور پڑھا ہے۔ یہ لفظ اللہ اسم جلالت کی صفت ہے۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس سے وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا اور وَاللّٰهِ رَبِّنَا کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ مشرک قیامت کے روز جب یہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو اور ان کے گناہوں کو بخش رہا ہے اور مشرکوں کو نہیں بخش رہا تو وہ شرک کا اس امید کی بناء پر انکار کردیں گے کہ انہیں بھی بخش دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال پر گواہی دیں گے۔ اس موقع پر جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی ہوں وہ یہ خواہش کریں گے کاش ان پر زمین برابر کردی جاتی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

"دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انہوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہو گئیں ان سے جو افترا بازیاں کرتے تھے۔"

اُنْظُرْ میں ہر مخاطب کو نظارہ کی دعوت ہے۔ ضَلَّ کا معنی زائل ہونا اور ختم ہونا ہے، یعنی جو وہ جھوٹی باتیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہماری سفارش کریں گے سب ختم ہو جائے گا ضَلَّ کا عطف كَذَبُوْا پر ہے اور كَيْفَ كَذَبُوْا کے فاعل سے حال ہے اسے جملہ کے شروع میں اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ کلمات استفہام میں سے ہے جو کلام کے شروع میں آنے کا تقاضا کرتا ہے۔ جملہ کا مفہوم اُنْظُرْ کا مفعول ہے۔ ان کا اپنی ذاتوں کے بارے میں جھوٹ بولنے کو دیکھو۔ وہ جس کیفیت سے متکیف ہیں یہ انہیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ کلبی نے کہا ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے، امیہ اور ابی جو خلف کے بیٹے تھے اور حرث بن عامر قرآن سننے کے لئے اکٹھے ہوئے، سب نے نضر سے کہا اے ابوقتیلہ حضرت محمد ﷺ کیا کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا میں تو کچھ نہیں جانتا وہ کہتے ہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے رہتے ہیں اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں جس طرح میں تمہارے سامنے گزشتہ زمانوں کے واقعات بیان کرتا ہوں۔ نضر بن حارث گزشتہ زمانوں کی خبریں اور واقعات کثرت سے بیان کرتا تھا۔ ابوسفیان نے کہا جو کچھ وہ کہتے ہیں ان میں سے بعض چیزوں کو تو میں حق خیال کرتا ہوں۔ ابوجہل نے کہا خبردار اس میں سے کسی چیز کا بھی اقرار نہ کرو۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے کہا ایسی بات کرنے سے مرجانا ہمارے لئے آسان ہے(3) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 103 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 104 (التجاریہ) (۱) جھوٹ فتنہ کا باعث ہوتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

”اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ نہ سمجھیں وہ اسے اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ دیکھ لیں ہر ایک نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آپ سے (تو) کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصے پہلے لوگوں کے۔“

ان میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب تم تلاوت کرتے ہو تو وہ سنتے ہیں اَکِنَّۃً کنان کی جمع ہے، یہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا دے اَنْ یَّفْقَھُوْہُ میں دو تاویلیں ہیں یا لا نافیہ محذوف ہے یا کراھۃ مضاف محذوف ہے۔ وقر کا معنی بوجھل پن ہے جو سننے سے روک دے آیۃ کا معنی معجزہ ہے۔ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ اور دلوں پر غلاف ڈال دیئے ہیں۔ یہ پردے نتیجہ ہیں اس عناد کا جو وہ حضور ﷺ سے رکھتے ہیں اور اس مستحکم تقلید کا جو وہ اپنے آباء کی کرتے رہے ہیں کیونکہ اس وجہ سے نہ وہ حسن کو حسن اور نہ قبیح کو قبیح دیکھتے ہیں۔

حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ میں حتی عاطفہ ہے۔ یہ جملوں پر داخل ہوتا ہے، اس جملے کا عطف لَا یُؤْمِنُوْنَ پر ہے۔ اذا ظرف ہے جو اپنے ضمن میں شرط کا معنی لئے ہوئے ہے یُجَادِلُوْنَکَ اس کا جواب ہے اور یَقُوْلُ اس کی تفسیر ہے یا یہ کہا جائے گا کہ یُجَادِلُوْنَکَ محل نصب میں ہے اور یہ جاءوک کے فاعل سے حال ہے اور جواب شرط یَقُوْلُ ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا ان کا ایمان نہ لانا اور ان کا جھٹلانا مجادلہ تک پہنچ چکا ہے اور اس نے سب سے سچی کلام کو پہلے لوگوں کی خرافات بنا دیا ہے اور وہ محض جھگڑنے کے لئے آتے ہیں، یہ تکذیب کی انتہاء ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حتی جارہ ہو اور اذا محل جر میں ہے اور جار مجرور لَا یُؤْمِنُوْنَ کے متعلق ہو۔ یہ سیبویہ کے نقطہ نظر کے مطابق ہے کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ اذا کے لئے ظرف ہونا ضروری نہیں ہے، جبکہ جمہور نحوی اس کے خلاف ہیں۔ اس تاویل کی ..رت میں یُجَادِلُوْنَکَ حال ہے اور یَقُوْلُ اس کی تفسیر ہے اور یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔

اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ یہ یَقُوْلُ کا مقولہ ہے۔ قاموس میں ہے سطر کا معنی کسی شے کی صف ہے وہ کتاب کی ہو، درختوں کی ہو یا خط کی۔ اس کی جمع اسطر، سطور اور اسطار ہوتی ہے۔ اس کی جمع الجمع اساطیر آتی ہے۔ اساطیر ایسی باتوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی نظم وضبط نہیں ہوتا۔ امام بیضاوی نے کہا اساطیر کا معنی باطل چیزیں ہیں میں کہتا ہوں یہ اس کے حقیقی معنی کا لازم ہے کیونکہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیوں والی عموماً کتابیں جھوٹی ہوتیں کیونکہ ان واقعات کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہیں تھی۔ روایت میں احتیاط نہیں تھی۔ روایات میں اختلاف کی بناء پر پہلے لوگوں کے قصوں میں کوئی نظام بھی نہیں تھا پھر اساطیر الاولین کا لفظ باطل اور جھوٹی باتوں میں ہونے لگا یہاں تک کہ یہی منقول اور حقیقی معنی بن گیا۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی وہ مشرکوں کو حضور ﷺ کو اذیت دینے سے منع کرتے لیکن اس پیغام حق سے خود دور رہتے جو حضور ﷺ لائے اور ایمان نہ لاتے (1) حاکم اور دوسرے محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔ اس صورت میں جمع کی ضمیر ابوطالب اور ان کے مددگاروں کے لئے ہوگی۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن ابی ہلال سے بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ دس تھے، اعلانیہ طور پر آپ کے زبردست حمایتی تھے اور باطنا، آپ کے سخت مخالف تھے پھر آیت کا معنی یہ ہوگا لوگوں کو حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے سے روکتے اور خود آپ کی اتباع سے بھی دور رہتے۔

امام بغوی نے کہا مشرکین کے سردار ابوطالب کی خدمت میں جمع ہوئے، کہنے لگے ہمارے جوانوں میں سے خوبصورت جوان آپ لے لیں اور حضرت محمد ﷺ ہمارے حوالے کر دیں۔ ابوطالب نے کہا تم میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ میں اپنا لڑکا تمہیں دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو اور تمہارے بچے کی پرورش کروں (2) ایک روایت یہ بھی کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، کہا اگر قریش کے عار دلانے کا مجھے خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تیری آنکھ کو ٹھنڈا کرتا لیکن جب تک میں زندہ ہوں تیرا دفاع کرتا رہوں گا۔ ابوطالب نے آپ کے بارے میں اشعار بھی کہے۔

اللہ کی قسم وہ اپنی جمعیتوں کے ساتھ بھی آپ تک نہیں پہنچیں گے یہاں تک کہ مجھے زمین میں دفن کر دیا جائے۔ آپ اعلانیہ بات کریں، آپ کو کوئی رکاوٹ نہیں، آپ خوش رہیں اور اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں۔ تو نے مجھے دعوت دی، میں پہچانتا ہوں کہ آپ میرے مخلص ہیں، آپ سچے اور امین ہیں۔

آپ نے ایسا دین پیش کیا ہے میں جانتا ہوں کہ یہ دنیا کے دینوں میں سے بہترین دین ہے۔ اگر مجھے ملامت کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے پاتے کہ میں آسانی کے ساتھ اور اعلانیہ اسے قبول کرنے والا ہوتا۔ محمد بن حنفیہ، ضحاک، اور قتادہ نے کہا یہ کفار مکہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ اس کا معنی یہ ہے وہ لوگوں کو حضور ﷺ کی اتباع سے روکتے یا قرآن سے روکتے اور خود بھی اس سے دور رہتے۔ اس طرح وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں مگر اس کا شعور نہیں رکھتے کیونکہ اس کا نقصان انہیں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضور ﷺ کو ان کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

"اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے"

فَقَالُوْا کا عطف وُقِفُوْا پر ہے۔ حفص اور حمزہ نے نُكَذِّبُ اور نَكُوْنَ کو تمنی کے جواب میں واؤ کے بعد اَنْ کے مضمر ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔ ابن عامر نے پہلے فعل کو نُرَدُّ پر عطف کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے یا اس فعل میں جو ضمیر ہے اس سے حال بنایا ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ محقق تفتازانی نے کہا یہاں جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر ہو رہا ہے۔ جب مقام اس کا تقاضا کرے تو یہ جائز ہے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 104 (التجاریہ) 2۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 105 (التجاریہ)

إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

"بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے انکی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔"

ایمان لانے پر انکا ارادہ اور پختہ عزم جو تمنی سے سمجھا جا رہا تھا، اس کی نفی کی گئی ہے۔ انہوں نے یہ کلام کفر سے تنگ پڑنے کی وجہ سے کی تھی، ایمان کے ارادہ کی وجہ سے نہ کی تھی۔ دنیا میں جو وہ نفاق کرتے تھے یا حضور ﷺ کی جو نعتیں چھپاتے تھے اب وہ سب ان کے لئے ظاہر ہو چکا ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنی اولادوں کو پہچانتے تھے یا یہ ظاہر ہو جائے گا جو قیامت کے روز وہ شرک چھپاتے تھے۔ جب انہوں نے یہ کہا تھا اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے ن۔ نضر بن شمیل نے کہا بَدَالَهُمْ کا معنی بَدَا عَنْهُمْ ہے، یعنی خود انہیں سے ظاہر ہو جائے گا۔ مبرد نے کہا بَدَالَهُمْ جزا ہے، مَا كَانُوا يُخْفُوْنَ شرط ہے۔

اگر فرض محال جہنم دیکھنے کے بعد انہیں دنیا کی طرف لوٹا دیا جاتا تو وہ پھر کفر و معاصی کی طرف لوٹ جاتے کیونکہ ان کے تعین کا مبدا اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا ظل ہے اگر چہ انہیں ایمان کے برحق ہونے اور کفر کے باطل ہونے کا یقین بھی ہو جائے تب بھی ان سے ایمان کا صادر ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح یہودی حضور ﷺ کا انکار کرتے تھے اور آپ سے بغض رکھتے تھے، جبکہ وہ حضور ﷺ کو یوں پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے اور جس چیز کا انہیں یقین تھا، اس کا ظلم اور سرکشی کی وجہ سے انکار کرتے تھے۔ لَا نُكَذِّبُ کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں انہوں نے نہ جھٹلانے اور ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا یا تمنی سے جو وعدہ کا مفہوم سمجھ آ رہا تھا اس میں وہ جھوٹے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے وہ جھوٹ کے عادی ہیں۔ آیات کے تقاضا کے مطابق توحید اور دوسری چیزوں میں وہ سچ نہیں بولیں گے۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے تین عذر پیش فرمائے گا اے آدم اگر میں نے جھوٹوں کو اپنی رحمت سے دور کیا ہوتا، جبکہ میں جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بغض رکھتا ہوں تو آج تجھ پر اور تیری اولاد پر ضرور رحم کرتا لیکن میرا قول حق ہے اگر میرے رسولوں کو جھٹلایا گیا اور میرے حکم کی نافرمانی کی گئی تو میں جنوں اور انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم میں کسی آدمی کو اس وقت تک جہنم میں داخل نہیں کرتا اور نہ ہی اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہوں مگر جس کے بارے میں مجھے علم ہوتا ہے کہ اگر میں اسے دنیا کی طرف لوٹاؤں گا تو وہ اسی برائی کی طرف لوٹ جائے گا جس میں وہ اب ہے، وہ اس سے نہیں لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم میں اپنے اور تیری اولاد کے درمیان تجھے ثالث بناتا ہوں، میزان کے پاس کھڑے ہو جاؤ جہاں ان کے اعمال تولے جا رہے ہیں جس کی کوئی نیکی اسکی برائیوں پر ذرہ برابر غالب آ جائے گی اس کے لئے جنت ہے تاکہ تو جان لے کہ میں جہنم میں صرف ظالم کو ہی داخل کرتا ہوں۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

"اور کہتے ہیں نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے)"

قَالُوْا کا عطف لَعَادُوْا پر ہے یعنی اگر انہیں لوٹایا جاتا تو وہ یہ کہتے یا اس کا عطف اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ پر ہے یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں یہ کہا یا اس کا عطف لِمَا نُهُوْا پر ہے یا لِمَا قَالُوا پر ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے اس چیز کا ذکر کیا گیا جو انہوں نے دنیا میں

کہا۔ حی کی ضمیر دنیاوی زندگی کے لئے ہے۔ دنیا کا معنی قربی ہے یہ ادنی کی مونث ہے جو دنو سے مشتق ہے جس کا معنی قریب ہونا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے اللہ کے حضور میں اللہ فرمائے گا کیا یہ (قبروں سے اٹھنا) حق نہیں کہیں گے بیشک (حق ہے) ہمارے رب کی قسم اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے۔''

تری میں خطاب حضور ﷺ کی ذات کو ہے۔ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ سوال کرنے کے لئے روکنے اور شرمندہ کرنے سے کنایہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے ان کے رب کے فیصلہ اور اس کی طرف سے جزاء کے لئے روکا جائے گا یا اس کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچان لیں گے جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے جو ما قبل کلام کی مثل ہے۔ قَالَ فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یا جہنم کے دو داروغوں کی طرف جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے یہ کہیں گے۔ گویا یہ سوال کرنے والے کا جواب ہے جو یہ کہتا ہے یعنی اس وقت ان کے رب نے کیا کہا اَلَیْسَ هٰذَا میں اسم اشارہ کا مشار الیہ دوبارہ اٹھانا اور اس پر مرتب ہونے والا ثواب و عتاب ہے۔ یہ استفہام جھٹلانے پر جھڑکنے اور شرمندہ کرنے کے لئے ہے۔ بَلٰى وَرَبِّنَا قسم کے ساتھ مؤکد کرتے ہوئے انہوں نے اقرار کیا کیونکہ معاملہ مکمل طور پر ظاہر ہو چکا ہے۔ نیز وہ شرک اور جھٹلانے سے اپنی براءت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا قیامت میں کئی جگہ ٹھہرنا ہوگا اور سوال و جواب دینا ہوں گے، یہ ایک موقع پر ہوگا، کسی موقع پر وہ اقرار کریں گے اور کسی موقع پر وہ انکار کریں گے (1) انہیں کہا جائے گا اپنے کفر کے سبب یا اس کے بدلہ میں عذاب چکھو یعنی بِمَا كُنْتُمْ میں باء سببیہ ہے یا بدلہ کے لئے ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

''بے شک خسارہ میں رہے وہ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو لے یہاں تک کہ جب آ گئی ان پر قیامت اچانک ئے بولے ہائے افسوس اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں ئے اور وہ اٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر ئے ارے کتنا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں ئے''

لے بِلِقَآءِ اللّٰهِ سے مراد موت کے بعد دوبارہ اٹھانا ہے جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہے کفار اسلئے گھاٹے میں رہے کیونکہ انہوں نے دوبارہ اٹھائے جانے، جنت اور جہنم کا انکار کیا۔ اس وجہ سے ان سے دائمی نعمت (جنت) فوت ہو گئی، اس کے بدلے میں انہوں نے عذاب الیم کو اپنا لیا۔ معتزلہ بھی خسارے میں رہے کیونکہ انہوں نے رویت باری تعالیٰ کا انکار کیا۔ اس لئے وہ اس سے محروم رہیں گے۔ انہوں نے شفاعت اور بخشش کا انکار کیا اس لئے ان دونوں نعمتوں سے بھی محروم رہیں گے۔ حدیث قدسی میں ہے میں اپنے بندے سے اس کے اس عقیدہ کے مطابق معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے اور حضرت ابوہریرہ سے مرفوع مروی ہے (2) طبرانی اور حاکم کے نزدیک واثلہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے لالکائی نے ابراہیم صائغ سے روایت کی ہے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 106 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 343 (قدیمی)

مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ دیدار الٰہی کے مقابلہ میں نصف جنت ملے پھر یہ آیت تلاوت کی۔

۱؎ امام بیضاوی نے کہا یہ کَذَّبُوْا کی غایت ہے، خَسِرُوْا کی غایت نہیں کیونکہ ان کے گھاٹے کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تکذیب تو ان کی موت پر ختم ہو جائے گی، قیامت تک تو قائم نہیں رہے گی تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے شائد اس ساعت سے مراد موت کی ساعت ہے کیونکہ جو آدمی فوت ہو گیا، اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے بدو لوگ حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے اور قیامت کے بارے میں سوال کرتے۔ آپ ان میں سے سب سے چھوٹے کو دیکھتے، فرماتے اگر یہ زندہ رہا تو اس کا بڑھاپا آنے سے پہلے تم پر قیامت قائم ہو جائے گی اور اگر اس سے قیامت ہی مراد ہے تو موت قیامت کا مقدمہ ہے۔ گویا یہی قیامت ہے یا ساعت کو موت کا زمانہ بنا دیا گیا کیونکہ اس کے بعد قیامت جلد آ جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ کہنا ممکن ہے کہ موت خسران کی غایت ہے کیونکہ خسران کا مطلب اصل مال کا ہلاک ہو جانا ہے اور موت کے وقت راس المال ہلاک ہو جاتا ہے کیونکہ ان کا راس المال یہ زندگی ہی ہے۔ بس ان کے خسران کا زمانہ ختم ہو گیا، اس کے بعد افلاس کا زمانہ ہے۔ بَغْتَةً حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا یہ مفعول مطلق ہے کیونکہ یہ بھی آنے کی ایک قسم ہے۔

۲؎ یہ اذا کا جواب ہے جو نداء کی صورت میں ذکر کیا گیا اور فِيْهَا میں ھا ضمیر دنیاوی زندگی کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ حیات دنیا کا ذکر نہیں پھر بھی ضمیر ذکر کر دی کیونکہ ہر کسی کو اس کا علم ہے یا یہ ضمیر ساعت کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی ہم نے ساعت کے بارے میں اور اس پر ایمان لانے کے بارے میں کوتاہی کی۔

۳؎ اَوْزَارَ سے مراد قبیح اعمال ہیں، یعنی جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو وہ یہ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ابن ابی حاتم نے عمرو بن قیس ملائی سے نقل کیا ہے کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل خوبصورت اور بہترین خوشبو کی صورت میں اس کا استقبال کرے گا مومن سے پوچھے گا کہ تو نے مجھے پہچان لیا ہے، مومن کہے گا میں نے نہیں پہچانا مگر اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بہترین خوشبو اور شکل عطا کی ہے۔ وہ کہے گا تو بھی دنیا میں اس طرح تھا، میں تیرا نیک عمل ہوں، دنیا میں طویل عرصہ تک میں تجھ پر سواری کرتا رہا، آج تو مجھ پر سوار ہو جا پھر یہ آیت تلاوت کی يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کافر کو اس کا عمل قبیح ترین صورت اور سخت بدبو کے ساتھ استقبال کرے گا اور کافر سے پوچھے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا، کافر کہے گا میں تجھے نہیں پہچانتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بدصورت اور بدبودار بنایا ہے تو وہ کافر کو کہے گا تو بھی دنیا میں ایسا ہی تھا، میں تیرا برا عمل ہوں، دنیا میں طویل عرصہ تک تو مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سواری کروں گا پھر یہ آیت تلاوت کی وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ (1) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، آپ نے خیانت کی قباحتوں کو بیان فرمایا پھر فرمایا میں تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ تم میں کوئی قیامت کے روز آئے اور اس کی گردن پر بلبلاتا اونٹ ہو وہ کہے یا رسول اللہ میری مدد کیجئے تو میں کہوں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کر سکتا، میں نے دنیا میں تمہیں بتا دیا تھا۔ اس حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کی گردن پر ہنہناتا ہوا گھوڑا ہو، اس کی گردن پر منمناتی ہوئی بکری ہو متفق علیہ (2)

ابو یعلیٰ اور بزار نے حضرت عمر بن خطاب سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس نے ضرورت سے زیادہ مکان بنایا تو اسے قیامت کے روز گردن پر اٹھانے کا حکم دیا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت عائشہ سے

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 17 (العلمیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 122 (قدیمی) ملخصاً

مرفوع حدیث مروی ہے۔جس نے بالشت بھر کسی کی زمین ظلماً غصب کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سات زمینیں طوق کی صورت میں اس کی گردن میں ڈالے گا(1) اس باب میں طبرانی کے ہاں حضرت حکم بن حارث اور حضرت انس سے روایت مروی ہے۔ طبرانی اور احمد کے نزدیک یعلی بن عروہ ابو مالک اشعری سے روایت مروی ہے۔

؎ جو وہ بوجھ اٹھاتے ہیں کتنی ہی بری چیز ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور بے شک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔؎"

؎ یہ ان اس قول کا جواب ہے اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا۔ لعب ایسے فعل کو کہتے ہیں جس کی کوئی صحیح غرض نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر منفعت مرتب ہوتی ہے۔ لَهْوًا ایسا عمل ہوتا ہے جو با مقصد کاموں سے انسان کو غافل کر دے، یعنی ایسے اعمال جن کا مقصود دنیاوی زندگی اور اس کی ذات ہوتی ہیں، ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی وہ سب باطل ہیں، وہ قابل قدر نفع عطا نہیں کرتے کیونکہ ان کا نفع جلد زائل ہو جاتا ہے گویا ان کے اندر مطلقاً نفع نہیں ہوتا پس یہ افعال انہیں ایسے افعال سے غافل رکھتے ہیں جو اسے دنیاوی زندگی میں فائدہ دے سکتے تھے۔

ابن عامر نے الدار الآخرۃ کو مضاف مضاف الیہ کی صورت میں پڑھا ہے اس کی تاویل یہ ہوگی لَدَارُ السَّاعَةِ الْاٰخِرَةِ یعنی الساعۃ کا لفظ محذوف ہے اس طرح صلوٰۃ الوسطیٰ اور مسجد الجامع ہے جبکہ باقی قراء نے اسے موصوف صفت کی صورت میں پڑھا ہے۔

دار آخرت ان لوگوں کے لئے جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں ان کے لئے بہترین ٹھکانہ ہے کیونکہ دار آخرت ہمیشہ رہنے والا ہے، اس کے منافع اور لذات خالص ہیں۔ دار آخرت کے بہترین ہونے کو متقین کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ وہ مشرکین کے لئے تکلیف کا باعث ہے کیونکہ انہیں تو عذاب دیا جائے گا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ متقین کے اعمال کے علاوہ سب لہو ولعب ہے کیونکہ متقین کے اعمال دنیا کے اعمال کے مقابل ہیں۔ نافع، ابن عامر اور حفص نے تَعْقِلُوْنَ کو خطاب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ دنیا و آخرت میں سے کون سا عمل بہترین ہے کیونکہ بہترین عمل تو وہ ہوگا جس کی منفعت قوی، خالص اور ابدی ہوگی، جبکہ دنیا کی زندگی کمزور، کئی مضرات کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور اس کا زوال بدیہی ہے۔ امام ترمذی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کی تکذیب کرتے ہیں جو آپ پیغام لائے ہیں(2) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

"(اے حبیب!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں؎"

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 33 (قدیمی) الفاظ مختلف ہیں۔ 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 32 (وزارت تعلیم)

1؎ امام بیضاوی نے فرمایا یہاں قَدْ فعل کی زیادتی کے لئے ہے جس طرح اس قول میں ہے لکنہ قد یھلک المال نائلہ انّہٗ کی ضمیر ضمیر شان ہے۔ سدی نے کہا کہ اخنس بن شریق ابوجہل بن ہشام سے ملا اخنس نے ابوجہل سے کہا اے ابوالحکم مجھے محمد بن عبداللہ کے بارے میں بتاؤ کیا وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے؟ کیونکہ یہاں میرے سوا تیری کوئی گفتگو سننے والا نہیں۔ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم حضرت محمد ﷺ سچے ہیں، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن جب بنو قصی لواء، (علم) پانی پلانا، بیت اللہ کا حاجب ہونا ندوہ اور نبوت بھی لے جائیں تو باقی قریش کے لئے کیا بچا (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ نافع اور کسائی نے باب افعال سے تخفیف کے ساتھ یکذِبُوْنَکَ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں کی۔ ناجیہ بن کعب نے کہا ابوجہل نے حضور ﷺ سے کہا ہم نہ آپ پر تہمت لگاتے ہیں اور نہ ہی آپ کو جھٹلاتے ہیں بلکہ ہم اسے جھٹلاتے ہیں جو پیغام آپ ہمارے پاس لائے ہیں (2) یہاں ظالمین کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے تا کہ اس بات پر دلالت ہو کہ انہوں نے آیات کا انکار کر کے ظلم کیا یا ظلم کی مشق کر کے انکار کیا۔ باء صلہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ مجرد تکذیب کا معنی اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے یعنی ان کا آپ کو جھٹلانا اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے کی طرف لوٹ رہا ہے کیونکہ وہ آپ کو رسول کی حیثیت سے جھٹلا رہے تھے رسول کی رسول کی حیثیت سے تکذیب بھیجنے والے کو جھٹلانا ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

"اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آ پہنچی انہیں ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں۔ 1؎"

1؎ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے، یعنی ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی جس طرح آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ ان کا قول لَا يُكَذِّبُوْنَكَ اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ ان کی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے اذیت دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی (3) تو انبیاء و رسل نے اس تکذیب اور اذیت پر صبر کیا۔ یہاں نصر کو صبر کی غایت بنایا ہے، یعنی تو بھی اس طرح صبر کر جس طرح انہوں نے صبر کیا، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء سے جو مدد کا وعدہ کیا ہے اس کو بدلنے والا کوئی نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿ۖ﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿ۖ﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ایک اور جگہ فرمایا اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ایک اور جگہ فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، یعنی جب مدد کا وقت نہیں آیا تو مضطرب ہونے کا کیا فائدہ بلکہ صبر کرنا ضروری ہے۔ جب مدد کا وقت آ جائے گا تو اسے کوئی رد نہیں کر سکتا مِنْ نَّبَاِی میں مِنْ زائدہ ہے۔ یہ اخفش کا نقطہ نظر ہے، جبکہ سیبویہ کے نزدیک یہ بعضیہ ہے کیونکہ مثبت کلام میں مِنْ زائدہ لانا جائز نہیں، یعنی آپ کے پاس رسولوں کی خبر پہنچ چکی ہے جو آپ کی تسلی کے لئے کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ حد درجہ اس امر سے محبت رکھتے تھے کہ آپ کی قوم ایمان لے آئے۔ ایمان سے ان کا اعراض کرنا آپ پر شاق گزرتا تھا۔ جب بھی وہ کوئی معجزہ طلب کرتے تو آپ اسے پسند کرتے کہ انہیں معجزہ دکھا دیں تا کہ وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 107 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 226 (وزارت تعلیم)

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾

"اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے) روگردانی کرنا تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کر لو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے) اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔[1]"

[1] کَبُرَ کا معنی شق ہے یعنی جو پیغام آپ لائے ہیں اس سے ان کا اعراض کرنا آپ پر شاق ہے۔ اگر آپ کے لئے زمین میں سوراخ کرنا ممکن ہوتا یا آسمان تک جانے کی کوئی اور سیڑھی ہوتی تو آپ ضرور ان کے لئے معجزہ لے آتے جو بھی وہ معجزہ طلب کرتے فِي الْأَرْضِ یہ نَفَقًا کی صفت ہے، یعنی آپ ایسا سوراخ چاہتے ہیں جو زمین کی تہہ تک جاتا ہو۔ سُلَّمًا کا معنی سیڑھی ہے۔ فِي السَّمَاءِ یہ سُلَّمًا کی صفت ہے۔ شرط ثانی کا جواب محذوف ہے جو فا فعل ہے اور یہ جملہ پہلی شرط کا جواب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ معجزہ لانے پر قادر نہیں اس لئے آپ اپنے آپ کو نہ تھکائیے۔ اگر چہ ان کا اعراض کرنا آپ پر شاق گزرتا ہے بلکہ آپ صبر کریں اگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہدایت دینا چاہی تو سب کو ہدایت دے دے گا کیونکہ بندوں کی مشیت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اس نے کسی حکمت کی وجہ سے یہ نہیں چاہا، جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انہیں ہدایت دینا آپ کے قبضہ میں نہیں اس لئے اپنے آپ کو نہ تھکائیے بلکہ صبر کیجئے کیونکہ بے فائدہ کاموں میں اپنے آپ کو تھکانا اور صبر کے مواقع پر جزع وفزع کرنا جاہلوں کا طریقہ ہے یا اس کا معنی ہے ان کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، آپ کی مشیت سے نہیں۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾

"صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ (دلوں) کو اٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔[1]"

[1] آپ کی امت میں سے جو آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ یہ علم پیدا کرتا ہے کہ سنی جانے والی چیز حق ہے سمع کا لفظ ذکر کیا اور مراد علم لیا جو سننے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس طرح ہے جس طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب بیان ہے مَوْتَىٰ سے مراد کافر ہے، اللہ تعالیٰ نے کافر کو موتی سے اس لئے تعبیر کیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حق کے حق ہونے اور باطل کے باطل ہونے کا علم پیدا نہیں فرماتا، وہ کانوں اور آنکھوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے پس وہ مردوں کی طرح ہیں۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں اٹھائے گا پھر اسی کی طرف انہیں لوٹایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے کفر اور اس سے قبل حق نہ دیکھنے اور نہ سننے پر تمہیں جزا دے گا یا اس کا معنی یہ ہے مَوْتَىٰ سے مراد مومن اور کافر دونوں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھائے گا، دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَّ

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

''اور بولے کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے آپ فرمایئے بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ اتارے کوئی نشانی لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے۔[1]''

[1] قریش کے سردار کہتے وہ معجزہ ظاہر کیوں نہیں ہوا جس کا ہم نے مطالبہ کیا یا نازل ہونے والی ان کثیر آیات کے علاوہ کوئی اور معجزہ کیوں نہیں اترا۔ وہ یہ بات اس لئے کرتے کہ وہ ان نازل شدہ آیات کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے، واضح فرمایا جس معجزے کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بھی نازل کر سکتا ہے یا وہ ایسا معجزہ بھی نازل کر سکتا ہے جو انہیں ایمان کی طرف مجبور کر دے، جس طرح پہاڑ پھاڑ دینا یا وہ ایسا معجزہ بھی نازل کر سکتا ہے کہ اگر اس کے بعد انہوں نے انکار کیا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا معجزہ نازل کرنے پر قادر ہے یا اس معجزہ کے نازل ہونے کے بعد جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا جو انکار کرے اس پر عذاب نازل کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے۔[1]''

[1] دَآبَّةٍ سے مراد وہ جاندار جو زمین پر رینگ کر چلتا ہے، پرندہ جو اپنے دونوں پروں سے ہوا میں اڑتا ہے بِجَنَاحَيْهِ کو صراحۃً ذکر کرنا تاکید کے لئے ہے یا تیزی سے گزرنے کے لئے بھی۔ کبھی يَطِيْرُ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے بِجَنَاحَيْهِ کا لفظ ذکر کیا۔ یہ سب چیزیں پیدائش، موت، دوبارہ اٹھائے جانے، غذا، رزق کی تلاش، صحت مند رہنے اور بیماری لاحق ہونے کے اعتبار سے تمہاری طرح ہیں۔ تمہیں ان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اگر فضیلت حاصل ہے تو محض اللہ تعالیٰ کی معرفت سے حاصل ہے۔

اَلْكِتٰبِ سے مراد لوح محفوظ ہے مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے۔ شیء مفعول مطلق کے محل میں ہے۔ یہ مفعول بہ نہیں ہے کیونکہ فرط بذات خود مفعول بہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر ظاہر اور مخفی چیز کو شامل ہوتا ہے لوح محفوظ میں حیوان اور جماد کا معاملہ بھی نہیں چھوڑا گیا یا کتاب سے مراد قرآن ہے کیونکہ دینی امور میں سے جس کی بھی ضرورت ہے اسے اس میں جمع کر دیا گیا۔ کبھی تفصیل کے ساتھ اور کبھی اجمال کے ساتھ۔

يُحْشَرُوْنَ میں جمع مذکر کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ اس میں تمام جماعتیں شامل ہیں جنہیں تشبیہ دی گئی یا جن کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ اس لئے واؤ کے ساتھ جمع کا صیغہ لانا درست ہے حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا حشر کا معنی موت ہے (ا) ابن جریر ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوق کو اٹھایا جائے گا، وہ چوپائے ہوں گے، زمین پر رینگنے والے جانور ہوں گے، پرندے ہوں گے اور ہر چیز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا بدل اس حد تک پہنچے گا کہ وہ سینگ والے جانور سے بے سینگے جانور کا بدلہ لے گا پھر فرمائے گا سب خاک ہو جاؤ۔ اسی موقع پر کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔ امام بغوی نے آپ سے ہی روایت کیا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 109 (تجاریہ)

ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ہر کسی کو اس کا حق دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگی بکری کا قصاص لیا جائے گا(1) طبرانی نے اوسط میں انہیں سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز سب سے پہلے جس مسئلے کا فیصلہ کیا جائیگا وہ دو دنبوں کا ہوگا، ایک سینگوں والا اور دوسرے کے سینگ نہیں تھے۔ اسی طرح ابوذر سے امام احمد، بزار اور طبرانی کے ہاں روایات میں حاکم نے ابن عمر سے روایت کیا؟

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات اور قدرت کے آثار کو ذکر کیا جو اس کی عظمت اس کے علم کے عموم اور بعث و جزاء پر قادر ہونے پر دلالت کرتی ہے تو اس کے بعد اس آیت کا ذکر فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾

"اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وہ) بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں (سرگرداں ہیں) جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اُسے اور جسے چاہے لگادے اسے سیدھے راستہ پر۔"

صُمٌّ یعنی وہ اس قسم کی متنبہ کرنے والی آیات کو نہیں سنتے۔ یہ اسم موصول کی خبر ہے۔ بُكْمٌ یعنی حق بات نہیں کرتے، اس کا عطف صُمٌّ پر ہے۔ فِي الظُّلُمٰتِ خبر کے بعد خبر ہے۔ ظلمات سے مراد کفر، جہالت، دشمنی اور آباؤ اجداد کی تقلید کی ظلمتیں ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ خبر میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس سے یہ حال ہو۔ پھر یہ واضح فرمایا کہ آیات سے ہدایت پانا یا نہ پانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں گمراہی چاہتا ہے اسے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کے حق میں ہدایت چاہتا ہے اسے صراط مستقیم پر لگا دیتا ہے۔ یہ صراط مستقیم انسان کو حق تک لے جانے والا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾

"آپ فرمایئے بھلا بتاؤ تو اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔"

اے محمد ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیں۔ نافع نے اَرَاَيْتَكُمْ، اَرَاَيْتُمْ، اَفَرَاَيْتَ اور اس کی مثل الفاظ جن میں راء سے پہلے ہمزہ ہو تو اس ہمزہ اور راء کے بعد والے ہمزہ کو تسہیل (۱) کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ کسائی اسے مطلقاً گرا دیتا ہے، جبکہ حمزہ وقف میں نافع کی موافقت کرتا ہے، جبکہ باقی قراء دونوں حالتوں میں ثابت رکھتے ہیں۔ اس میں ہمزہ تعجب کے لئے ہے کاف حرف خطاب ہے جس کے ساتھ ضمیر مرفوع کی تاکید لگائی گئی اس بناء پر کہ جمع مفرد کو شامل ہوتا ہے، اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں، اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں، تقدیر کلام یہ ہے اَرَاَيْتَكُمْ اٰلِهَتَكُمْ تَنْفَعُكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ دونوں مفعولوں کے حذف پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا تم دیکھتے ہو کہ جب تم بتوں کو پکارتے ہو تو وہ تمہیں نفع دیتے ہیں یا یہ فعل معنی میں غیر اللہ کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 109 (تجاریہ)

(۱) جب ہمزہ کو ہمزہ اور اس کی یا ماقبل حرف کی حرکت کے موافق حرف علت کے درمیان پڑھا جائے۔

کے علاوہ جن کی تم پوجا کرتے ہو لیکن یہ فعل معلق ہے کیونکہ جب افعال قلوب اور مفعولوں کے درمیان حرف استفہام آجائے تو وہ معلق ہوتے ہیں، جس کی وضاحت اپنی جگہ موجود ہے۔ امام بیضاوی نے فرمایا اس میں استفہام تعجب کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ جب انہوں نے ایسے آدمی جیسا معاملہ کیا جس کے بارے میں معلوم ہے جو شدید مصیبت میں غیر اللہ کو پکارتا ہے تو انہیں بھی اس کے قائم مقام رکھا اور اس کے علم پر تعجب کا اظہار کیا۔ فراء نے کہا عرب کہتے ہیں اَرَاَیْتَکَ اور اس سے مراد لیتے ہیں ہمیں بتاؤ تو سہی۔ محقق تفتازانی نے کہا استفہام کو علم کی جگہ رکھا یا آنکھ سے دیکھنے کو استخبار کی جگہ رکھا کیونکہ آنکھ سے دیکھنا علم کا سبب ہے اور علم خبر دینے کا سبب ہے، پس سبب کو مسبب کی جگہ رکھا۔

اگر دنیا میں ہی تمہیں عذاب آلے جس طرح سابقہ امتوں کو عذاب آیا یا قیامت اپنی ہولناکیوں کے ساتھ آپہنچے تو کیا عذاب دور کرنے کے لئے غیر اللہ کو پکارو گے؟ اس صورت میں استفہام انکاری ہوگا، اس میں انہیں لا جواب کرنا مقصود ہے۔

اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ بت بھی معبود ہیں اس لئے تم انہیں پکارو حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

”بلکہ اسی کو پکارو گے تو دور کر دے گا وہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لئے اگر وہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انہیں جنہیں تم نے شریک بنا رکھا تھا۔[1]“

[1] اِیَّاهُ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حصر کے لئے مفعول بہ کو مقدم کیا، یعنی تم مصائب میں تو صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو، کسی اور کو یاد نہیں کرتے تو وہی تمہاری ان مصیبتوں کو دور فرماتا ہے جس کے لئے تم اس کی بارگاہ اقدس میں التجائیں کرتے ہو۔ یہ معاملہ دنیا میں ہوگا وہ بھی جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ آخرت میں نہیں ہوگا اور اس مصیبت کے وقت میں تم انہیں بھول جاتے ہو جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو کیونکہ تمہارے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ اس مصیبت کو رفع کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور اس تکلیف کو دور نہیں کر سکتا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

”اور بے شک بھیجے ہم نے رسول امتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب انہوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انہیں تنگی اور تکلیف سے تاکہ وہ گڑگڑائیں۔“

اس میں مِنْ زائدہ ہے فَکَذَّبُوْهُمْ محذوف ہے، یعنی لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔ باساء کا معنی شدت اور فقر ہے۔ ضراء کا معنی مرض اور آفات ہیں۔ یَتَضَرَّعُوْنَ کا معنی خشوع اور عاجزی کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ تضرع کا معنی عاجزی سے سوال کرنا ہے۔

فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

"تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو وہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہو گئے ان کے دل اور آراستہ کر دیا ان کے لئے شیطان نے جو وہ کیا کرتے تھے۔"

یعنی جب ہماری پکڑ آئی تو انہوں نے آہ وزاری کیوں نہیں کی، انہیں شرمندہ کرنے کے لئے یہاں کلام کو تضرع کی نفی (لم) سے صیغہ (لولا) کی طرف پھیرا گیا تا کہ اس بات کا فائدہ دے کہ ان کی طرف سے تضرع نہ کرنا کسی عذر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ تضرع کے اسباب ہوتے ہوئے بھی انہوں نے توبہ نہ کی، وہ ان کے دل کا سخت ہونا ہے۔ اسی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا ہو کر بھی خبردار نہ ہوئے اور شیطان کے مزین کرنے سے وہ اپنے برے اعمال کو بھی اچھا خیال کرتے رہے یہاں لٰكِنْ استدراکیہ ہے اور اس سبب کی وضاحت ہے کہ جس نے انہیں عاجزی کے ساتھ توبہ کرنے سے روکا، وہ ان کے دل کی سختی اور شیطان کی طرف سے اعمال مزین کرنے کی وجہ سے اپنے اعمال پر خوش ہونا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝

"پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک تب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔"

جو انہیں نصیحت کی گئی اور انہیں حکم دیا گیا اس کو انہوں نے جب چھوڑ دیا اور اس سختی اور شدت سے بھی وہ متنبہ نہ ہوئے اور نہ گڑگڑائے تو ہم نے بطور استدراج اور خفیہ تدبیر ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ ابن عامر نے یہاں سورۂ اعراف، سورۂ قمر اور سورۂ انبیاء میں فتحت کو تاء مشدد کے ساتھ باب تفعیل سے پڑھا ہے، مراد کثرت کا اظہار ہے۔ ابو جعفر نے پورے قرآن میں اسے مشدد پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر سے ایک مرفوع روایت مروی ہے جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے دنیا میں ہر چیز دی جا رہی ہے، جبکہ وہ اپنے گناہوں پر قائم ہے تو یہ اس کے ساتھ استدراج (ڈھیل) ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا[1] فرح کا معنی بطر ہے، یعنی وہ ان نعمتوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے جس طرح تنگدستی کے دور میں انہوں نے آہ وزاری نہ کی تھی۔ اس لئے خوش حالی اور تنگ دستی دونوں صورتوں میں ان کے خلاف دلیل قائم ہو گئی اور ان کے لئے معذرت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا جو ان کے لئے بڑے تعجب کا باعث تھا کیونکہ پہلے دنیا ان کے تصرف میں تھی، اس لئے وہ ہر خیر سے مایوس ہو گئے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

"تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا۔ لہ"

لہ قاموس میں دابر کا معنی تابع اور ہر چیز کا آخر ہے، اس طرح کسی چیز کا اصل۔ اس کا معنی یہ ہو گا کہ ان سب کو ہلاک کر دیا گیا، ان میں سے کوئی چیز باقی نہ بچی کہ ان میں ولادت کا سلسلہ جاری ہوتا، اس وجہ سے ان کی نسل ختم ہو گئی۔ اب دابر کے ختم کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کے اصول کو ختم کر دیا جائے یا پیروکاروں اور فروع کو ختم کر دیا جائے۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا جائے تا کہ اس

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 22 (العلمیہ)

چیز پر دلالت کرے کہ ان کی ہلاکت ان کے ظلم کی وجہ سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی ہلاکت پر خود اپنی حمد بیان فرمائی کیونکہ یہ اس اعتبار سے بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ مومنوں سے شر کو دور کر دیا اور زمین کو ایسے عقائد اور اعمال فاسدہ سے پاک کر دیا جو عذاب کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی صفت رب العالمین ذکر کی ہے کیونکہ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ ظالموں کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس میں یہ خبر بھی دی جارہی ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کرے، اس کے ہلاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد واجب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور توحید پر اس آیت سے دلیل قائم کی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝

"آپ فرمایئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر تو کوئی خدا ہے اللہ کے سوا جو لا دے تمہیں یہ چیزیں ملاحظہ ہو کن کن رنگ سے ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ لے"

لے قُلْ میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور اَرَءَيْتُمْ میں خطاب مشرکین کو ہے۔ قوت سماعت اور قوت بصارت چھین لینے سے مراد بہرہ اور اندھا کرنا اور دلوں پر مہر لگانے سے مراد دلوں کو ایسی چیز سے ڈھانپ لینا جس سے تمہاری عقلیں زائل ہو جائیں۔ جواب شرط محذوف ہے، جس پر من الہ غیر اللہ کا قول دلالت کرتا ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ تم سے یہ چیزیں سلب کر لے تو کوئی اور تمہیں واپس نہیں کر سکتا۔ یہ جملہ شرطیہ اَرَءَيْتُمْ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور استفہام تقریری ہے، یعنی تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے وہ صلاحیتیں لے لے تو کوئی بھی تمہیں ایسی چیز نہیں دے سکتا۔

قاموس میں ہے صرف آیات سے مراد اس کی وضاحت ہے۔ امام بغوی نے اسی طرح کہا ہے، یعنی ہم ایسی علامات واضح کرتے ہیں جو توحید پر دلالت کرتی ہیں(1) امام بیضاوی نے کہا اس کا معنی یہ ہے ہم آیات کو بار بار لاتے ہیں کبھی عقلی مقدمات کی صورت میں کبھی ترغیب و ترہیب کی صورت میں، کبھی تنبیہ کی صورت میں اور کبھی متقدمین کے احوال ذکر کر کے(2) پھر بھی وہ لوگ ان آیات سے اعراض کرتے ہیں۔ ثم کا لفظ اس لئے ذکر کیا گیا کیونکہ آیات کی وضاحت اور ان کے ظاہر ہونے کے بعد ان کا اعراض کرنا دوری کے اظہار کے لئے ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"آپ فرمایئے یہ تو بتاؤ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا تو کون ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے۔ لے"

لے بَغْتَةً اور جَهْرَةً مفعول مطلق کی حیثیت سے یا حال کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ مفعول مطلق کی صورت میں معنی یہ ہوگا وہ عذاب اچانک آ جائے اور اس کے آنے کی نشانیاں نہ ہوں یا آئے تو اس کی نشانیاں ظاہر و باہر ہوں۔ حال کی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا اس کا عذاب تمہیں آ لے اس حال میں کہ وہ اچانک آئے۔ یا اعلانیہ آئے حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری نے کہا ان کا معنی رات اور دن ہے(3) هَلْ يُهْلَكُ میں استفہام انکاری ہے۔ اس کا معنی نفی ہے، اسی وجہ سے اسے استثناء مفرغ کہنا درست ہے تقدیر کلام یہ ہوگی مَا يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ظالم اسی لئے ہیں کیونکہ انہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 111 (تجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 175 (فراس) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 1، صفحہ 111 (تجاریہ)

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾

"اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری سنانے کے لئے اور (عذاب جہنم سے) ڈرانے کے لئے تو جو ایمان لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہوگا انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے [1]"

[1] وہ جنت کی بشارت دیتے ہیں اور کافروں کو جہنم سے ڈراتے ہیں، یعنی ہم انہیں اس بات پر قدرت دے کر نہیں بھیجتے کہ وہ اپنی طرف سے آیات پیش کریں اور اسے ہدایت دیں جس کو ہدایت دینے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہ فرمایا ہو اور نہ ہی ایسے احوال پر قادر بنایا جو کفار ان سے توقع رکھتے ہیں بلکہ وہ تو بشارت دینے والے، ڈرانے والے ہیں پس جو آدمی اس پیغام حق پر ایمان لایا جو رسول لائے اور اپنے عمل کی اصلاح کی جنت کی امید میں اور آگ سے ڈرتے ہوئے تو انہیں نہ عذاب کا خوف ہوگا اور نہ ہی ثواب کے فوت ہونے کا غم ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾

"اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انہیں عذاب بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے [1]"

[1] وہ آیات جو بشارت دینے والی تھیں یا ڈرانے والی تھیں تو عذاب کو ان کے ساتھ مس کرنے والا بنا دیا گویا اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔ انہیں یہ سزا اس لئے دی گئی کہ وہ ایمان اور اطاعت سے نکل گئے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾

"آپ فرمائیے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے میری طرف آپ فرمائیے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ [1]"

[1] خزائن سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت جو چیزیں ہیں یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے ہیں۔ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا عطف عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ پر ہے، اس میں لا زائدہ ہے معنی یہ ہوگا میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں اس وقت بھی غائب جانتا ہوں جب میری طرف وحی نہ کی گئی ہو اور نہ ہی میرا یہ دعوی ہے کہ میں فرشتوں میں سے ہوں کہ کھانا پینا اور نکاح کرنا میرے دعوی کے خلاف ہو یعنی میں تمہیں کوئی ایسی چیز نہیں کہتا جس کا انکار عقلاً ثابت ہوتا ہو یا آیات کو اپنی طرف سے پیش کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ میں علوم کی تعلیم اور احکام کی تبلیغ میں وحی الٰہی کی اتباع کرتا ہوں، میں نبوت کا دعوی کرتا ہوں، میں بھی اسی چیز کو پیش کرتا ہوں جو سابقہ انبیاء پیش کرتے رہے، اس میں کوئی محال چیز نہیں بلکہ یہ عقلی طور پر جائز ہے اور ثابت شدہ ہے۔ گزشتہ انبیاء سے اس کے متعلق خبریں تواتر سے ثابت ہیں، اس میں کفار کا رد ہے جو وہ یہ خیال کرتے تھے کہ حضور ﷺ کا دعوی حقیقت کے خلاف ہے اور وہ آپ کے دعوی کے فاسد ہونے کا یقین رکھتے تھے۔

امام بغوی نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے معجزات کا مطالبہ کیا، یعنی آپ انہیں کہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ میں تمہارے مطالبے پر صفا کو سونا بنادوں اور تمہیں وہ عطا کردوں جو تم چاہو اور نہ ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں کہ میں تمہیں زمانہ گزشتہ میں ہونے والے واقعات اور آنے والے زمانہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی خبر بغیر وحی کے بتاؤں اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، اس لئے مجھے کھانے پینے اور نکاح کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اے محمد ﷺ کیا ایسا شخص جو حق و باطل میں امتیاز نہیں کرسکتا، جس کی وجہ سے وہ ایسی چیز کا انکار کرتا ہے جس کا انکار جائز نہیں اور اس چیز کی تصدیق کرتا ہے جس کی تصدیق جائز نہیں، وہ اس آدمی کے ہم پلہ ہوسکتا ہے جو حق و باطل میں امتیاز کرسکتا ہے۔ اسی لئے وہ معجزات اور آیات کے مشاہدہ کے بعد ایسے شخص کی تصدیق کرتا ہے جو نبوت کا دعوی کرے اور جو یہ دعوی کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے، پتھروں کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہوں گے، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتا ہے اور سائبہ کو بغیر دلیل کے حرام قرار دیتا ہے۔ کیا تم اتنی سمجھ بوجھ بھی نہیں رکھتے کہ تم حق و باطل اور جس کی تصدیق واجب ہے اور جس کے بارے میں قول کرنا جائز نہیں ان میں فرق کرسکو۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝۵۱

"اور ڈرائیے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اٹھایا جائے گا انہیں ان کے رب کی طرف اس حالت میں کہ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی (انہیں ڈرائیے) تاکہ یہ (کامل) پرہیزگار ہوجائیں۔[1]"

[1] اسی وحی کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے سے ڈرتے ہیں۔ امام بیضاوی نے فرمایا اسم موصول سے مراد ایسے مومن ہیں جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حشر کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ مومن ہیں یا کافر اہل کتاب میں سے جو اس کا اقرار کرتے ہیں یا اس بارے میں متردد ہیں کیونکہ ڈرانا ان لوگوں کو ہی فائدہ دیتا ہے، نہ کہ ان لوگوں کو جو اس سے خالی ذہن ہیں اور اس کے محال ہونے کا یقین رکھتے ہیں (1) امام بیضاوی کو اس تعبیر پر جس چیز نے برانگیختہ کیا وہ یہ ہے کہ الذین کا صلہ یخافون ہے، جبکہ یہ درست نہیں کیونکہ ڈرانے کا امر صرف انہیں کے ساتھ خاص نہیں جن کا امام بیضاوی نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ آپ یہ کہیں نیز اس انذار کو کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ خاص کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ جو اعمال حسنہ میں حد درجہ کوشش کرتے ہیں انہیں بھی ڈرانا نفع دیتا ہے تاکہ وہ محنت کرنا چھوڑ نہ دیں۔ یہ معنی کیسے نہ کیا جائے کیونکہ قرن اولی میں کوئی کوتاہی کرنے والا نہ تھا، سب حد درجہ کوشش کرنے والے تھے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ کیا جائے کہ جس کو ڈرنا چاہئے اس چیز سے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں پیش کیا جائے گا تو پھر یہ تمام لوگوں کو عام ہوگا کیونکہ مغلوب بندہ کے لئے یہی زیبا ہے کہ وہ خالق قہار سے ڈرے یا یہ تعبیر کی جائے گی ڈرنے والوں کو اس لئے خصوصاً ذکر کیا کیونکہ انذار سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ یہ جملہ یُحْشَرُوْۤا کی ضمیر سے حال ہے، یعنی انہیں اٹھایا جائے گا اس حال میں کہ ان کی مدد

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 176 (دارافراس)

نہ کی جائے گی اور نہ ہی ان کی شفاعت کی جائے گی۔ میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ اس جملہ کا مضمون بہ کی ضمیر مجرور سے بدل ہو یعنی انہیں اس چیز سے ڈرایئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا کوئی ولی اور شفیع نہیں ہوگا اس لئے اس کے سوا نہ وہ کسی کی عبادت کریں اور نہ ہی وہ اسے پکاریں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ آیت تو اولیاء اور انبیاء کی شفاعت کی نفی کرتی ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ انبیاء اور اولیاء کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور اسی کی شفاعت ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یہ لِکَیْ یَتَّقُوْنَ کے معنی میں ہے تا کہ وہ ڈریں۔

امام احمد، طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ قریش کے سردار حضرت محمد ﷺ کے پاس سے گزرے، جبکہ آپ کے پاس حضرات خباب، صہیب، بلال اور عمار بیٹھے ہوئے تھے۔ رؤساء نے کہا اے محمد ﷺ آپ ان لوگوں سے خوش ہیں کیا ہماری بجائے اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے اگر آپ انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دیں تو ہم آپ کی اتباع کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔(1)

ابن حبان اور حاکم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا یہ آیت ہم چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں، عبد اللہ بن مسعود اور چار افراد تھے۔ قریش کے کفار نے رسول اللہ ﷺ سے کہا انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دو کیونکہ ہم پسند نہیں کرتے کہ ان لوگوں کی طرح ہم آپ کے تبع بنیں تو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں وہ واقع ہوا جو اللہ نے چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہم چھ افراد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے مشرکین نے کہا انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دیں، کہیں یہ ہمارے اوپر جری نہ ہو جائیں فرمایا وہ یہ تھے میں، عبد اللہ بن مسعود، ہذیل کا ایک آدمی، بلال، دو اور آدمی تھے جن کا نام میں بھول گیا ہوں تو ان کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہ خیال گزرا جو اللہ نے چاہا(2) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

"اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طلب گار ہیں (فقط) اس کی رضا کے نہیں ہے آپ پر ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے تو پھر بھی اگر آپ دور ہٹائیں انہیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے"

یَدْعُوْنَ کا معنی عبادت کرتے ہیں اور اس کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ کریم کی عبادت اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے انعام کو دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے مراد دعا ہے ابن عامر نے یہاں اور سورۂ کہف میں غداوۃ کو غدوۃ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے متن کے موافق قرات کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے غداوۃ اور عشی سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہے۔ آپ سے یہ بھی روایت کیا گیا کہ ان

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 420 (صادر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 281 (قدیمی)

دونوں سے مراد پانچوں نمازیں ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فقراء کی ایک جماعت حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو اشراف میں سے کچھ لوگوں نے کہا جب ہم نماز پڑھیں تو انہیں پیچھے کر دیں تا کہ یہ ہمارے پیچھے نماز ادا کریں(1) تو یہ آیت نازل ہوئی یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ یہ یَدْعُوْنَ کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ بڑے اخلاص کے ساتھ عبادت کرتے ہیں کیونکہ اخلاص میں اس امر کی روح ہے۔ جس پر نہی کو مرتب کیا، یہ شعور دلانے کے لئے کہ یہ تو ان کی تعظیم کا تقاضا کرتا ہے اور انہیں دور رکھنے کے منافی ہے۔

مِنْ شَیْءٍ میں مِن زائدہ ہے اور شیء ما کا اسم ہے اور عَلَیْهِمْ اس کی خبر ہے من حسابک اور من حسابھم یہ ظرف سے حال ہے، یعنی کسی کو مجلس سے اٹھانا اور اس کے ساتھ نہ بیٹھنا اس وقت جائز بلکہ واجب ہوتا ہے جب مجلس ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے۔ جب مجلس نقصان دہ نہ ہو تو یہ جائز نہیں یا معنی اس کا یہ ہے ان کا حساب تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ تمہیں نفع دے گا کیونکہ وہ اچھے اعمال کرتے ہیں اور امت کی نیکیوں کا ثواب نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹتا ہے اس طرح آپ کا حساب انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا بلکہ انہیں نفع پہنچائے گا کیونکہ آپ نے انہیں تبلیغ اور ہدایت دی۔ یہ تینوں جملہ اسم موصول سے حال کے محل میں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حِسَابِهِمْ اور عَلَیْهِمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ مشرکین کے اعمال کی وجہ سے آپ کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی آپ کے اعمال سے ان کا مواخذہ کیا جائے گا کہ کفار کا ایمان لانا آپ کے لئے پریشانی کا باعث ہو جس طمع میں آپ مومنوں کو اپنی مجلس سے دور کریں۔

فَتَطْرُدَ نفی کا جواب ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی ان کے حساب کا ثبوت آپ پر نہیں کہ آپ انہیں اپنے آپ سے دور کریں۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ یہ نہی کے جواب میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ آپ انہیں دھتکار دیں جس کے نتیجہ میں آپ ظالم بن جائیں۔

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ۞

"اور اس طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تا کہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار (بندوں کو)۔1"

1۔ كَذٰلِكَ میں کاف زائد ہے جس طرح لَیْسَ كَمِثْلِهٖ میں کاف زائدہ ہے، ذٰلِكَ کا مشار الیہ قریش کے سرداروں کی گمراہی ہے۔ اسم اشارہ فَتَنَّا فعل سے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ہم نے ایسا گمراہ کیا۔ بَعْضَهُمْ سے مراد قریش کے کفار ہیں، بِبَعْضٍ سے مراد مومن فقیر ہیں کیونکہ قریش کے کفار ان مومنوں کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے رک گئے تھے۔ تفتازانی نے کہا یہ جملہ اس معنی میں معروف ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ آزمائش میں ڈالا لیکن اس میں مشابہت کا ارادہ نہیں کیا جاتا (یعنی کاف تشبیہ کے لئے وضع تو کیا گیا ہے لیکن یہاں تشبیہ کا معنی نہیں دیتا) یا پھر اس کا معنی یہ ہوگا جس طرح ہم نے قریش کے رؤساء کو جیسی آزمائش میں ڈالا اس طرح کے امتحان میں ان لوگوں کو مبتلا کیا تھا جو سابقہ امتوں میں تھے۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ حضرت نوح علیہ السلام نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 112 (قدیمی)

فرمایا مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ہم آپ کو اپنے جیسا بشر خیال کرتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کی اتباع کی کہ وہ بادی النظر میں ہم میں سے ذلیل ترین لوگ ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں ایمان داروں کو دھتکارنے والا نہیں۔

امام بیضاوی نے فرمایا اس کا معنی ہے اس آزمائش کی مثل یعنی لوگوں نے فقر و غناء میں مختلف ہونے کی صورت میں انہیں آزمایا یعنی ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ دین کے معاملہ میں آزمایا۔ پس ہم نے ان کمزوروں کو ایمان میں سبقت لے جانے کی وجہ سے قریش کے اشراف پر سبقت دی۔

لِيَقُولُوْا میں ضمیر اغنیاء کے لئے ہے اور لام عاقبت کا ہے، یعنی جس کے نتیجہ میں اغنیاء یہ کہیں کہ کیا یہ وہ فقراء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور توفیق کے ساتھ احسان فرمایا اور ہمیں محروم رکھا۔ اس طرح وہ فقراء کا حق پانے اور بھلائی کی طرف سبقت لے جانے میں ان کے خاص ہونے کا انکار کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے اگر یہ خیر کا عمل ہوتا تو یہ ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔

یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے آگاہ نہیں جو شکر بجالانے کی استعداد رکھتے ہیں تو وہ انہیں توفیق دے اور انہیں نہیں جانتا جن میں ایمان قبول کرنے اور شکر بجالانے کی استعداد ہی نہیں، جس کے نتیجہ میں انہیں ذلیل و رسوا کرے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خیر و شر کی استعداد وجود سے پہلے ہوتی ہے جس طرح حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے کہ مومنین کے تعینات کا مربی اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کا ظل ہوتا ہے اور کفار کے تعینات کا مربی اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا ظل ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں جماعتوں سے وہی کچھ صادر ہوتا ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا اور جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔

کفار کے قول کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ کیا ان فقراء اور ذلیل لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت کے لئے خاص کیا اور ہمیں توفیق نہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نہیں جانتا کیونکہ شکر گزار بندے ہی نبی کریم ﷺ کی صحبت کے مستحق ہیں، اغنیاء مستحق نہیں۔

امام بغوی نے کہا حضرت سلمان فارسی اور خباب بن ارت نے کہا ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن حصین فزاری اور دوسرے مولفۃ القلوب سردار حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ حضرت بلال، حضرت صہیب حضرت عمار اور حضرت خباب جیسے فقراء مومنین کے درمیان تشریف فرما ہیں۔ جب ان صحابہ کو حضور ﷺ کے ارد گرد دیکھا تو انہیں حقیر جانا، حاضر ہوئے، کہنے لگے یا رسول اللہ اگر آپ درمیان میں بیٹھیں اور ان لوگوں کے جبوں کی بدبو کو ہم سے دور کریں تو ہم آپ کی مجلس میں بیٹھیں گے اور آپ سے کچھ سیکھیں گے۔ ان فقراء نے اون کے جبے پہنے ہوئے تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں ان مومنوں کو مجلس سے نہیں اٹھاؤں گا۔ انہوں نے کہا ہماری خواہش ہے کہ ہمارے لئے نشست مختص کر دیں، تمام عرب قبائل ہماری فضیلت سے واقف ہیں آپ کی خدمت میں عرب قبائل کے حضور حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ ہم حیاء کرتے ہیں کہ عرب ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو انہیں اٹھا دیجئے۔ جب ہم فارغ ہو جائیں اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے انہوں نے عرض کی آپ ہمیں تحریر لکھ دیں۔ راوی لکھتا ہے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی شیر خدا کو تحریر کرنے کے لئے بلا بھیجا، جبکہ ہم ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے وہ خط پھینک دیا پھر ہمیں بلایا ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ آپ فرما رہے تھے تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں اپنے اوپر رحمت کو لازم کیا ہے، ہم آپ کے پاس بیٹھتے ہیں۔ جب

آپ اٹھنے کا ارادہ کرتے تھے تو آپ اٹھ جاتے ہمیں چھوڑ جاتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف رکھتے اور ہم آپ کے اتنے قریب ہوتے کہ ہمارے گھٹنے آپ کے گھٹنوں کو چھو رہے ہوتے۔ جب وہ گھڑی آتی جس میں آپ نے اٹھنا ہوتا تو پہلے ہم اٹھتے، اس کے بعد آپ اٹھتے۔ آپ نے ہمیں فرمایا تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کی جس نے مجھے موت عطا نہیں کی یہاں تک کہ مجھے حکم دیا کہ میں اپنی قوم کے ساتھ صابر ہوں، میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے(1) کلبی نے کہا ان سرداروں نے کہا آپ ایک دن ہمارے لئے معین کر دیں اور ایک دن ان فقراء کے لئے معین کر دیں۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے عرض کی ٹھیک ہے، مجلس ایک ہی رکھیں لیکن منہ ہماری طرف کریں اور ان لوگوں کی طرف پشت ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

امام بغوی نے جو واقعہ سلمان اور خباب سے نقل کیا ہے اسے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور دوسرے لوگوں نے خباب سے نقل کیا اور اتنا زائد ذکر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اقرع اور اس کے ساتھی کا ذکر کیا اور فرمایا ہم نے اسی طرح بعض کو بعض سے آزمائش میں ڈالا۔ ابن کثیر نے کہا یہ غریب ہے کیونکہ آیت مکی ہے، جبکہ اقرع اور اس کا ساتھی ہجرت کے کافی عرصہ بعد مسلمان ہوئے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے ابو سعید سے روایت کیا ہے میں مہاجرین کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا لباس مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے بعض بعض کی اوٹ لئے ہوئے تھے، ایک قاری ہم پر تلاوت کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ جب حضور ﷺ کھڑے ہوئے تو قاری چپ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے معلوم فرمایا اور پوچھا تم کیا کر رہے تھے، ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اور ہم قرآن سن رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام تر تعریفیں ہیں اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں سے ایسے افراد بنائے جن کے ساتھ ٹھہرنے کا میرے رب نے مجھے حکم دیا پھر آپ ہمارے درمیان تشریف فرما ہو گئے تاکہ مساوات قائم فرمائیں پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو صحابہ نے حلقہ بنالیا، سب کے چہرے آپ کے سامنے ہو گئے۔ راوی نے کہا میرا خیال ہے میرے سوا حضور ﷺ نے کسی کو نہیں پہچانا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے مہاجرین کے فقراء تمہیں قیامت کے روز کامل نور کی بشارت ہو تم جنت میں اغنیاء کی نسبت آدھا دن پہلے داخل ہو گے، یہ پانچ سو سال کا عرصہ ہے(2)

ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی اور حارث بن نوفل بنی عبد مناف کے اشراف کے ساتھ حضرت ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اگر آپ کا بھتیجا ان غلاموں کو اپنے آپ سے دور کر دے تو اس کا مقام ہمارے دلوں میں بڑھ جائے گا، ہمارے ہاں زیادہ قابل اطاعت ہوگا اور ہمارے لئے اتباع کرنا آسان ہوگا۔ حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ سے بات کی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کاش آپ ایسا کرتے تاکہ آپ خود مشاہدہ کریں کہ یہ کیا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات کو نازل فرمایا۔ یہ صحابہ بلال، عمار بن یاسر، سالم اور ابو حذیفہ کے غلام صبیحا اسید کے غلام، عبد اللہ بن مسعود، مقداد بن عبد اللہ، واقد بن عبد اللہ حنظلی اور ان جیسے دوسرے لوگ تھے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت عمر حاضر خدمت ہوئے اور اپنی گزارش پر معذرت کی۔ تو درج ذیل آیت نازل ہوئی(3)

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 15-14 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 114 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اور جب آئیں آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمایئے سلام ہو تم پر لازم کر لیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے برائی نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ [1]"

[1] عکرمہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم کو منع کیا تھا کہ آپ انہیں اپنی مجلس سے اٹھائیں۔ نبی کریم ﷺ جب ان میں سے کسی کو دیکھتے تو سلام میں پہل فرماتے۔ عطاء نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق، عمر، عثمان، علی، بلال، سالم، ابوعبیدہ، مصعب بن عمیر، حمزہ، جعفر، عثمان بن مظعون، عمار بن یاسر، ارقم بن ارقم، ابی سلمہ بن عبدالاسدؓ کے حق میں نازل ہوئی (1) فریابی، ابن ابی حاتم نے ماہان سے روایت کیا کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا ہم نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔ آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2) اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کریں یا انہیں اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچائیں اور انہیں بشارت دیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے رحمت بطور فضل و احسان ثابت ہو چکی ہے جس کے بارے میں اس نے پختہ وعدہ کیا ہے، جبکہ پہلے انہیں سلامتی کی بشارت دی۔

اَنَّهٗ میں ضمیر ضمیر شان ہے۔ نافع، ابن عامر اور عاصم نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے یا رحمت سے بدل ہے یا یہاں باء محذوف ہے۔ باقی قراء نے ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے کیونکہ اس میں رحمت کی تفسیر ہے۔

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ ...... یہ جملہ حال کے محل میں ہے، یعنی جس نے کوئی برا عمل کیا، اس کے اوپر مرتب ہونے والے نقصانات اور مفاسد سے ناواقف ہونے کی بناء پر یا جان بوجھ کر جاہل بنتے ہوئے اس نے ایسے امور کا ارتکاب کیا جو اسے نقصانات کی طرف لے جانے والے تھے، جبکہ یہ تجاہل نفس کی شہوت کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔ پہلی صورت میں جہالت کا مفعول محذوف ہوگا اور دوسری صورت میں اس کا تقاضا نہیں کرتا، یعنی اس نے جو کچھ کیا تھا اس پر شرمندہ ہوا اور گناہ سے توبہ کی اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

ابن عامر، عاصم اور یعقوب نے فَاَنَّهٗ میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فَاَمْرُهٗ اَنَّهٗ تَعَالٰی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یا فَلَهٗ اَنَّهٗ تَعَالٰی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، جبکہ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فاء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ توبہ غفران کا سبب ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

"اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تا کہ ظاہر ہو جائے راستہ گناہ گاروں کا۔ [1]"

[1] یعنی جس طرح ہم نے اس صورت میں آپ کے لئے آیات کو کھول کر بیان کیا ہے۔ ہم قرآن کی آیات اور دلائل بر حق کے بارے میں، ہر حق کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ جس کا کافر انکار کرتے ہیں ابوبکر حمزہ اور کسائی نے لِيَسْتَبِيْنَ مذکر غائب کا صیغہ پڑھا

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 144 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 26 (العلمیہ) الفاظ مختلف ہیں۔

ہے۔ ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر اور حفص نے واحد مونث غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور سبیل کے لفظ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ سبیل کا لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، جبکہ نافع نے لِتَسْتَبِيْنَ کو واحد مذکر مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اے محمد ﷺ آپ واضح کردیں اور سبیل کو مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے اس کا عطف مقدر کلام پر ہے لِيَظْهَرَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلَ الْمُجْرِمِيْنَ۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

"آپ فرمائیے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا آپ فرمائیے میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے[1]"

[1] یعنی مجھے منع کر دیا گیا ہے اور جھڑکا گیا ہے عقلی دلائل اور آیات قرآنیہ سے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم پکارتے ہو، انہیں معبود کہتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو۔ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ میں ان کی خواہشات کو ختم کرنے کے لئے بطور تاکید اس کا ذکر ہے اور اس چیز کا بیان ہے کہ جو وہ نقطہ نظر اپنائے ہوئے ہیں یہ ایک ایسا امر ہے جس کی کوئی سمعی اور عقلی دلیل نہیں بلکہ یہ محض خواہش نفس کی غلامی ہے۔ نیز اس میں اس امر کی علت بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کیوں ان کے نقطہ نظر کو نہیں اپنایا۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی ہے کہ جو حق کا طالب ہے وہ حجت کی اتباع کرے، کسی کی تقلید نہ کرے۔

اس آیت میں اس امر کی وضاحت بھی فرمائی کہ اگر میں تمہاری خواہشات کی اتباع کروں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کفار ہدایت یافتہ نہیں۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

"آپ فرمائیے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جو جھٹلا دیا تم نے اسے نہیں ہے میرے پاس جس کی تم جلدی مچا رہے ہو نہیں ہے حکم (کسی کا) سوائے اللہ کے وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

پہلے اس چیز کا بیان فرمایا جس کی اتباع جائز نہیں۔ اب اس چیز کا بیان ہے جس کی اتباع واجب ہے، یعنی میں برہان اور بصیرت پر ہوں۔ مِّنْ رَّبِّیْ بَیِّنَةٍ کی صفت ہے یا اس کا صلہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی بَيِّنَةٍ كَائِنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ یا بَيِّنَةٍ مِّنْ مَّعْرِفَةِ رَبِّيْ؛ یعنی اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ كَذَّبْتُمْ بِهٖ میں ضمیر بینہ کی طرف بطور معنی لوٹ رہی ہے، یعنی تم نے برہان کو جھٹلایا یا ربی کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوگا تم نے میرے رب کی تکذیب کی کیونکہ تم نے اس کے ساتھ شرک کیا ہے۔ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ سے مراد عذاب ہے کیونکہ تم یہ کہتے تھے کہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ یا اس سے مراد قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے بارے میں جلدی کی خواہش رکھتے ہیں، جبکہ عذاب

کو جلدی لانا یا اسے دیر سے لانا یا قیامت برپا کرنا یہ محض اللہ کے حکم پر محصور ہے۔ نافع ابن کثیر اور عاصم نے یقص کو صاد مہملہ مشددہ پڑھا ہے معنی ہے وہ کہتا ہے اور وضاحت کرتا ہے۔ اگر یہ قص اثرہ میں مشتق ہو تو اس کا معنی ہوگا وہ حق اور حکم کی پیروی کرتا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ضاد معجمہ مکسورہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یہ یقضی تھا اس کی یاء گر گئی کیونکہ وصل کی صورت میں دو ساکن جمع ہو گئے اس طرح وقف کی صورت میں بھی یاء کو گرادیا کیونکہ کتاب میں یاء نہیں۔ معنی ہوگا وہ حق کا فیصلہ کرتا ہے وہی بہترین فیصلہ فرمانے والا اور حکم ظاہر کرنے والا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

"آپ فرمائیے اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو (کبھی کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا اس بات کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو[1]"

[1] عذاب آ چکا ہوتا، تم ہلاک ہو چکے ہوتے اور میرے اور تمہارے درمیان نزاع ختم ہو چکا ہوتا یا اس کا معنی یہ ہے حق کو حق اور باطل کو باطل کرنے کا فیصلہ آج ہی قیامت برپا کرنے کے ساتھ ہو جاتا جو میرے اور تمہارے درمیان قیامت کے روز ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان پھر تمہارا لوٹنا اسی طرف ہے پھر وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ مجمل ہے اس میں یہ وضاحت یعنی کہ عذاب کس پر واقع ہوگا تو اس قول کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائی اللہ تعالیٰ ظالمین کو جانتا ہے تو انہیں حکمت کے مطابق ہلاک کر دے گا۔

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾

"اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں"

مَفَاتِحُ مفتح کی جمع ہے جس کا معنی مخزن ہے یا یہ مفتح کی جمع ہے جس کا معنی چابی ہے۔ چابی اسی چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی مقفل چیز تک پہنچا جائے۔ یہاں مفتاح الغیب سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے کیونکہ علم کے ذریعے ہی معلوم تک پہنچا جا سکتا ہے۔ گویا علم واسطہ بنا۔ غیب سے مراد جو ابھی عالم وجود میں نہ آئی ہو، جس طرح قیامت کی خبریں، اسی قسم سے بارش کے بارے میں یہ خبر کہ وہ نازل ہوگی یا نہیں ہوگی یا کب نازل ہوگی۔ اس ضمن میں یہ خبر آتی ہے کہ انسان کل کیا کرے گا یا وہ کس جگہ فوت ہوگا یا وہ موجود تو ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر اسے ظاہر نہیں کیا۔ انہیں میں سے وہ چیز بھی ہے جو رحم میں ہے۔ عِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَیْبِ کا معنی اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہونا ہے گویا وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود ہے۔ امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا

مفاتح غیب پانچ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا رحم میں کیا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا کل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا، بارش کب ہوگی اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا، نفس کہاں مرے گا اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب برپا ہوگی اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا(1) امام احمد اور امام بخاری نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث جو حضرت جبرئیل امین کے قصہ کے بارے میں ہے پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ اَلْاٰيَة میں کہتا ہوں خزائن غیب پانچ چیزوں میں محصور نہیں بلکہ وہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں جو ابھی پیدا نہیں کی گئیں یا ظاہر نہیں کی گئیں۔ ضحاک نے کہا مفاتح غیب سے مراد زمین کے خزانے اور عذاب کے نازل ہونے کا علم ہے۔ عطاء نے کہا ثواب وعقاب میں سے جو چیز غائب ہے وہ مفاتح غیب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اجل کا ختم ہونا مفاتح غیب میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا بندوں کی سعادت، بدبختی اور ان کے احوال کا خاتمہ ہے(2) جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔

علم غیب کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونے کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا اس پر اب نص وارد کی جارہی ہے کہ مغیبات میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی دوسری ذات اس کی توفیق کے بغیر نہیں جانتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے اوقات کو جانتی ہے۔ ان کو جلد واقع کرنے یا دیر سے واقع کرنے میں جو حکمت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے موجود ہونے سے پہلے بھی انہیں جانتا ہے۔ مَا فِي الْبَرِّ سے مراد نباتات، چوپائے اور دوسری چیزیں ہیں اور بحر سے مراد حیوانات جواہر اور دوسری چیزیں ہیں یہ جملہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم موجودات اور مشاہدات کے ساتھ متعلق ہے۔ اس کا عطف اس خبر دینے پر ہے کہ اللہ تعالیٰ مغیبات کا علم رکھتا ہے جو پتہ گرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط میں مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے، جبکہ سابقہ کلام میں یہ امر سلسلہ ہو چکا تھا کیونکہ مانفی کے لئے ہے اور من استغراقیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ پتوں کے گرنے سے پہلے اور بعد میں پتوں کی تعداد اور احوال کو جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رطب سے مراد پانی اور یابس سے مراد صحراء ہے عطاء نے کہا اگنے والا اور جامد مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد زندہ اور مردہ ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ ہر شے کو محیط ہیں(3) لا حبة اپنے معطوف سے مل کر لا ورقة پر عطف ہے، معطوف علیہ حکم میں شریک ہیں یعنی تر اور خشک کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ پہلے مستثنیٰ سے بدل کل ہے یعنی کتاب مبین علم الٰہی ہے یا یہ بدل اشتمال ہے اگر اس سے مراد لوح محفوظ لی جائے یا یہ کہا جائے حبة کا عطف ورقة پر ہے اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کا عطف لَا يَعْلَمُهَا ہے۔ ایک فعل کے ساتھ دو معمولوں کا عطف دو معمولوں پر کیا گیا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾

"اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن

1۔ تفسیر بغوی، جلد2، صفحہ 116۔ صحیح بخاری، جلد2، صفحہ 704 (نور محمد) مختصراً

2۔ تفسیر بغوی، جلد2، صفحہ 116 (التجاریہ)　　3۔ ایضاً

میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) میعاد مقرر پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتائے گا تمہیں جو تم کیا کرتے تھے"

یعنی تمہیں نیند عطا کرتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے۔ اس کا اصل معنی کسی شے کو مکمل قبض کرنا ہے، یہ موت کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتا ہے مَا جَرَحْتُم یعنی جنہیں تم اپنے اعضاء سے کرتے ہو، نیند کو رات کے ساتھ خاص کرنا اور عمل کو دن کے ساتھ خاص کرنا بطور غالب ہے کسی شے کو ذکر میں خاص کرنا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ جس کا ذکر نہیں کیا گیا اس سے حکم کی نفی مقصود ہے۔ کسب کے اہتمام کی وجہ سے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، جبکہ تقدیر کلام یوں ہوگی يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِي النَّهَارِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِهٖ۔ اجل مسمی سے مراد موت ہے کیونکہ ایک انسان جب ماں کے پیٹ میں بطور جنین ہوتا ہے اس کی موت کا وقت معین کر دیا جاتا ہے بلکہ ازل میں اس وقت معین ہے۔

حساب کے وقت تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کرے گا اور تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور اس آیت میں اس کی قدرت کاملہ پر تنبیہ ہے اور اس استدلال کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہم نیند کے بعد دوبارہ بیدار ہونے کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس سے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو قیاس کر سکتے ہیں۔

وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

"اور وہی غالب ہے [1] اپنے بندوں پر [2] اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان [3] یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت [4] تو قبضہ کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) [5] اور وہ کوتاہی نہیں کرتے [6]"

[1] وہ غالب ہے، مراد ہے نافذ کرنے میں اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

[2] یہ غلبہ اور استعداد کی تصویر ہے

[3] وہ تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور صحیفوں میں لکھتے ہیں۔ قیامت کے روز ان صحیفوں کو کھولے گا تاکہ تمام لوگوں کی موجودگی میں مطیع اور نافرمان میں فرق ظاہر کرے۔

[4] یہ کراماً کاتبین بھیجنے کی غایت ہے یا غلبہ کی غایت ہے، یعنی اس کا غلبہ اس حد تک ہے کہ روحوں کے قبض کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے پر قادر نہیں۔

[5] یہ اِذَا جَآءَ کا جواب ہے۔ حمزہ نے اسے تَوَفّٰهُ مذکر کا صیغہ پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے اسے تَوَفَّتْهُ مونث کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رُسُلُنَا سے مراد ملک الموت کے مددگار فرشتے ہیں۔ ابوالشیخ نے امام نخعی سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام سیوطی نے وہب بن منبہ سے ذکر کیا ہے کہ جو فرشتے ان کے قریب رہتے ہیں وہی ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ ان کی آجال لکھتے ہیں۔ جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہی فرشتے ان کی روحیں قبض کر کے ملک الموت کے حوالے کر دیتے۔ جس طرح حکومت کی طرف سے ایک عاشر (اموال وصول کرنے والا) معین ہوتا ہے، جس کے ماتحت زکوۃ، عشر اور دوسرے اموال جمع کر کے اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

ابن حبان اور ابوالشیخ نے ربیع بن انس سے نقل کیا ہے کہ ان سے ملک الموت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ ایک ہے جو تمام ارواح کو قبض کرتا ہے۔ کیا وہ روحیں قبض کرنے کا ذمہ دار ہے، اس کے اور مددگار بھی ہیں مگر ملک الموت ان کا سربراہ ہے، اس کا قدم مشرق و مغرب کو محیط ہے۔ پوچھا گیا مومنوں کی روحیں کہاں ہوتی ہیں؟ فرمایا سدرۃ المنتہی پر یہ قرطبی نے کہا اللہ تعالیٰ کے فرامین توفته رسلنا یتوفکم ملک الموت اور یتوفی الانفس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ توفی فعل کی نسبت ملک الموت کی طرف اس لئے کی گئی کیونکہ وہ خود روح قبض کرتا ہے، فرشتوں کی طرف نسبت اس لئے کی گئی کیونکہ وہ ملک الموت کے معاون ہیں کیونکہ وہ روح کھینچتے ہیں اور ملک الموت روح قبض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف فعل کی نسبت اس لئے کی کیونکہ وہی ذات فاعل حقیقی ہے۔ یعنی مخلوقات کے افعال بھی اسی کے مخلوق ہیں قرطبی نے کہا، حدیث میں ہے کہ میت پر چار فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک فرشتہ دائیں پاؤں، دوسرا فرشتہ بائیں پاؤں، تیسرا فرشتہ دائیں ہاتھ اور چوتھا فرشتہ بائیں ہاتھ سے اس کی روح کھینچتا ہے ابو حامد نے اسے ذکر کیا (1)

کلبی نے کہا ملک الموت جسم سے روح قبض کرتا ہے پھر رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ جویبر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ملک الموت ہی تمام روحوں کو قبض کرتا ہے، اس کا تسلط زمین کی تمام چیزوں پر اس طرح ہے جس طرح اس کا تسلط اس کے دائیں ہاتھ میں موجود چیز پر ہے۔ اس کے ساتھ رحمت اور عذاب کے فرشتے ہوتے ہیں۔ جب کسی پاکیزہ روح کو قبض کرتا ہے تو رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ جب خبیث روح کو قبض کرتا ہے تو عذاب والے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ابن المثنی حمصی سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس امر پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے امام احمد، ابوداؤد، حاکم، ابن ابی شیبہ، بیہقی اور دوسرے محدثین نے صحیح اسناد سے براء بن عازب سے طویل حدیث میں روایت کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ مومن جب دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کی طرف روشن چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں گویا ان کے چہرے سورج ہیں، ان کے پاس جنت کے کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ حد نگاہ پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے، ان کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے، وہ کہتا ہے اے پاکیزہ نفس اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رضوان کی طرف نکلو تو اس کی روح اس کے جسم سے یوں نکل آتی ہے جس طرح مشکیزہ سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے۔ ملک الموت اسے پکڑ لیتا ہے آنکھ جھپکنے کے عرصہ تک بھی اس کے ہاتھ میں روح نہیں رہتی یہاں تک کہ دوسرے فرشتے اسے لے لیتے ہیں اور اس کفن اور اس خوشبو میں رکھ لیتے ہیں (2) کافر کے بارے میں فرمایا کہ سیاہ چہروں والے فرشتے ٹاٹ لئے ہوئے ہوتے ہیں وہ حد نگاہ پر بیٹھ جاتے ہیں پھر موت کا فرشتہ آتا ہے، اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اسی طرح حدیث ذکر کی کہ وہ روح قبض کرتا ہے جونہی وہ روح قبض کر لیتا ہے دوسرے فرشتے اسے ایک لحہ کے لئے بھی نہیں چھوڑتے۔

ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ملک الموت تو ایک ہے جب کہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان لشکر لڑتے ہیں گرتے ہیں اور مرتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا ملک الموت کے لئے اس طرح سمیٹ دی گئی ہے جس طرح تمہارے سامنے ایک تھال ہو، کیا زمین میں سے کوئی چیز اس کی گرفت سے باہر ہوتی ہے؟ ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے اشعث بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا جس کا نام عزرائیل ہے اس کی دو

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 7، صفحہ 7 (دار الکتب مصریہ) 2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 295 (صادر) الفاظ مختلف ہیں۔

آنکھیں سامنے اور دو پیچھے ہیں۔ فرمایا اے ملک الموت تو اس وقت کیا کرتا ہے؟ جب ایک نفس مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں یا کسی علاقہ میں وبا پھوٹ پڑے یا دو لشکر آپس میں برسر پیکار ہوں تو حضرت عزرائیل نے جواب دیا میں اللہ کے حکم سے ارواح کو بلاتا ہوں، وہ سب میری ان دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور فرمایا زمین اس کے سامنے طشت کی صورت میں رکھ دی گئی ہے جہاں سے وہ چاہتا ہے کوئی چیز لے لیتا ہے (روح قبض کر لیتا ہے)

یہ روایت بھی نقل کی کہ حضرت یعقوب نے جب حضرت عزرائیل سے پوچھا تو ملک الموت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین مسخر کر دی ہے۔ یہ اس طشت کی مانند ہے جو تمہارے سامنے پڑا ہوا ہو تم اس کے جس کونے سے چاہو لے لو اس طرح دنیا میرے لئے ہے۔ زہد(۱) میں اور ابو الشیخ اور ابو نعیم نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ زمین ملک الموت کے لئے طشت کی طرح بنا دی گئی ہے وہ جہاں سے چاہتا ہے روح قبض کر لیتا ہے، اس کے مددگار بنا دیئے گئے ہیں جو ارواح کو قبض کرتے ہیں پھر ملک الموت ان سے روحیں لے لیتا ہے(1)

میں کہتا ہوں اس مسئلہ کی تحقیق احادیث اور آثار کی روشنی میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ تمام زمین اور اس کی اطراف کی طرف برابر تعلق رکھتا ہے جس طرح سورج اور اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اس طرح بنا دیا ہے کہ اسے کوئی کام بھی دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء کو بھی یہی طاقت دیتا ہے، وہ ایک آن میں مختلف مواقع پر جسم اختیاری کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کے مددگار بنا دیئے ہیں جو روحیں قبض کرتے ہیں یہ فرشتے ملک الموت کے لئے اعضاء کی طرح ہیں ہر مومن اور کافر کی موت کے وقت فرشتوں کی ایک جماعت جنت یا دوزخ کا کفن لے کر نازل ہوتی ہے، وہ ملک الموت سے اس کی روح لیتے ہیں اور آسمان کی طرف چلی جاتی ہے۔ اس آیت میں رُسُلُنَا سے مراد یا تو وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت کے مددگار ہیں یا وہ فرشتے ہیں جو ملک الموت سے روحیں لیتے ہیں اور جنت و دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک قول میں یہ کہا گیا یہاں رُسُل سے مراد ملک الموت ہے۔ واحد کو جمع کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

لا وہ سستی اور تاخیر کی صورت میں کوتاہی نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد ہی روحیں قبض کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ طبرانی، ابن مندہ اور ابو نعیم نے حارث بن خزرج سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا اے ملک الموت میرے ساتھی کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ یہ مومن ہے۔ ملک الموت نے کہا خوش ہو جایئے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے، جان لیجئے میں ہر مومن کا دوست ہوں۔ اے محمد ﷺ جان لیجئے میں ابن آدم کا روح قبض کرتا ہوں جب اس کے گھر کا کوئی فرد چیختا چلاتا ہے تو میں گھر سے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں جبکہ میت کا روح میرے پاس ہوتا ہے میں کہتا ہوں اے چلانے والے اللہ کی قسم ہم نے اس پر ظلم نہیں کیا، نہ وقت مقررہ سے پہلے روح قبض کی، نہ اس کی قضا و قدر میں جلدی کی نہ اس کی روح قبض کرنے میں ہمارا کوئی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا ہے اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو تمہیں اجر دیا جائے گا۔ اگر تم ناراض ہوتے ہو تو تم گناہ کمانے والے ہو گے اور تم پر اس کا بوجھ ہو گا۔ ہمارا تمہارے پاس آنا جانا رہے گا اس لئے محتاط رہو۔ کوئی خیمہ میں ہو یا پختہ مکان میں، نیک ہو یا بد، میدانی علاقے میں رہائش پذیر ہو یا پہاڑ میں، میں صبح شام اس کی تلاش میں رہتا ہوں یہاں تک کہ میں ان کے چھوٹے اور بڑے کو ان کی ذاتوں سے

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 30 (العلمیہ)

(۱) کتاب کا نام

بڑھ کر جانتا ہوں۔ اللہ کی قسم اگر میں کسی مچھر کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کروں تو میں قادر نہیں ہوتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض کرنے کا اذن عطا فرماتا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے حضرت حسن بصری سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ جعفر بن محمد نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ لوگوں کو نماز کے اوقات میں تلاش کرتا ہے، جب موت کے وقت اسے دیکھتا ہے۔ اگر وہ آدمی ان لوگوں میں سے ہو جو پانچوں نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتا تھا تو ملک الموت اس کے قریب ہوتا ہے اور شیاطین کو اس سے دور بھگا دیتا ہے اور اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تلقین کرتا ہے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

" پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے (سنتے ہو) اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔ [1] "

[1] مَوْلٰىهُمْ سے مراد ان کا مالک ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جانے سے مراد قیامت کے روز انہیں حساب کے لئے پیش کرنا ہے جس پر ثُمَّ کا کلمہ دلالت کرتا ہے یا موت کے بعد انہیں رحمت اور عذاب کے فرشتے لے جاتے ہیں جس طرح طویل حدیث میں آیا ہے۔ براء بن عازب سے مروی ہے وہ مومن کی روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، وہ فرشتوں کی کسی جماعت کے پاس سے نہیں گزرتے مگر وہ فرشتے کہتے ہیں یہ کون پاکیزہ روح ہے تو روح لے جانے والے فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے، دنیا میں جو اس کے بہترین نام تھے وہ ذکر کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ سماء دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، وہ اس کے لئے دروازہ کھولنے کی استدعا کرتے ہیں اس کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے ہر آسمان کے مقرب فرشتے اسے اگلے آسمان تک الوداع کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو (1) کافر کے بارے میں فرمایا وہ فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جاتے ہیں، وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں یہ فلاں ابن فلاں ہے اور دنیا کے ناموں میں سے اس کا قبیح ترین نام ذکر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمان دنیا پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لئے دروازہ کھولنے کی استدعا کی جاتی ہے مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کی کتاب سجین میں لکھ دو جو سب سے نچلی زمین میں ہے، اس کی روح پھینک دی جاتی ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ حکم اسی کا چلتا ہے کسی آدمی کا حساب و کتاب دوسرے آدمی کے حساب و کتاب سے اسے غافل نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے نصف دن میں مکمل کر دے گا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 288 (صادر)

"آپ فرمائیے کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں اس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اس کے شکر گزار (بندے)"۔

یعقوب نے مَنْ یُّنْجِیْكُمْ کو باب افعال سے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب تفعیل سے مشدد پڑھا ہے۔ ظلمات سے مراد شدائد اور ہلاکتیں ہیں۔ ظلمت کا لفظ سختی کے لئے بطور مجاز استعمال ہوا ہے کیونکہ ہولناکی میں دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں۔ جب وہ خشکی یا سمندر میں سفر کرتے، راستہ بھول جاتے یا بجلی اور کڑک یا موجیں انہیں گھیر لیتیں یا دوسرے اور مصائب انہیں احاطہ کر لیتے تو بڑے اخلاص سے اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کرتے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بت بے اثر ہیں، کوئی نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتے۔

تَضَرُّعًا لغوی اعتبار سے مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ تَدْعُوْنَهٗ کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ یہ مکمل جملہ ینجیکم کے مفعول بہ سے حال ہے۔ تضرع کا معنی تذلل اور سوال کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔ ابوبکر نے عاصم سے یہاں اور سورۃ اعراف میں خاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں، یعنی مخفی طریقہ سے کیونکہ دعا اور ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ مخفی طریقہ سے انہیں کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے۔ معنی اس کا یہ ہوگا تم تضرع اور اخلاص سے پکارتے ہو کیونکہ آواز کو بلند کئے بغیر دعا کرنا ریاکاری سے دور اور اخلاص پر دلالت کرنے والی ہوتی ہے۔

مِنْ هٰذِهٖ میں اسم اشارہ سے مراد تاریکی اور شدت ہے، یہاں قول مقدر ہے اور یہ تَدْعُوْنَهٗ کا بیان ہے، یعنی تَقُوْلُوْنَ لَئِنْ اَنْجٰىنَا کوفیوں نے اسے انجانا غائب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔ شکر نعمت کی معرفت کو کہتے ہیں، جبکہ انسان اس کے حقوق بھی ادا کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں اسے خرچ کرے۔

قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

"فرمائیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔"

کوفیوں نے یُنَجِّیْكُمْ کو باب تفعیل سے مشدد پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے۔ ھا ضمیر سے مراد شدت ہے۔ کرب سے مراد شدید غم ہے۔ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ یعنی تم شرک کی طرف پلٹ جاتے ہو، وعدوں کو پورا نہیں کرتے اور یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی نجات دینے والا ہے جبکہ تم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ان بتوں کو شریک ٹھہراتے ہو جن کے بارے میں تمہیں علم ہے کہ وہ نفع و نقصان نہیں پہنچاتے۔ اس آیت کے اختتام پر تُشْرِكُوْنَ ذکر کیا، جبکہ سابقہ آیت میں تَشْكُرُوْنَ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ سخت توبیخ کی جائے اور اس بات پر آگاہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے گویا اس نے مطلقاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہی نہیں یہاں ثم کا لفظ تراخی زمانی کے لئے نہیں بلکہ تراخی مرتبی کے لئے ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

"فرمائیے وہ قادر ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے اور خلط ملط کر دے تمہیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو شدت دوسروں کی دیکھو کیونکر ہم طرح طرح سے بیان کرتے

ہیں (توحید کی) دلیلوں کو تا کہ یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھ لیں۔"

هُوَ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی وہ تم پر بھی اوپر سے عذاب بھیج سکتا ہے جس طرح اس نے قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط اور اصحاب فیل پر عذاب بھیجا یا نیچے سے عذاب بھیج سکتا ہے جس طرح اس نے قوم نوح کے ساتھ کیا جیسے زمین سے پانی کا ابلنا، فرعون کا غرق ہونا اور قارون کا زمین میں دھنسا دینا حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے کہ مِن فَوقِکُم سے مراد ظالم سلطان اور تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ سے مراد نافرمان اور بدکار غلام ہیں۔ ضحاک نے کہا مِنۡ فَوۡقِکُمۡ سے مراد بڑے اور مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ سے مراد چھوٹے ہیں(1) ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد بارش اور فصلیں ہیں۔ شِیَعًا سے مراد مختلف جماعتیں ہیں جو مختلف خواہشات رکھتی ہوں اور ان کے درمیان جنگ برپا ہو جائے۔ باس سے مراد عذاب اور جنگ کی سختی ہے۔ قاموس میں اس طرح ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کو قتل کریں۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے آیت میں مذکور پہلے عذاب کے بارے میں یہ دعا کی میں اس سے تیری کریم ذات کی پناہ چاہتا ہوں اور دوسرے عذاب کے بارے میں یہ کہا یہ آسان ہے(2) اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔

فائدہ۔ اس آیت کی تاویل ہجرت کے پینتیس سال بعد اس وقت ظاہر ہوئی ہے جب جنگ جمل، جنگ صفین اور دوسرے مواقع پر مسلمانوں نے آپس میں جنگیں کیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے ہم حضرت محمد ﷺ کے ساتھ آئے یہاں تک کہ ہمارا گزر بنی معاویہ کی مسجد کے پاس سے ہوا، آپ اس میں داخل ہوئے، آپ نے اس میں دو رکعت نماز ادا کی۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ حضور ﷺ نے طویل وقت تک دعا کی پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے تین گزارشات کیں ہیں، میں نے ایک سوال یہ کیا کہ میری امت غرق ہو کر ہلاک نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے میری عرضداشت کو قبول کر لیا۔ میں نے عرض کیا میری امت قحط سالی سے ہلاک نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ بھی مجھے عطا کیا۔ میں نے یہ عرض کیا کہ ان کے درمیان جنگ و جدال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول نہ فرمایا اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے(3)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن انصاری نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ہمارے پاس آئے پھر فرمایا نبی کریم ﷺ نے تین دعائیں کی تھیں، دو قبول کر لی گئیں اور ایک قبول نہ ہوئی۔ ایک دعا یہ تھی کہ امت پر غیر میں سے دشمن مسلط نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر لی۔ آپ نے یہ دعا کی کہ انہیں قحط کے ساتھ ہلاک نہ کر، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول کر لی۔ تیسری دعا یہ کی کہ ان میں جنگ و جدل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کی گردنیں اڑاتے رہو(4) صحابہ نے عرض کی کہ ہم اس حال میں یہ کریں گے۔ جبکہ ہم یہ گواہی دیتے ہیں لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ۔ بعض صحابہ نے کہا یہ کبھی بھی نہ ہوگا کہ ہم مسلمان بھی ہوں اور ایک دوسرے کو قتل بھی کریں تو آیت کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں وعدہ وعید ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 118 (التجاریہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 119 (وزارت تعلیم) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 119 (التجاریہ) 4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 58 (وزارت تعلیم)

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ﴿۶۶﴾

"اور جھٹلایا اسے آپ کی قوم نے حالانکہ یہ حق ہے فرمایئے نہیں ہوں میں تمہارا ذمہ دار"

بہ سے مراد قرآن یا عذاب ہے۔ قَوْمُکَ سے مراد قریش کے کفار ہیں اَلْحَقُّ سے مراد وہ ضرور واقع ہوگا یا اس سے مراد سچ ہے۔ وکیل سے مراد یہ ہے کہ پس تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط نہیں کہ میں تم پر اسلام کو لازم کروں یا اگر تم انکار کرو تو تمہیں بدلہ دوں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

"ہر ایک خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے"

نبأ سے مراد قرآن کی خبریں ہیں، وہ کفار پر نازل ہونے والے عذاب کے متعلق ہوں یا کسی اور کے متعلق۔ مستقر سے مراد وہ وقت ہے جس میں کوئی امر واقع ہو، وہ نہ آگے ہوتا ہے، نہ پیچھے۔ وہ دنیا میں واقع ہو یا آخرت میں، ضرور جان لوگے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

"اور (اے سننے والے) جب تو دیکھے انہیں کہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے یہاں تک کہ وہ الجھنیں لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کہیں) بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس"

یعنی وہ ہماری آیات کی تکذیب کریں، ان کا مذاق اڑائیں اور ان میں طعن و تشنیع کریں۔ قریش اپنی مجلسوں میں ایسا کیا کرتے تھے۔ ان سے اعراض کریں کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے پاس سے اٹھ جائیں اور ان کے پاس نہ بیٹھیں اس سے مقصود ان کے طرز عمل اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے خبردار کرنا ہے۔ ان سے جنگ کرنا منع نہیں کہ اسے منسوخ قرار دیا جائے۔ ہ ضمیر آیات کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مذکر اس لئے ہے کیونکہ آیات سے مراد قرآن ہے۔ ابن عامر نے یُنْسِیَنَّکَ کو باب تفعیل سے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے، یعنی اگر شیطان آپ کو منہی عنہ سے بھلا دے تو یاد آنے کے بعد نہ بیٹھیں القوم الظلمین یہاں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کیا ہے، مقصود اس سے باخبر کرنا ہے، کہ انہوں نے تصدیق اور تعظیم کرنے کی جگہ تکذیب اور استہزاء کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا ہم مسجد حرام میں کیسے بیٹھیں گے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیسے کریں گے، جبکہ کفار ہر وقت وہاں آیات کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے مسلمانوں نے کہا جب ہم انہیں اسی حال پر چھوڑے رہیں گے اور انہیں منع نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 120 (التجاریہ)

"اور نہیں ہے ان پر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے ان کافروں کے حساب سے کچھ بوجھ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وہ باز آ جائیں"

اَلَّذِیْنَ سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ ہیں مِنْ حِسَابِهِمْ میں مِنْ بعضیہ ہے مِنْ شَیْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے، یعنی کفار کا ان کے گناہوں پر جو محاسبہ ہوگا اس میں سے کچھ بھی متقین کو لازم نہیں۔ اگر مسلمان طاقت رکھتے ہوں تو جو لوگ آیات کا مذاق اڑاتے ہیں انہیں نصیحت کرنا اور ایسے عمل سے منع کرنا لازم ہے۔ ذِکْرٰی محل رفع میں ہے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے نصب کا احتمال بھی رکھتا ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی ذکرهم و ذکری شاید مسلمانوں کی نصیحت سے کفار بھی تقویٰ اختیار کریں۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَعَلَّهُمْ کی ضمیر اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر معنی یہ ہوگا لیکن وہ تقویٰ پر ثابت قدم رہیں۔

وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

"اور چھوڑ دے جنہوں نے بنالیا ہے اپنا دین کھیل اور دل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے انہیں دنیوی زندگی نے اور نصیحت کرو قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے نہیں ہے اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ سفارشی اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے یہی وہ لوگ ہیں جو ہلاک کئے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے ان کے لئے کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے بوجہ اس کفر کے جو وہ کرتے رہے تھے۔"

آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے ایسی چیز کو دین بنالیا جو اس دنیا اور آخرت میں کوئی نفع نہیں دیتا جس طرح بتوں کی عبادت، بحیرہ اور سائبہ کو حرام قرار دینا یا اس کا معنی ہے انہوں نے اس دین کو کھیل کود بنا دیا ہے جس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا کیونکہ وہ اس کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے عید بنائی ہے تو ہر قوم نے اپنی عید کو کھیل کود بنا دیا مگر مسلمان ان سے مختلف ہیں کیونکہ ان کی عید میں نماز، تکبیر، اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی، صدقہ فطر، خطبہ اور نصیحت ہوتی ہے جیسے جمعہ اور عید کے موقعہ پر۔ ذَرِ کا معنی ہے ان سے اعراض کریں، ان کے افعال اور اقوال کی پرواہ نہ کریں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی دھمکانا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا جس نے اس آیت کو آیت سیف سے منسوخ قرار دیا ہے انہوں نے اس سے تعرض نہ کرنے اور ان سے ہاتھ روک لینے پر محمول کیا ہے۔

دنیاوی زندگی نے انہیں برانگیختہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے بعث کا ہی انکار کر دیا۔ بِهٖ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ اَنْ تُبْسَلَ میں دو تعبیریں ہیں یا تو ان کے بعد حرف نفی لا محذوف ہے یا ان سے پہلے کراہۃ کا لفظ محذوف ہے، یعنی نفس نے جو گناہ کیے ہیں اس کے بدلے میں اسے روک لیا جائے۔ بسل کا معنی حبس ہے، قاموس میں اسی طرح ہے۔

ولی کا معنی مددگار ہے جو مقابلہ کرتے ہوئے ان سے عذاب کو دور کردے۔ شفیع جو شفاعت کے ذریعے ان سے عذاب کو دور کردے۔ عدل کا معنی فدیہ ہے۔ فدیہ کو عدل اس لئے کہتے ہیں کیونکہ جس کے بدلے میں فدیہ دیا جارہا ہوتا ہے اس کے یہ برابر ہوتا ہے۔ کُلّ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر وہ مکمل فدیہ دے دے۔ لَا یُؤْخَذْ کا نائب فاعل مِنْهَا ہے۔ اس میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو عدل کی طرف لوٹے کیونکہ یہاں یہ مفعول مطلق ہے، مفعول بہ نہیں جس کی طرف فعل کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہاں یہ مفعول بہ کے معنی میں ہے۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ ہے الَّذِیْنَ مشارالیہ ہے، یعنی جن لوگوں نے دین کو کھیل بنالیا ہے انہیں گناہوں کے بدلہ میں پکڑ لیا جائے گا اور عذاب کے سپرد کردیا جائے گا۔ حمیم سے مراد انتہائی گرم پانی اور عذاب الیم سے مراد آگ اور دوسری چیزیں ہیں۔ یہ عذاب ان کے کفر کے باعث ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا اُولٰٓئِكَ کی دوسری خبر ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۟

"آپ فرمایئے کیا ہم پوجیں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتا ہے نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر جائیں الٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہے ہمیں اللہ نے؟ مثل اس شخص کے کہ بھٹکا دیا ہوا سے جنوں نے زمین میں اور وہ حیران و پریشان ہو اس کے ساتھی ہوں جو اسے بلا رہے ہوں ہدایت کی طرف کہ ہمارے پاس آجا۔ آپ فرمایئے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گردن جھکا دیں سارے جہانوں کے رب کے سامنے"

نَدْعُوْ کا معنی نَعْبُدُ ہے، یعنی کیا ہم عبادت کریں ان کی جن کی عبادت کرنا ہمیں نفع نہیں دیتا اور نہ ہی عبادت نہ کرنا ہمیں نقصان دیتا ہے۔ یعنی وہ کسی چیز پر قادر نہیں نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا کا معنی ہے کہ ہم اس شرک کی طرف واپس لوٹ جائیں، دور جاہلیت میں جس پر لوگ قائم تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی، ہمیں شرک سے بچایا اور ہمیں اسلام عطا کیا۔ اِسْتَهْوَتْهُ یہ هَوٰی یَهْوِیْ سے باب استفعال ہے ہوی کا معنی جانا ہے حمزہ نے اسے مذکر کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مونث کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ فاعل جمع ہے كَالَّذِی میں کاف مفعول مطلق ہونے یا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا کیا ہم شرک کی طرف لوٹ جائیں اس آدمی کی طرح جسے شیاطین نے گمراہ کردیا ہو۔ دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کیا ہم شرک کی طرف لوٹ جائیں اس شخص سے مشابہت رکھتے ہوئے جسے شیاطین نے گمراہ کردیا شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں الارض سے مراد جنگل ہے یعنی ہلاکتوں کی طرف حیران یہ اِسْتَهْوَتْهُ کے مفعول سے حال ہے، یعنی گمراہ اور حیران جو یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں جارہا ہے اور کس طرح فعل سرانجام دے اس بھٹکے ہوئے آدمی کے کچھ دوست ہیں جو اسے صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ صراط مستقیم کو ھدی کا نام

دیا ہے۔ جس طرح مصدر کے ساتھ مفعول کو نام دیا جاتا ہے۔ ائْتِنَا یہ یَدْعُوْنَهٗ کی تفسیر ہے۔ یہاں قول مقدر ہے تقدیر کلام یہ ہوئی یَقُوْلُوْنَ لَهُ ائْتِنَا جبکہ بھٹکا ہوا انسان انہیں نہ جواب دیتا ہے اور نہ ہی ان کے پاس آتا ہے۔ لہ اصحاب مبتدا خبر بن کر اِسْتَهْوَتْهُ کے مفعول یہ سے حال ہے۔ وہ انسان جو اسلام کے راستہ سے بھٹک چکا ہو اور اس کے ساتھی اسے دعوت دے رہے ہوں۔ جب گمراہ شخص ان کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتا ہو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو اس انسان کے ساتھ تشبیہ دی ہے جسے جنوں نے بھٹکا دیا ہو اور غلط راستے پر ڈال دیا ہو، جبکہ اس کے ساتھی اسے راستے کی طرف بلا رہے ہوں یہاں استفہام انکاری ہے اور یہ تشبیہ والا جملہ نُرَدُّ کی ضمیر سے حال ہے۔ هدى الله سے مراد اسلام ہے باقی سب گمراہی ہے وَاُمِرْنَا محل نصب میں ہے کیونکہ اس کا عطف اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى کے محل پر ہے یعنی قُلْ هٰذَا الْقَوْلَ وَ قُلْ اُمِرْنَا

لِنُسْلِمَ میں لام باء کے معنی میں ہے یا زائدہ ہے اور فعل مصدر کی تاویل میں ہے کیونکہ اَنْ مقدر ہے اور یہ اُمِرْنَا کا مفعول بہ ہے یعنی اُمِرْنَا اَنْ نُسْلِمَ یا اُمِرْنَا بِاَنْ نُسْلِمَ یا یہ لام تعلیلیہ ہے اور مفعول بہ محذوف ہے۔ یعنی ہمیں رسولوں کی اتباع کا حکم دیا گیا تا کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکا دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنا یہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں منحصر ہے۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

"اور یہ کہ ٹھیک ٹھیک ادا کرو نماز اور ڈرو اس سے اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے [1]"

[1] اس کا عطف اَنْ نُسْلِمَ پر ہے اور یہ اُمِرْنَا کا مفعول ہے یا اس کی علت ہے یعنی ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز قائم کرو یا نماز اور تقویٰ قائم کرنے کا حکم دیا گیا اور قیامت کے روز اسی کی بارگاہ میں تمہیں اٹھایا جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ

"اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور جس روز وہ کہے گا کہ تو ہو جا تو بس وہ ہو جائے گا۔ [1]"

[1] حق کا ایک معنی حکمت ہے، یعنی آسمان اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ یا یہ محقا کے معنی میں ہے یعنی واقعی یا بالحق میں باء لام کے معنی میں ہے تو معنی ہوگا حق ظاہر کرنے کے لئے انہیں پیدا کیا، یعنی میں نے اسے حق ظاہر کرنے کیلئے پیدا کیا، جس روز اللہ تعالیٰ مخلوق سے فرمائے گا اٹھ کھڑی ہو تو وہ اٹھ کھڑی ہوگی۔ فَيَكُوْنُ مضارع کے آخر میں رفع ہے کیونکہ یہ جملہ خبر یہ ہے، امر کا جواب نہیں اور يَوْمَ اُذْكُرْ فعل کی وجہ سے منسوب ہے یا وَاتَّقُوْهُ میں جو ضمیر منصوب ہے اس پر معطوف ہے یعنی اس دن کے عذاب سے بچو جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کُنْ یا اس کا عطف السموات پر ہے، یعنی آسمان اور وہ دن پیدا فرمایا یا یہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے، یعنی اس نے آسمان، زمین اور اس کے درمیان جو کچھ ہے اسے پیدا کیا اور اسے لوٹائے گا جس دن دوبارہ اٹھانے کے لئے کُنْ فَيَكُوْنُ فرمائے گا۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ

الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۷۳﴾

”اور اسی کا فرمان حق ہے اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن پھونکا جائے گا صور جاننے والا ہے ہر چھپی چیز کا اور ہر ظاہر چیز کا اور وہی ہے حکمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔[1]“

[1] سابقہ آیت میں جو تاویلات کی گئی ہیں ان کے حوالے سے قَوْلُهُ الْحَقُّ مبتدا خبر ہو کر جملہ مستانفہ یعنی اسکا قول لامحالہ حق اور سچا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ آپس میں موصوف صفت ہوں اور یہ يَقُولُ کا فاعل ہو۔ مخلوق اس کی حکم عدولی نہیں کرتی یا اس کا معنی ہے جب وہ فیصلہ کے لئے اپنا قول حق کن فیکون فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قوله الحق مبتدا ہے اور يَوْمَ يَقُولُ اس کی خبر مقدم ہے۔ جس طرح تیرا قول ہے یوم الجمعة قولک الصدق یعنی تیرا سچا قول جمعہ کے روز ہونے والا ہے خبر کو اہتمام کے لئے مقدم کیا گیا معنی اس کا یہ ہے وہ زمین و آسمان کا خالق ہے اور اس کا فرمان حق کائنات میں نافذ ہو کر رہے گا جس روز وہ فرمائے گا کن فیکون۔

لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کا ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ صور اس سینگ کو کہتے ہیں جس میں پھونکا جائے رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا تھا(1) اسے ابوداؤد نے روایت کیا، اسے حسن قرار دیا۔ نیز امام نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ بیہقی نے بعث میں اور ابن مبارک نے زہد میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نقل کیا ہے ابوالشیخ بن حبان نے کتاب العظمہ میں وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفید موتی سے شیشہ کی صفائی میں صور کو پیدا کیا پھر عرش سے فرمایا صور پکڑ لو تو صور عرش کے ساتھ لٹک گیا پھر فرمایا ہو جا تو حضرت اسرافیل پیدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو حکم دیا کہ وہ صور پکڑ لے، انہوں نے صور لے لیا۔ اس صور میں ہر پیدا کردہ روح اور پھونکے گئے نفس کے برابر سوراخ ہیں، ایک سوراخ سے دو روحیں نہیں نکلتیں، اس صور کے وسط میں ایک سوراخ جو آسمان و زمین کی گولائی کے برابر ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام اس سوراخ پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا صور پھونکنے کی ڈیوٹی تیرے ذمہ کر دی ہے، تیرے ذمہ تحمید اور تسبیح ہیں۔ حضرت اسرافیل نے عرش کے اگلے حصہ سے داخل ہو کر اپنا دایاں پاؤں عرش کے نیچے داخل کیا اور بائیں پاؤں کو آگے کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جب سے پیدا کیا وہ اسی انتظار میں رہتا ہے کہ کب اسے حکم دیا جاتا ہے(2) امام احمد طبرانی نے عمدہ سند کیساتھ زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے کیسے آرام نصیب ہو جب حضرت اسرافیل صور پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں اور اپنی پیشانی جھکا رکھی ہے اور کان لگائے ہوئے ہیں کہ کب حکم ملتا ہے۔ صحابہ کرام نے یہ ارشاد سنا تو ان پر بڑا شاق گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ(3) امام احمد اور حاکم نے مستدرک میں، بیہقی نے بعث میں، طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا امام ترمذی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا صبح دو فرشتے جنہیں صور پھونکنے کی ذمہ داری دی گئی ہے اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب انہیں صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے؟

ابن ماجہ اور بزاز نے حضرت ابوسعید خدری سے ہی مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ وہ دو فرشتے صور پھونکنا جن کی ذمہ داری ہے ان کے ہاتھوں میں، دو سینگ ہیں وہ اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ کب انہیں اس کا حکم دیا جاتا ہے؟ حاکم نے ابن عمر کی

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 65 (وزارت تعلیم) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 42 (العلمیہ) 3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 374 (صادر)

حدیث جو حضور ﷺ سے مروی ہے کہ دونوں صور پھونکنے والے دوسرے آسمان میں ہیں، ایک کا سر مشرق میں ہے تو اس کے پاؤں مغرب میں، دوسرے کا سر مغرب میں ہے تو پاؤں مشرق میں، دونوں منتظر رہتے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے کہ وہ صور پھونکیں تو وہ اسی وقت صور پھونکیں گے (1) یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صور پھونکنے والے دو فرشتے ہیں جن کے پاس دو سینگ ہیں۔ طبرانی نے سند حسن کے ساتھ کعب احبار سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ ہے کہ صور پھونکنے والا اپنا ایک گھٹنہ زمین پر ٹکائے ہوئے اور دوسرا کھڑا کیے ہوئے ہے اور صور پر منہ رکھے ہوئے اپنی پشت کو جھکائے ہوئے ہے (یعنی وہ مکمل تیار ہے) اسے حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ اسرافیل کو دیکھے کہ اس نے پروں کو ملا دیا ہے تو یہ صور پھونک دے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کعب کی روایت کی مثل میں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی۔ ابن حجر نے فرمایا یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ صور پھونکنے والا حضرت اسرافیل کے علاوہ کوئی اور فرشتہ ہے، اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ حضرت اسرافیل کو دیکھے کہ ان کے پر آپس میں ملے ہوئے ہیں تو وہ صور پھونک دے پھر حضرت اسرافیل دوبارہ اٹھائے جانے کے لئے صور پھونکیں گے واللہ اعلم۔ ابوالشیخ بن حبان نے کتاب العظمۃ میں ابوبکر ہذلی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرشتہ جس کو صور پھونکنے کی ذمہ داری دی گئی ہے اس کا ایک قدم زمین میں ہے، وہ اپنے گھٹنے پر ٹیک لگائے ہوئے ہے جب سے اسے پیدا کیا گیا وہ حضرت اسرافیل کی طرف دیکھ رہا ہے اور اسی انتظار میں ہے کہ کب اسے اشارہ ملے کہ وہ صور پھونکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اسے بھی جانتی ہے جو موجود ہے اور اسے بھی جانتی ہے جو ابھی موجود نہیں۔ ہر موجود اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں ہے، زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں وہ پیدا کرنے اور فنا کرنے میں حکیم ہے، وہ حساب، جزاء اور تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

"اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے تم بناتے ہو بتوں کو خدا بے شک میں دیکھتا ہوں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں"

یعقوب نے اٰزَرُ ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے تقدیر کلام یوں ہے یَا اٰزَرُ جبکہ باقی قراء نے محل جر میں فتح کے ساتھ پڑھا کیونکہ یہ لِاَبِیْهِ سے عطف بیان ہے، یہ عجمی غیر منصرف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ عربی ہے جو ازر سے مشتق ہے کیونکہ اس کا معنی قوت ہے یا یہ وزر سے مشتق ہے علیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ آزر حقیقت میں حضرت ابراہیم کا چچا تھا، عرب چچا کو بھی اب کہتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اب چچا کے معنی میں ہے نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اس کا نام ناحور تھا، اپنے عظیم آباء و اجداد کے دین پر تھا جس طرح ہم نے سورۂ بقرۃ میں ذکر کیا۔ جب یہ نمرود کا وزیر بنا تو دنیا کے لالچ میں اس نے کفر اپنا لیا اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے روز آزر سے ملیں گے تو اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے فرمائیں گے کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو تو وہ کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے

3۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 42 (العلمیہ)

اے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے روز تو مجھے رسوا نہیں کرے گا، اس رسوائی سے بڑھ کر میرے لیے کیا رسوائی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے پھر کہا جائے گا اے ابراہیم تیرے پاؤں میں کیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ نر بجو ہے جو مٹی میں لت پت ہے اس کے پاؤں سے اسے پکڑا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا(1) واللہ اعلم

امام رازی نے کہا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، وہ باپ نہ تھا یہی قول اسلاف کی ایک جماعت کا ہے زرقانی نے مواہب کی شرح میں کہا کہ اس دعوی کی دلیل کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا وہ شہاب ہیثمی کی وضاحت ہے کہ اہل کتاب اور مورخین کا اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جس طرح امام رازی نے فرمایا۔ امام سیوطی نے کہا ہم نے کئی سندوں سے حضرت ابن عباس، مجاہد، ابن جریر اور سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا بلکہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ سیوطی نے کہا تفسیر ابن منذر میں ایک ایسے قول پر آگاہ ہوا جس میں یہ تھا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ قاموس میں ہے آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام تارخ تھا یا تارح تھا یا یہ دونوں ایک تھے۔ اس قول کی تائید کہ آزر حضرت ابراہیم کا والد نہ تھا وہ حدیث بھی کرتی ہے جو ہم سورۂ بقرہ کی آیت وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ کی تفسیر میں ذکر کی ہے۔ آپ سے یہ صحیح روایت ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا میں بنی آدم کے بہترین خاندانوں میں چلتا رہا یہاں تک کہ مجھے اس خاندان میں سے پیدا کیا گیا جس میں سے میں اب ہوں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے(2) امام سیوطی نے حضور ﷺ کے اجداد کے مسلمان ہونے کے بارے میں چند رسائل لکھے ہیں واللہ اعلم لیکن محمد بن اسحاق، ضحاک اور کلبی نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم کے والد کا نام ہے، حقیقت میں اس کا نام تارخ تھا جس طرح حضرت یعقوب کو اسرائیل بھی کہتے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے کہا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب ہے جس کا نام تارخ تھا۔ سلیمان تیمی نے کہا یہ گالی اور عیب ہے ان کی زبان میں اس کا معنی ٹیڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی فارسی میں بوڑھا شخص ہے(3) اسی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ عجمی ہے، جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ سعید بن مسیب اور مجاہد نے کہا آزر بت کا نام تھا یہ کیونکہ اس کی عبادت کرتا تھا اس لئے اسے آزر کہتے یا یہاں مضاف محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہے عبد آزر، یہ بت کا نام ہے اور اضمار علی شرط تفسیر کی بناء پر منصوب ہے۔

أَصْنَامًا اٰلِهَةً میں اصناما لانا ضمیر ذکر نہ کرنا اس امر پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ وہ صرف آزر کی پوجا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ اور بتوں کی پوجا بھی کرتا تھا۔ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے إِنِّيْ میں یاء کو مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے قوم سے مراد تیرے دین والے، ضلال مبین سے مراد واضح گمراہی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾

"اور اسی طرح ہم نے دکھا دی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تا کہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں"

یعنی جس طرح اہل زمانہ کے برعکس ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق دکھایا اس طرح ہم نے انہیں زمین و آسمان کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 473 (نور محمد) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 50 (نور محمد) 3۔ تفسیر خازن و بغوی، جلد 2، صفحہ 122 (تجاریہ)

بادشاہت دکھائیں گے۔ نُرِی مضارع کا صیغہ حال ماضیہ کی حکایت کے طور پر ہے مَلَكُوْت جبروت اور ترقوت کے وزن پر ہے جس کا معنی غلبہ اور بادشاہت ہے۔ قاموس میں اس طرح ہے یہ ملک سے مشتق ہے، مبالغہ کے لئے اس کے آخر میں واؤ تاء کا اضافہ کر دیا، یعنی عظیم بادشاہت۔ صحاح میں ہے ملکوت اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے ساتھ خاص ہے۔ ملکوت کی سموات اور ارض کی طرف اضافت اس طرح ہے جیسے مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کر دیا جائے۔ اس سے مراد ہوگا اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور آسمانوں کا رب ہونا۔

مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد آسمان و زمین کی نشانیاں ہیں۔ اس کی صورت یہ بنی کہ آپ کو ایک چٹان پر کھڑا کیا گیا اور آپ کے لئے آسمان، زمین، عرش اور زمین کی تہہ ظاہر کر دی گئی، آپ نے وہاں سے جنت میں اپنا مکان دیکھا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اسے جنت میں اس کا مکان دکھا دیا[1]۔ حضرت سلمان سے مروی ہے اور بعض نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کی بادشاہت دکھائی گئی تو آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بدکارہ عورت کے ساتھ بدکاری کر رہا ہے آپ نے اس آدمی کے لئے بددعا کی تو وہ مر گیا پھر آپ نے ایک اور دیکھا۔ اس کے لئے بددعا کی وہ بھی ہلاک ہو گیا پھر آپ نے ایک اور دیکھا بددعا کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم تو مستجاب دعوات ہے۔ میرے بندوں کے بارے میں بددعا نہ کرو۔ میرا اپنے بندوں کے ساتھ تین طرح کا تعلق ہوتا ہے یا تو وہ توبہ کرتا ہے تو میں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں یا میں اس سے ایسا بچہ پیدا کرتا ہوں جو میری عبادت کرتا ہے یا اسے میری بارگاہ میں لایا جاتا ہے اگر میں چاہوں تو معاف کر دوں اگر چاہوں تو اسے سزا دوں۔ ایک روایت میں ہے یا وہ روگردانی کرے گا تو جہنم اس کے پیچھے ہوگی۔ قتادہ نے کہا ملکوت السموات سے مراد سورج، چاند اور ستارے ہیں۔ ملکوت الارض سے مراد پہاڑ، درخت اور سمندر ہیں[2]۔ وَلِيَكُوْنَ کا عطف مقدر کلام پر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يَسْتَدِلَّ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے اور اس کا عطف نُرِی پر ہے، یعنی ہم نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ مشاہدہ کر کے یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف الہام ہونے کی بناء پر بصیرت پر تھے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶

"پھر جب چھا گئی ان پر رات (تو) دیکھا انہوں نے ایک ستارہ بولے (کیا) یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈوب جانے والوں کو"

جَنَّ کا معنی تاریک ہوتا ہے۔ حمزہ، کسائی، ابوبکر اور ابن ذکوان نے یہاں رَاٰ کو اور اس کے مشابہ جہاں بھی لفظ آیا ہے جب یاء کے بعد کوئی ساکن حرف نہ ہو تو راء اور ہمزہ کے فتحہ کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے یہاں کوکب سے مراد زہرہ یا مشتری ستارہ ہے تو کفار پر الزامی دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ وہ بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے۔ ان کی تعظیم بجالاتے اور یہ خیال کرتے کہ تمام امور انہیں کے سپرد ہیں۔ آپ نے ارادہ کیا کہ انہیں ان کی گمراہی پر متنبہ کریں اور نظر و استدلال سے ان کی حق کی طرف راہنمائی کریں تو فرمایا تمہارے گمان کے مطابق یہ میرا رب ہے یا یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے کلام یوں ہے اَهٰذَا رَبِّيْ کیا یہ

1۔ تفسیر خازن و بغوی، جلد 2، صفحہ 123 (تجاریہ)　2۔ تفسیر خازن و بغوی، جلد 2، صفحہ 123 (تجاریہ)

میرا رب ہے یا آپ نے بطور فرض فرمایا کیونکہ استدلال کرنے والا بعض اوقات ایک قول فاسد کو ذکر کرتا ہے کیونکہ اس کا مد مقابل اس کا قائل ہوتا ہے پھر اسے دلیل سے باطل کرتا ہے۔ بعض علماء نے اسے ظاہری معنی میں لیا ہے اور کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت ہدایت کی تلاش میں تھے، توحید کے طلب گار تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق دی اور ہدایت سے نوازا، استدلال کی حالت میں یہ کوئی نقصان دہ نہیں۔

امام بغوی نے فرمایا یہ واقعہ آپ کے بچپنے کا ہے، جبکہ آپ ابھی مکلف نہ تھے اس لئے یہ قول کفر نہیں(1) امام بیضاوی نے فرمایا یہ قول آپ نے اس وقت کیا جب آپ قریب البلوغ تھے یا بلوغت کے ابتدائی ایام تھے۔ شرح خلاصہ امیر جو مولانا ابوبکر کی تصنیف ہے کہ آپ نے کواکب اور چاند سے استدلال پندرہ ماہ کی عمر میں کیا تھا، جبکہ صحیح قول پہلا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس پر کوئی ایسا وقت بھی گزرے جس میں وہ موحد عارف اور غیر اللہ کی عبادت سے مبرا نہ ہو، ایسی ہستی کے بارے میں کیسے تصور کیا جا سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا، اسے پاک کیا اور اسے پہلے سے ہی ہدایت سے نوازا۔ شفاء میں فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ یعنی ہم نے اسے چھوٹی عمر میں ہی ہدایت عطا فرمائی۔ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن عطاء نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش سے قبل ہی انہیں منتخب کر لیا تھا۔ بعض علماء نے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کی طرف بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم پہنچائے کہ وہ دل سے اسے پہچانے اور زبان سے اللہ کا ذکر کرے تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا اَفْعَلُ فَعَلْتُ میں نے ایسا کر دیا، اَفْعَلُ مضارع کا صیغہ نہیں کہا کہ میں ایسا کروں گا۔ یہی ان کی ہدایت تھی۔ اس آیت کا عطف قَالَ اِبْرٰهِیْمُ پر ہے اور كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ جملہ معترضہ ہے اور فاء تعقیب کے لئے ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ استدلال آپ کے اس قول کے بعد ہوا جس میں یہ ذکر ہے اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اگر یہ کلام استدلال کے طریقہ پر ہو تو اس میں فاء تفسیر اور تفصیل کے لئے ہوگا اور یہ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ کی وضاحت ہوگی۔ اس تقدیر کی بناء پر یہ وہ پہلی رات ہوگی جس میں آپ نے ستارے کو عقل و شعور کے زمانے میں پہلی دفعہ دیکھا۔ آپ نے اس سے قبل اس انداز سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس آیت کی تفسیر کی بنیاد کے طور پر مفسرین ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان کے دور میں ہوئی، نمرود وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے اپنے سر پر تاج سجایا تھا اور لوگوں کو اپنی پوجا کرنے کی دعوت دی تھی، اس کے پاس کئی کاہن اور نجومی تھے۔ انہوں نے نمرود کو بتایا کہ اس سال ایسا بچہ پیدا ہوگا جو اہل زمین کا دین بدل دے گا۔ تیری ہلاکت اور تیری بادشاہت کا زوال اس کے ہاتھ سے ہوگا۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات سابقہ انبیاء کی کتابوں میں دیکھی تھی۔

سدی نے کہا نمرود نے اپنے خواب میں ایک ستارہ کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا جس سے سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ گئی۔ نمرود سخت گھبرا گیا، اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا، ان سے اس بارے میں پوچھا انہوں نے کہا وہ ستارہ ایک پیدا ہونے والا بچہ ہے جو اس سال تیرے قریب ہی پیدا ہوگا، تیری اور تیرے گھر والوں کی ہلاکت اور تیرے ملک کا زوال اس کے ہاتھ پر ہوگا تو اس نے اس سال پیدا ہونے والے تمام بچوں کو ہلاک کر دینے کا حکم دے دیا۔ مردوں کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے الگ تھلگ رہیں، ہر دس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 125 (التجاریہ)

آدمیوں پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب عورت کو حیض آتا تو میاں بیوی میں حائل نہ ہوتا کیونکہ وہ حیض کے دنوں میں جماع نہیں کرتے تھے۔ جب وہ پاک ہو جاتی تو ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دیتا۔ آزر(۱) واپس آیا تو اپنی زوجہ کو حیض سے پاک پایا تو حقوق زوجیت ادا کئے تو اس کی بیوی حضرت ابراہیم سے حاملہ ہو گئیں۔ محمد بن اسحٰق نے کہا نمرود نے ہر حاملہ پر ایک نگران مقرر کر رکھا تھا، جس نے عورت کو محبوس کر رکھا تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے پاس کوئی نگران نہ تھا کیونکہ یہ نوعمر تھیں، ان کا حمل معلوم نہ ہوتا تھا۔ سدی نے کہا نمرود مردوں کو لے کر چھاؤنی میں منتقل ہو گیا اور انہیں بیویوں سے الگ کر دیا کیونکہ اسے اس بچے کی پیدائش کا خوف تھا۔ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ وہاں ٹھہرا رہا پھر اسے شہر میں ایک کام پڑا، اسے آزر کے علاوہ اپنی قوم میں سے کسی پر اعتماد نہ تھا، اس نے آزر کو بلا بھیجا اور کہا میرا ایک کام ہے میں پسند کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں تمہیں وصیت کروں۔ میں تجھے نہ بھیجتا مگر مجھے تجھ پر اعتماد ہے۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا۔ آزر نے کہا میں اپنے دین کے بارے میں اس سے بڑھ کر حساس ہوں۔ نمرود نے اسے اپنا کام بتایا۔ آزر شہر گیا، اس کا کام کیا پھر کہا کاش میں گھر جاتا اور انہیں ایک نظر دیکھ لیتا۔ جب حضرت ابراہیم کی والدہ کو دیکھا تو آپ کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور بیوی سے حقوق زوجیت ادا کر لئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ حاملہ ہو گئیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا جب حضرت ابراہیم کی والدہ حاملہ ہو گئیں تو کاہنوں نے نمرود سے کہا وہ بچہ جس کے بارے میں ہم نے تمہیں خبر دی تھی اس کی والدہ آج حاملہ ہو گئی ہے تو نمرود نے بچے قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ جب حضرت ابراہیم کی ولادت کا وقت قریب آیا تو بھاگتی ہوئی گھر سے نکل گئیں اس خوف سے کہ بچے کی ولادت پر کوئی مطلع نہ ہو جائے اور اسے قتل نہ کر دے تو اس نے حضرت ابراہیم کو حلفاء (پانی میں اگنے والی گھاس) میں بچے کو جنا پھر واپس آ گئی۔ اپنے خاوند کو اس کے بارے میں بتایا۔ خاوند نے دریا کے قریب ایک غار کھودی، بچے کو اس میں چھپایا ایک پتھر سے اس کا منہ بند کر دیا تا کہ درندے اسے نقصان نہ پہنچائیں آپ کی والدہ وقتاً فوقتاً آتیں اور حضرت ابراہیم کو دودھ پلا جاتیں۔

محمد بن اسحاق نے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے دردِ زہ محسوس کیا تو رات کے وقت ایک غار کی طرف نکلیں جو قریب ہی تھی، وہاں اس نے آپ کو جنا، بچے کے بارے میں جو کام ہوتا ہے اسے ٹھیک ٹھاک کیا پھر غار کو بند کیا اور گھر لوٹ آئیں پھر جب خبر گیری کے لئے آتیں تو دیکھتیں کہ بچہ زندہ ہے اور اپنا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ ابوروق نے کہا ایک دن حضرت ابراہیم کی والدہ نے کہا میں اس کی انگلیاں ضرور دیکھوں گی تو اس نے پایا کہ ایک انگلی سے وہ پانی چوستا ہے، دوسری انگلی سے دودھ، تیسری سے شہد، چوتھی سے کھجور اور پانچویں سے گھی۔ محمد بن اسحٰق نے کہا آزر نے حضرت ابراہیم کی والدہ سے حمل کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا میں نے بچہ جنا تھا، وہ مر گیا ہے۔ آزر نے اس کی تصدیق کی اور خاموش ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جوان ہونے کے لئے ایک دن مہینے کی طرح اور ایک مہینہ ایک سال کی طرح تھا۔ آپ غار میں پندرہ ماہ تک رہے، آپ نے اپنی ماں سے کہا مجھے یہاں سے نکالو۔ آپ کی والدہ نے آپ کو عشاء کے وقت نکالا۔ انہوں نے باہر آ کر چیزوں کو دیکھا، زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کیا اور کہا جس نے مجھے پیدا کیا، مجھے کھلایا پلایا وہ میرا رب ہے اس کے سوا میرا کوئی معبود نہیں پھر آسمان کی طرف دیکھا، ایک ستارہ دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر اسے دیکھتے رہے یہاں تک کہ ستارہ غائب ہو گیا۔ جب وہ چھپ گیا تو کہا میں چھپ جانے

---

(۱) سابقہ بحث میں حضرت مفسر نے ثابت کیا ہے کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ (مترجم)

والوں کو زیادہ پسند نہیں کرتا پھر چاند چمکتے ہوئے دیکھا کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر اپنی نگاہ کو اس کے پیچھے لگائے رکھا یہاں تک کہ وہ بھی غائب ہو گیا پھر سورج طلوع ہوا اس کیساتھ بھی اس طرح آپ نے کیا پھر اپنے باپ آزر کی طرف لوٹے تو آپ کا رخ درست ہو چکا تھا اور اپنے رب کو پہچان چکے تھے اور اپنی قوم کے دین سے برات کر چکے تھے لیکن اسے قوم پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اسے بتایا کہ وہ اس کا بیٹا ہے، آپ کی والدہ نے بتایا کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور اسے سب کچھ بتایا جو اس نے بچے کے لئے کیا تھا، آزر یہ سن کر خوش ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ اس غار میں سات سال تک رہے ایک قول یہ کیا گیا کہ تیرہ سال تک رہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ سترہ سال تک رہے۔

میں کہتا ہوں اگر یہ قصہ صحیح ہو تو یہاں تک سوائے اس کے کہ ابراہیم کے والد کا نام آزر ہے کوئی اور چیز اس پر دلالت نہیں کرتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کافر تھے۔ جہاں تک آزر کا تعلق ہے اس کا کفر قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اس سے جو امر ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر ہے جو بعض روایات سے ثابت ہے لیکن بعض علماء نے قصہ کے بارے میں یہ کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ ابھی غار میں ہی تھے، آپ نے اپنی ماں سے پوچھا میرا رب کون ہے؟ اس نے جواب دیا تیرا باپ۔ آپ نے پوچھا میرے باپ کا رب کون ہے؟ تو ماں نے جواب دیا نمرود۔ تو آپ نے پوچھا نمرود کا رب کون ہے تو ماں نے کہا خاموش ہو جا تو آپ خاموش ہو گئے۔ آپ کی والدہ اپنے خاوند کے پاس واپس آئیں تو کہا وہ بچہ جس کے بارے میں ہم باتیں کرتے تھے کہ وہ زمین والوں کا دین بدل دے گا تو وہ تیرا بیٹا ہے پھر جو کچھ حضرت ابراہیم نے کہا تھا وہ سب کچھ اپنے خاوند کو بتا دیا۔ آپ کا باپ آپ کے پاس آیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا اے میرے باپ میرا رب کون ہے؟ تو باپ نے جواب دیا تیری ماں۔ آپ نے پوچھا میری ماں کا رب کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا میں۔ آپ نے پوچھا تیرا رب کون ہے تو باپ نے جواب دیا نمرود۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا نمرود کا رب کون ہے؟ تو باپ نے حضرت ابراہیم کو تھپڑ مارا اور کہا خاموش ہو جا۔ جب رات تاریک ہو گئی تو آپ غار کے دروازے پر آئے تو پتھر کے سوراخ سے ایک ستارہ دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے والدین سے کہا مجھے یہاں سے نکالو۔ انہوں نے اسے غار سے نکالا، وہ اسے اس وقت لے کر نکلے جب سورج غروب ہو چکا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں دیکھیں تو آپ نے باپ سے پوچھا یہ کیا ہیں؟ تو اس نے جواب دیا اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں ہیں پھر ضرور بہ ضرور ان کا کوئی خالق اور رب ہوگا پھر آپ نے دیکھا کہ مشتری سیارہ طلوع ہو چکا تھا، اسے زہرہ بھی کہا جاتا ہے، یہ رات مہینے کے آخر میں تھی جس میں چاند دیر سے طلوع ہوتا ہے۔ آپ نے چاند سے پہلے اس ستارے کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ میں اس طرف اشارہ ہے یہ قصہ آپ کے والدین کے کفر پر دلالت کرتا ہے لیکن کفر پر ان کی موت پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز یہ قصہ اپنے اختلاف، مضطرب ہونے اور صحیح سند سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو حضور ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والدین تک تمام آباؤ اجداد مومن ہیں۔ آپ پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف اور پاکیزہ رحموں سے پاکیزہ پشتوں کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کا معنی بھی یہی ہے۔ لفظ اب کا اطلاق چچا پر عام ہے۔ خصوصاً اس صورت میں، جبکہ اس نے پرورش بھی کی ہو۔ شائد تارخ کا وصال اس وقت ہوا، جبکہ حضرت

ابراہیم ابھی اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے یا دودھ پیتے بچے تھے اور آپ کی پرورش آپ کے چچا آزر نے کی واللہ اعلم۔ جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو کہا میں حالت بدلنے والوں کی عبادت کو پسند نہیں کرتا کیونکہ تبدیلی حادث ہونے کی علامت ہے کیونکہ قدیم حوادثات کا محل نہیں بن سکتا اور حادث ہونا الوہیت کے منافی ہے۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾

"پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے پھر جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے [1]۔"

[1] حمزہ اور ابوبکر نے را کو یہاں اور اس کے مشابہ دوسرے مقامات پر جہاں یا ء ایسے ساکن سے ملے جو منفصل ہو تو راء کے فتحہ کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہمزہ کے فتحہ کو امالہ کے ساتھ نہیں پڑھا جبکہ باقی قراء نے اس کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ وصل کی صورت میں ہے۔ وقف کی حالت میں اختلاف اس صورت میں ہے جس طرح رائی کو کہا میں گزر چکا ہے۔ ابوبکر اور ابوشعیب نے ان دونوں سے وصل کی صورت میں راء اور ہمزہ میں تمام مقامات پر امالہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بزی سے بھی اس طرح مروی ہے بازغا جب طلوع ہو رہا ہو، جب ستارے میں استدلال مکمل ہو گیا تو چاند اور سورج میں، یہ قول محض خصم پر الزام کے لئے ہے ورنہ عاقل کے لئے تو اشارہ ہی کافی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب قوت نظریہ میں کمال درجے پر فائز تھے تو ان سے ایک استدلال کی تکمیل کے بعد کسی اور استدلال کی ضرورت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

فَلَمَّاۤ اَفَلَ...... الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ یہ کلام آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی نعمت کا شکر بجا لانے کے لئے کہی۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت نہ ہوتی تو نہ ہم ہدایت پاتے، نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے (1) اس میں آپ کی قوم کے لئے راہنمائی ہے اور انہیں اس امر پر تنبیہ ہے کہ جب چاند کی حالت بدلتی رہتی ہے تو وہ اس قابل نہیں کہ وہ الہ بن سکے۔ جس نے چاند کو الہ بنا لیا وہ گمراہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے غروب ہونے سے استدلال کیا ہے حالانکہ طلوع و غروب دونوں میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال ہوتا ہے کیونکہ غروب سے استدلال کرنا زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں انتقال ادنیٰ حالت کی طرف ہوتا ہے۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

"پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو) بولے (کیا) یہ میرا رب ہے یہ تو ان سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو [1]۔"

[1] ھذا ربی میں اسم اشارہ مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ خبر مذکر ہے اور رب کو تانیث کے اشتباہ سے محفوظ کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اس سے مراد ھذا الطالع (طلوع کرنے والا) ہے یا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مذکر ذکر کیا جو ضیاء اور نور ہے۔ میرے نزدیک عربی

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 282 (صادر)

زبان میں شمس کی تانیث سماعی لفظی ہے کیونکہ اس کی تصغیر شمیسہ آتی ہے، کسی دوسری زبان میں یہ مونث استعمال نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان عربی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکر اسم اشارہ اپنی لغت کے اعتبار سے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو عربی لغت میں حکایت کر دیا یہ سورج ستاروں سے بڑا ہے آپ نے اسے اکبر استدلال اور مشرکوں کے شبہ کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے تمام باطل خداؤں سے براءت کا اظہار کر دیا کیونکہ جب یہ واضح ہو گیا کہ ستارے، چاند اور سورج اجرام علوی عظیم اور روشن ہونے کے باوجود الٰہ نہیں بن سکتے کیونکہ وہ تے نئے تغیرات کا محل ہیں اور وہ کسی پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں جو انہیں پیدا کرے اور جو ان کی خصوصیات میں ان کے ساتھ انہیں خاص کرے تو یہ بت اور دوسرے سفلی اجرام بدرجہ اولیٰ اس لائق ہیں کہ انہیں الٰہ نہ بنایا جائے۔ قوم سے مخاطب ہونا اور جن کی وہ پوجا کرتے ہیں ان سے اپنی براءت کا اظہار کرنا، جبکہ حجت تمام ہو چکی تھی یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ کلام محض مد مقابل کو چپ کرانے کے لئے تھی اس تحقیق کو طلب کرنے کے لئے نہ تھی جو پہلے آپ کو حاصل نہ ہو۔ جب باطل الٰہوں سے براءت کا اظہار کر دیا تو انہیں الٰہ برحق کے وجود کی طرف ان کی راہنمائی کی جس پر تمام ممکنات دلالت کرتی ہیں۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾

"بیشک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے"

نافع، ابن عامر اور حفص نے انی کے یاء کو مفتوح پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ آسمان و زمین کے تمام موجودات جن کی ذاتیں ان کے وجود کا تقاضا نہیں کرتیں سب اللہ تعالیٰ کے وجود اور واجب ہونے پر دال ہیں اور یہ سب چیزیں ایسی ہستی کی محتاج ہیں جو انہیں عدم سے وجود میں لائے حنیفا یہ وجہت کے فاعل سے حال ہے یعنی تمام ادیان سے اسلام کی طرف مائل ہونے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے والا نہیں۔

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۚ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾

"اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے [1]"

[1] جب مشرک اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرکاء کی نفی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح استدلال کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو جھگڑے اور بہتان تراشی پر اتر آئے اور کہا ہمارے بتوں سے ڈرو کہیں یہ تمہیں نقصان نہ پہنچا دیں اور نمرود سے ڈرو کہ کہیں وہ تمہیں قتل نہ کرا دے اور آگ میں جلا نہ دے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا جب میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلیل قائم کر چکا ہوں تو کیا تم اس کے بعد مجھ سے جھگڑا کرتے ہو؟ جبکہ اس نے میری حق اور صحت قائم کرنے کی طرف راہنمائی کی

ہے، جبکہ میں چھوٹا اور ابی تھا۔ ابو عمرو نے وصل کی صورت میں یا کو ثابت رکھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ممکنات میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو ان سے میں نہیں ڈرتا۔ وہ فلکیات سے تعلق رکھتے ہیں جیسے سورج، چاند اور ستارے یا ذوی العقول عناصر میں سے ہوں جیسے نمرود یا جمادات میں سے ہوں جیسے بت کیونکہ یہ سب نفع و نقصان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرت عطا کرنے کے بغیر قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان میں سے کچھ تو مجھ سے بھی زیادہ عاجز ہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم جب غار سے نکلے اور مشرکوں کی طمع ان سے ختم ہو گئی اور آزر نے انہیں اپنی نگہبانی میں لے لیا تو آزر نے بت بنانے شروع کر دیے۔ وہ یہ بت حضرت ابراہیم کو دیتا تا کہ انہیں بازار میں بیچیں۔ حضرت ابراہیم ان بتوں کو بازار لے جاتے اور یوں آواز لگاتے کون ایسی چیز کو خریدے گا جو نقصان دیتی ہے نہ نفع۔ تو کوئی بھی ان سے یہ بت نہ خریدتا۔ جب شام ہوتی تو انہیں دریا کے کنارے لے جاتے، دریا میں ان کا منہ رکھتے اور کہتے پانی پی لو، مقصود قوم کا مذاق اڑانا تھا (1) یعنی یہ بت جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو یہ کسی وقت بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے اس لئے یہ کوئی بعید نہیں کہ اس کے علم میں یہ ہو کہ اس کی تقدیر اس کی تخلیق اور ان کے قدرت عطا کرنے کے ساتھ اس کے بندوں کی جانب سے مجھے کوئی مصیبت پہنچے۔ کیا تم اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے کہ تم بتوں کی طرح مطلق عاجز فی نفسہ عاجز، اللہ تعالیٰ کی عطا اور مشیت سے قادر اور اس قہار جو علی الاطلاق قادر ہے میں فرق کر سکو۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

"اور کیسے ڈروں میں (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے (امن و سلامتی) کا اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔"

یعنی جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو میں ان سے کیسے ڈروں، جبکہ تم اللہ سے نہیں ڈرتے، جبکہ وہ اس شان کے لائق ہے کہ اس سے بہت زیادہ ڈرا جائے کیونکہ وہی قادر ہے، نقصان اور نفع دینے والا بھی وہی ہے۔ اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی تمہارے پاس کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہیں تو پھر موحد جو ان اعتقادات کے حامل ہیں جن کا دلائل عقلیہ اور نقلیہ تقاضا کرتے ہیں یعنی مشرک جن کے پاس کوئی دلیل نہیں کون زیادہ عذاب اور دنیا و آخرت میں مصائب سے بچنے کا مستحق ہے یہاں ای الفریقین کی جگہ اینا نہیں کہا کیونکہ اس میں نفس کی بڑائی کا شائبہ تھا اور اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ امن کا مستحق ہونا صرف میری ذات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر توحید پرست اس کا مستحق ہے اس میں انہیں موحد بننے کی طرف رغبت دلائی جا رہی ہے۔

اگر تم یہ جانتے ہو کہ کون اس کا حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرو جس طرح میں صرف اسی سے ڈرتا ہوں یا اس کا معنی ہے اگر تم صاحب علم اور صاحب بصیرت ہو تو اس سوال کا جواب دینے میں انصاف سے کام لو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 27-28 (تجاریہ)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

"وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں[1]"

[1] جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا وہی عذاب سے امن میں ہیں، حق اور جنت کی طرف ہدایت پانے والے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمان سخت پریشان ہوئے، عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے وہ آیت نہیں سنی جس میں حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ متفق علیہ (1) یہ آیت یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا کلام ہے یا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے ہی اس سوال کا جواب ہے جو آپ نے مشرکوں سے کیا تھا اور ان سے صحیح جواب نہ پایا۔ ابن ابی حاتم نے عبید اللہ بن زحر سے، انہوں نے بکر بن سوادہ سے نقل کیا کہ مسلمانوں کے دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور ایک کو قتل کر دیا پھر حملہ کیا اور دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا پھر حملہ کیا اور تیسرے مسلمان کو قتل کر دیا پھر کہنے لگا کیا اس کے بعد بھی اسلام مجھے فائدہ دے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں تجھے نفع دے گا تو وہ مسلمانوں میں شامل ہو گیا پھر اپنے سابقہ ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور یکے بعد دیگرے تین آدمیوں کو قتل کر دیا۔ علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت اس کے حق میں نازل ہوئی (2)

وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

"اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں بیشک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے[1]"

[1] تلک سے فلما جن علیه .... وهم مهتدون کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اس ضمن میں واضح ترین دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج کے بارے میں جو استدلال پیش کیا تھا وہ آپ کی قوم کے لئے تھا، اپنی ذات کے لئے نہ تھا۔ یہ کیوں نہ ہو کیونکہ نفوس قدسیہ استدلال کے محتاج نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں اس استدلال کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے پیش کیا تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے، یہ تعبیر حقیقت سے بہت بعید ہے۔ حجتنا ترکیب کلام میں اسم اشارہ کی خبر ہے یا اس کی صفت ہے یا اس کا بدل ہے اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ سے مراد ہم نے ان کی اس طرف راہنمائی کی۔ یہ جملہ خبر ہے یا خبر کے بعد دوسری خبر ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے علی قومه سے مراد جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا، جس طرح نمرود اور اس کے پیروکار علی قومه حجتنا کے متعلق ہے اگر اسے خبر یا صفت بنایا جائے اور اگر اسے بدل بنایا جائے تو پھر علی قومه کلام محذوف کے متعلق ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی اتینا ھا ابراھیم حجته علی قومه کوفیوں نے یہاں اور سورۂ یوسف میں درجات کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ نسبت سے تمیز ہے یا یہ مفعول مطلق ہے، یعنی ہم جس کے چاہتے ہیں علم اور حکمت کے درجات بلند کر دیتے ہیں، جبکہ باقی قراء نے اضافت کے ساتھ اسے پڑھا ہے، یعنی ہم ان

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 666 (نور محمد)
2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 50 (العلمیہ)

کے درجات بلند کرتے ہیں۔ درجات بلند کرنے اور پست کرنے میں وہ حکمت سے کام لیتا ہے۔ جس کے درجہ کو بلند فرماتا ہے اسے اور اس کی استعداد کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾

"اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحٰق اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ 1"

1۔ کُلًّا ھَدَیْنَا کا مفعول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ہدایت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمت قرار دیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ والد کا شرف بچے کی طرف بھی منتقل ہوتا ہے اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ محال ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہوں اور پھر آپ کے آباء میں کوئی کافر بھی ہو۔ ذُرِّیَّتِهٖ میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ کلام آپ کے متعلق ہی ہو رہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حضرت نوح کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ ان کا ذکر قریب ہی گزرا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت یونس اور حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے اگر یہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو تو من ذریته سے مراد اس آیت اور بعد والی آیت میں موجود انبیاء ہوں گے اور تیسری آیت میں مذکور انبیاء کا عطف حضرت نوح علیہ السلام پر ہوگا۔ ان ہستیوں سے مراد حضرت داؤد بن ایشا، حضرت سلیمان بن داؤد، حضرت ایوب بن اموص بن رازخ، حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق، حضرت موسیٰ اور ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون جو دونوں عمران بن یصہر کے بیٹے تھے کذالک مابعد فعل کا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ہم محسنین کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں جیسی جزاء ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے احسان پر دی تھی کہ آپ کے اور آپ کی اولاد کے درجات کو بلند کر دیا۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہ دیکھے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے (1) یہ حدیث متفق علیہ ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت جبرئیل امین کے سوال والی حدیث مرفوع ہے۔

وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾

"اور (ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔ 1"

1۔ یعنی حضرت زکریا بن آذن، حضرت یحییٰ بن زکریا، حضرت عیسیٰ بن مریم بنت عمران، حضرت الیاس بن متی بن فخاص، حضرت ابن مسعود نے کہا حضرت الیاس سے مراد حضرت ادریس ہی ہیں، آپ کے دو نام تھے جس طرح یعقوب اور اسرائیل ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے لیکن آیت کا سیاق و سباق اس کی موافقت نہیں کرتا کیونکہ حضرت ادریس حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے نہ تھے بلکہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 12 (وزارت تعلیم)

وہ تو آپ کے جداعلیٰ تھے کیونکہ آپ کا یہ نسب ذکر کیا جاتا ہے، نوح بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ بن ادریس۔ یہ وہ پہلی ہستی ہیں جنہیں بنی آدم میں سے نبوت عطا کی گئی اور آپ نے ہی قلم کے ساتھ لکھا، یہ سب صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم تھے کیونکہ جو کسی ممنوع امر کا ارتکاب کرتا ہے یا کسی حکم کو چھوڑتا ہے تو وہ فاسد امر کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے اگر چہ اس کا فساد کسی اور کے حوالے سے قلیل ہوتا ہے اگر غیر معصوم پر صالح کا اطلاق ہوگا تو یہ اضافی اور غیر حقیقی ہوگا لیکن جو گناہ کا ارتکاب کرے پھر اس سے توبہ کرے اور بعد میں بخشش کا طلبگار ہو تو اس پر صالح کا اطلاق حقیقی ہوگا کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہوتا ہے جس طرح اس نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن جو صالحیت میں کامل ہو وہ معصوم ہوتا ہے۔

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾

"اور (ہدایت دی) اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی سارے جہان والوں پر ؎۱"

؎۱ یعنی حضرت اسمٰعیل جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اور حضور ﷺ کے جداعلیٰ ہیں اور یسع بن اخطوب بن عجوز مراد ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے والیسع کو یہاں لام کو مشدد اور یاء کو ساکن پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے لام کو ساکن اور یاء کو مفتوح پڑھا ہے دونوں قرأتوں کی صورتوں میں یہ عجمی علم ہے جس پر الف لام داخل کیا گیا ہے۔ جس طرح یزید پر الف لام داخل کیا گیا ہے رایت الولید بن الیزید حضرت یونس بن متی اور لوط بن ہارون جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ کلا کا لفظ مابعد فعل کی وجہ سے منصوب ہے عالمین سے مراد ان کے زمانے کے لوگ ہیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ انہیں اس زمانے کی مخلوقات پر فضیلت حاصل تھی وہ فرشتے ہوں یا کوئی اور مخلوق۔

وَ مِنْ اٰبَآىٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾

"اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چن لیا ان (سب) کو اور ہدایت دی ان (سب) کو راہ راست کی ؎۱"

؎۱ اس کا عطف کلا پر ہے یعنی ہم نے انہیں ان کے بعض آباء، ان کی بعض اولاد اور بعض بھائیوں کو فضیلت دی یا اس کا عطف نوحا پر ہے یعنی ہم نے انہیں ان کے آباء، اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو ہدایت دی کیونکہ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو نہ نبی تھے اور نہ ہی ہدایت یافتہ۔ اجتباء کا معنی اختیار کرنا ہے، اس کا عطف فضلنا یا ھدینا پر ہے وھدینھم کو مکرر لایا گیا ہے تا کہ اس چیز کی وضاحت ہو جائے جس کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

"یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ساتھ جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے ؎۱"

؎۱ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یہ اس کا فضل و احسان ہے بفرض محال اگر یہ انبیاء اپنی فضیلت اور اعلیٰ

شان کے باوجود شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے تو کسی اور کی کیا حیثیت ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

"یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنہیں کتاب اور حکمت اور نبوت تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لئے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں [1]"

[1] یہاں کتاب سے مراد نازل ہونے والی کتابوں کی جنس ہے۔ اتیان انزال سے عام ہے یا اس کا معنی ہے ہم نے انہیں تبلیغ کا حکم دیا۔ حکم سے مراد حکمت اور فقہ ہے یا حق کے مطابق جھگڑوں کا فیصلہ کرنا یا ان کا ایسے حاکم ہونا جن کی اطاعت کی جاتی ہے۔ بھا میں ضمیر سے مراد مذکورہ تینوں چیزیں ہیں۔ ھؤلاء سے مراد کفار مکہ اور قوما سے مراد انصار اور اہل مدینہ ہیں۔ انصار کو کفار کے مقابلہ میں ایمان لانے اور اس کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہی قول حضرت ابن عباس اور مجاہد کا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عام ہے۔ یہ تمام صحابہ اہل فارس اور دوسری قوموں میں سے ان کی اتباع کرنے والوں کو شامل ہے۔ ابو رجاء عطاردی نے کہا ان یکفر بھا سے مراد اہل زمین اور فقد وکلنا بھا سے مراد اہل آسمان ہیں اور وہ فرشتے ہیں (1)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾

"یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ تعالیٰ نے تو انہیں کے طریقہ کی پیروی کرو آپ فرمایئے میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اجرت نہیں ہے وہ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لئے [1]"

[1] اسم اشارہ سے مراد مذکورہ انبیاء ہیں۔ ترکیب میں یہ مبتداء ہے اور مابعد اس کی خبر ہے، یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے توحید اصول دین اوامر کی ادائیگی اور منہیات سے رکنے کی توفیق نصیب فرمائی تو ان کے طریقے پر ہی چلو۔ حصر کے لئے ظرف کو مقدم کیا، یعنی ان کی راہنمائی پر ہی چلو۔ اس میں اشارہ کفار کے بارے میں بھی کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گمراہ آباء و اجداد کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے طریقہ کی اقتداء سے مراد اس راستہ کو اپنانا ہے، ان کی تقلید مراد نہیں کیونکہ تقلید امت کے مجتہدین کے لئے بھی مناسب نہیں۔ انبیاء کے لئے کیسے مناسب ہوگی خصوصاً ایسی ہستی کے لئے جو انبیاء کی سردار ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کہ ہدایت کے راستہ اور ایسی شریعت کی اتباع کریں جس کی تائید عقل بھی کرتی ہے، جس طرح سابقہ انبیاء چلتے رہے۔ اس میں یہ تنبیہ بھی موجود ہے کہ ان کا طریقہ ہی حق ہے جو دلیل عقلی اور نقلی کے موافق ہے (2)

امام بیضاوی نے فرمایا ان کی ہدایت سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں انہوں نے باہم موافقت کی جیسے توحید اور دین کے اصول۔ وہ چیزیں مراد نہ ہوں گی جو فروعات میں شمار ہوتی ہیں، جن میں اختلاف ہے کیونکہ یہ سب انبیاء کی طرف منسوب نہیں ہوتیں اور فروعات میں تمام کی اقتداء کرنا ممکن بھی نہیں۔ اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ حضور ﷺ سابقہ شریعتوں کے مکلف تھے۔

میں کہتا ہوں تمام انبیاء کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اس حکم کی اطاعت کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا، جب تک وہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 129 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 183 (دار الجید)

منسوخ نہ ہوا ہو۔ اس لئے ان تمام فرعی احکام کی اتباع بھی لازم ہوگی جو وحی متلو یا وحی غیر متلو کی صورت میں نازل ہوئے اور جن کے بارے میں نسخ کا حکم ثابت نہ ہوا۔ اس لئے پہلی شریعتوں کی اتباع بھی واجب ہے واللہ اعلم۔

اقتدہ میں ھاء سکتہ کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے حمزہ، کسائی اور یعقوب نے وصل کی صورت میں اسے حذف کر دیا ہے، جبکہ باقی قراء نے دونوں صورتوں میں اسے ثابت رکھا ہے کیونکہ کتابت میں موجود ہے۔ ابن عامر نے ھاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن ذکوان نے ابن عامر سے اشباع اور ہشام نے انہیں سے صلہ کے بغیر پڑھا ہے اور اسے ھاء ضمیر کے ساتھ تشبیہ دی ہے یا یہ ضمیر مصدر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اقتدا لاقتداء۔

اے محبوب انہیں فرما دیں میں سابقہ انبیاء کی طرح تم سے تبلیغ اور قرآن پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن میں سابقہ انبیاء کی اقتداء کا حکم دیا گیا۔ اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ قرآن کی تعلیم، فقہ اور حدیث روایت کرنے پر اجر لینا جائز نہیں۔ یہ تبلیغ یا قرآن جن وانس کے لئے سراپا نصیحت ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے ایک مرسل روایت ذکر کی ہے کہ ایک یہودی آیا جسے مالک بن ضیف کہتے تاکہ نبی کریم ﷺ سے جھگڑے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تو تورات میں یہ حکم پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم سے بغض رکھتا ہے۔ وہ یہودی بڑا موٹا تھا تو وہ غصے ہو گیا، اس نے کہا اللہ کی قسم اس نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی (1) تو اس کے ساتھیوں نے کہا تو ہلاک ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں کیا؟

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

"اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لئے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ) اور تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ فرما دیجئے اللہ پر چھوڑ دیجئے انہیں (تاکہ) وہ اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔ 1"

1۔ ابن جریر نے مذکورہ روایت کی مثل عکرمہ سے نقل کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا اسی گفتگو کی وجہ سے یہودیوں نے مذکورہ مالک کو حبر یہ (اجتہاد) کے منصب سے الگ کر دیا اور ابن اشرف کو اس پر فائز کر دیا۔ سدی نے کہا یہ آیت فخاص بن عازوراء کے حق میں نازل ہوئی، وہی یہ بات کرنے والا تھا (2) یہ روایت سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔ ابن جریر نے ابوطلحہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 130 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 53 (العلمیہ)

تعالیٰ نے تو آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1) یعنی انہوں نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انعام کو نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق تھا کیونکہ انہوں نے رسولوں کی بعثت کا انکار کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ حق قدرہ کا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ نوراً یہ الکتاب سے حال ہے یا بہ میں ضمیر سے حال ہے۔ جس کتاب کو تم اوراق پر لکھتے ہو اور الگ الگ رکھتے ہو، جو چاہتے ہو اس کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سے حصوں کو چھپاتے ہو جیسے حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نعت، رجم والی آیت اور دوسری چیزیں۔ اس میں یہودیوں کو شرمندہ کیا گیا اور ان کی اس وجہ سے مذمت کی گئی کہ خواہشات نفسانی کی اتباع کرتے ہوئے انہوں نے تورات کے ساتھ جو کیا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے یجعلونہ یبدونہا اور یخفون پڑھا ہے اور انہیں ماقدروا اور ما قالوا پر محمول کیا ہے، جبکہ باقی قراء نے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ قل مخاطب کا صیغہ ہے۔

وعلمتم میں خطاب یہودیوں کو ہے۔ یہی اکثر علماء کی رائے ہے، یعنی اے یہودیو تمہیں حضور ﷺ کی زبان سے وہ کچھ سکھایا گیا جو تورات میں موجود چیزوں سے زائد ہے یا جو چیز تورات میں ہے تمہارے اور تمہارے آباء کے لئے مشکل تھی اس کو واضح کر دیا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ حسن نے کہا انہیں اس کا علم دیا گیا جو حضرت محمد ﷺ لے کر تشریف لائے لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا(3) مجاہد نے کہا یہ خطاب مسلمانوں کو ہے اور انہیں وہ نعمت یاد دلاتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کی بعثت کے ساتھ علم سے نوازا گیا، جبکہ وہ امی تھے۔ قل اللہ کا تعلق قل من انزل کے ساتھ ہے۔ جب یہودی جواب دینے سے مبہوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جواب دینے کا حکم ارشاد فرمایا یہ شعور دلانے کے لئے کہ جواب متعین ہے، اس کے علاوہ کوئی اور جواب ممکن ہی نہیں یلعبون ترکیب کلام۔

میں ذرھم کے مفعول سے حال ہے ظرف ذرھم کے متعلق ہے یا یلعبون کے متعلق ہے یا یلعبون کے فاعل سے حال ہے یہ بھی جائز ہے کہ یلعبون فی خوضھم کی ضمیر سے حال ہو اور ظرف پہلے فعل کے متعلق ہو۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

"اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اس کو بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے اس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لئے تاکہ ڈرائیں آپ مکہ (والوں) کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں اور جو ایمان لائے ہیں آخرت کے ساتھ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔[1]"

[1] مبارک یعنی زیادہ نفع والی۔ بین یدیہا یعنی تورات اور دوسری پہلی کتابیں ولتنذر کا عطف اس پر ہے جس پر مبارک دلالت کرتا ہے جو لتنفع بہ ہے تقدیر کلام یہ بنے گی لتنفع بہ و لتنذر ابو بکر نے حضرت عاصم سے لینذر پڑھا ہے، یعنی غائب کا صیغہ ہے او

1۔ تفسیر خازن، صفحہ 2، جلد 131 (التجاریہ)

ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔ام القریٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے اسے ام القریٰ اس لئے نام دیا گیا کیونکہ زمین اسی سے پھیلائی گئی یا اس لئے اسے ام القریٰ کہتے ہیں کیونکہ یہ تمام بستیوں کا قبلہ ہے، حج کی جگہ اور زمین پر بسنے والوں کے لوٹنے کی جگہ ہے۔مضاف محذوف ہے یعنی آپ مکہ مکرمہ کے لوگوں کو ڈرائیں۔ حولها سے مراد مکہ مکرمہ کے مشرق مغرب اور زمین کے اطراف مراد ہیں۔ جو انسان آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے انجام سے ڈرتا ہے۔اس کا خوف اسے ہمیشہ نظر وفکر پر برانگیختہ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی اور کتاب پر ایمان لے آتا ہے۔ بہ کی ضمیر ان دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔ نیز وہ طاعات کی حفاظت کرتے ہیں۔نماز کو خصوصاً ذکر فرمایا کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔آیت میں یہودیوں سے اشارۃً بات کی گئی ہے کہ وہ قرآن اور حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے کیونکہ وہ آخرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لائے کیونکہ تورات، قرآن اور قیامت پر ایمان لانا لازم وملزوم ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

"اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسا نازل کیا ہے اللہ نے کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو آج تمہیں دیا جائے گا ذلت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے[1]"

[1] فریۃ کا معنی جھوٹ ہے کذبا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی مالک بن ضیف نے جو بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی اور عمرو بن لحی اور اس کے پیروکار جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے صائبہ اور حام کو حرام قرار دیا ہے، کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر سواری کرنا حرام ہے، ان چوپاؤں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے، ہماری عورتوں پر حرام ہے اگر وہ مردہ ہو تو سب شریک ہیں۔

امام بغوی نے کہا قتادہ نے کہا ہے او قال اوحی.......... مسیلمہ کذاب کے حق میں نازل ہوئی، یہ کاہن تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور گمان کیا کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے(1) ابن جریر نے حضرت عکرمہ سے اسی طرح نقل کیا ہے مسیلمہ نے دو قاصد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ نبی کریم ﷺ نے ان قاصدوں سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ نبی ہے؟ دونوں نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر یہ قاعدہ نہ ہوتا کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔

1۔تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 132 (تجاریہ)

امام بغوی نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ میرے سامنے زمین کے خزانوں کی چابیاں رکھی گئیں۔ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ڈالے گئے جو مجھ پر ناگوار گزرے اور مجھے سخت کوفت ہوئی۔ میری طرف وحی کی گئی کہ میں ان پر پھونک ماروں، میں نے ان پر پھونک ماری تو دونوں غائب ہو گئے۔ میں نے ان کے بارے میں یہ تاویل کی کہ دو کذاب ہوں گے جن میں سے ایک صنعاء والا اور دوسرا یمامہ والا ہے۔ صنعاء والے سے مراد اسود عنسی اور یمامہ والے سے مراد مسیلمہ کذاب ہے(1) امام بغوی نے کہا و من قال.......... اللہ یہ عبداللہ۔ بن ابی سرح کے حق میں نازل ہوا یہ مسلمان ہوا تھا، یہ نبی کریم ﷺ کے لئے وحی کی کتابت کرتا جب حضور ﷺ اسے سمیعا بصیرا املاء کراتے تو یہ علیما حکیما لکھتا۔ جب آپ اسے علیما حکیما املاء کراتے تو یہ غفورا رحیما لکھتا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ رسول اللہ ﷺ نے اسے آیت املاء کرائی تو انسان کی تخلیق کا سن کر وہ متعجب ہوا تو زبان سے کہا تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ تو نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا اسے لکھو کیونکہ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی تو عبداللہ کو شک گزرا اور کہنے لگا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ان کی طرف بھی اسی طرح وحی کی گئی ہے جس طرح میری طرف وحی کی گئی۔ اگر وہ جھوٹے ہیں تو میں نے بھی وہی کہا جس طرح انہوں نے کہا تو اس طرح وہ مرتد ہو گیا اور مشرکوں کے پاس چلا گیا(2)

ابن جریر نے عکرمہ اور سدی سے اسی طرح واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ امام بغوی نے ذکر کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ جب مرالظہر ان کے مقام پر پہنچے تو عبداللہ نے پھر اسلام قبول کر لیا تھا(3) حافظ فتح الدین بن سید الناس نے اپنی سیرت میں کہا ہے عبداللہ بن ابی السرح نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سفارش کرائی تھی۔ حضور ﷺ نے آپ کی سفارش قبول کی تھی۔ بعد میں وہ ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے یہاں تک کہ کسی نے بھی ان کے بارے میں کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ ان کی موت سجدہ کی حالت میں ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن حکیم کا مذاق اڑاتے تھے یہ ان کے قول کا جواب ہے لو نشاء لقلنا مثل هذا(4) میں کہتا ہوں نضر بن حارث مراد ہے وہ کہتا تھا وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا وَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقابلہ کرتا تھا وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ولو تری میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور مفعول بہ محذوف ہے جو الظالمین ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔

اذ الظلمون ترکیب کلام میں مبتداء ہے، اس میں الف لام یا تو عہدی ہے، یعنی اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وہ یہودی، جھوٹے نبی اور استہزاء کرنے والے ہیں یا الف لام جنسی ہے یہ لوگ بھی ان میں داخل ہیں لو کا جواب محذوف ہے جو یہ ہے لَرَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا فَرِيعًا فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ مبتداء کی خبر ہے، اس کا معنی موت کی سختیاں ہیں۔ قاموس میں ہے غمرة الشي سے مراد اس کی سختی ہے۔ اس کا اصل معنی ڈھانپنا ہے جیسے کہا جاتا ہے غَمَرَةُ الْمَاءُ وَاغْتَمَرَهُ یعنی اسے ڈھانپ لیا پھر اسے مصائب کے معنی میں استعمال کیا گیا۔ صحاح میں ہے غمر کا اصل معنی کسی شے کے اثر کو زائل کرنا ہے، اسی وجہ سے زیادہ پانی کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 132 (تجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 132 (تجاریہ)

بھی غمر کہتے ہیں اس تعبیر کی بنا پر غمرہ کی موت کی طرف نسبت بیانیہ ہوگی۔ موت کی شدت کو غمرہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ موت زندگی کے اثر کو زائل کرنے والی ہے۔

والملئکۃ......ایدیھم یہ جملہ ظرف میں پوشیدہ ضمیر سے حال بن رہا ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے، یعنی انہوں نے روحیں قبض کرنے کے لئے ان کی طرف ہاتھ اس طرح بڑھائے ہوئے ہیں جس طرح سختی سے تقاضا کرنے والا کرتا ہے یا انہیں عذاب دینے کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہیں۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یہ خبر کے بعد خبر ہے، یعنی فرشتے انہیں سختی سے کہیں گے اپنے نفوس کو جسموں سے نکالو یا انہیں عذاب سے نکالو اور ہمارے عذاب سے انہیں چھٹکارا دلاؤ۔ الیوم سے مراد ایسا طویل زمانہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ عذاب الھون سے مراد ایسا عذاب ہے جو اپنے ضمن میں شدت اور اہانت کو لئے ہوئے ہے۔ اسے ھون کی طرف مضاف اس لئے کیا ہے کیونکہ وہ اپنے اندر شدت اور اہانت لئے ہوتا ہے اور یہ عوان کے مقابل ہے اور یہ سزا اس لئے ہے کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے تھے کہ اس کا بیٹا ہے، اس کا کوئی شریک ہے، وہ نبوت و وحی کا دعوے دار ہے غیر الحق، تقولون سے مفعول مطلق یا مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایتہ جو قرآن میں نازل شدہ ہیں یا توحید کے دلائل مراد ہیں تم ان سے تکبر کرتے تھے، یعنی ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان پر ایمان لاتے تھے۔

ابن جریر اور دوسرے علماء نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ نضر بن حارث نے کہا عنقریب لات اور عزی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے تو بعد والی آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

"اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی دفعہ اور تم چھوڑ آئے ہو جو ہم نے عطا فرمایا تھا تمہیں اپنے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں بے شک ٹوٹ گئے تمہارے سارے رشتے اور کھو گیا تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے [1]"

[1] یعنی تم موت کے بعد اور قیامت کے روز حساب اور جزاء کے لئے اکیلے اکیلے آؤ گے۔ فرادی یہ جئتمونا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی تم اموال، اولاد، مددگاروں، ساتھیوں اور دنیا کی جن چیزوں کو ترجیح دیتے تھے ان سب سے خالی آؤ گے یا بتوں سے خالی آؤ گے جنہیں تم اپنا شفیع گمان کرتے تھے۔ یہ فرد کی جمع ہے، اس کے آخر میں الف تانیث کے لئے ہے، جس طرح کسالی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف فرشتوں کے قول کی خبر ہے جو فرشتے موت کے وقت یا قیامت کے روز انہیں کہیں گے۔ سیاق کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتے یہ بات اسے موت کے وقت کہیں گے کیونکہ الیوم تجزون کا عطف اس پر کیا جا رہا ہے۔

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یہ فرادیٰ سے بدل ہے، یعنی تم اسی حالت پر آؤ گے جس حالت پر تمہیں پیدا کیا گیا تھا۔ یا یہ فرادیٰ سے حال مرادف ہے یا فرادیٰ کی ضمیر سے حال ہے، یعنی تم ہمارے پاس اسی حالت میں آئے جس طرح تمہیں پہلی دفعہ عریاں، جوتوں اور ختنہ کے بغیر پیدا کیا گیا تھا یا یہ مصدر کی صفت ہے، یعنی تم ایسے آئے جیسے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا یعنی مال، اولاد، خادم وغیرہ سب دنیا میں چھوڑ آئے اور تم معمولی چیز بھی نہ اٹھا سکے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تم ہمارے پاس اسی طرح گھاٹے میں چلے آئے۔ کمال حاصل نہ کیا جس طرح ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا اور اپنی اصل پونجی (عمر) بھی ضائع کر آئے اور ہم نے تمہیں مال اور جو دوسری چیزیں عطا کیں وہ سب دنیا میں چھوڑ آئے، ان میں سے کوئی چیز بھی آخرت کے لئے آگے نہ بھیجی اور آج تمہارے وہ شفیع بھی دکھائی نہیں دیتے جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو کہ وہ رب ہیں اور عبادت کے مستحق ہیں، یعنی بت۔ نافع، حفص اور کسائی نے بَيْنَكُمْ کو منصوب پڑھا ہے فعل کا فاعل مضمر ہے کیونکہ ماقبل فاعل پر دلالت کرتا ہے یا بَيْنَكُمْ کو اس کے موصوف کے قائم مقام رکھا ہے۔ اصل کلام یہ تھی لَقَدْ تَّقَطَّعَ مَا بَيْنَكُمْ یا یہ کہا جائے گا اس کا فاعل ضمیر ہے جو مصدر کی طرف لوٹ رہی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تقطع التقطع بینکم یا یہ کہا جائے گا بَيْنَكُمْ فاعل ہے اور یہاں اسناد مجازی ہے منصوب اس لئے ہے کیونکہ یہ لازم الظرفیۃ ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ فعل کو مجازاً ظرف کی طرف منسوب کیا ہے یا یہ کہا جائے گا بینکم وصلکم کے معنی میں سے ہے یعنی تمہارا تعلق منقطع ہو گیا اور تمہاری جمعیت بکھر گئی۔ بین مصدر ہے جو اضداد میں سے ہے جو وصل اور فصل کے معنی میں اسم اور ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔

ضَلَّ کا معنی ضائع ہونا اور باطل ہونا ہے، یعنی جنہیں تم اپنا شفیع خیال کرتے تھے یا یہ کہتے تھے کہ بعث و جزا نہیں ہوگی وہ سب باطل ہو گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ ہی پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے یہ ہے اللہ پس کدھر تم بہکے چلے جا رہے ہو۔"

۱۔ حسن، قتادہ اور سدی نے کہا کہ سٹے سے دانا اور کھجور کے درخت سے گٹھلی نکالتا ہے زجاج نے کہا کہ خشک دانے اور خشک گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اسی سے سبز پتے نکالتا ہے مجاہد نے کہا کہ دانے اور گٹھلی میں جو لکیری ہوتی ہے وہ مراد ہے ضحاک نے کہا اس سے مراد ان دونوں کو پیدا کرنے والا ہے الحب حبۃ کی جمع ہے اس سے مراد تمام قسم کے وہ دانے ہیں جو کھائے جاتے ہیں جیسے گندم، جو، جوار، چاول وغیرہ نوی نواۃ کی جمع ہے، یہ وہ بیج ہوتا ہے جو کھایا نہیں جاتا جیسے کھجور، آڑو اور خوبانی وغیرہ کی گٹھلیاں (۱)

وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔ یہاں زندہ سے مراد حیوانات اور نباتات ہیں جو نمو پاتے ہیں۔ مردہ سے مراد جو نمو نہیں پاتے جیسے نطفہ، دانہ اور گٹھلی۔ یہ جملہ سابقہ جملے کا بیان ہے اس لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا۔

وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ اس کا عطف فَالِقُ الْحَبِّ پر ہے۔ اسی وجہ سے اسم فاعل کا صیغہ ذکر کیا زندگی اور موت عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے وہی عبادت کا مستحق ہے نہ کہ وہ عبادت کا مستحق ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہر فعل سے اثر قبول کرتا ہے تو تم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 133 (تجاریہ)

اسے چھوڑ کر کہاں پھر رہے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾

"وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لئے یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست سب کچھ جاننے والے کا"

اصباح یہ اَصْبَحَ کا مصدر ہے، جب وہ صبح میں داخل ہو۔ صبح کو اصباح کا نام اس طرح دیا ہے جس طرح محل کو حال کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی رات کی تاریکی سے یا دن کی سفیدی سے عمود صبح کو نکالنے والا ہے یا صبح کی سفیدی کو پھاڑنے والا ہے اس سے مراد وہ تاریکی ہوگی جو صبح کیساتھ ملی ہوتی ہے۔ کوفیوں نے جَعَلَ کو ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور اَلَّيْلَ کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے نصب دی ہے اس کا عطف فالق الاصباح کے معنی پر ہے کیونکہ اس کا معنی بھی فلق الاصباح ہے۔ باقی قراء نے اسے جاعل الَّيْلَ اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے۔

سکنا کو لَّيْلَ کا محمول بنایا ہے کیونکہ انسان اور اکثر حیوانات دن بھر کی مشقت سے آرام کرنے کے لئے نیند سے سکون حاصل کرتے ہیں یا ایک انسان دن بھر لوگوں میں مشغول رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے انس کر کے سکون حاصل کر سکتا ہے۔ اسے اس فعل نے نصب دی ہے جس پر اسم فاعل دلالت کرتا ہے جو اہل کوفہ کے علاوہ دوسرے قراء کی قرات ہے کیونکہ ایسا اسم فاعل جو ماضی کے معنی میں ہے جس پر جَعَلَ کی قرات دلالت کرتی ہے وہ عمل نہیں کرتا۔ اہل کوفہ کی قرات کے مطابق الشَّمْسَ والقَمَرَ اَلَّيْلَ پر معطوف ہیں دوسرے قراء کے نزدیک یہ منصوب ہیں کیونکہ جَعَلَ فعل مقدر ہے یعنی جَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حسبانا یہ حسب کا مصدر ہے جس کا معنی حساب ہے جس طرح حسبان حسب کا مصدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ حساب کی جمع ہے جیسے شہاب کی جمع شہبان آتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اوقات کا حساب لگانے کے لئے بطور علامت بنا دیا ہے جن کی چال سے وقت معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اس الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ کی تقدیر ہے کہ اس نے ان میں تدبیر فرما کر انہیں مسخر کیا اور ان کے چکر کو سب سے نافع بنایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

"اور وہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے ستاروں کو تاکہ سیدھی راہ معلوم کر سکو ان سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں بے شک ہم نے کھول کر بیان کر دیے ہیں دلائل ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔"

یہاں جعل خلق کے معنی میں ہے ظلمت کو براور بحر کی طرف مضاف ملابست کیوجہ سے کیا ہے کیونکہ رات کی تاریکیاں ان دونوں میں واقعہ ہوتی ہیں یا ظلمت سے مراد راستوں کی پیچیدگیاں ہیں انہیں مجازا ظلمات کہا گیا۔ ہم نے ان آیات کو جو صانع اور حکیم کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں صاحب علم قوم کے لئے واضح کر دیا ہے یہاں صاحب علم قوم کی تخصیص اس لئے کی کیونکہ صاحب علم ہی حقیقت میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

"اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ اور ایک امانت رکھے جانے کی بے شک ہم نے تفصیل سے بیان کردی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لئے جو (حقیقت کو) سمجھتے ہیں۔"

وہی ذات پاک ہے جس نے تمہاری تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کی ابن کثیر اور ابو عمرو نے قاف کے کسرہ کے ساتھ مستقر (اسم فاعل) پڑھا ہے پھر تقدیر کلام یہ ہوگی فمنکم مستقر باقی قراء نے اسے اسم مفعول کا صیغہ یا مصدر میمی یا ظرف کا صیغہ پڑھا ہے تقدیر کلام اس طرح ہوگی فمنکم مستقر یا فلکم استقرار یا موضع استقرار مستودع کو دال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے تقدیر کلام اس طرح ہوگی لکم استیداع یا لکم موضع استیداع یا منکم مستودع اسے اسم فاعل کا صیغہ پڑھنا درست نہیں کیونکہ نفس کی طرف استقرار کی نسبت درست ہے، استیداع کی نسبت درست نہیں۔

حضرت ابن مسعود نے کہا کہ مستقر سے مراد ولادت تک رحم میں رہنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ اور مستودع سے مراد دوبارہ اٹھائے جانے تک قبر میں رہنا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا مستقر سے مراد رحم میں ٹھہرنا اور مستودع سے مراد باپ کی پشت میں رہنا ہے(1) ابی سے اس کے برعکس مروی ہے۔ مجاہد نے کہا مستقر سے مراد زمین میں ٹھہرنا اور مستودع سے مراد قبر میں ٹھہرنا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا قبر میں مستقر ہوتا ہے اور دنیا میں مستودع ہوتا ہے(2) میرے نزدیک مستقر جنت یا دوزخ میں اور مستودع اس کے علاوہ میں ہوتا ہے جیسے پشت، رحم، دنیا اور قبر۔

جب نجوم کا ذکر کیا تو یعلمون ذکر فرمایا کیونکہ ستاروں کا معاملہ ظاہر و باہر تھا۔ جب بنی آدم کی تخلیق، ان کے ودیعت کرنے اور ان کے استقرار کا ذکر کیا تو یفقھون کا لفظ ذکر کیا کیونکہ یہ امور بڑے دقیق ہیں جو فقہ اور تدبر کے محتاج ہوتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

"اور وہی ہے جس نے اتارا بادل سے پانی تو ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے اگنے والی ہر چیز پھر ہم نے نکال لیں اس سے ہری ہری بالیں نکالتے ہیں اس سے (خوشہ جس میں) دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں اور (نکالتے ہیں) کھجور سے یعنی اس کے گابھے سے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور (ہم نے پیدا کئے) باغات انگور اور زیتون اور انار کے بعض (شکل و ذائقہ میں) ایک جیسے ہیں اور بعض الگ الگ دیکھو ہر درخت کے پھل کی طرف جب وہ پھل دار ہو اور (دیکھو) اس کے پکنے کو بے شک ان میں نشانیاں ہیں (اس کی قدرت کاملہ کی) اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے"

یہاں سماء سے مراد بادل ہیں۔ بہ میں ضمیر سے مراد پانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نباتات اگائی وہ دانے والی ہو یا گٹھلی والی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 135 (تجاریہ)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 135

سبحان اللہ اس نے ایک ہی پانی سے مختلف قسم کی نباتات پیدا کیں اور ذائقے میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اخرجنا منه میں منه میں ضمیر سے مراد نباتات ہے یا پانی ہے خضرا یہ شیئا کی صفت ہے دانے سے جو چیز نکلتی ہے اور اس سے آگے جو شاخیں نکلتی ہیں وہ مراد ہیں منہ کی ضمیر خضرا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حبا متراکبا سے مراد وہ سٹہ ہے جس کے دانے تہہ در تہہ ہوتے ہیں۔ من طلعها یہ من النحل سے بدل ہے اور یہ خبر ہے اور قنوان مبتداء ہے جو قنو کی جمع ہے جس کا معنی گچھا ہے دانیه کا معنی ہے جس کا حاصل کرنا آسان ہو یا وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں یہاں صرف ان کے قرب کی صفت ذکر کی ہے اسکے مقابل کا ذکر نہیں کیونکہ یہ اپنے مقابل پر بھی دلالت کر رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دلالت پر اکتفا کیا سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ یہاں صرف الحر (گرمی) ذکر کیا حالانکہ یہ لباس سردی سے بھی بچاتا ہے یا لینے والے کا قریب ہونا، اس کا کثرت سے ہونا اور بعض کا بعض کے قریب ہونا عظیم نعمت ہے اور شکر کو زیادہ واجب کرنے والی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یہ ہو وَاَخْرَجْنَا مِنَ النَّخْلِ نَخْلًا مِّنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ۔

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ اس کا عطف نبات كل شيء پر ہے، یعنی ہم نے اس سے انگور کے باغات نکالے۔ اعمش نے اعشیٰ سے، انہوں نے عاصم سے جنات کو مرفوع نقل کیا ہے، اس کا عطف قنوان پر ہے والزيتون والرمان اس کا عطف نبات پر ہے، یعنی ہم نے اس سے زیتون اور انار کے درخت نکالے یا یہ بطور اختصاص منصوب ہیں کیونکہ ان کے ہاں ان دونوں قسموں کو دوسرے پھلوں پر امتیاز حاصل تھا مشتبها وغیره متشابه یہ رمان سے حال ہے یا یہ سب پھلوں سے حال ہے، یعنی ان میں سے بعض بعض کے مشابہ ہیں او ربعض بعض کے شکل وصورت، حیثیت رنگ اور ذائقہ کے مشابہ نہیں، اے لوگو ان پھلوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورہ یٰسٓ میں ثاء اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ ثمار اور ثمرہ کی جمع ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے کیونکہ یہ اسم جنس ہے جس طرح ثمرة سے ثمر اور کلمه سے کلم ہے۔ جب وہ پھل نکلتا ہے تو وہ نفع حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ جب پک جاتا ہے تو کس طرح بڑا اور لذیذ ہو جاتا ہے، یہ مصدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ ایانع کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجر آتی ہے۔ ان تمام مذکورہ آیات میں اس قادر و حکیم کی وحدانیت پر نشانیاں ہیں۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے جو اس کی معاند ہو اور نہ اس کا کوئی ند ہے جو اس کا معارض ہو۔ ایمان دار قوم کی تخصیص اس لئے ہے کیونکہ وہی اس سے استدلال کرتے ہیں ان آیات کا ذکر مشرکین پر توبیخ کو واجب کرتا ہے تو ارشاد فرمایا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

"اور بنایا انہوں نے اللہ کا شریک جنوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں گھڑ لئے ہیں انہوں نے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں [1]"

[1] جعلوا میں واؤ ضمیر کفار مکہ کے لئے ہے جن سے مراد ملائکہ ہیں، جن کی ان کفار نے پرستش کی اور کہا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ فرشتوں کو جن اس لئے کہا کیونکہ وہ پوشیدہ ہوتے ہیں اور اسلئے بھی کہ وہ ربوبیت کے درجہ سے بہت ہی پست ہیں یا جن سے مراد شیاطین ہیں کیونکہ انہوں نے شیاطین کی اطاعت کی اور ان کے ورغلانے سے مشرکین نے بتوں اور غیر اللہ کی عبادت کی یا اس وجہ سے یہ تعبیر کی کیونکہ شیاطین بعض اوقات بتوں میں حلول کر لیتے تھے یا یہ اس طرح اس لئے ذکر کیا کہ کفار کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خیر کو

پیدا فرماتا ہے اور شیطان شر کو پیدا فرماتا ہے جعلوا کے دونوں مفعول لله اور شرکاء ہیں اور الجن شرکاء کا بدل ہے یا اس کے مفعول شرکاء اور الجن ہیں اور لله شرکاء کے متعلق ہے یا اس سے حال ہے۔ وخلقھم یہ لفظ اللہ اسم جلالہ سے حال ہے اور اس سے پہلے قد محذوف ہے یا یہ لفظ اللہ اور الجن دونوں سے حال ہے اور ضمیر منصوب الجن کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی تحقیق وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں اور ہر چیز کو پیدا کیا اور جن کوئی چیز پیدا نہیں کرتے۔ نافع نے خرقوا کو خرقوا کر کے پڑھا ہے، مقصود کثرت بیان کرنا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے گھڑ لئے ہیں کیونکہ یہودیوں نے کہا عزیز بن اللہ اور نصاریٰ نے کہا مسیح بن اللہ، جبکہ عربوں نے کہا الملئکہ بنات اللہ یہ جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا نہ ان کے پاس کوئی دلیل عقلی تھی اور نہ ہی کوئی دلیل نقلی تھی بغیر علم ترکیب کلام میں خرقوا کے فاعل سے حال ہے یا یہ مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی خرقا بغیر علم

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌؕ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ(۱۰۱)

"موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کیونکر ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے [1]"

[1] بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ میں صفت مشبہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے، یعنی اس کے آسمان اور زمین بہت خوبصورت ہیں، ان کی کوئی مثال نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ بدیع مبدع کے معنی میں ہے یعنی پیدا کرنے والا، جبکہ پہلے اس کی مثال موجود نہیں تھی۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے یا یہ مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ انی یہ این یا کیف کے معنی میں ہے۔ اس آیت میں کئی طریقوں سے اس کی اولاد ہونے کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے 1۔ کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ یہ طویل زمانہ تک باقی رہنے کی وجہ سے اولاد سے غنی ہیں۔ جبکہ یہ دونوں اسی جنس سے تعلق رکھتی ہیں جن کی اولاد ہے۔ جب یہ دونوں اپنی بقا کی طوالت کی وجہ سے اولاد سے غنی ہیں تو اللہ تعالیٰ بدرجہ اولیٰ ان سے بے نیاز ہے۔

2۔ وہ عظیم اجسام کا خالق ہے اور اجسام کو پیدا کرنے والا خود جسم نہیں ہو سکتا اور ولادت یہ جسم کے خواص میں سے ہے۔

3۔ بچہ مذکر اور مونث دو ہم جنسوں سے پیدا ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ ہم جنس ہونے سے پاک ہے۔

4۔ بیٹا باپ کی کفو اور اس کی نظیر ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نظیر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز اس کی مخلوق ہے کوئی چیز بھی اس کے ہم پلہ نہیں۔

5۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، جبکہ کوئی دوسرا اس طرح نہیں۔ اسی پر سب کا اتفاق ہے کسی اور کو جو بھی علم حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ(۱۰۲)

"یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے ل"

ل ذلکم مبتدا ہے، اس کا مشار الیہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہے، اس کے مابعد اخبار مترادفہ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض خبریں ہوں اور ان میں سے بعض بدل یا صفت ہوں۔ فاعبدوہ میں فاء سببیہ ہے، یعنی جو ان صفات کا جامع ہو وہی عبادت کا مستحق ہوتا ہے اس کی مخلوقات میں سے کون عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے، یعنی وہ تمہارے امور کا والی اور تمہارے احوال پر نگہبان ہے۔ اس لئے اپنے امور اسی کے سپرد کرو اور عبادت کو اس تک پہنچنے کا وسیلہ بناؤ۔ وہ تمہیں مقاصد میں کامیاب کرے گا اور تمہیں نیکیوں پر بدلہ دے گا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾

"نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے۔ ل"

ل ابن ابی حاتم نے اور دوسرے محدثین نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اگر جن، انسان، شیاطین اور ملائکہ پیدائش سے لیکر فنا ہونے تک سب ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہ کر سکیں گے(1)

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممتنع ہے، جبکہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت نہیں ہوگی، آخرت میں مومنوں کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا۔ معتزلہ کا استدلال چند وجوہ سے باطل ہے۔

1۔ مضارع کا صیغہ یا تو حال کا معنی دیتا ہے اور مستقبل میں بطور مجاز استعمال ہوتا ہے یا یہ دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ اس آیت میں بالا جماع حال مراد ہے کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا کوئی قائل نہیں، یہاں مستقبل مراد لینا جائز نہیں ورنہ حقیقت ومجاز کا جمع ہونا لازم آئے گا یا عموم مشترک لازم آئے گا۔

2۔ الابصار جمع کا صیغہ ہے جو افراد پر دلالت کرتا ہے، یہ جنس کے لئے نہیں اس پر یا تو الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا، یعنی وہ آنکھیں جو دنیا میں موجود ہیں یا یہ استغراق کے لئے ہے۔ اگر یہ الف لام عہدی ہو تو اس میں اس امر کی کوئی دلیل نہ ہوگی کہ جنت میں مومنوں کے لئے جو آنکھیں پیدا ہوں گی ان کے لئے بھی نفی ہے۔ اگر الف لام استغراقی ہو تو پھر آیت کا مدلول یہ ہوگا کہ استغراق (ا) کی نفی کی جائے نہ کہ نفی کا استغراق (ب) مراد لیا جائے کیونکہ اہل جنت کی رؤیت کی نفی پر کوئی دلیل نہیں۔

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ مجھے کوئی زندہ نہیں دیکھے گا مگر وہ مر جائے گا، کوئی خشک نہیں دیکھے گا مگر لڑھک جائے گا، کوئی تر نہیں دیکھے گا مگر پھٹ جائے گا۔ مجھے جنتی دیکھیں گے، ان کی آنکھوں پر موت طاری نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کے جسم بوسیدہ ہوں گے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 96 (العلمیہ)

(ا) سب آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ (ب) کوئی آنکھ بھی نہیں دیکھ سکتی۔ (مترجم)

3۔ادراک رؤیت سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ ادراک کا معنی کسی شے کی حقیقت تک پہنچنا اور اس کا احاطہ کرنا ہے یا کسی چیز تک اس طرح پہنچنا کہ اس میں سے کوئی چیز فوت نہ ہو، جبکہ رویت کا معنی صرف آنکھ سے دیکھنا ہے، یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۚ قَالَ كَلَّا جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس آیت میں جانبین سے رؤیت کے اثبات کے بعد ادراک کی نفی ہے۔

4۔نفی امتناع کو ثابت نہیں کرتی، یعنی یہاں رؤیت کی نفی ہے، اس کے ممتنع ہونے کا ذکر تو نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے کیونکہ وہ لطیف خبیر ہے۔ قاموس میں ہے لطیف کا معنی ہے اپنے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا، اپنی مخلوق پر احسان کرنے والا کیونکہ وہ بڑی نرمی کے ساتھ منافع ان تک پہنچاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اپنے اولیاء پر شفقت فرمانے والا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ لطیف کا معنی مخفی امور کو جاننے والا۔ صحاح میں ہے جو چیز حواس سے نہ جانی جاسکے اس کو لطیف کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کلام میں لف نشر مرتب ہے، یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں کیونکہ وہ لطیف ہے، وہ آنکھوں کا ادراک کر لیتا ہے کیونکہ وہ خبیر ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾

"بے شک آگئیں تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے، جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔[1]"

[1] بصائر سے مراد واضح دلائل ہیں جن کے ساتھ بصیرت حاصل ہوتی ہے جس کی مدد سے تم ہدایت کو گمراہی اور حق کو باطل سے جدا دیکھتے ہو۔ پس بصیرت نفس کی صفت ہے جس طرح بصر بدن کی صفت ہے جو صحبت کو کام میں لایا، حق کو دیکھا اور اس پر ایمان لایا تو اس کا نفع اس کی طرف لوٹے گا جو حق سے اندھا بن گیا، دلائل سے اعراض کیا اور گمراہ ہوگیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ میں تم پر نگہبان نہیں کہ تمہارے اعمال کی حفاظت کروں اور تمہیں ان کا بدلہ دوں بلکہ محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے، میں تو بشیر و نذیر ہوں۔ یہ کلام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زبان پر وارد ہوئی گویا یوں کہا گیا قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

"اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلوں کو اور تاکہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے اور تاکہ ہم واضح کردیں اس کو اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے۔[1]"

[1] نصرف کا معنی ہم وضاحت کرتے ہیں۔ صرف کا اصل معنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا ہے۔ تفصیل میں بھی ایک معنی کو ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ مخاطب سمجھ جائے۔ قاموس میں صرف حدیث کا مفہوم ہے کہ اس میں زیادتی کی جائے اور اسے حسین بنایا جائے یہ صرف فی الدارھم سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے قیمت میں بعض کا بعض پر زائد ہونا۔ صرف کلام کا بھی یہی مفہوم ہے لہ علیه صرف کا معنی ہے۔ اسے اس پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ جب اسے فضیلت

حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنی ہم جنس چیزوں سے مختلف ہو جاتی ہے کذلک مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ہم آیات کو پھیرتے ہیں جس طرح اس سورت میں انہیں گھماتے ہیں۔

ولیقولوا کا عطف کلام مقدر پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے لیتم التبلیغ ولیقولوا اس پر لام لام عاقبہ ہے، یعنی اس امر کا انجام یہ ہوگا کہ تم کہو گے۔ نافع اور کوفیوں نے دال راء کے فتحہ اور سین کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ مخاطب کا صیغہ ہے یہ درست الکتاب سے مشتق ہے، یعنی تم نے کسی اور سے کتاب سیکھی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب آپ ان پر قرآن پڑھیں تو وہ یہ کہیں درست یعنی آپ نے یسار اور جبر سے اس کو سیکھا ہے۔ یہ دونوں رومی غلام تھے پھر آپ ہم پر پڑھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے(1) ابن کثیر اور ابو عمرو نے دارست باب مفاعلہ سے پڑھا ہے، یعنی آپ نے اہل کتاب کے ساتھ اس کا مذاکرہ کیا معنی ایک ہی ہے۔ ابن عامر اور یعقوب نے درست واحد مونث غائب کا صیغہ پڑھا ہے، یہ خبریں گزر چکی ہیں جو آپ ہمیں بتاتے ہیں یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے درس الا ثر دروسا۔

ولنبینہ میں ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ آیات کا ذکر کیونکہ پہلے ہو چکا ہے اس لئے اس کا ذکر بھی گویا پہلے ہو گیا کیونکہ آیات ہی حقیقت میں قرآن ہیں یہاں بھی یعلمون کی قید اس لئے ذکر کی کیونکہ وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں پس آیات کو پھیر پھیر کر لانا اس لئے ہے تاکہ تبلیغ مکمل ہو اور جس نے کہا درست اس کی بدبختی ظاہر ہو اور جس کے لئے حق ظاہر ہو اور وہ سعادت مند ہو۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

"پیروی کیجئے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نہیں کوئی معبود بجز اس کے اور منہ پھیر لو مشرکوں کی طرف سے [1]"

[1] یعنی قرآن پر عمل کرو، وحی کی اتباع کرو واجب ہے اس کی تاکید کے لئے لا اللہ الا ھو کو جملہ معترضہ کے طور پر ذکر کیا ہے یا یہ من ربک سے حال مؤکدہ ہے، یعنی یہ معبود ہونے میں منفرد ہے، آپ ان سے جھگڑا نہ کریں، ان کی باتیں نہ سنیں اور ان کی آراء کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْاؕ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًاۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

"اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وہ شرک نہ کرتے اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہیں آپ ان کے ذمہ دار [1]"

[1] شاء کا مفعول یہ ایمانھم ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھروں گا اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ایمان اور کفر دونوں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہیں اس کی مراد ہر صورت واقع ہوگی جبکہ معتزلہ کا عقیدہ اس سے بہت مختلف ہے۔

یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال پر نگہبان نہیں بنایا کہ ان کے جرم سے تمہیں پکڑ لیا جائے گا۔ عطاء نے کہا ہم نے آپ کو ان پر محافظ نہیں بنایا کہ آپ ان سے اللہ تعالیٰ کا عذاب روکتے رہیں بلکہ آپ کو تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے اور نہ ہی آپ کو وکیل بنایا گیا ہے کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 139 تجاریہ

آپ ان کے امور سرانجام دیں۔ ابن عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے قتادہ سے نقل کیا ہے مسلمان کفار کے بتوں کو گالیاں دیتے تھے تو کفار بھی اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

"اور تم نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا (ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے یونہی آراستہ کر دیا ہے ہم نے ہر امت کے لئے ان کا عمل پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے انہوں نے پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

لے امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی بے شک تم اور جن کی تم پوجا کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں تو مشرکوں نے کہا اے محمد ﷺ ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تیرے رب کی ہجو بیان کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرما دیا کہ وہ بتوں کو برا بھلا کہیں(2)

سدی نے کہا جب ابو طالب کا آخری وقت قریب آیا تو قریش نے کہا چلو ہم اس کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہمارے بارے میں منع کرے کیونکہ ہمیں حیاء آتی ہے کہ ان کی وفات کے بعد اسے قتل کریں کیونکہ عرب کہیں گے ان کا چچا ان کی حفاظت کرتا تھا، جب وہ فوت ہوا تو قریش نے انہیں قتل کر دیا تو ابو سفیان، ابو جہل، نضر بن حارث، امیہ اور ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن عاص اور اسود بن ابی البختری ابو طالب کے پاس آئے، کہا اے ابو طالب آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں، جبکہ محمد نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو اذیت پہنچائی ہے اس لئے آپ پر لازم ہے کہ انہیں بلائیں اور اس کام سے روکیں، ہم اس کو اور اس کے معبود کو چھوڑ دیں گے۔ ابو طالب نے آپ کو بلایا، کہا یہ تیری قوم کے لوگ ہیں، یہ خواہش رکھتے ہیں کہ آپ انہیں اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں تو ہم انہیں اور ان کے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔ ابو طالب نے آپ کو کہا تیری قوم نے انصاف کیا ہے؟ ان کی بات کو مان لے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے بتاؤ اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں کیا تم بھی ایک بات مان لو گے؟ اگر وہ بات مان لو تو تم تمام عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم تمہارا غلام بن جائے گا۔ ابو جہل نے کہا ہاں تیرے باپ کی قسم ہم وہ بھی مانیں گے اور اس جیسی دس اور بھی مانیں گے ہمیں بتاؤ تو سہی وہ بات کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ کہو لا الہ الا اللہ تو انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا اور اٹھ کر چلے گئے تو ابو طالب نے کہا اے بھتیجے اس کے علاوہ کوئی اور کہو تو آپ نے فرمایا میں اس کے علاوہ کچھ کہنے والا نہیں۔ اگر وہ سورج لے آئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دیں اور کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رک جائیں بصورت دیگر ہم آپ کو اور تیرے معبود کو گالی دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(3)

فَيَسُبُّوا اللّٰهَ نہی کا جواب ہونے کی وجہ سے منصوب ہے عدوا کا معنی حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ناواقفی اور جس کے ساتھ اس کا ذکر کرنا واجب ہے اور جن سے وہ ذات منزہ ہے اس سے ناواقف ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 72 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 140 (تجاریہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 140 (تجاریہ)

آیت کا ظاہر تو اگرچہ یہ بتاتا ہے کہ بتوں کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو گالی دینے سے نہی ہے کیونکہ بتوں کو گالی دینا اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کا سبب ہے اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اطاعت جب غالباً معصیت کی طرف لے جائے تو اس اطاعت کو چھوڑ دینا بھی واجب ہے کیونکہ جو چیز شر کی طرف لے جائے وہ خود شر ہوتی ہے۔ جس طرح ہم نے کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کو سب وشتم کرنا مزین کر دیا ہے اس طرح ہم نے ہر مومن اور کافر کے لئے ان کا اچھا اور برا عمل مزین کر دیا توفیق دے کر یا اس سے الگ کر کے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اصلح اللہ تعالیٰ کی ذات پر واجب نہیں جسطرح معتزلہ کا نقطہ نظر ہے پھر ان کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو وہ اچھا یا برا جو بھی عمل کرتے تھے محاسبہ کر کے یا بدلہ دے کر تمہیں آگاہ کر دے گا۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے، اسی طرح بغوی نے ان سے اور کلبی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے گفتگو کی تو قریش نے کہا اے محمد ﷺ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک عصا تھا جسے وہ پتھر پر مارتے تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر دیتے، قوم ثمود کی ایک اونٹنی تھی، آپ بھی کوئی معجزہ لے آئیں جس کے باعث ہم آپ کی تصدیق کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم کون سا معجزہ پسند کرتے ہو؟ تو کہنے لگے آپ ہمارے لئے اس صفا کو سونا بنا دیں۔ امام بغوی نے ان دونوں سے یہ چیزیں زائد ذکر کی ہیں کہ ہمارے بعض مردوں کو اٹھائیں تاکہ ہم ان سے آپ کے بارے میں پوچھیں کیا تم جو کہتے ہو وہ حق ہے یا باطل؟ یا ہمیں فرشتے دکھاؤ جو آپ کے حق میں گواہی دیں۔ ابن جریر اور بغوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جو کچھ کہتے ہو اگر میں ایسا کر دوں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ تو انہوں نے کہا ہم ایسا کریں گے۔ اللہ کی قسم اگر آپ ایسا کریں تو ہم سب آپ کی اتباع کریں گے تو مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ان پر یہ معجزات لے آئیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں تو رسول اللہ ﷺ دعا کرنے لگے کہ اے اللہ اس صفا کو سونا بنا دے تو جبرئیل امین حاضر ہو گئے عرض کی اگر آپ چاہیں تو میں اسے سونا بنا دوں، اس کے باوجود انہوں نے تصدیق نہ کی تو میں انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا اور اگر آپ چاہیں تو آپ ان کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان میں سے کوئی توبہ کرے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلکہ ان میں سے کوئی توبہ کرنے والا توبہ کرے(1) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

"اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے کہ اگر آ گئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس کے ساتھ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے ہی پاس ہیں (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے(1)"

لہ اَقْسَمُوْا میں ضمیر کفار کیلئے ہے۔ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یا حال کی جگہ مصدر واقع ہوا ہے، یعنی قسموں میں سے جس چیز پر وہ قادر ہیں اس کو موکد صورت میں لانے میں وہ پوری کوشش کرتے ہیں جو چیز ان کی قسم اور اسے موکد

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 141 (تجاریہ)

کرنے کا باعث بنتی ہے۔ وہ مطلوبہ معجزات پر اصرار اور جو معجزات دیکھ چکے تھے ان کو حقیر جانتے تھے ان کا یہ اصرار تھا کہ اگر ان کے مطلوبہ معجزات ظاہر ہو گئے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اے محبوب ﷺ انہیں فرما دیں کہ معجزات تو سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہیں جو چاہتا ہے اسے ظاہر فرماتا ہے، ان میں سے کوئی چیز میری قدرت اور اختیار میں نہیں۔

وَمَا يُشْعِرُكُمْ میں ما استفہامیہ ہے جو انکار کا معنی دیتا ہے۔ مسبب کی نفی میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے سبب کا انکار کیا یا یہ ما نافیہ ہے۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں خطاب مشرکوں کو ہے جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں یا یہ خطاب مومنوں کو ہے۔ انها میں ضمیر سے مراد آیات ہیں ابن کثیر، ابو عمرو اور ابو بکر نے عاصم اور یعقوب سے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ کلام یہاں سے شروع ہو رہی ہے۔ اس قرأت کی صورت میں ما يشعر كم کا مفعول بہ محذوف ہے۔ معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد کفار سے جو ایمان یا کفر صادر ہو گا اس کے بارے میں کس نے تمہیں باخبر کیا ہے؟ پھر انہیں بتایا جب وہ آجائیں گے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی تھا کیونکہ ان کے تعین کے مبادی اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا ظل ہے، ان سے ہدایت کا وقوع ممکن نہیں۔ باقی قراء نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ يشعر كم کا مفعول ہے لیکن ابن عامر اور حمزہ نے لا تومنون تاء کے ساتھ مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے کہ یہ مشرکین کو خطاب ہے باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ غیب کا صیغہ ہے اور یہ مومنوں کو خطاب ہے، یعنی اے مومنو یا اے مشرکو تم نہیں جانتے کہ جب وہ معجزات آجائیں گے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے یا تم ایمان نہیں لاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں لا زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں لا زائدہ ہے وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ پھر اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا تمہیں کس نے بتایا کہ جب وہ معجزات آئیں گے۔ تو وہ ایمان لے آئیں گے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ انها لعلها کے معنی میں ہے یعنی شاید جب وہ معجزات ظاہر ہوں تو وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ يا وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

"اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ ایمان نہیں لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں [1]"

[1] و نقلب کا عطف لا یومنون پر ہے مگر جب لا کو زائدہ تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں اس کا عطف ما يشعر كم پر ہے، یعنی ہم ان کے دل حق سے پھیر دیتے ہیں تو پس وہ کچھ سمجھتے نہیں اور ہم ان کی آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں تو وہ عبرت کی نظر سے نہیں دیکھتے اس لئے وہ ایمان بھی نہیں لاتے جس طرح وہ پہلے بھی ایمان نہیں لائے تھے۔ جب شق قمر اور اس جیسے دوسرے معجزات ظاہر ہوئے تھے اور انہیں ہم چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ سرکشی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور ہم انہیں ہدایت نہیں دیتے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں [1]"

[1] آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے کے لئے ہم مردوں کو زندہ کرتے اور تمام جماعتوں کو جمع کر دیتے۔ نافع اور ابن عامر نے قِبلاً پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے باقی نے قُبُلاً پڑھا ہے کیونکہ یہ قبیل بمعنی کفیل کی جمع ہے، یعنی ہم ان پر ہر اس چیز کو جمع کر دیتے جو کفیل ہے اسکی جو انہیں بشارت دی گئی یا انہیں ڈرایا گیا یا یہ قبیل کی جمع ہے جو قبیلہ کی جمع ہے جس کا معنی جماعتیں ہیں یا یہ مصدر ہے جو مقابلہ کے معنی میں ہے، تمام صورتوں میں یہ کل شیءٍ سے حال ہے تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان پر کفر کا فیصلہ غالب ہے اور اس لئے بھی کہ ان کے تعین کا مبدا اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا ظل ہے مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو چاہے تو اس پر ایمان لانے کی تقدیر غالب ہوگئی لیکن اکثر لوگ اس سے جاہل ہیں، یعنی اگر ان کے پاس تمام معجزات لائے جائیں تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے تو وہ ایسی باتوں پر اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کھا رہے ہیں جنہیں وہ سمجھتے نہیں۔ اسی وجہ سے جہالت کی نسبت ان کی اکثریت کی طرف کی، جبکہ مطلق جہالت ان سب کو عام ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اکثر مسلمان اس سے جاہل ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس لئے وہ ان کے ایمان کی طمع میں معجزات کے ظہور کی تمنا کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

"اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوشنما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وہ یہ نہ کرتے سو چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں [1]"

[1] یعنی جس طرح ہم نے قریش کے کفار کو تمہارا دشمن بنا دیا ہے جو تمہیں اذیت دیتے ہیں اور تمہاری مخالفت کرتے ہیں اسی طرح ہم نے پہلے انبیاء کے بھی دشمن بنائے۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفار کی انبیاء سے دشمنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ شیاطین الانس والجن یہ یا تو عدوا سے بدل ہے یا یہ جعلنا کا مفعول اول ہے اور عدواً اس کا مفعول ثانی ہے اور لکل جعلنا کے متعلق ہے یا حال ہے۔ شیاطین سے مراد جن وانس کے سرکش لوگ ہیں۔ قتادہ، مجاہد اور حسن بصری نے کہا کہ انسانوں میں سے بھی شیاطین ہوتے ہیں۔ شیطان ہر شے میں سے سرکش کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی تائید حضرت جابر کی حدیث بھی کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں کتے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر مارنے سے روک دیا اور فرمایا سخت سیاہ دو نقطوں والے کو نہ چھوڑو کیونکہ وہ شیطان ہے (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ علماء نے فرمایا جب شیطان کو مومن بے بس کر دے اور وہ اسے گمراہ کرنے سے عاجز آ جائے تو شیطان انسانوں میں سے کسی سرکش کے پاس جاتا ہے جو انسانوں کا شیطان ہوتا ہے اور اسے مومن کو گمراہ کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے انسانوں اور جنوں کے شر سے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 20 (وزارت تعلیم)

اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی ہے۔

مالک بن دینار نے کہا کہ انسانوں میں سے شیاطین جنوں کے شیاطین سے سخت ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے جب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں تو جنوں کے شیاطین میرے پاس سے چلے جاتے ہیں اور انسانوں کے شیاطین میرے پاس آتے ہیں اور اعلانیہ مجھے معاصی کی طرف لے جاتے ہیں۔ عکرمہ، ضحاک، سدی اور کلبی نے کہا انسانوں کے شیاطین وہ ہیں جو انسانوں کیساتھ لگے رہتے ہیں اور جنوں کے شیاطین وہ ہیں جو جنوں کے ساتھ لگے رہتے ہیں، انسانوں میں سے کوئی شیطان نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے لشکر کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا، ہے ایک جماعت کو وہ انسانوں کی طرف بھیجتا ہے اور ایک جماعت کو جنوں کی طرف بھیجتا ہے۔ دونوں جماعتیں انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی دشمن ہیں وہ ہر وقت ایک دوسرے کو ملتے رہتے ہیں۔ انسانوں کے شیاطین جنوں کے شیاطین کو کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھی کو اس طرح گمراہ کیا تو بھی اپنے آپ کو اس طرح گمراہ کر۔ جنوں کے شیاطین انسانوں کے شیاطین کو بھی اس طرح کہتے ہیں۔ یہ ان کی ایک دوسرے کو وحی ہوتی ہے(1) پہلی تعبیر سیاق وسباق کے حوالے سے راجح قوی ہے۔

یعنی جنوں کے شیاطین انسانوں کے شیاطین کو یا بعض جن دوسروں کو یا بعض انسان دوسروں کو وسوسہ اندازی کرتے ہیں زخرف القول سے مراد ایسے باطل ہیں جن پر ملمع سازی کی گئی ہو۔ غرورا مفعول لہ ہونے یا مفعول مطلق ہونے یا مصدر کے حال کی جگہ واقع ہونے کیوجہ سے منصوب ہے۔ معنی مختلف تعبیروں کی صورت میں یہ ہوگا وہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں تا کہ انسانوں کے لئے قبیح اعمال مزین کریں یا انہیں دھوکہ دیں یا دھوکہ دیتے ہوئے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ انبیاء سے، دشمنی جھوٹی باتوں کا القاء یا دھوکہ نہ دے سکتے۔ یہ بھی معتزلہ کے خلاف دلیل ہے آپ انہیں چھوڑ دیں اور جو وہ آپ پر اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں اسے بھی چھوڑ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء دے گا، تیری مدد کرے گا اور انہیں ذلیل ورسوا کرے گا۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور (چھوڑیئے) تا کہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لائے آخرت پر اور تا کہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وہ اب کر رہے ہیں۔ ؎''

؎ ولتصغی کا عطف غرورا پر ہے۔ اگر غرورا مفعول لہ ہو یا یہ کلام محذوف کے متعلق ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی وفعلنا ذلک لتصغی اسکا معنی تا کہ مائل ہوں۔ الیہ میں ضمیر سے مراد زخرف القول ہے افئدۃ کا معنی دل ہیں تا کہ ان لوگوں کے دل مائل ہوں جھوٹی باتوں کی طرف جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس لئے تا کہ اپنے لئے اس پر راضی ہوں اور اپنے لئے وہ کمائیں جو نافرمانیوں میں سے اپنے لئے کماتے ہیں۔

جب قریش نبی کریم ﷺ سے کہتے ہمارے اور اپنے درمیان ایک ثالث بنالیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 143 (تجاریہ)

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾

"(آپ ان سے پوچھئے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب مفصل اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ تو (اے سننے والے) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے [1]"

[1] یہ قول محذوف کا مقولہ ہے، یعنی اے محمد ﷺ انہیں فرما دیں۔ فاء عاطفہ ہے، اس کا عطف کلام محذوف پر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی أَأُجِيبُ مَا تَطْلُبُوْنَ مِنِّيْ فَغَيْرَ اللّٰهِ کیا تم جو مجھ سے مطالبہ کرتے ہو، اسے قبول کرلوں اور اپنے اور تمہارے درمیان قاضی تلاش کروں جو حق اور ناحق میں فیصلہ کرے۔ غیر یہ ابتغی کا مفعول بہ ہے اور حکما اس سے حال ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو حکما حاکم سے زیادہ بلیغ ہے۔ اسی وجہ سے غیر عادل کو حکم نہیں کہتے الکتاب سے مراد قرآن ہے جو معجزہ ہے، غائب کی خبریں دینے والا ہے، جو سابقہ کتابوں کے موافق ہے، اس میں حق و باطل کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اس طرح کہ یہ ہر التباس کی نفی کرتی ہے مفصلاً یہ الکتاب سے حال ہے اور پھر جملہ لفظ اللہ اسم جلالت سے حال ہے۔ اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ قرآن اپنے اعجاز اور تقریر کی بناء پر تمام معجزات سے مستغنی ہے اتینھم میں ھم ضمیر سے مراد یہود ہیں۔ انه میں ضمیر سے مراد قرآن ہے منزل کو ابن عامر اور حفص نے باب تفعیل سے مشدد پڑھا ہے اور باقی قراء نے باب افعال سے مخفف پڑھا ہے بالحق اس کے معجزہ ہونے کی دلالت پر تاکید کے لئے ہے کیونکہ اہل کتاب جانتے تھے کہ قرآن حق ہے کیونکہ یہ ان کی کتابوں کے مطابق ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ امی ہیں؟ آپ نے ان کی کتابیں نہیں پڑھیں اور نہ ہی ان کے علماء کی مجلس میں بیٹھے۔ علم کی نسبت ان سب کی طرف کی کیونکہ بعض تو فی الحقیقت جانتے تھے اور بعض تھوڑے سے غور و فکر کے ساتھ یا اپنے علماء کی طرف رجوع کر کے جاننے پر قادر تھے اس لئے اے سامع تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾

"اور مکمل ہوگئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا [1]"

[1] کوفہ کے قراء اور یعقوب نے کلمہ کو واحد پڑھا ہے اور اسے جنس پر محمول کیا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا ہے، اس سے مراد خبر، وعدہ، وعید، امر اور نہی جو بھی قرآن میں وارد ہے، یعنی قرآن خبر، عدہ اور وعدہ میں سچائی کے اعتبار سے اور احکام میں عدل کے اعتبار سے اپنی انتہا کو پہنچنے والا ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے اسی طرح کہا ہے۔ یہ دونوں تمیز اور حال کے اعتبار سے منصوب ہیں۔ کوئی

بھی ان میں تبدیلی کرنے والا نہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا اس کی قضا کو رد کرنے والا اور اس کے حکم کو بدلنے والا کوئی نہیں (۱) یا اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ ہی کوئی کتاب ہے جو انہیں منسوخ کرے اور اس کے احکام کو بدل دے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے سننے والا اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں انہیں جاننے والا ہے پس وہ انہیں مہلت نہیں دے گا۔

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

"اور (اے سننے والے) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وہ نہیں پیروی کرتے سوائے گمان کے اور نہیں ہیں وہ مگر محض تخمینے لگاتے ہیں۔ ۱"

۱۔ من فی الارض سے مراد کفار ہیں کیونکہ وہ مومنوں سے زیادہ ہیں سبیل اللہ سے مراد وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو یعنی دین اسلام ان یتبعون میں واؤ ضمیر سے مراد اہل زمین کی اکثریت ہے، یعنی ان کی اکثریت مردوں کو حلال قرار دینے اور بحیرہ کو حرام قرار دینے میں وہ اپنی جہالتوں اور باطل آراء کی اتباع کرتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ ظن وتخمین کی بناء پر کہتے ہیں، ان کے پاس صحیح دلیل کے ساتھ کوئی علم نہیں ہوتا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۱۷﴾

"بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ ۱"

۱۔ یعنی وہ دونوں جماعتوں کو جانتا ہے اور جو کوئی جس کا مستحق ہوگا اللہ تعالیٰ اسے وہ بدلہ عطا فرمائے گا۔ من موصلہ ہے یا موصوفہ ہے۔ یہ ایک فعل کی وجہ سے محل نصب میں ہے جس فعل پر اعلم دلالت کرتا ہے۔ یہ اسم تفضیل اعلم کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ اسم تفضیل اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا یا یہ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے جو جار مجرور اعلم کے متعلق ہے۔

ای اعلم بمن یضل یا من استفہامیہ ہے اور مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور یضل اس کی خبر ہے۔ اس جملہ استفہامیہ کی وجہ سے فعل معلق ہوگا (۱) ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ جو جانور ہم خود قتل کریں وہ تو کھائیں اور جسے اللہ تعالیٰ مارے وہ نہ کھائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

"تو کھاؤ اس میں سے لیا گیا ہے نام خدا جس پر اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو۔ ۱"

۱۔ اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے والے کفار کی پیروی سے منع کیا تو اس کے پیچھے یہ حکم دیا فکلوا یعنی تم حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال قرار دینے میں کفار کی آراء کی پیروی نہ کرو جو مردہ کے حلال ہونے اور ذبیحہ کے حرام ہونے کا قول کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اس کو مباح جانا جائے اور جسے اس نے حرام کیا ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 145 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 133 (وزارت تعلیم)

(۱) اَعْلَمُ علم سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو افعال قلوب میں سے ہے جب فعل اور مفعولوں کے درمیان کلمہ استفہام آ جائے تو اسے تعلیق کہتے ہیں۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾

"اور کیا ہوا تمہیں کہ نہیں کھاتے ہو تم اس جانور کو لیا گیا ہے اللہ کا نام جس پر حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لئے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو[1] "

[1] ما استفہامیہ ہے، محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتداء ہے اور لکم اس کی خبر ہے، قد فَصَّلَ یہ جملہ حال بن رہا ہے۔ نافع، حفص اور یعقوب نے فَصَّلَ اور حرم کو معروف پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بیان کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کی ہیں۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے باب تفعیل سے فُصِّلَ اور حرم کو مجہول کر کے پڑھا ہے، جبکہ ابو بکر، حمزہ اور کسائی نے فصل کو معروف اور حرم کو مجہول کر کے پڑھا ہے۔ محرمات کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا۔ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ یہ حرم کی ضمیر سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں ما مصدریہ ہے جو مدت کے معنی میں ہے جو چیزیں تم پر تمام اوقات میں حرام کی گئی ہیں مگر مجبوری کے وقت انہیں تم پر کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ سوال اگر یہ کیا جائے اس استثناء کا کیا فائدہ ہے، جبکہ قد فصل لکم ما حرم علیکم اس سے غنی کر دیتا ہے کیونکہ تفصیل استثناء کو بھی شامل ہوتی ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے اس کا فائدہ یہ ہے جو چیز حرام نہیں کی گئی اس کے کھانے سے رکنے کی نہی میں مبالغہ کرنا مقصود ہے کیونکہ جو چیز حرام ہو وہ بھی مجبوری کے عالم میں مباح ہو جاتی ہے حلال کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ ہر صورت میں حلال رہتی ہے کبھی حرام نہیں ہوتی، جبکہ کثیر لوگ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے کر گمراہ ہو چکے ہیں۔ کوفیوں نے یہاں اور سورۂ یونس میں لیضلون کو باب افعال سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد کا صیغہ پڑھا ہے بغیر علم سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ حق سے باطل کی طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾

"اور ترک کر دو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلدی ہی سزا دی جائے گی انہیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے[1] "

[1] یعنی تمام کے تمام گناہ چھوڑ دو۔ ان میں سے ظاہر سے مراد ظاہری اعضاء کے اعمال اور باطنی سے مراد دل کے اعمال اور نفس کی صفات ہیں۔ کلبی اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے اس سے مراد اعلانیہ اور مخفی طریقہ سے بدکاری کرنا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا ظاہر سے مراد محارم کے ساتھ نکاح اور باطن سے مراد زنا ہے۔ ابن زیاد نے کہا ظاہر سے مراد کپڑے اتار پھینکنا اور ننگے طواف کرنا اور باطن سے مراد بدکاری کرنا ہے۔ کلبی سے روایت ہے ظاہر سے مراد مردوں کا دن کے وقت ننگے طواف کرنا اور باطن سے مراد عورتوں کا رات کے

وقت ننگے طواف کرنا ہے(1) بے شک جو انسان بھی برا عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾

"اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا اللہ کا نام اس پر اور اس کا کھانا نافرمانی ہے اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات) تا کہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے ۔ا۔"

ا۔ یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے امام احمد کی دلیل ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں وہ ذبیحہ جس پر جان بوجھ کر یا بھول کر بسم اللہ چھوڑ دیا گیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں۔ داؤد، ابو ثور، شعبی اور محمد بن سیرین کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ امام مالک نے فرمایا جس ذبیحہ پر بھول کر تکبیر نہ کہی گئی ہو اسے اس آیت کے عموم سے خارج کیا جائے گا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایسے آدمی کے بارے میں بتائیں جس نے جانور ذبح کرتے وقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام ہر مومن کے منہ میں ہے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا اور حضرت ابن عباس کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت تکبیر کہنا بھول گیا تو وہ پہلے تکبیر کہے اور پھر اس جانور کو کھالے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروان بن سالم ہے۔ امام احمد نے کہا یہ ثقہ نہیں، امام نسائی اور دار قطنی نے کہا وہ متروک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں معقل ہے جو مجہول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جس ذبیحہ پر بھول کر تکبیر نہ کہی گئی ہو اس کو کھانا جائز ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے قاعدہ کے مطابق خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص صحیح نہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہم یہ کہتے ہیں اس آیت کو عام ماننے سے بھولنے والے کے لئے حرج ثابت ہوگا جو مخفی نہیں کیونکہ انسان اکثر بھول ہی جاتا ہے، جبکہ حرج اٹھا دیا گیا ہے۔ نص کا معنی وہ نہیں جو ظاہر سے سمجھا جا رہا ہے کیونکہ اگر اس آیت سے عموم مراد ہوتو جھگڑا پیدا ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو سب اس کی اطاعت کرتے اور قرن اول میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ صاحب ہدایہ کے اس قول کا ضعف مخفی نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا ما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے مراد مردہ جانور اور وہ جانور ہیں جنہیں ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ نافرمانی ہے۔ فسق سے مراد یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ جس طرح اس سورت کے آخر میں ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ...... اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔

امام شافعی نے اس جانور کے حلال ہونے کا قول کیا ہے جسے ذبح کرتے وقت مسلمان نے جان بوجھ کر تکبیر نہ کہی ہو کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ ایک قوم نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہاں ایسے لوگ ہیں جو قریب ہی مسلمان ہوئے، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کیا ذبح کرتے وقت وہ تکبیر کہتے ہیں یا کہ نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم خود تکبیر کہہ لو اور اسے کھالو۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے(2) امام بغوی نے کہا اگر تکبیر مباح ہونے کے لئے شرط ہوتی تو تکبیر کے وجود میں شک کا ہونا اس کے کھانے میں مانع ہوتا ہے۔ جس طرح ذبح ہونے میں شک ہو تو اس کو کھانا منع ہوتا ہے۔

صلت کی حدیث مرسل سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اس پر تکبیر کہی جائے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 146 (تجاریہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 276 (وزارت تعلیم)

یا نہ کہی جائے۔ اسے ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے (1) احناف نے کہا صلت کی حدیث بھول جانے پر محمول کی جائے گی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہمارے لئے حجت ہے، ہمارے خلاف حجت نہیں کیونکہ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہے تاہم یہ شک تھا کہ کیا تکبیر کہی گئی یا نہیں۔ اس لئے ہی انہوں نے اس کے گوشت کو کھانے کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی حلت کے لئے تکبیر کہنا شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے کھانے کا حکم اسلئے دیا کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ مسلمان جان بوجھ کر تکبیر نہیں چھوڑتا۔ جس طرح جب مسلمانوں کے بازار سے گوشت خریدا جائے تو ظاہر کو دیکھتے ہوئے اسے کھانا جائز ہوتا ہے اگرچہ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ ایک مجوسی کا ذبیحہ ہو۔

امام شافعی نے جو یہ کہا ہے کہ یہ آیت مردار اور ان جانوروں کے بارے میں ہے جنہیں ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو وہ قابل توجہ نہیں کیونکہ اعتبار نص کے عموم کا ہوتا ہے، جبکہ کتاب وسنت میں نصوص سب کی سب ذبح اور شکار کے متعلق تکبیر کے بارے میں مقید آئی ہیں یہ اور ذبح کے دوسرے مسائل سورۂ مائدہ میں گزر چکے ہیں۔ شرح مقدمۃ مالکیہ میں کہا کہ ابوالقاسم کے نزدیک امام مالک کے مذہب میں ایسا مذبوحہ کھانا حلال ہے جس پر جان بوجھ کر تکبیر نہ کہی گئی ہو، جبکہ مدونہ میں امام مالک کا مذہب یہ ذکر کیا گیا کہ ایسا مذبوحہ کھانا جائز نہیں، مدونہ کا مذہب ہی زیادہ مشہور ہے، یہ اختلاف غیر متہاون میں ہے، متہاون کے ذبیحہ کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ابن حارث اور ابن بشیر نے بھی کہا ہے۔ متہاون اسے کہتے ہیں جس سے بھول جانے کا عمل بار بار ہوتا ہے واللہ اعلم۔

طبرانی اور دوسرے لوگوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ایرانیوں نے قریش کو پیغام بھیجا کہ محمد ﷺ سے پوچھو جسے آپ چھری سے ذبح کریں وہ حلال اور جسے اللہ مارے یعنی مردہ تو وہ حرام (2) ابوداؤد، حاکم اور دوسرے محدثین نے کفار مکہ کا قول ذکر کیا ہے۔ ایرانیوں کا ذکر نہیں کیا تو آیت کا اگلا حصہ نازل ہوا کہ ایرانیوں میں سے شیاطین یا جنوں کے شیاطین اپنے دوستوں کفار مکہ یا تمام کافروں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے ہیں کہ اس مسئلہ میں آپ سے مجادلہ کریں اے مومنو! اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑتا ہے یا غیر اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے دین کی اتباع کرتا ہے تو وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ جزاء سے فاء کو حذف کیا کیونکہ شرط میں ماضی کا صیغہ ہے۔ زجاج نے کہا اس میں یہ دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی کو حلال جانا یا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں سے کسی کو حرام جانا تو وہ مشرک ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اس وقت ہوگا جب یہ (حلت وحرمت کا حکم) دلیل قطعی سے ثابت ہو۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾

"کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جسے کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے یونہی آراستہ کر دیئے گئے کافروں کے لئے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے۔"

1۔ مراسیل ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 16 (قدیمی)　　2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 78 (العلمیہ)

لے یہاں میتا سے مراد کافر ہے جس کا دل حق سے غافل ہو نافع اور یعقوب نے یہاں سورۂ یٰس میں الارض المیتة اور سورۂ حجرات میں لحم اخیہ میتا میں یاء کو مشدد پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کو ساکن پڑھا ہے، یہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اسی طرح اس ارشاد میں یہ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ کیونکہ کافر مردہ کی طرح نفع اور نقصان دینے والی چیزوں میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

تو ہم نے اس کے دل کو ایمان کے نور کے ساتھ زندہ کر دیا۔ له نورا میں نور سے مراد مومن کی فراست ہے جس کے ذریعے وہ باطل اور حق میں امتیاز کرتا ہے، جس نور کی وجہ سے وہ ایسے راستے پر چلتا ہے جس کا عقل سلیم طبع مستقیم اور شرع شریف تقاضا کرتی ہے مثل سے مراد اس کی حالت اور صفت ہے۔ ترکیب کلام میں مثله مبتدا و فِي الظُّلُمٰتِ اس کی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فِي الظُّلُمٰتِ مبتدا محذوف کی خبر ہو، یہ جملہ مثله مبتداء کی خبر ہو پھر یہ جملہ من کا صلہ ہو۔ لیس بخارج منها یہ ظرف میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے، مثله میں ہ ضمیر سے حال نہیں کیونکہ دونوں میں فاصلہ ہے معنی یہ ہوگا کیا وہ جو مومن ہے اس کافر کی طرح ہو سکتا ہے جو ایمان نہیں لایا یہاں استفہام انکاری کا ہے یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کی ہم مثل نہیں۔

ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا یہ آیت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن جریر نے ضحاک سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد حمزہ بن عبد المطلب اور ابو جہل ہیں، اس کی وجہ یہ بنی کہ ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ پر اونٹ کا اوجھ ڈالا تھا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں خبر دی گئی، وہ شکار سے واپس آرہے تھے، ان کے ہاتھ میں کمان تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، آپ غضبناک ہو کر اس طرف بڑھے اور اسے کمان سے مارنے لگے۔ ابو جہل آہ وزاری کر رہا تھا اور کہتا تھا اے ابو یعلی کیا تم دیکھتے نہیں جو محمد ﷺ لائے ہیں اس کے ساتھ ہمارے عقلوں کو بے وقوف بناتے ہیں، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ہمارے آباء و اجداد کی مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت حمزہ نے کہا تم سے بڑھ کر کون زیادہ بے وقوف ہوگا؟ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہو، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ الله وحده لا شریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)

عکرمہ اور کلبی نے کہا یہ آیت عمار بن یاسر اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی (2) روایات اس امر پر متفق ہیں مثله فی الظلمات سے مراد ابو جہل اور اس کے مقابل سے مراد تین میں سے ایک ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ تینوں قریب قریب مسلمان ہوئے، اسی زمانہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ الفاظ عام ہیں اس لئے تمام پر اسے محمول کرنا ممکن ہے۔ اس آیت میں ابو جہل کے گمان کا رد ہے، وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ان مومنوں سے افضل ہے جنہوں نے آباء و اجداد کی مخالفت کی اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا۔ سیاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ کفار کی فضیلت کی نفی کی جائے مگر اللہ تعالیٰ نے مساوات کی نفی کر دی تاکہ کفار کی افضلیت کی نفی پر بلیغ دلالت ہو جائے۔ ساتھ ہی یہ وہم پیدا نہ ہو کہ وہ برابر ہیں۔ جو چیز مومنوں کی فضیلت کا تقاضا کرتی ہے اس کے ساتھ مساوات کی نفی بلکہ مومنوں کا جمال و کمال کے ساتھ مختص ہونا اور کفار سے ان کی مطلقاً نفی پر استدلال کیا گیا ہے مومنوں کا کمال میں خاص ہونا اور کفار کے ساتھ ان کی مساوات کی نفی میں اگر دلالت مطابقی کا اعتبار کیا جائے تو یہ اشارۃ النص ہوگی۔ اگر ان میں دلالت التزامی کا اعتبار کیا جائے تو کفار کی فضیلت پر نفی میں یہ عبارۃ النص ہے۔ جس طرح ابو جہل کے لئے اس کے اعمال مزین کئے گئے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو مومنوں سے افضل گمان کیا اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 182 (تجاریہ)　2۔ ایضاً

طرح تمام کفار کے لئے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

''اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تا کہ وہ مکر و فریب کیا کریں اس میں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس بات کو) نہیں سمجھتے [1]''

[1] جس طرح ہم نے مکہ کے سرداروں کو مجرم بنا دیا تا کہ وہ اس میں مکر و فریب کریں۔ اس طرح ہم نے تمام بستیوں میں ایسا ہی کیا ہے۔ اگر جعلنا صرنا کے معنی میں ہو یا تو اس کے دو مفعول فی کل قریۃ اور اکابر ہوں گے اور مجرمیھا اکابر سے بدل ہو گا یا اس کے مفعول اکابر اور مجرمیھا ہوں گے اور مفعول ثانی مقدم اور مفعول اول موخر ہو گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اکابر مجرمیھا کی طرف مضاف ہو اور یہ ایک مفعول ہو اور دوسرا مفعول فی کل قریۃ ہو۔ اگر جعلنا مکنا کے معنی میں ہو تو جار مجرور مکنا کے متعلق ہو گا اور اکابر مجرمیھا کی طرف مضاف ہو کر اس کا مفعول ہو گا۔ اسم تفضیل کا صیغہ جب مضاف ہو تو اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں کہ اسے مفرد ذکر کیا جائے اور موصوف کے مطابق لایا جائے۔ یہاں اکابر کو ذکر کیا ہے کیونکہ یہ لوگوں کو اپنے پیچھے لگاتے اور ان کے ساتھ مکر کرنے میں قوی ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ ابتداء کمزوروں کو رسولوں کا پیروکار بناتا ہے۔ مکر کا معنی دھوکہ دینا ہے، قاموس میں اسی طرح ہے۔ صحاح میں اس کا معنی یہ ہے مکر کا معنی کسی دوسرے شخص کو حیلہ کر کے اس کے ارادے سے روک دینا۔ قریش مکہ کا مکر یہ ہوتا تھا کہ وہ مکہ کے ہر راستہ پر چار آدمی بٹھاتے تا کہ وہ لوگوں کو حضور ﷺ پر ایمان لانے سے روک دیں۔ وہ ہر آنے والے کو کہتے اس آدمی سے بچو کیونکہ یہ کاہن، ساحر اور کذاب ہے(1)

وہ اپنے خلاف ہی تدبیریں کرتے ہیں کیونکہ اس کا وبال ان کی طرف ہی پلٹتا ہے اور انہیں شعور بھی نہیں ہوتا۔ امام بغوی نے کہا قتادہ نے کہا ابو جہل نے کہا بنو عبد مناف نے ہمارے ساتھ بزرگی میں مقابلہ کیا یہاں تک کہ ہم برابر (۱) برابر رہے۔ انہوں نے کہا ہم میں نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے اللہ کی قسم ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور کبھی بھی اس کی اتباع نہیں کریں گے مگر اسی صورت میں کہ ہماری طرف بھی اسی طرح وہ وحی آئے جس طرح ان کی طرف وحی آتی ہے(2) ایک قول یہ کیا گیا ولید بن مغیرہ نے کہا اگر نبوت حق ہوتی تو میں تم سے اس کا زیادہ حقدار تھا کیونکہ میں عمر میں تم سے بڑا اور مال میں تم سے زیادہ حیثیت کا مالک ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝

''اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 148 (تجاریہ) 2۔ ایضاً

(۱) ہو رسیٰ رھان یہ لفظ ضرب المثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جب دو گھوڑے دوڑائے جائیں اور وہ برابر رہیں۔ قاموس۔

جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی (ا) رسالت کو عنقریب پہنچے گی جنہوں نے جرم کئے ذلت اللہ کے ہاں اور سخت عذاب بوجہ ان مکروں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔ ل ''

ل قالوا میں ضمیر سے مراد قریش کے کفار ہیں ابن کثیر اور حفص نے رسالہ کو مفرد پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے جمع مونث سالم کا صیغہ اور تاء کے نیچے کسرہ پڑھا ہے، یہ جملہ مستانفہ ہے اور ان کا رد مقصود ہے کہ نبوت نسب، مال اور عمر سے نہیں ملتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے جو اس کا زیادہ حقدار ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء کے تعینات کے مبادی اللہ تعالیٰ کی صفات ہوتی ہیں، ان میں ظل (پرتو) کا شائبہ نہیں ہوتا، جبکہ دوسرے لوگوں کے تعینات کے مبادی اسماء اور صفات کے ظل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ واجب ہیں لیکن ان کا وجوب (ب) بالغیر ہے کیونکہ یہ ذات کی محتاج ہیں اس لئے وہ انبیاء اور ملائکہ کے مبادی کے تعینات ہو گئیں اسی وجہ سے عصمت ان دونوں قسموں کے ساتھ خاص ہو گئی۔

مگر صفات کی دو حیثیتیں ہیں، ایک بطونی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہونے کے اعتبار سے ہے یہی ملائکہ کے تعین کا مبدا ہے۔ دوسری ظہوری ہے، یہ عالم کا منبع ہونے کے اعتبار سے ہے، یہی انبیاء کے تعین کا مبداء ہے اسی لئے ملائکہ کی ولایت ارفع اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے اور انبیاء کی فرشتوں پر فضیلت وہ اس نبوت کی وجہ سے جو بشر کے ساتھ خاص ہے جو (نبوت) خالص تجلیات ذاتیہ کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نبوت و رسالت کا استحقاق اللہ تعالیٰ کی صفات کے تعین کا مبدا ہونے سے پیدا ہوتا ہے، نسب، عمر اور مال سے استحقاق پیدا نہیں ہوتا جس طرح بے بصیرت لوگ گمان کرتے ہیں۔

اجرموا میں واؤ ضمیر سے مراد کفار کے سردار ہیں صغار کا معنی ذلت و رسوائی ہے عند اللہ سے مراد یوم قیامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کی تقدیر من عند اللہ ہے، یعنی دنیا اور آخرت میں اور عذاب شدید سے مراد دنیا میں قتل اور قید ہے جس طرح بدر کے دن کفار قریش کو پیش آیا اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ بما کانوا میں باء سببیہ ہے یا مقابلہ کے لئے ہے۔ یعنی یہ عذاب دنیا میں ان کے مکر کے سبب ہوگا یا ان کے مکر کی جزاء کے طور پر ہوگا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''اور جس (خوش نصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے اور جس (بدنصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ، بہت تنگ، گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ ناپاکی ان پر جو ایمان نہیں لاتے۔ ل ''

(ا) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں نظر کی تو حضور ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا اسے اپنے لئے چن لیا، رسول بنا کر مبعوث کیا پھر حضور ﷺ کے دل کے بعد لوگوں کے دلوں میں نظر کی تو حضور ﷺ کے صحابہ کو سب سے بہتر پایا تو انہیں حضور ﷺ کا وزیر بنا دیا جو اس کے دین کے لئے جہاد کرتے۔ جسے مومن اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہے، جسے مومن برا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے۔ اس کی صفات اس کی ذات سے تعلق کی بناء پر واجب ہیں۔

لے یھدیہ کا مفعول ثانی معرفتہ طریق الحق ہے، یعنی حق کے راستہ کی پہچان کی طرف اس کی راہنمائی کرے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے شرح صدر کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے جس وجہ سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں وہ حق کی معرفت کیلئے وسیع ہو جاتا ہے اور وہ آدمی مومن بن جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اس کی کوئی نشانی بھی ہے فرمایا وہاں انسان کا رجحان آخرت کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ دنیا سے پہلو تہی کرتا ہے اور وہ موت سے پہلے ہی موت کی تیاری شروع کر دیتا ہے(1) حاکم اور بیہقی نے اسے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔ فریابی، ابن جریر اور عبد بن حمید نے ابو جعفر کی مرسل حدیث سے نقل کیا ہے۔ صوفیاء نے کہا شرح صدر صرف نفس کے فناء سے حاصل ہوتا ہے کہ نہ نفس رہے، نہ اس کا کوئی اثر رہے۔ یہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب صفات الٰہی کی تجلیات ولایت کبریٰ یعنی ولایت نبوت میں حاصل ہوں اسی وقت حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے۔

ان یضلہ کا مفعول ثانی عن طریق الحق ہے، یعنی جسے حق سے گمراہ کرنا چاہے۔ ابن کثیر نے ضیقا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۂ فرقان میں بھی یاء کو ساکن پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کو مشدد پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح ھین ھین لین لین۔ نافع اور ابو بکر نے عاصم سے حرجا راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے سیبویہ نے کہا جب راء پر فتحہ ہو تو یہ مصدر ہوگا جس طرح طلب مصدر ہے اور کسرہ کی صورت میں یہ صفت کا صیغہ ہوگا اس کا معنی سخت تنگ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں لغتیں ہیں اور صفت کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کا سینہ اس طرح بنا دے گا کہ اس میں ایمان داخل نہیں ہوگا، قبول حق اس پر مشکل ہوگا اور وہ اسے محال خیال کرے گا۔ کلبی نے کہا اس میں خیر کا گزر نہیں ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سنتا ہے تو اس کا دل پریشان ہو جاتا ہے، جب بتوں کی عبادت کا ذکر کیا جائے تو اس سے خوش ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے کنانہ کے ایک بدو سے پوچھا حرجہ کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا ہمارے ہاں حرجا ایسے درخت کو کہتے ہیں جو دوسرے درختوں کے درمیان ہو جس تک کوئی چرواہا کوئی جانور اور کوئی دوسری شے بھی نہیں پہنچ سکتی تو حضرت عمر نے فرمایا منافق کا دل بھی ایسا ہی ہوتا ہے، اس تک بھلائی نہیں پہنچ سکتی۔

ابن کثیر نے یصعد کو تخفیف کے ساتھ اور صاد کو ساکن پڑھا ہے، یعنی یہ مجرد سے بنا ہے۔ ابو بکر نے اسے باب تفاعل سے مضارع کا صیغہ اور باقی قراء نے باب تفعل سے مضارع کا صیغہ پڑھا ہے۔ دل کی تنگی میں اسے ایسے آدمی کے ساتھ تشبیہ دی جو ایسا کام کرنے کی کوشش کرتا ہے جو نا ممکن ہو کیونکہ آسمان پر چڑھنا ایسی چیزوں میں بطور مثال استعمال ہوتا ہے جو طاقت سے باہر ہوں۔ اس میں یہ شعور بھی دلایا جا رہا ہے کہ اس کے لئے ایمان اسی طرح ممتنع ہے جس طرح عادت میں آسمان پر چڑھنا ممتنع ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایمان سے یوں دور بھاگتا ہے جیسے وہ آسمان پر چڑھ جائے، جس طرح اس کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کا دل ایمان سے بھاگتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عذاب ان لوگوں پر لازم کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے عطاء نے رجس کا معنی عذاب ہی کیا ہے زجاج نے کہا رجس کا معنی دنیا میں لعنت اور آخرت میں عذاب ہے۔ کلبی نے کہا اس کا معنی گناہ ہے۔ مجاہد نے کہا رجس سے مراد ایسی چیز جس میں خیر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا رجس سے مراد شیطان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط فرما دیتا ہے۔ یہاں اسم ضمیر کی جگہ علی الذین یومنون ذکر کیا ہے مراد علت بیان کرنا ہے، یعنی ان پر عذاب کی علت ایمان نہ

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 190 (دار الجیل)

لاتا ہے۔ یہ آیت معتزلہ کے خلاف دلیل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کسی معصیت کا ارادہ بھی کر سکتا ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

"اور یہ ہے راستہ آپکے رب کا (بالکل) سیدھا ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں[1]"

[1] ھذا اشارہ اس بات کی طرف ہے جو گزر چکی کہ جس کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے اس کے سینے کو کھول دینا اور جسکی گمراہی کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے اسے تنگ کر دینا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے اور یہی اس کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں جاری وساری ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اے محمد ﷺ جس پر آپ ہیں اور قرآن جو دین لایا ہے یہی تیرے رب کا راستہ ہے جو اس تک پہنچانے والا ہے۔ صراط کی جب پہلی تعبیر کی جائے تو مستقیم کا معنی معتدل اور جب دوسری تعبیر کی جائے تو اس کا معنی ہے کہ یہ سیدھا ہے ٹیڑھا نہیں مستقیما ترکیب کلام میں صراط سے حال ہے اور حال میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے لقوم یذکرون سے مراد اہل سنت ہیں کیونکہ وہی ان آیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس امر کو جانتے ہیں کہ قادر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے کوئی اور نہیں۔ خیر وشر میں سے جو بھی واقع ہوتا ہے وہ اس کی قضا اور خلق سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے احوال سے باخبر ہے، وہ حکیم ہے، عادل ہے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کی طاقت نہیں۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

"ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے ہاں اور وہی ان کا دوست ہے بسبب ان نیک اعمال کے جو وہ کیا کرتے تھے[1]"

[1] ھم ضمیر سے مراد ایسی قوم ہے جو نصوص سے نصیحت حاصل کرتی ہے اور خواہشات کی اتباع نہیں کرتی دار السلام سے مراد جنت ہے۔ جنت کو دار السلام اس لئے فرمایا کہ یہ ناخوشگوار چیزوں سے محفوظ ہے یا یہ سلام کا گھر ہے یا السلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی عظمت بیان کرنے کے لئے اسے اپنی طرف مضاف کیا۔

عند ربھم سے مراد اس کی ضمانت میں یا وہ اس کے ہاں ذخیرہ ہے، اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ ہی ان کا کارساز ہے، دنیا میں انہیں توفیق دیتا ہے، قبر میں منکر ونکیر کے جوابات دینے میں ثابت قدم رکھتا ہے، آخرت میں بہت بڑی جزا دیتا ہے اور ان کے قرب کے درجات بلند کرتا ہے، وجہ ان کے اعمال ہوتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

"اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو (اور فرمائے گا) اے جنوں کے گروہ بہت گمراہ کیا تم نے انسانوں کو اور

کہیں گے ان کے دوست انسانوں میں سے اے ہمارے رب فائدہ اٹھایا ہم نے ایک دوسرے سے اور پہنچ گئے ہم اپنی اس میعاد کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ (نجات دینا) چاہے۔ بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے[1]"

ھم ضمیر سے مراد جن وانس ہیں۔ حفص نے یَحْشُرُھُمْ کو غائب کا صیغہ اور باقی قراء نے اس جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے **معشر الجن** سے مراد شیاطین ہیں قَدِاسْتَكْثَرْتُمْ سے مراد یہ ہے کہ تم نے انسانوں میں سے بے شمار لوگوں کو گمراہی میں اپنا پیروکار بنالیا ہے یا انسانوں کو گمراہ کر کے تم بہت زیادہ ہو گئے ہو تو انسانوں میں سے جنہوں نے ان شیاطین کی اتباع کی انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم انسانوں نے جنوں سے یہ نفع حاصل کیا کہ ان سے افسوں، جادو، کہانت اور جن امور کو انسان پسند کرتے تھے ان کو جنوں نے مزین کر دیا جنہوں نے انسانوں کی مرادیں حاصل کرنے اور ان کی شہوات تک پہنچانے میں انسانوں کی مدد کی۔ انسان جنوں کی پناہ میں رات گزارتا جب وہ یہ کہتا میں اس وادی کے شریروں کے شر سے اس وادی کے سردار کی پناہ چاہتا ہوں۔ جنوں نے انسانوں سے یہ فائدہ حاصل کیا کہ انسانوں سے اپنی عبادت کرائی، گمراہی اور نافرمانی میں انہیں اپنا مطیع بنالیا۔

یہاں اجل سے مراد یوم قیامت ہے جو بعث بعد الموت کے بعد متعین کی گئی گویا وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور اپنے آپ پر حسرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جہنم تمہارا ٹھکانہ (ا) ہے یا تمہارے ٹھہرنے (ب) کی جگہ ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے **خلدین** حال ہے، اس میں عامل مثوی ہوگا۔ اگر اسے مصدر مانا جائے اور اگر مثوی کو مکان مانا جائے تو اس میں عامل اضافت کا معنی ہے۔

الا ماشاء اللہ اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ مگر اتنی مدت جو تمہارے جہنم میں داخل ہونے سے پہلے گزر چکی گویا یوں فرمایا جہنم ہی تمہارا ٹھکانہ ہے مگر میں نے تمہیں جو مہلت دی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں مستثنیٰ وہ اوقات ہیں جن میں وہ آگ سے زمہریر کی طرف منتقل کیے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الا کا معنی سوی ہے، معنی یہ ہوگا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ عذاب کی اقسام میں سے جو چاہے گا۔

حضرت ابن عباس (ج) نے کہا استثناء اس قوم کی طرف لوٹے گی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے تو انہیں آگ سے نکال لیا جائے گا اس تاویل کی بناء پر ما من کے معنی میں ہوتا ہے[1] اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ حکمت کے مطابق ہی کرتا ہے اور ان کے دلوں میں ایمان اور نفاق جو بھی موجود ہے اسے جانتا ہے۔ نیز جن وانس کے اعمال اور ان کے احوال کو جانتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

"اور یونہی ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے[1]"

1۔ تفسیر بغوی جلد 2، صفحہ 151 (التجاریہ)

(ا) مثوی اسم مکان ہے۔ (ب) مثوی مصدر ہے اور اس سے پہلے ذات کا لفظ محذوف ہے۔

(ج) میں کہتا ہوں شاید آپ کی مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن تک رسولوں کی دعوت نہیں پہنچی مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اگر ان تک رسولوں کی دعوت پہنچ جاتی تو وہ اسلام قبول کر لیتے تو انہیں جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جن کے بارے میں اس کا علم یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوں گے انہیں ہمیشہ جہنم میں رکھا جائے گا۔ از مؤلف۔

۱؎ یعنی جس طرح جنوں اور انسانوں میں سے نافرمان لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑا۔ جس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے رہے تو ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں۔ قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں۔ مومن کا دوست بھلائی میں اس کی مدد کرتا ہے اور کافر کا دوست اسے برائی پر برانگیختہ کرتا ہے۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے ہم آگ میں بعض کو بعض کے پیچھے داخل کریں گے کیونکہ یہ موالات سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ ہم ظالم انسانوں کو ظالم جنوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور ظالم جنوں کو ظالم انسانوں کے سپرد کر دیتے ہیں(1)

کلبی نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے امور کو اچھے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور جب کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان کے معاملہ کو برے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور جب کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے معاملہ کو برے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ہم ظالم کو ظالم کے ساتھ پکڑ لیتے ہیں جس طرح منقول ہے جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے کلبی کی وہ روایت جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو حاکم نے صدصہ بن صرحان سے اور انہوں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جب آپ کو شہید کیا گیا اور ابن ملجم نے آپ پر وار کیا تو لوگوں نے امیر المومنین سے عرض کیا ہمارے اوپر کوئی خلیفہ بنا جائیں تو حضرت علی شیر خدا نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تم میں کوئی خیر پائی تو وہ تم پر اچھے لوگوں کو حاکم بنا دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم میں بھلائی کا علم رکھتا تھا تو اس نے حضرت ابوبکر صدیق کو ہم پر حاکم بنا دیا۔ ایک روایت یہ بھی کی گئی کہ ظالم زمین میں اللہ تعالیٰ کا قہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیتا ہے پھر اس سے بدلہ لیتا ہے۔ ان کے اعمال کے باعث ان لوگوں کو ان پر مسلط کیا جاتا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

"اے گروہ جنوں اور انسانوں کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سناتے تھے تمہیں ہماری آیتیں اور ڈراتے تھے تمہیں تمہاری اس دن کی ملاقات سے کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف اور دھوکہ میں مبتلا کیا تھا انہیں دنیوی زندگی نے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ کفر کرتے رہے تھے ۱؎"

۱؎ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جنوں میں سے کس کو جنوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ ضحاک سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو ضحاک نے جواب دیا کیوں نہیں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا الم یاتکم رسل منکم یعنی انسانوں اور جنوں میں سے رسول۔ کلبی نے کہا حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جن و انس کی طرف رسول بھیجے جاتے تھے، یعنی بعض بعض کی طرف مبعوث ہوتے، وہ سب کی طرف مبعوث نہ ہوتے مگر حضور ﷺ کو سب کی طرف مبعوث کیا گیا۔ مجاہد نے کہا رسول انسانوں میں سے ہوتے اور نذر جنوں میں سے ہوتے پھر یہ آیت تلاوت کی وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۔ یہاں نذر سے مراد رسولوں کے قاصد ہیں جو جنوں میں سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 152 (التجاریہ)

ہوتے تھے جو رسولوں کا کلام سنتے جو کچھ سنا ہوتا وہ جنوں تک پہنچا دیتے۔ جنوں میں سے کوئی رسول نہیں ہوا، اس معنی کی صورت میں رسل منکم صرف ایک صنف کی طرف پھیرا جائے گا جو انسان ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ کیونکہ لولو اور مرجان نمکین سمندر سے نکلتے ہیں، میٹھے سمندر سے نہیں نکلتے اور فرمان وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ جبکہ چاند ایک آسمان میں ہے(1)

میں کہتا ہوں آیت یہ دلالت کرتی ہے کہ دونوں فریقوں (جن و انس) کی طرف رسول بھیجے گئے، رسول دونوں صنفوں سے تعلق رکھتے تھے یا صرف انسانوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہاں ایسا کوئی مانع نہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل جنوں میں سے کوئی جنوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہو، یہ کیونکر نہ ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اس میں چلتے ہوتے تو ہم ان پر آسمانوں سے فرشتے نازل کرتے، یہ ارشاد اس کا تقاضا کرتا ہے کہ جنوں کی طرف جن ہی رسول بنا کر مبعوث کیے جائیں کیونکہ رسول اور جس کی طرف اسے مبعوث کیا گیا ہے دونوں میں کامل مناسبت کا پایا جانا ضروری ہے، یہ کیوں نہ ہو، جبکہ جنوں کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی، جبکہ وہ مکلف بھی ہیں کیونکہ وہ ذوی العقول میں شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اگر جنوں میں سے کسی کو بھی ان کی طرف مبعوث نہ کیا جاتا تو کسی کو بھی عذاب نہ دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جن رسول تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اہل ہند جن پر براز خ کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہیں اوتار کہتے ہیں اور اپنی تاریخ میں لاکھوں سال پہلے کی مخلوق کہتے ہیں، شائد یہ براز خ جنوں سے ہوں جنہیں جنوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہو اور شائد اہل ہند کا دین بھی منزل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنوں پر نازل کیا گیا ہو جن سے پھر انسانوں نے استفادہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کیونکہ یہ لوگ ایک پری کے بطن سے پیدا ہوئے پھر اس دین کو مابعد شریعتوں کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا کیونکہ ان کے دین کے اکثر اصول کتاب وسنت کے موافق ہیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہیں وہ شیطان کا عمل ہے اور مردود ہے۔

آیات سے مراد کتب ہیں، یعنی وہ میری کتابیں پڑھتے تھے یومکم ھذا سے مراد یوم قیامت ہے تو وہ جواب میں کہیں گے ہم نے اپنے نفسوں کے خلاف گواہی دی، یعنی یہ گواہی دی کہ رسولوں نے ہمیں پیغام حق سنایا اور ہم نے کفر کا ارتکاب کیا۔ مقاتل نے کہا یہ اس وقت ہوگا جب ان کے اعضاء ان کے شرک اور کفر کی گواہی دے چکے ہوں گے۔ انہیں دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا جس کے باعث وہ ایمان نہ لائے۔ انہوں نے اپنے خلاف ہی گواہی دی کہ وہ کفر کرتے رہے۔ اس میں ان پر مذمت کی جارہی ہے کہ دنیا میں انہوں نے بری چیز کا انتخاب کیا یہاں تک کہ وہ اعتراف پر مجبور ہو گئے جس نے انہیں عذاب کا مستحق بنا دیا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

"یہ اس لئے کہ نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں 1"

1 ذلک سے مراد رسولوں کا مبعوث کرنا ہے، یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو الامر ہے اور مابعد حکم کی علت ہے یا ذلک کا بدل ہے تاہم زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ ان لم یکن میں ان مصدریہ ہے یا مثقلہ سے مخفف ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے معنی یہ ہوگا کہ رسولوں کی بعثت کی علت یہ ہے کہ وہ ظُلْمًا بستیوں کو برباد نہیں کرتا قریٰ سے مراد یہاں بستی والے ہیں بظلم یا تو یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 152 (التجاریہ)

مہلک کے فاعل سے حال ہے، یعنی تیرے رب کی یہ شان نہیں کہ وہ ظلما ان کو ہلاک کرے، جبکہ اس بستی کے لوگوں کو رسول کے ذریعے آگاہ نہ کیا گیا ہو یا ب ظلم مہلک کے مفعول بہ (القری) سے حال ہے یا یہ ظرف لغو ہے جو مہلک کے متعلق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں اس ظلم کے سبب ہلاک کر دے جو ظلم انہوں نے کیا یا وہ رسولوں کی آمد سے قبل ظلم کر بیٹھیں غفلت کی حالت میں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی قاعدہ وقانون ہے کہ وہ اس طرح ہلاک نہیں کرتا۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

"اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے عمل کے مطابق اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں [1]"

[1] مکلفین میں سے ہر ایک کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرب و بعد کے درجات ہیں، سب کچھ ان کے ان اعمال کے باعث ہے جو انہوں نے دنیا میں کمائے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جو مرتبہ کے اعتبار سے قریب ہیں اور ثواب کے اعتبار سے عظیم ہیں اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس کی رحمت سے بہت دور اور عذاب میں سب سے شدید ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں پس اللہ تعالیٰ ان میں ہر کسی کو ان کے اعمال کے حساب سے بدلہ عطا فرمائے گا۔ ابن عامر نے تعملون پڑھا ہے اور یہ خطاب کا صیغہ ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

"اور آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کر دے) تمہیں اور تمہاری جگہ لے آئے تمہارے بعد جسے چاہے جیسے پیدا کیا تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے۔[1]"

[1] یعنی اللہ تعالیٰ بندوں اور انکی عبادتوں سے غنی ہے رسولوں کو بھیجنا، بندوں کو اوامر و نواہی کا مکلف بنانا کسی ایسی غرض کی بناء پر نہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جو رسول بھیجے ہیں اور انہیں امر و نہی کیا ہے محض بندوں کی تکمیل کے لئے ہے۔ یہ اس کی رحمت کا ظہور ہی ہوتا ہے کہ وہ نافرمانیوں پر بھی مہلت دیتا ہے اور ان سے درگزر کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے گناہ کے باعث تمہیں ہلاک کر دے۔ اسے تم سے کوئی کام نہیں کہ تمہارے نہ ہونے سے وہ رہ جائے گا اور تمہارے بعد جسے چاہے نائب بنا لے جو تم سے زیادہ اطاعت شعار ہوں جس طرح اس نے تمہیں دوسری قوم سے پیدا کیا لیکن اس نے تم پر رحم کرتے ہوئے تمہیں مہلت دی۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

"بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ضرور آنے والا ہے اور نہیں ہو تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے [1]"

[1] یعنی دوبارہ اٹھانا، حساب کرنا، ثواب اور عذاب پہنچانا، یعنی جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہوگا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں تم عاجز نہیں کر سکتے بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں پکڑ لے گا۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

"آپ فرمایئے میری قوم تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں تو تم جان لو گے کس کے لئے ہوتا ہے اچھا انجام اس دنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے [1]"

[1] ابوبکر نے عاصم سے علی مَكَانَتِكُمْ پڑھا ہے اور علی مکاناتھم جہاں بھی یہ لفظ واقع ہوا جمع ہی واقع ہوا، جبکہ باقی قراء نے اسے مفرد پڑھا ہے۔ مکانۃ یا تو مصدر ہے یہ مکن مکانۃ سے مشتق ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر تسلط جما لے، یعنی جتنی تمہاری طاقت ہے اتنا کام کرو۔ یہ اسم ظرف ہے جو مکان کے معنی میں ہے یہاں حال کے لئے بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ جب کسی آدمی کو یہ حکم دینا ہو کہ وہ اپنی حالت پر رہے تو اسے کہا جاتا ہے علی مکانتک یا فلاں یعنی تو جس حالت پر ہے اسی پر رہ۔ دونوں تقدیروں میں امر تہدید اور وعید کیلئے ہے، معنی یہ ہوگا اپنے کفر اور دشمنی پر قائم رہو، میں اپنی حالت پر قائم رہوں گا، یعنی اپنے رب کے حکم پر قائم رہوں گا اور اسلام پر ثابت قدم رہوں گا۔ حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورۃ قصص میں یکون پڑھا ہے کیونکہ عاقبۃ مونث غیر حقیقی ہے، جبکہ باقی قراء نے تکون پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث ہے۔ مَن یا تو موصولہ ہے، محل نصب میں ہے کیونکہ یہ یعلمون کا مفعول ہے، یعنی وہ پہچان لیں گے کہ دار آخرت میں کس کا انجام اچھا ہے یا یہ مَن استفہامیہ ہے، مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور علم کا فعل اس کی وجہ سے معلق (۱) ہے، یعنی وہ جان لیں گے کہ ہم میں سے دار آخرت میں کس کیلئے اچھا انجام ہے، اس میں انذار ہے، ساتھ ہی ساتھ کلام میں انصاف اور حسن ادب ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مجھے علم و یقین ہے کہ اچھا انجام متقین کے لئے ہی ہے۔

یہاں ظالموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو عبادت اور طاعت کو غیر محل میں رکھتے ہیں۔ امام بغوی نے کہا مشرک اپنی کھیتیوں، جانوروں، پھلوں اور دوسرے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کیلئے حصہ معین کرتے اور بتوں کے لئے بھی حصہ معین کرتے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے معین کرتے وہ مہمانوں اور مساکین پر صرف کرتے اور جو اپنے بتوں کے لئے معین کرتے وہ بتوں کے خادموں پر خرچ کرتے اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے کوئی چیز ان کے حصہ میں گر پڑتی تو اسے چھوڑ دیتے اور کہتے اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے اور اگر بتوں کے حصہ میں سے اللہ تعالیٰ کے حصہ میں گر پڑتی تو اسے واپس کر دیتے اور کہتے بت تو محتاج ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے معین کردہ حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اس کی پرواہ نہ کرتے۔ اگر بتوں والے حصہ سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی یا اس میں کمی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے معین کردہ حصہ میں سے اسے پورا کرتے (1)

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

"اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے تو وہ (حصہ) جو ہوا ان کے شریکوں کے لئے تو وہ نہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 154 (التجاریہ)

(۱) افعال قلوب اور اس کے مفعولوں کے درمیان کلمہ استفہام یا نفی آ جائے تو اسے تعلیق کہتے ہیں۔ مترجم۔

پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لئے وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔ 1 "

1۔ ذرا کا معنی جو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ کلام سے وَلِشُرَكَائِهِمْ نَصِيبًا کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا مقابل اس کے حذف پر قرینہ ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم نہیں دیا اور نہ ہی یہ تقسیم ان کے لئے مشروع کی گئی۔ کسائی نے اسے زاء کے ضمہ کے ساتھ، جبکہ باقی قراء نے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔

جو حصہ بتوں کیلئے ہوتا اسے اللہ تعالیٰ کے حصہ سے پورا کرتے، جبکہ اس کے برعکس نہ کرتے۔ قتادہ نے کہا جب انہیں تنگ دستی اور قحط نے آلیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے معین کردہ حصہ سے مدد لیتے اور اس میں سے کھاتے(1) اور جو حصہ انہوں نے بتوں کیلئے چھوڑا ہوتا اس سے نہ کھاتے تھے۔ ان کا یہ فیصلہ اور ان کا کھیتی، جانوروں اور دوسری مخلوقات کے خالق کو ایسے جمادات کے ساتھ شریک ٹھہرانا جو کسی چیز پر بھی قادر نہیں، ان کا جمادات کو آسمانوں کے خالق پر ترجیح دینا کتنا ہی برا ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾

" اور یوں ہی خوشنما بنادیا ہے، بہت سے مشرکوں کے لئے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو ان کے شریکوں نے تاکہ ہلاک کردیں انہیں اور مشتبہ کردیں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ایسا نہ کرتے تو چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں 1 "

1۔ زین کا فاعل شرکاءھم ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ان کے شیاطین ہیں۔ انہوں نے ہی فقر کے ڈر سے بیٹیاں زندہ درگور کرنے کی انہیں ترغیب دی۔ شیاطین کو شرکاء کا نام اس لئے دیا کیونکہ ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں شیاطین کی ہی اطاعت کی۔ شرکاء کو ھم ضمیر کی طرف مضاف کیا کیونکہ انہوں نے بغیر سبب کے انہیں اپنا معبود بنالیا تھا(2) کلبی نے کہا شرکاءھم سے مراد بتوں کے خادم ہیں کیونکہ یہی کفار کو اولاد قتل کرنے کی ترغیب دیتے تھے ایک آدمی یہ قسم اٹھاتا اگر اس کے اتنے بیٹے ہوتے تو وہ ان میں سے ایک کو قربان کرے گا(3)

ابن عامر نے زین کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، اس کا نائب فاعل قتل ہے، اولاد منصوب ہے کیونکہ یہ قتل مصدر کا مفعول بہ ہے اور شرکاء مجرور ہے کیونکہ قتل مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ اس قرات کے تواتر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصدر کو اس کے ایسے فاعل کی طرف مضاف کرنا صحیح ہوتا ہے جن کے درمیان مفعول بہ کا فاصلہ ہو اگرچہ بعض علماء لغت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفتازانی نے اس طرح کہا ہے یا یہ کہا جائے گا مضاف الیہ کو فاعل مرفوع کی جگہ رکھا گیا ہے اور مفعول کو فاعل سے پہلے لانا جائز ہے۔ قتل کی نسبت شرکاء کی طرف کی اگرچہ انہوں نے قتل نہیں کیا کیونکہ ان شرکاء نے ہی اس کی ترغیب دی اور اس کی دعوت دی۔ وہ یہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کردیں اور جس دین پر وہ قائم ہیں اس کو ان پر خلط ملط کردیں۔ اس دین سے مراد حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے جو باطل کی آمیزش سے پہلے تھا، حضرت ابن عباس نے یہی کہا یا اس سے مراد وہ دین ہے جس کا اپنانا ان پر واجب تھا۔ یہ لام تعلیلیہ ہے۔ اگر ترغیب و تزئین شیاطین کی طرف سے ہو اور بتوں کے خادموں کی طرف سے ہو تو پھر یہ لام عاقبت ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا کہ وہ یہ غلط ملط نہ کریں یا وہ اولادوں کو قتل نہ کریں یا اپنے اموال میں سے بتوں کے لئے حصہ متعین نہ کریں تو مشرک

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 155 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ایسا نہ کرتے یا شر کا ترغیب نہ دیتے یا دونوں جماعتیں ایسا نہ کرتیں۔ پس آپ انہیں چھوڑ دیں اور ان کے افتراء کے عمل کو یا بہتان کو چھوڑ دیں۔ ما کے بارے میں دو تعبیریں کی ہیں، ایک یہ کہ ما مصدر یہ ہے اور دوسری ما موصولہ ہے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

"اور بولے یہ مویشی اور کھیتی رکی ہوئی ہے کوئی نہیں کھا سکتا انہیں سوائے ان کے جسے ہم چاہیں (یہ بات) اپنے گمان سے (کہتے ہیں) اور بعض مویشی ہیں حرام جن کی پشتیں (سواری کیلئے) اور بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افتراء ہے اللہ پر عنقریب سزا دے گا انہیں جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے۔"

قالوا میں واؤ ضمیر سے مراد مشرک ہیں هذه سے مراد وہ کھیتیاں اور جانور ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اپنے بتوں کے لئے معین کر رکھے ہیں۔ حجر کا معنی حرام ہیں۔ یہ مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے جس میں واحد مذکر اور مونث برابر ہیں مجاہد نے کہا انعام سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ہیں(1) من نشاء سے مراد بتوں کے خادم اور مرد مراد ہیں، زعم سے مراد دلیل کے بغیر، وہ جانور جن پر سواری حرام ہے، اس سے مراد بحیرہ، سائبہ اور حام ہے ایسے جانور جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ وہ جانوروں کو ذبح کرتے وقت بتوں کے نام لیتے تھے۔ ابو وائل نے کہا اس کا معنی یہ ہے جن پر وہ حج نہ کریں اور بھلائی کے کاموں کے لئے ان پر سواری نہ کریں کیونکہ عربوں کی عادت یہ تھی کہ بھلائی کے کاموں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے اس لئے بھلائی کے کام کو مجازاً ذکر اللہ سے تعبیر کیا(2) افتراء یہ قالوا کا مفعول مطلق ہے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کہا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا۔ جار مجرور قالوا کے متعلق ہے یا جار مجرور محذوف کے متعلق ہے جو افتراء کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اِفْتِرَاءً وَّاقِعًا عَلَيْهِ یا افتراء حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور مفترین کے معنی میں ہے یا مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور جار مجرور افتراء کے متعلق ہے یا یہ محذوف کے متعلق ہے۔ بما کانوا میں با سببیہ ہے یا با مقابلہ کے لئے ہے۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

"اور بولے جو ان مویشیوں کے شکموں میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کے لئے ہے اور حرام ہے۔ ہماری بیویوں پر اور اگر وہ مرا ہوا (پیدا) ہو تو پھر وہ سب (مرد و زن) اس میں حصہ دار ہیں اللہ جلدی بدلہ دے گا انہیں ان کے اس بیان پر بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے۔[1]"

[1] مَا فِيْ بُطُوْنِ سے مراد بحیرہ اور سائبہ کے جنین ہیں جو زندہ پیدا ہوں۔ خالص اسے کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ اس کے آخر میں ۃ تاکید اور مبالغہ کے لئے ہے۔ کسائی نے کہا خالص اور خالصۃ دونوں ایک ہیں جس طرح وعظ اور موعظۃ دونوں ایک ہیں۔ فراء نے کہا خالص کے آخر میں ۃ اس لئے زائد کی گئی ہے کیونکہ انعام مونث ہے اور جو ان کے بطن میں چیز ہوگی وہ بھی مونث ہی ہوگی۔ ایک

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 156 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

قول یہ کیا گیا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مونث ذکر کیا کیونکہ ان کے بطنوں میں جنین ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خاص کر ہمارے مردوں کے لئے حلال ہیں۔ ازواج سے مراد عورتیں ہیں۔ ابن عامر، ابوجعفر اور ابن کثیر نے میتۃ کو فاعل ہونے کے اعتبار سے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ وہ تامہ ہے۔ مکہ کے قاری نے یکن اور باقی دو نے اسے تکن پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے یا میتۃ کا لفظ مونث ہے، جبکہ اس کا معنی مذکر و مونث دونوں کو عام ہے۔ غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مذکر اور لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مؤنث پڑھنا جائز ہے، جبکہ باقی قراء نے میتۃ کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ خبر ہے۔ مگر ابوبکر نے عاصم سے تکن پڑھا ہے، جبکہ ضمیر اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے پھر بھی فعل مؤنث اس لئے آیا ہے کیونکہ خبر مؤنث ہے یا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مؤنث ذکر کیا کیونکہ ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ مؤنث ہے، جبکہ باقی قراء نے اسم موصول کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مذکر پڑھا ہے۔ فھم ضمیر سے مراد مذکر و مؤنث ہیں۔ فیہ میں ضمیر سے مراد مردار ہے۔ ضمیر مذکر اس لئے ذکر کی کیونکہ یہ مذکر و مؤنث دونوں کو عام ہے۔

وصفھم منصوب اس لئے ہے کیونکہ حرف جار محذوف ہے۔ جو چاہو سے معنی یہ ہوگا انہوں نے حلال و حرام قرار دینے میں اللہ تعالیٰ کو جو جھوٹا کہا ہے اس پر انہیں جزاء دے گا یا یہ مضاف کے حذف کے ساتھ مفعول مطلق ہے، یعنی جزاء وصفھم وہ جزاء دینے میں حکیم او رجو کچھ وہ کرتے ہیں انہیں وہ جانتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

"یقیناً نقصان اٹھایا جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر جانے اور حرام کر دیا جو رزق دیا تھا انہیں اللہ نے بہتان باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے[1]۔"

[1] ابن عامر اور ابن کثیر نے قتلوا کی تاء کو مشدد پڑھا ہے، مراد کثرت بیان کرنا ہے، جبکہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ سفھا کا معنی جہالت ہے، یعنی وہ اس سے جاہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں کا بھی رازق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بغیر علم مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو یا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو تقدیر کلام یوں ہوگی قتلا بغیر علم یا کائنین بغیر علم امام بغوی نے فرمایا یہ آیت قبیلہ ربیعہ، مضر اور بعض دوسرے عرب قبائل کے بارے میں نازل ہوئی جو تنگ دستی اور قید ہو جانے کے خوف سے بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، جبکہ بنو کنانہ اس طرح نہ کرتے تھے (1)۔

اللہ تعالیٰ نے جو انہیں رزق دیا اسے حرام قرار دیتے جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام، افترا علی اللہ یہ مفعول لہ یا حال یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی انہوں نے حرام قرار دیا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے لئے یا بہتان باندھتے ہوئے یا بطور بہتان اور وہ حق اور صواب کی طرف ہدایت پانے والے نہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 156 (التجاریہ)

”اور وہی ہے جس نے پیدا کئے ہیں باغات کچھ چھپروں پر چڑھائے اور کچھ بغیر اس کے اور کھجور اور کھیتی الگ الگ ہیں کھانے کی چیزیں ان کی اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک جیسے اور (ذائقہ میں) مختلف کھاؤ اس کے پھل سے جب وہ پھل دار ہو اور ادا کرو اس کا حق جس دن وہ کٹے اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو[1]“

[1] جنات کا معنی باغ ہے معروشات کا معنی حضرت ابن عباس نے یہ کیا ہے جو روئے زمین پر پھیل جائے اور جنہیں ٹٹیوں پر چڑھایا جاتا ہے جس طرح انگور، کدو وغیرہ کی بیلیں۔ غیر معروشات انہیں کہتے ہیں جو تنے پر کھڑا ہو جس طرح کھجور اور دوسری کھیتیاں(1) ضحاک نے کہا دونوں انگور کی بیلیں ہیں(2) ان میں سے ایک قسم وہ ہے جسے لوگ اگاتے ہیں اور ٹٹیوں پر چڑھاتے ہیں دوسری قسم وہ ہے جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اگتی ہے اور جسے کسی دوسری چیز پر نہیں چڑھایا جاتا۔

مختلف اکله سے مراد یہ ہے کہ انکا پھل رنگ، ذائقہ اور خوشبو میں مختلف ہوتا ہے۔ اکله کی ضمیر زرع کی طرف لوٹ رہی ہے باقی کو اس پر قیاس کیا گیا یا ضمیر نخل کی طرف لوٹ رہی ہے اور زرع اس کے حکم میں داخل ہے کیونکہ یہ معطوف ہے یا کل واحد منهما تقدیر پر ضمیر دونوں طرف لوٹ رہی ہے۔ مختلفاً حال مقدرہ ہے کیونکہ اگانے کے وقت انہیں نہیں کھایا جاتا۔ زیتون اور انار میں سے بعض بعض کے مشابہ ہیں اور بعض کے مشابہ نہیں۔ ان میں سے ایک کے پھل کھاؤ اگرچہ ابھی پکا نہ ہو یعنی پھل نکلتے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، پکنے تک انتظار کرنا ضروری نہیں یا یہ معنی کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے سے پہلے بھی مالک کے لئے پھل سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

ابو عمرو، ابن عامر اور عاصم نے حصادہ کو حاء کے فتح اور باقی قراء نے حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح صرام، صرام اور جزاز جزاز حق سے کیا مراد ہے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس، طاؤس، حسن بصری، جابر بن زید اور سعید بن مسیب نے کہا اس حق سے مراد عشر اور نصف عشر ہے(3) کیونکہ امر وجوب کے لئے ہے اور حق کا لفظ عموماً فرض کے لئے استعمال ہوتا ہے، جبکہ اجماع یہ ہے کہ مال میں صرف زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ صحیحین میں طلحہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو آپ سے اسلام کے بارے میں سوال کرتا تھا تو حضور ﷺ نے پانچ نمازیں، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ کا ذکر کیا۔ اس نے عرض کی کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی فرض ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفلی عمل کرے(4) اس قول کی بناء پر یہ آیت مدنی ہوگی اور اس میں امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل ہے وہ فرماتے ہیں پھلوں جیسے انار میں زکوٰۃ (عشر) واجب ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعی اس کے مخالف ہیں کیونکہ ان دونوں ائمہ کے نزدیک ایسے پھلوں میں زکوٰۃ (عشر) واجب ہوگی جنہیں خوراک کے لئے ذخیرہ کیا جائے۔ فصل کے بارے میں زکوٰۃ کے احکام سورۃ بقرۃ کی آیت اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ میں گزر چکے ہیں۔ حضرات علی بن حسین، عطار، مجاہد، حماد اور حکم نے کہا یہ زکوٰۃ کے علاوہ مال میں حق ہے جس کے بجالانے کا حکم دیا گیا کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ ابراہیم نے کہا حق سے مراد گٹھا ہے۔ ربیع نے کہا اس سے مراد گری پڑی بالی ہے(5) ابن مردویہ اور نحاس نے اپنی تاریخ میں ابوسعید خدری سے اور انہوں نے نبی ﷺ سے اس آیت کے بارے میں بیان فرمایا کہ اس سے مراد گری پڑی بالی ہے(6) مجاہد نے کہا کہ فصل کاٹتے وقت وہ کھجوروں کا ایک گچھا لٹکا دیتے تھے جو اس طرف سے گزرتا وہ اس میں سے کھا لیتا۔ یزید بن

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 157 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 12-11 (نور محمد) مختصراً
5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 157 (التجاریہ) 6۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 92 (العلمیہ)

اصم نے کہا کہ اہل مدینہ جب کھجوریں اتارتے تو وہ کھجوروں کا گچھا لاتے اور مسجد کی ایک طرف لٹکا دیتے۔ کوئی مسکین اس کی طرف سے گزرتا، اپنی چھڑی اسے مارتا، کھجوریں اس سے گر پڑتیں تو وہ انہیں کھا لیتا(1) اس قول کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث بھی کرتی ہے، کہا حضور ﷺ نے فرمایا مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حق ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا.....(2) اسے امام ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے یہ حدیث سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ یہاں حق کی مراد واجب اور مندوب دونوں کو عام ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا یہ حق تھا جس کی ادائیگی کا حکم اسلام کی ابتداء میں دیا جاتا تھا پھر عشر کے واجب ہونے کے ساتھ حکم منسوخ ہو گیا۔ مقسم نے حضرت عباس سے نقل کیا ہے کہ زکوۃ نے قرآن میں مذکور ہر نفقہ کو منسوخ کر دیا(3)

اسراف نہ کرو، اسراف میانہ روی کی ضد ہے، قاموس میں اس طرح ہے۔ صحاح میں ہے ہر فعل میں حد سے تجاوز کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسراف سے مراد سارے کا سارا مال خرچ کر دینا ہے۔ امام بیضاوی نے کہا اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ) کا ہے(4) امام بغوی نے فرمایا حضرت ابن عباس نے کلبی کی روایت میں کہا کہ ثابت بن قیس بن شماس باغ کی طرف گئے، پانچ سو کھجوروں سے پھل اتارا اور سارا ایک ہی دن میں تقسیم کر دیا، گھر والوں کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(5) ابن جریر نے ابن جریج سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا سدی نے کہا ہے اس کا معنی ہے اپنا سارا مال نہ دے دو کہ بعد میں فقیر بن کر بیٹھ جاؤ(6)

میں کہتا ہوں سارا مال دینا اسراف ہے اور یہ ممنوع ہے، جبکہ وہ اپنے گھر والوں اور جن کا حق بنتا ہے انہیں نہ دے۔ زجاج نے بھی یہی کہا ہے مگر حقداروں کے حقوق ادا کرنے کے بعد تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا افضل ہے، وہ اسراف نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، میرے لئے یہ خوشی کا باعث نہ ہوگا کہ تین دن نہ گزرنے پائیں کہ میرے پاس ان میں سے کوئی چیز ہو مگر اتنی ہی جو میں قرض ادا کرنے کے لئے رکھوں(7) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت دی۔ جبکہ حضرت ابوذر کے پاس اپنا عصا بھی تھا حضرت عثمان نے فرمایا اے کعب حضرت عبد الرحمن بن عوف کا وصال ہو گیا ہے اور وہ مال پیچھے چھوڑ گئے ہیں، تیری اس میں کیا رائے ہے؟ تو حضرت کعب نے کہا اگر اس میں اللہ کا حق ادا کرتے تھے تو اس میں کوئی حرج نہیں تو ابوذر نے اپنا عصا اٹھایا اور کعب کو مارا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے اگر میرے پاس یہ پہاڑ سونے کا ہوتا، میں اسے خرچ کرتا اور اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا تو مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں اس میں سے چھ اوقیہ بھی اپنے پاس رکھتا۔ اے عثمان میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تو نے یہ حدیث سنی ہے؟ حضرت ابوذر نے یہ جملہ تین دفعہ دہرایا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے سنا ہے اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔(8)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت بلال کے پاس تشریف لے گئے، جبکہ آپ کے پاس کھجوروں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ پوچھا اے بلال یہ کیا ہے؟ عرض کی میں نے اسے آنے والے دن کے لئے جمع کیا ہے۔ فرمایا کیا تو ڈرتا نہیں کل قیامت کے روز جہنم میں تجھے اس کی تپش محسوس ہوگی، اے بلال اسے خرچ کر دو اور اللہ تعالیٰ سے تنگ دستی کا ڈر نہ رکھو(9) اسے امام بیہقی نے شعب ایمان

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 157 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 83 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 157 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ، جلد 4، صفحہ 158 (العلمیہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 158 (التجاریہ)
6۔ ایضاً
7۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 954 (وزارت تعلیم)
8۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 63 (صادر)
9۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 118 (العلمیہ)

میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا تنگ دست کا اپنی کمائی سے صدقہ کرنا اور اپنے صدقہ کا آغاز اپنے اہل وعیال سے کر، اسے ابوداؤد نے روایت کیا (1) حضرت سعید بن مسیب نے کہا کہ لا تسرفوا کا معنی یہ ہے کہ صدقہ کو نہ روکو، یعنی مال روکنے میں حد سے تجاوز نہ کرو کہ تم فرض صدقہ ادا کرنے سے بھی رک جاؤ۔ مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ کھیتی اور جانوروں میں بتوں کو شریک نہ کرو۔ زہری نے کہا اس کا معنی یہ ہے نافرمانی میں اپنا مال خرچ نہ کرو۔ مجاہد نے کہا اسراف کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں جو تم نے کوتاہی کی ہے اور کہا اگر کسی کے پاس ابوقبیس کے برابر سونے کا پہاڑ ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اسے خرچ کر دیا تو وہ فضول خرچی کرنے والا نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ایک درہم یا ایک مد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیا تو وہ فضول خرچ ہوگا۔ ایاس بن معاویہ نے کہا اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو تو نے تجاوز کیا وہ فضول خرچی ہے۔ ابن وہب نے ابوزید سے روایت کیا ہے اس آیت میں خطاب سلاطین کو ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے حق سے زائد لوگوں سے وصول نہ کرو (2) یہ آیت اس حدیث کے معنی میں ہے وایاکم و کرایم اموال الناس بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کے عمل کو پسند نہیں کرتا۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾

"اور (پیدا فرمائے) بعض مویشی بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین پر لٹا کر ذبح کرنے کے لئے کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے[1]"

[1] حمولۃ ایسے جانور جو سواری اور بار برداری کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے اونٹ بیل وغیرہ ہیں فرشا ایسے جانور جو سواری اور بار برداری کے لئے استعمال نہیں ہوتے، چھوٹے قد کے ہوں جیسے بھیڑ، بکریاں یا بچے ہوں، اونٹ اور گائے کے بچے۔ کلوا میں امر اباحت کے لئے ہے۔ من بعضیہ ہے کیونکہ رزق سارے کا سارا نہیں کھایا جاتا۔ حرام کو حلال جاننے اور حلال کو حرام جاننے میں شیطان کے راستوں پر نہ چلو کیونکہ اس کی دشمنی ظاہر و باہر ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾

"آٹھ جوڑے بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادائیں یا جسے لئے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دونوں ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم سچے۔[1]"

[1] ثمنیہ ازواج یہ ترکیب کلام میں حمولۃ وفرشا سے بدل ہے یا یہ کلوا کا مفعول بہ ہے اور ولا تتبعوا جملہ معترضہ ہے یا یہ مما کے ما سے حال ہے۔ اس وقت ازواج مختلف اور متعددہ کے معنی میں ہے زوج اسے کہتے ہیں جس کی جنس سے اس کا کوئی جوڑا ہو۔ کبھی مجموعے کو زوج کہتے ہیں یہاں پہلا معنی مراد ہے الضان اسم جنس ہے یہ غنم کی وہ قسم ہے جس کے جسم پر بال ہوتے ہیں، یعنی

1۔ مشکوۃ المصابیح، صفحہ 171 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 158 (التجاریہ)

بھیڑ اس کی جمع ضَین آتی ہے یا الضان ضائن کی جمع ہے، اس کی مونث ضائنہ آتی ہے اور اس کی جمع ضوائن آتی ہے المعین یعنی مذکر و مونث یعنی مینڈھا اور بھیڑ، یہ حمولہ سے بدل ہوگا اگر کئی بدل لانا جائز ہو ورنہ یہ ثمانیہ کا بدل ہوگا اگر بدل سے بدل لانا جائز ہو۔ معز سے مراد بکری یا بکرا جس کے جسم پر بال ہوں۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے عین پر فتحہ اور باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ یہ ماعز کی جمع ہے جس طرح صاحب کی جمع صحب آتی ہے۔ امام بغوی نے کہا یا ایسی جمع ہے جس کا لفظ واحد نہیں ہوتا (1) ماعز کی جمع معزی اور ماعزہ کی جمع مواعز آتی ہے اثنین سے مراد مذکر اور مونث ہوں گے جیسے بکرا اور بکری قل خطاب حضور ﷺ کو ہے الذکرین اس کی قرأت میں تمام قراء کا اتفاق ہے کہ دوسرے ہمزے کو الف سے بدل کر یا اس میں تسہیل کا قاعدہ جاری ہوگا یہی صورت ہوگی جب ہمزہ استفہام ہمزہ وصل پر داخل ہوگا جیسے آاللہ، آلان

حرم فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے الذکرین اور الانثیین یہ حرم کے مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ ما اشتملت میں ما مذکر و مونث دونوں قسم کے جنین کو عام ہے اگر تم حرام قرار دینے کے دعویٰ میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم کے ساتھ مجھے باخبر کرو۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

"اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لئے ہوئے ہیں (اپنے اندر) دونوں ماداؤں کے رحم کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے [1]"

[1] جس طرح پہلے گزر چکا ہے ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں۔ یہ ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ وہ یہ کہتے تھے یہ جانور اور کھیتیاں حرام ہیں اور انہوں نے کہا ان جانوروں کے پیٹوں میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام ہے، وہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دیتے، کچھ تو صرف عورتوں پر حرام قرار دیتے اور کچھ مردوں اور عورتوں دونوں پر حرام قرار دیتے۔ جب اسلام آیا تو مالک بن عوف ابوالاحوص جشمی اٹھا عرض کی اے محمد ﷺ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے آپ کچھ ایسی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن پر ہمارے باپ دادا عمل کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے کچھ جانور بغیر دلیل کے حرام قرار دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ اصناف کو کھانے اور فائدہ اٹھانے کیلئے پیدا کیا ہے، ان میں حرمت کہاں سے آ گئی؟ کیا مذکر کی جانب سے آئی ہے یا مونث کی جانب سے؟ مالک بن عوف خاموش ہو گیا اور مبہوت ہو گیا۔ اگر وہ کہتا کہ یہ حرمت نر کی جانب سے ہے تو تمام نر حرام ہوتے اگر حرمت مادہ کی جانب سے ہے تو پھر تمام ماداؤں کا حرام ہونا ثابت ہوتا۔ اگر کہتا کہ رحم میں ہونے کی وجہ سے حرام ہے تو سب کا حرام ہونا ثابت ہوتا مگر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 159 (التجاریہ)

حرمت کو پانچویں بچے یا ساتویں یا بعض کے لئے حلال اور بعض کے لئے حرام ہونا یہ کیسے ثابت ہوا۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مالک سے کہا اے مالک ایسی بحث نہ کر مالک نے عرض کیا نہیں بلکہ ہم بات کریں گے اور میں آپ کی بات سنوں گا۔ ام منقطعہ ہے اور بل کے معنی میں ہے اے اہل مکہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کا حکم دیا؟ تم کسی نبی پر تو ایمان رکھتے نہیں اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی کتاب ہے۔ اب مشاہدہ اور سماع کے سوا تو تمہارے پاس اس چیز کو پہچاننے کا کوئی طریقہ نہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرمت اور حلت کے بارے میں یا کسی اور چیز کے بارے میں جھوٹا بہتان باندھا تو اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اس سے مراد عمرو بن لحی خزاعی اور اس کے پیروکار ہیں۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے انہوں نے کہا پھر حرام کردہ چیزیں کون سی ہیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

"آپ فرمائیے میں نہیں پاتا اس (کتاب) میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے پر جو کھاتا ہے اسے مگر یہ کہ مردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ سخت گندہ ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام پھر جو شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا اور نہ تجاوز کرنے والا (حد ضرورت سے) تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے [1]"

[1] مَآ اُوْحِيَ یہ قرآن اور غیر قرآن وحی (غیر متلو) کو بھی شامل ہے یہاں وحی کو قرآن کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، جبکہ یہ کلام ان کے رد میں ہے جو بحیرہ اور دوسرے جانوروں کی حرمت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ جب تک وحی سے عموم مراد نہ لیا جائے ان کا رد مکمل نہیں ہوتا۔ اس کلام سے مقصود اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ حلت و حرمت کے احکام وحی سے معلوم کیئے جاسکتے ہیں، خواہش نفس سے معلوم نہیں کیے جاسکتے لا اجد یہ افعال قلوب میں سے ہے، اس کا مفعول اول محذوف ہے اور اس کا مفعول ثانی محرما ہے۔ اکثر مفسرین نے محرما سے پہلے طعاما کو مقدر مانا ہے تاکہ ضمیر کی اس سے استثناء ہو سکے اور مستثنیٰ متصل ہے علی طاعم جار مجرور محرما کے متعلق ہے۔ ابن عامر نے یکون کو تکون پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث ہے اور میتۃ کو فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے، اس صورت میں کان تامہ ہوگا۔ ابن کثیر اور حمزہ نے بھی تکون پڑھا ہے لیکن اس کی وجہ خبر کا مونث ہونا ہے اور میتۃ کو خبر ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے جس طرح جمہور قراء نے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یکون پڑھا ہے کیونکہ ضمیر مستتر طعاما کی طرف لوٹ رہی ہے جو مقدر ہے اور مستثنیٰ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے، یعنی میں کھانے کو حرام نہیں پاتا کسی حال میں بھی مگر اس حال میں کہ وہ مردہ ہو۔ مردہ اسے کہتے ہیں جو اپنی اجل پر مرے، اس میں کسی اور کا عمل شامل نہ ہو۔ اس میں وہ جانور شامل نہیں جسے ڈنڈے سے مارا گیا ہو، وہ لڑھک کر مرا ہو، جو جانور کے سینگ لگنے سے مرا ہو یا جسے کسی شکاری جانور نے کھایا ہو جس پر اس کا عطف دلالت کرتا ہے جو سورۂ مائدہ میں ہے، کفار کا قول بھی اسی چیز پر دلالت کرتا ہے اے محمد ﷺ تم یہ گمان کرتے ہو جسے آپ اور آپ کے ساتھی قتل کریں وہ حلال ہے جسے کتا (شکاری) اور باز (شکاری) مار ڈالے وہ بھی حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مارے وہ حرام

ہے۔ ڈنڈے اور دوسرے طریقوں سے مارے گئے جانوروں کی حرمت دوسرے طریقوں سے ثابت ہوتی ہے۔

دم مسفوح سے مراد بہایا گیا خون ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جانور جب زندہ ہو، اس سے جو خون نکلتا ہے یا جب اسے ذبح کیا جائے تو اس کی خون والی نالیوں سے جو خون نکلتا ہے اسے دم مسفوح کہتے ہیں، اس میں جگر اور تلی شامل نہیں ہوتی کیونکہ وہ جامد خون ہوتا ہے۔ ان دونوں کے مباح ہونے کا حکم نص اور اجماع سے ثابت ہے۔ اسی طرح وہ خون جو گوشت میں ملا ہوتا ہے وہ بھی دم مسفوح نہیں ہوتا کیونکہ وہ بہنے والا نہیں (1) فانه میں ضمیر خنزیر کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ یہ قریب ترین مرجع ہے۔ رجس کا معنی ناپاک ہے اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خنزیر نجس عین ہے، اسی وجہ سے خنزیر کا کوئی جزء نہ بیچنا جائز ہے اور نہ ہی اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یہ فسقا کی صفت ہے موصوف صفت کا عطف لحم خنزیر پر ہے فانه رجس یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فسق رکھا ہے کیونکہ اس کے فسق میں غلو ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ فسقا اهل کا مفعول لہ ہو اس جملہ کا عطف یکون پر ہوگا۔ اس میں ضمیر بھی اسی طرف لوٹے گی جس طرح یکون کی ضمیر لوٹے گی۔

فمن اضطر سے مراد ایسا شخص ہے جسے مجبوراً یہ چیز کھانی پڑے، جبکہ وہ لذت اور شہوت کی وجہ سے اسے نہ کھا رہا ہو اور وہ اپنے جیسے ضرورت مند پر زیادتی کرنے والا بھی نہ ہو اور نہ ہی ضرورت کی مقدار سے زیادہ لے۔ بے شک تیرا رب غفور رحیم ہے وہ ایسے آدمی کا مواخذہ نہیں فرماتا۔ اس جیسی آیت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے، اس کے متعلقات ہم نے وہاں ذکر کر دیئے تھے۔

مسئلہ: بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حرمت کا حکم انہیں چیزوں میں محصور ہے کیونکہ کتاب اللہ کی نص سے حرمت کا حکم انہیں میں محدود ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کا حکم منسوخ کرنا جائز نہیں۔ یہی چیز حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے امام مالک نے بھی یہی فرمایا ہے کیونکہ ان کے علاوہ جن چیزوں کے بارے میں حدیث طیبہ میں حرمت کا حکم آیا ہے ان پر کرامت کا حکم لگایا جاتا ہے۔ علماء نے یہ فرمایا مردار میں وہ جانور بھی شامل ہے جس کا دم گھٹ جائے جسے پتھر یا ڈنڈے سے مارا گیا ہو یا وہ جو سورۂ مائدہ کے اوائل میں ذکر کیے گئے ہیں (1)

میں کہتا ہوں جسے ڈنڈے یا پتھر سے مارا گیا ہو یا جو اس کے حکم میں ہیں انہیں میتة میں داخل کرنا ممنوع ہے جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور دوسرے علماء نے فرمایا حرمت کا حکم انہیں اشیاء کے ساتھ خاص نہیں۔ امام بیضاوی نے فرمایا یہ آیت محکم ہے، یعنی منسوخ نہیں کیونکہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس وقت تک جو آپ کی طرف وحی کی گئی اس میں ان کے علاوہ کوئی چیز آپ پر حرام نہیں کی گئی تھی، یہ اس امر کے منافی نہیں کہ کسی اور چیز کے بارے میں حرمت کا حکم نازل ہو جائے۔ اس لیے خبر واحد سے کتاب اللہ کا نسخ لازم نہیں آتا (2)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 160 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ، جلد 4، صفحہ 63-163 (العلمیہ)

(1) امام جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں فرمایا امام شافعی نے اس آیت کے حوالے سے جو فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب کفار نے ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو انہوں نے حرام قرار دیا تو یہ آیت ان کی غرض کی ضد بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی۔ گویا یوں فرمایا کوئی چیز حلال نہیں مگر وہی جسے تم نے حرام قرار دیا ہے جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور کوئی چیز حرام نہیں مگر جسے تم نے حلال قرار دیا ہے جیسے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ یہ آیت اس قول کے قائم مقام ہے کہ اسے کہا جائے آج حلوہ نہ کھایا تو وہ کہتا ہے میں حلوہ کے سوا آج کوئی چیز نہ کھاؤں گا۔ اس کلام کی غرض محض ان کی ضد بیان کرنا ہے یعنی جانوروں کی حلت اور حرمت کے بیان میں یہاں حقیقی نفی اور اثبات نہیں۔ امام حرمین نے فرمایا یہ توجیہ بہت خوبصورت ہے۔

میرے نزدیک یہ قول درست نہیں کیونکہ کوئی آیت یا حدیث جب کسی حکم کو بیان کرے مگر اس کے دائمی ہونے یا کسی وقت کے ساتھ مختص ہونے کی قید نہیں تو وہ ظاہر میں حکم دائمی ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ استصحاب اسی کا تقاضا کرتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں موقت ہوتا ہے۔ نصوص میں سے یہی قسم نسخ کو قبول کرتی ہے، ناسخ اس حکم کی مدت کو بیان کرنے والا ہوتا ہے، اسی وجہ سے نسخ کو بیان تبدیل کہتے ہیں تا کہ یہ لازم نہ آئے کہ جدید حکم کی حکمت اللہ تعالیٰ کو اب معلوم ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں کی حلت پر دلالت کرتی ہے مگر ان کی دائمی حلت یا کسی وقت پر حلت کے ختم ہونے پر دلالت نہیں کرتی اسی وجہ سے یہ آیت بحیرہ اور اس جیسے جانوروں کی حرمت کو رد کرنے کے لئے ہے۔ اس کے حرمت کے وارد ہونے کا احتمال اس امر کے منافی نہیں کہ ان کی حلت حکم شرعی ہو جو کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے۔ اس کے بعد اس کی حرمت کا حکم جو سنت میں وارد ہے وہ اس کی حلت کے لئے ہر صورت میں ناسخ ہے۔ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا اسطرح خبر واحد سے کتاب اللہ کے حکم کا منسوخ ہونا۔ ثابت نہیں ہوتا یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ اس میں تخصیص اس دلیل قطعی سے ثابت ہے جو دم گھٹنے والے جانور اور اسکے اخوات میں وارد ہے اور وہ دلیل قطعی جو شراب کی حرمت میں وارد ہے کیونکہ شراب بھی طعام کی جنس میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا یہ شراب کو بھی شامل ہے۔ مخصوص البعض کی تخصیص خبر واحد بلکہ قیاس سے بھی جائز ہے، تخصیص میں کلام متصل کی شرط لگانا درست نہیں بلکہ کلام مستقل میں سے جو چیز بھی بعض افراد کو حکم سے خارج کر دے وہ مخصص ہوگی خواہ پہلی کلام سے منفصل ہو یا متصل۔ ناسخ اسے کہتے ہیں جو تمام افراد سے حکم سلب کر دے۔

اگر ہم اس شرط کو تسلیم کر بھی لیں تو ہم کہیں گے کہ تمام حیوانات کی حلت جو اس نص سے ثابت ہے وہ خبائث کی حرمت کے ساتھ منسوخ ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ لیکن طیبات اور خبائث کا حکم مجمل ہے۔ وہ احادیث جو درندوں، گھریلو گدھوں اور ان جیسے جانوروں کی حرمت میں وارد ہیں ان کیلئے یہ بیان ہوگا، کتاب اللہ کی ناسخ، کتاب اور احادیث، کتاب اللہ کا بیان ہوتی ہیں۔ یا ہم یہ کہیں گے وہ احادیث جو درندوں اور ان جیسی چیزوں کی حرمت کے بارے میں وارد ہیں اگرچہ وہ اخبار آحاد ہیں لیکن تمام امت نے انہیں قبول کیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اگرچہ درندوں کی حرمت کا قول نہیں کیا تاہم ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے انہیں مکروہ تحریمی کہا ہے، ان احادیث کی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں، یہ تمام احادیث ایسی ہیں جن پر علماء کا اجماع ہے۔ اس وجہ سے ایسی احادیث سے نسخ جائز ہوگا کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ دلیل قطعی ہے بجو، لومڑی، جنگلی چوہا، اور گو میں علماء کا اختلاف امام ابوحنیفہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا بجو اور لومڑی جنگلی درندوں میں سے ہے، گو اور جنگلی چوہا حشرات میں سے ہے، جنگلی درندوں اور کیڑے مکوڑے نہ کھانے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ کیا وہ درندوں میں سے ہے یا زمین کے کیڑے مکوڑوں میں۔ حیوانات میں سے جو چیزیں حلال ہیں یا حرام ان کا ذکر میں نے سورۂ مائدہ میں اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ کے ضمن میں کر دیا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

بِبَغْیِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

"اوران لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں نے یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے سزا دی تھی انہیں بسبب ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ [1]"

[1] ذی ظفر سے مراد ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں ہوں جیسے اونٹ، درندے اور پرندے۔ قتیبی نے کہا ذی ظفر سے مراد پرندوں میں سے پنجے والا پرندہ اور جانوروں میں سے کھر والا جانور اور اسے بعض مفسرین کی طرف منسوب کیا ہے، کھر کو مجازاً ظفر کا نام دیا ہے(1) بنی اسرائیل پر ظلم کے نتیجہ میں عموماً یہ چیزیں حرام کی گئیں حالانکہ ان میں سے بعض مسلمانوں پر بھی حرام ہیں ظہورھما سے مراد وہ چربی ہے جو ان کی پشت اور پہلوؤں میں ہے۔ الحوایا کا عطف ظہورھما پر ہے، یعنی وہ چربی جو ان کی انتڑیوں پر ہے، یہ حاویۃ یا حاویاء کی جمع ہے یا وہ چربی جو ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو جیسے سرین کی چربی کیونکہ یہ دم کی جڑ اور حرام مغز کے ساتھ ملی ہوتی ہے اس استثناء کے بعد پیٹ کی چربی اور گردہ کی چربی رہ جاتی ہے

ذلک ترکیب کلام میں جزینھم کا مفعول ثانی ہے، یعنی ہم نے بطور سزا ان پر یہ چیزیں حرام کی ہیں ببغیھم میں باء سببیہ ہے، یعنی ان کے ظلم کے سبب جو انبیاء کو قتل کرنے اللہ تعالیٰ کی راہ روکنے سود کھانے اور باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس آدمی کی یہ حالت ہو کہ وہ حرام کردہ چیزوں کو کھانے میں کوئی پرواہ نہیں کرتا تو اس پر کسی چیز کو حرام قرار دینا کیا سزا ہو سکتی ہے اور کیا تنگی کا باعث ہو سکتی ہے۔

میں کہتا ہوں شائد یہ حرمت آخرت میں ان پر عذاب کی زیادتی کے لئے ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام قرار دی ہے۔ عرض کی گئی کیا مردار کی چربی بھی؟ کیونکہ اس سے کشتیوں پر رنگ کیا جاتا ہے، چمڑوں کو تیل لگایا جاتا ہے اور چراغوں میں ڈالا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی اجازت نہیں، یعنی مردار کی چربی حرام ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام کیا تو انہوں نے چربی کو پکایا اور پھر اسے بیچا اور اس کی قیمت استعمال کی(2) اسے امام بخاری اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ یعنی ہم خبر دینے، وعدہ اور وعید میں سچے ہیں۔

فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

"پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو آپ فرمایئے تمہارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو [1]"

[1] کذبوک میں واؤ ضمیر سے مراد یہودی ہیں، یعنی اگر وہ آپ کی تکذیب کریں اس چیز میں جو میں نے تمہاری طرف وحی کی ہے تو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 161 (التجاریہ)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 298 (وزارت تعلیم) معمولی اختلاف کے ساتھ

انہیں کہو تمہارا رب بڑی رحمت والا ہے، وہ تکذیب پر تمہیں مہلت دے گا تو اس کی مہلت سے تم دھوکے میں مبتلا نہ ہو جانا کیونکہ وہ چھوڑے گا نہیں اور نہ ہی مجرم قوم سے اس کا عذاب دور کیا جا سکتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ مومنین کیلئے اس کی رحمت بڑی وسیع ہے اور جھٹلانے والے مجرموں کے لئے اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ دوسرے جملے کی جگہ اس آیت کو رکھا گیا ہے یہ دلالت کرنے کے لئے یہ عذاب انہیں لازم ہے، اس کا رد کرنا ان کے بس کی بات نہ ہوگی۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾

"اب کہیں گے جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو ایسا ہی جھٹلایا تھا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ چکھا انہوں نے ہمارا عذاب آپ فرمائیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لئے تم نہیں پیروی کرتے مگر صرف گمان کی اور نہیں ہو تم مگر اٹکلیں مارتے ہوئے"

ل اس آیت میں مستقبل کی خبر دی جا رہی ہے، اس میں اعجاز ہے کیونکہ یہ غیب کی خبر ہے جو بعد میں اس طرح واقع ہوئی، جب دلیل ان پر غالب آ گئی اور وہ جواب دینے سے عاجز آ گئے تو یہ استدلال کرنے لگے کہ جس حالت پر وہ ہیں وہ مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے، یعنی جس حالت پر ہم اب قائم ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے برعکس ہوتی تو ہم اور ہمارے آباء شرک نہ کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے، یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہمارے ارادے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہم ایسا نہ کرتے اگر وہ اس چیز پر راضی نہ ہوتا جس پر ہم ہیں اور اس نے ہم سے ارادہ نہ کیا ہوتا اور ہمیں اس کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ ضرور ہمارے اور ہمارے ارادے کے درمیان حائل ہو جاتا۔ یہ استدلال ان کی جہالت اور مشیت اور رضا میں فرق نہ کرنے پر مبنی تھا کیونکہ اس کا ارادہ خیر اور شر دونوں کے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔

جس طرح انہوں نے آپ کی اس مسئلہ میں تکذیب کی کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع کیا ہے، وہ شرک سے راضی نہیں، جن چیزوں کو انہوں نے حرام قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام قرار نہیں دیا۔ اسی طرح انہوں نے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھا جو ہم نے جھٹلانے کے باعث ان پر لازم کیا تھا انہیں فرمائیے کیا تمہارے پاس وہ علم ہے جو کتاب سے حاصل کیا گیا ہے یا ایسی دلیل (ا) ہے جو اس علم کا فائدہ دے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے راضی ہے اور اس نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جن کو وہ حرام قرار دیتے ہیں یا علم سے مراد وہ معلوم امر (ب) ہے جس سے دلیل پکڑنا درست ہو جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے۔ تو اس علم نے جو تمہیں فائدہ دیا ہے اسے ہمارے لئے ظاہر کرو، جبکہ معاملہ ایسا نہیں اور نہ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم علم قطعی سے بات کرتے ہیں، تم تو محض گمان کی اتباع کیے جا رہے ہو جو تمہیں آباؤ اجداد کی تقلید سے حاصل ہے، تم تو محض جھوٹ بولتے ہو واللہ اعلم۔

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾

"آپ فرمائیے اللہ ہی کے لئے کامل دلیل ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت فرماتا تم سب کو"

(ا) مسبب ذکر کیا مراد سبب ہے۔ مترجم (ب) مصدر ذکر کیا مراد اسم مفعول ہے۔ مترجم

لے حجة بالغة سے مراد کامل دلیل ہے جو اس نے اپنے احکام اور نواہی کے ساتھ تمہارے خلاف قائم کر دی ہے، اس کی مشیت کی تمہارے حق میں تو کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کی مشیت اس کی رضا کو لازم نہیں ہوتی، وہ اپنی حکمت کیمطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے۔ اس سے اس کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھا جا سکتا۔ جبکہ ان لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔ اس آیت کریمہ سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے نہیں ہوتا ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے قول پر ناراضگی کا اظہار نہ کرتا لو شاء اللہ ما اشر کنا اور نہ ہی ان کے اس قول پر ان کی تکذیب کرتا۔ ہم نے آیت کی جو تفسیر آپ کے سامنے بیان کی ہے اس سے ان کے استدلال کا باطل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول (عموم مشیت) کی تکذیب نہیں کی بلکہ ان کا قول تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے موافق ہے ولو شاء..... اجمعین اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم اس قول میں جھوٹے ہو بلکہ اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی اس پیغام میں تکذیب کی۔ رسولوں کا پیغام یہ تھا اللہ تعالیٰ کفر سے راضی نہیں، وہ کفر سے منع کرتا ہے، جن چیزوں کو تم حرام کہتے ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام قرار نہیں دیا اور ان پر اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ انہوں نے کہا تو جب وہ بحیرہ اور دوسرے جانوروں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے حرام قرار دیتے ہیں تو وہ اس حرام قرار دینے پر راضی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

"آپ فرمائیے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ گواہی نہ دیجئے ان کے ساتھ اور نہ پیروی کرنا ان کی خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔"

هَلُمَّ اسم فعل غیر منصرف ہے۔ اہل حجاز کے نزدیک یہ واحد، تثنیہ اور جمع کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا معنی ہے حاضر کرو اپنے مقتداؤں کو تا کہ سب پر دلیل ثابت ہو جائے اور ان کی گمراہی ظاہر ہو جائے کیونکہ ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں جس طرح ان کے پیروکاروں کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔ اسی وجہ سے شہداء کو ان کی طرف مضاف کیا اور ان کی یہ صفت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جنہیں وہ حرام کہتے ہیں۔ اگر وہ جھوٹی گواہی دے بھی دیں تو ان کیساتھ گواہی نہ دیں، یعنی ان کی تصدیق نہ کریں اور ان کے فساد کو ان کے لئے واضح کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا کلام یوں ہوتی لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ تو بھی مفہوم ادا ہو جاتا مگر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے تا کہ اس امر پر دلالت ہو جائے کہ آیات کو جھٹلانے والا خواہشات کی غلامی کرنے والا ہوتا ہے جو یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

جب مشرکوں کے قول کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ

إِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾

"آپ فرمایئے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ کہ) نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جن کا تا کہ تم (حقیقت کو) سمجھو۔"

تعالوا یہ تعالیٰ سے امر جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، اصل میں یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی بلندی میں ہو، وہ ایسے آدمی کو اپنی طرف بلائے جو پست جگہ میں ہو پھر اس سے عام معنی میں استعمال ہونے لگا۔ ماحرم ربکم میں ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے یہ اتل فعل کا مفعول بہ ہے یا یہ استفہامیہ ہے اور حرم فعل کا مفعول بہ ہے اور جملہ اتل فعل کا مفعول بہ ہے، یعنی میں تم پر تلاوت کروں کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو تم پر حرام کیا ہے علیکم یہ حرم کے متعلق ہے یا اتل اسماء افعال میں سے ہے اور اغراء کے معنی میں ہے یعنی الزموا الاتشرکوا میں ان مصدریہ ہے، جبکہ علیکم الزموا کے معنی میں ہوگا بصورت دیگر یہ مفسرہ ہوگا کیونکہ پہلے اتل فعل ہے (جو قول کے معنی میں ہے) یعنی میں تم پر تلاوت کروں کہ تم شرک نہ کرو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ان مصدریہ ہو، محل رفع میں ہو تقدیر کلام یوں ہو گی المتلوان لا تشرکوا یا یہ محل نصب میں ہو تو اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہو گی او صیکم ان لاتشرکوا اس تقدیر کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی کرتا ہے ذلکم وصکم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مصدریہ ہو اور لا زائدہ ہو اور یہ محل نصب میں ہو کیونکہ یہ اسم موصول سے بدل ہے یا ضمیر عائد جو محذوف ہے اس سے بدل ہو تو اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہو گی حرم علیکم ان تشرکوا یا یہ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہو گی المحرم ان تشرکوا بہ۔

شیا ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے معنی یہ ہوگا نہ شرک جلی کرو نہ شرک خفی اور یہ مفعول بہ ہے، یعنی معبودان باطلہ میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اس کا عطف لا تشرکوا پر ہے ان کے ساتھ برا سلوک کرنے سے نہی کی جگہ امر کا صیغہ رکھا ہے تا کہ مبالغہ کا اظہار ہو اور اس امر پر دلالت ہو کہ ان کیساتھ برے سلوک کو چھوڑ دینا کافی نہیں اور ان سے احسان نہ کرنا بھی برائی ہے۔ اگر لاتشرکوا میں لا زائدہ ہو تو پھر تقدیر کلام یہ ہو گی حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا وَاَنْ تُسِيْئُوْا بِالْوَالِدَيْنِ بَلْ اَحْسِنُوْا اِحْسَانًا اور اپنی بچیوں کو تنگ دستی کے ڈر سے زندہ درگور نہ کرو، ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ حضرت معاذ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں کا مجھے تاکیدی حکم فرمایا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے، اور غرق کر دیا جائے اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ تجھے یہ حکم دیں کہ تو اپنے گھر اور مال کو چھوڑ دے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کو شریک ٹھہرائے، جبکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

پوچھا اس کے بعد کونسا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنے بچے کو قتل کرے اس ڈر سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا متفق علیہ (1)

فواحش سے مراد بڑے گناہ اور بدکاری ہے وہ اعضاء سے صادر ہوں یا اعضاء سے مخفی طریقہ سے صادر ہوں۔ نیز دل کے افعال جیسے نفاق اور نفس کے برے اعمال۔ ترکیب کلام میں ما ظھر و ما بطن الفواحش سے بدل ہیں اور اس نفس کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ مومن ہو یا معاہد ہو مگر ایسے حق کی بناء پر جو اس کے قتل کو مباح کر دے جیسے مرتد ہونا، قصاص، شادی شدہ آدمی کا بدکاری کرنا، وعدہ توڑنا، بغاوت کرنا حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی ایسے آدمی کا خون حلال نہیں جو لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو مگر تین صورتوں میں اس کا خون حلال ہے ایسا بدکار جو شادی شدہ ہو، قصاص، دین سے مرتد ہونے والا جو جماعت چھوڑ چکا ہو اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے (2) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىٕمَّةَ الْكُفْرِ الآیہ یعنی وعدہ توڑنے والے کافروں کو قتل کرو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ یعنی ڈاکوؤں کو قتل کرنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ الآیہ یعنی باغیوں کو قتل کرو۔ یہی اوامر و نواہی ہیں جن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ کیونکہ کمال عقل ہدایت ہے اور اس کی ضد بے وقوفی اور جہالت ہے (1)

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 643 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 165 (التجاریہ)

(1) حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اپنی دعوت کو قبائل عرب پر پیش کریں تو آپ منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ میں اور حضرت ابو بکر صدیق آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق قبائل کے انساب کے بڑے ماہر تھے۔ نبی کریم ﷺ قبائل کے پڑاؤ میں تشریف لے گئے۔ انہیں سلام فرمایا۔ قبائل نے سلام کا جواب دیا۔ اس قوم میں مفروق بن عمر، ہانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ، نعمان بن شریک تھے۔ قوم میں سے حضرت ابو بکر کے سب سے قریبی مفروق تھا جو فصاحت و بلاغت میں سب پر غالب تھا وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے قریشی بھائی تم ہمیں کس امر کی طرف بلاتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وانی رسول اللہ کی گواہی کی طرف بلاتا ہوں۔ تم مجھے نہ اذیت دو اور نہ مارو، میری حفاظت کرو تاکہ میں وہ پیغام پہنچا سکوں جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کیونکہ قریش نے تو اللہ تعالیٰ کے امر کے خلاف اتحاد کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول کو جھٹلایا ہے اور حق کے خلاف باطل کی مدد کی ہے، اللہ تعالیٰ ہی غنی اور حمید ہے۔ اس نے آپ سے عرض کی اے قریشی بھائی آپ ہمیں اور کس طرف بلاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا تو مفروق نے عرض کیا اے قریشی بھائی آپ ہمیں اور کس طرف بلاتے ہیں؟ بے شک یہ اہل زمین کا کلام نہیں اگر یہ اہل زمین کا کلام ہوتا تو ہم ضرور اسے پہچانتے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ نے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ کی تلاوت کی تو مفروق نے عرض کی اللہ کی قسم اے قریشی تو نے مکارم اخلاق اور اچھے اعمال کی طرف دعوت دی تحقیق آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کر کے اور آپ کے خلاف اتحاد کر کے جھوٹ بولا ہے۔ ہانی بن قبیصہ نے کہا میں نے آپ کی گفتگو سنی اور تیری بات مجھے پسند آئی جو آپ نے گفتگو کی اس نے مجھے خوش کر دیا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تم تھوڑا وقت ہی گزارو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے شہر اور ان کے مکین عطا فرما دے گا۔ یعنی فارس کی سرزمین، کسریٰ کے دریا اور ان کی بیٹیاں تمہارے ساتھ ہوں گی تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس بیان کر رہے ہو گے۔ نعمان بن شریک نے کہا اے قریشی بھائی آپ کو یہ کہاں سے پتہ چلا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق کا ہاتھ پکڑے، اٹھ کر چلے گئے۔

"اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کیساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا اور اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرو۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔"

یعنی تم یتیم کے قریب بھی نہ جاؤ چہ جائیکہ اسے کھاؤ یا اسے ضائع کرو مگر اس طریقہ سے جس سے مال کی حفاظت، اس کا ثمر بار ہونا اور اس کی اصلاح ہو۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد تجارت ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ اشد یہ شد کی جمع ہے جیسے افلس فلس کی جمع ہے یعنی اس کی صفات کمال کو پہنچ جائیں بالغ ہونے کے بعد شد کا حاصل ہونا یہ سفہ (یعنی بے وقوفی) کے منافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مفرد ہے اس کا معنی کمال ہے، یہ قید بطور عادت ذکر کی گئی ہے، یہ قید احترازی نہیں (جو اپنی حقیقت کے افراد کو غیر سے خارج کرنے کے لئے ذکر کی جاتی ہے) کیونکہ دور جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ اس کے بچپنے سے لے کر بالغ ہونے تک اس کے مال میں تصرف کیا جاتا تھا۔ جب وہ بالغ ہو جاتا تو وہ دوسروں کو مال میں تصرف کرنے سے روک دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کسی زمانے میں بھی یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ کیونکہ اس کے بعد تو اس کے منع کرنے کی وجہ سے تمہارے لئے تصرف کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ امام بغوی نے کہا تقدیر کلام یہ ہوگی تم کبھی بھی یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو اچھا ہو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اگر وہ بالغ ہونے پر دانشمند ہو تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔ میں کہتا ہوں یہ جائز ہے کہ حتی یبلغ مستثنیٰ کی غایت ہو پھر معنی یہ ہوگا اس کے مال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔

القسط کے معنی عدل اور برابری کرنا ہے۔ نہی کی جگہ امر کا ذکر فرمایا یعنی کیل اور وزن میں کمی نہ کرو تاکہ تم حق ادا کرنے میں پورا اہتمام کرو کیونکہ فعل نہی دلالت التزامی کی بناء پر اپنی ضد کے امر اور مطابقت (۱) کے اہتمام کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم نفس کو انہیں امور کا مکلف بناتے ہیں جن کی وہ طاقت رکھتا ہے اور انکا بجالانا اس پر مشکل نہیں ہوتا۔ پہلے انصاف کیساتھ پورا پورا حق ادا کرنے کا حکم دیا اس کے بعد یہ جملہ ذکر کیا اس بات کا اشارہ کرنے کے لئے کہ افضل یہ ہے کہ جس پر حق واجب ہے وہ حق سے زیادہ ادا کرے اور جو واجب ہے اس سے افضل دے۔

ابن مردویہ نے ضعیف سند سے سعید بن مسیب کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ پر ناپ تول پورا کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کو بہتر جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرمائے گا یہی وسع کی وضاحت ہے(1) رسول اللہ ﷺ نے ایک گھوڑے کی قیمت کی ادائیگی میں فرمایا تھا جو آپ پر واجب ہوئی تھی وزن کرو اور پلڑے کو بھاری رکھنا(2) اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم نے سوید بن قیس سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ سے اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لئے آیا، اس نے سخت رویہ اپنایا۔ بعض صحابہ نے اسے تنبیہ کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ حقدار کو بات کرنے کا حق ہوتا ہے پھر فرمایا اس کے اونٹ کی عمر کا اسے اونٹ دے دو تو صحابہ نے عرض کیا اس کے اونٹ جیسا تو کوئی اونٹ نہیں بلکہ اس سے بہتر ہے فرمایا اسے دے دو کیونکہ تم میں سے

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 105 (العلمیہ) 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 215 (صادر)

(۱) جس بارے میں نہی کی جارہی ہے اس کے اہتمام کا تقاضا کرتا ہے۔

بہترین وہی ہے جو حق ادا کرنے میں اچھا ہو(1) امام مسلم کے ہاں ابو رافع کی حدیث اسی معنی میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ اپنے حق کا مطالبہ کرے آپ نے اس سے نصف وسق (۱) قرض لیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے پورا وسق دیا فرمایا نصف وسق تیرا حق اور نصف وسق میری طرف سے ہے پھر ایک آدمی آیا اس نے پورا وسق لینا تھا حضور ﷺ نے اسے دو وسق عطا کئے فرمایا ایک وسق تیرا ہے اور ایک وسق میری جانب سے ہے(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں کوئی عیب نہیں۔ اسی طرح افضل یہ ہے کہ حقدار اپنے حق سے کم لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس جوانمرد پر رحم کرے جب وہ بیچے یا خریدے یا اور جب وہ اپنے حق کا تقاضا کرے، اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے(3) لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور فضل واحسان حق سے زیادہ ادا کرنا واجب نہیں کیا اور کم لینے پر راضی ہونے کا حکم بھی نہیں کیا کیونکہ لوگوں پر یہ امر شاق گزرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کا یہی معنی ہے۔ یہ احادیث امام شافعی کے مذہب کی تائید کرتی ہیں انہوں نے کہا اگر مقروض نے قرض دینے والے کو کوئی چیز تحفے کے طور پر دی یا اسے اپنی سواری پر سوار کیا یا اپنے گھر میں رہائش دی، جبکہ یہ ان کے درمیان عادت نہ تھی یا جتنا قرض لیا تھا اس سے زیادہ عطا کر دیا یا اس سے عمدہ چیز دی تو یہ اس کے لئے جائز ہے اگر اس نے اس کی پہلے شرط نہ لگائی ہو، جبکہ دوسرے تینوں ائمہ اس کے خلاف ہیں، ایسا عمل ان کے نزدیک مکروہ ہے، قرض خواہ کے لئے یہ چیز لینا حلال نہیں، یہ مسئلہ سورۂ بقرہ کی آیت المداینہ میں گزر چکا ہے۔

جب تم فیصلہ یا شہادت میں کوئی بات کہو تو اس میں عدل کو ملحوظ خاطر رکھو اگر چہ جس کے حق میں یا جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے وہ تمہارا اقربی ہو۔ یہ امر بھی عدالت میں تاکید کے لئے نہی کی جگہ رکھا گیا جو ظلم اور جھوٹ سے نہی کی گئی یہاں تک کہ ظن وتخمین کی بناء پر گواہی دینا جائز نہیں بلکہ کمال علم کی صورت میں گواہی دینا جائز ہوتی ہے جس پر لفظ شہادت دلالت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جھوٹی شہادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے مساوی ہے، یہ ارشاد تین دفعہ فرمایا(4) پھر یہ آیت تلاوت کی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ[1] اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حریم بن فاتک سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی نے ایمن بن خزیم سے نقل کیا ہے مگر ابن ماجہ نے قرأت کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قاضی تین قسم کے ہیں، ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہوں گے۔ جنت میں وہ قاضی ہو گا جو حق پہچانے تو اس کا فیصلہ کردے، دوسرا وہ آدمی جو حق پہچانے اور فیصلہ میں ظلم کرے، وہ جہنم میں ہے۔ تیسرا وہ آدمی ہے جو نادانی کی بناء پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کرے تو وہ بھی جہنم میں ہو گا، اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے(5)

اور اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ لیا ہے اس سے پورا کرو۔ وعدہ سے مراد عدل کو ملحوظ رکھنا اور امر و نواہی میں سے احکام شرع کو بجا لانا یا اس سے مراد نذر اور قسم ہے۔ اوفوا میں امر بھی نہی کی جگہ ہے جو تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پختہ کرنے کے بعد اسے نہ توڑو اور قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو اوامر و نواہی کی بجا آوری میں تاکید اور مبالغہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان شبہات سے بھی پرہیز کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال واضح ہے، اور حرام بھی واضح ہے ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں اکثر لوگ انہیں نہیں

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 30 (نور محمد) 2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 347 (صادر) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 278 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 173 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن ابن داؤد، صفحہ 503 (وزارت تعلیم)
(۱) کیل کا پیمانہ جو ساٹھ من کے برابر ہوتا ہے۔

جانتے۔ جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنی عزت اور دین کو بچا لیا، جو مشتبہات میں گر پڑا وہ حرام میں گر پڑا۔ جس طرح ایک چرواہا کسی محفوظ چراگاہ کے اردگرد جانور چراتا ہے تو امکان ہوتا ہے کہ جانور محفوظ چراگاہ میں واقع ہو جائے (1) یہ حدیث متفق علیہ ہے جو نعمان بن بشیر سے مروی ہے۔ طبرانی نے صغیر میں صحیح سند سے حضرت عمر سے مرفوع روایت نقل کی ہے حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے (2) جو چیز تمہیں شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ دو اور اسے اپناؤ جو شک میں نہ ڈالے۔ انہیں چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ حمزہ اور کسائی نے تذکرون کو ذال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جہاں بھی قرآن میں یہ لفظ ہے یہ باب تفعل سے مضارع کا صیغہ ہے اس کی ایک تاء حذف ہے، جبکہ باقی قراء نے ذال کے ساتھ پڑھا ہے یہ لفظ اصل میں تَتَذَكَّرُوْنَ تھا۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

"اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کریں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

ان حمزہ اور کسائی نے جملہ مستانفہ کی بناء پر اِن پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے اَن پڑھا ہے لیکن ابن عامر اور یعقوب نے نون کو ساکن پڑھا ہے کہ یہ مثقلہ سے مخففہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مشددہ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا اس کی تقدیر کلام یوں ہے واتل علیکم ان ھذا ابن عامر نے صِرَاطِیَ کو یاء کے فتحہ اور باقی نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے مستقیما ترکیب کلام میں صراط سے حال ہے اور اس میں عامل اشارہ کا معنی ہے، یعنی اس صورت میں توحید نبوت اور احکام شرعیہ جو ذکر کئے گئے ہیں وہی میرا راستہ اور دین ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ ان محل جر میں ہو اور اس کا عطف وصکم بہ کی ضمیر مجرور پر ہو تقدیر کلام یوں ہوگی وَصّٰكُمْ بِاَنَّ۔ امام بیضاوی نے فرمایا یہاں لام مقدر ہے اور یہ فاتبعوا کی علت ہے (3) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ھذا کا مشار الیہ وہ چیزیں ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ امام بغوی نے فرمایا یہ آیات محکم ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی منسوخ نہیں، یہ تمام بنی آدم پر تمام شریعتوں میں حرام تھیں۔ یہی ام الکتاب ہیں، جس نے ان پر عمل کیا جنت میں داخل ہو گیا، جس نے ان کو ترک کیا وہ جہنم میں داخل ہو گیا (4)

السُّبُلَ سے مراد مختلف راستے ہیں جو خواہشات کے مطابق ہوں کیونکہ شرع کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کتاب و سنت کی پیروی کرے، عقل اس کا ادراک کرے یا ادراک نہ کرے۔ فاسد آراء کی اتباع کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ اگر کتاب و سنت ان کے موافق ہو تو وہ کتاب و سنت کو قبول کر لیتے ہیں۔ اگر یہ ان خواہشات کے خلاف ہوں تو وہ کتاب میں تاویل کرتے ہیں اور خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے اختلاف کا منشا بھی یہی ہے، اسی وجہ سے کوئی رافضی ہو گیا، کوئی خارجی ہو گیا، کوئی مجسمہ، کوئی جبریہ، کوئی قدریہ اور کوئی اور ہم نے اس مسئلہ کو سورۂ بقرہ کی آیت كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ الآیۃ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اگر تم ان راہوں کی اتباع کرو گے تو تم راہ راست سے بھٹک جاؤ گے۔ اس کا راہ راست وحی کی اتباع ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 275 (وزارت تعلیم) (الفاظ مختلف کے ساتھ)
2۔ سنن صغیر للبیہقی، جلد 2، صفحہ 273 (الدراسات)
3۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ، جلد 4، صفحہ 175 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 165 (التجاریہ)

حکم عطا کیا ہے تا کہ تم گمراہی اور حق کی دوری سے بچ سکو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے لئے خط کھینچا پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر دائیں بائیں اور خط کھینچے فرمایا یہ راستے ہیں ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اپنی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی (1) اسے امام احمد، امام نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس پیغام کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں۔ اسے امام بغوی نے شرح سنہ میں روایت کیا ہے (2) امام نووی نے اپنی اربعین میں یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝

"پھر عطا فرمائی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تا کہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں اور تا کہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعث ہدایت اور رحمت ہے تا کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے پر ایمان لائیں۔"

اٰتَیْنَا کا عطف وصّٰکُم پر ہے۔ ثم کا لفظ تراخی زمانی کے لئے ہے، یعنی پھر ہم آپ کو خبر دیتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یا ثم کا لفظ رتبہ میں تفاوت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے گویا یہ کہا گیا کہ ہم نے تمہیں پہلے اور اب بھی ان چیزوں کی وصیت کی اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یا اس کا عطف قل پر ہے اور یہاں قل مقدر ہوگا تقدیر کلام یہ ہوگی ثم قل اتینا موسیٰ الکتب یا یہ کہا جائے گا کہ ثم جب جملہ کے ساتھ آئے تو واؤ کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ میں خطاب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کے لوگوں کو ہو اور حاضرین کو غائبین پر غلبہ دیا گیا ہو اور ثم کا لفظ حکم میں تراخی کیلئے ہو۔ معنی یہ ہوگا اے لوگو ہم نے تمہاری تخلیق سے ہی ان چیزوں کا حکم دیا تھا جو ہم نے شریعت کے احکام میں ذکر کئے ہیں کیونکہ یہ احکام تمام شریعتوں میں موجود تھے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور اس میں ہم نے اور احکام بھی ارشاد فرمائے تا کہ جس نے پہلے احکام پر اچھی طرح عمل کیا اس پر نعمت اور تکریم مکمل ہو جائے اور جو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان نہ لایا اور اس نے پہلی شریعتوں پر عمل نہ کیا اس کے لئے نہ تورات میں کوئی فائدہ ہے اور نہ قرآن میں کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اس کے لئے نعمت مکمل ہوئی۔ آیت میں الذی احسن سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی ان پر نعمت مکمل کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الذی احسن من احسن کے معنی میں ہے، یہ واحد اور جمع سب کو شامل ہے۔

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے جس نے بھی اچھی طرح اس پر عمل کیا تا کہ اس پر نعمت کو مکمل کیا جائے۔ اسی مفہوم پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت دلالت کرتی ہے حضرت ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے ہر وہ شخص جس نے ان پر اچھی طرح عمل کیا یعنی ہم نے کتاب نازل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت انبیاء پر ظاہر کر دی (3) اور ہر چیز کو بیان کرنے کے لئے انہیں کتاب عطا فرمائی کل شی سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی دین میں ضرورت تھی تفصیلاً کا عطف تماما پر ہے، دونوں مفعول لہ، حال اور مصدر کی حیثیت سے منصوب ہیں۔ لعلهم میں ضمیر سے مراد وہ بنی اسرائیل کے لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ لقاء سے مراد دوبارہ اٹھانا ثواب اور سزا ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 435 (صادر) 2۔ مشکوۃ المصابیح، صفحہ 30 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 166 (التجاریہ)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

''اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے، بابرکت ہے سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو (اللہ سے) تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۱؎''

۱؎ ھذا سے مراد قرآن حکیم ہے جسے ہم (اللہ تعالیٰ) نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ پر نازل کیا۔ یہ خیر و برکت میں تورات سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کی نظم میں اعجاز، علوم کی کثرت اور محیط دائرہ کے مرکز کی طرح ہے۔ تورات کے جن احکام کو اس نے منسوخ کر دیا ہے اس میں اس کتاب کی اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے میں اس کے عذاب سے ڈرو تا کہ اس کی اتباع کرنے کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾

''(ہم نے اسے اتارا ہے) تا کہ یہ نہ کہو کہ اتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے ۱؎''

۱؎ خطاب اہل مکہ کو ہے ان کے بعد لا نافیہ محذوف ہے یا ان سے پہلے کراھة کا لفظ محذوف ہے پھر یہ انزلنا کا مفعول لہ ہوگا۔ کسائی نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم یہ کہنے سے ڈرو طائفتین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہاں انما کے ساتھ اختصاص (قصر) کیا گیا کیونکہ سماوی کتب میں سے مشہور کتابیں ان دونوں (تورات اور انجیل) کے علاوہ موجود نہ تھیں۔ ان مثقلہ سے مخفف ہے۔ اسی وجہ سے اس کی خبر پر لام آیا ہے جو ان نافیہ اور ان تاکیدیہ میں فرق کرتا ہے، یعنی ہم ان کتابوں کے پڑھنے سے ناواقف تھے اور ہمیں شرعی احکام کا علم نہ تھا کیونکہ ہم امی تھے تو حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ قرآن کو نازل فرمایا تا کہ مکہ کے کفار کے خلاف دلیل قائم ہو جائے، ان کا عذر زائل ہو جائے اور قرآن اور آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہو جائیں۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

''یا یہ نہ کہو کہ اگر اتاری گئی ہوتی ہم پر کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے بے شک آ گئی ہے تمہارے پاس روشن دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے عنقریب ہم سزا دیں گے انہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے ۱؎''

۱؎ تَقُوْلُوْا کا عطف پہلے تَقُوْلُوْا پر ہے۔ اس میں وہ الفاظ مقدر ہوں گے جو پہلے میں تھے اگر ہم پر بھی اس طرح کتاب نازل کی جاتی جس طرح ہم سے پہلے لوگوں پر کتاب نازل کی گئی تو ہم ان کی بنسبت زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ امام بغوی نے کہا کفار کی ایک

جماعت نے کہا اگر ہمارے اوپر اسی طرح کتاب نازل کی جاتی جس طرح یہود و نصاریٰ پر نازل کی گئی تو ہم ان سے بہتر ہوتے(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایسی زبان میں واضح حجت آچکی ہے جس زبان کو تم پہچانتے ہو اور چھوٹی سی چھوٹی سورت بھی اس کے مقابلہ میں لانے سے عاجز ہو۔ جو اس میں غور و فکر کرے اس کے لئے یہ بیان جو اس پر عمل کرے اس کیلئے سراپا رحمت ہے۔ یہ شرط محذوف کی جزاء ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ان صدقتم فیما قلتم فقد جاء کم یعنی اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو جس کی تم آرزو رکھتے تھے وہ کتاب تمہارے پاس آچکی ہے، جبکہ یہ دلیل واضح اور برہان قاطع ہے۔ یہ واضح ہونے کے بعد کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اور تم نے اس کی تمنا بھی کی تھی جو اس کی تکذیب کرے اور اس سے اعراض کرے، لوگوں کو اس سے روکے تو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے، مقصود مذمت میں مبالغہ کرنا ہے سُوْٓءَ الْعَذَابِ سے مراد عذاب کی شدت ہے، یہ شدید عذاب ان کے اعراض کرنے اور لوگوں کو اس سے روکنے کی وجہ سے ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

"کس کی انتظار کر رہے ہیں بجز اس کے کہ آئیں ان کے پاس فرشتے[1] یا خود آئے آپ کا رب[2] یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی (لیکن) جس روز آئے گی کوئی نشانی آپ کے رب کی تو نفع نہ دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لا چکا تھا اس سے پہلے یا نہ کی تھی اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی[3] آپ (انہیں) فرمایئے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں[4]"

1۔ هل استفہام انکاری کے لئے ہے، معنی ہوگا اہل مکہ قرآن پر ایمان لانے کے لئے انتظار نہیں کرتے مگر فرشتوں کی آمد کا۔ حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورۂ نحل میں یاتیھم پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے تَاْتِيَهُمْ پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے ملئكة سے مراد موت کے فرشتے ہیں یا عذاب کے فرشتے ہیں یا ایسے فرشتے ہیں جو برسرِ عام رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور قرآن کے حق ہونے کی گواہی دیں۔ حاصل کلام یہ ہے جس چیز کی وہ تمنا کرتے تھے اس کے آنے، امر ظاہر ہونے اور روشن دلیل کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائے شاید وہ فرشتوں کی آمد کا انتظار کرتے ہیں شاید وہ ان کی آمد پر ایمان لائیں گے، جب کہ اس حالت میں ان کا ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا۔ امام بیضاوی نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں انتظار کرنے والوں کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ ان کی حالت وہی ہے جو انتظار کرنے والے کی ہوتی ہے(2) یہ بھی جائز ہے کہ فرشتوں کے آنے سے مراد قیامت کے روز ان کا نازل ہونا ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔

2۔ وْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اس کا آنا بلا کیف ہوگا، وہ میدان قیامت میں مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے آئے گا۔ اس آیت کی نظیر سورۂ بقرہ میں آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ میں گزر چکی ہے اور اس کی تفسیر علماء متقدین اور متاخرین اور متعلقہ گفتگو بھی وہاں گزر چکی ہے اس لئے آپ اس مقام کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 167 (التجاریہ)

2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ، جلد 4، صفحہ 178 (العلمیہ)

سے یا تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں، یعنی قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں۔ امام بغوی نے فرمایا یعنی مغرب سے سورج کا طلوع ہونا۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے(1) ابو سعید خدری نے مرفوع (1) روایت نقل کی ہے۔

قیامت کی نشانیوں کے بارے میں فصل

حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، جبکہ ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک اس سے قبل دس نشانیاں ظاہر نہ ہوں گی۔ آپ نے دھویں، دجال اور دابہ کے نکلنے، مغرب سے سورج کے طلوع ہونے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے آنے یا جوج و ماجوج کے ظاہر ہونے اور تین دفعہ زمین کے دھنسنے، ایک دفعہ مشرق میں، ایک دفعہ مغرب میں، اور ایک دفعہ جزیرہ عرب میں سب سے آخر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ ایک روایت میں یہ ہے دسویں نشانی ایک ایسی ہوا چلے گی جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے(2)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے، کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ان نشانیوں میں سے پہلی سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور چاشت کے وقت لوگوں پر دابہ نکلے گا۔ ان دونوں میں سے جو نشانی پہلے ہوگی دوسری اس کے متصل بعد ہو گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے(3)

نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا فرمایا اگر وہ نکلا اور میں تمہارے درمیان ہوا تو میں تمہاری طرف سے اسے کافی ہو جاؤں گا اگر وہ نکلا اور میں تمہارے درمیان نہ ہوا تو ہر آدمی خود اپنی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ میری بجائے ہر مسلمان کا نگہبان ہے۔ وہ ایک نوخیز نوجوان ہوگا جس کی آنکھ باہر کو ابھری ہوگی، میں اسے عبدالعزی بن قطن کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں۔ تم میں سے جو اسے پائے وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ یہ آیات دجال کے فتنہ سے بچاؤ کے لئے اسے کافی ہوں گی۔ وہ شام اور عراق کے درمیان خلہ سے ظاہر ہوگا۔ وہ دائیں بائیں تباہی و بربادی پھیلا دے گا۔ اے اللہ کے بندو ایمان پر ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کتنا عرصہ زمین میں رہے گا فرمایا چالیس دن اس کا ایک دن سال کے برابر ہوگا، ایک دن مہینے کے برابر ہوگا، ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا۔ باقی دن تمہارے دنوں جیسے ہوں گے۔ ہم نے عرض کی اس کا وہ دن جو سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی فرمایا نہیں اندازہ کر کے نماز پڑھ لینا۔ ہم نے عرض کی وہ زمین میں کتنی تیزی سے حرکت کرے گا؟ فرمایا اس بارش کی مانند جسے ہوا لاتی ہے۔ وہ ایک قوم کے پاس آئے گا، انہیں دعوت دے گا۔ وہ قوم اس پر ایمان لے آئے گی۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا۔ وہ زمین کو حکم دے گا تو وہ بھی سبزہ اگائے گی۔ شام کو ان کے جانور جنگل سے واپس آئیں گے وہ پہلے سے ایک ہاتھ لمبے ہوں گے ان کی کھیریاں دودھ سے بھری ہوں گی اور وہ خوب موٹے تازے ہوں گے پھر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 167 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 393 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 404 (وزارت تعلیم)

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اے لوگو اس امت میں سے کچھ لوگ ہوں گے جو رجم، دجال اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کو جھٹلائیں گے عذاب قبر اور شفاعت کو جھٹلائیں گے، اور اس بات کو جھوٹا کہیں گے کہ ایک قوم جہنم کی آگ میں جھلنے کے بعد آگ سے نکلے گی۔

اس کا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوگا وہ انہیں دعوت دے گا وہ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے، وہ ان کے پاس سے چلا جائے گا تو ان پر قحط سالی آ جائے گی، ان کے اموال میں سے کوئی چیز ان کے پاس نہ رہے گی۔ دجال ویرانے کے پاس سے گزرے گا اور کہے گا اپنے خزانوں کو باہر نکال دو تو وہ خزانے اس کے پیچھے اس طرح چلیں گے جس طرح شہد کی مکھیاں یعسوب (بادشاہ) کے پیچھے چلتی ہیں پھر وہ ایک موٹے تازے نوجوان کو بلائے گا اسے تلوار مارے گا، دو ٹکڑوں میں تقسیم کرے گا اور جہاں تک تیر گرتا ہے اتنا دور اسے پھینک دے گا پھر اسے بلائے گا وہ نوجوان آئے گا۔ جبکہ اس کا چہرہ مسکراتے ہوئے چمک رہا ہوگا۔ وہ اسی حال میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا۔ آپ سفید منارہ کے نزدیک دمشق کی مشرق مہرودتین کے درمیان اتریں گے، جبکہ دونوں ہاتھوں سے دو فرشتوں کے پروں پر سہارا لئے ہوں گے۔ جب سر جھکائیں گے تو پسینے کے قطرات گریں گے، جب سر اٹھائیں گے تب بھی چاندی کے موتیوں کے وزن کے قطرات گریں گے۔ جس کافر کو آپ کے سانس کی خوشبو پہنچے گی وہ مر جائے گا، آپ کے سانس کی خوشبو حد نگاہ تک پہنچے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے اور لد کے دروازے پر پالیں گے اور اسے قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں ایک قوم آئے گی جسے اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا ہوگا، آپ ان کے چہروں کو صاف کریں گے اور جنت میں ان کے درجات کے بارے میں ان سے گفتگو کریں گے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا میں نے ایسے پیدا کئے ہیں جن سے جنگ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں پس میرے بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ تو اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو بھیج دے گا۔ وہ ہر ٹیلے کے پیچھے سے پھیل جائیں گے۔ ان کا پہلا دستہ بحیرہ طبریہ کے پاس سے گزرے گا جو پانی اس بحیرہ میں ہوگا سب پی جائیں گے جب آخری گزرے گا تو وہ کہیں گے یہاں کبھی پانی تھا پھر وہ چلیں گے یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کے پہاڑ تک پہنچیں گے، وہ کہیں گے زمین میں جو بھی تھا اسے تو ہم نے قتل کر دیا، آؤ اب ہم آسمان میں رہنے والوں کو قتل کریں، وہ اپنے چھوٹے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے انہی کی طرف لوٹا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا نبی اور اس کے ساتھی محصور رہیں گے یہاں تک کہ ان کے لئے بیل کا سر اس سے بہتر ہوگا جتنا تمہارے نزدیک ایک سو دینار کی قدر و قیمت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں گٹھلیاں پیدا کر دے گا تو ایک آدمی کے مرنے کی طرح وہ سب صبح کو مر جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ کے نبی اور ان کے ساتھی زمین کی طرف آئیں گے تو بالشت بھر زمین بھی نہ پائیں گے مگر وہ گوشت کی سڑاند اور بدبو ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کریں گے اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا جو بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہوں گے وہ پرندے ان مُردوں کو اٹھائیں گے اور وہاں پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

ایک روایت میں ہے وہ انہیں نہبل (ا) میں پھینکے گا۔ مسلمان یاجوج وماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جس سے نہ مٹی کا گھر اور نہ ہی خیمہ محفوظ رہے گا، زمین کو دھو دیا جائے گا یہاں تک کہ بارش اسے باغ (ب) کی مانند کر چھوڑے گی پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے پھل کو اگاؤ اور اپنی برکت لوٹاؤ۔ اس روز ایک جماعت ایک انار کھائے گی، اس کے چھلکا سے وہ سایہ حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ دودھ میں برکت ڈال دے گا یہاں تک کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بڑے گروہ کیلئے، ایک گائے کا دودھ قبیلے کے لئے اور ایک بکری کا دودھ قبیلہ کے ایک خاندان کیلئے کافی ہوگا۔ وہ

(ا) صاحب قاموس نے کہا دجال والی حدیث جو ترمذی میں ہے اس میں نہبل کا لفظ ہے، اس میں تصحیف ہے صحیح میم کے ساتھ ہے۔
(ب) زلفۃ کی جمع زلف ہے جس کا معنی ہے پانی کے کام یا مستنقع۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی باغ ہے۔

اس طرح ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ خوشبو بھیجے گا، وہ ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گی، شریر لوگ رہ جائیں گے، وہ گڑبڑ اور فتنہ وفساد برپا کریں گے جیسے گدھے آپس میں کرتے ہیں انہیں پر قیامت برپا ہوگی، اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے(1) مگر دوسری روایت میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ انہیں نہبل میں پھینکے گا اس ارشاد تک کہ سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

حضرت حذیفہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دجال نکلے گا۔ اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی جسے لوگ پانی دیکھیں گے، وہ آگ ہوگی جو جلا دے گی اور جسے لوگ آگ خیال کریں گے وہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی ہوگا۔ تم میں سے جو پائے تو اسے لے جسے وہ آگ خیال کرتا ہے کیونکہ وہ میٹھا اور پاکیزہ پانی ہے متفق علیہ (2)۔ امام مسلم نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ دجال کی آنکھ بند ہوگی جس پر موٹا ناخونہ چڑھا ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا ہر مومن اسے پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ دجال آئے گا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی جسے وہ جنت کہے گا وہ حقیقت میں دوزخ ہوگی۔ حضرت حذیفہ سے مروی حدیث امام مسلم کے ہاں بھی ایسے ہی ہے(3) ابو سعید خدری کی حدیث امام مسلم کے نزدیک یہ ہے جب مومن دجال کو دیکھ لے گا تو کہے گا اے لوگو یہ دجال ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا تھا دجال حکم دے گا تو آری کے ساتھ اس کی مانگ سے چیرا جائے گا یہاں تک کہ اسے اس کی ٹانگوں تک دو حصوں میں کاٹ دیا جائے گا پھر دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا پھر کہے گا اٹھ کھڑا ہو، وہ سیدھا کھڑا ہو جائے گا پھر وہ کہے گا کیا تو مجھ پر ایمان لاتا ہے؟ تو وہ مومن کہے گا میں نے تجھ سے بصیرت میں زیادتی پائی ہے(4)۔

حضرت اسماء بنت یزید کی حدیث میں ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ دجال کے فتنوں میں سے شدید ترین فتنہ یہ ہے کہ وہ ایک بدو کے پاس آئے گا اسے کہے گا بتاؤ تو اگر میں تیرا اونٹ زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی نہیں مانے گا کہ میں تیرا رب ہوں تو بدو کہے گا کیوں نہیں تو شیاطین اس کے اونٹ کی صورت اختیار کر لیں گے، اس کے تھن لمبے ہوں گے اور اس کی بڑی کوہان ہوگی۔ وہ ایک اور آدمی کے پاس آئے گا جس کا بھائی اور باپ مر چکے ہوں گے تو دجال اس سے کہے گا اگر میں تیرے لئے تیرے باپ اور بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا تو نہیں مانے گا کہ میں تیرا رب ہوں تو وہ آدمی کہے گا میں کیوں نہیں مانوں گا تو شیطان اس کے باپ اور بھائی کی شکل اختیار کر کے سامنے آ جائے گا۔ الحدیث۔

فصل ظہور مہدی

ان نشانیوں سے پہلے حضرت مہدی کا ظہور ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دنیا میں سے کوئی دن باقی نہ رہا مگر ایک دن تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایک آدمی بھیجے گا یا فرمایا میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی بھیجے گا، اس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ عدل وانصاف سے زمین کو بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 402 (قدیمی)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 401-400 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 400 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 403-402 (قدیمی)

امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے خاندان کا ایک فرد عرب کا مالک بنے گا، اس کا نام میرے نام جیسا ہوگا(1) حضرت ام سلمہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف برپا ہوگا تو اہل مدینہ میں سے ایک شخص مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ جائے گا، مکہ کے لوگ اس کے پاس آئیں گے وہ اسے باہر لائیں گے، جبکہ وہ اسے ناپسند کرتا ہوگا وہ اس کے ہاتھ پر رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کریں گے۔ شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان بیداء کے مقام پر اس لشکر کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ یہ دیکھیں گے تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں آئیں گی وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے پھر قریش سے ایک آدمی اٹھے گا جس کے ننہال بنو کلب سے ہوں گے، وہ ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا وہ بنو کلب کے لشکر پر غالب آجائیں گے۔ وہ لوگوں میں نبی کی سنت پر عمل کرے گا اور زمین میں اسلام نافذ کرے گا۔ وہ سات سال تک رہے گا پھر فوت ہوگا، مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے(2)

ابوداؤد نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسن کو دیکھا فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی صلب سے ایک آدمی پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام جیسا ہوگا، وہ اخلاق میں حضور ﷺ کے مشابہ ہوگا لیکن صورت میں مثل نہ ہوگا، وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا(3)

مہدی کے قصہ میں حضرت ابوسعید سے مروی ہے ایک آدمی آئے گا وہ کہے گا اے مہدی مجھے عطا کرو مجھے عطا کرو جتنا وہ اٹھا سکے گا اتنا وہ ہاتھ بھر بھر کے اس کے کپڑے میں ڈالیں گے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے(4)

مستدرک میں امام حاکم کے نزدیک روایت اس طرح ہے اس سے زمین اور آسمان کے مکین خوش ہوں گے آسمان اپنی بارش میں ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ وہ اسے موسلا دھار برسا دے گا۔ زمین نباتات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑے گی مگر وہ اسے نکال دے گی۔ زندے مردوں کی آرزو کریں گے (کاش وہ بھی زندہ ہوتے) وہ سات آٹھ یا نو سال زندہ رہے گا۔

جس طرح ایک آدمی کی موت کا وقت آپہنچا ہو تو اس کا ایمان لانا نفع نہیں دیتا کیونکہ اب سب معاملہ عیاں ہو چکا ہے جبکہ ایمان غیب پر واجب ہے لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ یہ نفس کی صفت ہے اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا اس کا عطف امنت پر ہے جن لوگوں نے ایسے ایمان کا اعتبار نہیں کیا جو عمل سے خالی ہو کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے اس وقت کا ایمان کسی نفس کو فائدہ نہیں دیتا جو اس دن سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اور نہ ہی اس نفس کو ایمان فائدہ دیتا ہے جس نے اس دن سے قبل ایمان کی حالت میں اچھا عمل نہ کیا ہو۔

ہم کہتے ہیں یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ ایمان نفع نہیں دیتا جس میں اس نے بھلائی کا کام نہ کیا ہو بلکہ خاص کر اس دن ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ نیز اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب دو امر نکرہ ہوں جب ان میں سے ایک نفی کے تحت داخل ہو تو وہ دونوں امروں میں عموم کا فائدہ دے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا یعنی نہ گناہ گار کی اطاعت کرو اور نہ ناشکرے کی اطاعت کرو تو اس آیت کا معنی یہ ہوگا موت کے وقت ایمان کسی نفس کو فائدہ نہیں دے گا جو ایمان نہ لایا اور اس نے ایمان میں اچھا عمل نہ کیا۔ امام بغوی نے کہا آیت کا معنی یہ ہوگا اس وقت کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ قبول نہ کی جائے گی(5) فی ایمانها میں ایمان سے مراد عموم مجاز کی بناء پر توبہ مراد ہوگی کیونکہ ایمان کفر سے توبہ اور معاصی سے توبہ کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 46 (قدیمی) 2۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 589 (نور محمد) 3۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 589
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 46 (قدیمی) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 168 (التجاریہ)

تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ توبہ کے لئے کھلا رکھا ہے۔ جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوگا اسے بند نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مفہوم ہے یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ الآیۃ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے(1) اور ابن ماجہ نے صفوان بن عسال سے روایت کیا امام مسلم نے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرے اور دن کو ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کر لے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو(2) امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مغرب سے سورج طلوع ہونے سے قبل توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا(3) امام احمد، ابوداؤد اور دارمی نے حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک توبہ منقطع نہ ہو اس وقت تک ہجرت ختم نہ ہوگی اور توبہ اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا(4) یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس ارشاد میں ایمان سے مراد توبہ ہے۔

کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن میں توبہ کی جگہ ایمان کا لفظ آیا ہے انہیں میں سے ایک روایت وہ ہے جسے امام بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا۔ جب وہ طلوع ہو گیا اور لوگوں نے اسے دیکھ لیا تو سب لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے اس وقت کسی نفس کو ایمان فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا ایمان کی حالت میں کوئی بھلائی کا کام نہ کیا تھا۔(5)

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین نشانیاں جب ظاہر ہو جائیں گی تو کسی نفس کو ایمان فائدہ نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے ایمان کی حالت میں کوئی بھلائی نہیں کی تھی۔ دجال، دابہ اور مغرب سے سورج کا طلوع ہونا(6) ان احادیث کی یہی تاویل کی جا سکتی ہے کہ جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا یا جس نے ایمان کی حالت میں بھلائی کا کام نہیں کیا اسے اس وقت ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

فائدہ: شاید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ جو اس سے پہلے کافر تھا تو اس کا ایمان قبول نہ کیا جائے گا مگر جو بعد میں پیدا ہوا یا بعد میں عاقل بالغ ہوا اور ایمان لایا تو یہ امر ظاہر باہر ہے کہ اس کا ایمان قبول کیا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوں گے، آپ شادی کریں گے، آپ کی اولاد ہوگی، پینتالیس سال دنیا میں رہیں گے پھر فوت ہو جائیں گے۔ میری قبر میں انہیں میرے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر سے ابوبکر و عمر کے درمیان اٹھیں گے(7) ابن جوزی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے کتاب الوفاء میں اسے نقل کیا ہے۔

اے اہل مکہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں، یہ کفار کے لئے وعید ہے کیونکہ اس وقت ہمارے لئے کامیابی اور تمہارے لئے عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ

1۔ عارضۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، جلد 13، صفحہ 51 (العلمیہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 358 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 346 (قدیمی)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 336 (وزارت تعلیم)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 168 (التجاریہ)
6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 88 (قدیمی)
7۔ کتاب الوفاء، صفحہ 814

إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾

”بے شک وہ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں 1 اور ہو گئے کئی گروہ 2 (اے محبوب ﷺ) نہیں ہے آپکا ان سے کوئی علاقہ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ 3“

1 حمزہ اور کسائی نے فارقوا پڑھا ہے، یعنی باب مفاعلہ سے ماضی کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی وہ دین سے خارج ہو گئے اور اسے ترک کر دیا، جبکہ باقی قراء نے باب تفعیل سے پڑھا، یعنی وہ بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض حصے کا انکار کیا یا اس کا معنی ہے کہ وہ مختلف فرقے ہو گئے۔ مجاہد، قتادہ اور سدی نے کہا وہ یہودی اور نصرانی ہیں(1) ایک قوم نے یہودیت کو اپنایا اور ایک نے نصرانیت کو اپنایا، دین ایک تھا، یہ قول درست نہیں کیونکہ ان کے یہودی ہونے کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور جدید شریعت لانے کی وجہ سے ہوئی اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی وجہ سے نصرانی ہوئے۔ یہود و نصاریٰ کے دین کے اصول ایک ہیں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے اصول ہیں۔ یہودی اس لئے کافر ہوئے کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور نصرانی اس لیے کافر ہوئے کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس آیت سے یہ معنی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے جو انہوں نے اپنی خواہشات اور شیطان کے بہکانے سے اپنے دین میں غلط باتیں شامل کر دیں تھیں اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کا حکم ان لوگوں کو بھی شامل ہے جنہوں نے سابقہ امتوں میں سے خواہشات کی اتباع کی اور اس امت کے بدعتی اور اہل ہواء ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بھی بنی اسرائیل کے برابر واقعات رونما ہوں گے یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی اپنی ماں سے اعلانیہ بدکاری کرے گا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا فرد ہو گا جو ایسا عمل کرے گا۔ بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی، سب جہنم میں ہوں گے مگر ایک جنت میں ہو گا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت معاویہ سے نقل کیا ہے بہتر فرقے جہنم میں اور ایک جنت میں ہو گا وہ جماعت ہے۔ میری امت میں ایسے فرقے ہوں گے جن میں خواہشات یوں گردش کریں گی جس طرح باؤلا پن باؤلے مریض میں سرایت کر جاتا ہے، اس کی کوئی نس اور جوڑ ایسا نہیں ہوتا مگر وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے(3)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث طیبہ ہے یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، سب ہاویہ میں ہوں گے مگر ایک انصاری بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، سب ہاویہ (جہنم کا درجہ) میں ہوں گے مگر میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی سب ہاویہ میں ہوں گے مگر ایک(4) اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا۔ ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔ امام بغوی نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا اے عائشہ بے شک جنہوں نے دین میں تفریق کی اور گروہ در گروہ ہوئے اس سے مراد بدعتی اور اس امت کے خواہش پرست لوگ ہیں(5)

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 169 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 32-631 (و۔ت) 4۔ جامع ترمذی، صفحہ 89-88 (وزارت تعلیم)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 169 (التجاریہ)

طبرانی اور دوسرے محدثین نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔ طبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضور ﷺ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے ایک روز حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے آپ نے ہمیں بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل دہل گئے۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ گویا یہ تو الوداع کرنے والے کی نصیحت ہے پس آپ ہمیں تاکیدی حکم ارشاد فرمایئے۔ فرمایا میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، حکم سننے اور اس کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام کو امیر بنایا جائے۔ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ کثیر اختلاف دیکھے گا۔ میری اور میرے ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر عمل کرو، اسے مضبوطی سے پکڑلو، نئے نئے امور سے بچو کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے(1) اسے امام احمد، ابوداؤد، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ان دونوں نے نماز کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بڑی جماعت کی اتباع کرو جو جماعت سے الگ ہوا وہ آگ میں ڈالا جائے گا اسے صاحب مصابیح نے ذکر کیا ہے(2) اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو جماعت سے الگ ہوا جہنم کا ایندھن بنا اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔(3)

حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہوا، اس نے اسلام کے پٹے کو اپنی گردن سے اتار دیا(4) اسے امام احمد، ابوداؤد نے روایت کیا۔ یہاں جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے اور جو ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ یہ چیز ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، آپ کو اپنی کتاب عطا کی اور اسی کی مثل علم وحی غیر متلو کے ذریعے عطا کیا۔ کتاب میں کچھ نصوص ایسی ہیں جو محکمات ہیں جن کی مراد میں کوئی شبہ نہیں اور دوسری نصوص ایسی ہیں جن کی مراد خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے لئے ان کے بیان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے لازم کرلیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو وہ کچھ سکھایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا اور صحابہ نے اس کی تعلیم دی یہاں تک کہ وہ ہم تک پہنچا۔ ابن آدم کے لئے سعادت اسی میں ہے کہ وہ کتاب اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ و تابعین کے اجماع کی اتباع کریں۔ کتاب اللہ اور سنت میں سے جس کی مراد مخفی ہو اس کی اس تاویل کی اتباع کرے جس تاویل کو صحابہ نے پسند کیا ہے۔ جہاں تک اہل ہوا ہیں انہوں نے اپنے عقول اور اپنی خواہشات کی اتباع کی۔ کتاب اللہ میں سے جو چیز ان کی آراء کے موافق ہوئی انہوں نے اسے اپنا لیا اور اس پر ایمان لائے اور جہاں تک ان کی عقلیں نہ پہنچ سکیں ان چیزوں کا انہوں نے انکار کر دیا اور اس سے کفر کیا۔ اسی وجہ سے انہوں نے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار، عذاب قبر، اعمال کے وزن، صراط، حساب، کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا انکار کیا، جن کو کتاب اللہ اور سنت نے بیان کیا ہے اور ان پر صحابہ کا اجماع ہے۔ انہوں نے دین کو چھوڑ دیا اور کتاب اللہ میں تفریق کی، اس کے بعض حصہ پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا۔ یہ معتزلہ اور کثیر اہل

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 127 (صادر) 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 30 (قدیمی)

3۔ جامع ترمذی، صفحہ 2، صفحہ 39 (وزارت تعلیم) 4۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 31 (قدیمی)

عواء کا نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا اصلح للعبد اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ انہوں نے مغفرت کے ممتنع ہونے کا قول کیا اور تقدیر کا انکار کیا، انہوں نے یہ بھی کہا بندہ اپنے افعال کا خالق ہے، اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق نہیں، اسی وجہ سے انہیں اس امت کے مجوسی قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اگر مریض ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اگر وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھو(1) اسے امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں دو ایسی قسم کے لوگ ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ 1۔ مرجئہ 2۔ قدریہ۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے(2) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ قسم کے افراد ایسے ہیں جن پر میں نے، اللہ تعالیٰ اور ہر اس نبی نے لعنت کی ہے جس کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہے۔ 1۔ کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔ 3۔ طاقت سے تسلط جمانے والا تا کہ اسے عزت دے جسے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی اسے ذلیل کرے۔ 4۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال جاننے والا۔ 5۔ میری اولاد کی حرمت کو حلال قرار دینے والا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ 6۔ میری سنت کو ترک کرنے والا۔ اسے امام بیہقی نے مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والے رافضی ہیں، وہ کہتے ہیں مصحف میں جو کچھ ہے اس کے علاوہ بھی قرآن تھا اور وہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ صحابہ نے اسے قرآن سے نکال دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ایمان نہیں رکھتے وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تقدیر الٰہیہ کا انکار قدریہ کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کی آل کی حرمت کو حلال جاننے والے خارجی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کی سنت کے تارک بدعتی ہیں اور خواہش نفس کی غلامی کرنے والے ہیں جو کتاب اللہ کی متشابہات کی اتباع کرتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں کجی ہے اور ان معانی کو تسلیم نہیں کرتے، نہ ہی ان پر ایمان لاتے ہیں جو اسلاف نے کی ہیں مجسمہ(ا) اور مشبہ(ب) اور ان جیسے لوگوں کا یہی طرز عمل ہے۔

رافضیوں نے دین کو مطلقاً چھوڑ دیا ہے کیونکہ دین تو کتاب اللہ، سنت اور اجماع سے حاصل ہوتا ہے۔ رافضیوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور اس پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں سے چوتھائی حصہ یا اس سے زائد خارج کر دیا ہے اور اس میں کچھ زائد کر دیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ کی سنت کو ترک کر دیا کیونکہ انہوں نے تمام صحابہ کرام کے کافر ہونے اور ان کے مرتد ہونے کا دعویٰ کر دیا، جبکہ احادیث کی پہچان تو صرف سمع (سننے) سے ہی ممکن ہے جو صحابہ کے واسطہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ انہوں نے صحابہ کے اجماع کا انکار کیا، انہوں نے اپنے دین کی بنیاد خود ساختہ اور ملمع شدہ چیزوں پر رکھی جسے انہوں نے امام جعفر صادق، امام محمد باقر اور ان کے اجداد عظیم کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ ائمہ کے آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار کے مطابق ہیں تو انہوں نے تقیہ کے فرض ہونے کا دعویٰ کر دیا اور انہوں نے کہا ائمہ کے کلام کا ظاہر تقیہ پر مبنی ہے اور جو کچھ ہم تک پہنچا ہے ہمارے اسلاف کو انہوں نے رازداری اور مخفی طریقہ سے سکھایا۔ ساتھ وہ یہ کہتے تھے ان رازوں کو ظاہر نہ کرنا کیونکہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم خود جانتے ہو جو روایت خفیہ اور رازداری سے روایت کی جائے وہ شہرت اور تواتر کا احتمال نہیں رکھتی اور اخبار آحاد اگرچہ ثقہ راویوں سے مروی ہوں وہ علم کا فائدہ نہیں دیتیں مگر ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 86 (المکتب الاسلامی) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 37 (وزارت تعلیم)

(ا) ایک فرقہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم کا قائل ہے۔ (ب) جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات مانتا ہے جیسی مخلوق کی ہیں۔ مترجم

ظن حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اس وقت کیسے فائدہ دے گی۔ جبکہ آخبار احاد کے راوی کذابین میں سے ہوں جیسے عبد اللہ بن سبا یہودی منافق، ہشام بن سالم، ہشام بن حکم، زید بن جہیم ہلالی شیطان الطاق، دیک الجن شاعر اور ان کے علاوہ دوسرے راوی انکے اور ان کے علاوہ دوسرے رافضیوں کے احوال ہم نے سیف مسلول میں رقم کئے ہیں شائید یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ رافضیوں کے فرقوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔

ے ان میں سے ہر فرقہ اپنے گمان کے مطابق ایک امام کا شیعہ (پیروکار) بن گیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے، یہودیوں نے ان سے بغض کیا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کی ماں پر بہتان باندھا۔ نصاریٰ نے آپ سے محبت کی یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے لئے اس مقام کا ذکر کیا جس پر وہ فائز نہیں پھر حضرت علی شیر خدا نے فرمایا میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے ایک حد سے زیادہ محبت کرنے والا، وہ میرے بارے میں ایسی باتیں کرے گا جو مجھ میں نہیں۔ دوسرا مجھ سے بغض کرنے والا ہلاک ہوگا، جس کا بغض اسے برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ مجھ پر بہتان لگائے(1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر خدا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایسی قوم ہوگی جسے رافضی کہا جائے گا، وہ اسلام کو چھوڑ دے گی۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد ایک قوم آئے گی جنہیں رافضی کہا جائے گا اگر تو انہیں پائے تو انہیں قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا وہ تیرے بارے میں ایسی چیزیں ثابت کریں گے جو تجھ میں نہیں اور اسلاف کو گالی دیں گے۔ اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ دار قطنی نے ایک اور سند سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ ہمارے اہل بیت کے بارے میں محبت کا دعویٰ کریں گے جب کہ وہ محبت نہیں کرتے ہوں گے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو گالی دیتے ہوں گے۔ اس باب میں کئی احادیث ہیں جن کا ہم نے سیف مسلول میں ذکر کیا ہے۔

سے اے محمد ﷺ آپ ان سے بری ہیں اور وہ آپ سے بری ہیں۔ عرب کہتے ہیں اگر تو نے ایسا کیا تو نہ تیرا مجھ سے تعلق ہوگا اور نہ میرا تجھ سے تعلق ہوگا۔ ان کی جزاء و سزا کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ جتنے حق سے دور ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں ایسی ہی جزاء دے گا، جب وہ قیامت کے روز آئیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں آگاہ کرے گا جو وہ عمل کرتے رہے، یعنی پہلے انہیں دین میں تفرقہ اور برے عقیدہ پر جزاء دی جائے گی پھر انہیں ان کے افعال اور نافرمانیوں پر جزاء دی جائے گی۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

"جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لئے دس ہوں گی اس کی مانند لے اور جو کوئی کرے گا ایک برائی تو نہ بدلہ ملے گا اسے مگر اس (ایک برائی) کے برابر اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ۲"

لے اس نے جو نیکی کی ہے اس کو اس کا دس گنا ملے گا۔ عشر سے پہلے جزاء کا لفظ محذوف ہے اور جنس ممیز کی صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہے اصل کلام یوں بنتی ہے فلہ عشر حسنات امثالھا میرے نزدیک اس مقام پر کئی اشکال ہیں اس کی صورت یہ ہے نیکیوں

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 160 (المکتب الاسلامی)

اور برائیوں کی جزاء اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مقدر ہے رائے کا اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ عمل اور اس کی جزاء میں کوئی مماثلت نہیں جسے حواس، عقل یا کسی اور طریقے سے پہچانا جا سکے۔ نیکی کی جزاء وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مقدر کرے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ایک مزدور کی اجرت جو دنیا میں کسی عمل کے بدلے میں معین کی جاتی ہے وہ عقد کیساتھ متعین کی جاتی ہے کیونکہ عمل اور درہم میں کوئی مماثلت نہیں ہوتی جس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اسے اس اچھے عمل کی دس گنا جزاء دی جائے گی۔ یہ اس وقت کہا جا سکتا ہے جب اس نیکی کی جزاء بعض مواقع پر دس گنا دی جائے کیونکہ اگر ایک آدمی کو ایک عمل پر ایک درہم دیا جاتا ہے اور دوسرے کو اسی عمل پر دس گنا دیا جاتا ہے تو اس وقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے دس گنا اجر دیا گیا مگر جب ہر ایک آدمی کو اس کا اجر دس درہم ہی دیا جائے تو پھر اس عمل کی جزاء ہی دس گنا ہو گئی تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسے اس عمل کا دس گنا دیا جا سکتا ہے۔

میرے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں کیونکہ ہر نیک عمل کی ادنیٰ جزاء اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر ہے۔ بعض مکلفوں کو وہ ادنیٰ جزاء دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس جزاء کو بندے کے اخلاص کے لحاظ سے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب کے مراتب کے اعتبار سے یا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے حق میں چاہے گا اضافہ فرمادے گا۔ جس کے حق میں وہ چاہتا ہے وہ دس گنا سے ستر گنا تک یا سات سو گنا تک یا حساب کے بغیر اضافہ فرمادیتا ہے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے اسلام کو اچھا کرے گا تو ہر نیکی جو وہ کرے گا تو اس کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جائے گا اور ہر برائی جو وہ کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں اسی کی مثل اسے لکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا(1) اس اشارہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے کئی گنا اضافے کو اسلام کے حسن کے ساتھ معلق کیا ہے اور اسلام میں حسن دل کی صفائی اور نفس کے تزکیہ سے ممکن ہے جو عمل میں اخلاص کو ثابت کرتے ہیں۔

یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی امت کے افراد میں سے ایک آدمی کو ثواب سابقہ امتوں کے افراد کا دس گنا ہو۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے بے شک تمہاری مدت سابقہ امتوں کے مقابلہ میں عصر سے مغرب کے درمیان کی ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے چند مزدور رکھے، اس نے کہا کون ہے جو دوپہر تک میرے لئے ایک ایک قیراط پر مزدوری کرے۔ یہودیوں نے نصف النہار تک ایک قیراط پر مزدوری کی ہے پھر فرمایا کون ہے جو نصف النہار سے نماز عصر تک ایک ایک قیراط پر مزدوری کرے تو نصاریٰ نے نصف نہار سے عصر تک ایک ایک قیراط پر مزدوری کی پھر فرمایا کون ہے جو عصر سے لے کر شام تک میرے لئے دو دو قیراط پر وضو کرے؟ آگاہ رہو تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک عمل کرتے ہو۔ خبردار تمہارے لئے دوگنا اجر ہے تو یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے، انہوں نے کہا ہم عمل زیادہ کریں اور اجر کم دیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا فضل و احسان ہے جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے(2)

میں کہتا ہوں پہلی توجیہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس امت کے اعمال کو پہلی امتوں کے اعمال پر ایک گنا اضافہ کر دیا جائے گا دس گنا نہیں بڑھایا جائے گا شاید معنی یہ ہو کہ اس امت کے لوگوں میں سے ادنیٰ آدمی کا عمل پہلی امتوں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 78 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 491 (وزارت تعلیم)

کے افراد سے ایک گنا بڑھایا جائے گا تاہم اسے دس گنا، ستر گنا یا سات سو گنا یا جہاں تک اللہ چاہے بڑھا سکتا ہے مگر اس میں بندے کا اخلاص اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان بنیاد بنے گا۔ واللہ اعلم

ج۔ لوگوں میں سے جو بھی برائی کرے اس کی برائی میں اضافہ نہیں کیا جائے گا جس طرح یہ ارشاد ہماری راہنمائی کرتا ہے حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو نیکی کرے تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے یا اس سے زائد ہے اور جو برائی کرے تو اس کی جزاء برائی کی مثل ہوگی اور میں اسے بخش بھی دیتا ہوں۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہوا میں ایک ذراع (ا) اس کے قریب ہو گیا۔ جو ایک ذراع میرے قریب ہوا میں ایک باع (ب) اس کے قریب ہو گیا۔ جو میری طرف چل کر آیا میں دوڑ کر اس کی طرف آیا۔ جس نے زمین بھر خطاؤں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی، جبکہ وہ شرک نہیں کرتا تھا میں اسی قدر مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے(1)

میں کہتا ہوں لقيته بمثلها مغفرة کا معنی یہ ہے کہ اگر میں چاہوں تو ایسا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فجزاء سيئة بمثلها اس پر دلالت کر رہا ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا یہ آیت صدقات کے علاوہ دوسری نیکیوں کے بارے میں ہے جہاں تک صدقات کا تعلق ہے تو اس کا اجر سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے(2)

میں کہتا ہوں حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ اور آپ نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ حکم صدقات کے ساتھ خاص ہے، جبکہ بات اس طرح نہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تحمید صدقہ، ہر دفعہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے(3) اسے امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دوسرے محدثین نے ابوذر سے روایت کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ثواب صدقات سے بڑھ کر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارے سب سے اچھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پاکیزہ، درجات میں سب سے بلند، سونے اور چاندی سے بہتر، دشمنوں سے جنگ کرنے (جس میں تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں) سے بہتر عمل کے بارے میں نہ بتاؤں تو صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں تو فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو(4) اسے ابن ماجہ، ترمذی، حاکم اور امام احمد نے ابودرداء سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے افضل کوئی چیز نہیں۔ اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

"آپ فرمایئے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 170 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً　　3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 324 (قدیمی)
4۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 277 (وزارت تعلیم)
(ا) ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کہنیوں تک کی لمبائی کو ذراع کہتے ہیں جو تقریباً ڈیڑھ فٹ بنتا ہے۔
(ب) جب دونوں ہاتھ شمالاً جنوباً پھیلائے جائیں تو ہاتھوں کے سروں کے درمیانی فاصلہ کو باع کہتے ہیں۔

سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے۔"

ابوعمرو اور نافع نے ربی کو یاء کے فتحہ اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی مجھے معصوم بنا کر وحی کے ذریعے اور معین کردہ دلائل کی طرف راہنمائی کر کے ہدایت سے نوازا۔ دِیْنًا ترکیب کلام میں صراط کے محل سے بدل ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ھدانی صراطا یا یہ فعل محذوف کا فاعل ہے جس پر ھدانی مذکورہ فعل دلالت کرتا ہے قیما کو کوفیوں اور ابن عامر نے قاف کے کسرہ اور یاء خفیفہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے، اس کے ساتھ صفت لگائی گئی ہے۔ قیاس تو یہ تھا کہ یہ قِوَمٌ ہوتا جس طرح عرض ہے کیونکہ اس کے فعل میں تعلیل جاری ہوتی ہے، اسی وجہ سے مصدر میں تعلیل جاری ہوئی جس طرح قیام میں تعلیل کرتے ہیں، جبکہ باقی قراء نے قاف کے فتحہ اور یاء کو مشدد اور مکسور پڑھا ہے کیونکہ یہ فیعل کا وزن ہے جو قام سے مشتق ہے جس طرح ساد سے سید آتا ہے۔ نیت کے اعتبار سے یہ مستقیم کے لفظ سے بلیغ ہے اور مستقیم صیغہ کے اعتبار سے بلیغ ہے۔ امام بغوی نے کہا دونوں کا معنی ایک ہے یعنی سیدھی راہ(1) ملة ابراهیم ترکیب کلام میں دِیْنًا سے عطف بیان ہے حنیفا لفظ ابراہیم سے حال ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے تو پھر تم اپنے جداعلیٰ کے خلاف کیوں شرک کرتے ہو، جبکہ تم آپ کی اتباع کا دعویٰ بھی کرتے ہو وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا عطف حنیفا پر ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

"آپ فرمایئے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔"

ایک قول یہ کیا گیا نسک سے مراد حج اور عمرہ میں قربانی ہے۔ مقاتل نے کہا نسکی سے مراد میرا حج ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد میرا دین ہے(2) ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد میری عبادت ہے قاموس اور صحاح میں اس طرح ہے نافع نے ورش سے یاء کے سکون کے ساتھ قرات کی ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے تا کہ اجتماع ساکنین سے بچا جائے۔ مماتی کے یاء کو نافع نے فتحہ کے ساتھ اور باقی علماء نے سکون کیساتھ پڑھا ہے، یعنی میری زندگی اور موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی یہ ہے ایمان واطاعت میں سے جس چیز پر زندہ ہوں یا جس پر میں مروں گا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یا یہ کہا جائے گا کہ زندگی کی طاعتیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ اور وہ طاعات جو موت کی طرف منسوب ہوتی ہیں جیسے وصیت کرنا اور غلاموں کو مدبر بنانا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے میری زندگی میں میری طاعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور میری موت کے بعد میری جزاء اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا عمل صالح کے ساتھ میرا زندہ رہنا اور ایمان کی حالت پر مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

"نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ذالک کا مشار الیہ قول اور اخلاص ہے، اسی کا مجھے حکم دیا گیا تھا اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 171 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

میں اس امت میں سے پہلا اطاعت شعار ہوں۔ میں تمہیں اسی چیز کی دعوت دیتا ہوں جس کو سب سے پہلے میں خود ادا کرتا ہوں۔ میں تمہارے لئے مخلص ہوں۔ امام بغوی نے کہا قریش کے کفار نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے ہمارے دین کی طرف پلٹ آؤ(1) تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

"آپ فرمایئے کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور رب حالانکہ وہ رب ہے ہر چیز کا اور نہیں کماتا کوئی شخص (کوئی چیز) مگر وہ اسی کے ذمہ ہوتی ہے اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے تو وہ بتائے گا تمہیں جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

کیا میں اپنی عبادت کے لئے اس کے علاوہ کسی کو رب چاہوں جس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراؤں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کو اپنا رب بناتے ہیں ان پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ اسی وجہ سے اَبْغِيْ کا مفعول بہ غیر اللہ کو مقدم کیا گیا۔ وھو رب کل شيء یہ ترکیب کلام میں حال ہے تاہم علت بیان کر رہا ہے اور ان لوگوں پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے جو اور چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا رب مانتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز کو میری طرح پالا گیا ہے اس لئے وہ عبادت کی مستحق نہیں بن سکتی۔ سابقہ کلام میں جو یہ ذکر تھا کہ میرا دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اس کے بعد اس کلام کے لانے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ اس وہم کو دور کیا جا رہا ہے کہ آپ نے بھی دین تقلید کے ذریعے حاصل کیا ہے جس طرح مشرکوں نے اپنے آباء کا دین حاصل کیا ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ولید بن مغیرہ کہا کرتا تھا میری اتباع کرو میں تمہارا بوجھ اٹھا لوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی نفس بھی غلطی نہیں کرے گا مگر اس کا گناہ اسی پر ہوگا(2) اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کو رب بنانے کی صورت میں کسی کی کفالت کسی دوسرے کو کوئی نفع نہ دے گی۔ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر قیامت کے روز تم اپنے رب کی طرف لوٹو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں آگاہ کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے، یعنی مختلف ادیان میں سے وہ حق اور باطل میں امتیاز کرے گا، ہر ایک کو اس کے عمل اور اعتقاد کے مطابق بدلہ دے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

"اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں (اپنا) خلیفہ زمین میں [1] اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں [2] تا کہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے [3]"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 171 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 171 (التجاریہ)

۱؎ یعنی پہلے زمانے کے لوگوں کو ہلاک کیا اور اے حضرت محمد ﷺ کی امت تمہیں زمین کا وارث بنایا۔

۲؎ درجات نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی تمہارے بعض کے درجات کو تم میں سے بعض دوسروں کے درجات پر شرف، غنا اور دوسری چیزوں میں بلند کر دیا۔

۳؎ مَآ اٰتٰىكُمْ میں ما سے مراد جاہ و حشمت، مال اور دوسری چیزیں ہیں تا کہ تم سے یہ ظاہر ہو کیا تم شرک کرتے ہو یا اس سے بچتے ہو۔ جب وہ عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو جلد عذاب لے آتا ہے۔ عذاب کو موت کے بعد تک یا قیامت کے بعد تک مؤخر کرنا عذاب کے جلد آنے یا قریب ہونے کے منافی نہیں کیونکہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہے وہ قریب ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ مومنین کیلئے غفور رحیم ہے۔ عقاب کی صفت سرعت ذکر کی لیکن اسے اپنی ذات کی طرف مضاف نہیں کیا اور اپنی صفت مغفرت ذکر کی ساتھ ہی رحمت کی صفت کو ملایا، ساتھ مبالغہ کا صیغہ اور لام تاکید ذکر کیا تا کہ اس بات پر آگاہی ہو کہ اللہ تعالیٰ بالذات مغفرت فرمانے والا ہے اور بالعرض سزا دینے والا ہے تا کہ اجتماعی نظام ٹھیک رہے جو صفت ربوبیت کا مقتضیٰ ہے وہ بہت زیادہ رحمت فرمانے والا اور اس میں مبالغہ کرنے والا ہے۔ وہ بہت کم سزا دینے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سورۂ انعام ایک ہی دفعہ نازل ہوئی جسے الوداع کرنے کے لئے ستر ہزار فرشتے آئے جن کی تسبیح اور تحمید کا غلغلہ تھا (1) طبرانی نے اسے معجم صغیر میں بیان کیا ہے۔ ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے جب سورۂ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا اس کو الوداع کرنے کے لئے اتنے فرشتے آئے جنہوں نے افق کو بھر دیا (2) اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ کہ یہ سورت ایک ہی دفعہ نازل ہوئی شائد اس کی آیات کے شان نزول کے متعلق جو اسباب ذکر کئے گئے ہیں وہ ان ایام میں قریب قریب وقوع پذیر ہوئے تو بعض آیات کے بعض واقعات کے مناسب ہونے اور بعض دوسری آیات کے بعض دوسرے واقعات کے مناسب ہونے کی بناء پر یہ کہہ دیا گیا کہ یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی اور یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 3 (العلمیہ) 2۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 315 (النصر)

سورۃ الاعراف

آیاتہا ۲۰۶ — سورۃ الاعراف مکیۃ ۷ — رکوعاتہا ۲۴

سورۃ الاعراف مکی ہے، اس کی دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾

"المص۔"

یہ حروف مقطعات ہیں، ان پر تفصیلی کلام سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

"یہ کتاب ہے نازل کی گئی ہے آپ کی طرف ۱؎ پس چاہئے کہ نہ ہو آپ کے سینہ میں کچھ تنگی اس (کی تبلیغ) سے ۲؎ (یہ نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ ڈرائیں اس سے ۳؎ اور یہ نصیحت ہے مومنوں کیلئے ۴؎"

۱؎ یہ مبتدا محذوف ھذا کی خبر ہے یا حروف مقطعات کی خبر ہے اگر ان سے مراد سورت یا قرآن ہو۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكَ یہ کتاب کی صفت ہے

۲؎ حرج کا اصل معنی تنگی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یہاں شک کے معنی میں ہے(1) کیونکہ دل کی تنگی شک کا سبب ہے اور شرح صدر یقین کا سبب۔ شرح صدر اور قبض صدر (تنگی دل) پر تفصیلی بحث سورۃ انعام میں فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کے تحت گزر چکی ہے۔ ابو عالیہ فرماتے ہیں، یہاں حرج کا معنی تبلیغ قرآن کے سلسلہ میں لوگوں سے خوفزدہ ہونا ہے کہ وہ تکذیب کریں گے اور اذیت پہنچائیں گے۔ کیونکہ خائف کا سینہ تبلیغ کیلئے کھلتا نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ قرآن کی تبلیغ کے حقوق کا خوف مراد ہے۔ خطاب نبی کریم ﷺ کی ذات کو ہے۔ نبی کو حرج کی طرف منسوب کرنا مبالغہ کیلئے ہے جیسے عرب کہتے ہیں لااریناک یعنی اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک نہ کرو۔ یا یہ معنی کہ اس کی تبلیغ کے سلسلہ میں کسی فرد بشر سے نہ ڈریں، ان کی ذرا بھر پرواہ نہ کریں۔ ہم آپ کے محافظ ہیں یا یہ معنی کہ آپ اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے خوفزدہ نہ ہوں۔ ہم خود تیرے لئے آسانیاں پیدا فرما دیں گے اور اپنی جناب سے تجھے توفیق عطا فرمائیں گے۔ فاء عطف اور جواب کا احتمال رکھتی ہے گویا یوں کہا گیا ہے۔ جب آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی گئی ہے تو آپ دل تنگ نہ ہوں۔

۳؎ یہ انزل یا لایکن کے متعلق ہے۔ آپ کو جب قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا یقین ہوگا تو آپ لوگوں کو ڈرانے کی بھرپور کوشش کریں گے اور اس طرح آپ لوگوں سے نہ ڈریں گے یا آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دی گئی ہے۔

۴؎ یہ لوگوں کیلئے نصیحت ہے۔ کتاب پر عطف ہونے یا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے رجوع ہے یا اذکر فعل مضمر کی وجہ سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 172 (التجاریہ)

منصوب ہے یا تنذر کے محل پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

''(اے لوگو!) پیروی کرو جو نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے [1] اور نہ پیروی کرو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی [2] بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔ [3]''

[1] اے لوگوں جو تمہاری طرف احکام شریعت نازل کیے گئے ہیں ان کی پیروی کرو خواہ وحی جلی ہے یا وحی خفی ہے جو بھی تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ یہ ارشاد کتاب و سنت دونوں کو شامل ہے۔

[2] اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر دوسرے مدعیان باطل کی اتباع نہ کرو۔ اولیاء سے مراد جن و انس ہیں، جن کی تم اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اتباع کرتے ہو۔ من دونہ کے ارشاد سے وہ لوگ خارج ہو گئے جن کی ولایت اللہ تعالیٰ کی جہت سے ہوتی ہے جیسے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء عظام۔ (ان کی اتباع اللہ تعالیٰ کی اتباع ہے)

[3] یعنی بہت کم یاد کرتے ہو یا یہ معنی کہ تم بہت تھوڑا عرصہ یاد رکھتے ہو۔ ما زائدہ ہے اور قلت کے مفہوم کی تاکید کیلئے ہے۔ یہ مصدریہ نہیں ہے ورنہ قَلِیْلًا تَذَكَّرُوْنَ کی وجہ سے منصوب نہ ہوگا۔ ابوعمرو نے غائب کے صیغہ کے ساتھ یذکرون پڑھا ہے اور خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، باقی قراء نے خطاب کے صیغہ کے ساتھ ایک تاء کو حذف کر کے پڑھا ہے اور خطاب لوگوں کو ہے، میں کہتا ہوں تمام لوگوں کی طرف قلت تذکر کی نسبت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ تعداد میں کم ہیں، وہ زیادہ تذکر کرتے ہیں اور وہ مومنین ہیں۔

وَ كَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآىٕلُوْنَ ۝۴

''اور کتنی بستیاں تھیں برباد کر دیا ہم نے انہیں [1] پس آیا ان پر ہمارا عذاب [2] رات کے وقت [3] یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ [4]''

[1] و کم یہ کم خبریہ ہے اور ترکیب نحوی کے اعتبار سے مبتداء ہے اور من قریہ کم کی تمیز ہے اور اھلکنا ھا مبتدا کی خبر ہے، یعنی ہم نے ان بستیوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا یا ہم نے انہیں ذلیل و رسوا کیا۔

[2] فَجَآءَهَا بَاْسُنَا یعنی ان بستیوں پر ہمارا عذاب آیا۔ فآء کا بیان اور تفسیر کیلئے ہونا بھی جائز ہے جیسے اس قول میں ہے اَحْسَنْتَ اِلَیَّ فَاَعْطَیْتَنِیْ اس صورت میں بدل ہوگا اَهْلَكْنٰهَا سے فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بدل ہوگا۔

[3] جب وہ رات گزار رہے تھے۔ جیسا کہ قوم لوط پر رات کو عذاب آیا تھا۔ بیاتاً یہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے حال واقع ہو رہا ہے مصدر اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[4] یا دوپہر کے وقت سو رہے تھے۔ جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم پر دوپہر کے وقت آیا تھا۔ قیلولہ کا معنی نصف النہار کے وقت آرام کرنا ہے اگرچہ نیند نہ بھی ہو۔ یہ جملہ بیاتاً پر عطف ہے اور یہ جملہ کا مفرد پر عطف ہے اور قریہ بمعنی اھلھا سے حال ہے۔ یہاں واؤ حالیہ کو حذف کیا گیا ہے۔ کیونکہ دو حروف عاطفہ کا اجتماع ثقیل ہوتا ہے۔ واؤ عطف کو استعارۃً وصل کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ضمیر پر اکتفا

کی بناء پرنہیں کیونکہ یہ غیر فصیح ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ ان پر اس وقت عذاب آیا جب وہ غافل تھے اور انہیں ایسے ناگہانی حادثہ کی توقع نہ تھی۔ اوران دو وقتوں کا تخصیص کے ساتھ ذکر ان کی غفلت اور عذاب سے مامون ہونے میں مبالغہ کیلئے ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ۝

''پس نہ تھی ان کی (چیخ و) پکار ۱ جب آیا ان پر ہمارا عذاب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ ۲ ''

۱ جب عذاب الٰہی نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تو وہ چیخنے چلانے لگے اور اپنے جرم کا اعتراف کرنے لگے۔ سیبویہ کہتے ہیں عربوں کا قول ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَشْرِكْنَا فِیْ صَالِحِ دَعْوَى الْمُسْلِمِیْنَ (اے اللہ ہمیں مسلمانوں کی نیک پکار میں شریک فرما)

۲ وہ عذاب الٰہی کو ٹال نہیں سکتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور اظہار ندامت کیا لیکن اس وقت کے اعتراف جرم اور اظہار شرمندگی نے کچھ نفع نہ دیا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ۝

''سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے ۱ ''

۱ امام بیہقی نے ابن طلحہ سے ابن عباس کا قول اس آیت کے معنی کے متعلق نقل کیا ہے کہ ہم تمام لوگوں سے اس جواب کے بارے باز پرس کریں گے جو انہوں نے اپنے رسولوں کو دیا تھا اور انبیاء کرام سے بھی ان کی تبلیغ کے بارے پوچھیں گے(1) ابن المبارک نے وہب سے نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا سخت دن ہوگا تو اسرافیل کو بلایا جائے گا، جبکہ اس کے اعضاء کانپ رہے ہوں گے۔ اس سے پوچھا جائے گا لوح محفوظ نے جو کچھ تجھے پہنچایا اس کے متعلق تو نے کیا کچھ کیا۔ اسرافیل عرض کریں گے میں نے وہ پیغام جبریل کو پہنچا دیا تھا۔ پھر جبریل کو بلایا جائے گا اس پر بھی کپکپی طاری ہوگی، اس سے پوچھا جائے گا کہ اسرافیل نے جو پیغام تجھے پہنچایا تھا تو نے اس کے حقوق کی ادائیگی کتنی حد تک کی۔ جبریل عرض کریں گے میں نے وہ پیغام رسولوں تک پہنچا دیا تھا۔ پھر رسولوں کو پیش کیا جائے گا پوچھا جائے گا جبریل نے جو کچھ تمہیں پہنچایا اس کا تم نے کیا کیا۔ انبیاء کرام عرض کریں گے ہم نے وہ پیغام اپنی امتوں تک پہنچا دیا تھا۔ اللہ کے اس ارشاد فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ الخ میں اسی باز پرس کی طرف اشارہ ہے۔ امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تم سے میرے بارے پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ تمام صحابہ نے یک زبان ہو کر کہا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام حق پورے اخلاص اور پیہم کوشش سے اپنی قوم تک پہنچایا تھا۔ حضور ﷺ نے کہا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اے اللہ تو گواہ ہو جا(2)۔ امام احمد نے معاویہ بن حیدہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرا پروردگار مجھے بلائے گا اور مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تو نے میرے بندوں کو میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ میں عرض کروں گا میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ پس جو تم حاضر ہو تمہارا فرض بنتا ہے کہ جو غائب ہیں ان تک میرا یہ پیغام پہنچا دو پھر صبح تمہیں بلایا جائے گا اس وقت تمہارے منہ بند ہوں گے۔ سب سے پہلے جو کسی کے متعلق بیان کرے گا وہ اس کی ران اور اپنی ہتھیلی ہوگی۔ ابو الشیخ نے العظمہ میں ابی سنان سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے روز لوح کا محاسبہ ہوگا، اسے بلایا جائے گا اور اس پر کپکپی طاری ہوگی۔ پوچھا جائے گا کیا تو نے پیغام پہنچایا تھا؟ لوح عرض کرے گی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تیری صداقت کا گواہ کون ہے۔ لوح کہے گی اسرافیل میرا گواہ ہے پھر اسرافیل کو بلایا جائے گا وہ اس

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 126 (العلمیہ)

2۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 228 (وزارت تعلیم)

حالانکہ اس پر لرزہ طاری ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کیا لوح نے تجھے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ اسرافیل کہے گا ہاں۔ لوح کہے گی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْ سُوْءِ الْحِسَابِ سب تعریف اللہ کیلئے جس نے مجھے سوء الحساب سے نجات عطا فرمائی(1)۔ ابن المبارک نے الزہد میں ابی حبلہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے اسرافیل کو بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کیا تو نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا، وہ کہیں گے ہاں میں نے جبریل کو پہنچا دیا تھا پھر جبریل کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا اسرافیل نے تجھے میرا پیغام پہنچا دیا تھا وہ کہے گا ہاں تو اسرافیل کو آزاد کر دیا جائے گا پھر جبریل سے پوچھا جائے گا تو نے میرے عہد کو کہاں پہنچایا؟ وہ عرض کرے گا یارب میں نے تیرے رسولوں تک وہ پیغام پہنچایا تھا پھر رسولوں کو بلایا جائے گا۔ ان سے اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کیا جبریل نے تمہیں میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ پھر ان سے سوال ہوگا تم نے میرے عہد کے ساتھ کیا کیا؟ وہ عرض کریں گے ہم نے وہ اپنی اپنی امت تک پہنچا دیا تھا۔ امتوں سے پوچھا جائے گا کیا رسولوں نے تم تک میرا پیغام پہنچایا تھا، تو امتوں میں سے کچھ جھٹلانے والے اور کچھ تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ رسل عرض کریں گے ہمارے پاس ان جھٹلانے والوں پر گواہ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے وہ گواہ کون ہیں؟ رسل عرض کریں گے محمد ﷺ کی امت۔ پھر امت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کو بلایا جائے گا، سوال ہوگا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ رسولوں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ حق کی تھی تو امت محمدیہ جواب دے گی ہاں۔ دوسری امتیں جرح کرتے ہوئے کہیں گی اے ہمارے پروردگار ہمارے خلاف وہ گواہ کیسے بن سکتے ہیں جو ہماری زندگی میں موجود بھی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ سے پوچھیں گے تم ان کے خلاف کیسے گواہی دے رہے ہو، جبکہ تم نے ان کا زمانہ بھی نہیں پایا تھا تو امت محمدیہ عرض کرے گی اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف ایک برگزیدہ رسول بھیجا تھا اور تو نے ہم پر ایک کتاب نازل فرمائی تھی اور اس کتاب میں تو نے خود ہمیں بتایا تھا کہ میرے رسولوں نے میری توحید کا پیغام اپنی اپنی امتوں تک پہنچایا تھا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا الخ میں ہے۔ ہم نے پہلے سورہ بقرہ میں اسی آیت کے تحت حضرت ابوسعید کی حدیث شہادت کے بارے میں ذکر کی ہے۔

یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ امتوں نے جو رسولوں کو جواب دیا تھا اس کے بارے ہم اپنے رسولوں سے ضرور پوچھیں گے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تائید ملتی ہے يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ جس دن جمع کرے گا اللہ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو خوب جاننے والا ہے غیبوں کا۔ اس کی تفسیر سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝

”پھر ہم ضرور بیان کریں گے (ان کے حالات) ان پر[1] اپنے علم سے[2] اور نہ تھے ہم ان سے غائب۔[3]“

[1] ہُم ضمیر مجرور کا مرجع رسل اور امتیں ہیں۔ یعنی ہم رسولوں اور امتوں پر ضرور بیان کریں گے۔ جب رسل کہیں گے کہ ہمیں تو کوئی علم نہیں ہے۔ یا جب امتیں رسولوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی اور امت محمدیہ ان کے خلاف گواہی دے گی۔

[2] یعنی جو ان کے متعلق ہمیں معلومات ہیں ان کے سبب ہم بیان کریں گے یا یہ معنی کہ ہم ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہو کر ان پر بیان کریں گے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 127 (العلمیہ)

؎ یعنی رسولوں نے تبلیغ کا جو فریضہ بحسن وخوبی ادا فرمایا ہم اس سے غائب نہیں ہیں، یا امتوں نے جو ہمارے رسولوں کو جواب دیا ہم سے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے اور امت محمدیہ جو ان کے خلاف گواہی دے گی وہ بھی ہمارے علم محیط میں ہے۔ اس سے قیامت کے روز یہ سوال کفار کو خود اپنی زبانوں سے اقرار کرنے اور رسوا کرنے کیلئے ہوگا۔ نیز اس میں انبیاء کرام اور مسلمانوں کی شان وشوکت اور امت محمدیہ کی فضیلت کا اظہار بھی ہوگا۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾

''اور (اعمال کا) تولنا اس دن ؎ برحق ہے ؎ پس جن کے بھاری ہوئے ترازو ؎ تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ؎''

؎ والوزن (یعنی میزان کے ذریعے اعمال کا وزن کرنا) ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ مبتدا ہے اور یومئذ یہ اس کی خبر ہے (یعنی جس دن رسولوں اور امتوں سے سوال کا تحقق ہوگا)

؎ الحق یہ مبتدا کی صفت ہے اور اس کا معنی عدل وانصاف ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یعنی وزن کرنا حق ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر عن عمر بن خطاب کے سلسلہ سے حدیث جبریل نقل کی ہے اس میں ہے کہ جبریل نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور جنت، دوزخ اور میزان پر ایمان لائے، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لائے اور خیر وشر کی تقدیر پر ایمان لائے۔ جبریل نے کہا اگر میں ایسا کروں تو میں مومن ہوں گا فرمایا ہاں۔ جبریل نے کہا صدقت (آپ نے ایمان کی صحیح اور سچی تعریف فرمائی) (1)

ابن المبارک نے الزہد میں، الاجری نے الشریعہ میں سلمان سے اور ابو الشیخ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو ہتھیلیاں ہیں۔ وزن کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ان صحائف کا وزن کیا جائے گا جن میں اعمال درج ہیں کیونکہ ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے ابن عمر سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ایک امتی کو قیامت کے روز گواہوں کے سروں پر سے لایا جائے گا اور اس کے لئے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے اور ہر رجسٹر حد نظر تک ہوگا۔ ارشاد ہوگا کیا تو اس میں لکھی ہوئی کسی تحریر کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تجھ سے کوئی ظلم کیا ہے۔ بندہ عرض کرے گا نہیں اے میرے پروردگار۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہاں تیرے لئے ہمارے پاس نیکیاں بھی ہیں، آج تجھ پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ پس اس کے لئے ایک کاغذ کی چٹ نکالی جائے گی جس میں لکھا ہوگا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ بندہ عرض کرے گا یہ چٹ ان رجسٹروں کے مقابلہ میں ہوگی ارشاد ہوگا تجھ پر ظلم وزیادتی نہ ہوگی پس ایک پلڑے میں ان رجسٹروں کو رکھا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں اس کاغذ کی چٹ کو رکھا جائے گا تو وہ رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور اس کاغذ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اسم کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہے (2)

امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز ترازو رکھے جائیں گے

1۔ سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 10، صفحہ 203 (الفکر)
2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 213 (صادر)

پھر ایک شخص کو لایا جائے گا، اس کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں اس کے بداعمال رکھے جائیں گے تو اعمال بد والا پلڑا جھک جائے گا۔ پھر اسے دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا۔ جب وہ جارہا ہوگا تو رحمٰن کی طرف سے ایک آواز دینے والا آواز دے گا جلدی نہ کرو کیونکہ اس کا کچھ عمل باقی ہے۔ پس کاغذ کا ایک ٹکڑا لایا جائے گا جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھا ہوگا اس کو اس شخص کے ساتھ رکھ کر دوبارہ میزان کیا جائے گا تو اس کا پلڑا بھاری ہو جائے گا(1)

ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے فرمایا۔ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایک جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے اور ایک سبز سوٹ میں ملبوس ہوں گے اور ایک لمبے کھجور کے درخت کی طرح لگ رہے ہوں گے۔ آپ ہر اس شخص کو دیکھ رہے ہوں گے جو بھی ان کی اولاد میں سے دوزخ کی طرف لے جایا جارہا ہوگا۔ اچانک آپ کی نظر امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک فرد پر پڑے گی، اسے بھی فرشتے دوزخ کی طرف لے جارہے ہوں گے۔ آدم علیہ السلام آواز دیں گے یا احمد اے احمد ﷺ میں عرض کروں گا اے ابوالبشر میں حاضر ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے یہ آپ ﷺ کا امتی ہے جسے دوزخ کی طرف لے جایا جارہا ہے۔ آپ ﷺ فرشتوں کے پیچھے جلدی جلدی چل پڑیں گے۔ میں فرشتوں کو آواز دوں گا اے میرے رب کے فرستادو! ٹھہرو۔ فرشتے عرض کریں گے ہم وہ سخت فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے اور وہ کچھ کرتے ہیں جو ہمیں حکم ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے داڑھی مبارک کو پکڑ کر مایوسی کی حالت میں عرش الٰہی کی طرف چہرہ مبارک کر کے عرض کریں گے اے میرے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے میری امت کے بارے میں پریشان نہیں کرے گا۔ اسی اثناء میں عرش سے ندا آئے گی اے فرشتو! محمد ﷺ کی اطاعت کرو۔ اور اس شخص کو واپس اپنے مقام پر لوٹا دو۔ پھر میں اپنے جیب سے ایک سفید کاغذ کا ٹکڑا نکالوں گا جو انگلی کے پورے کے برابر ہوگا پھر میں اسے میزان کے دائیں پلڑے میں رکھ دوں گا اور میں کہوں گا بسم اللہ۔ تو نیکیوں والا پلڑا گناہوں والے پلڑے سے بھاری ہو جائے گا۔ ندا آئے گی سعادت مند ہو گیا اور آپ کی کوشش کامیاب ہوگئی اور اس کا میزان بھاری ہو گیا۔ اسے جنت کی طرف لے جاؤ۔ پھر وہ بندہ کہے گا اے میرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتو ٹھہرو میں اس کریم النفس شخصیت سے تعارف تو کرلوں۔ عرض کرے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کا مکھڑا کتنا حسین ہے، آپ کا اخلاق کتنا عظیم ہے تو ہے کون؟ جس نے اس مشکل گھڑی میں میری دستگیری کی اور ان نازک لمحات میں مجھ پر شفقت فرمائی تو میں کہوں گا میں تیرا نبی محمد (ﷺ) ہوں۔ یہ تیرا درود تھا جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا۔ تیری تکلیف اس کی آج زیادہ محتاج تھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں اشخاص کا وزن کیا جائے گا کیونکہ بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز ایک بڑا موٹا شخص آئے گا لیکن اس کا وزن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی(2)

ابونعیم اور اجری نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت نقل کیا ہے کہ ایک طاقتور، مضبوط، زیادہ کھانے اور پینے والے شخص کا میزان میں وزن کیا جائے گا تو اس کا وزن ایک جو کے برابر بھی نہ ہوگا۔ فرشتہ اس جیسے ستر ہزار اشخاص کو ایک ہی دفعہ آگ میں جھونک دے گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ اعمال کا ہی وزن کیا جائے گا، یعنی اعمال مجسم کر دیئے جائیں گے اور ان کا وزن کیا جائے گا کیونکہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو کلمات زبان پر بڑے ہلکے پھلکے ہیں۔ میزان پر بڑے بھاری ہیں، اللہ

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 131 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 691 (وزارت تعلیم)

تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے محبوب ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ(1)۔ امام مسلم نے ابو مالک، اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُ الْمِيْزَانَ(2)۔ صفائی ایمان کا نصف ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے۔ اصبہانی نے الترغیب میں ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ سبحان اللہ نصف میزان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے۔ ابن عساکر نے ابو ہریرہ کی حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ البزار اور حاکم نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نوح علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تم دونوں کو لا الہ الا اللہ کا حکم دیتا ہوں کیونکہ آسمان زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے اگر یہ سب میزان کے ایک پلڑا میں رکھا جائے اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑا میں تو یہ پلڑا جھک جائے گا۔ ابو یعلیٰ ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعید الخدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا اگر آسمانوں اور میرے سوا اس کے مکینوں کو اور سات زمینوں کو ایک پلڑا میں رکھا جائے اور لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلڑا میں رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا(3) طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر سارے آسمان، ساری زمینیں اور جو ان کے اندر ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ ان کے نیچے ہے سب کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور لا الہ الا اللہ کی شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو وہ لا الہ الا اللہ والا پلڑا ان سے بھاری ہوگا(4)۔ ابو داؤد، ترمذی اور ابن حبان نے ابو الدرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میزان میں حسن اخلاق سے کوئی چیز بھاری نہیں ہے(5) بزار، طبرانی، ابو یعلیٰ، ابن الدنیا اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر میں تمہاری دو ایسی خصلتوں کی طرف رہنمائی نہ کروں جو پیٹھ پر بالکل ہلکی پھلکی ہیں لیکن میزان میں دوسری چیزوں سے بہت بھاری ہیں۔ ابوذر نے عرض کی یا رسول اللہ ضرور کرم فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا حسن اخلاق اور طویل خاموشی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے خلائق کا کوئی عمل ان دو عملوں کی طرح نہیں ہے(6)۔ امام احمد نے الزہد میں ایک شخص سے روایت کیا ہے جسے حازم کہا جاتا تھا۔ کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جبریل حاضر ہوئے اور اس وقت آپ کے پاس ایک شخص رو رہا تھا جبریل نے پوچھا یہ کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ فلاں شخص ہے۔ جبریل نے کہا بنی آدم کے تمام اعمال کا وزن ہوگا لیکن رونے کا وزن نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک آنسو کے ساتھ آگ کے کئی سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔ امام بیہقی نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آنکھ سے آنسو ٹپکتا ہے تو اللہ تعالیٰ سارے جسم کو آگ پر حرام کر دیتا ہے اور کوئی آنسو رخسار پر بہتا ہے اس پر کالک اور ذلت نہ چھائے گی۔ اگر چہ ایک بھی امت کا شخص رویا ہو اور ہر عمل کیلئے مقدار اور میزان ہوگا لیکن آنسو کے ذریعے آگ کے کئی سمندر بجھ جائیں گے۔ میں کہتا ہوں یہ احادیث جن سے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اعمال کا ہی وزن کیا جائے گا لیکن اس میں احتمال ہے کہ ان رجسٹروں کا وزن کیا جائے جن میں اعمال ہیں یا ان اشخاص کا وزن کیا جائے جن سے وہ اعمال صادر ہوئے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ اعمال کو مجسم کر کے وزن کیا جائے گا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں السدی الصغیر من الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے روایت کی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہیں،

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 948 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 118 (وزارت تعلیم)
3۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 710 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 132 (العلمیہ)
5۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 127 (العلمیہ)
6۔ شعب الایمان، جلد 4، صفحہ 242 (العلمیہ)

اس میں نیکیوں اور برائیوں کا وزن کیا جائے گا۔ نیکیوں کو خوبصورت انداز میں پیش کیا جائے گا پھر انہیں میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا پس وہ برائیوں پر بھاری ہوں گی پھر نیکیوں کو اٹھا کر جنت میں اس شخص کی منزل کے پاس رکھ دیا جائے گا پھر مومن کو کہا جائے گا اپنے عمل کے پاس پہنچ جا۔ وہ جنت کی طرف جائے گا اور اپنا مقام اپنے عمل کے ذریعہ پہچانے گا۔ اور برائیوں کو قبیح صورت میں لایا جائے گا انہیں میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ ہلکا ہوگا اور باطل ہی خفیف اور ہلکا ہوتا ہے۔ پھر جہنم میں انہیں برائیوں والے کی منزل کی طرف پھینک دیا جائے گا اور مجرم کو کہا جائے گا آگ میں اپنے عمل کے ساتھ لاحق ہو جا۔ وہ دوزخ میں آئے گا اور اپنا مقام اپنے عمل کے ذریعے پہچانے گا اور اس عذاب کے ذریعے پہچانے گا جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں مختلف شکلوں میں تیار کر رکھا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو لوگ نماز جمعہ کے بعد اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو پہچان لیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ جنت اور دوزخ میں اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے ٹھکانے پہچان لیں گے (1) لیکن یہ حدیث سدی صغیر کی وجہ سے ضعیف ہے اور ابن مبارک نے حماد بن ابی سلیمان سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص آئے گا اور وہ اپنے عمل کو مختصر دیکھے گا۔ اسی اثناء میں اچانک بادل کی مثل آئے گا اور اس کے میزان میں پہنچ جائے گا اور کہے گا یہ وہ اجر ہے جو تو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ وہ علم وراثت در وراثت چلتا رہا، یہ اس کا تجھے اجر دیا گیا ہے۔ ابن عبدالرزاق نے ابراہیم نخعی سے اسی طرح روایت کی ہے طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو جنازہ کے پیچھے جائے گا اس کے میزان میں احد پہاڑ کی مثل دو قیراط رکھے جائیں گے (2)۔ اصبہانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرض نماز کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک وزن ہے جو اس میں سے کچھ کمی کرے گا تو اس کی پر نماز کے بارے میں محاسبہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے کہ جس شخص کے فرض میں سے کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا دیکھو کیا میرے بندے کا کوئی نفل موجود ہے تو فرض کی کمی کو اس نفل سے پورا کیا جائے گا۔ کئی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ وہ اجسام جن کا اعمال کے ساتھ تعلق ہے انہیں میزان میں رکھا جائے گا۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کے میزان میں جو رکھا جائے گا وہ اپنے گھر والوں کا نفقہ ہے (3)۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو ایمان اور وعدہ کی تصدیق کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے گھوڑا پالتا ہے تو اس کا سیر کر کے اسے کھلانا، پلانا اور اس کا بول و براز سب قیامت کے روز اس کے میزان میں ہوگا (4)۔ طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کی خاطر گھوڑا باندھا تو اس کا چارہ اور اس کا اثر قیامت کے روز اس کے میزان میں ہوگا۔ اصفہانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو کیونکہ پہلا قطرہ جو اس کے خون سے ٹپکے گا تمہارے ہر گناہ کیلئے مغفرۃ ہوگا۔ یہ قیامت کے روز خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا اور تیرے میزان میں ستر گناہ کر کے رکھا جائے گا۔ ابو سعید نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ شرف آل محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آل محمد اور مسلمانوں کیلئے عام ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوذر سے مرفوعاً اور

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 131 (العلمیہ)
2۔ معجم اوسط للطبرانی، جلد 3، صفحہ 79 (معارف)
3۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 132 (العلمیہ)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 400 (وزارت تعلیم)

ابن عساکر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا اور صاف کپڑے کے ساتھ پونچھا تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن جس نے نہ پونچھا تو یہ افضل ہے کیونکہ وضو کا قیامت کے روز تمام اعمال کے ساتھ وزن کیا جائے گا(1)۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ وضو کے بعد رومال کا استعمال مکروہ ہے اور فرمایا اس کا وزن کیا جائے گا۔ طبرانی نے عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے کہ فرمایا میں نے فی سبیل اللہ ایک اونٹنی دی پھر میں نے اس کا بچہ خریدنے کا ارادہ کیا، میں نے نبی کریم ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ رہنے دو، نہ خریدو، قیامت کے روز یہ اونٹنی اور اس کی تمام اولاد تیرے میزان میں ہوگی(2)۔ ذہبی نے عمران بن حصین سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز علماء کی سیاہی کا اور شہداء کے خون کا وزن کیا جائے گا تو علماء کی سیاہی شہداء کے خون پر ترجیح پا جائے گی۔

۲ موزون کی جمع موازین ہے، یعنی وہ اعمال جس کا وزن کیا جائے گا اور اس سے مراد نیکیاں ہیں۔ مجاہد کا یہی قول ہے کیونکہ نیکیوں کا وجود ہی مقصود ہے۔ یا یہ میزان کی جمع ہے اس معنی کے اعتبار سے بھی نیکیوں کا پلڑا مراد ہوگا۔ اس تاویل کے مطابق تو آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے، ہر شخص کیلئے علیحدہ میزان ہوگا۔

۳ یہی لوگ نجات اور ثواب کے ساتھ کامیاب وکامران ہونے والے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ⑨

"اور جن کے ہلکے ہوں گے ترازو ۱ تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو بوجہ اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کیا کرتے تھے۔ ۲"

۱ اور جن کے نیک اعمال یا نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ یا اگرچہ کافر جس کی کوئی نیکی نہ ہوگی اور مومن جس کی کوتاہیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی۔ تمام کو شامل ہے لیکن یہاں صرف کفار مراد ہیں کیونکہ قرآن کی عادت اسی طرح ہے کہ نیکوکاروں کے مقابلہ میں کفار کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بعض علما فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ مومن لوگ ہیں جن کی نیکیاں برائیاں ملی جلی ہوں گی۔ اور کفار کا فیصلہ آئندہ ارشاد میں ہے۔

۲ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے فطرت سلیمہ کو ضائع کر کے اور عذاب کے موجب اعمال کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ اور وہ تصدیق کے بدلے آیات کی تکذیب کرتے تھے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر اور اس کے متعلقات سورۃ القارعہ کی آیت فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ کے تحت بیان کر دیئے ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے لکھا کہ جن کے ترازو بھارے ہوں گے ان کے ہی ترازو قیامت کے روز بھاری ہوں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں حق کی اتباع کی اور ان پر میزان بھاری تھا۔ اور میزان کا حق ہے کہ اس میں کل حق رکھا جائے تا کہ وہ بھاری ہو۔ اور جن کے موازین ہلکے ہوں گے قیامت کے روز ان کے موازین ہلکے ہوں گے کیونکہ انہوں نے باطل کی اتباع کی اور ان پر میزان ہلکا تھا اور میزان کا حق ہے کہ اس میں کل باطل رکھا جائے تا کہ وہ ہلکا ہو جائے۔ میں کہتا ہوں شاید "حق المیزان" (میزان کا حق ہے) کا مطلب کفة الحسنات ہے، یعنی اس میں باطل رکھا جائے اور باطل سے مراد وہ عقائد باطلہ اور بداعمال ہیں جنہیں کرنے والا نیکیاں تصور کرتا تھا حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ کفریات، بدعات اور برائیاں ہیں۔ کفة الحسنات میں ان برائیوں کو رکھا جائے گا تا کہ وہ ہلکا ہو

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 133 (العلمیہ)　2۔ ایضاً، صفحہ 132

جائے گویا وہ سراب کی مانند ہے جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا۔ وہ اپنے جرائم کو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے رجسٹروں میں لکھا ہوا پائے گا پس اللہ تعالیٰ اس کو ان جرائم کی پوری سزا دے گا۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

"اور یقیناً ہم نے ہی آباد کیا تمہیں زمین میں [1] اور مہیا کر دیئے تمہارے لئے اس میں زندہ رہنے کے اسباب [2] بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو۔ [3]"

[1] یعنی ہم نے تمہیں زمین پر آباد کیا اور پھر اس میں کھیتیاں اگائیں اور تمہیں ان میں تصرف کی بھی اجازت دی۔

[2] معیشۃ کی جمع معایش ہے۔ یعنی وہ اسباب ہم نے پیدا فرمائے ہیں جن کے ذریعے تم اپنی زندگی کے ایام کو پر رونق بناتے ہو۔ مثلاً کھیتیاں، دودھ مہیا کرنے والے جانور۔ کھانے پینے کی اشیا، تجارت کے مواقع اور ذرائع آمدن۔

[3] قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ کا مفعول مطلق ہے یا مفعول فیہ ہے۔ یعنی تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو یا یہ کہ تم بہت تھوڑے عرصہ تک ان احسانات عظیمہ کا شکر ادا کرتے ہو۔ تَشْكُرُوْنَ یعنی تمہاری صلاح اور فلاح کیلئے جو کچھ ہم نے کیا ہے اس کی ناشکری کرتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۗ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

"اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل و صورت بنائی تمہاری [1] پھر حکم دیا [2] ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔ [3]"

[1] علم میں ہم نے تمہیں اعیان ثابتہ کے مرتبہ میں پیدا فرمایا۔

پھر ہم نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم کو دلفریب صورت بخشی، آدم علیہ السلام کی تصویر کو سب کی تصویر کے قائم مقام رکھا۔ اور ہم نے پہلے تمہاری تخلیق کی پھر تمہاری تصویر بنائی۔ ہم نے آدم علیہ السلام کی پہلے تقدیر فرمائی پھر اس کی تصویر بنائی۔ یہ تمہاری تقدیر اور تصویر کی ابتداء ہے۔ ابن عباس نے اس کا یہ معنی لکھا ہے یعنی ہم نے تمہارے اصول اور آباء کو پیدا فرمایا اور پھر تمہاری ماؤں کی رحموں میں تمہاری تصویر بنائی (1) قتادہ، ضحاک اور سدی کا یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے خَلَقْنٰكُمْ فرمایا، جبکہ مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ جمع کے لفظ کے ساتھ تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ آپ ابوالبشر ہیں پس آپ کی تخلیق کے ساتھ آپ کی صلب سے پیدا ہونے والی ساری اولاد کی تخلیق مراد ہے، پھر ہم نے آدم علیہ السلام کی صلب میں تمہاری تصویر بنائی۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ معنی ہے کہ ہم نے یوم میثاق تمہاری تصویر بنائی جب تمہیں چیونٹیوں کی طرح صلب آدم سے باہر نکالا تھا۔ عکرمہ فرماتے ہیں ہم نے تمہیں مردوں کی صلبوں میں تخلیق کیا پھر عورتوں کی رحموں میں تمہاری تصویر بنائی۔ یمان فرماتے ہیں رحم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی پھر اس کی تصویر بنائی۔ پس اس کے کان، آنکھیں اور انگلیاں پیدا فرما دیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ثم کا کلمہ بمعنی واؤ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری تصویر بنائی کیونکہ بعض مخلوقات ارواح کی مانند ہیں، ان کی صورت نہیں ہے (2)

[2] اگر تو ضمیر سے مراد صرف آدم علیہ السلام ہوں تو پھر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر ضمیر سے مراد آپ کی ذریت ہو تو پھر ثم بمعنی واؤ کہا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 175 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

جائے گا اور بعض علماء فرماتے اس کا معنی یہ ہے کہ ثُمَّ اَخْبَرْنَا کُمْ اَنَّا قُلْنَا یعنی پھر ہم نے تمہیں خبر دی کہ ہم نے حکم دیا۔
۳؎ فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔
اس آیت کی شرح سورۂ بقرہ میں ذکر ہو چکی ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے ۱؎ ابلیس نے کہا (کیونکہ) میں بہتر ہوں اس سے ۲؎ تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے ۳؎ اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے۔ ۴؎"

۱؎ لا زائدہ ہے جیسے لئلا یعلم میں ہے اور اس فعل کے معنی کی تاکید کیلئے ہے جس پر داخل ہوا ہے اور یہ اس بات کا شعور دیتا ہے کہ توبیخ سجدہ نہ کرنے پر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت سے کس چیز نے روکا اور سجدہ نہ کرنے پر کس چیز نے تجھے ابھارا جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ مطلق امر وجوب کیلئے آتا ہے اور علم ہونے کے باوجود مانع کے متعلق سوال ابلیس کو زجر و توبیخ، کفر و تکبر اور اس کی معاندت کے اظہار کیلئے ہے۔
۲؎ یہ معنی کے اعتبار سے جواب ہے چونکہ اس نے اس بات کو بعید سمجھا کہ میرے جیسے شخص کو اس جیسے مٹی سے تخلیق کئے گئے شخص کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے اس لئے کلام کو جواب کے انداز کی صورت میں نہیں ذکر کیا بلکہ مستقل کلام کے طور پر ذکر کیا۔ گویا شیطان نے کہا مجھے سجدہ کرنے سے مانع یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں اور فاضل کا مفضول کے سامنے سجدہ کرنا درست نہیں ہے اور نہ اس کا حکم دینا ٹھیک ہے۔ شیطان کی کلام میں اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرنے کے حکم پر اعتراض ہے۔
۳؎ تو نے مجھے ایسے جوہر سے پیدا کیا ہے جو نورانی ہے اور بلندی چاہتا ہے۔
۴؎ جبکہ اس کا جوہر ظلماتی اور سفلی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور قیاس میں خطا کی۔ پس جس نے دین کو اپنی رائے سے کسی چیز کے ساتھ قیاس کیا تو اللہ تعالیٰ اسے ابلیس کے ساتھ ملا دے گا(1)۔ ابن سیرین فرماتے ہیں سورج کی پوجا بھی قیاس کی وجہ سے ہوئی(2)۔ میں کہتا ہوں ان دونوں معظم و محتشم علماء کے اقوال میں قیاس کا ابطال نہیں بلکہ اس کی خطا کا بھی بیان نہیں کیونکہ ابلیس کا قیاس نص کے مقابلہ میں تھا۔ اسی وجہ سے ابن عباس نے من رایہ کا لفظ ذکر فرمایا ہے، یعنی جس نے نصوص کے خلاف دین میں قیاس کیا اسے اللہ تعالیٰ شیطان کے ساتھ ملا دے گا۔ (مطلقاً قیاس کی نفی مقصود نہیں ہے) تیز روشنی اور استعلاء کی بنیاد پر فضیلت کا قائم کرنا ویسے بھی باطل ہے کیونکہ فضیلت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی کیونکہ انہیں اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور اپنی روح پھونکی، تمام اسماء کے سیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی اور اپنی تجلیات کا مہبط بنایا، فرائض و نوافل کی ادائیگی اور اوامر کی پیروی اور منہیات سے اجتناب کے ساتھ اپنا مقرب بنایا اور اس بار امانت کو اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائی جس کے اٹھانے کے خوف سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کے سینے پھٹنے لگے۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ اجتہاد میں خطا معاف ہے (تو شیطان کو اس قیاس پر کیوں سزا دی گئی) تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اجتہاد و

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 176 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

قیاس میں خطا اس وقت معاف ہے جب قیاس کرنے والا حق کا متلاشی ہو اور اپنے مطلوب میں اپنی تمام صلاحیتیں استعمال کرنے والا ہو اور باغی اور ہٹ دھرم نہ ہو اور تکبر و غرور کے نشہ میں بدمست نہ ہو اور خصم کو الزام دینے والا نہ ہو۔ آپ نے دیکھا کہ فرشتوں کا قول، اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ بھی تو قیاس ہے اس میں ان سے بھی خطا واقع ہوئی۔ لیکن ان کا رد اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے فرمایا لیکن ان کی ذوات کا رد نہیں فرمایا کیونکہ ان سے اس قول کا صدور تکبر اور تعنت کی وجہ سے نہیں ہوا تھا بلکہ حق کی طلب اور حکمت سے پردہ اٹھانے کیلئے یہ سوال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکمت کا راز کھلا تو انہوں نے کہا ہر عیب سے پاک تو ہی ہے، کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ حکماء فرماتے ہیں مٹی کو آگ پر کئی اعتبار سے فضیلت حاصل ہے مثلاً متانت، وقار، حلم اور صبر مٹی کے خواص ہیں۔ ازلی سعادت کے بعد آدم علیہ السلام کو یہی خصوصیات توبہ، تواضع اور تضرع و زاری کی طرف مائل کرنے کا باعث بنیں اور اجتباء، توبہ کی قبولیت و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ اور آگ کا جوہر طیش، تیزی، غرور اور ارتفاع ہے، اسی وجہ سے ابدی شقاوت کے بعد ابلیس کو غرور و تکبر پر شہ دینے والی یہی بری خصوصیات تھیں۔ ان صفات بد نے ہی اسے لعنت و شقاوت کا مستحق بنا دیا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مٹی تمام اشیاء کے اجتماع کا سبب ہے، جبکہ آگ اشیاء کی تفریق کا باعث ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مٹی نبات کی حیات کا سبب ہے اور آگ ان کی ہلاکت کا باعث ہے۔ انسان کی تخلیق کی نسبت مٹی کی طرف اور شیطان کی نسبت آگ کی طرف غالب جزء کے اعتبار سے ہے۔ یہ نسبت و اضافت دلیل ہے کہ انسان کے اجزاء میں بنیاد عالم خلق ہے نہ کہ عالم امر اور عالم امر اس کے تابع ہے اور خیر و شر کی صفت عالم خلق کی تبعیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور اسی کے رنگ سے متلون ہوتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ روح کا تعلق انسانی جسم کے ساتھ بھی ہے اور شیطان کے جسم کے ساتھ بھی ہے ہر ایک میں اپنی ہیئت پر ہوتی ہے، اس کی مثال سورج کی طرح ہے، آئینہ میں اس کا عکس پڑتا ہے تو وہ اس کے رنگ سے رنگ پکڑتا ہے اور اس کی تصویر کشی کرتا ہے۔

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عالم امر کے ذریعے ترقی کا کمال صفات ظلال تک ہے لیکن الاخفیٰ جس کا تعلق عالم امر سے ہے وہ بعض صفات تک ترقی کرتی ہے اور نفس جو عالم خلق کے لطائف سے پیدا ہوتا ہے اس کی ترقی کا کمال صفات ظاہرہ تک ہے۔ اور عناصر ثلاثہ کی ترقی کا کمال صفات باطنہ تک ہے، یعنی ان کا ذات کے ساتھ قیام کی حیثیت سے۔ اور ذات کے رتبہ تک ترقی مٹی کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ سورج کا نور صرف کثیف چیز پر ظاہر ہوتا ہے لطیف چیزوں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتر جاؤ[1] یہاں سے مناسب نہیں ہے تیرے لئے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے[2] پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔[3]"

[1] بعض علماء فرماتے ہیں یہ حکم آسمان سے نکل جانے کا ہے اور یہ انا خير منه کا جواب ہے، یعنی اگر تو تکبر کرنے والا ہے تو یہاں سے نکل جا کیونکہ یہ مقام عز و شرف تو فقط تواضع اور فرمانبرداری کا اظہار کرنے والوں کیلئے ہے۔

[2] اس جملہ سے یہ شعور ملتا ہے کہ اہل جنت کیلئے غرور و تکبر مناسب نہیں کیونکہ تکبر تو الکبیر والمتعال ذات کے خصائص سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تکبر کی وجہ سے اپنی بارگاہ رحمت سے دور کر دیا اور وہاں سے نکال دیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جس کے دل میں رائی کے دانہ جتنا غرور ہوگا اس پر جنت کے دروازے بند ہوں گے(1)۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی حضور انسان پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ تکبر ہے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ کبر یہ ہے انسان حق کو باطل بنادے اور لوگوں کو حقیر جانے(2)۔

حارثہ بن وہب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت کے متعلق آگاہ نہ کروں ہر ضعیف اور متضعف اگر اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھائے تو وہ اسے پورا فرماتا ہے۔ کیا میں تمہیں دوزخیوں کے متعلق آگاہ نہ کروں ہر جابر، سرکش اور متکبر۔ (دوزخی ہے) اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے(3)۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کبر میری رداء ہے اور عظمت میرا ازار ہے جو ان دونوں میں سے ایک کے بارے بھی مجھ سے جھگڑے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا(4)۔ (مسلم)

ے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک تو ذلیل و حقیر ہے، ہر انسان تیری مذمت کرتا رہے گا اور ہر زبان تجھ پر لعنت کرے گی۔ قاموس میں ہے اَلصَّاغِرُ الرَّاضِيَ بِالْمَنْزِلَةِ الدَّنِيَّةِ یعنی صاغر وہ ذلیل و حقیر شخص ہوتا ہے جو اپنی ذلت اور پستی پر خوش ہو۔ یہی مفہوم دوسری کتاب لغت میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذلت اور حقارت تکبر اور غرور کو لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع کرے گا وہ اپنے نفس میں حقیر ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں عظیم ہوگا اور جو تکبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے پست کر دے گا۔ یہی شخص لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوگا اور اپنے نفس میں کبیر ہوگا حتیٰ کہ وہ لوگوں پر کتے اور خنزیر سے بھی ذلیل اور حقیر ہو گا(5)۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا برا ہے وہ شخص جو غرور و تکبر کرتا ہے اور الکبیر اور المتعال ذات کو بھول جاتا ہے(6) اس حدیث کو ترمذی نے اسماء سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ۝

"بولا مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ 1"

1۔ یعنی نفخہ اولیٰ (پہلے صور) تک مجھے مہلت دے اور مجھے موت نہ دے۔ شیطان کا مقصود یہ تھا کہ موت نہ دے قیامت تک مجھے زندہ رکھ۔

قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ۝

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے۔ 1"

1۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اس مہلت کو بیان فرمایا ہے۔ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ۝ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ۔ اور یہ وقت معلوم نفخہ اولیٰ ہے جس وقت تمام مخلوق مر جائے گی یا وہ وقت مراد ہے جس کی انتہا کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دعا کی قبولیت اہل اسلام اور اطاعت شعاروں کے ساتھ مختص نہیں ہے اور دعا کی قبولیت اس بات پر بھی دلالت نہیں کرتی کہ دعا کرنے والا مقبولین میں سے ہے بلکہ دعا کی قبولیت کبھی استدراج کیلئے ہوتی ہے۔ شیطان کی دعا کی قبولیت میں حکمت یہ تھی کہ بندوں کو آزمایا جائے اور جب وہ اس مردود کی مخالفت کریں تو انہیں ثواب عطا کیا جائے۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 77 (العلمیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 65 (قدیمی) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 382 (قدیمی)
4۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 566 (نور محمد) 5۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 434 (وزارت تعلیم) 6۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 68 (وسط)

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۶﴾

"کہنے لگا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا[1] میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے) کے لئے[2] تیرے سیدھے راستے پر۔[3]"

[1] فاء تعقیب کیلئے ہے اور باء سببیت کیلئے ہے اور یہ قسم کے فعل مقدر کے متعلق ہے، ما مصدریہ ہے، یعنی تیرے مجھے مہلت دینے کے بعد پھر ان کے واسطہ سے مجھے تیرے اغوا کرنے کے سبب۔ اغویتنی میں ہمزہ صیرورت کیلئے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ تو نے مجھے گمراہ بنا دیا، پھر یہ گمراہ کرنا تسمیہ کی جہت سے ہو کہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا نام گمراہ رکھا یا حمل کی جہت سے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں گمراہی اور جہالت کو پیدا فرمایا یا تکلیف کی جہت سے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا تو اس حکم کے سبب سے وہ گمراہ ہو گیا۔ یعنی اس خبیث نے کہا میں تیری قسم اٹھاتا ہوں کہ میں انہیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کروں گا خواہ جیسا بھی ممکن ہوا۔ الباء اقعدن کے متعلق نہیں ہے کیونکہ لام اپنے ماقبل کو مابعد کے متعلق ہونے سے روکتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں باء قسمیہ ہے، یعنی میں تیری قدرت اور تیری حکمرانی جو مجھ میں نافذ ہے اس کی قسم اٹھاتا ہوں۔

[2] یہ جواب قسم ہے یعنی میں ان کی تاک میں بیٹھوں گا جیسے ڈاکو قافلہ کی تاک میں بیٹھتے ہیں۔

[3] اس پر نصب ظرف کی بناء پر ہے جیسا کہ شعر میں ہے کَمَا عَسَلَ الطَّرِیْقَ الثَّعْلَبُ یعنی لومڑ راستہ میں تیز چلا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہاں حرف جر کو حذف کر کے صراط کو منصوب پڑھا گیا ہے جیسے عرب کہتے ہیں ضُرِبَ زَیْدٌ الظَّهْرَ وَ الْبَطْنَ یہ اصل میں عَلَی الظَّهْرِ وَ الْبَطْنِ تھا اسی طرح صِرَاطَکَ اصل میں عَلٰی صِرَاطِکَ تھا۔ شیطان کا یہ کہنا کہ میں راستہ پر بیٹھوں گا یہ راہ راست سے انسانوں کو بھٹکانے کی پوری کوشش کرنے سے کنایہ ہے۔

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾

"پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کیلئے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں اکثر کو شکر گزار۔[1]"

[1] شیطان مردود نے کہا میں انسانوں کو گمراہ کرنے کیلئے ہر طرف سے آؤں گا اور اس سے انسانوں کو بھٹکانے کے ارادہ کو پورا کرنے کو دشمن کے آنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح وہ ہر جہت سے حملہ کرتا ہے، میں بھی انسان پر ہر طرف سے حملہ آور ہوں گا۔ لیکن اوپر اور نیچے سے حملہ کرنے کا اس نے ذکر نہیں کیا۔ پہلی دو جہتوں میں دائیں اور بائیں طرف سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مِن کا لفظ استعمال فرمایا جو ابتداء غایت پر دلالت کرتا ہے۔ اور دوسری دو جہتوں کے ذکر سے پہلے عن کا لفظ ذکر فرمایا کیونکہ عن انحراف پر دلالت کرتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں من فوقهم نہیں کہا کیونکہ اوپر کی جانب سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور من تحتهم نہیں کہا کیونکہ اس طرف سے آنا معروف نہیں۔

امام بغوی فرماتے ہیں علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس سے یہ معنی بیان کیا ہے مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ یعنی آخرت کی طرف سے آؤں گا اور آخرت کے متعلق میں شکوک و شبہات کے کانٹے ان کے دلوں میں چبھوؤں گا۔ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ میں دنیا کی طرف سے آؤں گا اور انہیں دنیا کی رغبت و محبت دلاؤں گا۔ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ یعنی ان پر ان کے دین کے معاملات مشتبہ کر دوں گا وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ اور انہیں

گناہوں کا شوق دلاؤں گا۔

عطیہ نے ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے کہ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ میں دنیا کی طرف سے آؤں گا، یعنی دنیا کو ان کے دلوں میں مزین کر دوں گا۔ وَمِنْ خَلْفِهِمْ یعنی آخرت کی طرف سے آؤں گا اور میں کہوں گا کوئی دوبارہ اٹھنا نہیں ہے، نہ کوئی جنت ہے، نہ کوئی دوزخ ہے۔ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ یعنی ان کی نیکیوں کی طرف سے آؤں گا۔ (اور اس میں ریا کاری کا زہر گھول دوں گا) وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اور میں ان کی برائیوں کی طرف سے آؤں گا(1)۔ حضرت قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے پھر فرمایا۔ اے ابن آدم شیطان مردود تیری ہر جہت سے آیا لیکن تیرے اوپر سے نہ آیا اور اسے تیرے اور تیرے رب کی رحمت کے درمیان حائل ہونے کی طاقت نہ ہوئی(2)۔ علامہ سیوطی نے بھی ابن عباس کا اسی طرح قول نقل کیا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ، یعنی وہ اطراف جن کو انسان دیکھتے ہیں وَعَنْ خَلْفِهِمْ وَمِنْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اور وہ اطراف جن کو انسان نہیں دیکھتے۔ ابن جریج کہتے ہیں مجاہد کے قول کا معنی دیکھنے اور نہ دیکھنے کا یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ غلطی کر رہے ہیں، اور نہیں جانتے کہ وہ غلطی کر رہے ہیں(3)

شیطان نے کہا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ تو یہ اس کا کہنا اپنے ظن غالب کی بناء پر تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا۔ اور بے شک سچ کر دکھایا ان ناشکروں پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۱۸

"فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا[1] جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے[2] تو یقیناً میں بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے۔[3]"

[1] منها میں ها ضمیر کا مرجع جنت ہے، یعنی جنت سے نکل جا (مذءوما) ذلیل ہو کر۔ قاموس میں ہے ذأمه كمنعه حقره و ذمه و طرده و خزاه یعنی اس نے اس کو ذلیل و خوار کیا۔ جوہری فرماتے ہیں ذام مھموز العین یا ذم متہ اجوف یائی ہو یا ذم مضاعف ہو تمام کا معنی ایک ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں الذیم والذام یعنی مھموز اور اجوف جو دونوں کا معنی معیوب ترین ہے۔ مدحورا کا معنی راندہ ہوا، دھتکارا ہوا۔

[2] منهم میں هم ضمیر کا مرجع بنی آدم ہیں۔ لام قسم کا شعور دلانے کیلئے ہے۔

[3] یعنی تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ مخاطب کو غلبہ دیتے ہوئے کم ضمیر ذکر فرمائی۔ یہ جملہ جواب قسم ہے اور جواب شرط کے قائم مقام ہے۔

وَیٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۹

"اور اے آدم[1] رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔[2]"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 177 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 178

لے یاذم یہ اصل میں وقلنا یآدم ہے اور زوجک سے مراد حضرت حواء ہیں۔

لے فتکونا عطف کی بناء پر جزم کا احتمال بھی رکھتا ہے اور جواب کی بناء پر نصب کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝۲۰

"پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے لے تا کہ بے پردہ کر دے ان کے لئے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرمگاہوں سے لے اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے۔ سے"

لے وسوسہ کا معنی ہے نفس اور شیطان کا ایسی بات کرنا جس میں نفع نہ ہو، قاموس میں اسی طرح لکھا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں وسوسہ اس بات کو کہتے ہیں جو شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے(1) اس کا اصل معنی دھیمی آواز اور زیور کی آواز کو کہتے ہیں۔ یعنی وسوسہ کا فعل کیا۔

لے لام عاقبت کیلئے ہے یا غرض کیلئے ہے کہ اس نے وسوسہ سے ان کو بے پردہ کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا۔

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا جو ان کی شرمگاہوں سے ڈھانپا گیا تھا۔ وہ دونوں نہ خود اپنی شرمگاہوں کی طرف بلاضرورت دیکھتے تھے اور نہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھتا تھا۔ اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ خلوت میں اور زوجہ سے مباشرت کے وقت بلاضرورت شرمگاہ کا کھولنا فطرت سلیمہ کے ہاں قبیح اور ناپسندیدہ ہے اور ہمیشہ یہ شرعاً اور عقلاً قبیح رہا ہے۔

سے یہاں سے ابلیس کے وسوسہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ کہ ابلیس نے حضرت آدم و حواء کو کہا۔

تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس وجہ سے منع کیا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو ہمیشہ رہتے ہیں اور مرتے نہیں ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ۔

اس آیت کریمہ سے انبیاء کرام پر ملائکہ کی فضیلت کی دلیل پکڑی گئی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ آدم و حوا کی رغبت اس چیز میں تھی کہ انہیں ملائکہ کے کمالات حاصل ہو جائیں اور کھانے پینے سے مستغنی ہو جائیں۔ اور یہ چیز فضل کلی پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ کلی فضیلت تو کثرت ثواب اور قرب الٰہی سے عبارت ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۱

"اور قسم اٹھائی ان کے سامنے لے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ لے"

لے ان دونوں کے سامنے اللہ کی قسم اٹھائی۔

لے یہ قسم کا جواب ہے۔ قسم کو مبالغہ کیلئے باب مفاعلہ سے ذکر فرمایا ہے۔ یہ قصہ تفصیل سے سورۂ بقرہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

قتادہ فرماتے ہیں شیطان مردود نے ان کے سامنے اللہ کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ یقیناً مومن کو اللہ کے نام پر دھوکا دیا جاتا ہے۔ اس نے کہا میں تم دونوں سے پہلے تخلیق ہوا ہوں اور میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، تم میری اتباع کرو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 177 (التجاریہ)

، میں تمہاری رہنمائی کروں گا۔ ابلیس پہلا فرد ہے جس نے جھوٹی قسم اٹھائی تھی، جبکہ اس نے اللہ کے نام کی جھوٹی قسم اٹھائی تب آدم علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ اللہ کے نام کی جھوٹی قسم تو کوئی نہیں اٹھاتا تو اس طرح آپ اس کے مکروفریب میں آ گئے (1)۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

"پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکہ سے 1 پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت سے 2 تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور چپکانے لگ گئے اپنے (بدن) پر جنت کے پتے 3 اور ندا دی انہیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ 4"

1 یعنی شیطان نے ان دونوں کو نیچے گرایا دھوکہ سے۔ امام بغوی نے اس کا معنی دھوکہ دینا کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اس کو میٹھی میٹھی باتوں سے دھوکہ دیا۔ مَازَالَ لِفُلَانٍ يُدَلِّي لِفُلَانٍ بِغُرُوْرٍ (2)۔ بعض علماء فرماتے ہیں دلّٰھما کا معنی ہے کہ اس نے دھوکہ اور فریب سے انہیں مرتبہ عالیہ سے نیچے گرا دیا۔ یعنی مقام طاعت سے مقام معصیت کی طرف گرا دیا۔

2 ابھی تک انہوں نے مکمل طور پر کھایا نہیں تھا کہ عقوبت اور شوم معصیت نے انہیں پکڑ لیا اور ان کا لباس ان سے گر پڑا۔

عبد بن حمید نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ ان کا لباس نور کا بنا ہوا تھا (3)۔

عبد بن حمید۔ ابن جریر۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ، بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آدم و حواء کا لباس ناخن کی مانند تھا۔ جب انہوں نے اس شجر ممنوعہ سے کھایا تو جسم سے وہ لباس اتر گیا اور صرف ناخنوں پر باقی رہ گیا (4)۔ (تاکہ نعمت کی یاد آتی رہے)

3 جب یہ فعل سرزد ہوا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں تو انہوں نے شرم محسوس کیا اور اپنی شرمگاہوں پر انہوں نے جنت کے انجیر کے درخت کے پتے چپکانے شروع کر دیے حتی کہ وہ کپڑے کی شکل ہو گیا۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ زجاج کہتے ہیں یخصفان متعدی بدو مفعول کے باب کی طرف نقل کیا گیا یعنی انہوں نے اپنے نفسوں کو بنایا کہ وہ جنت کے پتے اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے۔ تاکہ وہ چھپ جائیں (5)۔ ابی ابن کعب نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام طویل القامت تھے، لمبی کھجور کی طرح لگتے تھے۔ جب یہ خطاء بلا قصد وارادہ سرزد ہوئی تو آپ کی شرمگاہ ظاہر ہو گئی لیکن کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ آپ جنت میں دوڑ پڑے تو جنت کے ایک درخت نے آپ کو بالوں کے ذریعے روک لیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا مجھے چھوڑ دے۔ درخت نے کہا میں تجھے نہیں چھوڑوں گا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے آدم تو مجھ سے بھاگتا ہے عرض کی نہیں یارب لیکن مجھے تجھ سے حیا آ رہا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 179 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 179 (التجاریہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 138 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 139 (العلمیہ)
5۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 139 (العلمیہ)

۲ اللہ تعالیٰ نے ندادی کہ میں نے تمہیں اس درخت سے کھانے سے منع نہیں کیا تھا۔ اور میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی اس ظالم کی عداوت اور دشمنی تمہارے ساتھ ظاہر ہے کیونکہ اس نے خود اقرار کیا تھا کہ میں ان کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا۔ یہ ارشاد الٰہی کی مخالفت پر عتاب ہے اور دشمن کی بات سے دھوکہ میں آنے پر توبیخ ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مطلق نہی تحریم کیلئے ہے۔ محمد بن قیس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آدم کو ندادی اے آدم تو نے اس درخت سے کیوں کھایا حالانکہ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی یا رب مجھے حواء نے کھلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء سے کہا تو نے اسے کیوں کھلایا تھا؟ حضرت حواء نے کہا مجھے سانپ نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سانپ سے کہا تو نے حواء کو کیوں یہ کہا تھا؟ سانپ نے کہا مجھے ابلیس نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے حواء کو فرمایا جیسا تو نے اس درخت کا خون بہایا ہے تجھ سے ہر ماہ دو مرتبہ خون بہے گا۔ اے سانپ میں تیرے پاؤں کاٹتا ہوں تو اب منہ کے بل چلے گا اور جو تجھے دیکھے گا تیرا سر کچل دے گا اور اے ابلیس تو ملعون ہوگا(1)

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۲۳

”دونوں نے عرض کی، اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لئے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔ ۱“

۱ اپنے نفسوں پر ظلم سے مراد یہ ہے کہ ہم نے معصیت کے ساتھ انہیں نقصان پہنچایا۔ یہ جنت سے نکالنے کی طرف اشارہ ہے۔ الْخٰسِرِیْنَ سے مراد ہلاک ہونے والے ہیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ صغیرہ گناہوں پر بھی سزا ہوگی اگر ان کی بخشش نہ ہوئی۔ معتزلہ کہتے ہیں کبائر سے اجتناب ہو تو صغائر پر مواخذہ نہ ہوگا۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝۲۴

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ ۱ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے ۲ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ ۳“

۱ بعض علماء فرماتے ہیں یہ خطاب حضرت آدم اور حواء کو ہے کیونکہ ابلیس تو ان سے پہلے اتر چکا تھا اور جمع کا صیغہ اس لئے ذکر فرمایا کیونکہ ان کا اترنا ان کی اولاد کے اترنے کا سبب تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ خطاب حضرت آدم و حواء اور ابلیس کو ہے اور جمعاً اس کو دوبارہ حکم دیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اب تم ایک دوسرے کے ساتھ رہو گے یا یہاں خبر دی گئی ہے اس حکم کی جو متفرق طور پر دیا گیا تھا۔

۲ جملہ حال ہے۔

۳ مستقر یا تو مصدر میمی ہے یا اسم ظرف ہے اور متاع یہ تمتع کے معنی میں ہے الی حین کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری عمروں کے پورے ہونے تک۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 180 (التجاریۃ)

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾

"(نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے۔ ۱ "

۱ فیہا میں ھا ضمیر کا مرجع الارض ہے۔

یعنی تم اس زمین میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے جزاء کیلئے اٹھائے جاؤ گے۔ حمزہ، کسائی اور ابن ذکوان نے یہاں اور سورۂ زخرف میں تخرجون بفتحہ تاء اور بضمہ راء معروف کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں عرب زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ شریف کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم وہ کپڑے پہن کر طواف نہیں کرتے جن میں ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔ مرد دن کے وقت طواف کرتے اور عورتیں رات کو برہنہ طواف کرتی تھیں (1)۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۲۶﴾

"اے اولاد آدم بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو ۱ اور باعث زینت ہے ۲ اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے۔ ۳ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ ۴ "

۱ حضرت قتادہ فرماتے ہیں عورت طواف کرتی اور اپنی فرج پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے ہوتی تھی اور یہ کہتی تھی آج اس کا بعض ظاہر ہوگا یا کل اور جو بھی ظاہر ہوگا وہ اس کو حلال نہیں کرے گا۔ تو اس کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے ستر ڈھانپنے کا حکم دیا اور فرمایا ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے۔ سوات کا مفرد سوءہ ہے۔ شرمگاہ کو سوءہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کا کھلنا انسان کو تکلیف دیتا ہے۔
انزلنا کا معنی خَلَقْنَاهُ لَكُمْ بِتَدْبِيرَاتٍ سَمَاوِيَّةٍ وَأَسْبَابٍ نَازِلَةٍ۔ یعنی ہم نے لباس کو تمہارے لئے تدابیر سماویہ اور آسمان سے نازل ہونے والے اسباب کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ (اس نے تمہارے لئے جانوروں میں سے اتارے) ایک اور جگہ فرمایا وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ (ہم نے لوہے کو اتارا) (چونکہ سماوی فیصلہ اور سماویہ اسباب سے اشیاء کی تخلیق ہوتی ہے اس لئے انزال کی نسبت ان چیزوں کی طرف کر دی۔) میں کہتا ہوں اس کا یہ معنی بھی بیان کرنا ممکن ہے کہ اس نے تم پر نازل کیا کہ تم لباس پہنو جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپ دے۔ شاید آدم علیہ السلام کا ذکر ستر کھولنے کی نہی کیلئے تمہید ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ شرمگاہ کا کھولنا پہلی برائی ہے جو انسان کو شیطان کی طرف سے پہنچی تھی۔ اور اس نے ان کو بھی شرمگاہ کے سلسلہ میں گمراہ کیا ہے جیسا کہ اس نے ان کے والدین آدم و حواء کو مبتلا کیا تھا۔

۲ وَرِيشًا کا معنی فخریہ لباس ہے۔ قاموس میں ریش کا معنی یہی لکھا ہے یعنی ہم نے لباس نازل کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے اور ہم نے لباس فاخرہ نازل کیا جس سے تم زیب و زینت کرتے ہو۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں ریش کا معنی جمال ہے (2)۔ بعض فرماتے ہیں اس کا معنی مال ہے۔ اسی سے مشتق ہے تریش الرجل آدمی متمول ہو گیا (3)۔ ابن عباس، مجاہد، ضحاک اور سدی نے بھی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 181 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ، جلد 4، صفحہ 206 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 82-181 (التجاریہ)

یہی معنی بیان کیا ہے۔

سے وَلِبَاسُ التَّقْوٰی کو نافع، ابن عامر اور کسائی نے ریش پر عطف کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔ یعنی ہم نے تقویٰ کا لباس نازل کیا۔ باقی قراء نے مبتدا کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے اور اس کی خبر ذالک خیر ہے، ذالک مبتدا کی صفت ہے اور خیر خبر ہے۔ لباس التقوی کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ قتادہ اور سدی فرماتے ہیں اس سے مراد ایمان ہے، حسن فرماتے ہیں حیاء ہے کیونکہ یہ تقویٰ پر برانگیختہ کرتا ہے۔ عطیہ، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد عمل صالح ہے۔ عثمان بن عفان سے اس کا مراد اچھا مذہب اور راستہ ہے۔ عروہ بن زبیر فرماتے ہیں لِبَاسُ التَّقْوٰی سے مراد اللہ کا خوف ہے۔ کلبی کہتے ہیں پاک دامنی۔ معنی یہ ہے کہ جب انسان لباس اور زیب و زینت میں سے جو اس کے لیے پیدا کیا گیا ہے اسے استعمال کرے۔ الانباری کہتے ہیں لِبَاسُ التَّقْوٰی سے مراد پہلا لباس ہی ہے یہاں اس کا اعادہ اسلئے فرمایا کہ ستر عورت، برہنہ طواف کرنے سے بہتر ہے اور لباس تقویٰ کا سبب ہے جو برہنہ ہونے کے گناہ سے بچاتا ہے۔ زید بن علی فرماتے ہیں لِبَاسُ التَّقْوٰی سے مراد وہ لباس ہے جس کے ذریعے انسان جنگ میں اپنا دفاع کرتا ہے، زرہ، خود، بکتر، پیٹی اور کمیلس وغیرہ بعض علماء فرماتے ہیں لباس التقویٰ سے مراد اون کے موٹے کپڑے ہیں(1) جو صوفیا کرام پہنتے ہیں۔

سے یعنی لباس کا اتارنا اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور بے پایاں رحمت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے ہے۔ تا کہ وہ نصیحت قبول کریں اور میری نعمتوں کو پہچانیں اور برائیوں سے اجتناب کریں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

"اے اولاد آدم نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے لے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس تا کہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں ہے بیشک دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا کنبہ سے جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انہیں ہے بلاشبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے۔ ھے"

لے اے اولاد آدم دھوکہ نہ دے اور تمہیں گمراہ نہ کر دے۔ شیطان مردود تا کہ تم جنت میں داخل نہ ہو۔ جیسا کہ اس نے فتنہ میں ڈالا اور نکالا تمہارے والدین آدم وحواء کو جنت سے۔ یہاں ظاہراً نہی شیطان کو ہے لیکن معنیً اولاد آدم کو ہے، یعنی شیطان کی اتباع کر کے تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اس مکار کے دھوکہ میں نہ آ جاؤ۔

ہے اس نے ان کا لباس اتروا دیا تا کہ ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو دیکھیں۔ یہ جملہ اخرج کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ نزع (اتارنے) کی نسبت شیطان کی طرف اسلئے کی کیونکہ وہ اس کا سبب بنا تھا۔

سے انه میں ضمیر کا مرجع شیطان ہے۔ اے بنی آدم تمہیں دیکھتا ہے۔ وہ اور اس کا قبیلہ۔ (یعنی اس کا لشکر) ابن عباس نے قبیلہ سے مراد اس کی اولاد لی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد جن کا قبیلہ ہے(2)

سے یہ جملہ بعض علماء فرماتے ہیں نہی کیلئے ہے۔ اور شیطان اور اس کے قبیلہ سے بچنے کی تاکید کیلئے ہے۔ وہ دشمن جو ہمیں دیکھتا ہے اور ہم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 182 2۔ ایضاً

اسے نہیں دیکھتے اس سے خلاصی یقیناً مشکل ہے، سوائے اس کے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں آجائیں۔ جب ہم اس کی پناہ میں آجائیں گے تو اس کا ہر تیر و تفنگ کمزور و ضعیف ہو جائے گا۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا اگر تیرا دشمن ایسا ہے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے اور تو اس کو نہیں دیکھتا تو ایسی ذات سے مدد طلب کر جو اس مردود کی ہر کارستانی اور فریب کاری پر نظر رکھتی ہے لیکن وہ اس ذات کو نہیں دیکھتا اور وہ ذات اللہ تعالیٰ ہے جو قہار ہے اور ستار بھی ہے۔

۵ جب ہم نے شیطانوں اور کفار کے درمیان باطل کی اتباع اور حق سے نفرت میں تناسب پایا اور شیطانوں کو کفار کو برائی پر اکسانے پر غالب پایا تو ہم نے شیطانوں کو کفار کا دوست بنا دیا۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

"اور جب کرتے ہیں کوئی بے حیائی کا کام ۱؎ (تو) کہتے ہیں پایا ہم نے ایسا ہی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے بھی ہمیں حکم دیا اس کا ۲؎ آپ فرمادیجئے بے شک اللہ حکم نہیں دیتا بے حیائیوں کا ۳؎ کیا ایسی بات لگاتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔ ۴؎"

۱؎ جب وہ حد درجہ کا قبیح اور معیوب فعل کرتے ہیں۔ یعنی شرک کرتے ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں فاحشہ سے مراد ان کا بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرنا ہے(1) اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر عملی اور عقیدہ کی گمراہی کو شامل ہے۔

۲؎ یعنی جب انہیں فحش افعال سے منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ ہمارے آباء و اجداد کا یہی طریقہ تھا اور اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ یعنی وہ تقلید آباء اور افتراء علی اللہ کو اپنے لئے حجت بناتے۔ ان کی پہلی حجت تقلید آباء کے فساد اور لایعنی ہونے کے ظہور کی وجہ سے کوئی جواب یہاں نہیں دیا۔ اگرچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ وَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (کیا پھر بھی وہ انہی کی پیروی کریں گے) لیکن ان کی دوسری بات کو رد فرمایا۔

۳؎ آپ فرمایئے اللہ تعالیٰ تو بے حیائیوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ قبیح کا حکم دینا بھی قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی قبائح سے پاک اور منزہ ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ حسن و قبح اگرچہ اللہ کی تخلیق سے ہیں لیکن عقل کے ذریعے بھی ان کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ یہاں قبیح سے مراد وہ فعل ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے اور عقل مستقیم ناپسند کرتی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں۔ یہ دونوں جملے دو مرتب سوالوں کے جواب ہیں۔ گویا کفار سے پوچھا گیا تم یہ برا فعل کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم نے اپنے آباء کو اسی طریقہ پر پایا ہے پھر پوچھا گیا تمہارے آباء نے یہ کہاں سے حکم اخذ کیا تھا؟ کہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا۔ ان دونوں وجوہ پر اس تقلید سے منع کیا گیا ہے جس کے خلاف دلیل قائم ہو لیکن مطلقاً تقلید سے منع نہیں کیا گیا۔

۴؎ کیا اللہ کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہو جو بغیر کسی ایسی دلیل کے ہیں جو علم یقینی کا موجب ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ اللہ پر افتراء باندھنے کی نہی کو متضمن ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 183 (التجاریہ)

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

”آپ فرما دیجئے حکم دیا ہے میرے رب نے عدل و انصاف کا ۱؎ اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ۲؎ ہر نماز کے وقت ۳؎ اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لئے عبادت کو ۴؎ جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمہیں ویسے ہی تم لوٹو گے۔ ۵؎“

۱؎ ابن عباس فرماتے ہیں قسط سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں توحید ہے۔ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں عدل ہے (۱)۔ یعنی افراط وتفریط سے محفوظ معاملہ۔

۲؎ واقیموا اصل میں قال اقیموا اور یہ قول مذکور کا مقولہ ہے، یعنی قل اقیموا۔ یا یہ بالقسط کے معنی پر معطوف ہے، یعنی میانہ روی اختیار کرو اور اپنے چہرے سیدھے کرلو۔ یا یہ فعل مقدر پر معطوف ہے یعنی فَاَقْبِلُوْا وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے سجدوں کو خالص کرو۔

۳؎ ہر نماز اور سجدہ کے وقت یا ہر سجدہ کی جگہ میں۔

مجاہد اور سدی کہتے ہیں ان کا معنی یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی تم ہو نماز میں اپنے چہرے کعبہ کی طرف کرو۔ ضحاک فرماتے ہیں جب نماز کا وقت ہو جائے اور تم مسجد کے قریب ہو تو اس مسجد میں نماز پڑھو۔ اور تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں اپنی مسجد میں نماز پڑھوں گا(2)۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے مگر جو شخص کسی دوسری مسجد میں امام ہو یا وہ کوئی ایسا شخص ہو کہ اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے دوسری مسجد کا نظام گڑبڑ ہوتا ہو تو وہ شخص اذان کے بعد بھی مسجد سے نکل سکتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بالکل سیدھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ کرو، کسی غیر کا تصور دل میں نہ کھٹکے۔

۴؎ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ درآں حالیکہ تمہاری طاعت وعبادت شرک کی آلودگیوں سے یکسر پاک ہو۔ ریا اور نمود ونمائش کی نجاست سے بھی منزہ ومبرہ ہو کیونکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے۔ جس طرح اس نے تمہیں پہلے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرمایا ہے۔

۵؎ ویسے ہی تم مرنے کے بعد اس کے لوٹانے سے لوٹ آؤ گے اور پھر وہ تمہیں اعمال کی جزا وسزا دے گا۔ اعادہ کے ممکن ہونے اور اعادہ (دوبارہ زندہ کرنے) پر قدرت کاملہ ہونے کو ثابت کرنے کیلئے اعادہ کو ابداء کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اس نے تمہیں ننگے پاؤں اور ننگے بدن اور غیر مختون پیدا کیا تھا اسی طرح تم لوٹائے جاؤ گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز تم ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھو گے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ فرمایا اے عائشہ وہ دن اس خیال سے بہت سخت ہوگا (متفق علیہ)(3) صحیحین اور ترمذی میں ابن عباس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں ننگے بدن غیر مختون چلتے ہوئے جاؤ گے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ الآیہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 183 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 966 (نور محمد)

سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا (1)۔ اس موضوع پر اور بھی بہت سی احادیث صحیحہ مروی ہیں لیکن ابوداؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح بھی کہا ہے کہ جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے منگوائے اور انہیں پہن لیا۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میت کو ان کپڑوں میں قیامت کے روز اٹھایا جائے گا جن میں وہ مرا ہوگا۔ ابن ابی الدنیا نے حسن سند کے ساتھ معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کو نئے کپڑوں میں کفن دلوایا اور فرمایا اپنے مردوں کو عمدہ لباس (کفن) پہنایا کرو کیونکہ ان کپڑوں میں ہی ان کا حشر ہوگا۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عمر بن خطاب سے روایت فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کو عمدہ کفن دو کیونکہ قیامت کے روز ان کپڑوں میں ان کا حشر ہوگا۔ یہ احادیث طیبہ قوت کے اعتبار سے ننگے اٹھنے والی احادیث کے مقابلہ میں کم ہیں۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ احادیث شہید پر محمول ہیں۔ ابوسعید نے حدیث شہید کے متعلق سنی پھر اسے عموم پر محمول کر دیا۔ امام بیہقی نے ان دونوں قسم کی احادیث کو اس طرح تطبیق دی ہے کہ بعض لوگ برہنہ اٹھیں گے اور بعض کپڑوں میں ملبوس ہوں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں لوگ اپنی قبور سے کپڑوں کے ساتھ نکلیں گے پھر ابتداء محشر کے وقت وہ کپڑے گر جائیں گے تو پھر انہیں ننگے بدن لے جایا جائے گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کہ "میت اپنے کپڑوں میں اٹھایا جائے گا" عمل صالح پر محمول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ میں لباس سے مراد عمل صالح ہے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے لوگ جس حالت (کفر و ایمان) پر مرے ہوں گے اسی پر اٹھائے جائیں گے (2)۔ اس قول کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ اور بغوی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر شخص اس حالت پر اٹھے گا جس پر وہ مرا ہوگا (یعنی) مومن اپنے ایمان پر اور کافر اپنے کفر پر اٹھایا جائے گا (3)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی تخلیق مومن اور کافر کی حیثیت سے فرمائی، جبکہ ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں بعض مومن۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اعادہ بھی اسی طرح فرمائے گا جیسا کہ اس نے انہیں مومن اور کافر ہونے کی حالت میں پیدا فرمایا تھا۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں وہ اس حالت کی طرف لوٹیں گے جس کا اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق علم ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس حالت پر ہو گے جو اس نے تمہاری تقدیر میں لکھ دی ہے۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے شقاوت پر پیدا فرمایا وہ شقاوت کی طرف لوٹے گا۔ اگرچہ اس نے اہل سعادت کے اعمال بھی کئے ہوں گے جیسا کہ ابلیس اہل سعادت کے اعمال کرتا تھا پھر شقاوت کی طرف لوٹ گیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ نے سعادت پر پیدا کیا وہ بالآخر سعادت کی طرف لوٹ گیا اگرچہ پہلے وہ اہل شقاوت والے اعمال کرتا رہا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے جادوگر پہلے بدبختوں والے اعمال کرتے رہے لیکن پھر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر سعادت مند بن گئے (4)۔ سہل بن سعد سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص دوزخیوں کے عمل جیسا عمل کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اور ایک شخص عمل جنتیوں جیسے کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے (5) (متفق علیہ) یہ تاویل آیت کے آخری حصہ کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ آئندہ آیت کریمہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ

1۔ مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 491 (النصر)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 387 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 183 (التجاریہ)
4۔ ایضاً
5۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 20 (قدیمی)

دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

"ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی [1] اور ایک گروہ ہے کہ مقرر ہو گئی ان پر گمراہی [2] انہوں نے بنالیا شیطانوں کو (اپنا) دوست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر [3] اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ [4]"

[1] یعنی اس نے اپنے علم قدیم سے ان کی ہدایت کا ارادہ فرمایا اور انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق بخشی۔

[2] اس کے ازلی فیصلہ کے مطابق گمراہی مقرر ہو گئی۔

فریقاً پر نصب اس فعل محذوف کی وجہ سے ہے جس کی تفسیر مابعد فعل بیان کر رہا ہے۔ یعنی اَضَلَّ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ اس نے ایک گروہ کو گمراہ کیا جن پر گمراہی مقرر ہو چکی تھی۔

[3] یعنی دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اختیار نہ کیا۔ شیطانوں سے مراد جن وانس میں سے کفار ہیں۔

[4] اس جملہ میں دلیل ہے کہ جہالت کوئی عذر نہیں ہے۔ مذمت کے استحقاق میں معاند اور خطا کار کافر برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔ امام مسلم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے عورت برہنہ ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتی تھی، وہ اپنی فرج پر ایک کپڑا رکھے ہوئے ہوتی تھی اور یہ کہتی تھی آج بعض ظاہر ہو جائے یا کل، جو بھی اس سے ظاہر ہو گا میں اسے حلال نہیں کروں گی (1)۔ تو ان کے اس برے فعل پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ اور قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝

"اے آدم پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت [1] اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ [2]"

[1] علماء تفسیر کا اس بات پر اجماع ہے کہ زینت سے مراد وہ کپڑا ہے جو شرمگاہ کو ڈھانپ دے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لباس ہے جو تیری شرمگاہ کو ڈھانپ دے خواہ وہ ایک چادر ہو (2)۔ کلبی کا بھی یہی قول ہے۔ امام بیہقی نے ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر یہ نقل فرمائی ہے کہ زینت سے مراد کپڑے ہیں (3)۔ مسجد سے مراد بعض علماء کے نزدیک سجدہ کی جگہ ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ طواف یا نماز کیلئے ہر مسجد کے پاس اپنے کپڑے پہن لو۔ اسی وجہ سے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ننگے بدن طواف کی حرمت کیلئے نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ لفظ کے مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے۔ سبب خاص کا اعتبار نہیں ہوتا ہے لیکن سبب میں حکم کا ثبوت اولاً اور بالذات ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ سبب خاص تو قطعاً مقصود ہوتا ہے اور پھر بالواسطہ دوسری صورتوں میں متحقق ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک طواف میں ستر عورت کا وجوب ثابت ہے لیکن طواف کی صحت کیلئے بطور شرط نہیں۔ اس لئے اگر کوئی برہنہ طواف کرے گا تو گنہگار ہوگا اور طواف کی ادائیگی کا حکم اس سے ساقط ہو جائے گا۔ یعنی اس کا طواف ہو جائے گا۔ اور نماز میں ستر عورت فرض ہے، یعنی شرط ہے۔ اگر کوئی برہنہ حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہی نہ ہو گی۔ نماز میں ستر عورت کے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 422 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 184 (التجاریہ) 3۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 145 (العلمیہ)

فرض ہونے پر اجماع علماء سے استدلال بہتر ہے۔ بعض مالکیہ علماء نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے جیسا کہ قاضی اسماعیل نے مخالفت کی ہے۔ لیکن اجماع علماء کے سامنے منفرد قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں فرماتا(1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور حاکم نے روایت کر کے اسے صحیح کہا ہے اور ابن خزیمہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ مسجد مصدر میمی ہے اور معنی سجدہ کرنا ہے اور نماز پر اس کا اطلاق، تسمیۃ الجزء علی الکل کے اصول پر کیا گیا ہے جیسا کہ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ میں رکوع کا اطلاق پوری نماز پر کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ اسی طرح ارشاد ہے۔ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ۔ یعنی نماز میں قرآن سے جو ممکن ہو پڑھو۔ یہ آیت کریمہ ہر نماز کے وقت ستر عورت کا وجوب ثابت کرتی ہے۔

اس آیت کے سبب نزول پر بحث

ارشاد الٰہی یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِیۡشًا الی۔ قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ (الآیات) یہ تمام آیات اس وقت نازل ہوئیں، جبکہ عرب زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق بیت اللہ شریف کا ننگے بدن طواف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم ان کپڑوں کے ساتھ طواف نہیں کرتے جن میں ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔ عورت اپنی فرج پر ہاتھ رکھ کر ننگے بدن طواف کرتی تھی بلکہ آدم علیہ السلام کا ذکر بطور تمہید ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ شرمگاہ کا کھولنا سب سے پہلی برائی ہے جو انسان کو شیطان کی طرف سے پہنچی تھی۔ یہ تمام آیات واضح بیان کرتی ہیں کہ انسان کے ستر عورت کیلئے لباس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے اور یہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے لیکن شرمگاہ کا کھولنا اور ستر کو ترک کرنا شیطان کا فتنہ اور گمراہی ہے۔ اس نے پہلے تمہارے باپ آدم کو اس بے پردگی میں مبتلا کیا پھر تمہیں اس راہ پر چلا دیا۔ پس یہ شرمگاہ کا کھولنا ایک بے حیائی ہے جس کو عرب اپنے آباء واجداد کی تقلید میں اپنائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو بے حیائیوں کا حکم نہیں فرماتا لیکن ایک فریق کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ یہ تمام آیات دلالت کرتی ہیں کہ شرمگاہ کا دوسروں کے سامنے کھولنا قطعاً بے حیائی ہے اور حرام ہے۔ نیز طبعاً، عقلاً اور شرعاً قبیح اور ناپسندیدہ ہے۔ تو طواف اور دوسری عبادات میں شرمگاہ کا کھولنا بدرجہ اولیٰ حرام اور موجب گناہ ہے، اور عرب جو کہتے تھے کہ طواف میں لباس پہننا حرام ہے اور حج کے دنوں میں گوشت اور چربی کا کھانا حرام ہے۔ تو یہ ان کا قول باطل اور مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ۔ اس فواحش میں سے شرمگاہ کا کھولنا بھی ہے لیکن ان آیات میں سے کوئی چیز بھی طواف میں ستر عورت کے شرط ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں جو ننگے بدن طواف کرے گا وہ گناہ گار تو ہوگا لیکن اس کے طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اکثر آئمہ فرماتے ہیں اس سے طواف کی ادائیگی بھی ساقط نہ ہوگی کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث متفق ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ دسویں ذی الحجہ کے دن یہ اعلان کر دینا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص برہنہ بیت اللہ شریف کا طواف نہ کرے(2)(متفق علیہ) علماء فرماتے ہیں اس حدیث میں ننگے طواف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پس ننگے طواف کرنے سے وجوب کی ادائیگی نہ ہوگی جیسے دسویں ذی الحجہ کو روزہ کی قضا اور سورج کے استواء اور غروب کے وقت نماز کی قضا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ آیت

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 380 (العلمیہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 435 (قدیمی)

کریمہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ یہ تقاضا کرتی ہے کہ نماز میں ستر عورت شرط ہے اور ستر عورت کے بغیر نماز جائز نہیں ہے۔ لیکن ہم نے جو بیان کر دیا ہے کہ ستر عورت مطلقاً واجب ہے اور کشف عورت بے حیائی اور مطلقاً حرام ہے تو یہ اس سے پہلے والی آیات سے ثابت ہے۔ اس آیت کا طواف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے مگر جب اس کے ساتھ حضور ﷺ کا یہ قول ملایا جائے کہ بیت اللہ شریف کا طواف نماز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کلام گفتگو کو مباح قرار دیا ہے(1)۔ اس حدیث کو ترمذی، حاکم اور دارقطنی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

کشف عورت کے مطلقاً قبیح ہونے والی آیات کے ضمن میں اس آیت کا نزول اور کشف عورت کے مطلقاً قبیح ہونے پر دلالت کرنے والی آیات کا سبب نزول عربوں کا ننگے بدن طواف کرنا تسلیم کرنے کے باوجود کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ آیت بھی طواف کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ جو حکم کسی حادثہ یا سوال کے بعد وارد ہو، اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم اس حادثہ اور اس سوال کا جواب ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کے متعلق وہ حکم وارد ہوا ہے، اس زائد حکم مذکور میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ننگے بدن طواف کا حکم اس آیت کے علاوہ دوسری آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے، اس لئے ابن الہمام نے جو اشکال وارد کیا ہے وہ وارد نہیں ہوتا۔

مسئلہ۔ رحمۃ الامہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ، الشافعی اور احمد کے نزدیک نماز میں شرمگاہ کا ڈھانپنا شرط ہے، اصحاب مالک کا اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کا قول تو جمہور کے قول کے متعلق ہے کہ جسے ستر عورت پر قدرت ہو اور پھر بھی شرمگاہ کھول کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ بعض فرماتے ہیں شرمگاہ کا ڈھانپنا فی نفسہ واجب ہے لیکن نماز کیلئے شرط نہیں ہے۔ پس جو ستر عورت پر قادر ہونے کے باوجود جان بوجھ کر ستر عورت ترک کر کے نماز پڑھے گا تو وہ گنہگار ہوگا لیکن اس سے فرض نماز ساقط ہو جائے گا۔ لیکن متاخرین مالکیہ علماء کے نزدیک کسی حال میں بھی کشف عورت کی صورت میں نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ابن الہمام نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے۔ پس اجماع مقدم کو اختلاف موخر کچھ نقصان نہیں دیتا۔

فصل۔ یہ آیت کریمہ نماز میں ستر عورت کے وجوب کو ثابت کرتی ہے لیکن مقدار عورت کے بیان میں مجمل ہے۔ یعنی کس حصہ کا ڈھانپنا واجب ہے۔ اس مقدار کا بیان احادیث طیبہ میں موجود ہے۔

مسئلہ۔ مرد کی شرمگاہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ناف و گھٹنے کے درمیان ہے۔ امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت تو امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے لیکن ایک روایت میں ان کے نزدیک صرف قبل اور دبر ہے اور دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خیبر فتح کرنے کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ران سے تہبند ہٹایا حتیٰ کہ اب بھی میں نبی کریم ﷺ کی رانوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ چادر ہٹ گئی(2)۔ امام احمد کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں رانیں یا پنڈلیاں کھولے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، جبکہ آپ اسی کیفیت میں لیٹے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں بھی اجازت عطا فرمائی لیکن آپ اسی حالت میں رہے۔ فرماتی ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت

1۔ سنن دارمی، جلد 1، صفحہ 374 (دارالمحاسن)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 111 (قدیمی)

طلب کی تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو ستوار لیا(1)۔(مسلم) یہ حدیث طیبہ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں فخذیہ اور ساقیہ میں شک کا بیان ہے۔لیکن امام احمد کی روایت میں صرف فخذیہ (رانوں) کا لفظ ہے ساقیہ (پنڈلیوں) کا لفظ مذکور نہیں ہے۔اسی طرح امام احمد نے حضرت جعفر کی حدیث بھی صرف فخذیہ (رانوں) کے لفظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔امام طحاوی اور امام بیہقی نے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ ایک دن میرے پاس تھے اور آپ اپنی رانوں سے کپڑا ہٹائے ہوئے تھے کہ ابوبکر آ گئے۔آگے اسی طرح حدیث بیان کی ہے(2)۔ابوموسیٰ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک ایسی جگہ تشریف فرما تھے جہاں پانی تھا اور آپ کے ایک گھٹنہ یا دونوں گھٹنے کھلے ہوئے تھے۔جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے گھٹنوں کو ڈھانپ دیا(3)۔(بخاری) جمہور علماء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی ران کو ظاہر نہ کرو اور نہ کسی زندہ کی ران کو دیکھو اور نہ کسی مردہ کی ران کو دیکھو(4)۔اس حدیث کو ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم او بزار نے روایت کیا ہے۔بعض علماء نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے حالانکہ اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔ابن جریج عن حبیب بن ثابت عن عاصم بن ضمرہ عنہ حافظ۔(بن حجر) فرماتے ہیں ابن سند میں ابن جریج اور حبیب کے درمیان انقطاع ہے۔ابو حاتم فرماتے ہیں ان دونوں کے درمیان حسن بن ذکوان کا واسطہ ہے جو ضعیف ہے اور فرماتے ہیں حبیب کا عاصم سے روایت کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔یہ اس سند میں دوسری علت ہے۔ابن معین فرماتے ہیں حبیب نے عاصم سے نہیں سنا اور ان کے درمیان ایک غیر ثقہ شخص ہے۔بزار نے ان کے درمیان واسطہ عمرو بن خالد واسطی بیان کیا ہے۔

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو ران کو کھولے ہوئے تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ران کو ڈھانپ دے کیونکہ مرد کی ران اس کی شرمگاہ میں داخل ہے(5)۔اس حدیث کو ترمذی، احمد، حاکم نے روایت کیا ہے۔بعض علماء نے اس کو صحیح لکھا ہے حالانکہ اس کی سند میں ابو یحییٰ القتات ضعیف راوی ہیں۔جرہد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جرہد کے پاس سے گزرے، جبکہ جرہد کی ران کھلی ہوئی تھی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جرہد اپنی ران کو ڈھانپ دو کیونکہ ران شرمگاہ ہے(6)۔اسی حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔اس حدیث کی سند میں زرعہ راوی مجہول ہیں۔

محمد بن جحش، نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ معمر کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ اپنی ران سے کپڑے ہٹائے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے انہیں فرمایا اے معمر اپنی ران کو ڈھانپ دو کیونکہ ران شرمگاہ ہے(7)۔اس حدیث کو امام احمد نے اور بخاری نے تاریخ اور حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ابو کثیر کے سوا اس حدیث کے راوی صحیح کے رجال ہیں۔ابو کثیر سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے لیکن مجھے ان کے متعلق کوئی جرح و تعدیل کا قول نہیں ملا۔ابو ایوب فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو حصہ گھٹنوں سے اوپر ہے وہ شرمگاہ ہے اور جو ناف سے نیچے ہے وہ شرمگاہ ہے(8)۔اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔اس حدیث کی سند میں سعید بن راشد اور عباد بن کثیر دونوں متروک راوی ہیں۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح کرے۔

1۔صحیح مسلم، جلد2، صفحہ 277 (قدیمی) 2۔سنن کبریٰ از بیہقی، جلد2، صفحہ 231 (الفکر) 3۔صحیح بخاری، جلد1، صفحہ 522 (قدیمی)
4۔سنن ابی داؤد، جلد2، صفحہ 448 (وزارت تعلیم) 5۔مسند احمد، جلد3، صفحہ 479 (صادر) 6۔سنن کبریٰ بیہقی، جلد2، صفحہ 229 (الفکر)
7۔مسند احمد، جلد3، صفحہ 479 (صادر) 8۔سنن کبریٰ بیہقی، جلد2، صفحہ 229 (الفکر)

آگے طویل حدیث ہے جس میں ہے کہ جو حصہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے وہ شرمگاہ ہے(1) اس حدیث کو دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سوار ابن داؤد ہے۔ جسے العقیلی نے لین کہا ہے لیکن ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ یہ تمام احادیث، کشف ران والی احادیث کے مد مقابل نہیں ہیں لیکن چونکہ یہ ستر ران والی احادیث ایک دوسرے کی مؤید ہیں اور امت نے انہیں قبول کیا ہے اس لئے احتیاطاً ہم ان پر عمل پیرا ہیں۔ یہی وجہ ہے امام بخاری فرماتے ہیں حضرت انس کی حدیث (کشف ران) زیادہ قوی ہے لیکن جرہد کی حدیث (ستر ران میں احتیاط زیادہ ہے۔ امام ابوحنیفہ حضرت انس کی حدیث اور اس کے ہم معنی احادیث کی قوت کی بناء پر فرماتے ہیں برہنہ آدمی اپنی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجود اشارہ سے ادا کرے۔ یہاں آپ نے رکوع وسجود پر قدرت کے باوجود قیام، رکوع اور سجود کو ترک کرنے کو فرمایا ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور اشارہ سے نماز پڑھنے کے حکم میں اس شرمگاہ کو ڈھانپنے کی رعایت رکھی ہے جس کا نماز کے اندر اور باہر ڈھانپنا فرض ہے۔

مسئلہ۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھٹنا شرمگاہ میں شامل ہے۔ امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں یہ شرمگاہ میں شامل نہیں ہے اور ان کی دلیل ابوایوب اور عمرو بن شعیب کی احادیث کے الفاظ ہیں۔ ہمارے اصحاب احناف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حجت بتاتے ہیں جس میں آپ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ گھٹنا شرمگاہ سے ہے۔ اس حدیث کی سند میں عقبہ بن علقمہ راوی ہیں جنہیں ابو حاتم الرازی اور نصر بن منصور نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں یہ مجہول ہے اور منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں ان سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ ہم کہتے ہیں گھٹنا شرمگاہ کی ہڈی اور دوسری ہڈی کے ملنے کی جگہ ہے۔ پس حلال اور حرام جمع ہو گئے تو ہم نے احتیاطاً حرمت کو ترجیح دی۔

مسئلہ۔ آزاد عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا تمام بدن شرمگاہ ہے یہ حکم امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہے لیکن ایک روایت امام مالک، شافعی اور احمد سے یہ ہے کہ صرف چہرہ مستثنیٰ ہے، ہاتھ شرمگاہ میں داخل ہیں۔ پاؤں کسی کے نزدیک شرمگاہ میں داخل نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتا۔ یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت (مکمل) شرمگاہ ہے(2)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے مرسلاً روایت کی ہے کہ جب بچی جوان ہو جائے تو اس کے چہرہ اور کلائی تک ہاتھوں کے بغیر کچھ نظر نہ آنا چاہئے۔ دار قطنی ام سلمہ سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا عورت ایک چادر اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے، جبکہ اس کا تہبند نہ ہو؟ فرمایا اس صورت میں جائز ہے، جبکہ چادر اتنی بڑی ہو کہ اس کے پاؤں کا ظاہری حصہ بھی ڈھانپ دے(3)۔ اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہیں جنہیں ضعیف کہا گیا ہے۔ ابوحاتم فرماتے ہیں وہ کوئی حجت نہیں ہے۔ اس حدیث کو مرفوع بنانے میں غلطی ہے۔ امام مالک اور ایک جماعت نے ام سلمہ کا قول کہا ہے۔

مسئلہ۔ النوازل میں ہے کہ عورت کا نغمہ (آواز) بھی پوشیدہ ہونا چاہئے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے مردوں کیلئے نماز میں تسبیح اور عورتوں کیلئے تصفیق (ہاتھ پر ہاتھ مارنا) کا حکم فرمایا ہے۔ ابن الہمام فرماتے ہیں اسی بناء پر اگر یہ کہا جائے کہ جو عورت بلند آواز سے نماز میں قرات کرے گی تو اس کی نماز فاسد ہو گی تو یہ قول قابل توجہ ہے۔

مسئلہ۔ لونڈی کی شرمگاہ، امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیٹ اور پیٹھ کے ساتھ مرد کی شرمگاہ جیسی ہے (یعنی ناف سے لیکر گھٹنوں تک نیز پیٹ

1۔ سنن کبریٰ، جلد 2، صفحہ 229 (الفکر) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 149 (وزارت تعلیم) 3۔ سنن کبریٰ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 233 (الفکر)

اور چیٹھ بھی شامل ہیں) امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں لونڈی کی شرمگاہ مرد کی شرمگاہ کی مقدار ہے۔ امام احمد کا قول بھی یہی ہے۔ بعض شوافع فرماتے ہیں سر، کلائیوں اور پنڈلیوں کے علاوہ پورا جسم شرمگاہ ہے۔ امام بیہقی حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہ بنت ابی عبید نے انہیں بتایا کہ ایک عورت چادر لپیٹے ہوئے نکلی تو حضرت عمر نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ کو بتایا گیا یہ آپ کی اولاد میں سے فلاں کی لونڈی ہے تو آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ کس چیز نے تمہیں اس لونڈی کو چادر اوڑھنے اور شادی شدہ آزاد عورتوں کے مشابہہ بنانے پر برانگیختہ کیا۔ حتی کہ میں نے ارادہ کیا کہ اس کی گرفت کروں، میں نے تو اسے آزاد عورتوں میں سے سمجھا تھا۔ لونڈیوں کو آزاد عورتوں کے مشابہہ نہ بنایا کرو(1)۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اس کے متعلق حضرت عمر سے آثار صحیحہ مروی ہیں۔

مسئلہ۔ امام احمد کے نزدیک فرض نماز میں کندھوں کا ڈھانپنا واجب ہے اور نفل نماز میں ان سے دو روایتیں ہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے، جبکہ اس کے کندھوں پر اس کپڑے میں سے کچھ نہ ہو(2)۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے لیکن الفاظ تھوڑے مختلف ہیں۔ جمہور علماء نے اسے تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔ کرمانی فرماتے ہیں ظاہر انہی تو تحریم کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس کے ترک کے جواز پر اجماع منعقد ہے۔ (یعنی کندھوں پر کپڑا نہ ہونے کی نہی کو تحریم پر محمول نہیں کیا) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں علامہ کرمانی نے نووی سے امام احمد کا مذہب نقل کرنے میں غفلت کی ہے۔ ابن المنذر نے محمد بن علی سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر ایک باب لکھا ہے۔ اور حضرت ابن عمر سے پھر طاؤس اور نخعی سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ دوسرے علماء نے ابن وھب اور ابن جریر سے بھی کندھے کھلے رکھنے کے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی نے امام شافعی کی نص سے اس کا وجوب روایت کیا ہے اور اسی کو مختار قول کہا ہے۔ لیکن شوافع کی کتب میں اس کے خلاف معروف ہے۔ (یعنی کندھے ڈھانپنا واجب نہیں ہے)

مسئلہ۔ نمازی کیلئے مستحب یہ ہے کہ وہ عمدہ لباس پہن کر نماز پڑھے جیسا کہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے کیونکہ اللہ نے اس آیت میں کپڑے کو زینت فرمایا اور نماز میں اس زینت کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ پس کم از کم کپڑا اتنا ہونا چاہئے جو شرمگاہ کو ڈھانپ دے اور جو زائد ہو وہ مستحب ہے۔ امام طحاوی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے دو کپڑے پہننے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ انسان اس کے لئے زینت کرے۔ امام بخاری حضرت ابوہریرہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟ پھر ایک شخص نے حضرت عمر سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے وسعت و خوشحالی عطا فرمائی ہے تو وسعت و خوشحالی کا اظہار کرو۔ لوگوں میں سے کسی نے پورے لباس میں نماز ادا فرمائی، کسی نے چادر اور تہبند میں، کسی نے تہبند اور قمیص میں، کسی نے تہبند اور قباء میں، کسی نے شلوار اور چادر میں، کسی نے قباء (جبہ) اور انڈرویئر میں نماز پڑھی۔ کسی نے انڈرویئر اور قمیص میں نماز پڑھی۔ میرا خیال ہے کہ یہ انڈرویئر اور چادر ہو۔ واللہ اعلم(3)۔ امام بغوی فرماتے ہیں کلبی نے لکھا ہے کہ بنو عامر حج کے ایام میں تھوڑی خوراک کے علاوہ کچھ کھاتے نہ تھے اور نہ چربی استعمال کرتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ اپنے حج کی تعظیم سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم اس فعل کے زیادہ حقدار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ ذیل کا ارشاد فرمایا۔

ع۔ گوشت اور گھی کھاؤ۔ اور پیو لیکن گوشت، گھی اور عمدہ لباس وغیرہ جنکو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے ان کو اپنے اوپر اپنی مرضی سے حرام

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 2، صفحہ 27-226 (الفکر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 198 (قدیمی) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 53-52 قدیمی

کر کے حد سے تجاوز نہ کرو(1) کیونکہ جو ایسے افعال کرتے ہیں ان کے افعال کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ ابن المنذر نے حضرت عکرمہ سے قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا الخ کے متعلق نقل کیا ہے کہ یہ خمیس قریش، بنی عامر بن صعصعہ اور بطون کنانہ بن بکرہ کے بارے نازل ہوئی۔ وہ نہ تو (حج کے ایام میں) گوشت کھاتے تھے اور نہ اپنے گھروں کے دروازوں سے داخل ہوتے تھے بلکہ گھروں کے عقب سے آتے تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو چاہے کھا اور جو چاہے پہن جب تک کہ دو خصلتیں نہ ہوں، ایک اسراف اور دوسری تکبر(2)۔ اس قول کو ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث مروی ہے کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور بغیر تکبر اور فضول خرچی کے لباس پہنو(3)۔ اس حدیث کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ اور الحاکم نے بھی روایت کی ہے۔

روایت ہے کہ رشید کا ایک نصرانی ماہر حاذق طبیب تھا۔ اس نے علی بن حسن بن واقد کو کہا تمہاری کتاب (قرآن) میں علم طب کے متعلق کچھ نہیں ہے حالانکہ علم کی دو قسمیں ہیں علم الابدان اور علم الادیان۔ علی بن حسین نے کہا اللہ تعالیٰ نے پوری طب کو اپنی کتاب کی نصف آیت میں جمع فرما دیا ہے ارشاد فرمایا وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ نصرانی حکیم کہنے لگا تمہارے رسول سے طب کے متعلق کچھ مروی نہیں ہے۔ علی بن حسین نے کہا ہمارے رسول مکرم ﷺ نے بھی تھوڑے سے الفاظ میں طب کو بیان کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ اَلْمَعِدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَاَعْطِ كُلَّ بَدَنٍ مَا عَوَّدْتَهُ

معدہ بیماری کا گھر ہے، پرہیز ہر دوا کی اصل ہے اور ہر بدن کو وہ عطا کر وجس کا تو نے اسے عادی بنایا ہے۔ حکیم صاحب کہنے لگے تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے تو جالینوس کیلئے طب کو چھوڑا ہی نہیں ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

"آپ فرمایئے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کیلئے اور (کس نے حرام کیے) لذیذ پاکیزہ کھانے [1] آپ فرمایئے یہ چیزیں ایمان والوں کیلئے ہیں اس دنیوی زندگی میں بھی [2] (اور) صرف انہیں کے لئے ہیں قیامت کے روز [3] یونہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتوں کو ان لوگوں کیلئے جو (حقیقت کو) جانتے ہیں۔ [4]"

[1] اے پیارے محمد آپ ان سے پوچھئے کہ کس نے حرام کیا ہے لباس اور آرائش کی چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے انتفاع اور زیب و زینت کیلئے پیدا فرمایا ہے، خواہ انہیں زمین سے پیدا کیا ہے جیسے روئی اور کتان، خواہ بھیڑ بکریوں کی اون سے پیدا کیا ہے خواہ ریشم کے کیڑے سے پیدا کیا ہے۔

اور لذیذ خورد و نوش کی اشیا یعنی جو ان چیزوں کا خود خالق و مالک ہے اس نے تو انہیں حرام نہیں فرمایا اور کسی اور کو ان کے حرام و حلال کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے، تو ان کفار کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایام حج میں طواف کے دوران کپڑوں کو اور گوشت کھانے اور گھی استعمال کرنے اور چوپائے وغیرہ استعمال کرنے کو حرام کرتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانے، پینے اور پہننے کی تمام اشیا اصل

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 184 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 181 (صادر)

ہیں حلال ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حرمت کا حکم نہ ہو۔

۳؎ اے محبوب فرما دیجئے۔ یہ زیب و زینت کے لباس، پاکیزہ کھانے تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی دنیا میں مومن بندوں کیلئے کئے ہیں تاکہ وہ ان سے متمتع ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اور ان نعمتوں کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قوت حاصل کریں۔ یہ نعمتیں کفار کیلئے نہیں ہیں مگر مومنین کے وسیلہ سے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے ابتلاءً اور استدراجاً ان نعمتوں میں شریک کر لیا ہے۔

۴؎ خالصة کو نافع نے مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ ھی کی دوسری خبر ہے، باقی قراء نے منصوب پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یہ نعمتیں قیامت کے روز ان کو ملیں گی اور کسی قسم کا انہیں غم نہ ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں یہ نعمتیں غم اور کدورت سے آمیز ہیں۔ یا یہ معنی کہ خالصۃ یہ نعمتیں مومنین کیلئے ہیں، کفار ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔

۵؎ جس طرح ہم نے حلال کو حرام سے ممتاز کر دیا ہے کہ ہم نے حلال کے کرنے اور حرام کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ نیز اسراف اور حرام کے ارتکاب سے منع فرما دیا ہے بالکل اسی طرح ہم تمام احکام تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس قوم کیلئے جو جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

"آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہیں ۱؎ اور (حرام کر دیا) گناہ کو ۲؎ اور سرکشی کو بغیر حق کے ۳؎ اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی سند ۴؎ اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے ہو۔ ۵؎"

۱؎ حمزہ نے ربی کی یاء کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فواحش ایسی برائیاں جو انتہائی قبیح ہیں۔ جو پوشیدہ ہیں جیسے عورتوں کا رات کے وقت برہنہ طواف کرنا۔ بعض علماء فرماتے ہیں فاحشہ سے مراد زنا ہے جو اعلانیہ ہو یا سراً۔ ابن مسعود سے مرفوع حدیث مروی ہے، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور پوشیدہ ہر برائی کو حرام قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اپنی حمد پسند کرنے والا نہیں اس لئے اس نے خود اپنی حمد بیان کی ہے(1)۔

۲؎ الاثم سے مراد ہر وہ کام جو موجب گناہ ہو۔ یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ الضحاک فرماتے ہیں الاثم وہ گناہ ہے جس پر حد نہ ہو حضرت حسن فرماتے ہیں اثم سے مراد شراب ہے مثلاً شاعر کہتا ہے شَرِبْتُ الْاِثْمَ حَتّٰی ضَلَّ عَقْلِیْ كَذٰلِكَ الْاِثْمُ یَذْهَبُ بِالْعُقُوْلِ۔ میں نے شراب پی یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ شراب اسی طرح عقل کو ضائع کر دیتی ہے

۳؎ البغی سے مراد ظلم یا کبر ہے، مبالغہ کیلئے اس کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے(2) باغی سے مراد عادل بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور بغیر الحق البغی کے متعلق ہے اس کے معنی کو مؤکد کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔

۴؎ اس آیت میں مشرکین سے استہزاء ہے اور تنبیہ ہے کہ جس بات پر دلیل نہ ہو اس کی اتباع کرنا حرام ہے۔ سلطان سے مراد حجت ہے۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 185　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 86-185 (التجاریۃ)

۵ یعنی یہ بھی حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایسی باتیں کہو جو تم نہیں جانتے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں کھیتی کو اللہ نے حرام کیا ہے، فلاں جانور اللہ نے حرام کیا ہے۔ ننگے طواف کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں یہ حکم عام ہے، یعنی دین کے بارے غیر یقینی بات کرنا حرام ہے۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

"اور ہر امت کیلئے ایک وقت مقرر ہے [1] سو جب آجائے گا ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ [2]"

[1] یعنی کفار کی ہر قوم پر نزول عذاب کا وقت اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں متعین ہے۔ یہ اہل مکہ کیلئے وعید ہے۔

[2] جب ان کے عذاب کا وقت آجائے گا۔ وہ ایک لمحہ بھی پیچھے ہٹ نہیں سکتا اگر چہ وہ مہلت طلب بھی کریں۔ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتا ہے اگر چہ وہ عذاب کا مطالبہ بھی کرتے رہیں جیسا کہ انہوں نے خود دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اے اولاد آدم اگر آئیں تمہارے پاس [1] رسول تم میں سے [2] جو بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ [3]"

[1] اما میں ما زائدہ ہے جو شرط کی تاکید کیلئے لگایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد والا فعل نون تاکید سے مؤکد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام کو ان شرطیہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جو امور مشکوکہ محتملہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس اسلوب میں یہ تنبیہ ہے کہ رسولوں کا بھیجنا جائز ہے واجب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں (جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے)

[2] یعنی رسول جو بنی آدم سے ہوں۔

[3] یقصون کا معنی یقرون ہے یعنی پڑھیں۔ تم پر میری کتابوں سے آیتیں۔ یہ جملہ فعلیہ رسل کی صفت ہے اور جواب شرط فمن اتقی ہے۔ یعنی جو شرک اور رسولوں کی تکذیب سے بچے گا اور اعمال کو خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرے گا اور اسی طرح عمل کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

جب لوگ قبر میں اور قیامت کے روز گھبرائیں گے تو ان خوش نصیب لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ آگ میں غمگین ہوں گے تو یہ غمگین نہ ہوں گے۔

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

"اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ۱ "

۱ عنہا میں ھا ضمیر کا مرجع آیات ہیں۔ یعنی جو آیات پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں۔ پہلی جزاء پر وعدہ میں مبالغہ کرنے کیلئے فاء کو داخل فرمایا لیکن دوسری جزاء پر فاء کو داخل نہیں فرمایا تا کہ وعید میں رگز رکا اظہار ہو جائے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۞

"اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو ۱ انہیں مل جائے گا ان کا حصہ جو ان کی قسمت میں لکھا ہے ۲ یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے جو قبض کریں گے ان کی روحوں کو ۳ تو (ان سے) کہیں گے کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا ۴ کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے ۵ اور گواہی دیں گے اپنے نفسوں پر کہ وہ کافر تھے۔ ۶ "

۱ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے اور اس کا شریک بناتا ہے یا کہتا ہے کہ اللہ نے بیوی اور بیٹا بنایا ہے یا کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سوائب (جانور) کے حرام کرنے اور ننگے بدن طواف کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ الفاظ رافضیوں کو بھی شامل ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر بہتان باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سی آیات نازل کی تھیں جنہیں صحابہ نے قرآن سے خارج کر دیا ہے (نعوذ باللہ) اور کَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ میں آیات سے مراد آیات منزلہ ہیں اور اَوْ منع الخلو کیلئے ہے۔

۲ انہیں دنیا میں ان کا حق مل جائے گا جو کچھ متعات، رزق، اعمال، اکساب، مصائب اور عمر میں سے ملائکہ کے صحیفوں میں ان کے لئے لکھا جا چکا ہے۔ بعض فرماتے ہیں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

۳ رسلنا سے مراد ملک الموت اور اس کے ساتھی فرشتے ہیں۔ جو ان کی روحوں کو قبض کریں گے۔ یعنی جب ہمارے موت کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کیلئے آئیں گے۔

۴ تو فرشتے ان سے کہیں گے۔ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا۔ اینما میں ما موصولہ ہے جو مصحف کے خط میں این استفہامیہ سے ملا ہوا ہے حالانکہ اس کا حق علیحدہ ہونا ہے، یہاں استفہام توبیخ کیلئے ہے، یعنی کہاں ہیں وہ بت وغیرہ جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قالوا، اذا شرطیہ جواب ہے)

۵ وہ کہیں گے وہ تو ہم سے غائب ہو گئے۔

۶ یعنی کفار عذاب کو دیکھنے کے وقت خود اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یا ملک الموت ان کے مرتے کے وقت کہے گا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا

دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَاۭ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَاۤءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ) ؎۱ جب بھی داخل ہوگی کوئی امت وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر ؎۲ یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب امتیں تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے متعلق ؎۳ اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے۔ ؎۴ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کیلئے دگنا عذاب ہے ؎۵ لیکن تم نہیں جانتے۔ ؎۶"

؎۱ یعنی جن انس میں سے جو کافر امتیں گزر چکی ہیں تم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

؎۲ جب کوئی کافر امت دوزخ میں داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی امت پر لعنت بھیجے گی کہ جس کی اقتداء کرنے کی وجہ سے یہ گمراہ ہوئی۔ یہود، یہود پر لعنت کریں گے اور نصرانی نصرانیوں پر اور پیروکار اپنے مقتداؤں پر لعنت کریں گے۔

؎۳ جب دوزخ میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد میں داخل ہونے والا گروہ، یعنی پیروکار پہلے داخل ہونے والوں (یعنی سرداروں) کو کہے گا کیونکہ سردار آگ میں پہلے داخل ہوں گے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر امت کا پچھلا گروہ اس پہلے پر لعنت کرے گا۔ جو زمانہ کے اعتبار سے ان سے مقدم ہوگا اور باطل دین کا آغاز کیا ہوگا۔

؎۴ پیروکار کہیں گے اے ہمارے پروردگار ان سرداروں نے ہمیں بھٹکایا تھا۔ اس لئے انہیں آگ میں ہمارے عذاب سے دوگنا عذاب دے۔ کیونکہ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ہمیں بھی گمراہ کیا۔

؎۵ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے اور ان میں سے ہر ایک کیلئے دگنا عذاب ہے۔ کیونکہ عذاب کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک ظاہر کا ادراک کرے گا۔ وہ یہ اندازہ لگائے گا کہ اسے باطنی عذاب نہیں ہو رہا یا یہ معنی کہ ہر ایک کیلئے اس کی گمراہی کے مطابق دگنا عذاب ہوگا۔ سرداروں اور پیشواؤں کو ان کے اپنے کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے دگنا عذاب ہوگا اور متبعین کو ان کے کفر اور اہل حق کو چھوڑ کر اہل باطل کی تقلید کرنے کی وجہ سے دگنا عذاب ہوگا۔

؎۶ لیکن تم میں سے یہ کوئی نہیں جانتا کہ دوسرے کو کتنا عذاب ہو رہا ہے۔ ابوبکر نے عاصم سے انفصال کی بناء پر لا یعلمون روایت کیا ہے اور باقی قراء نے مخاطب کا صیغہ لا تعلمون پڑھا ہے۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

"اور کہیں گی پہلی امتیں پچھلی امتوں سے کہ نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت ؎۱ پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے۔ ؎۲"

؎۱ یہ پہلی امتیں اللہ تعالیٰ کے جواب پر کلام کا عطف کرتے ہوئے دوسری امتوں کو کہیں گی اور اس جواب پر اپنے کلام کو مرتب کریں گی

کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ اس نے عذاب کے استحقاق میں دونوں کو برابر فرمایا ہے۔

۲۔ پس عذاب کا مزہ چکھو بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے۔ اس کلام میں احتمال ہے کہ یہ سرداروں کے کلام سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں فریقوں کو ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾

"بے شک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے ۱۔ اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں ۲۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والوں کو۔ ۳۔"

۱۔ عنھا کی ضمیر کا مرجع آیات ہے۔ استکبروا عنھا کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں۔ لاتفتح کو ابو عمرو نے فاعل کے مونث ہونے کی وجہ سے مجرد فعل سے واحد مونث کا صیغہ بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے۔ انہوں نے بھی فعل مجرد سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے ابو عمرو کی طرح تاء کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن ابواب کی کثرت کی وجہ سے باب تفعیل سے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان بدبختوں کیلئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، نہ ان کی دعائیں اوپر جا سکیں گی، نہ ان کے اعمال اور ارواح اوپر جائیں گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی ارواح کیلئے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے کیونکہ وہ خبیث روحیں ہوں گی۔ اس لئے اوپر نہیں بلکہ سجین کی پستی کی طرف جائیں گی (1)۔ حضرت براء بن عازب سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کافر بندے کا ذکر فرمایا کہ سیاہ چہروں والے فرشتے جب اس کی روح قبض کرتے ہیں تو اسے ایک ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں۔ اس کی روح سے اس مردار کی بدبو جیسی بدبو نکلتی ہے، جو زمین پر پڑی ہوتی ہے۔ فرشتے اسے اوپر لیکر جاتے ہیں، وہ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے؟ تو وہ دنیا میں جن ناموں کے ساتھ پکارا جاتا تھا ان میں برے ترین نام کے ساتھ اس کا تعارف کراتے ہیں، یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ جب آسمان دنیا تک وہ فرشتے پہنچتے ہیں تو اس روح کیلئے دروازہ کھلوایا جاتا ہے لیکن اس کے لئے دروازہ نہیں کھلتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نچلی زمین میں سجین کے اندر اس کی کتاب کو لکھو۔ اس کی روح سجین میں پھینکی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الآیۃ) (2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ماجہ کے ہاں بھی اسی طرح مروی ہے۔ اس حدیث کو امام مالک، نسائی اور بیہقی نے البعث والنشور میں روایت کیا ہے۔

۲۔ یعنی وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ جیسا گرانڈیل جسم سوئی کے ناکہ جیسے تنگ سوراخ میں داخل نہ ہو جائے۔ یہ تو ہو گا بھی نہیں۔ اس اسلوب کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 188 (التجاریۃ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 156 (العلمیۃ)

۳ مجرموں کو ہم اسی طرح قطعی جزا دیتے ہیں۔ یعنی رحمت الٰہی سے انہیں بالکل مایوس کر دیں گے۔

لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

"ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ۱ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو ۲۔"

۱ لَهُم میں ھم ضمیر کا مرجع مجرم ہیں۔ مِهَاد سے مراد بچھونا ہے۔ غواش سے مراد لحاف، اوپر اوڑھنے والی چیز ہے۔ غواش کے آخر میں تنوین سیبویہ کے نزدیک یا محذوفہ کے عوض میں ہے اور دوسرے علما کے نزدیک یہ تمکین ہے، مطلب یہ ہے کہ آگ ان کو ہر جانب سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے، مِن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ۔

۲ جنت سے محرومی کے ذکر کے وقت مجرمین کا لفظ ذکر فرمایا اور آگ کے عذاب دینے کے ساتھ ظالمین کا لفظ ذکر فرمایا۔ اس بات پر آگاہ کرنے کیلئے کہ ظلم تمام جرموں سے بڑا جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی سنت حسنہ کے مطابق کفار کی وعید کے بعد اب مومنین کے وعدے کا ذکر فرما رہے ہیں ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (ہمارا قانون یہ ہے) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے وہ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۱۔"

۱ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ہے۔ لیکن جمع معرف بلام عموم کے صیغوں میں سے ہے اور یہ وعدہ کو اس شخص کے ساتھ کرنے کا وہم پیدا کرتا ہے جو تمام اعمال صالحہ پر عمل پیرا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کیلئے مبتدا اور خبر کے درمیان لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا فرما دیا کہ ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق تکلیف دیتے ہیں جس میں اس کے لئے حرج اور مشقت زیادہ نہیں ہوتی۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

"اور ہم نکال لیں گے ۱ جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ ہے ۲ رواں ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں ۳ اور کہیں گے ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی ۴ اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے ۵ اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ ۶ بے شک آئے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ ۷ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی ۸ کہ یہی وہ جنت ہے ۹ وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے ۱۰"

۱ یہ ماضی کا صیغہ مضارع کی جگہ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس فعل کا وقوع یقینی اور محقق ہے۔

۲ غل کا معنی حسد اور عداوت ہے، جو ان کے درمیان دنیا میں تھی۔ حتیٰ کہ قیامت کے روز جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے

دلوں میں محبت کے سوا کچھ نہ ہوگا، کدورت، ملال اور حسد نام کی کوئی چیز ان کے سینوں میں نہ ہوگی اور وہاں اللہ تعالیٰ کسی کو کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص فرمائے گا تو اس پر دوسروں کے دلوں میں کوئی حسد نہ ہوگا۔ سعید بن منصور، ابونعیم، ابن ابی شیبہ، الطبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں مجھے توقع ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہیں (جن کے متعلق اس آیت میں ارشاد ہے)(1)

میں کہتا ہوں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا آپس میں کدورت و ملال پیدا ہو گیا تھا۔

امام بخاری نے اور اسماعیلی نے اپنی مستخرج میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ کی تفسیر میں فرمایا کہ مومنین کو دوزخ سے الگ کر لیا جائے گا پھر انہیں دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پل پر روک دیا جائے گا پھر ان سے ایک دوسرے پر کیے گئے مظالم کا بدلہ چکایا جائے گا۔ جب بالکل پاک و صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے ان میں سے ہر ایک اپنے جنت کے مکان سے اس سے زیادہ واقف ہوگا جیسا کہ دنیا میں گھر کے مکان سے واقف تھا(2)۔

حدیث کے راوی حضرت قتادہ فرماتے ہیں ان کی مشابہت ان لوگوں کے ساتھ ہوگی جو جمعہ پڑھ کر واپس لوٹتے ہیں (اور کوئی ان میں سے اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتا) ابن ابی حاتم نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پل صراط سے گزرنے کے بعد جنتیوں کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ دنیا میں کی گئی زیادتیوں کا ایک دوسرے سے بدلہ لیا جائے گا پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اس وقت ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے متعلق کوئی حسد اور عداوت نہ ہوگی(3)۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ حکم ان لوگوں کیلئے ہے جو دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ لیکن جو دوزخ میں داخل ہوں گے اور پھر نکالے جائیں گے تو ان کا محاسبہ نہ ہوگا بلکہ جونہی دوزخ سے نکلیں گے تو جنت کی نہروں میں داخل ہو جائیں گے۔ ابن حجر فرماتے ہیں يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ پل سے گزرتے وقت گرنے سے نجات پا جائیں گے۔ مذکور پل کے بارے اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں یہ پل صراط کا آخری حصہ ہے جو جنت کے ساتھ متصل ہے۔ بعض فرماتے ہیں یہ کوئی دوسرا پل ہے۔ قرطبی کا بھی یہی قول ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں پہلا قول مختار ہے۔ میں کہتا ہوں وہاں قصاص اور بدلہ نیکیوں اور برائیوں کے ساتھ ہوگا کیونکہ وہاں درہم و دنانیر تو ہوں گے نہیں۔ اگر ظالم کا عمل صالح ہوگا تو اس کے ظلم کی مقدار اس کا عمل صالح مظلوم کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کا کوئی نیک عمل نہ ہوگا تو مظلوم کے گناہ ظالم کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوع حدیث اسی طرح روایت کی ہے۔ مسلم اور ترمذی نے مرفوع حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کی ہے۔ کہ جب قصاص مکمل ہونے سے پہلے اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کی خطائیں اس ظالم کے پلے ڈالی جائیں گی پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا(4)۔ میں کہتا ہوں پل صراط سے گر جانے کے بعد آگ میں پھینکنا متصور نہیں ہو سکتا، واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں حسد و بخل کو دور کرنا قصاص کی صورت میں اور بعض کی نیکیاں اور برائیاں بعض کو دینے پر منحصر نہیں، بلکہ وہ اس کے بغیر بھی ہوگا۔ جیسا کہ امام بغوی فرماتے ہیں کہ السدی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اہل جنت

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 189 (التجاریہ)
2۔ ایضاً
3۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 158 (العلمیہ)
4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 372 (صادر)

جب جنت کی طرف جائیں گے، وہ جنت کے دروازوں پر ایک درخت پائیں گے، جس کی اصل (جڑ) میں دو چشمے ہوں گے تو جنتی ایک چشمہ کا پانی پئیں گے تو ان کے سینوں سے کینہ نکل جائے گا۔ یہ شراب طہور ہے اور دوسرے چشمہ سے وہ غسل کریں گے تو ان پر نضرة النعیم جاری ہوگی کیونکہ وہ پراگندہ رو ہوں گے، لیکن اس کے بعد پھر کبھی ان کے چہرے غبار آلودہ نہ ہوں گے اور نہ ان کی رنگت بدلے گی(1)

۳۔ ان کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ان کے محلات کے نیچے سے نہریں رواں ہوں گی۔ یہ جملہ صدورھم کی ھم ضمیر سے حال ہے۔

۴۔ اور اہل جنت کہیں گے سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمیں اس جنت کی راہ دکھائی۔ حضرت سفیان الثوری فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے ہمیں ایسے عمل کی ہدایت دی جس کا ثواب یہ (جنت) ہے(2)۔

۵۔ لام جحود نفی کی تاکید کیلئے آیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ۔ اس لام کے بعد ان مصدر یہ مقدر ہے اور مصدر بمعنی فاعل ہے یا مضاف کی تقدیر کے ساتھ کان کی خبر ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے مَا كُنَّا ذَا اهْتِدَاءٍ اَوْ مُهْتَدِيْنَ۔

۶۔ لو لا کا جواب محذوف ہے، جس پر اس کا ماقبل دلالت کررہا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم ہدایت پانے والے نہیں تھے۔ ابن عامر نے بغیر واؤ کے ما کنا پڑھا ہے اس بناء پر یہ ھدانا لھذا کی تفسیر کے قائم مقام ہے اور باقی قراء نے واؤ کے ساتھ وما کنا پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ ھدانا کے مفعول سے حال ہے۔

۷۔ ہم نے ان خوش نصیبوں کو رسولوں کے ارشادات کے ذریعے ہدایت دی ہے پھر جب وہ رسولوں کے وعدوں کو پورا ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھیں گے تو خوشی سے پکار اٹھیں گے بے شک ہمارے رب کے رسل حق کے ساتھ آئے تھے۔

۸۔ اہل جنت کو بارگاہ الٰہی سے آواز آئے گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ندا اس وقت ہوگی جب وہ جنت کو دور سے دیکھ رہے ہوں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ندا جنت کے اندر ہوگی۔ امام سیوطی نے البدور السافرہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

۹۔ پانچوں مقامات پر مفسرہ ہے (یعنی آگے نَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا کے ارشادات تک جہاں ان استعمال ہوا ہے وہ مفسرہ ہے) کیونکہ ندا اور تاذین۔ قول کے معنی میں ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان مخففہ ہو،

۱۰۔ اس جنت کے اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے وارث بنائے گئے ہو۔ یہ جملہ الجنة سے حال ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے یا یہ جملہ خبر ہے اور الجنة، تلکم کی صفت ہے۔ صاحب المدارک فرماتے ہیں۔ جنت کو میراث اس لئے فرمایا کیونکہ یہ عمل کی وجہ سے نہیں ملتی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور طاعات پر ان کے وعدہ کے سبب بخشی جاتی ہے۔ یہ میت کی میراث کی طرح ہے کسی چیز کا عوض نہیں ہے۔ بلکہ محض اس کا احسان ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ندا دینے والا ندا کرے گا (اے جنتیو!) تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہ ہو گے۔ ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی موت سے دوچار نہ ہو گے۔ ہمیشہ جوانی کی لذت سے سرشار رہو گے اور کبھی بڑھاپے کی کمزوری سے واسطہ نہ ہوگا۔ ہمیشہ خوش رہو گے اور کبھی غمگین نہ ہو گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے(3)۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر اس کے لئے دو ٹھکانے ہیں، ایک جنت میں اور دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی فوت ہوتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 190 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 380 (قدیمی)

ہے تو اہل جنت اس کے جنت والے مکان کے وارث بن جاتے ہیں (1) اللہ تعالیٰ کا ارشاد اُورِثْتُمُوْهَا کا یہی مطلب ہے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

''اور آواز دیں گے جنتی دوزخیوں کو کہ بے شک ہم نے پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا ۱؎ وہ کہیں گے ہاں ۲؎ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ۳؎ ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر ۴؎ ''

۱؎ یعنی جنتی لوگ دوزخیوں کو آواز دیں گے کہ ہم نے تو اپنے رب کے ثواب کا وعدہ واقعۃً پالیا ہے۔ کیا تم سے جو تمہارے رب نے عذاب کا وعدہ کیا تم نے بھی واقعۃً پالیا ہے۔ مومنین یہ اپنی حالت پر مسرت کے اظہار اور دشمن کی تکلیف پر خوشی کے اظہار کیلئے سوال کریں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے ما وعدنا فرمایا تھا لیکن بعد میں وعد کم نہیں فرمایا تاکہ یہ اس تمام کو شامل ہو جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا مثلاً بعث، حساب، اور اہل جنت کی نعمتیں۔ کیونکہ ان سے جو وعدہ تھا وہ صرف ان کو تکلیف دینا ہی نہ تھا بلکہ وہ تمام چیزیں تھیں جو ان کے لئے تکلیف کا باعث تھیں تو جس طرح ان کو عذاب ملنا ان کے لئے تکلیف دہ تھا اسی طرح مومنین کو نعمتوں کا ملنا بھی ان کے لئے تکلیف دہ تھا۔ اس لئے دوسری کلام میں مفعول کو حذف کیا گیا ہے تاکہ تمام امور کو شامل ہو جائے۔

۲؎ نعم کو کسائی نے ہر جگہ عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے عین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔

۳؎ منادی کرنے والا دونوں فریقوں کے درمیان اسطرح منادی کرے گا کہ دونوں فریق سن لیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں منادی کرنے والے صاحب صور ہوں گے۔

۴؎ البزی نے ابن کثیر سے روایت کر کے اور ابن عامر، حمزہ اور کسائی نے ان کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور لعنۃ پر نصب پڑھی ہے، جبکہ دوسرے قراء نے ان کو تخفیف اور لعنۃ کو مرفوع پڑھا ہے۔

الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

'' جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے ۱؎ اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے ۲؎ اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں ۳؎ ''

۱؎ وہ خود رکتے ہیں یا لوگوں کو روکتے ہیں اللہ کے دین سے۔ یہ الظالمین کی صفت مقررہ ہے یا بطور ذم مرفوع یا منصوب ہے۔

۲؎ وہ اس راستہ کو ٹیڑھا چاہتے ہیں۔ یبغون کا عوجاً مفعول ثانی ہے۔ یعنی وہ راستہ (دین) کیلئے ٹیڑھا پن اور تناقض چاہتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں وہ غیر اللہ کیلئے نماز پڑھتے ہیں اور اس چیز کو عظمت دیتے ہیں جسے اللہ نے عظمت نہیں دی (2)۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اللہ کے راستہ سے روکتے تھے کیونکہ یہ روکنے کا عمل دنیا میں صادر ہوا تھا۔ نہ کہ اس وقت جب کہ ان کو ندا دی جائے گی۔ عوج (بالکسرہ) معانی اور اعیان، جبکہ وہ کھڑی نہ ہو تو، دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے دین میں کجی اور زمین میں کجی اور عوج بالفتحہ ہو تو کھڑی ہوئی اعیان میں استعمال ہوتا ہے جیسے دیوار، نیزہ وغیرہ۔

۳؎ وہ اللہ تعالیٰ یا آخرت کے منکر ہیں۔

1۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 332 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 191 (التجاریہ)

وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِیْمٰىهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

"اور ان دونوں (جنت و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے [1] اور اعراف پر [2] کچھ مرد ہوں گے [3] جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے [4] اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ سلامتی ہو تم پر [5] (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہشمند ہوں گے [6]۔"

[1] بینهما میں هما ضمیر سے مراد جنت اور دوزخ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اہل جنت اور اہل دوزخ ہیں اور حجاب سے مراد وہ دیوار ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید میں فرمایا ہے۔ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ۔ اس کی تفسیر ہم نے وہاں ذکر کی ہے۔

[2] یعنی اس دیوار کے بالائی حصہ پر۔ اعراف جمع ہے عرف کی۔ یہ عرف الفرس (گھوڑے کی گردن کے بال) سے مستعار ہے۔ ھناد نے مجاہد کے طریق سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اعراف سے مراد دیوار کا بالائی حصہ ہے جیسے عرف الدیک مرغ کی کلغی ہوتی ہے (1)۔ بعض علماء فرماتے ہیں عرف بلند چیز کو کہتے ہیں کیونکہ وہ دوسری اشیاء سے زیادہ ظاہر ہونے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔

[3] رجال سے مراد مرد ہیں اور یہ مرد کون ہیں؟ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ زیادہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوں گی۔ ان کی نیکیاں انہیں دوزخ میں داخل ہونے سے روکیں گی اور نیکیوں کی کمی جنت میں داخل کرنے سے قاصر ہوگی۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور بیہقی نے ابی طلحہ عن ابن عباس کے طریق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے اور اعراف والے وہ لوگ ہوں گے جن کے بڑے بڑے گناہ ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے امر سے روک لیا ہوگا۔ وہ اعراف پر کھڑے ہوں گے اور وہ دوزخیوں کو ان کے چہروں کی کالک کی وجہ سے پہچانیں گے اور جنتیوں کو ان کے سفید (اور نورانی) چہروں کی وجہ سے جانیں گے۔ جب وہ اہل جنت کو دیکھیں گے تو جنت میں داخلہ کی خواہش کریں گے اور جب دوزخ کو دیکھیں گے تو اس سے پناہ کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ سے یہی مراد ہے۔ یعنی اے اصحاب اعراف جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔ ھناد، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے اپنی اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن الحارث عن ابن عباس کے طریق سے روایت کیا ہے کہ اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے (2) اور اصحاب اعراف اس کی وجہ سے رکے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو معافی عطا فرمائیں گے تو انہیں ایک نہر پر لے جایا جائے گا جسے حیوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اس کے کنارے سونے کے ہیں اور ان پر موتی لگے ہوئے ہیں۔ اس کی مٹی کستوری ہے۔ وہ اس نہر میں ڈالے جائیں گے حتیٰ کہ ان کے رنگ درست ہو جائیں گے اور ان کے سینوں پر ایک سفید علامت ظاہر ہوگی جس کے ساتھ وہ پہچانے جائیں گے۔ جب ان کے رنگ ٹھیک ہو جائیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جو تم چاہتے ہو خواہش کرو۔ وہ خواہش کا اظہار کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کی خواہشات ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جو تم نے مانگا ہے اور ستر گنا اس کی مثل زائد بھی ہے۔ پس وہ جنت

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 191 (التجاریہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 162 (العلمیہ)

میں داخل ہوں گے تو ان کے سینوں پر سفید نشانی ہوگی جس کے ساتھ وہ پہچانے جائیں گے۔ ان کو اہل جنت کے مساکین کہا جائے گا۔

ابوالشیخ نے ابن المنکدر کے طریق سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اعراف کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آباء کی اجازت کے بغیر نافرمانی کرتے ہوئے نکلے اور اللہ کے راستہ میں قتل کئے گئے، جبکہ وہ اپنے والدین کے نافرمان تھے، تو والدین کی نافرمانی نے انہیں جنت میں داخل ہونے سے روکے رکھا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہونے سے بچ گئے۔

طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اصحاب اعراف کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے، یہ اپنے والدین کے نافرمان تھے۔ شہادت نے انہیں دوزخ میں داخل ہونے سے بچالیا اور والدین کی نافرمانی کے گناہ نے انہیں جنت میں داخل ہونے سے روک لیا۔ وہ لوگ جنت اور دوزخ کے درمیان والی دیوار پر ہوں گے حتیٰ کہ ان کے گوشت اور ان کی چربی پگھل جائے گی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا حساب کرلیں گے اور کوئی بھی اصحاب اعراف کے علاوہ باقی نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے طفیل انہیں جنت میں داخل فرمائے گا (1)۔

سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے اپنی اپنی تفسیر میں اور طبرانی نے اور حارث بن اسامہ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے عبدالرحمٰن المزنی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اصحاب اعراف کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا (2)۔ میں کہتا ہوں شاید آپ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی والدین کے نافرمان شہداء ہوں تاکہ دونوں احادیث میں تطبیق ہوجائے اور یہ بھی معلوم ہوجائے کہ والدین کے نافرمان شہداء بھی ان افراد میں سے ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔ تو ان لوگوں کا ذکر آپ نے بطور التمثیل فرمایا، بطور الحصر نہیں فرمایا جیسا کہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ ابن ابی داؤد اور ابن جریر نے ابن عمرو بن حزم بن جریر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اصحاب اعراف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کا آخر میں فیصلہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کا فیصلہ فرمالیں گے تو ارشاد فرمائیں گے تم وہ قوم ہو جن کو نیکیوں نے دوزخ سے نکالا، لیکن جنت میں داخل نہ ہوئے۔ اور تم آزاد ہو، کھاؤ (میری) جنت سے جہاں سے چاہو (3)۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں یہ مرسل حسن ہے۔ ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے دو سندوں سے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا گیا جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اصحاب اعراف ہیں جو جنت میں داخل نہ ہوں گے جبکہ ان کی خواہش ہوگی (4)۔ بیہقی نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو قیامت کے روز جمع فرمائے گا۔ جنتیوں کو جنت کا حکم ملے گا اور دوزخیوں کو دوزخ کا۔ پھر اصحاب اعراف کو ارشاد فرمائے گا تم کس چیز کے انتظار میں ہو؟ وہ عرض کریں گے ہم تیرے حکم کے منتظر ہیں۔ پھر ان کو ارشاد ہوگا تمہاری نیکیوں نے تمہیں دوزخ میں داخل ہونے سے بچایا اور تمہارے اور جنت کے درمیان تمہاری خطائیں حائل ہوگئیں پس تم میری مغفرت اور میری رحمت کے سبب جنت میں داخل ہوجاؤ (5)۔ سعید بن منصور، ابن جریر، ابوالشیخ، امام بیہقی، ہناد اور حذیفہ نے نقل فرمایا ہے کہ اصحاب اعراف وہ قوم ہیں جن کی برائیاں انہیں جنت میں لے جانے سے قاصر تھیں اور ان کی نیکیوں نے انہیں دوزخ میں داخل ہونے سے بچالیا۔ اس لئے وہ اس دیوار پر ہوں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ وہ

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 163 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، صفحہ 162

اسی اثنا میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق ان پر اپنا طلوع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا اٹھو اور جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے(1)۔ عبدالرزاق نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے فرمایا اصحاب اعراف وہ قوم ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی اور وہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار پر ہوں گے، جبکہ پہلے وہ جنت میں داخلہ کے متمنی ہوں گے اور پھر وہ بالآخر جنت میں داخل ہو جائیں گے(2)۔ امام بغوی نے اپنی سند سے سعید بن جبیر عن ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کا محاسبہ ہوگا۔ جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی۔ اگرچہ ایک ہی زیادہ ہوگی تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس کی برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں گی اگرچہ ایک ہی ہو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ پھر فرمایا میزان میں ہے کہ ایک دانہ کے برابر نیکیاں اور برائیاں اسے ہلکا اور بھاری کر دیتی ہیں۔ فرمایا نیکیوں اور برائیوں کی وجہ سے اصحاب اعراف پل پر ٹھہرے ہوئے ہوں گے اور پھر وہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو پہچانیں گے۔ جب وہ اہل جنت کو دیکھیں گے تو انہیں کہیں گے سلام علیکم اور جب دوزخیوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ لیکن نیکوکاروں کو ایسا نور عطا کیا جائے گا جو ان کے آگے اور دائیں طرف ہوگا اور وہ اس کی مدد سے چلیں گے اور اس دن ہر بندے پر نور چھایا ہوا ہوگا۔ جب پل صراط پر آئیں گے تو ہر منافق مرد اور منافق عورت کا نور سلب کر لیا جائے گا۔ پھر جب اہل جنت منافقین کو دیکھیں گے تو کہیں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما) لیکن اصحاب اعراف ان کا نور سلب نہیں کیا جائے گا لیکن ان کی برائیاں انہیں چلنے سے روک لیں گی۔ ان کے دلوں میں خواہش اور امید باقی ہوگی کیونکہ ان کے آگے سے نور سلب نہ ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ اور یہ امید اس نور کی وجہ سے ہوگی جو ان کے سامنے ہوگا پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے اصحاب اعراف ہوں گے(3)۔ لیکن ہناد نے جو مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اصحاب اعراف صالحین، فقہاء اور علماء کا گروہ ہیں(4) اور اعراف سے مراد جنت اور دوزخ کے درمیان کی دیوار ہے۔ شاید صالحین مومنین فقہاء و علماء سے مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا کہ ان کے گناہ ان کی نیکیوں کے برابر ہونگے یعنی ان کے اچھے اور بد اعمال ملتے جلتے ہوں، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرما دے۔ اور امام بیہقی نے ابو مجلز سے روایت نقل کی ہے کہ اعراف ایک بلند مقام ہے، جس پر ملائکہ میں سے مرد ہوں گے جو اہل جنت کو ان کی نشانیوں سے اور دوزخیوں کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے(5)۔ یہ روایت درست نہیں کیونکہ ملائکہ کو مرد نہیں کہا جاتا۔ جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رجال (مردوں) کا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح ہم نے جو اس کے علاوہ احادیث روایت کی ہیں وہ بھی اس روایت کا رد کرتی ہیں۔ اور بعض علماء نے یہ فرمایا کہ وہ اصحاب اعراف انبیاء یا اولیاء یا شہداء میں سے ہوں گے جو اہل جنت اور اہل دوزخ کا مشاہدہ کریں گے اور دونوں فریقوں کے حالات سے آگاہ ہوں گے، لیکن اس قول کو بھی ہماری ذکر کردہ احادیث رد کرتی ہیں اور وہ آیات بھی اس کی تردید کرتی ہیں جو آئندہ ذکر کی جائیں گی اور بعض علماء نے فرمایا اصحاب اعراف سے مراد مشرکین کے بچے ہیں لیکن اس قول کے رد کیلئے آیت کا کلمہ رجال کافی ہے۔

؎ وہ اصحاب اعراف مومنین اور کفار کے ہر گروہ کو ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے۔ اہل جنت کو وہ ان کے چہروں کی سپیدی سے اور کفار کو ان کے چہروں کی کالک سے پہچان لیں گے۔ یہ سیما مشتق ہے سام ابلہ سے، جس کا معنی ہے فلاں نے اپنا اونٹ نشان لگا

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 162 (العلمیہ)
2۔ ایضاً، صفحہ 164-65
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 92-191 (التجاریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 164 (العلمیہ)
5۔ ایضاً

کر چراگاہ میں چھوڑ دیا یا یہ وسم علی القلب سے مشتق ہے جیسے جاہ، کو الوجہ سے بنایا گیا ہے۔

ہے اصحاب اعراف جنتیوں کو کہیں گے۔ یعنی جنتی ان کی طرف دیکھیں گے تو وہ انہیں سلام کہیں گے۔

لے وہ اصحاب اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے لیکن آگ کے عذاب سے بچ جانے کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں ان کی طمع اس عزت کی وجہ سے ہوگی جو انہیں عطا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے(1)۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اعراب میں اس کا کوئی محل نہیں ہے۔ گویا سائل اصحاب اعراف کے متعلق سوال کرتا ہے تو فرمایا لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ۔ (وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں گے) اور یہ ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ یہ جملہ نادوا کی ضمیر سے حال ہو یا رجال کی صفت ہو۔ اور جو مفسرین کہتے ہیں کہ اصحاب اعراف سے مراد انبیاء اور ملائکہ ہیں تو وہ اس جملہ کو نادوا کے مفعول سے حال بناتے ہیں۔

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

"اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ لوگوں کے ساتھ۔ لے"

لے اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ کوئی اور ان کی آنکھیں پھیرنے والا ہوگا تاکہ وہ دیکھیں اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں۔ تلقاء ظرف ہے۔ جب وہ اصحاب اعراف دوزخیوں کو عذاب میں مبتلا دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں کافروں کے ساتھ آگ میں جمع نہ فرما۔ اس آیت کریمہ کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصحاب اعراف خوف و امید کی کیفیت میں ہوں گے اور یہ چیز اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ انبیاء، شہداء اور صلحاء کی یہ جماعت متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

"اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے (انہیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس ساز و سامان نے) جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے۔ لے"

لے یعنی اصحاب اعراف ان لوگوں کو پکاریں گے جو دنیا میں سردار اور رئیس تھے جنہیں وہ ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے اور انہیں کہیں گے اے منکرو تمہیں تمہاری کثرت، تمہارے معاونین، تمہاری اولاد اور مال کے ڈھیروں نے کوئی نفع نہ دیا۔ اور نہ تمہیں نفع دیا اس چیز نے جس کی بناء پر تم خالق اور مخلوق سے تکبر کرتے تھے۔ کلبی کہتے ہیں اصحاب اعراف دیوار کے اوپر سے پکاریں گے اے ولید بن مغیرہ، اے ابوجہل بن ہشام، اے فلاں پھر وہ دیکھیں گے جنت کی طرف تو وہاں فقراء و ضعفاء کو دیکھیں گے جن کے ساتھ دنیا میں استہزاء اور مذاق کیا جاتا تھا مثلاً حضرت سلمان فارسی، صہیب رومی، جناب بلال اور اس کی مثل دوسرے درویش صفت انسان(2)۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 193 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 193 (التجاریہ)

أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

"(اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے (دیکھو انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے۔ ۱؎"

۱؎ کیا یہ کمزور لوگ وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت عطا نہیں فرمائے گا پھر اہل اعراف کو کہا جائے گا۔ جنت میں داخل ہو جاؤ تم پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اصحاب اعراف کی کلام ہو، یعنی یہی وہ غریب لوگ ہیں جن کے بارے تم قسمیں اٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے کچھ عطا نہیں کرے گا حالانکہ انہیں تو یہ حکم مل گیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ امام بغوی فرماتے ہیں اس آیت کے متعلق ایک دوسرا قول بھی ہے۔ اصحاب اعراف جب دوزخیوں سے یہ گفتگو کریں گے تو دوزخی اصحاب اعراف کو کہیں گے۔ وہ تو جنت میں چلے جائیں گے لیکن تم تو جنت میں داخل نہ ہوئے۔ پس دوزخی اصحاب اعراف کو عار دلائیں گے اور قسمیں اٹھائیں گے کہ اصحاب اعراف دوزخ میں داخل ہوں گے پس وہ ملائکہ جو اصحاب اعراف کو دوزخیوں سے گفتگو کرنے کیلئے پل صراط پر روکے ہوئے ہوں گے، کہیں گے اے دوزخیو! یہ وہی اصحاب اعراف ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے کچھ نہیں عطا فرمائے گا۔ پھر ملائکہ اصحاب اعراف کو کہیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ تم پر کوئی خوف نہیں اور تم غمگین ہو گے۔ پس اصحاب اعراف یہ حکم ملتے ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے (1)۔ امام بغوی فرماتے ہیں حضرت عطاء نے فرمایا کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب اصحاب اعراف جنت میں داخل ہوں گے تو دوزخی بھی کچھ کشادگی کی امید کریں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے رب۔ اہل جنت سے ہمارے کچھ رشتہ دار ہیں، اجازت ہو تو ہم ان کی زیارت کر لیں اور ان سے کچھ بات چیت کر لیں۔ دوزخی اپنے رشتہ داروں کو جنت اور ان کی گوناں گوں نعمتوں میں شاداں و فرحاں دیکھیں گے۔ یہ دوزخی تو انہیں پہچان لیں گے لیکن جنتی لوگ ان کے چہروں کی سیاہی کی وجہ سے پہچان نہ سکیں گے۔

وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

"اور آواز دیں گے دوزخی جنتیوں کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے ۱؎ جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر ۲؎۔"

۱؎ یعنی دوزخی جنتیوں کے نام لے لے کر پکاریں گے اور انہیں اپنی رشتہ داری یاد دلائیں گے (2) اور کہیں گے کہ ہم پر کچھ پانی بہاؤ اور ان شرابوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہیں۔ یا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ سے مراد جنت کے دوسرے کھانے ہیں۔ اور یہ عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَ مَآءً بَارِدًا کے قبیل سے ہے۔ یعنی جس طرح ماء باردا سے پہلے فعل محذوف ہے اسی طرح مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ سے پہلے بھی فعل محذوف ہے۔

۲؎ جنتی کہیں گے یہ پانی اور کھانا دونوں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دیئے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 193 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کو روک دیا ہے جیسے مکلّف کو ممنوع چیز سے روک دیا جاتا ہے۔ تفسیر مدارک میں یہ تحریم منع کے معنی میں ہے جیسے حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ میں ہے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح یہ قول بھی ہے (1) وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ اور ناممکن ہے اس بستی کے لئے جسے ہم نے برباد کر دیا کہ اس کے باشندے پھر لوٹ کر آئیں۔ ابن ابی الدنیا اور الضیاء نے صفۃ النار میں حضرت زید بن رفیع سے روایت کیا ہے کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل ہوں گے تو ایک زمانہ آنسوؤں کے ساتھ روئیں گے پھر کچھ مدت پیپ کے آنسو بہائیں گے۔ دوزخ کے داروغے کہیں گے، اے بدبختو! دنیا میں تم نہ روئے کیا کوئی ہے آج جس سے تم مدد طلب کرو۔ تو وہ پکاریں گے اے جنتیو! اے ہمارے آباء و امہات، اے ہمارے بیٹو، ہم اپنی قبور سے پیاسے نکلے ہیں اور ہم موقف کا طویل وقت بھی پیاسے رہے اور آج بھی ہم پیاسے ہیں۔ ہم پر کچھ تو پانی انڈیل دو یا وہ عطا کر دو جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ وہ چالیس (سال، دن مہینے، دن) پکارتے رہیں گے لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملے گا پھر انہیں جواب ہو گا تم ہمیشہ اس عذاب و کرب میں مبتلا رہو گے۔ پس وہ یہ سن کر ہر خیر سے مایوس ہو جائیں گے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے ایک شخص اپنے بھائی سے کہے گا اے میرے بھائی میری مدد کیجئے میں جل رہا ہوں بھائی کہے گا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر پانی اور کھانا حرام کر دیا ہے۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

"جنہوں نے بنالیا تھا اپنے دین کو کھیل اور تماشا۔ اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا انہیں دنیا کی زندگی نے ۲ سو آج فراموش کر دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے اس دن کی ملاقات کو اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ ۳"

۱۔ الکافرین کی صفت ہونے کے اعتبار سے مجرور ہے یا بطور ذم مرفوع یا منصوب ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنایا مثلاً خود ہی بحیرہ اور اس جیسے دوسرے جانوروں کو حرام قرار دے دیا۔ بیت اللہ شریف کے ارد گرد سیٹیاں اور تالیاں بجانا، ننگے بدن طواف کرنا۔ مردار کھانا، تیروں کے ذریعے تقسیم کرنا، اس کے علاوہ دوسرے امور جو وہ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عید کو کھیل، تماشا بنایا تھا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں لہو کا معنی یہ ہے کہ ایسا کام کرنا جس کا کرنا اچھا نہ ہو اور لعب کا معنی ایسی خوشی طلب کرنا جس کا طلب کرنا اچھا نہ ہو (2)۔

۲۔ اور وہ آخرت کو بھول گئے اور یہ کہنے لگے کہ دنیوی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی ہے ہی نہیں۔ خیر و شر سب اس دنیا میں ہے۔ آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

۳۔ یعنی قیامت کے روز ہم انہیں آگ میں ڈال لیں گے اور ایسے چھوڑ دیں گے جیسے بھولنے والا کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اور ہم بھی انہیں ایسا ہی فراموش کریں گے جیسا کہ انہوں نے اس ملاقات کے دن کو فراموش کیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس دن کو نفع پہنچانے والے اعمال صالحہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ یعنی وہ ان آیات کو منزل من اللہ

1۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ، جلد 4، صفحہ 228 (العلمیہ) 2۔ ایضاً

مانتے ہی نہ تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

''اور بیشک لے آئے ہم ان کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کردیا ہے (اپنے) علم (کامل) سے دراں حالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کیلئے جو ایمان لاتے ہیں۔ [1]''

[1] یعنی ہم ان کے پاس کتاب قرآن حکیم لے آئے۔ جس کے معانی کو ہم نے بیان کردیا ہے اور حلال، حرام، وعظ ونصیحت اور قصص وغیرہ کو نہایت واضح طریقہ پر بیان کردیا ہے اور اس میں عقائد حقہ کو عقائد باطلہ سے بالکل ممتاز کردیا ہے دراں حالیکہ ہم اس کی تفصیل کی وجہ کو جانتے بھی ہیں حتیٰ کہ اس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہے یا یہ معنی کہ ہم نے اس کی تفصیل کی ہے اپنے بندوں کی مصلحتوں کے مطابق۔ علی علم ترکیب کلام میں فصلناہ کے فاعل سے حال ہے۔ یا علی علم کا یہ معنی ہے کہ ہم نے قرآن کو واضح کیا ہے دراں حالیکہ یہ قرآن علم پر مشتمل ہے۔ اس صورت میں یہ فصلناہ کی ضمیر مفعول سے حال ہوگا اور هدی و رحمة لقوم يومنون فصلناه کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

''کافر کس چیز کے منتظر ہیں؟ یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے [1]۔ جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام [2] تو کہیں گے جو بھلائے ہوئے تھے اسے اس سے پہلے کہ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے رسول حق (پیغام) [3] تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ سفارش کریں ہمارے لئے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے [4] تا کہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے [5] بے شک انہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ [6] کو اور گم ہوگیا ان سے جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے۔''

[1] کیا وہ قرآن پر ایمان لانے میں انتظار کررہے ہیں کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی صداقت ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو وعدے اور وعید کئے گئے تھے وہ یکے بعد دیگرے پورے ہو چکے۔ ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ کفار کی ہلاکت وتباہی کی جو پیش گوئی کی گئی اور مومنین کے انجام خیر کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا ہو جائے گا تو پھر وہ ایمان لائیں گے۔ مجاہد فرماتے ہیں تاویل کا معنی جزاء ہے۔

[2] جزاء کا دن اور ان کے انجام کا دن آئے گا۔ اس دن سے مراد ان کی موت کا دن ہے یا قیامت کا دن ہے۔

[3] اس دن کہیں گے جو اس سے پہلے قرآن کو بھلا چکے تھے اور اس پر ایمان نہ لائے تھے کہ ہمارے رب کے پیغمبر حق کے ساتھ تشریف لائے تھے لیکن یہ کفار کا اعتراف اس وقت ہوگا جب ان کا اعتراف ان کے لئے کچھ مفید نہ ہوگا۔

[4] او نردّ۔ ماقبل جملہ پر معطوف ہے اور استفہام کے حکم میں داخل ہے۔ گویا یوں ارشاد ہے کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے گا۔

۱؎ استفہام ثانی کا جواب ہے، یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی توحید تسلیم کریں گے اور شرک اور دوسرے جرائم سے اجتناب کریں گے۔
۲؎ کفر میں اپنی عمروں کو ضائع کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔
۳؎ اور گم ہو گیا ان سے جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فلاں کا حکم دیا ہے یا وہ جو شریک الٰہی کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾

"بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں ۱؎ پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ۲؎ ڈھانکتا ہے رات سے دن کو ۳؎ درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے ۴؎ اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے ۵؎ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا ۶؎ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو ۷؎"

۱؎ بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے دنیا کے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ بعض علماء فرماتے ہیں چھ ایام سے مراد آخرت کے ایام ہیں، جس کا یوم ہزار سال کا ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو چشم زدن میں پیدا فرما دیتا لیکن امور میں آہستگی اور پختگی کی تعلیم دینے کے لئے ان کو چھ ایام میں پیدا فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ تدریج اور آہستگی رحمٰن کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے ہے(1) اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

۲؎ امام بغوی فرماتے ہیں معتزلہ استواء کی استیلاء یعنی غلبہ سے تاویل کرتے ہیں اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں استواء علی العرش اللہ کی صفت ہے لیکن اس کی کیفیت ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ اس پر ایمان لانا مومن پر واجب ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ حضرت امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر کس طرح استواء فرمایا اور اس کے استواء کی کیا کیفیت ہے؟ آپ نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر فرمایا ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر استواء فرمایا لیکن اس کی کیفیت ہماری عقل سے وراء ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے ایک گمراہ شخص خیال کرتا ہوں پھر آپ نے اسے مجلس سے نکالنے کا حکم دیا۔

حضرت سفیان ثوری، اوزاعی، الیث بن سعید، سفیان بن عیینہ اور حضرت عبداللہ وغیرہ علماء اہل سنت سے ان آیات صفات کے متعلق یہ مروی ہے کہ ان کو بلا کیف ماننا چاہئے جس طرح یہ وارد ہیں۔ عرش کا لغوی معنی بادشاہ کا تخت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا جسم ہے اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی تخلیقات سے ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا معزز ہے کیونکہ یہ مختلف تجلیات الٰہیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے اسے رحمٰن کا عرش کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت شرف و تکریم کے لئے ہے جیسے کعبہ کو اسم الٰہی کی طرف مضاف کر کے بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق وارد احادیث و اخبار ہم نے آیت الکرسی میں سورۂ بقرہ کے اندر ذکر کر دی ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد2، صفحہ195 (التجاریہ)

۳؎ یعنی رات کو دن سے ڈھانکتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ دن سے رات کو ڈھانکتا ہے، یا تو اس لئے کہ یہ امر معلوم ہے کہ ایسا بھی وہ کرتا ہے یا اس لئے کہ لفظ دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں اس کلام میں یغشی النھار اللیل حذف ہے۔ کلام کی دلالت کی وجہ سے اسے ذکر نہیں فرمایا(1) حمزہ، کسائی، ابو بکر اور یعقوب نے یہاں اور سورۂ رعد میں تکرار پر دلالت کرنے کے لئے یغشی کو شین کی شد کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۴؎ دن رات کو تیزی سے طلب کرتا ہے چونکہ جب ایک دوسرے کے پیچھے آتا ہے تو گویا وہ اس کو طلب کرتا ہے حثیثاً مصدر محذوف کی صفت ہے یا یہ حاثا کے معنی میں فاعل سے حال ہے یا محثوثاً کے معنی میں مفعول سے حال ہے۔

۵؎ سورج، چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا، وہ سب اس کے حکم اور تصرف کے پابند ہیں۔ ابن عامر نے چاروں اسماء کو مبتداء اور خبر کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے اور باقی قراء نے السموات پر عطف کی بناء پر منصوب پڑھا ہے اور مسخرات کو حال ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے سورۂ نحل میں بھی اسی طرح پڑھا گیا ہے۔

۶؎ تمام مخلوق کا خالق وہی ہے اور کوئی خالق نہیں ہے اور سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جیسا چاہتا ہے حکم کرتا ہے، کسی دوسرے کو اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں خلق سے مراد عالم جسمانیات ہے، یعنی عرش اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے نیچے میں ہے اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں کے درمیان ہے اور ان کے عناصر اربعہ آگ، ہوا، پانی اور مٹی اور جو کچھ ان سے نفوس حیوانیہ، نباتیہ اور معدنیہ پیدا ہوتے ہیں، یہ اجسام لطیف ہیں اور اجسام کثیفہ میں رواں ہیں اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں، یعنی قلب، روح، خفی اور اخفی اور یہ عرش سے بھی وراء ہیں اور یہ انسانی، ملکی اور شیطانی نفوس میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہیں جیسے شیشہ میں سورج۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مادہ کے محض امر کن سے پیدا فرمایا ہے، اس لئے انہیں عالم امر کہا جاتا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں سفیان بن عیینہ نے فرمایا عالم خلق اور امر میں فرق ہے، جس نے ان کو جمع کیا اس نے کفر کیا(2)

۷؎ الوہیت اور ربوبیت میں منفرد اور بلند و برتر ہے۔ تبارک، برکۃ سے مشتق ہے جس کا معنی بڑھوتری اور زیادتی ہے اور اس کے لوازم میں سے عظمت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے وہ برکت دیتا ہے اور برکت اس کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ابن عباس سے اس کا یہ معنی مروی ہے وہ ہر برکت کو لایا ہے۔ حضرت الحسن فرماتے ہیں برکت اس کی جناب سے ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا اس کا معنی پاکیزہ اور مطہر ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے ہر چیز میں اس کے نام سے برکت ہے۔ صرف تبارک اللہ کہا جاتا ہے علی اللہ المبارک نہیں کہا جاتا کیونکہ اسماء الٰہیہ میں توقیف کا اعتبار کیا جاتا ہے(3)

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

"دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے ۱؎ اور آہستہ آہستہ ۲؎ بے شک اللہ (تعالیٰ) نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو ۳؎"

۱؎ یعنی اپنے رب کا ذکر کرو اور اس کی عبادت کرو اور اسی سے اپنی حاجات و مشکلات کے حل کا سوال کرو۔ تضرعاً ادعوا کے فاعل سے حال ہے، یعنی اپنی حاجات کا سوال کرو تو گڑگڑاتے ہوئے۔ یہ باب تفعل کا مصدر ہے اور یہ ضرع الرجل ضراعۃ سے مشتق ہے، جس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 197 (التجاریہ)		2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 198 (التجاریہ)		3۔ ایضاً

کا معنی کمزور ہونا اور ذلیل ہونا ہے۔ قاموس میں ضرع الیہ کا معنی خضع' ذل اور استکان لکھا ہے، جس کا معنی عاجز ہونا ہے۔

ؔ خفیۃ کو ابو بکر نے خاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ذو اخفا یا مخفین ہے یعنی آہستہ آہستہ دعا مانگنے والے۔ اخفاء اخلاص کی دلیل ہے اور سری ذکر میں ریاء اور دکھلاوا کا امکان بھی بہت کم ہوتا ہے۔ ذکر مطلقاً عبادت ہے خواہ جہراً ہو یا سراً ہو بشرطیکہ جہری ذکر میں ریا کاری کے زہر کی ملاوٹ نہ ہو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں(1) (متفق علیہ) یہ حدیث پاک ذکر بالجہر اور ذکر خفی دونوں پر دلالت کرتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث پاک ذکر بالجہر کی فضیلت کو ظاہر کرتی ہے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو محفل میں ذکر کرنے کو اللہ تعالیٰ کے اسے اپنے نفس میں ذکر کرنے پر فضیلت نہیں ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ اس کلام لذت کو صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے، جس نے شراب عشق کا جام پیا ہو نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر الٰہی کرو۔ میں تشبیہ جہر میں نہیں بلکہ کثرت ذکر میں ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ذکر سری افضل ہے اور ذکر جہری بدعت ہے لیکن مخصوص مقامات پر، جبکہ ذکر جہری کی ضرورت ہو جیسے اذان' اقامت' تکبیرات تشریق وغیرہ۔ اسی طرح امام کا نماز کا انتقال ارکان میں بلند آواز سے تکبیر کہنا' مقتدی کا نائب کی حیثیت سے بلند آواز میں تکبیر کہنا، حج میں تلبیہ کہنا وغیرہ۔ امام ابن الہمام نے ہدایہ کے حواشی میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ تکبیرات تشریق میں حضرت ابن مسعود کے قول کو لیتے تھے کہ آپ نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیرات کہتے تھے۔

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد حضرت علی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے کہ آپ نویں کی فجر کے بعد ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک پڑھتے تھے۔ اس کو بھی ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ محمد بن حسن نے امام ابو حنیفہ سے اپنی سند کے ساتھ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن الہمام فرماتے ہیں جنہوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے، انہوں نے ترجیح کے مقتضی کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس میں اختلاف بلند آواز کے ساتھ پڑھنے میں ہے، نہ کہ نفس ذکر میں ہے اور اذکار میں اصل اخفاء ہے اور جہر بدعت ہے۔ پس جب جہر میں تعارض پایا گیا تو اخفاء ترجیح یافتہ ہو جائے گا۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ سری ذکر کرنے والا افضل ہے اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور ان کی اتباع میں حضرت الحسن کا قول بھی ہے۔ سری دعا اور اعلانیہ دعا میں ستر گنا فرق ہے۔ مسلمان دعا میں پوری کوشش کرتے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ صرف ان کی اپنے رب سے مناجات ہوتی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک صالح کا ذکر فرمایا اور اس کے فعل پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا تو فرمایا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث بھی ذکر خفی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر ذکر خفی ہے اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے(2) اس حدیث کو ابن حبان، امام احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی جنگ کی تو لوگ ایک وادی سے گذرنے لگے تو انہوں نے تکبیر بلند آواز سے کہنی شروع کر دی آپ ﷺ نے فرمایا اپنے نفسوں کو سکون

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 341 (قدیمی)   2۔ شعب الایمان، جلد 1، صفحہ 407 (العلمیہ)

دو۔ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اسے پکار رہے ہو جو سمیع بھی ہے اور قریب بھی (1)' اس حدیث کو امام بغوی نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اگرچہ یہ حدیث ذکر خفی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے لیکن اربعوا علی انفسکم کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جہر سے منع اور اخفا کا حکم بطور شفقت فرمایا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر بالجہر اصلاً جائز ہی نہیں ہے۔ اسی طرح خیر الذکر الخفی کہ (بہتر ذکر خفی) کا یہ بھی مفہوم نہیں کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے۔

فصل:۔ ذکر کے تین مراتب ہیں 1۔ ذکر بالجہر (یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا) یہ اجماعاً مکروہ ہے۔ ہاں اگر کوئی مصلحت یا ضرورت ہو تو اس وقت ذکر بالجہر ذکر بالاخفاء سے افضل ہوگا جیسے آذان اور تلبیہ وغیرہ۔ شاید سلسلہ چشتیہ عالیہ کے صوفیاء قدس الله اسرارھم نے مبتدی کے لئے ایک حکمت کی خاطر ذکر بالجہر کو پسند کیا ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ شیطان دور ہو جائے، طالب مولا غفلت ونسیان کی نیند سے بیدار ہو جائے اور دل میں حرارت پیدا ہو اور ریاضت کے ساتھ عشق ومحبت کی آگ بھڑک اٹھے لیکن ان کے نزدیک بھی ریا کاری' نمود ونمائش سے احتراز شرط ہے۔ 2۔ ذکر کی دوسری قسم سراً ذکر باللسان (یعنی آہستہ آہستہ زبان میں ذکر کرنا) ہے۔(2) حضور نبی رحمت ﷺ کے ارشاد لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا میں ذکر سے یہی مراد ہے یعنی تیری زبان ہر وقت ذکر الٰہی سے تر رہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کونسا عمل افضل ہے۔؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہو تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں پر پھرتے رہتے ہیں اور اہل ذکر کی مجالس کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جب کسی قوم کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں ادھر آؤ، تمہارا مقصود ادھر ہے۔ فرمایا وہ فرشتے ان لوگوں کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے ان لوگوں کے متعلق پوچھتے ہیں حالانکہ وہ ان سے پہلے بھی باخبر ہے۔ میرے بندے کیا کر رہے تھے۔ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تیری تسبیح' تہلیل اور بزرگی وبڑائی بیان کر رہے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرمایا وہ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں اللہ کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ مجھ کو دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو پہلے کی بہ نسبت زیادہ تیری عبادت کرتے اور تیری تسبیح وتمجید اور زیادہ کرتے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں وہ کیا مانگ رہے تھے، فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت کا سوال کر رہے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں قسم بخدا انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا۔ فرمایا اللہ پوچھتے ہیں اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو اس کی مزید طلب کرتے اور زیادہ رغبت کرتے۔ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں وہ دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے؟ فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں قسم بخدا اے پروردگار انہوں نے دوزخ نہیں دیکھی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ دوزخ دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی، فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ لیتے تو اس سے بہت زیادہ ڈرتے اور خوفزدہ ہوتے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اے فرشتو) تم گواہ رہو، میں نے ان سب کو بخش دیا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 199 (التجاریہ)   2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 173 (قدیمی)

ہے۔ فرمایا ایک فرشتہ کہتا ہے ان میں ایک ایسا شخص تھا جو ان میں ذکر کے لئے نہیں بلکہ اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ جن کے ساتھ بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا(1) اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ 3۔ ذکر کی تیسری صورت قلب، روح اور نفس کے ساتھ ذکر کرنا ہے، جس میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ وہ ذکر خفی ہے جس کو (الحفظة) کندھوں پہ بیٹھے ہوئے فرشتے بھی نہیں سنتے۔ ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذکر خفی جسے فرشتے بھی نہیں سنتے اسے ستر گنا فضیلت ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو حساب کے لئے جمع فرمائے گا اور اعمال لکھنے والے فرشتے اپنا لکھا ہوا لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے دیکھو اس کے اعمال میں سے کچھ رہ تو نہیں گیا۔ وہ عرض کریں گے ہم نے جو کچھ محفوظ کیا تھا اور وہ جو کچھ معلوم ہے کیا وہ سب ہم نے لکھ لیا ہے اور شمار کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے میرے اس بندے کی ایسی نیکیاں بھی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے اور ان کے بارے میں تمہیں بتاتا ہوں، وہ ذکر خفی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ وہ ذکر ہے جس میں نہ انقطاع ہے اور نہ کمزوری ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں معتدین سے مراد دعا میں تجاوز کرنیوالے ہیں مثلاً کوئی انبیاء کرام کی منازل کا سوال کرے یا آسمان پر چڑھنے کی دعا کرے یا وہ موت سے پہلے جنت میں داخل ہونے کی دعا کرے۔ اس قسم کے دوسرے سوال جو عقلاً اور عادۃً محال ہوں یا ایسے امور کا سوال کرے جن کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ امام بغوی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا اے اللہ جب تو مجھے جنت میں داخل کرے تو میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں۔ عبداللہ بن مغفل نے فرمایا اے بیٹے جنت کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور اللہ تعالیٰ سے دوزخ سے بچاؤ کی دعا کر کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے(2) ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت سعد کی حدیث میں آپ ﷺ کا قول نقل فرمایا ہے کہ ایسے لوگ ہوں گے جو حد سے تجاوز کریں گے۔ انسان کے لئے یہ کہنا کافی ہے اے اللہ میں تجھ سے جنت کا اور ایسے قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کر دے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ سے اور ایسے عمل سے جو دوزخ کے قریب کر دے۔ ابو یعلیٰ فرماتے ہیں مجھے یہ معلوم نہیں حسب المرء الخ انسان کے لئے کہنا کافی ہے، آخر تک کے الفاظ حضرت سعد کے ہیں یا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ عطیہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مومنین کے لئے بددعائیں کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں اے اللہ ان پر لعنت کر، اے اللہ ان پر لعنت کر۔ ایسی بددعا کرنیوالے رافضی ہیں جو صحابہ کرام اور اہل بیعت پر تبرا کرتے ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں اعتداء سے مراد بلند آواز سے چیخ چیخ کر دعائیں کرنا ہے جیسا کہ ابو موسیٰ کی حدیث میں گزرا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے نفسوں کو سکون دو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ میں کہتا ہوں اعتداء سے مراد حدود شرع سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ اعتداء کی تمام صورتوں کو شامل ہے جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے یا کوئی ان کے علاوہ ہیں مثلاً کوئی ایسی دعا مانگتا ہے جس میں گناہ ہے یا قطع رحمی ہے یا کہتا ہے میں نے دعا کی اور قبول نہیں ہوئی یا اللہ تعالیٰ کے ایسے اسماء کے ساتھ دعا مانگتا ہے جو شریعت میں وارد ہی نہیں یا یہ کہتا ہے کہ میں دعا کرتا ہوں اور میری دعا قبول کی جاتی ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 948 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 199 (التجاریہ)

اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

"اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد[1] اور دعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے[2] بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکوکاروں سے[3]"

[1] کفر، معاصی، بغاوت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ کی طرف دعوت دے کر زمین میں فساد برپا نہ کرو۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرما کر، شریعت کو بیان فرما دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ بھی واضح فرما دیا ہے اور دعا میں حد سے تجاوز کرنے کی نہی کے ساتھ اصلاح فرما دی ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں حسن، سدی، ضحاک اور کلبی نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ عطیہ فرماتے ہیں زمین میں نافرمانیاں نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بارش روک دے گا اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہاری کھیتیاں ہلاک کر دے گا۔ اس صورت میں بعد اصلاحھا کا معنی یہ ہوگا کہ اس نے پہلے بارش برسا کر اور اسے شادابی عطا کر کے اس کی اصلاح فرما دی ہے(1)۔

[2] اور دعا مانگو خوف و امید کی حالت میں یعنی ایک طرف اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور عدم استحقاق کی وجہ سے دعا کے رد ہونے کا خوف ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت واسعہ اور فضل و احسان کی وجہ سے قبولیت کی امید بھی ہو۔

[3] اس جملہ میں امید کو ترجیح دی گئی ہے اور جس چیز سے دعا کی قبولیت ہوتی ہے اس سے بھی آگاہ کیا گیا ہے (کہ اگر تم اطاعت گذار اور وفا شعار ہوگے، رحمت الٰہی تمہیں مایوس نہیں لوٹائے گی) نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس کریم اور سخی ذات کا دعا کو رد کرنا صرف اور صرف تمہاری بداعمالیوں اور ترک حسنات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، بال پراگندہ اور رخ پرغبار ہے، آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے یا رب یا رب کی صدائیں لگاتا ہے، جبکہ اس کا کھانا بھی حرام ہے، پینا بھی حرام ہے اور لباس بھی حرام ہے اور جو پیٹ میں غذا ہے وہ بھی حرام ہے پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی(2) اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ مسلم اور ترمذی نے دوسرے الفاظ میں بھی ابوہریرہ سے روایت کی ہے فرمایا بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ مانگے اور جلدی نہ کرے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ جلدی کرنے کا کیا مطلب ہے فرمایا وہ کہے میرا خیال تو نہیں کہ میری دعا قبول کی جائے گی پھر تھک جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے(3) امام احمد نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل برتنوں کی مانند ہیں اور بعض بعض سے زیادہ چیزوں کو محفوظ کرنے والے ہیں۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اے لوگو! قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی غافل دل بندے کی دعا قبول نہیں فرماتا(4)۔ ترمذی میں ابوہریرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ پہلے آپ نے ذکر کیا ہے کہ دعا مانگنے والے کو یہ نہ کہنا چاہئے کہ میری دعا یقیناً قبول ہوگی اور اس حدیث میں ہے کہ قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگو تو پھر ان دونوں احادیث میں تطبیق کیسے ہوگی؟ میں کہتا ہوں یقین کے ساتھ دعا مانگنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سخی اور کریم ہے، اس سے بخل متصور ہی نہیں ہے، عدم قبولیت صرف تمہاری غفلت اور معصیت کی وجہ سے ہے پس قبولیت کی امید اور قبولیت کا یقین اس کی رحمت اور اس کی سخاوت کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے ہے اور قبولیت کا یقین نہ ہونا اور رد کا خوف اپنے اعمال کی شامت کی بناء پر ہو اس لئے ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ یہاں رحمت اسم مونث ہے اور قریب خبر مذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت بمعنی رحم ہے (جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اقرب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 199 (التجاریہ)　2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 328 (صادر)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 353 (صادر)　4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 86 (قدیمی)

رحما) اور صفت معنی کی طرف رجوع کرتی ہے یا یہ محذوف کی صفت ہے، یعنی اصل میں امر قریب ہے یا مذکر کی طرف اضافت کی وجہ سے یا اس کو فعیل کے وزن کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے جو مصدر ہے جیسے نقیض یا قربت نسبی اور دوسری قربت کے درمیان فرق کرنے کے لئے اس کو مذکر لایا گیا ہے۔ ابو عمرو بن العلاء کہتے ہیں قریب کبھی قرابت نسبی اور کبھی قرابت مکانی کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے نسبی قرابت کے لئے استعمال ہو تو تذکیر و تانیث میں موافقت ضروری ہوتی ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں هذه امرأة قريبة۔ اور جب قرب مکانی اور مسافت کے لئے استعمال ہو تو تذکیر و تانیث دونوں طرح جائز ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

"اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے [1] اپنی رحمت (بارش) سے پہلے [2] یہاں تک کہ جب وہ اٹھالاتی ہیں [3] بھاری بادل [4] تو ہم لے جاتے ہیں [5] اسے کسی ویران شہر کی طرف [6] پھر ہم اتارتے ہیں اس سے پانی پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ [7] ہر قسم کے پھل [8] اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تا کہ تم نصیحت قبول کرو [9]"

[1] ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے مفرد الریح پڑھا ہے۔ جبکہ دوسرے قراء نے جمع پڑھا ہے۔ بشرا کو عاصم نے با مضمومہ اور شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بشر (بضم شین) کی تخفیف ہے اور یہ بشیر کی جمع ہے، یعنی وہ بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الریاح مبشرات' نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے نون مضموم اور شین کے ضمہ کے ساتھ نشور کی جمع کے طور پر پڑھا ہے اور بمعنی ناشر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا

حمزہ اور کسائی نے ہر جگہ نون مفتوح اور شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، اس بناء پر کہ یہ مصدر ہے بمعنی ناشر حال واقع ہو رہا ہے یا مفعول مطلق ہے کیونکہ ارسل اور نشر قریب المعنی ہیں۔

[2] اپنی نعمت (بارش) سے پہلے کیونکہ باد صبا بادل کو اٹھاتی ہے اور باد شمال اسے جمع کرتی ہے اور جنوبی ہوائیں اسے برساتی ہیں اور مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی ہوائیں (دبور) اسے بکھیرتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے راحت ہے، یہ رحمت اور عذاب لاتی ہیں۔ جب تم ان کو دیکھو تو انہیں برا بھلا مت کہو اور اللہ تعالیٰ سے ان کی خیر طلب کرو اور ان کے شر سے پناہ مانگو(1) اس حدیث کو بخاری نے الادب المفرد میں، ابوداؤد، حاکم، عبد الرزاق اور بغوی نے الشافعی کے طریق سے روایت کی ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

[3] یہاں تک کہ ہوائیں جب اٹھالاتی ہیں یہ القلة سے مشتق ہے کیونکہ المقل للشئی وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو اٹھانے والا ہوتا ہے۔

[4] پانی سے بھرے ہوئے بادل ثقال جمع ذکر فرمایا کیونکہ سحاب، سحائب کے معنی میں ہے۔

[5] سقناہ میں ضمیر کا مرجع السحاب ہے۔ ضمیر مفرد اس کے لفظ کے اعتبار سے ذکر فرمائی ہے۔

[6] کسی شہر کے لئے یا کسی شہر کو سرسبز و شاداب کرنے کے لئے یا اسے سیراب کرنے کے لئے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہاں لام بمعنی الی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 200 (التجاریہ)

ہے۔ میت کو نافع، حمزہ، کسائی اور حفص نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے میت سے مراد وہ شہر ہے جس میں کوئی پودا اور سبزہ نہ ہو۔

ے فانزلنا بہ میں ہ ضمیر کا مرجع بلد ہے اور باسببیہ ہے۔ یا ضمیر کا مرجع سحاب ہے یا سقنا کا مصدر سوق یا ریح ہے اور باء الصاق کے معنی میں ہے۔

ے یہاں بھی ہ ضمیر کا مرجع یا سحاب یا سوق یا ریح کا ہے اگر ضمیر کا مرجع البلد کو بنائیں تو باء ظرفیت کے لئے ہوگی لیکن دوسری صورتوں میں سببیت کے لئے ہوگی۔

ۃ پھلوں کے نکالنے یا مردہ بنجر زمین کو سرسبز و شاداب کرنے کی طرح قبروں سے مردوں کو نکالیں گے۔

ۃ تا کہ تم دنیا کی تخلیق سے اس کے آخرت میں مردوں کے اعادہ کی قدرت پر استدلال کرو۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس نے فرمایا جب نفخہ اولیٰ کے ساتھ تمام لوگ مر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنے عرش کے نیچے سے مردوں کی منی کی طرح بارش برسائے گا جسے ماء الحیوان (آب حیات) کہا جاتا ہے۔ پس لوگ اپنی قبروں سے کھیتوں کی طرح اگنے لگیں گے۔ جب ان کے جسم مکمل ہو جائیں گے تو ان میں روح پھونکی جائے گی پھر ان پر نیند طاری کی جائے گی، وہ اپنی قبور میں سو جائیں گے پھر نفخہ ثانیہ کے ساتھ انہیں اٹھایا جائے گا اس حال میں کہ وہ اپنے سروں اور آنکھوں میں نیند کا ذائقہ محسوس کر رہے ہوں گے۔ اس وقت وہ کہیں گے يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خوابگاہ سے(1)۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں صوروں کے درمیان چالیس (سال، ماہ، دن) کا فاصلہ ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا چالیس سے مراد دن ہیں فرمایا میں یہ نہیں کہتا۔ پوچھا چالیس ماہ ہیں فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا۔ پھر پوچھا کیا چالیس سال ہیں فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا۔ (کیونکہ آپ ﷺ نے کوئی مدت بیان نہیں فرمائی) پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا۔ لوگ اس طرح اگیں گے جیسے سبزیاں اگتی ہیں ہر انسان بوسیدہ ہو جاتا ہے لیکن ایک ہڈی جو ریڑھ کی ہڈی ہے، یہ باقی رہتی ہے، قیامت کے روز اس سے مخلوق کو مرکب کیا جائے گا(2) ابن ابی داؤد نے یہ حدیث البعث میں نقل کی ہے۔ اس میں دو صوروں کے درمیان چالیس سال کی صراحت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ان چالیس سالوں میں اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا عرش کی اصل سے دونوں صوروں کے درمیانی وقفہ میں ایک پانی کی وادی بہے گی اور دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے۔ اس پانی سے ہر چیز پیدا کی جائے گی خواہ وہ انسان تھا یا پرندہ یا چوپایہ، جو بھی بوسیدہ ہو چکا تھا۔ ان کے اوپر سے کوئی گزرے گا اور پہلے انہیں پہچانتا ہوگا تو وہ انہیں زمین پر پڑا ہوا دیکھ کر پہچان لے گا۔ پس لوگ (سبزیوں کی طرح) اگ جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ روحوں کو بھیجے گا اور وہ جسموں کے ساتھ مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا یہی مفہوم ہے۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر سے اسی طرح یہ روایت نقل کی ہے۔ الکلبی فرماتے ہیں روایات اس بات پر متفق ہیں کہ دو صوروں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے۔ ابن المبارک نے حضرت الحسن سے اسی طرح مرسلاً روایت کیا ہے۔

وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 201 (التجاریہ)　2۔ حاشیہ بغوی، جلد 2، صفحہ 210 (التجاریہ)

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

"اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے (کثرت سے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے [1] اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا [2] اسی طرح ہم مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو شکر گزار ہے [3]"

[1] جو عمدہ اور زرخیز زمین ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور آسان کرنے کے ساتھ اس کی پیداوار کثرت سے نکلتی ہے اور بڑی نفع بخش اور دلکش وحسین ہوتی ہے باذن ربہ ترکیب میں حال واقع ہو رہا ہے، یعنی کثرت پیداوار، نفع بخش اور دلکش کا مفہوم اس کے مقابلے کے جملے کی دلالت کی وجہ سے اخذ کیا گیا ہے گویا یوں ارشاد ہے کہ اس کی پیداوار مکمل اور دلکش انداز میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے اگتی ہے۔

[2] اور جو زمین شوریلی اور گرم ہوتی ہے اس کی پیداوار نہیں ہوتی مگر قلیل اور گھٹیا۔ یہ بھی اصل میں لا یخرج نباته تھا لیکن پہلے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا گیا اور پھر وہ مضاف الیہ ضمیر مرفوع مستتر بن گیا۔ قاموس میں ہے کہ النکد بالضم کا معنی قلة العطاء لکھا ہے اور بالفتح کا معنی عطاء منکود قلیل لکھا ہے نکد عیشهم جن کی معاشی حالت تنگ ہو نکد البئر کنویں کا پانی کم ہو گیا نکد زید حاجة عمرو اس کا معنی ہے کہ زید نے عمرو کی حاجت کو روک لیا۔ یعنی جو اس نے سوال کیا وہ نہ دیا اور اس سے بالکل تھوڑا دیا۔ رجل نکد سخت دل اور کنجوس شخص کو کہتے ہیں۔

[3] اسی طرح ہم مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر سابقہ آیات کاملہ دلیل ہیں اور اس کے فیض عام اور رحمت تام کو بیان کرتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے اسے منبع فیض سے فیض قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیتوں کے تفاوت کو بیان فرمایا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نقصان اور کمی فیض قبول کرنے والی جہت سے ہے۔ جیسا کہ بارش کی افادیت یکساں ہوتی ہے لیکن زمین کی طبعی صلاحیتوں کے فرق کی وجہ سے زمین کے مختلف ٹکڑوں کی پیداوار مختلف ہوتی ہے۔ اسی بارش کے فیضان سے اچھی زمین رشک ارم بن جاتی ہے اور اسی بارش سے شوریلی زمین میں سیم وتھور کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کیفیت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، دلائل توحید اور رسولوں کی بعثت کے فیضان کی ہوتی ہے (اچھی استعداد والے اس فیضان سے حظ وافر حاصل کر کے صحابیت کے بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتے ہیں اور بدفطرت اور نفاق طینت لوگ انکار کر کے اسفل السافلین کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں) اگرچہ رحمت واسعہ کا فیضان تمام جہانوں کے لئے ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا صرف مومنین کے ساتھ مختص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم ھادی سے مستفاد استعداد کے حسن کی وجہ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور اس رحمت میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس رحمت کاملہ کے ذریعے اپنی بصر وبصیرت کو روشن کرتے ہیں۔

شیخین نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم کا چشمہ فیض دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برستی ہے۔ زمین کا جو ٹکڑا اچھا ہوتا ہے وہ اس سے پانی کو قبول کرتا ہے پھر وہاں گھاس اور سبزہ اگتا ہے اور زمین کا جو ٹکڑا بنجر ہوتا ہے وہ پانی کو روک لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ لوگ اس سے خود بھی پیتے ہیں اور اپنی زمینوں کو بھی سیراب کرتے ہیں اور کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ ایک اور زمین کا ٹکڑا ہوتا ہے جو چٹیل اور ہموار ہوتا ہے نہ اس بارش کے پانی کو روکتا ہے اور نہ اس میں گھاس اگتی ہے۔ یہ مثال ہے اس کی جس نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی

اور اسے اس چیز نے نفع پہنچایا جس کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ اسے خود سیکھا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی اور یہ اس شخص کی مثال بھی ہے جو ان دلائل و براہین کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا اور جو ہدایت مجھے دیکر بھیجا گیا ہے اس کو قبول نہیں کرتا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

"بے شک ہم نے بھیجا[1] نوح (علیہ السلام) کو ان کے قوم کی طرف[2] تو انہوں نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا[3] بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے[4]"

[1] یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے و اللہ لقد ارسلنا یہ لام اکثر قد کے ساتھ آتا ہے کیونکہ یہ توقع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مخاطب جب یہ کلام سنتا ہے تو اسے اس فعل کے صدور کی توقع ہوتی ہے جو لام کے بعد ہوتا ہے۔

[2] یہ نوح بن لامک ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں لمک بن متوشلخ اور ان کی ماں کا نام عونہ تھا۔ بعض فرماتے ہیں قینوس بنت براکیل بن متوشلخ اور بعض کے نزدیک متوشلخ بن خنوخ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اخنوخ سے مراد ادریس علیہ السلام ہیں، یہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا تھا۔ یہ مہلیل کے بیٹے ہیں اور بعض کہتے ہیں ان کا نام مھلائیل تھا، یہ قینان کے بیٹے تھے۔ بعض ان کا نام قینان اور بعض نے قانن لکھا ہے، یہ انوش کے بیٹے تھے۔ بعض نے ان کا نام یانش لکھا ہے، یہ شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے اور شیث علیہ السلام آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ مستدرک میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں کا زمانہ ہے(1) طبرانی نے ابوذر سے مرفوعاً اسی طرح روایت کی ہے۔ اسی سلسلہ نسب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام ادریس علیہ السلام کے بعد تشریف لائے تھے۔ علامہ بغوی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور نوح علیہ السلام کا اسم سکن تھا کیونکہ آدم علیہ السلام کے بعد لوگ آپ کے پاس سکون لیتے تھے اور آپ کے پاس رہتے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں آپ کا نام شاکر تھا۔ بعض فرماتے ہیں یشکر تھا۔ علامہ سیوطی نے الاتقان میں مستدرک للحاکم سے نقل کر کے آپ کا نام عبدالغفار لکھا ہے اور اکثر صحابہ کا خیال یہ تھا کہ انہیں ادریس کہا جاتا تھا اور آپ کو نوح اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ آپ کثرت سے اپنے آپ پر اور اپنی قوم پر نوحہ کرتے تھے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ کا نوحہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں آپ نے ایک بدصورت کتا دیکھا تو فرمایا بدصورت کتا۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کو بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی تو اس نے کہا یہ عیب میری طرف سے ہے یا میرے خالق کی طرف سے ہے۔ جب آپ نے کتے کی یہ بات سنی تو آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو کثرت سے اپنے اوپر نوحہ کیا۔ علامہ بغوی نے لکھا کہ آپ ایک مجذوم زدہ کتے کے پاس سے گذرے تو اسے کہا دور ہو اے بدصورت۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے نوح تو نے مجھ پر عیب لگایا ہے یا کتے کو(2)۔ بعض علماء فرماتے ہیں آپ اس لئے روتے تھے کہ آپ نے اپنی قوم کے لئے ہلاکت کی بددعا کی تھی۔ بعض فرماتے ہیں آپ اس لئے زیادہ روتے تھے کہ آپ نے اپنے بیٹے کنعان کے حق میں اپنے پروردگار سے سفارش کی تھی۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ مستدرک میں ابن عباس سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی اور آپ نے 950 سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد ساٹھ 60 سال زندہ رہے حتیٰ کہ لوگ کثیر ہو گئے اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے(3)۔

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 480 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 202 (التجاریہ) 3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 595 (العلمیہ)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ بعثت کے وقت آپ کی عمر پچاس سال تھی اور طوفان کے بعد چار سو پچاس 450 سال زندہ رہے اور آپ کی کل عمر 1450 سال تھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں آپ کی عمر بعثت کے وقت چار سو پچاس یا چار سو ساٹھ سال تھی۔ خلاصۃ السیر کی شرح میں اسی طرح ذکر ہے۔ بعض فرماتے ہیں بعثت کے وقت آپ کی عمر ڈھائی سو سال تھی اور طوفان کے بعد آپ ڈھائی سو سال زندہ رہے اور آپ کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس سال تھی۔ مقاتل کہتے ہیں بعثت کے وقت عمر سو سال تھی۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کی ولادت آدم علیہ السلام کی وفات کے آٹھ سو چھبیس سال بعد ہوئی۔ میں کہتا ہوں اس قول کی بناء پر نوح علیہ السلام کی وفات آدم علیہ السلام کی پیدائش کے دو ہزار آٹھ سو چھپن سال بعد ہوئی کیونکہ آدم علیہ السلام کی عمر حدیث شریف کے مطابق ہزار سال تھی لیکن چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی اولاد کے نکالنے کا تذکرہ ہے۔ تہذیب النودی میں ہے کہ نوح علیہ السلام کی عمر تمام انبیاء کرام سے زیادہ تھی۔

سے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

ابو جعفر اور کسائی نے ہر جگہ الہ کے لفظ پر محل کرتے ہوئے غیرہ کو مجرور پڑھا ہے جہاں اس سے پہلے جر آیا ہے۔ حمزہ نے سورۂ فاطر میں من الہ غیرہ میں ان کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے محل کا اعتبار کرتے ہوئے مرفوعاً پڑھا ہے گویا یوں عبارت ہے مالکم الہ غیرہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے پس اس کے ساتھ کسی غیر کی عبادت نہ کرو۔

ے انی کو نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے یاء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے مجھے خوف ہے کہ اگر تم نے ایک اللہ کی عبادت نہ کی تو تم پر بڑے دن کا عذاب آ جائے گا۔ یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے یا طوفان والا دن ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

"ان کی قوم کے سرداروں نے کہا ۱ (اے نوح) ہم دیکھتے ہیں تمہیں کھلی گمراہی میں ۲"

۱ قوم کے رؤسا اور سرداروں کو ملاء کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک رائے پر جمع ہوتے ہیں اور ان کا زرق برق لباس اور ظاہری شان و شوکت آنکھوں کو پر کر دیتی ہے۔

۲ ہم تجھے حق سے بھٹکا ہوا اور کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

"آپ نے کہا اے میری قوم نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی ۱ بلکہ میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ۲"

۱ حضرت نوح علیہ السلام نے ضلال نہیں فرمایا تاکہ ضلال کی نفی بلیغ ترین طریقہ پر ہو جائے یعنی مجھ میں ذرا بھر گمراہی نہیں ہے۔ انہوں نے جب گمراہی کو ثابت کرنے میں مبالغہ کیا تو آپ نے اس کی نفی میں مبالغہ فرمایا اور ان سے فرمایا کہ گمراہ تو تم ہو، جادۂ حق سے دور تو تم ہو۔

۲ یہ گمراہ کی نفی کی تاکید کے لئے استدراک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول اور مبلغ بن کر آیا ہے وہ یقیناً صراط مستقیم اور ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

"پہنچاتا ہوں تمہیں ۱؎ پیغامات اپنے رب کے ۲؎ اور نصیحت کرتا ہوں ۳؎ اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ۴؎"

۱؎ ابلغکم کو ابوعمرو نے ابلاغ سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے علماء نے ہر جگہ تبلیغ مصدر سے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

۲؎ رسالات کو جمع اس لئے ذکر فرمایا کیونکہ ان پیغامات کا زمانہ مختلف تھا یا ان کے معانی مختلف تھے مثلاً عقائد، مواعظ اور احکام وغیرہ یا پیغامات سے مراد وہ ہیں جو ارشادات آپ کی طرف وحی کئے گئے تھے اور دوسرے انبیاء کی طرف بھیجے گئے تھے جیسے حضرت شیث اور ادریس علیہما السلام کے صحیفے ابلغکم یہ اللہ کی طرف سے آپ کے رسول ہونے کا بیان ہے۔

۳؎ نصح اپنے دوست کے لئے ایسے قول وفعل کی کوشش کرنا جس میں بھلائی اور خیر ہو۔ امام بغوی فرماتے ہیں نصح کا معنی ہے جو بھلائی وخیر انسان اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے پسند کرے (1) یہ متعدی بنفسہ بھی ہوتا ہے اور لام کے صلہ کے ساتھ بھی لیکن لام کی زیادتی خالص نصیحت پر دلالت کرتی ہے۔

۴؎ میں اس کی ذات کے متعلق اور ثواب وعذاب پر اس کی قدرت کو زیادہ جانتا ہوں۔ اس کی پکڑ اتنی سخت ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا یا یہ معنی کہ میں وحی جو اس کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے اس کی وجہ سے جانتا ہوں، ایسی چیزیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

"کیا تم تعجب کرتے ہو ۱؎ اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم میں سے ہے ۲؎ تا کہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) ۳؎ اور تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۴؎ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۵؎"

۱؎ ہمزہ انکار کے لئے ہے اور محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے عبارت اس طرح ہوگی اکذبتموني و عجبتم کیا تم مجھے جھٹلاتے ہو اور تم تعجب کرتے ہو۔

۲؎ ابن عباس فرماتے ہیں ذکر سے مراد موعظت ہے۔ بعض فرماتے ہیں بیان ہے اور بعض فرماتے ہیں رسالت ہے، یعنی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس تم میں سے ایک شخص کے ذریعے نصیحت آئی ہے۔ منکم سے مراد یہ ہے کہ وہ تم میں سے ہے یا تمہاری جنس سے ہے۔ وہ کسی بشر کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نبی ورسول آنا عجیب سمجھتے تھے اور کہتے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نبی بنانا چاہتا تھا تو کسی فرشتہ کو نازل فرماتا۔ ہم نے تو ایسا کبھی نہیں سنا کہ کوئی بشر بھی مقام نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔

۳؎ تا کہ وہ تمہیں کفر اور گناہوں کے برے انجام سے ڈرائے۔

۴؎ اور تم اس عذاب الٰہی سے بچ جاؤ جس کی کفر ومعاصی پر وعید سنائی گئی ہے۔

۵؎ تا کہ تقویٰ وپرہیزگاری کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے۔ یہاں لعل کا لفظ ذکر فرمایا ہے جو حرف امید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ رحمت کا موجب نہیں بلکہ رحم فرمانا بھی اس کا احسان اور تفضل ہے اور متقی کو اپنے تقویٰ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرنا چاہئے اور عذاب الٰہی سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ ابونعیم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 203 (التجاریہ)

نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں کسی نبی کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی امت کے اہل اطاعت کو کہو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو۔ میں قیامت کے روز حساب کے وقت عاجز نہیں ہوں گا۔ اگر میں کسی کو عذاب دینا چاہوں گا تو اسے عذاب دوں گا۔ اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ میں بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں، مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

''پھر بھی انہوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے [1] اور ہم نے غرق کر دیا ان (بدبختوں) کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے [2]''

[1] پھر انہوں نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات دی انہیں بھی نجات دی۔ جو کشتی میں آپ کے ساتھ تھے، یہ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں آٹھ افراد تھے۔ بعض نے دس لکھے ہیں اور بعض نے 72 لکھے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ آپ کے تین بیٹے سام، حام اور یافث تھے اور تین ان کی بیویاں تھیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ کے تین بیٹے تھے اور چھ ایماندار تھے فی الفلک متعلق ہے معہ کے یا انجینا کے یا اسم موصول سے حال ہے یا معہ کی ضمیر سے حال ہے۔

[2] اور ہم نے ان کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ یہ لوگ دل کے اندھے ہیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محروم ہیں اور حق کو حق دیکھنے اور باطل کو باطل دیکھنے سے اندھے ہیں۔ یہ اصل میں عمیین تھا، تخفیف کے لئے ایک یاء کو حذف کیا گیا ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

''اور عاد کی طرف [1] ان کے بھائی ہود کو بھیجا [2] آپ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا [3] کیا تم نہیں ڈرتے ہو [4]''

[1] عاد ایک قبیلہ تھا یہ ان کا نام ان کے ایک دادا کی وجہ سے تھا جس کا شجرہ نسب یہ تھا عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح یہی عاد اولیٰ ہے۔

[2] یعنی نسبی بھائی تھے، دینی بھائی نہ تھے، اس کا عطف نوحا الی قومه پر ہے۔ اور هودا اخاهم کا عطف بیان ہے ان کا سلسلہ نسب یہ ہے ہود بن عبداللہ بن ریاح بن الخلو د بن عاد بن عوص الخ ابن اسحاق نے آگے ان کا نسب اس طرح لکھا ہے بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح شیخ ابوبکر نے شرح خلاصۃ السیر میں لکھا ہے کہ ہود علیہ السلام کا نام عابر بفتح باء اور بکسر باء بروزن ناصر تھا۔ بعض نے عیبر اور بعض نے ضیبر لکھا ہے۔ ان کے بعد اس طرح ہے بن سالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ تمام تواریخ کی کتب اور انساب کی کتب میں اسی طرح آپ کا سلسلہ نسب درج ہے لیکن بعض نے اس طرح بھی لکھا ہے ہود بن خالد بن الخلو د بن العیص بن العملیق بن عاد بن عوص بن ارم بن سام۔ حضرت ہود کی والدہ کا شجرہ نسب یہ ہے مکعبہ بنت عویلم بن سام بن نوح۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت ہود کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ نور دیکھا تو کہنے لگا یہ شخص ایک خدا کی عبادت کرے گا اور بتوں کو چھوڑ دے گا۔ لوگوں نے آپ کی بڑی تعظیم کی اور آپ کے بعد سو سال تک، یعنی صالح علیہ السلام کے زمانہ تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ اس زمانہ میں بادشاہ اور ان کی رعیتیں بتوں کی پوجا کرتی تھیں اور بعض لوگ سورج کی پرستش کرتے اور بعض آگ کی پوجا کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام نوح علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ آپ کی

عمر چار سو سال تھی۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کی عمر 460 سال تھی۔ التاریخ الشامی میں ابن حبیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ ایک سو چھیالیس سال زندہ رہے۔ ابن الکلبی کہتے ہیں چار سو چھتیس سال زندہ رہے۔ آپ کی والدہ کا نام مرجانہ تھا، آپ پاکدامن عورتوں میں سے تھیں۔ حضرت ہود کی قبر مبارک حضرموت کے علاقہ میں ہے۔ بعض علماء نے قبر مبارک کا مکہ ہونا لکھا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہود علیہ السلام کی قبر حضرموت کے علاقہ کثیب احمر میں ہے۔ عبدالرحمٰن بن باسط فرماتے ہیں رکن اور مقام ابراہیم اور آب زم زم کے درمیان 99 انبیاء کرام کی قبور ہیں۔ حضرت ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کی قبور بھی یہاں ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب کسی نبی کی قوم ہلاک ہو جاتی تو وہ اور اس کے نیک ساتھی مکہ مکرمہ آ جاتے تھے اور یہاں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے یہاں تک کہ پیغام اجل آ جاتا۔ ابن اسحاق نے اخ سے مراد نسبی بھائی لیا ہے اور شیخ ابوبکر نے یہ مراد لیا ہے کہ آپ ان کی جنس سے ہیں۔ آپ کو ان میں سے اسلئے شمار کیا کیونکہ وہ آپ کی بات کو سمجھتے تھے اور آپ کی حالت سے واقف تھے اور آپ کی پیروی میں رغبت رکھتے تھے۔

۲ے آپ نے فرمایا اے میری قوم صرف ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس جملہ کو نوح علیہ السلام کے قصہ میں جس طرح معطوف کی صورت میں ذکر کیا تھا اس کو اس طرح ذکر نہیں فرمایا بلکہ مستقل کلام کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ گویا یہ ایک سائل کا جواب ہے جو یہ سوال کرتا ہے کہ جب ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تو آپ نے کیا کہا۔

۳ے کیا تم عذاب الٰہی سے نہیں ڈرتے۔ ہود علیہ السلام کی قوم نوح علیہ السلام کی قوم کے قریب تھی۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

”کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے ۱ے کہ (اے ہود) ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم نرے نادان ہو ۲ے اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو ۳ے“

۱ے الْمَلَاُ کی صفت الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تقییہ کے لئے ہے کیونکہ قوم ہود کے سرداروں میں سے صرف ایک شخص مرثد بن سعد ایمان لایا تھا باقی کوئی سردار ایمان نہیں لایا تھا۔

۲ے اے ہود ہم تجھے نادان اور کم عقل خیال کرتے ہیں کیونکہ تم اپنی قوم کے دین کو چھوڑ کر ایک محال امر کی طرف دعوت دیتے ہو، یعنی تم کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

یہاں سفاھة کو مجازاً ظرف بنایا گیا ہے، یعنی تم گمراہی میں بالکل گھرے ہوئے ہو اور کبھی اس سے نکلنے والے نہیں ہو۔

۳ے اور ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم اپنے رسالت کے دعویٰ میں جھوٹے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

”ہود نے کہا اے میری قوم نہیں مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے“

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾

”پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جو دیانتدار ہو ۱ے“

لہ یہاں کفار کی کلام کے مقابلے میں اسم فاعل کا صیغہ (ناصح) استعمال کیا گیا تا کہ جملہ اسمیہ کا جملہ اسمیہ سے موازنہ ہو جائے۔ کیونکہ انہوں نے بھی إِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ کہا تھا۔ کلبی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آج سے پہلے میں تمہارے درمیان دیانتدار تھا (ا) اس لئے تمہیں میرے بارے میں جھوٹ کی بدگمانی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہاں غور فرمائیں انبیاء کرام نے کفار کے دلخراش اور دل آزار الزامات کے جواب میں کتنا علم، حسن ادب اور مقابلہ سے اعراض کا مظاہرہ کیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ان سے جھگڑنے والے بیوقوف اور احمق لوگ ہیں لیکن پھر بھی کمال شفقت، دلکش انداز گفتگو اور نرم لہجہ اور دلوں کو ہدایت کی طرف جذب کرنے والے طرز عمل کو اپنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان خلوص و محبت کے پیکروں کے انداز تخاطب اور حوصلہ و ہمت کو اس لئے بیان فرمایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نادان اور کم عقل لوگوں سے خطاب و گفتگو کرتے وقت کیسا انداز اپنانا چاہئے۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

"کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تا کہ وہ ڈرائے تمہیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو جب اس نے بنا دیا تھا تمہیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے قدو قامت میں تو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔ لہ"

لہ اس آیت کریمہ کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔ زادکم فی الخلق بصطۃ کا مطلب یہ ہے کہ قد و قامت اور قوت و طاقت میں تمہیں بڑھا دیا۔ کلبی کہتے ہیں اس وقت کا طویل القامت شخص سو ہاتھ تھا اور ان میں چھوٹا ستر ہاتھ تھا۔ ابوحمزہ الیمانی سے ستر ذراع اور ابن عباس سے اسی ذراع مروی ہے مقاتل فرماتے ہیں ہر شخص کی قامت بارہ ذراع تھی وہب فرماتے ہیں ان کے ایک شخص کا سر بڑے قبہ کی شکل تھا اور اس کی آنکھ اتنی فراخ تھی کہ بجو اس میں بچے دے سکتا تھا۔ اسی طرح ان کے نتھنے بھی اسی طرح چوڑے تھے آلاء جمع ہے اِلیً اور اَلیٌ کی اور اس کا معنی نعمتیں ہے۔ آخر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر ادا کرو تا کہ یہ عمل تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کر دے۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

"وہ کہنے لگے (اے ہود) کیا تم اسلئے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا سو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔ لہ"

لہ اس آیت کریمہ میں ما سے مراد بت ہیں اور آنے سے مراد کسی جدا جگہ سے آنا ہے یا بطور استہزاء انہوں نے کہا آسمان سے آئے ہیں یا مجازی معنی کا قصد کیا ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں ذھب یسبنی اور ما تعدنا سے مراد وہ عذاب ہے جس پر فلا تتقون کا ارشاد

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 204 (التجاریۃ)

دلالت کرتا ہے یا جو صراحۃً ہود علیہ السلام کی کلام میں مذکور ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

''ہود (علیہ السلام نے کہا) واجب ہو گیا [1] تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب [2] اور غضب [3] کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے [4] ان ناموں کے بارے میں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے [5] (حالانکہ) نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی سند [6] سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں [7]''

[1] وقع بمعنی وجب یا حق یا نزل ہے چونکہ عذاب کا نزول متوقع اور معلوم تھا، اسے واقع کی طرح سمجھ کر ماضی کا صیغہ استعمال فرمادیا۔

[2] رجس سے مراد عذاب ہے اور یہ ارتجاس سے مشتق ہے جس کا معنی اضطراب ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں سین زاء کا بدل ہے۔ الصحاح میں رجس اور رجز کا معنی سخت آواز لکھا ہے۔

[3] غضب سے انتقام کا ارادہ مراد ہے کیونکہ غضب دل کے ہیجان کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

[4] اسماء سے مراد مسمیات ہیں۔ سَمَّيْتُمُوْهَآ میں ھا سے مراد بت ہیں جنہیں وہ خدا تصور کرتے تھے یا یہ مفہوم ہوگا کہ جو تم نے نام گھڑ رکھے ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان کی کوئی ذوات نہیں ہیں۔ جیسے فلاسفہ کہتے ہیں عقول عشرہ، اور ہندو دیبی اور بھوانی پکارتے ہیں اور وہ ان بتوں کو ان مسمیات کا پرتو سمجھتے تھے یا یہ کہتے کہ وہ ان بتوں میں حلول کئے ہوئے ہیں۔

[5] اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ، سَمَّيْتُمُوْهَآ کی ضمیر مرفوع سے بدل ہے۔

[6] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی ایسی حجت اور دلیل نہیں اتاری جو ان کے خدا اور مستحق عبادت ہونے پر دلالت کرے۔ اس قول کا مدعا یہ ہے کہ قوم عاد کے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے اور یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ وہی زمین و آسمان کا خالق ہے لیکن اپنے خود تراشے بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ باطلہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ کے الوہیت و خالقیت میں شریک ہیں اور عبادت کے استحقاق میں بھی اس کے شریک ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارشی ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا جو تمہارا عقیدہ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تمہاری اپنی من گھڑت باتیں ہیں یا تمہارے جاہل باپ دادا کے باطل تصورات ہیں۔

[7] پس جس عذاب کے نزول کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو اس کا انتظار کرو۔ اسی طرح میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

''پھر ہم نے نجات دی ہود کو اور جو ان کے ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے [1] اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو [2] اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے [3]''

۱؎ یعنی ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے ہود علیہ السلام کو اس عذاب سے بچا لیا جو ان کی قوم پر نازل ہوا تھا اور انہیں بھی بچا لیا جو آپ پر ایمان لانے والے تھے۔

۲؎ دابر اصل کو کہتے ہیں یا جو چیز کسی چیز کے پیچھے ہو قطع الدابر کا مفہوم یہ ہے ہم نے ان کو نیست و نابود کر دیا اور جڑ سے اکھیڑ پھینکا حتیٰ کہ ان کے نام و نشان کے لئے ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔

۳؎ یہ جملہ من امن منہم یعنی جو ان میں سے ایمان لائے تھے ان کی عظمت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ تنبیہ کر رہا ہے کہ نجات پانے والوں اور ہلاک ہونے والوں میں فرق دولت ایمان تھی۔ مؤرخ شہیر محمد بن اسحاق اور دوسرے مؤرخین نے قوم عاد کا قصہ اس طرح لکھا ہے۔

قوم عاد حضرموت اور عمان کے درمیانی علاقہ کے ریگستان میں احقام کے مقام پر رہتے تھے۔ انہوں نے زمین پر فساد برپا کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے لوگوں پر جبر و ظلم کا بازار گرم رکھتے تھے۔ ایک بت پرست تھے۔ تین بتوں صدا، صمود اور ہبا کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی کے لئے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ آپ نسبی اعتبار سے متوسط خاندان سے تھے لیکن ذاتی خصائل و اخلاق کے اعتبار سے تمام لوگوں سے افضل تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ ایک اللہ کو مانو اور لوگوں پر ظلم و تعدی کا دور ختم کرو۔ اس کے علاوہ آپ نے انہیں کچھ نہ کہا لیکن طاقت کے نشہ میں بدمست ہونے کی وجہ سے انہوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کہا ہم سے زیادہ طاقتور کون ہو سکتا ہے؟ ان لوگوں نے بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں بنا رکھی تھیں اور لوگوں پر سخت پکڑ کرتے تھے۔ جب ان کی ہٹ دھرمی، نافرمانی اور ظلم و زیادتی حد سے تجاوز کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے تین سال بارش نہ برسائی حتیٰ کہ یہ انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔

اس زمانہ میں جب لوگوں پر کوئی مصیبت آتی تو اس سے چھٹکارا اور نجات پانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے۔ مسلم و کافر سب بیت اللہ شریف میں اکٹھے ہوتے۔ پس مکہ میں مختلف ادیان کے لوگ جمع ہوتے اور مکہ مکرمہ اور اہل مکہ کی عظمت و احترام کرتے۔ اس دور میں عمالقہ، جو عملیق بن لاود بن سام بن نوح کی اولاد تھے، مکہ میں رہتے تھے۔ ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا اور معاویہ کی والدہ کلہدہ بنت الخیبری تھی۔ الخیبری قوم عاد سے تھا۔ جب قحط پڑا اور لوگ انتہائی تکلیف میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے ایک وفد تیار کر کے مکہ مکرمہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ وہاں ٹھہریں تو انہوں نے قیل بن عنز، لقیم بن ہزال بن ہزیل اور عتیل بن ضد بن عاد الاکبر اور مرثد بن سعد بن عفیر کو بھیجا۔ مرثد دلی طور پر مسلمان ہو چکا تھا لیکن ابھی اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ جلہمہ بن الخیبری معاویہ بن بکر کا خالو تھا پھر قوم نے لقمان بن عاد الاصغر بن عاد الاکبر یہ افراد جب مکہ مکرمہ کی طرف چلے تو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک گروہ تھا، جن کی تعداد ستر کے قریب تھی۔ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو وہ معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرے۔ یہ لوگ معاویہ کے سسرال اور ننھیال تھے، وہ اس کے پاس ایک مہینہ ٹھہرے، شراب پیتے تھے اور جرادتان معاویہ کی دو لونڈیاں تھیں جو انہیں گانا سناتی تھیں۔ یہ لوگ ایک مہینہ سفر کر کے آتے تھے اور ایک مہینہ انہوں نے معاویہ بن بکر کے پاس قیام کیا۔ جب معاویہ نے دیکھا کہ ان کے واپسی کے ارادے بہت کم نظر آرہے ہیں حالانکہ انہیں اپنی قوم نے مصیبت سے نجات کی دعا کرنے کے لئے بھیجا ہے، میرے ننھیال اور سسرال ہلاک ہو رہے ہیں اور یہ میرے پاس رہ کر گلچھرے اڑا رہے ہیں۔ یہ میرے مہمان بھی ہیں۔ انہیں واپسی کا مشورہ دینا بھی ہمارے دستور معاشرت میں اچھا نہیں ہے۔ سوچتا رہا کہ کیا کروں؟ یہ لوگ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ مہمان نوازی سے دل تنگ ہو گیا ہے حالانکہ ان کی قوم بھوک اور پیاس سے مر رہی ہے۔ معاویہ نے اپنی خواہش اور قلبی جذبات کا اظہار اپنی لونڈیوں کے سامنے کیا۔ انہوں نے کہا تم ایسے شعر لکھ دو جو ہم انہیں سنائیں

شائد ان کے دلوں میں اپنے خاندانوں کی یاد عود کر آئے تو معاویہ نے اپنے نام کے اظہار کے بغیر یہ اشعار کہے۔

اے قیل اور ہیثم اٹھو شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بادلوں سے سیراب کر دے اور عاد کی زمین پر بارش برسا دے۔ ان کی تو ایسی بدتر حالت ہو چکی ہے کہ وہ تو کلام کرنے سے بھی عاجز آ گئے ہیں۔ سخت پیاس کی وجہ سے نہ کسی بوڑھے کے بچنے کی امید ہے اور نہ کسی۔ بچے کی ان کی عورتیں پہلے خیر و عافیت میں تھیں اب تو وہ بھی پیاسی ہو گئی ہیں۔ درندے ان پر حملہ کرتے ہیں اور انہیں قوم عاد کے کسی تیر انداز سے خوف نہیں ہوتا اور تم یہاں اپنی خواہش نفس کے درپے ہو دن رات لذتوں میں گذار رہے ہو۔ ہوائے قوم کے فرستادو! تمہیں کبھی خیر و سلامتی نصیب نہ ہو۔

جب جرادتان لونڈیوں نے یہ اشعار گائے تو کہنے لگے ہائے ہماری قوم! انہوں نے تو ہمیں بارش طلب کرنے کے لئے بھیجا تھا ہم نے کتنی دیر لگا دی پس وہ حرم میں داخل ہوئے اور اپنی قوم کے لئے بارش کی دعا کی۔ مرثد بن مسعود بن عفیر جو ہود علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا لیکن ابھی تک چھپائے ہوئے تھا تو اس نے کہا تمہاری یہ دعا قبول نہ ہوگی لیکن اگر تم اپنے نبی کی اطاعت کرو اور اپنے رب سے توبہ کرو تو تمہیں سیراب کیا جائے گا۔ مرثد نے اس وقت اپنا اسلام ظاہر کیا اور یہ اشعار کہے۔ قوم عاد نے اپنے رسول کی نافرمانی کی اور پیاسے ہو گئے اور آسمان سے ان پر بارش نہ اتری۔ قوم عاد کا ایک بت جس کا نام صمود ہے اور اس کے سامنے صدا اور ہباء ہے۔ رسول مکرم علیہ السلام نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا پس ہم نے صراط مستقیم دیکھ لیا اور ہماری آنکھوں سے گمراہی کی پٹیاں اتر گئیں۔ یقیناً میرا خدا ہے جو ہود علیہ السلام کا خدا ہے، اللہ پر توکل ہے اور اسی کے در کرم سے امید ہے۔

لوگوں نے معاویہ بن بکر سے کہا کہ مرثد بن سعد کو قید کر دے تاکہ وہ ہمارے ساتھ مکہ نہ آئے۔ لیکن مرثد بن سعد پہلے ہی معاویہ کے گھر سے نکل گیا۔ لوگوں نے ابھی دعا شروع نہ کی تھی کہ یہ پہنچ گیا۔ جب یہ پہنچا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی۔ عاد کا وفد ابھی دعا مانگ رہا تھا کہ مرثد نے علیحدہ دعا مانگنی شروع کر دی اے اللہ صرف میری گذارش کو قبول فرما اور مجھے اس چیز میں داخل نہ فرما جس کا سوال عاد کا یہ وفد کر رہا ہے۔ قیل بن عنز عاد کے وفد کا سردار تھا۔ عاد کے وفد نے یہ دعا مانگی اے اللہ قیل کو وہ سب کچھ عطا فرما جس کا وہ تجھ سے سوال کر رہا ہے اور ہمارے سوال کو اس کے سوال کے ساتھ کر دے۔ عاد کے وفد نے دعا مانگی تو لقمان بن عاد جو عاد کا سردار تھا اس نے اس وقت دعا مانگی جب وفد دعا کر چکا تھا۔ اس نے کہا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجت کا سوال کرنے کے لئے اکیلا حاضر ہوا ہوں تو میرا سوال پورا فرما دے۔ اس نے اپنی عمر کی طوالت کی دعا مانگی تو اس کی عمر سات گدھوں جتنی ہو گئی قیل بن عنز نے جب یہ دعا مانگی تو یہ کہا اے ہمارے خدا اگر ہود علیہ السلام سچے ہیں تو ہم پر بارش برسا ہم ہلاک ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تین بادل پیدا فرمائے۔ ایک سفید، دوسرا سرخ اور تیسرا سیاہ تھا۔ پھر بادل کے اندر سے ایک ندا کرنے والے نے ندا دی اے قیل اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے ان بادلوں میں سے ایک اختیار کر۔ قیل نے سیاہ بادل پسند کیا کیونکہ سیاہ میں پانی زیادہ ہوتا ہے۔ پھر ایک منادی نے ندا کی تو نے راکھ کو اختیار کیا ہے۔ آل عاد سے ایک فرد بھی زندہ نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سیاہ بادل کو جسے قیل نے پسند کیا تھا عذاب کے ساتھ بھیجا حتیٰ کہ وہ بادل ان پر ایک وادی سے ظاہر ہوا جسے مغیث کہا جاتا تھا۔ جب انہوں نے اس سیاہ بال کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے، یہ ایک آندھی ہے جس میں سخت عذاب ہے، یہ ہر چیز کو رب کے حکم سے ہلاک کرے گی۔ سب سے پہلے ایک عورت نے اس ہوا کو اور اس کے اندر جو کچھ تھا اس کو دیکھا اور پہچانا کہ یہ ہلاک کرنے والی ہے۔ اس عورت کا نام مہد دتھا۔ جب اس نے وہ عذاب دیکھا جو اس ہوا میں

تھا تو وہ چیخی اور بے ہوش ہوگئی۔ جب اسے افاقہ ہوا تو انہوں نے اس عورت سے بے ہوش ہونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں نے ایک آندھی دیکھی ہے جس میں آگ کے شعلے ہیں۔ اس کے آگے مرد ہیں اور اسے کھینچ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سات راتیں اور آٹھ دن یہ منحوس ہوا ان پر چلائی تو پوری قوم عاد ہلاک ہوگئی ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھی ایک باڑہ میں علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ جب ہوا باڑے میں حضرت ہود اور آپ کے ساتھیوں کو لگتی تو نرم ہو جاتی اور نفس لذت محسوس کرتا۔ یہ ہوا قوم عاد کے اونٹوں سے گذری تو انہیں بھی زمین و آسمان تک اٹھا لیا اور پھر انہیں پتھروں کے ساتھ پٹخ دیا۔ عاد کا وفد مکہ سے نکلا حتیٰ کہ معاویہ کے پاس دوبارہ پہنچ گئے۔ وہ اس کے پاس تھے کہ ایک شخص چاندنی رات کو اونٹنی پر سوار ہو کر آیا۔ یہ قوم عاد کی مصیبت کی تیسری رات تھی۔ اس نے انہیں قوم کے عذاب کا حال سنایا لوگوں نے پوچھا ہود اور ان کے ساتھی کہاں ہیں، تو اس شخص نے کہا وہ تو سمندر کے ساحل پر ہیں۔ وفد کو اس شخص کی بات پر شک ہوا۔ حرملہ بنت بکر نے کہا مکہ کے رب کی قسم یہ آدمی سچ کہہ رہا ہے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ مرثد بن سعد، لقمان بن عاد اور قیل بن عنز نے مکہ میں جو دعائیں مانگی تھیں، انہیں کہا گیا تمہاری خواہشات پوری ہوں گی لیکن ہمیشہ رہنا کسی کے لئے نہیں ہے، موت ضرور آئے گی۔ مرثد نے کہا اے اللہ مجھے سچا بنا اور نیک بنا دے تو اسے یہ مرتبہ عطا کیا گیا۔ لقمان نے کہا یا رب مجھے لمبی عمر عطا فرما دے۔ فرمایا جتنی عمر چاہتا ہے پسند کر لے۔ اس نے سات گدھوں کی عمر پسند کی۔ وہ انڈے سے نکلنے والا گدھ کا ایک بچہ پکڑتا اور جب وہ مر جاتا تو دوسرا لیتا۔ وہ اسی طرح کرتا رہا حتیٰ کہ ساتواں بچہ پکڑا اور ہر گدھ اسی (80) سال زندگی گذارتی۔ آخری گدھ کا نام لبد تھا۔ جب لبد مرا تو لقمان بھی مر گیا۔ قیل نے کہا جو میری قوم کو ملا تھا مجھے بھی وہی پسند ہے اسے کہا گیا وہ تو ہلاک ہوگئی ہے۔ اس نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ قوم کی ہلاکت کے بعد بقا کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ پس اسے بھی وہ آندھی کا عذاب پہنچا اور وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ سدی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عاد پر ایک منحوس ہوا بھیجی۔ جب وہ ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے دیکھا کہ اونٹوں اور مردوں کو ہوا زمین و آسمان کے درمیان تک اٹھا کے لے گئی ہے جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو گھروں کو دوڑے اور اندر داخل ہو کر دروازے بند کر لئے۔ ہوا پہنچی تو اس نے دروازے بھی اکھیڑ دیئے اور ان کے کمروں میں داخل ہوگئی، اور انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر ہوا نے انہیں کمروں سے نکالا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے بعد سیاہ پرندوں کو بھیجا۔ انہوں نے انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان پر ریت ڈال دی۔ وہ ریت کے نیچے سات راتیں اور آٹھ دن کراہتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ ان سے ریت ہٹا دے۔ پھر ہوا نے انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ ہوا جب بھی چلتی ہے تو اس کی مقدار ہوتی ہے۔ لیکن اس دن وہ فرشتوں پر غالب تھی انہیں بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ کتنی مقدار ہے(1)۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

"اور قوم ثمود کی طرف [1] ان کے بھائی [2] صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ [3] آپ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 7-205 (التجاریہ)

سے۔ ؎ یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے۔ ؎ پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں ؎ اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ؎ ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب دردناک ؎"

؎ یہ ایک عرب کا دوسرا قبیلہ تھا جو ثمود بن عاثر بن ارم بن سام کی اولاد تھے۔ ابو عمرو بن العلاء نے لکھا ہے کہ ثمود کا یہ نام ان کے پانی کے کم ہونے کی وجہ سے تھا، کیونکہ ثمو الماء کا معنی ہے پانی کم ہو گیا۔ ان کی بستیاں شام اور حجاز کے درمیان حجر سے وادی القریٰ تک تھیں۔

؎ ان کے نسبی بھائی مراد ہیں دین میں ان کا ان سے رشتہ نہ تھا۔

؎ یہ اخاھم کا عطف بیان ہے۔ ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے صالح بن عبید بن اسف بن ماسخ اور بعض نے فرمایا بن رباح بن عبید بن حاذر بن ثمود۔

؎ بَيِّنَة سے مراد وہ حجت ظاہرہ ہے جو میری صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ معجزہ ہے۔ گویا سوال کیا گیا کہ تمہاری نبوت پر دلیل کیا ہے تو فرمایا۔

؎ اونٹنی کی عظمت بیان کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور دوسری وجہ اپنی طرف کرنے کی یہ ہے کہ اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر اسباب وعلل کے تھا۔ اسی وجہ سے یہ ایک نشانی اور معجزہ تھی۔ یہ مبتدا، خبر ہیں اور ناقة اللہ کو بدل یا عطف بیان بنانا اور لکم اٰیة کو خبر بنانا بھی جائز ہے اور اٰیة حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے اس تقدیر پر جبکہ ناقة اللہ خبر ہو اور دوسری تقدیر پر لکم اس کا عامل ہے۔

؎ فذروھا میں ضمیر کا مرجع ناقہ ہے۔

؎ نہی میں مبالغہ اور عذر کو زائل کرنے کے لئے چھونے سے بھی منع فرما دیا جو کہ تکلیف پہنچانے کا مقدمہ ہوتا ہے سوء کا لفظ اذیت کی تمام قسموں کو شامل ہے۔

؎ یہ جملہ نہی کا جواب ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

"اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے ؎"

؎ اس آیت کریمہ میں ارض سے مراد پتھریلی زمین ہے۔ سھولھا سے مراد زمین کا میدانی علاقہ ہے جس میں وہ کچی اور پکی اینٹوں سے مکانات بناتے تھے وہ لوگ گرمیوں میں مٹی کے گھروں میں اور سردیوں میں پتھروں سے گھڑے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے۔ بُيُوْتًا پر نصب تَنْحِتُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ اس میں جعل کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حال مقدرہ ہو جیسے خطت هذا الثوب قميصا میں ہے کیونکہ پہاڑ تراشنے کی حالت میں گھر نہیں بنتا اور کپڑا سینے کی حالت میں قمیص نہیں بنتی عثا یعثو کا معنی سخت فساد برپا کرنا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝

"کہا ان سرداروں [1] نے جو تکبر کیا کرتے تھے ان کی قوم سے [2] ان لوگوں کو جنہیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے [3] جو ان میں سے ایمان لاتے تھے [4] کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب کی طرف سے انہوں نے کہا بے شک ہم اس پر جسے دے کر انہیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے والے ہیں [5]"

[1] ابن عامر نے وقال الملاء کو یعنی واؤ کیساتھ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے بغیر واؤ کے پڑھا ہے۔

[2] سے مراد متکبر اور رئیس لوگ ہیں جو صالح پر ایمان لانا عجیب سمجھتے تھے۔

[3] مالی لحاظ سے کمزور لوگ مراد ہیں جن کا معاشرہ میں کوئی زیادہ مقام و مرتبہ نہ تھا۔

[4] الذین استضعفوا سے بدل کل ہے، اگر ضمیر کا مرجع قوم ہو اور بدل بعض ہوگا اگر مرجع للذین ہو۔

[5] یہ جملہ کمزور اور مومنین کی کلام ہے اور کفار کے اس سوال پر کہ کیا تم جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام رسول ہیں؟ صرف نعم نہیں کہا بلکہ انا بما اُرسِلَ به مومنون فرما کر یہ ظاہر کیا کہ کوئی صاحب عقل تو ان کے رسول ہونے کا انکار نہیں کرتا یا یہ بات کسی صاحب رائے پر مخفی نہیں ہے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝

"کہنے لگے وہ لوگ جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں [1]"

[1] یہ کلام ان متکبروں نے مقابلہ کے طور پر کہی۔ مومنین کی کلام میں ارسل بہ تھا تو انہوں نے امنتم بہ کہا اس چیز کو رد کرتے ہوئے جس کو مومنین نے معلوم اور مسلم بتایا تھا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۝

"پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی [1] اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے [2] اور کہا اے صالح لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو۔ [3]"

[1] یعنی اونٹنی کو انہوں نے نحر کر دیا الازہری فرماتے ہیں عقر کا لغوی معنی اونٹ کے پاؤں کی کونچیں کاٹ دینا ہے، لیکن ذبح کے معنی میں بھی پھر استعمال ہونے لگا ہے۔ کیونکہ بھاگنے والے اونٹ کی پہلے کونچیں کاٹی جاتی ہیں اور پھر اسے نحر کیا جاتا ہے۔ قاموس میں عقر کا معنی زخمی کرنا اور اونٹ اور گھوڑے کی کونچوں میں نشان لگانا لکھا ہے۔ صحاح میں ہے عقر الدار و الحوض یعنی گھر اور حوض کی اصل۔ اسی سے عقرت النخل ہے جس کا معنی ہے میں نے کھجور کے درخت کو جڑ سے کاٹ دیا، عقرت البعیر میں نے اونٹ کو ذبح کر دیا آیت میں عقر (کاٹنے) کی نسبت تمام لوگوں کی طرف کی گئی ہے حالانکہ کاٹی صرف عاقر بن قذار بن سالف نے تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب کام اس نے پوری قوم کی رضامندی اور مشورہ سے کیا تھا۔ قذار کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی اور قد چھوٹا تھا۔ جیسا کہ فرعون کا حلیہ تھا۔ حضور

ﷺ نے حضرت علی کو فرمایا کہ پہلے زمانہ کا بدبخت آدمی وہ تھا جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا تھا اور آئندہ زمانہ کا بدترین شخص آپ کا قاتل ہوگا۔

۲ العتو باطل میں غلو کرنے اور انتہا کو پہنچنے کو کہتے ہیں۔ عتی یعتو ا کا معنی تکبر کرنا ہے قاموس میں اس کا معنی تکبر کرنا ہے اور حد سے تجاوز کرنا لکھا ہے، یعنی ان کو جو صالح علیہ السلام کی وساطت سے اونٹنی کو چھوڑے رکھنے کا حکم ملا تھا اس کی انہوں نے نافرمانی کی۔

۳ انہوں نے کہا اے صالح اگر تو واقعی اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہے تو جس عذاب کی ہمیں تو ہر وعظ و تقریر میں دھمکی دیتا ہے وہ ہم پر لے آ۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

"پھر آ لیا انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔[۱]"

۱ اس آیت کریمہ میں دار سے مراد دنیا ہے یا بقول بعض ان کی زمین اور ان کا شہر ہے اسی وجہ سے دار کو مفرد ذکر فرمایا جاثمین کا معنی ہے وہ بجھے ہوئے کوئلے کی طرح مردہ پڑے تھے قاموس میں ہے جثم الطائر والانسان یعنی وہ اپنی جگہ پر پڑا رہا اور ادھر ادھر نہ ہوا بعض نے جاثمین کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے مر گئے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ تمام کے تمام اپنے چہروں کے بل مردہ ہو کر گر پڑے تھے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

"تو (صالح علیہ السلام) نے منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور (بقصد حسرت) کہا اے میری قوم بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے (اپنے) خیر خواہوں کو۔[۱]"

۱ اگر کوئی یہ کہے کہ جب قوم ثمود کے افراد سب مر چکے تو صالح علیہ السلام نے ان سے یہ حسرت آمیز کلام کیوں کی تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے بدر کے کفار مقتولوں کو گڑھے میں ڈالنے کے بعد کلام فرمایا تھا۔ صحیحین میں حضرت ابو طلحہ سے مروی ہے کہ جنگ بدر کے بعد تیسرے دن رسول اللہ ﷺ نے سواری تیار کرنے کا حکم دیا سواری تیار ہوگئی تو آپ ﷺ صحابہ کرام کی معیت میں چل پڑے۔ صحابہ کرام نے آپس میں کہا کہ آپ ﷺ کسی کام کی غرض سے چلے ہیں۔ جب آپ ﷺ اس گڑھے کے کنارے پہنچے جس میں بدر میں قتل ہونے والے کفار کو پھینکا گیا تھا تو آپ ﷺ انہیں بلند آواز سے پکارنے لگے اے ابو جہل اے امیہ بن خلف، یا عتبہ، یا شیبہ بن ربیعہ کیا تمہیں خوشی ہوتی کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ کیا تم نے وہ سب کچھ حق دیکھ لیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ میں نے تو اپنے رب کا وعدہ حق اور سچ پا لیا ہے۔ تم اپنے نبی کیلئے برا قبیلہ تھے کہ تم نے میری تکذیب کی، جبکہ لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی اور لوگوں نے میری امداد و تائید کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف سے تمہیں بری سزا دی۔ تم نے میری دیانتداری پر اعتراض کیا اور مجھے سچا تسلیم نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ تین دن بعد ان مردوں سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں؟ یہ تو روحوں کے ڈھانچے پڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ یہ اب میری بات سن رہے ہیں لیکن انہیں جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔(۱)۔ بعض علماء فرماتے ہیں حضرت صالح علیہ السلام کا یہ خطاب پچھلے لوگوں کی عبرت کے لئے تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اصل

میں کلام اس طرح تھا فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ (الآیۃ) فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الخ۔

قوم ثمود کا قصہ محمد بن اسحٰق اور ابن جریر اور حاکم نے حجاج عن ابی بکر بن عبداللہ عن شہر بن حوشب عن عمرو بن خارجہ عن رسول اللہ ﷺ کی سند سے اس طرح نقل کیا ہے، قوم عاد جب ہلاک ہو گئی تو ثمود ان کے جانشین بن گئے اور خوب پھلے پھولے اور بڑی لمبی عمریں پائیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک مٹی کا گھر بناتا تو وہ گر جاتا لیکن وہ شخص ابھی زندہ ہوتا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ کچے مکان گر جاتے ہیں تو انہوں نے پہاڑوں میں گھر بنانے شروع کر دیے۔ ان کے معاشی حالات بہت بہتر ہو گئے تو کم ظرفی کی بناء پر مال و دولت کی فراوانی کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے رب کے نافرمان بن گئے اور زمین میں فساد شروع کر دیا اور غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کرنے کے لئے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہ قوم عرب تھی اور صالح علیہ السلام نسبی لحاظ سے متوسط خاندان کے ایک فرد تھے۔ لیکن فضائل و اخلاق کے اعتبار سے ان سے افضل تھے۔ آپ کا اس وقت عنفوان شباب تھا تو آپ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی لیکن اتنی دل سوز دعوت کے باوجود صرف چند کمزور حال لوگ ایمان لائے حتیٰ کہ آپ کے بال سفید ہو گئے۔ جب صالح علیہ السلام نے دعا و تبلیغ اور تحذیر و تخویف کی انتہائی کوشش فرمائی تو کہنے لگے آپ ہمیں اپنی صداقت کے لئے کوئی نشانی پیش کریں۔ آپ نے فرمایا تم کس قسم کی نشانی چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کل آپ ہمارے میلہ میں آ جائیں۔ ان لوگوں کا ایک میلہ لگتا تھا جہاں وہ اپنے مخصوص وقت میں بتوں کو لے جاتے تھے۔ کہنے لگے اس میلہ میں تم اپنے خدا سے دعا مانگنا ہم اپنے خداؤں سے التجائیں کریں گے۔ اگر آپ کی دعا قبول ہوئی تو ہم آپ کی اتباع کریں گے اور اگر ہماری دعا قبول ہوئی تو آپ ہماری پیروی کریں گے۔ صالح علیہ السلام نے ان کی تجویز قبول کر لی وہ اپنے بتوں کو لیکر میلہ میں پہنچ گئے اور صالح علیہ السلام بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے بتوں سے یہ دعا مانگی کہ صالح علیہ السلام کی دعا قبول نہ ہو۔ جندع بن عمرو بن جواس جو قوم ثمود کا اس وقت سردار تھا اس نے کہا ہمارے لئے اس پتھر سے جو الگ تھلگ پڑا ہے اور اس کو کاثبہ کہا جاتا ہے اگر اس سے ایک اونٹنی پیدا کر دیں جو بڑے پیٹ والی ہو دس ماہ کی گابھن اور اون والی ہو اور بختی اونٹوں کے مشابہ ہو، اگر آپ یہ معجزہ دکھا دیں تو ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح نے ان سے پختہ عہد لیا کہ اگر میں یہ معجزہ دکھا دوں تو تم ضرور میری تصدیق کرو گے اور یقیناً تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی اور اپنے پروردگار سے دعا کی تو اس پتھر سے بچہ جننے والی جانور کی سی آوازیں آنے لگیں۔ پھر اس پتھر نے حرکت کی اور یکدم پھٹ گیا اور اس میں سے ان کی فرمائش کے مطابق اونٹنی برآمد ہو گئی۔ اس کے پیٹ میں جو کچھ تھا اسے اللہ کے سوا اور کوئی نہ جانتا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے بچہ جن دیا جو بالکل ماں کی مانند بڑا تھا۔ یہ معجزہ دیکھ کر جندع بن عمرو اور چند اور لوگ ایمان لے آئے۔ قوم ثمود کے دوسرے سرداروں نے بھی ایمان لانے اور تصدیق کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ذواب بن عمرو بن لبید، حباب (جو بت رکھتا تھا) رباب بن صعر کاہن نے انہیں ایمان لانے سے منع کیا۔ یہ منع کرنے والے بھی رؤساء تھے جب اونٹنی پیدا ہو گئی تو صالح علیہ السلام نے کہا یہ اونٹنی ہے ایک دن پانی پینے کی تمہاری باری ہو گی اور ایک دن اس کی باری ہو گی۔ پس اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ کچھ مدت تو قوم ثمود کے کھیتوں میں درخت کھاتی اور پانی پیتے چرتی پھرتی رہی، وہ ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی۔ جب اس کی باری ہوتی تو وہ حجر کے کنویں میں سر ڈال کر پانی پیتی۔ اس کنویں کو اونٹنی والا کنواں کہا

1۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 345 (قدیمی)

جاتا تھا۔ اونٹنی اس وقت تک سر نہ اٹھاتی جب تک کہ پانی ختم نہ ہو جاتا تھا۔ وہ پانی پیتے وقت ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہوتی تھی جو جتنا چاہتے تھے اس دودھ کو دوہتے، پیتے بھی تھے اور ذخیرہ بھی کر لیتے تھے حتیٰ کہ ان کے برتن بھر جاتے تھے پھر وہ باہر نکلتی تو ٹانگیں پھیلائے ہوئے نہ ہوتی تھی کیونکہ اب جگہ تنگ ہو جاتی تھی۔ جب دوسرا دن ہوتا تو پانی پینے کی باری ان کی ہوتی وہ جتنا چاہتے پانی پیتے اور ذخیرہ بھی کر لیتے۔ وہ اونٹنی سے بہت تنگ تھے۔ اونٹنی گرمیوں میں وادی میں جاتی تو لوگوں کے سب جانور بھاگ جاتے۔ وہ گرمی سے اپنا وہاں بچاؤ کرتی اور سردیوں میں وہ وادی کے بطن میں چلی جاتی تو ان کے جانور وادی کے ظاہر کی طرف بھاگ جاتے اور سردی میں ان کے جانوروں کو انتہائی تکلیف تھی اور لوگوں پر یہ صورت حال انتہائی شاق تھی۔ انہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس صورت حال نے انہیں اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر برانگیختہ کیا تو انہوں نے متفقہ طور پر اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کا فیصلہ کیا۔ قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں جن میں سے ایک کا نام عنیزہ بنت غنم بن مجلد تھا، اس کی کنیت ام غنم تھی، یہ ذواب بن عمرو کی بیوی تھی، یہ سن رسیدہ عورت تھیں اور اس کی خوبصورت بیٹیاں بھی تھی اور اونٹ، بیل اور بکریوں کے ریوڑ بھی تھے۔ دوسری عورت کا نام صدوف بن مختار تھا، یہ بھی نہایت خوبصورت اور مال و دولت کی مالک تھی۔ یہ دونوں عورتیں صالح علیہ السلام سے انتہائی عداوت و دشمنی رکھتی تھیں۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی قتل ہونے کی ان کو بڑی خواہش تھی کیونکہ ان کے مال و مویشی اس اونٹنی کی وجہ سے بہت تکلیف میں تھے۔ صدوف نے قوم ثمود کے الحباب نامی شخص کو اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے کہا۔ اس نے کہا اگر تو یہ کام کر دے تو میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دوں گی لیکن اس شخص نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا پھر اس نے چچازاد بھائی مصدع بن مہرج بن المختار کو بلایا اور اسے کہا اگر تو اونٹنی کو قتل کر دے تو میں تیری ہو جاؤں گی اس عورت کا حسن و جمال بھی کمال پر تھا اور مال و دولت کی بھی فراوانی تھی تو مصدع نے یہ بات قبول کر لی۔ ادھر عنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف کو بلایا، اس شخص کا رنگ سرخ تھا، آنکھیں نیلی اور قد پست تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ حرامی تھا اور سالف کے نطفہ سے نہ تھا اگرچہ اس کے گھر پیدا ہوا تھا۔ عنیزہ نے اسے کہا اگر تو اونٹنی کو قتل کر دے تو تو جس میری بیٹی سے شادی کرنا چاہے گا وہ میں تمہیں دے دوں گی۔ قدار اپنی قوم کا ایک غالب اور طاقتور شخص سمجھا جاتا تھا[1] رسول اللہ ﷺ نے اذا انبعث اشقاھا کی تفسیر میں فرمایا کہ قدار، ابوزمعہ کی طرح غالب اور طاقتور اور پختہ عزم والا شخص تھا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ قدار بن سالف اور مصدع بن مہرج نے قوم ثمود سے کچھ مددگار طلب کئے تو سات آدمیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ نو افراد کا گروہ بن گیا، یہ تمام اونٹنی کی تاڑ میں بیٹھ گئے کہ ایک راستہ پر قدار تھا اور دوسرے راستہ پر مصدع تھا۔ اونٹنی مصدع کے پاس سے گذری تو اس نے اسے تیر مارا تو اس کی پنڈلی میں جا لگا۔ ام غنم عنیزہ نکلی اور اپنی بیٹی کو بھی نکلنے کا حکم دیا، اس نے قدار کو جوش دلایا اور اسے باہر لے آئی۔ قدار نے آتے ہی اونٹنی پر تلوار کے ساتھ وار کر دیا جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی۔ اونٹنی اپنے بچے کو اطلاع کرنے کے لئے بھاگی تو اس نے اس کے سینہ پر برچھی ماری اور اسے قتل کر دیا۔ پھر سب لوگ شہر سے باہر نکل آئے اور اس کا گوشت تقسیم کر کے پکا لیا جب اونٹنی کے بچے نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ بھاگ کر محفوظ پہاڑ پر چڑھ گیا جس کو صور کہا جاتا تھا۔ بعض نے اس کا نام فارہ بتایا ہے۔ صالح علیہ السلام تشریف لائے تو آپ کو پتہ چلا کہ اونٹنی کو قتل کر دیا گیا ہے، آپ ان لوگوں کے پاس پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگے کہ اے اللہ کے نبی اسے فلاں شخص نے قتل کیا ہے، ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا اس کے بچے کو تلاش کرو شاید وہ تمہیں مل جائے اور تم سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 10-209 (التجاریہ)

عذاب نل جائے۔ جب وہ اسے پکڑنے کے لئے پہاڑ کی طرف گئے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بلند ہو جانے کی وحی فرمائی۔ وہ اتنا بلند ہو گیا کہ کوئی پرندہ بھی اوپر سے نہیں گذر سکتا تھا۔ صالح علیہ السلام اس بچے کے سامنے آئے تو وہ رو نے لگا حتیٰ کہ اس کے آنسو ٹپکنے لگے پھر اس نے تین مرتبہ اپنی مخصوص آواز نکالی پھر پتھر پھٹا اور وہ اس کے اندر چلا گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا ہر آواز کی ایک دن کی مدت ہے تم لوگ تین دن اپنے مال ومتاع سے لطف اندوز ہو، اس کے بعد عذاب آ جائے گا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ان نو افراد میں سے چار اونٹنی کے بچے کے پیچھے نکلے تھے۔ ان میں مصدع بن مہرج اور اس کا بھائی ذاب بن مہرج تھا۔ مصدع نے اس کو تیر مارا تو اس کا دل چر گیا، وہ اس کی ٹانگ سے پکڑ کر نیچے کھینچ لایا اور اس کا گوشت اسی کی ماں کے گوشت کے ساتھ ڈال دیا۔ صالح علیہ السلام نے لوگوں کو کہا تم نے اللہ کی حرمت کی ہتک کی ہے، تم پر عذاب نازل ہوگا۔ لوگ مذاق کے طور پر پوچھتے اے صالح وہ عذاب کب آئے گا اور اس کی نشانی کیا ہے۔ قوم ثمود نے ہفتہ کے دنوں کے یہ نام رکھے ہوئے تھے الاول (اتوار) العون (سوموار) دبار (منگل) جبار (بدھ) مونس (خمیس) عروبہ (جمعہ) شیار (ہفتہ) انہوں نے اونٹنی کی کونچیں بدھ کے روز کاٹی تھیں۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا جب جمعرات کا روز ہوگا تو صبح تمہارے چہرے زرد ہوں گے اور جمعہ کے روز سرخ ہوں گے اور ہفتہ کے روز تمہارے چہرے کالے سیاہ ہوں گے، اتوار کے دن تم پر عذاب آئے گا۔ صالح علیہ السلام نے یہ کہا تو وہ نو افراد کہنے لگے ہم صالح (علیہ السلام) کو ہی قتل کر دیں گے۔ اگر یہ سچے ہوں گے تو ہم پہلے قتل کر چکے ہوں گے اور اگر جھوٹے ہوں گے تو ہم اسے اونٹنی کے گوشت کے ساتھ ملا چکے ہوں گے۔ انہوں نے صالح علیہ السلام پر شب خون مارا لیکن فرشتوں نے پتھر مار کر انہیں قتل کر دیا۔

جب یہ نو افراد اپنی قوم کے پاس نہ پہنچے تو قوم صالح علیہ السلام کے گھر ان کا پتہ لینے کے لئے آئی۔ انہوں نے انہیں پتھروں کے نیچے دبا ہوا پایا۔ قوم نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ تم نے انہیں قتل کیا ہے پھر انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن ساتھ والے قبیلے کے لوگوں نے کہا جنہوں نے ہتھیار پہنے ہوئے تھے کہ تم صالح علیہ السلام کو کبھی قتل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے تم پر تین دن کے بعد عذاب نازل ہونے کا وعدہ کیا ہے اگر وہ سچے ہیں تو تم ان کو قتل کر کے مزید اپنے رب کے غضب کو ابھارو گے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو یہ کام تین دن کے بعد بھی ہو جائے گا۔ یہ بات سن کر وہ چلے گئے۔ خمیس کے روز ان کے چہرے زرد ہو گئے یوں لگتا جیسے ان کے بڑے چھوٹے مذکر اور مونث ہر ایک کے منہ پر زرد رنگ کی خوشبو مل دی گئی ہے۔ انہیں عذاب کا یقین ہو گیا اور صالح علیہ السلام کی صداقت کو پہچان گئے۔ وہ صالح علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تا کہ انہیں قتل کر دیں لیکن صالح علیہ السلام ان سے بچ بچا کر نکل گئے اور ثمود کی ایک شاخ بنو غنم کے پاس پہنچ گئے۔ ان کا سردار نفیل جس کی کنیت ابی ہدب تھی وہ مشرک تھا لیکن اس نے آپ کو چھپا لیا، اس لئے یہ لوگ آپ کو تلاش نہ کر سکے۔ صبح لوگوں نے آپ کے ساتھیوں کو مارنا شروع کیا تا کہ وہ ہمیں صالح علیہ السلام کا پتہ بتائیں۔ صالح علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک شخص کا نام میدع بن ہرم تھا، اس نے صالح علیہ السلام سے کہا اے اللہ کے نبی وہ آپ کا پتہ پوچھنے کے لئے ہم پر ظلم کر رہے ہیں کیا ہم آپ کا پتہ انہیں بتا دیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں تم انہیں کہو صالح میرے پاس ہے لیکن تم اس کو پکڑ نہیں سکتے۔ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور نازل ہونے والے عذاب کے بارے میں سوچنے لگے۔ ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھ کر عذاب کی آمد بتاتے تھے۔ جب شام ہوئی تو سب مل کر چیخنے لگے، مقررہ مدت کا ایک دن گزر گیا۔ جب دوسرا دن آیا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے یوں لگتا تھا کہ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ وہ رونے اور چیخنے لگے کہ عذاب آیا ہی آیا جب شام ہوئی تو پھر اسی چیخ و

پکار میں مشغول ہو گئے۔ مدت کے دو دن گذر گئے، عذاب قریب آ گیا ہے۔ تیسرے دن کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سیاہ تھے یوں لگتا تھا جیسے تارکول چہروں پر مل دی گئی ہے پھر رونے لگے کہ عذاب آیا جب اتوار کی رات ہوئی تو صالح علیہ السلام اور آپ کے مسلمان ساتھی شام کی طرف نکل گئے اور فلسطین کے ایک ریگستان میں خیمہ زن ہو گئے۔ قوم پر صبح ہوئی تو انہوں نے کفن پہن لئے مردوں والی خوشبو جسم پر مل لی اور زمین پر گر پڑے۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی زمین کی طرف دیکھتے، سوچتے کہ عذاب کس طرف سے آئے گا؟ جب اتوار کو چاشت کا وقت ہوا تو سخت زلزلہ آیا جس سے وہ منہ کے بل اوندھے پڑ گئے پھر آسمان سے ایک زوردار کڑک آئی جو ہر کڑک اور ہر چیز کی آواز کا مجموعہ تھی۔ پس ان کے دل ان کے سینوں میں ہی ٹوٹ گئے پھر قوم کا ہر چھوٹا بڑا فرد ہلاک ہو گیا لیکن ایک اپاہج لونڈی جس کا نام ذریعہ بنت سلف تھا، یہ صالح علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ درست فرما دیئے تو یہ دوڑ کر فرخ یعنی وادی قری میں آئی اور وادی والوں کو عذاب کی خبر دی پھر اس نے پانی مانگا اور پانی پیتے ہی مر گئی۔

سدی نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو وحی فرما دی تھی کہ تیری قوم تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے گی۔ آپ نے قوم والوں کو یہ بتایا تو کہنے لگے ہم قطعاً ایسا نہیں کریں گے۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا اس مہینہ میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو کونچیں کاٹے گا اور اس کے سبب تمہاری ہلاکت ہوگی۔ قوم نے کہا اس مہینے جو بچہ پیدا ہو گا ہم اسے قتل کر دیں گے۔ دس بچے اس مہینہ میں پیدا ہوئے، انہوں نے نو کو قتل کر دیا اور ایک بچ گیا جس کی آنکھیں نیلی اور رنگ سرخ تھا، وہ بڑا جلدی پرورش پانے لگا۔ جب وہ نو مقتول بچوں کے والدین کے سامنے سے گذرتا تو وہ کہتے اگر ہمارے بیٹے زندہ ہوتے تو وہ بھی اسی طرح کے ہوتے تو وہ نو افراد جن کے بچے قتل ہوئے تھے صالح علیہ السلام پر غصہ کرتے کیونکہ وہ ان کے بیٹوں کے قتل کا سبب بنے تھے۔ انہوں نے قسم اٹھائی کہ ہم رات کو صالح علیہ السلام کو قتل کر دیں گے۔ مشورہ یہ کیا کہ ہم پہلے شہر سے نکل جاتے ہیں تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ ہم سفر پر چلے گئے ہیں پھر ہم ایک غار میں بیٹھ جائیں گے اور جب رات ہوگی اور صالح علیہ السلام اپنی مسجد کی طرف جائیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم غار کی طرف واپس چلے جائیں گے۔ کچھ وقت بعد واپس آئیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صالح علیہ السلام کے قتل کے وقت موجود ہی نہ تھے اور ہم سچے ہیں اور لوگ ہماری تصدیق کر دیں گے کہ واقعی ہم سفر پر گئے ہوئے تھے۔ صالح علیہ السلام اپنی بستی میں نہ سوتے تھے، وہ ایک مسجد میں رات گذارتے تھے جسے مسجد صالح کہا جاتا تھا۔ آپ صبح کے وقت بستی میں آتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے پھر جب شام ہوتی تو آپ مسجد کی طرف چلے جاتے اور وہاں رات بسر کرتے۔ وہ نو افراد اپنے منصوبہ کے تحت غار میں چلے گئے تو قدرت الٰہی سے وہ غار ان کے اوپر گر پڑی اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ راہنمائی کرتا ہے۔ جن لوگوں کو اس منصوبہ کی خبر تھی وہ غار میں گئے تو کیا دیکھا کہ وہ سب پتھروں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ اپنی بستی میں چیختے چلاتے ہوئے واپس آئے اور کہا اے اللہ کے بندو صالح علیہ السلام ان کے بچوں کے قتل سے راضی نہیں ہوئے، اب ان کو بھی قتل کر دیا ہے۔ لوگوں نے اس واقعہ کے بعد اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ان نو افراد نے کونچیں کاٹنے کے بعد صالح علیہ السلام پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ سدی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ دسواں بچہ یعنی قدار جب پیدا ہوا تو ایک دن میں اتنا بڑھتا جتنا کہ کوئی دوسرا بچہ ہفتہ میں بڑھتا ہے اور مہینے میں اتنا بڑا ہو جاتا جتنا کہ کوئی دوسرا بچہ سال میں بڑھتا ہے۔ جب یہ بڑا ہوا اور لوگوں کے ساتھ شراب پینے بیٹھا تو انہیں شراب میں پانی ملانے کی ضرورت پڑی اور اس دن اونٹنی

کے پانی پینے کی باری تھی۔ انہوں نے پانی تلاش کیا لیکن اونٹنی پانی پی چکی تھی، ان پر یہ معاملہ بہت گراں گزرا۔ کہنے لگے ہم دودھ کو کیا کریں؟ اگر ہمیں وہ پانی ملتا ہے جسے اونٹنی پی چکی ہے تو ہم اپنے مال مویشی سیراب کرتے اور اپنی کھیتیوں کو سیراب کرتے تو یہ ہمارے لئے بہتر تھا۔ قذار نے کہا کیا میں تمہارے لئے اس اونٹنی کی کونچیں نہ کاٹ دوں؟ انہوں نے کہا ہاں تو اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر کی سند سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک میں حجر کے مقام پر اترے تو آپ نے فرمایا اس وادی کے کنویں کا پانی نہ خود پیو اور نہ اپنے جانوروں کو پلاؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کی حضور! ہم نے تو آٹا بھی اس سے گوندھ لیا اور پانی بھر بھی لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا پانی کو بہا دو اور آٹا پھینک دو۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت نافع نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حجر کے کنویں کا پانی بہا دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور اس کنویں سے پانی لیں جس کا پانی اونٹنی پیتی تھی۔ ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا غزوہ تبوک میں جب آپ ﷺ حجر کی وادی سے گذرے تو صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تم میں سے کوئی اس وادی میں داخل نہ ہو اور نہ اس کا پانی استعمال کرو اور نہ ان عذاب شدہ لوگوں کے اوپر سے گذرو مگر یہ کہ روتے ہوئے گذرو تاکہ تم پر کہیں وہ عذاب نہ آ جائے پھر فرمایا تم بھی اپنے رسول سے معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو۔ صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رسول سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو پیدا فرمایا۔ وہ اس راستہ سے پانی پر اترتی تھی اور اس راستہ سے واپس آتی تھی اور اپنی باری پر سارا پانی پی جاتی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا جو مشرق و مغرب میں زمین پر آسمان کے نیچے رہتے تھے۔ صرف ایک شخص بچا جس کا نام ابو رغال کہا جاتا تھا، یہ قبیلہ ثقیف کا پہلا باپ تھا، یہ حرم میں رہتا تھا تو حرم نے اسے اللہ کے عذاب سے بچا لیا لیکن جب حرم سے نکلا تو وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں قوم مبتلا ہوئی تھی۔ وہ دفن ہوا تو اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن ہو گئی۔ آپ ﷺ نے ابی رغال کی قبر دکھائی، صحابہ کرام نے تلواروں کے ذریعے زمین کھود کر وہ سونے کی ڈنڈی نکال لی۔ قوم ثمود میں سے صالح علیہ السلام پر چار ہزار افراد ایمان لائے تھے حضرت صالح علیہ السلام اپنے حواریوں کو ساتھ لے کر حضر موت تشریف لے گئے تھے۔ جب صالح علیہ السلام اس علاقہ میں پہنچے تو آپ کا وصال ہو گیا۔ اسی وجہ سے اس بستی کا نام حضر موت پڑ گیا۔ آپ کے حواریوں نے ایک بستی بنائی جس کا نام انہوں نے حاصورا رکھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کا وصال مکہ میں ہوا تھا اور آپ کی عمر اٹھاون سال تھی(1) اور آپ نے بیس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰

"اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں[1]۔"

[1] یعنی ہم نے لوط بن ہاران بن تارخ ابن اخی ابراہیم کو بھیجا۔ آپ کی قوم اہل سدوم تھے۔ بعض علماء نے لوطاً سے پہلے اذکر فعل محذوف نکالا ہے، اس صورت میں اذ اس سے بدل ہوگا۔

اتاتون میں ہمزہ انکار توبیخ اور تقریع کے لئے ہے۔ الفاحشۃ سے مراد لڑکوں سے بدمعاشی کرنا ہے من احد میں من زائدہ ہے اور یہ نفی اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 13-210 (التجاریۃ)

استغراق کی نفی کی تاکید کے لئے ہے من العالمین میں من تبعیضیہ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور انکار کو ثابت کرتا ہے یا یہ الفاحشۃ سے حال ہے گویا ان کو پہلے اس بے حیائی کے ارتکاب پر زجر و توبیخ کی گئی پھر اس کی اختراع پر انہیں جھڑکا کیونکہ یہ بے حیائی انتہائی قبیح ہے عمرو بن دینار فرماتے ہیں دنیا میں کسی مذکر کو دوسرے مذکر پر نہیں دیکھا گیا حتیٰ کہ لوط علیہ السلام کی قوم سے یہ فعل بد شروع ہوا۔

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾

"بے شک تم [1] جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے [2] عورتوں کو چھوڑ کر [3] بلکہ تم لوگ تو حد سے گذرنے والے ہو [4]"

[1] انکم نافع اور حفص نے اسے ہمزہ مکسورہ کے ساتھ استیناف کے طور پر جملہ خبریہ کی حیثیت سے پڑھا ہے اور باقی قراء نے استفہام کے ساتھ یعنی دو ہمزوں کے ساتھ ائنکم پڑھا ہے۔ اتاتون الفاحشة کے قول کے بیان کی حیثیت سے پڑھا ہے۔ یہ انکار اور توبیخ میں زیادہ بلیغ ہے۔

[2] تم مردوں کے ساتھ مجامعت کرتے ہو عرب کہتے ہیں اتی المراۃ جب وہ عورت پر چھا جائے۔

شھوۃ مفعول لہ ہے یعنی تمہیں اس فعل بد پر صرف شہوت ہی ابھارتی ہے یا یہ مصدر اور حال واقع ہو رہا ہے یعنی ان کی شہوت ردی شہوت ہے اور غیر مفید ہے۔

[3] یعنی تم عورتوں کے پاس قضاء شہوت کے لئے نہیں جاتے حالانکہ اس میں حکمت ہے مثلاً اولاد کا حصول اور نوع کی بقاء اس فعل بد سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو خالصۃً جانوروں کا فعل ہے۔ میں کہتا ہوں اس آیت سے دلالۃ النص کے ذریعے ثابت ہوا کہ عورتوں کی دبر میں وطی کرنا حرام ہے کیونکہ یہ مردوں کے ساتھ وطی کرنے کی طرح خبیث اور غیر مفید فعل ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو سورۃ البقرہ میں يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى اور فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ کے تحت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

[4] یہ انکار سے اضراب ہے اور اخبار کی طرف کلام کو پھیرا گیا ہے یعنی ان کی اس حالت کو بیان کیا جا رہا ہے جو اس قسم کی برائیوں کے ارتکاب کا موجب بنتی تھی۔ یعنی تمہاری عادت ہی اسراف ہے اور عقلی اور شرعی حدود سے تجاوز کرنا ہے حتیٰ کہ تم نے نکاح جو عادی اور فطری راستہ تھا اسے چھوڑ کر غیر فطری راستہ اختیار کیا، جس میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے یا یہ انکار سے اضراب ہے اور ان کے برے اوصاف کی مذمت کی طرف کلام کو پھیرا گیا ہے یا محذوف کلام سے اعراض ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے کہ تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہے بلکہ تمہاری عادت ہی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾

"اور نہ تھا کوئی جواب ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وہ بولے باہر نکال دو انہیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاک باز بنتے ہیں [1]"

[1] حضرت لوط علیہ السلام نے جب قوم کو وعظ و نصیحت فرمائی اور ان کے پاس اس نصیحت آمیز کلام کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے کہا لوط اور آپ کے ساتھیوں کو بستی سے نکال دو۔ إِلَّا أَن قَالُوا مستثنیٰ منقطع ہے۔ یتطھرون یعنی برائی سے پاک ہونا ظاہر کرتے ہیں یہ جملہ انہوں نے بطور استہزاء کہا ہے۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾

"پس ہم نے نجات دے دی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے وہ ہو گئی پیچھے رہ جانے والوں سے [1]"

۱؎ اس آیت میں اھلہ سے مراد آپ کے پیروکار مومنین ہیں اور بعض علماء نے فرمایا آپ کی دو بیٹیاں ہیں۔
الا امراتہ یہ اھل سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ منافق تھی اور کفر کو چھپائے ہوئے تھی من الغابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں رہ گئے تھے اور ہلاک ہو گئے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عورت عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے تھی۔ بعض فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو لمبی عمروں والے تھے۔ اس عذاب سے پہلے وہ ایک طویل زمانہ گزار چکی تھی پھر قوم لوط کے ساتھ عذاب میں ہلاک ہوئی اور مذکر صیغہ مذکر کو غلبہ دینے کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

"اور برسایا ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ ۱؎ تو دیکھو کیسا (عبرتناک) انجام ہوا مجرموں کا ۲؎"

۱؎ ھم ضمیر کا مرجع قوم لوط ہے مطرا سے ایک عجیب قسم کی بارش یعنی نشان زدہ پتھروں کی بارش مراد ہے۔ وھب بن منبہ فرماتے ہیں کبریت اور آگ کی بارش۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں امطر عذاب برسانے کے لئے اور مطر رحمت برسانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
۲؎ مجرمین سے مراد کفار ہیں۔ روایت ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام نے آپ کو اہل سدوم کی طرف مبعوث فرمایا کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور توحید کی طرف دعوت دیں اور جس برائی اور بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں اس سے انہیں روکیں لیکن وہ مسخ شدہ اذہان اس بے لوث اور محبت آمیز وعظ و نصیحت سے الٹا اکڑ گئے اور برائی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطور سزا پتھروں کی بارش کر دی اور وہ سب نیست و نابود ہو گئے۔ اسحاق بن بشر اور ابن عساکر نے ابن عباس سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو اس قوم کے لوگ مقیم تھے ان کو تو زمین میں دھنسا دیا گیا اور جو ان کے مسافر تھے ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں اس قوم کے پھلدار باغ تھے اور خوشحال دیہات تھے، اس علاقہ میں اس جیسا کوئی خطہ نہ تھا۔ لوگ ان کے پاس آتے اور ان کے باغات اور کھیتوں سے پھل اور اناج لے کر چلے جاتے تو وہ اس بات میں بہت پریشان تھے۔ ابلیس انسانی روپ میں ان کے پاس آیا اور انہیں مشورہ دیا کہ آنے والے لوگوں سے تم لواطت کرو تو تم اس تکلیف سے بچ جاؤ گے۔ لوگوں نے پہلے اس کا مشورہ قبول نہ کیا لیکن جب وہ دوسرے لوگوں سے بہت تنگ آ گئے اور لوگوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان لوگوں نے ان کے لڑکوں کو پکڑ لیا اور اس طرح ان کے اندر اس برائی کا معاملہ جڑ پکڑ گیا۔ حسن فرماتے ہیں وہ خالص عرب عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔ کلبی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے لواطت کی برائی کا ارتکاب ابلیس نے کیا تھا۔ اھل سدوم کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ دوسرے علاقہ کے لوگ مال مویشی چرانے کے لئے ان کے پاس آتے تھے تو ابلیس ایک خوبصورت نوجوان کی شکل میں ان کے پاس آیا، لوگوں کو لواطت کی طرف بلایا اور لواطت شروع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ان پر پتھروں کی بارش برسانے اور زمین کو انہیں دھنسا دینے کا حکم فرمایا(1)۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

"اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو ۱؎ انہوں نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 214 (التجاریہ)

ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے ۲؎ تو پورا کرو ناپ اور تول کو ۳؎ اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں ۴؎ اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد ۵؎ یہ بہتر ہے تمہارے لئے ۶؎ اگر تم ایمان لانے والے ہو ۷؎"

۱؎ یعنی ہم نے مدین بن ابراہیم خلیل الرحمٰن کی اولاد کی طرف شعیب کو مبعوث فرمایا۔ امام بغوی فرماتے ہیں مدین سے مراد اصحاب الایکہ ہے۔ بھائی سے مراد نسبی بھائی ہے، دینی بھائی مراد نہیں ہے۔ عطاء فرماتے ہیں شعیب علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے کہ شعیب بن توبہ بن ابراہیم خلیل الرحمٰن۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں یہ سلسلہ اس طرح تھا کہ شعیب بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ میکیل لوط کی بیٹی کا نام ہے۔ بعض نے شجرہ نسب یہ لکھا شعیب بن یثرون بن نویس بن مدین اور شعیب علیہ السلام نابینا تھے، آپ کو خطیب الانبیاء کا خطاب دیا گیا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو بہت عمدہ اور حسین انداز میں توحید کی طرف اور نیک خصائل کی طرف بلایا تھا لیکن آپ کی قوم کفر پر اڑی ہوئی تھی۔ کم تولنا اور کم ماپنا ان کے مشہور افعال قبیحہ تھے(1) ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ فرماتے تو فرماتے وہ خطیب الانبیاء تھے کیونکہ وہ اپنی قوم کو نہایت شستہ اور حسین انداز میں دعوت توحید اور دعوت عمل دیتے تھے(2)۔

۲؎ یہاں بینۃ سے مراد شعیب علیہ السلام کی نبوت کی صداقت کا معجزہ ہے لیکن قرآن نے بیان نہیں فرمایا کہ وہ معجزہ کیا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ معجزہ سے مراد بذات خود حکمت، نصیحت اور خوش بیانی کے ساتھ تشریف لانا ہے۔

۳؎ میزان بمعنی الوزن مصدر ہے جیسے المیعاد بمعنی الوعد مصدر ہے یا یہاں مضاف محذوف ہے، یعنی وزن المیزان یا کیل سے مراد آلۃ الکیل ہے اور مضاف محذوف ہے کیل کا کیال پر اطلاق ہے جیسے عیش کا اطلاق معاش پر ہوتا ہے۔

۴؎ لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کرو۔ بخس دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے اور وہ دو مفعول الناس اور اشیاء ھم ہیں۔ عرب کہتے ہیں بخست زیداً حقہ، یعنی میں نے اس کا حق کم کر دیا۔ اشیاء ھم فرمایا تا کہ عموم کا فائدہ حاصل ہو کیونکہ وہ بڑی چھوٹی عظیم و حقیر ہر چیز میں کمی کرتے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ ذخیرہ اندوزی کرتے تھے اور ہر چیز کی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔

۵؎ زمین میں کفر اور ظلم کے ذریعے فساد نہ پھیلاؤ۔ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرمایا ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔

۶؎ جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اور جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں وہ اس ظلم اور بخس (کم تولنے) سے بہتر ہے کیونکہ کم تولنے اور ظلم کرنے میں اگرچہ اس دنیا میں تمہیں کچھ نفع بھی ہوتا ہے لیکن یہ گھناؤنا کرتوت تمہارے لئے دونوں جہانوں کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا باعث بنتا ہے، جبکہ میں جس چیز کا حکم دیتا ہوں وہ تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لئے بہتر ہے۔

۷؎ اگر تم میری تصدیق کرنے والے ہو تو وہ کرو جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور آپ کی قوم کے لوگ یہ تو جانتے تھے کہ شعیب علیہ السلام جھوٹ کی آمیزش سے بالکل مبرا ہیں لیکن آپ کی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ راستہ پر بیٹھ جاتے اور جو مسلمان ہونے کے لئے شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا وہ اسے منع کرتے اور کہتے کہ شعیب جھوٹا ہے، یہ تمہیں اپنے دین سے برگشتہ کر دے گا اور وہ مومنین کو قتل کی دھمکیاں دیتے تھے اور انہیں خوفزدہ کرتے تھے۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اسی طرح کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 15-214 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 192 (العلمیہ)

روایت نقل کی ہے۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

"اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روک رہے ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب۔[1] اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے سے تھے پھر اس نے تمہیں بڑھایا[2] اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد برپا کرنیوالوں کا۔[3]"

[1] توعدون اپنے معطوف سے مل کر تقعدوا کے فاعل سے حال ہے۔ من آمن بہ میں ہ ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ من آمن بہ میں توعدون اور تصدون تنازع کر رہے ہیں لیکن دوسرے فعل کو عمل کرایا گیا ہے کیونکہ تصدو نھم نہیں فرمایا اور تبغونھا میں ھا ضمیر کا مرجع سبیل اللہ ہے۔ عوجا یعنی ٹیڑھا بناتے ہیں شکوک وشبہات پیدا کر کے یا لوگوں کو یہ بتا کر کہ یہ غلط اور ٹیڑھا راستہ ہے۔

بعض علماء نے اس کا یہ معنی لکھا ہے، یعنی تم دین کے ہر راستہ اور روش پر نہ بیٹھو جس طرح شیطان بیٹھتا ہے۔ حق اور دین کا راستہ ایک ہے لیکن اس کی معارف احکام اور حدود میں تقسیم کے اعتبار سے بِكُلِّ صِرَاطٍ (ہر راستہ) فرمایا ہے۔ وہ جب کسی کو دین کے کسی حکم پر عمل کرتا ہوا دیکھتے تو اسے قتل کرنے اور عذاب دینے کی دھمکیاں دیتے تھے۔ اس معنی کی بناء پر و یصدون عن سبیل اللہ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر کیا ہے تا کہ کل صراط کی تفسیر ہو جائے اور جو وہ اسلام کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے اس کے گناہ کبیرہ ہونے اور ان کے فعل شنیع کی قباحت کے بیان پر دلالت ہو جائے۔

[2] اور یاد کرو جب تمہاری تعداد بہت کم تھی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری نسل اور مال میں بڑی برکت ڈال کر زیادہ کر دیا۔

[3] اپنے سے پہلے والے نابکاروں کا انجام دیکھو مثلاً قوم لوط وغیرہ کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔

وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

"اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔[1]"

[1] اس آیت کریمہ میں مومنین کے لئے وعدہ ہے اور کافروں کے لئے وعید ہے۔ آیت کے آخری حصے میں فرمایا صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حق کے پرستاروں کی مدد فرما کر باطل کے داعیوں کے منہ کالے کر کے فیصلہ فرما دے اور فرمایا وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اس کے فیصلہ کو کوئی روکنے اور ٹالنے والا نہیں ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

"کہنے لگے وہ سردار جو غرور وتکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب) کی قوم سے یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب جو

ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں شعیب نے کہا اگرچہ ہم اس (ارتداد) کو
ناپسند بھی کرتے ہوں لے ''

لے وہ لوگ جو برائی اور بداخلاقی کے نشہ میں بدمست تھے اور غرور وتکبر سے ان کے دماغ ابل رہے تھے کہنے لگے قسم بخدا تمہیں ہمارے عقیدہ اور عمل کی طرف لوٹنا ہوگا ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے اوپر ایمان لانے والوں کو جلاوطن کر دیں گے۔ شعیب علیہ السلام نے کبھی بھی ان کے عقیدہ اور برے اعمال کو نہیں اپنایا تھا کیونکہ انبیاء کرام سے کفر کا صدور کبھی جائز بھی نہیں ہوتا لیکن آپ کی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے آپ کو اسی انداز میں مخاطب کیا (اور کہا کہ تم لوٹ آؤ ہماری ملت میں) پھر جواب بھی اسی انداز میں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تم ضرور ہماری ملت میں داخل ہو گے اور یہاں عاد بمعنی صار ہے۔ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ میں ہمزہ انکاری ہے اور واؤ حالیہ ہے بلکہ محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے اور پورا جملہ حال ہے تقدیر کلام یوں ہوگی تَعْبُدُوْنَنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ لَوْ كُنَّا طَائِعِيْنَ وَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ۔ پس ایک معطوف کو حذف کیا گیا ہے اور یہ دونوں کُنَّا کے فاعل سے حال ہیں اور حکم کو بہت دور کی نقیض کے ساتھ معلق کیا تا کہ حکم کے نہ پائے جانے پر دلالت کرے۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝۸۹

'' پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا لے اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے ۲ے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لئے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں ۳ے مگر یہ کہ چاہے اللہ جو پروردگار ہے ہمارا ۴ے گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے ۵ے صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے ۶ے اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ۷ے ''

لے پھر تو ہم نے اس کے لئے شریک ثابت کر کے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔

۲ے یہ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے جس پر سابق کلام دلالت کر رہی ہے افترینا کا کلمہ صیغہ کے اعتبار سے ماضی ہے لیکن مستقبل کے معنی میں ہے تو یہ اسلوب بیان کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور اس پر قد کا دخول حال کے ثبوت کے لئے ہے، یعنی اگر ہم پھر تمہارے دین کی طرف لوٹ آئیں اس کے بعد کہ ہمارے پروردگار نے ہمیں اس گمراہی سے نجات عطا فرمائی ہے اور اس نے ہم پر روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ پہلے جس عقیدہ اور بداعمال میں ہم تھے وہ سراسر باطل تھا اور اب جو ہم نے دین متین اپنایا ہے۔ یہ سراپا حق ہے بعض علماء فرماتے ہیں یہ جواب قسم ہے اور لام محذوف ہے تقدیر کلام اس طرح ہے لقد افترینا۔

۳ے یہ جملہ اسلام پر استقامت اور کفر سے اجتناب پر عزم صمیم کا بیان ہے۔ چونکہ کلام میں خودی کا کچھ اظہار تھا اور عدم خوف کا تصور مل رہا تھا اس لئے فوراً اپنی کاوش وہدایت کو اپنے پروردگار کے کرم واحسان کی طرف منسوب کیا اور فرمایا۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ۔

۴ے اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ کفر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ارادہ کے ساتھ لوٹنے کو معلق کرنے کا مطلب یہ تھا کہ کفار کی تمناؤں پر پانی پھیر دیا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ نہ چاہے گا اور نہ ہم لوٹیں گے)

۵ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم سے اپنے بندوں کے انجام کو جانتا ہے کہ کون ایمان سے کفر کی طرف سے اور کون کفر سے ایمان کی طرف پلٹے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے کوئی دوزخیوں والے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ذراع کی مسافت رہ جاتی ہے لیکن تقدیر کا لکھا سبقت لے جاتا ہے پس کوئی جنتیوں والا عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ (1)۔

۶ ہم ایمان پر ثابت قدم رہنے میں بھی اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ وہی ہمارے یقین میں اضافہ فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اولاد آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ (اے اللہ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے (مسلم)(2) جب حضرت شعیب علیہ السلام ان کی فلاح سے مایوس ہو گئے۔ اور عرض کی رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا۔ الآیہ

۷ یہاں فتح کا معنی حکم ہے، الفتاح قاضی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ معاملہ کو واضح کرتا ہے یا یہ معنی ہے کہ معاملہ کو ظاہر فرما دے تا کہ جھوٹے اور سچے کا معاملہ منکشف ہو جائے۔ اس صورت میں یہ فتح المشکل سے مشتق ہوگا جس کا معنی ہے کہ اس نے فلاں چیز کو منکشف کر دیا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

"اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ۱؎"

۱؎ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے رئیس طبقہ نے اپنے کمزور حال اور غریب لوگوں کو کہا کہ اگر تم نے حضرت شعیب علیہ السلام کا دین اپنایا اور اپنا دین ترک کر دیا تو تم گھاٹے میں رہو گے کیونکہ تم اپنی ہدایت کو چھوڑ کر اس کی گمراہی کو اپنانے والے ہو گے یا اس لئے خسارے میں ہو گے کہ پہلے تو تم کم ناپ تول سے نفع اٹھاتے ہو، جبکہ شعیب کے دین میں تو یہ نہایت بڑا جرم ہے۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ جواب شرط کے قائم مقام ہے اور اس قسم کا جواب ہے جس کے محذوف ہونے پر لئن اتبعتم کا لام دلالت کر رہا ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

"پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے ۱؎"

۱؎ کلبی نے رجفۃ کا معنی زلزلہ لکھا ہے(3) دارھم سے مراد ان کا شہر ہے جاثمین کا معنی ہے کہ وہ مردہ تھے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کی اس نافرمان قوم پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا تھا اور ان پر سخت گرمی مسلط کی تھی، جس نے ان کے ناطقے بند کر دیئے۔ اس شدید گرمی کی وجہ سے انہیں کوئی سایہ فائدہ دیتا اور نہ پانی ان کی گرمی بجھاتا۔ وہ اپنے تہ خانوں میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے جاتے تو وہاں باہر سے بھی زیادہ گرمی ہوتی پھر وہ باہر صحرا کی طرف نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی تھی تو بادل نے ان پر سایہ کر دیا۔ انہوں نے ٹھنڈک اور باد نسیم کو محسوس کیا تو ایک دوسرے کو بلانے لگے حتیٰ کہ بادل کے نیچے سب اکٹھے ہو گئے بچے بوڑھے اور عورتیں سب جمع تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھڑکا دی اور وہ سب جل

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 335 3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 217 (التجاریہ)

کر جلی ہوئی مکڑی کی طرح خاکستر ہو گئے۔ یزید جریری کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سات دن ان پر ہوا کو مسلط رکھا پھر ان پر گرمی کو مسلط فرمایا پھر ان پر ایک پہاڑ کو بلند کیا۔ ایک شخص نے انہیں بتایا کہ اس پہاڑ کے نیچے نہریں اور چشمے ہیں تو سب اس کے نیچے جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے وہ پہاڑ ان کے اوپر گرا دیا اسی کو قرآن میں یوم الظلہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کو اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین کی طرف مبعوث فرمایا۔ اصحاب الایکہ اس سایہ بان کے ذریعے ہلاک ہوئے تھے اور اصحاب مدین جبریل امین کی زوردار چیخ سے سب ہلاک ہو گئے تھے۔

اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ۝۹۲

"جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں نابود کر دیے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں [1] جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے [2]"

[1] یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ہے یعنی وہ اس طرح نیست و نابود کر دیے گئے گویا کبھی وہ یہاں تھے ہی نہیں، یہ عربوں کے قول غنیت بالمکان سے مشتق ہے جس کا معنی کسی جگہ مدت دراز تک ٹھہرنا ہے۔ رہائش گاہ کو مغنی کہتے ہیں جس کی جمع مغانی ہے۔

[2] یعنی جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تصدیق نہیں کی اور آپ کی اتباع کو سعادت نہ سمجھا تو وہ دین و دنیا میں خسارہ اٹھانے والے ہیں جیسا کہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ ہم دنیا و آخرت میں نفع اٹھانے والے ہیں۔ وجہ اختصاص پر تنبیہ اور اس میں مبالغہ کا اظہار کرنے کے لئے اسم موصول کو مکرر ذکر فرمایا اور عطف پر بھی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دونوں جملوں کو مستقل کلام بنایا اور دونوں کو جملہ اسمیہ ذکر فرمایا۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ۝۹۳

"تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم بے شک میں نے پہنچا دیے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر [1]"

[1] جب آپ نے عذاب الٰہی کو ان پر اترتے ہوئے دیکھا تو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے میری قوم میں نے تمہیں پوری ذمہ داری سے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور تمہیں نصیحت کرنے میں میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پہلے تو آپ نے اپنی قوم پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے یہ فرمایا اور پھر فرمایا میں کیسے ان پر افسوس کروں یہ تو اس قابل نہیں کہ ان پر اظہار افسوس کیا جائے۔ یہ منکر قوم تو اس لائق ہے کہ ان پر عذاب الٰہی کا کوڑا برسایا جائے یا آپ علیہ السلام نے یہ آخری جملہ ان پر اظہار افسوس کرنے کی وجہ سے معذرت کرتے ہوئے کہا، یعنی جب میں نے ان کو پوری دل سوزی سے پیغامات پہنچا دیے اور پوری شفقت اور محبت سے انہیں نصیحت کر دی ہے لیکن انہوں نے میری اتباع کرنے کی بجائے اپنے اوپر عذاب کو خود ترجیح دی ہے تو میں ان پر کیسے افسوس کا اظہار کروں۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ۝۹۴

"اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی [1] کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا ہے وہاں کے باشندوں کو سختی اور

تکلیف میں ہے تا کہ وہ گڑ گڑانے لگیں ؎"

؎ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ کے جملہ کے بعد فکذبوہ مضمر ہے۔

؎ باساء سے مراد غربت اور فقر ہے اور الضراء سے مراد مرض ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں ابن مسعود سے اسی طرح مروی ہے اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ الباساء سے مراد جنگ ہے اور الضراء سے مراد قحط سالی ہے (1)۔

؎ اس جملہ سے اس شخص کے قول کا رد ہو جاتا ہے جو کہتا ہے کہ عسی' کا ماور لعل جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوں تو واجب الوقوع ہوتے ہیں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

"پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت ؎ حتیٰ کہ وہ پھلے پھولے ؎ اور کہنے لگے بے شک (یونہی) پہنچا کرتی تھی ہمارے باپ دادا کو (کبھی) تکلیف اور (کبھی) راحت ؎ تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اور ان کو انہیں خواب و خیال بھی نہ تھا ؎"

؎ سیئۃ سے مراد مصائب اور آلام ہیں اور الحسنۃ سے مراد خوشحالی' امن اور شادابی ہے۔ فقر و فاقہ' مصائب و آلام کے بعد راحت و سکون، آسائشیں اور مال و متاع عطا کیا جاتا ہے تا کہ ان کو دونوں طریقوں سے آزمایا جائے اور اگر وہ کسی طریقہ سے بھی اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی سے باز نہ آئیں تو انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی بھٹی کے قریب لے جایا جاتا ہے۔

؎ یعنی وہ نفری اور مال کے اعتبار سے بہت زیادہ ہو گئے جب گھنتی زیادہ ہو جائے تو عفت النبات بولا جاتا ہے اسی معنی میں اعفاء اللحیہ ہے یعنی ڈاڑھی کا بڑھانا۔

؎ وہ کہنے لگے یہ زمانہ کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کو بدلتا رہتا ہے۔ کبھی راحت و سکون عطا کرتا ہے اور کبھی تکلیف و مصیبت اور فقر و فاقہ سے دوچار کر دیتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے خالق کو بھول گئے اور نعمت اور مصیبت کے حقیقی موجد کو فراموش کر بیٹھے۔

؎ تو اچانک ہم نے انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ جبکہ انہیں عذاب کے نازل ہونے کا کوئی شعور اور تصور بھی نہ تھا۔

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

"اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی ؎ لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے ؎"

؎ القری پر لام عہد خارجی ہے، یعنی وہ بستی والے جن کی طرف ہم نے انبیاء کرام مبعوث کیے۔ اگر وہ ان انبیاء کرام پر ایمان لاتے اور اطاعت الٰہی اور ترک معاصی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے تو ہم ہر طرف سے ان پر خیر و برکت کی فراوانی کر دیتے اور جو نعمتیں انہیں عطا کی گئی ہیں وہ ہمیشہ برقرار رہتیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں برکات السماء سے مراد بارش اور برکات الارض

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 218 (التجاریہ)

سے مراد زراعت و نباتات ہیں ہو کہ کا اصل معنی زیادتی اور اس چیز پر مواظبت ہے۔ ابن عامر نے لفتحنا کو شد کے ساتھ پڑھا ہے کثرت پر دلالت کرنے کے لئے اور باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

۱ے لیکن انہوں نے انبیاء کرام کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کفر اور معاصی کی پاداش میں پکڑ لیا اور انہیں سزا دی۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَؕ(۹۷)

”تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے ۱ے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں ۲ے“

۱ے اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى کا عطف فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ پر ہے اور ان کے درمیان جو کلام ہے وہ معترضہ ہے، معنی یہ ہوگا کہ کیا سابقہ کفار کی بستیوں کا ہولناک انجام دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والے امن میں ہو گئے ہیں اور عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ یہاں اهل القرى سے مراد مکہ اور اس کے ارد گرد کے لوگ ہیں۔

۲ے بیاتاً یا تو مفعول فیہ ہے یا حال ہے فاعل یا مفعول سے یا مفعول مطلق ہے بیاتا کا اصل معنی بیوتہ ہے لیکن تبییت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے سلام بمعنی تسلیم استعمال ہوتا ہے اور وهم نائمون کا جملہ ضمیر بارز یا بیاتا میں ضمیر مستتر سے حال ہے۔

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ(۹۸)

”یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت ۱ے جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں ۲ے“

۱ے نافع اور ابن عامر نے اَوْ کو واؤ کے سکون کے ساتھ حرف تردید کے طور پر پڑھا ہے اور باقی قراء نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ ہمزہ استفہام توبیخ کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور جمع کے لئے ہے ضحی سے مراد چاشت کا وقت ہے جب سورج اچھی طرح روشن ہو جاتا ہے۔

۲ے یعنی وہ ایسے کاموں میں مشغول ہوں جن میں ان کا کوئی نفع نہیں ہے۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ(۹۹)

”تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ۱ے اللہ کی خفیہ تدبیر سے ۲ے پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے ۳ے“

۱ے اَفَاَمِنُوْا افامن کے قول کی تقریر و ثبوت کے لئے آیا ہے۔

۲ے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس خفیہ تدبیر سے امن میں ہیں کہ اس نے ان پر دنیا میں موت کے وقت تک انعام و اکرام فرمائے اور پھر ان پر ایسی جگہ سے عذاب پہنچائے جہاں سے اس کی آمد کا انہیں گمان تک نہ ہو جیسا کہ ان قدرتوں کے مالک نے ان سے پہلے ان جیسے جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا تھا۔

۳ے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہ قوم بے خوف ہوتی ہے جو کفر و عصیان کے ساتھ اپنے آپ کو گھاٹا پہنچاتی ہے اور غور و فکر اور عبرت کی نگاہ سے محروم ہو جاتی ہے۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

"کیا یہ (حقیقت) واضح نہ ہوئی ۱؎ ان لوگوں پر جو وارث بنے زمین کے اس کے اصلی مالکوں (کی تباہی) کے بعد ۲؎ اگر ہم ۳؎ چاہیں تو سزا دیں انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ۴؎ اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر ۵؎ تاکہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں ۶؎"

۱؎ أَوَلَمْ يَهْدِ کو قتادہ اور یعقوب نے تعظیم کی بناء پر جمع متکلم کا صیغہ نَهْدِ پڑھا ہے اور باقی قراء نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ہمزہ چاروں مقامات پر توبیخ کے لئے ہے۔

۲؎ یعنی جو وارث بنے رہائش کے اعتبار سے اس کے اصلی مالکوں کے ہلاک ہونے کے بعد جو ان سے پہلے تھے۔ ہدایت کا صلہ لام استعمال ہوا ہے اس لئے یہاں اس کا معنی ظاہر ہونا اور واضح ہونا ہے۔

۳؎ ان مخففہ من مثقلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے اور یہ یھد کا فاعل ہوگا اگر غائب کا صیغہ اور مفعول ہوگا اگر متکلم کا صیغہ ہو یعنی کیا جو لوگ وارث بنے سابقین ان پر حقیقت واضح نہ ہوئی۔

۴؎ اگر ہم چاہیں تو انہیں پکڑ لیں عذاب اور عقوبت کے ساتھ ان کے گناہوں کے سبب جیسا کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو پکڑ لیا تھا عذاب کے ساتھ ان کے گناہوں کے باعث۔

۵؎ یہ اولم یھد کے مفہوم پر معطوف ہے، یعنی وہ ہدایت سے غفلت برتتے ہیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں اس کا ماقبل کلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی و نحن نطبع(1) اس کا عطف اصبناھم پر طبعناھم کی تقدیر کی بناء پر بھی جائز نہیں کیونکہ اگر یہ لو کے جواب کے سیاق و سباق میں ہو تو ان سے طبع کی نفی لازم آئے گی۔

۶؎ یعنی وہ انذار اور وعظ و نصیحت کو نہ سنتے ہیں اور نہ اسے قبول کرتے ہیں۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

"یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی کچھ خبریں ۱؎ اور بیشک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ ۲؎ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے ۳؎ اس پر جس کو جھٹلا چکے تھے اس سے پہلے ۴؎ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر ۵؎"

۱؎ بستیوں سے حضرت نوح، عاد، ثمود، لوط اور شعیب علیہم السلام کی قوموں کے گاؤں مراد ہیں۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ہے، یعنی ہم آپ پر ان کی ہلاکت کے واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کی امت عبرت حاصل کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ القری خبر اول ہو اور نقص خبر ثانی ہو یا القریٰ سے حال ہو اور اس کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہو۔

۲؎ یقیناً ان کے رسول ایسے روشن معجزات اور واضح دلائل لے کر آئے جو ان کی رسالت کی صداقت پر شاہد عادل تھے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 219 (التجاریہ)

۳؎ نفی کی تاکید کے لئے لام جحود کے بعد ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے پھر مصدر یا تو فاعل کے معنی میں ہے یا ذی کی تقدیر میں ہے، یعنی مَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ يَاذَا اِيْمَانٍ عِنْدَ مَجِيْئِهِمْ بِهَا ان کے معجزات دلائل لانے کے باوجود وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

۴؎ یعنی وہ ایمان نہ لائے اس پر جس کو وہ رسولوں کی آمد سے پہلے جھٹلا چکے تھے، یعنی توحید پر ایمان نہ لائے اور تکذیب و اشراک پر برقرار رہے یا یہ معنی کہ جس کو وہ ابتداء جھٹلا چکے تھے بقیہ تمام عمر بھی اس پر ایمان نہ لائے۔ یعنی جب رسول شرائع اور پیغامات الہیہ لے کر آئے تو انہوں نے ان کو تسلیم نہ کیا اور ان کی دعوت پر کچھ دھیان نہ دیا۔ امام بغوی لکھتے ہیں ابن عباس اور سدی فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پشت سے سب کو نکال کر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے تسلیم کرنے کا عہد لیا تھا، انہوں نے زبان سے اقرار کیا تھا اور دل میں تکذیب کی تھی تو رسولوں کی آمد کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تھے کیونکہ وہ لوگ ہماری پکڑ سے پہلے بھی تکذیب کر چکے تھے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہلاکت سے پہلے جس طرح وہ ایمان نہیں لائے تھے اگر ہم اس ہلاکت کے بعد دوبارہ زندہ کر دیں تو پھر بھی یہ ایمان نہ لائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ۔ یمان بن ذباب فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی پس ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پھر جب ان کے بعد رسول دلائل کے ساتھ تشریف لائے تو بعد میں آنے والی امتیں بھی ایمان نہ لائیں جس کو سابقہ امتیں جھٹلا چکی تھیں۔ اس کی مثال اس ارشاد میں موجود ہے مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ(1) جس طرح ہم نے اس سے پہلے ہلاک شدہ قوموں کے دلوں پر مہر لگائی تھی بالکل اسی کی مثل اللہ تعالیٰ ان کفار کے دلوں پر مہر لگاتا ہے جن کی تقدیر میں ایمان نہ لانا لکھا جا چکا ہے۔ ان کے دل آیات و نذر کے ساتھ بھی نرم نہیں ہوتے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

”اور نہ پایا ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند ۱؎ اور ضرور پایا ان میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا ۲؎“

۱؎ یا تو یہ آیت معترضہ ہے، اس کا آگے پیچھے والی آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کثر الناس کے معنی میں ہے یا یہ لا کثر الامم المذکورین کے مفہوم میں ہے۔ یعنی گذشتہ قوموں میں سے اکثر یعنی اس عہد کو اکثر پورا کرنے والے نہ تھے جو ہم نے ان سے آدم علیہ السلام کی صلب سے نکال کر لیا تھا یا وہ عہد مراد ہے جب تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہو کر انہوں نے کہا لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ یعنی اگر تو ہمیں اس عذاب سے بچا لے تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے۔

۲؎ کوفی علماء فرماتے ہیں یہاں ان نافیہ ہے اور لام بمعنی الا ہے، یعنی ہم نے ان کے اکثر کو نہیں پایا مگر وہ فاسق تھے اور عہد و پیمان کی پاسداری کرنے والے نہ تھے۔ بصری علماء فرماتے ہیں ان مخففہ من مثقلہ ہے اور لام فارقہ ہے اس تقدیر پر وجدنا بمعنی علمنا ہے کیونکہ ان مخففہ میں مثقلہ ان افعال پر داخل ہوتا ہے جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

”پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد ۱؎ موسیٰ (علیہ السلام) کو ۲؎ اپنی نشانیاں دے کر ۳؎ فرعون ۴؎ اور اس کے درباریوں کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 219 (التجاریہ)

طرف ۵ تو انہوں نے انکار کردیا ان کا ۱ سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا ۷ "

۱ ھم ضمیر کا مرجع رسل ہے جن کا ذکر جاء تھم رسلھم میں آیا ہے اور مراد حضرت نوح ہوذ صالح لوط اور شعیب علیھم السلام ہیں یا ضمیر کا مرجع امتیں ہیں اور مراد ان انبیاء کرام کی امتیں ہیں۔

۲ موسیٰ علیہ السلام حضرت عمران علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

۳ بِاٰيٰتِنَا سے مراد وہ معجزات ہیں جن کا ذکر بعد میں آ رہا ہے۔

۴ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جس طرح کسریٰ ایران کے بادشاہ کا لقب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کا نام قابوس تھا۔ بعض علما نے اس کا نام الولید بن مصعب بن الریان لکھا ہے۔

۵ وملاء ہ سے مراد اس کی قوم کے شرفاء اور رؤساء ہیں۔

۶ فَظَلَمُوْا بِهَا میں ھا ضمیر کا مرجع آیات ہیں۔ ظلم کا معنی کسی چیز کو غیر موضوع جگہ پر رکھنا ہے۔ آیات اتنی واضح تھیں کہ ان پر ایمان لانا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ایمان لانے کی بجائے ان کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔

۷ دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا کہ انہیں دردناک عذاب میں غرق کردیا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

" اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگار عالم کا ۱ "

۱ یہ ارشاد موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ فرعون کے دربار میں پہنچے تھے۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

" واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے ۱ میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل لے کر تمہارے رب کی طرف سے ۲ پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ۳ "

۱ نافع نے عَلَيَّ یاء مشدد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی مجھ پر واجب ہے۔ جب فرعون نے آپ کے دعویٰ نبوت کو جھٹلایا تو آپ نے اس کے جواب میں یہ جملہ کہا۔ یہاں اس کی تکذیب (جھٹلانے) کو ذکر نہیں کیا کیونکہ فظلموا بھا اس پر دلالت کر رہا ہے۔

نافع کے علاوہ باقی علماء نے علی الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے گویا اصل میں حقیق علی تھا جیسا کہ نافع نے پڑھا ہے پھر التباس کی وجہ سے بدلا گیا ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ علی یہاں جارہ ہے اور تمکن کے افادہ کے لئے باء کی جگہ استعمال ہوا ہے جیسے عرب رمیت بالقوس کی جگہ رمیت علی القوس کہتے ہیں ابی اور الاعمش کی قرات بان لا اقول اس قول کی تائید کرتی ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ حقیق علی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حریص کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس بناء پر حقیق یا تو مبتدا محذوف کی خبر ہوگا جیسے انا حقیق ای جدیر اور جملہ مستانفہ ہوگا یا حقیق رسول کی صفت ہے۔

۲ میں ایسی دلیل لے کر آیا ہوں جو میری رسالت پر گواہ ہے۔

۳ حفص نے معی کو یاء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی علماء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی بنی اسرائیل کو چھوڑ دے اور ان کو اپنے آباء

واجداد کے وطن کی طرف لوٹنے کی اجازت دے فرعون بنی اسرائیل سے مشقت و محنت کے کام کرواتا مثلاً اینٹیں بنوانا مٹی اٹھوانا وغیرہ

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

"فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔[1]"

1۔ یعنی فرعون نے مطالبہ کیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی صداقت کی کوئی نشانی لائے ہو تو پیش کرو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے اور صادق ہو۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ شرط ہے لیکن ماقبل کلام کی دلالت کی وجہ سے جزاء ذکر نہیں کی گئی۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

"تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدھا بن گیا۔[1]"

1۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اپنے ہاتھ سے پھینکا تو وہ ایک بہت بڑے اژدھا کی شکل ہو گیا، وہ اس طرح حرکت کرتا تھا جیسے ایک چھوٹا سا سانپ تیزی سے حرکت کرتا ہے اسی وجہ سے دوسرے مقام پر فرمایا گیا کانها جان (گویا وہ چھوٹا سانپ ہے) ابن عباس اور سدی فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو پھینکا تو وہ ایک بڑے سانپ کی صورت اختیار کر گیا۔ رنگ زرد اور اس کے اوپر بال بھی تھے اور سر پر کلغی بھی تھی اور وہ منہ کھولے ہوئے تھا اور اس کے جبڑوں کے درمیان اسی ہاتھ کا فاصلہ تھا اور وہ زمین سے ایک میل بلند تھا، وہ جب کھڑا ہوتا تو نیچے والا جبڑا زمین پر اور اوپر والا جبڑا محل کی دیوار پر ہوتا تھا، وہ فرعون کو پکڑنے کے لئے اس کی طرف بڑھتا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس نے فرعون کا قبہ اپنے دانتوں کے درمیان کر لیا تھا۔ فرعون ڈر کر بھاگا اور خوف کی وجہ سے اسے اس دن چار سو مرتبہ پیشاب آیا تھا پھر سانپ نے لوگوں پر حملہ کر دیا تو وہ بھی شکست کھا کر بھاگ نکلے اور چیخنے چلانے لگے اور بھاگ دوڑ میں پچیس ہزار آدمی مر گئے۔ فرعون اپنے گھر میں داخل ہو گیا اور چیخنے چلانے لگا اور کہا اے موسیٰ میں تجھے اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے بھیجا ہے اس کو پکڑ لے اور میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی تیرے ساتھ بھیجتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو پھر وہ پہلے کی طرح ایک ڈنڈا تھا[1] عبدالرزاق، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے معمر بن قتادہ کے طریق سے اسے نقل کیا ہے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر فرعون نے کہا اے موسیٰ تیرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور بھی نشانی ہے فرمایا ہاں۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

"اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کے لئے۔[1]"

1۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کیا پھر باہر نکالا تو وہ انتہائی روشن تھا اور وہ سورج کے نور پر بھی غالب تھا اور دیکھنے والوں کے لئے وہ بہت خوش منظر تھا پھر دوبارہ اپنے گریبان میں داخل فرمایا تو وہ معمول کے مطابق ہو گیا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

"کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔[1]"

1۔ قوم فرعون کے سردار یہ معجزات دیکھ کر (اقرار کرنے کے بجائے) کہنے لگے موسیٰ علیہ السلام کوئی بڑا جادوگر ہے۔ یہ لوگوں کی آنکھوں کو بند کر دیتا ہے، اس کے پاس نظر بندی کا کوئی عمل ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں کو ڈنڈا سانپ نظر آتا ہے، سیاہ چیز سفید نظر آتی ہے اور ہر

1۔ تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 220 (التجاریہ)

چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آتی ہے سو یہاں جادوگر کہنے کی نسبت قوم فرعون کے رئیسوں کی طرف کی گئی ہے، جبکہ سورۂ شعراء میں یہی نسبت فرعون کی طرف ہے۔ اس کی ظاہر وجہ یہی ہے کہ انہوں نے یہ مشورہ کر کے کہا تھا پس یہاں رئیسوں کا قول حکایت فرما دیا اور سورۂ شعراء میں فرعون کا قول بیان کر دیا۔ پہلے فرعون نے کہا تھا پھر اس کی بات کی رئیسوں نے تائید کی تھی۔ یہ بات انہوں نے آپس میں اپنے متبعین کے درمیان پھیلا دی تھی۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

"چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو۔[1]"

[1] اس جملہ میں احتمال ہے کہ یہ بھی ان رئیسوں کا کلام ہے جو انہوں نے فرعون اور اس کے حاشیہ نشینوں سے کیا تھا۔ اس صورت میں امرا پنے حقیقی معنی میں ہوگا یا یہ بات انہوں نے اپنے درمیان اور اپنے ماتحتوں کے درمیان کہی تھی۔ اس صورت میں تَاْمُرُوْنَ کا معنی تشیرون ہوگا اور جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ معظم مرشد اور امیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے مشورہ طلب کرنے والے کے لئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ کا قول ان مخاطبین نے کہا جو انہوں نے سرداروں کے قول ان ھذا لساحر علیم کے جواب میں کہا ہو۔ اس صورت میں یہ فرعون کا کلام ہے یا دوسرے لوگوں کا کلام ہے یا پہلے فرعون کا پھر دوسرے لوگوں کا کلام ہوگا پھر تمام نے اسی بات پر اکتفا کر لیا۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

"بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے۔[1]"

[1] ابن کثیر اور ہشام نے یہاں اور سورۂ شعراء میں ارجئہ پڑھا ہے، یعنی ہمزہ اور اس کے بعد ضمہ پڑھا ہے اور واؤ اشباع کے ساتھ ملایا ہے۔ ابو عمرو نے بھی اسی طرح پڑھا ہے لیکن انہوں نے واؤ اشباع کے ساتھ نہیں ملایا۔ ابن ذکوان نے ہمزہ اور ھا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے یاء کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ قرات خلاف قیاس ہے کیونکہ ہاء کو کسرہ نہیں دیا جاتا مگر جب اس سے پہلے کسرہ ہو یا یاء ساکنہ ہو لیکن ہمزہ کو یاء کے ساتھ بدلا جاتا ہے اور اسے اس کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔ قالون نے کسرہ کے اختلاس کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ ورش اور کسائی نے بھی اسی طرح پڑھا ہے لیکن کسرہ کو یا کا اشباع قرار دیتے ہیں۔ عاصم اور حمزہ نے ہمزہ کے بغیر اور ھا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور وقف کی صورت میں بالا جماع ھا ساکن ہوتی ہے مگر وہ قراء جو اس ھا کو ضمہ دیتے ہیں خواہ وصل کریں۔ یا نہ کریں ان کے نزدیک روم اور اشمام دونوں جائز ہیں، منفصل اور متصل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ارجہ کا ایک دوسرا معنی بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے میں بھی جلدی نہ کر اور نہ اسے قتل کرنے اور سزا دینے میں عجلت سے کام لے حتیٰ کہ اس کا معاملہ پوری طرح منکشف ہو جائے۔ قاموس میں ہے ارجاء الامر یعنی اس نے کام کو مؤخر کر دیا۔ اخاہ بھائی سے مراد ہارون علیہ السلام ہیں وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ مصر کے نواحی علاقے کو مدائن کہتے ہیں جہاں جادوگروں کے سردار رہتے تھے۔ حاشرین سے مراد سپاہی اور کارندے ہیں۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

"تاکہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو۔[1]"

لے یہ فعل مضارع ارسل کا جواب ہے، یعنی اگر تو ان کی طرف اپنے ہرکارے بھیجے گا تو وہ تیری طرف ماہر جادوگر لے آئیں گے پھر اگر ان پر موسیٰ علیہ السلام غالب آ گئے تو ہم اس کی تصدیق کر دیں گے اور اگر وہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام پہ غالب آ گئے تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ یہ جادوگر ہے۔ حمزہ اور کسائی نے یہاں بھی اور سورۂ یونس میں بھی لکل سحار یعنی حاء کے بعد الف کے اضافہ کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ پڑھا ہے جیسا کہ سورۂ شعراء میں مبالغہ کے صیغہ پر سب قراء کا اتفاق ہے۔ اور باقی قراء نے فاعل کے وزن پر ساحر پڑھا ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں ابن عباس، سدی اور ابن اسحاق نے فرمایا کہ جب فرعون نے عصا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھی تو کہا ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب نہیں آ سکتے ہاں ایک صورت ہے وہ یہ کہ اس کی قوم سے کچھ افراد اس کے مقابلے میں تیار کیے جائیں۔ اس نے بنی اسرائیل کے چند بچے تجویز کیے پھر انہیں عزما دیہات میں بھیجا جہاں انہیں جادو کی تعلیم دی گئی۔ انہوں نے جادو میں مہارت حاصل کر لی پھر موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کے لئے ایک وقت دیا گیا اور ان جادوگروں کو بھی بلا بھیجا۔ جب وہ مقابل میں پہنچے تو ان کا استاذ بھی ساتھ تھا۔ فرعون نے پوچھا تم نے کیا سیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے جادو کی اتنی تعلیم حاصل کی ہے کہ کوئی زمین کا جادوگر ہم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں آسمان سے کوئی حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ کی ہمیں طاقت نہیں ہے۔ فرعون نے اپنی بادشاہی میں سے سارے جادوگر بلا لیے۔ مقاتل فرماتے ہیں وہ جادوگر بہتر کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے دو قبطی تھے، وہ دونوں قوم کے سردار تھے اور ایک کا نام شمعون تھا اور ستر آدمی بنی اسرائیل کے تھے۔ کلبی کہتے ہیں کہ ان جادوگروں نے اہل نینوی کے دو قیدیوں سے جادو سیکھا تھا اور یہ ستر آدمی تھے جن کا کوئی سردار نہیں تھا۔ کعب کہتے ہیں وہ جادوگر بارہ ہزار تھے۔ سدی کہتے ہیں وہ تیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں وہ ستر ہزار تھے۔ محمد بن المنکدر فرماتے ہیں وہ اسی ہزار تھے (1)۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

"اور آ گئے جادوگر فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہئے اگر ہم (موسیٰ) پر غالب آ جائیں لے"

لے وہ ہرکارے جادوگروں کو لے کر فرعون کے پاس پہنچ گئے تو جادوگروں نے کہا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا سائل کا جواب ہے جو یہ پوچھتا ہے جب وہ جادوگر آئے تھے تو انہوں نے کیا کہا تھا۔

نافع، ابن کثیر اور حفص نے ایک ہمزہ کے ساتھ ان پڑھا ہے، یعنی خبر اور اجر کے وجوب کے اعتبار سے اس طرح پڑھا ہے گویا انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے لئے یقیناً اجر ہوگا اجراً پر تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ باقی قراء نے استفہام کے اسلوب پر دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے اور دو مفتوح ہمزوں میں اپنے مذاہب پر عمل کیا ہے اور سورۂ شعراء میں استفہام پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

"فرعون نے کہا بے شک اور (اس کے علاوہ) تم خاصان بارگاہ سے ہو جاؤ گے لے"

لے وانکم والا جملہ معطوف ہے اس جملہ پر جس کے قائم مقام نعم آیا ہے، یعنی تمہارے لئے اجر بھی ہوگا اور تم مقربین درگاہ بھی ہو جاؤ گے ان کو برانگیختہ کرنے کے لئے جواب میں اس نے مزید انعام کا ذکر فرمایا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے ان کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 222 (التجاریۃ)

بڑے جادوگر سے کہا اگر میں غالب آ جاؤں تو تو مجھ پر ایمان لے آئے گا۔ اس نے کہا میں ایسا جادو لاؤں گا کہ کوئی اس پر غالب نہیں آئے گا لیکن اگر آپ غالب آ گئے تو میں تجھ پر ایمان لے آؤں گا۔ فرعون یہ ساری گفتگو سن رہا تھا اور دیکھ بھی رہا تھا(1)۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

"جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں [1]"

[1] جادوگروں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا کہ تم اپنا ڈنڈا پہلے ڈالتے ہو یا ہم اپنی رسیاں ڈالیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اپنی رسیاں ڈالیں اور ان کی اس رغبت پر بلیغ انداز کی طرف عبارت کی تبدیلی دلالت کرتی ہے مثلاً خبر کو معرفہ ذکر کیا اور درمیان میں نحن ضمیر فصل بھی لگا دی یا یہ ضمیر، ضمیر متصل کی تاکید ہے۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

"آپ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا اور انہوں نے بڑے جادو کا [1]"

[1] چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اوپر اعتماد تھا اور آپ ان کے جادو کو بے وقعت سمجھ رہے تھے تو فرمایا تم بھی پھینکو۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی رسیاں سانپوں اور اژدھاؤں کی شکل میں محسوس ہوتی تھیں وہ پہاڑوں کی مثل تھے اور انہوں نے ایک میل کا علاقہ بھر دیا تھا اور ایک دوسرے کے اوپر سانپوں کی شکل میں پڑے تھے۔ انہوں نے یہ سب کچھ لوگوں کو ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لئے کیا تھا اور انہوں نے اپنے فن کا خوب مظاہرہ کیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

"اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈال دیجئے اپنا عصا [1] تو فوراً وہ نگلنے لگا [2] جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا [3]"

[1] جب موسیٰ کے دل میں خوف پیدا ہوا تو ہم نے وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال دیجئے اور خوف نہ کیجئے آپ ہی غالب ہوں گے۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے یہ جادوگر کی فسوں طرازی ہے اور جادوگر جدھر سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عصاء مبارک میدان میں ڈال دیا۔

[2] پس ایک بڑا سانپ بن گیا اور افق کو گھیر لیا اور دوڑنے لگا۔ ابن زید فرماتے ہیں ان کا اجتماع اسکندریہ میں تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سانپ کی دم بحیرہ کے پار تک تھی اور اس کا منہ اسی ہاتھ کھلا ہوا تھا(2)۔

تلقف کو حفص نے یہاں بھی اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء میں لام کے سکون اور قاف کی تخفیف کے ساتھ مجرد فعل سے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے باب تفعل سے لام کے فتحہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ اصل میں تتلقف تھا جس کا معنی نگلنا ہے۔

[3] یَاْفِکُوْنَ افک سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو سامنے سے بدل دینا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ما مصدریہ ہو اور مصدر بمعنی مفعول ہو۔ روایت ہے کہ اس اژدھا نے ان کی ساری رسیوں کو نگل لیا پھر وہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 224 (التجاریہ) 2۔ ایضاً صفحہ 223

لوگوں کی طرف آنے لگا تو وہ بھاگ پڑے حتیٰ کہ اس بھگدڑ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہ عصا (ڈنڈا) جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ جادوگروں نے کہا اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیاں باقی رہتیں۔ جب وہ ختم ہو گئیں اور کوئی بھی باقی نہ رہی تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

"تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے [1]"

[1] یعنی حق کا علمبردار غالب آ گیا اور جادو کا عمل نیست و نابود ہو گیا اور رسوا کن شکست اور ہزیمت سے دوچار ہوا۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

"یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل و خوار ہو کر"

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

"اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے [1]"

[1] یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں سجدہ میں گرا دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے لئے سجدہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ حق کے ظہور نے انہیں سجدہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور یوں مجبور ہوئے ہیں کہ انہیں اپنی ذاتوں پر کوئی قبضہ اور کنٹرول بھی نہ رہا تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سجدہ کرنے کا الہام فرمایا تو وہ سجدہ میں گر گئے۔ اخفش کہتے ہیں انہوں نے اتنی تیزی سے سجدہ کیا تھا گویا وہ گر پڑے ہیں(1)۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

"(اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا [1]"

[1] رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ کو ذکر کر کے انہوں نے اس شبہ کو زائل کر دیا کہ شاید رب العالمین سے مراد فرعون ہو۔ ابن عباس فرماتے ہیں جب جادوگر ایمان لے آئے موسیٰ علیہ السلام پر تو چھ لاکھ اسرائیلی آپ کے پیروکار بن گئے(2)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

"فرعون نے کہا تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر [1] اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو [2] ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا [3]"

[1] بہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یا موسیٰ علیہ السلام ہے۔ یعنی تم اللہ پر یا موسیٰ علیہ السلام پر پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ قنبل نے حالت وصل میں آمنتم کے ہمزہ استفہام کو واؤ مفتوحہ سے بدل کر اور اس کے بعد الف کو مد کے ساتھ پڑھا ہے دو الفوں کی تقدیر پر اور سورۂ طہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 223 (التجاریہ)

2۔ ایضاً، صفحہ 225

میں خبر کے طور پر ایک ہمزہ اور الف کے ساتھ پڑھا ہے اور سورۂ شعراء میں استفہام کے طور پر ہمزہ اور دو الفوں کی تقدیر پر مد کے ساتھ پڑھا ہے اور حفص نے تینوں مقامات پر ہمزہ اور الف کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے۔ حمزہ، ابوبکر اور کسائی نے تینوں مقامات پر استفہام کے طور پر دو ہمزوں کو ثابت رکھا ہے اور ان کے بعد الف الف پڑھا ہے اور باقی قراء نے استفہام کے طور پر ایک ہمزہ اور دو الفوں کی تقدیر پر مد کے ساتھ پڑھا ہے اور ان تینوں مقامات پر ہمزہ مخففہ اور ملینہ کے درمیان کسی نے الف کو داخل نہیں کیا جیسا کہ ءانذرتھم میں بعض نے داخل کیا ہے اور اس کی وجہ ہمزہ کے بعد تین الفوں کے اجتماع کا مکروہ ہونا ہے۔ یہاں استفہام ہوگا تو انکاری ہوگا اور استبعاد کے لئے ہوگا اور جملہ خبریہ ہوگا تو توبیخ کے طور پر ہوگا۔

۲؎ یعنی یہ سازش تم نے اور موسیٰ نے شہر میں پہلے طے کر رکھی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں میدان میں آنے کی اجازت دیتا اور تمہارا یہ منصوبہ تھا کہ تم اس شہر سے قبطیوں کو نکال لو اور شہر فقط تمہارے اور اسرائیلیوں کے لئے ہی رہ جائے۔

۳؎ جو کچھ تم نے کیا یہ فریب کاری ہے تم اس کا انجام بلکہ دردناک انجام ابھی چکھ لو گے یہ مجمل دھمکی تھی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

"میں (پہلے) کٹوا دونگا تمہارے ہاتھ اور پاؤں مختلف طرفوں سے پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو۔ ۱؎"

۱؎ فرعون نے کہا میں تمہارا ایک طرف سے ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر مصر کے دریا کے کنارے سولی پر لٹکا دوں گا تا کہ تمہاری رسوائی اور ذلت سب پر عیاں ہو جائے اور تم جیسے وحدانیت کے پرستاروں کے لئے تمہاری یہ سزا عبرت بن جائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سولی پر چڑھانے کا فعل سب سے پہلے فرعون نے کیا تھا۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ۚ

"وہ بولے (پرواہ نہیں) ہم تو اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں ۱؎"

۱؎ یعنی جادوگروں نے فرعون کو بڑے کھلے الفاظ میں کہا ہم تو مر کر بھی اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں اس بارگاہ کرم سے ثواب و اجر کی پوری امید ہے اور ہمیں تیری دھمکیوں کی ذرا پرواہ نہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے بھی اور تم نے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور وہی ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

وَ مَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾

"اور تو کیا ناپسند کرتا ہے ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ آئیں ہمارے پاس اے ہمارے رب انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں ۱؎"

۱؎ کیا تو ہماری ان آیات پر ایمان لانے کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ ان آیات پر ایمان لانا بہترین عمل ہے اور یاد رکھ مناقب کی اصل کا انکار کرنا جائز نہیں ہے۔ تیری رضا کی خاطر اور تیری دھمکی کے ڈر سے ان آیات سے اعراض اور عدول درست نہیں ہے۔ فرعون کو یہ

1۔ تفسیر خازن، جلد 3، صفحہ 224 (التجاریہ)

گھری گھری سنانے کے بعد اپنے پروردگار کی بارگاہ میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر عطا فرما تا کہ فرعون کی آزمائش و تکلیف ہمیں ایمان کی دولت سے محروم نہ کرے اور ہمیں گناہوں کی آلائش سے پاک کردے اور جب ہماری زندگی کا چراغ بجھنے لگے تو اس وقت بھی ہمیں اسلام پر ثابت قدمی عطا فرمانا۔ کلبی نے ذکر کیا ہے فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور انہیں سولی پر چڑھا دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ اس دھمکی کو عملی جامہ نہ پہنا سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ تمہیں اذیت نہیں پہنچا سکیں گے ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے(1)۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾

"اور کہا قوم فرعون کے سرداروں نے (اے فرعون) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تا کہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں [1] اور چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو [2] اس نے (برافروختہ ہوکر) کہا (ہرگز نہیں بلکہ) ہم تہ تیغ کردیں گے [3] ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں [4]"

[1] قوم فرعون کے سرداروں نے جب عوام الناس کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل دیکھا تو فرعون کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ کیا تو ان کو چھوڑے رکھے گا کہ یہ تیری بادشاہی میں فساد برپا کرتے رہیں اور تیری مخالفت کرتے رہیں۔

[2] وَيَذَرَكَ يفسدوا پر معطوف ہے یا استفہام کا جواب ہے جو واؤ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ عربوں کے اس قول میں ہے کہ هَلْ عِنْدَكُمْ مَاءٌ وَاشربه اور معنی یہ ہوگا کہ تو موسیٰ کو چھوڑے رکھے گا اور وہ تجھے چھوڑے رکھے گا۔ کہ نہ وہ تیری عبادت کریں اور نہ تیرے مقرر کردہ معبودوں کی عبادت کریں۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرعون کی ایک گائے تھی جس کی وہ پوجا کرتا تھا اور جب لوگ اس خوبصورت گائے کو دیکھتے تو انہیں وہ اس کی عبادت کا حکم دیتا۔ اسی وجہ سے سامری نے ان کے لئے بچھڑا بنایا تھا (کیونکہ گائے کے خدا ہونے کا عقیدہ ان کے دلوں میں راسخ تھا) حسن فرماتے ہیں اس نے اپنی گردن میں صلیب لٹکائی ہوئی تھی جس کی عبادت کرتا تھا۔ سدی فرماتے ہیں فرعون نے اپنی قوم کے لئے کچھ بت مقرر کئے ہوئے تھے جن کی عبادت کا لوگوں کو حکم دیتا تھا اور اپنی قوم کو کہتا تھا کہ یہ تمہارے خدا ہیں اور میں تمہارا بھی اور تمہارے ان خداؤں کا بھی رب ہوں۔ اسی وجہ سے اس نے کہا تھا أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ میں تمہارا بڑا رب ہوں(2)۔ بعض علماء فرماتے ہیں ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ ابن مسعود، ابن عباس، شعبی اور ضحاک نے ویذرک والھتک یعنی عبادتک کے وزن پر الف کے کسرہ کیساتھ پڑھا ہے اور الھتک معنی بھی عبادتک ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں الھتک سے مراد سورج ہے کیونکہ وہ سورج کی عبادت کرتے تھے۔

[3] سَنُقْتِلُ کو نافع اور ابن کثیر نے نون کے فتحہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقی علماء نے نون کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ باب تفعیل سے پڑھا ہے۔

1۔ تفسیر خازن، جلد 3، صفحہ 224 (التجاریہ)　2۔ ایضاً

۲؎ ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑیں گے جیسا کہ ہم ان سے پہلے کرتے ہیں، یعنی ان پر غالب ہم اور یہ ہمارے ماتحت ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرعون نے اس سال بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ختم کر دیا تھا جس سال اسے کہا گیا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری بادشاہی ختم کر دے گا تو فرعون نے کہا قتل کا فعل میں ان پر لوٹاؤں گا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم غالب ہیں۔ یہ کوئی گمان نہ کرے کہ موسیٰ علیہ السلام وہ بچہ ہے کہ جس کے متعلق نجومیوں اور کاہنوں نے کہا تھا کہ یہ ہماری حکومت ختم کر دے گا۔ جب فرعون نے ان کو قتل کرنا شروع کیا تو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی (1)۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

''فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر و استقامت سے کام لو ۱؎ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے ۲؎ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے (مخصوص) ہے ۳؎''

۱؎ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرتے اور دست سوال پھیلا کر اور اس کی قدرت پر اعتماد کر کے مدد طلب کرو اور فرعون اور اس کی قوم سے جو امتحان اور مصیبت پہنچے تو صبر کرو کیونکہ یہ سب اللہ کی مشیت اس کے ارادہ اور اس کی ابتلاء کے باعث ہے۔

۲؎ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے خواہ مسلمان کو بنائے یا کافر کو بنائے۔ اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

۳؎ یعنی ابدی سعادت اور نیکیوں کی جزاء جو ختم ہونے والی نہیں ہے صرف متقین کے لئے ہے۔ پس دار آخرت کی تلاش کرو جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور فانی دنیا میں جو تمہیں تکلیف پہنچے تو صبر کرو۔ فعل کی جزاء کو عقبیٰ اور عاقبہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ عمل کے بعد ہوتی ہے لیکن عقبی اور عاقبہ ثواب کے ساتھ اور جملہ نیکیوں کی جزاء کے ساتھ مختص ہے اور اسی طرح عقب بھی ثواب کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ عقوبۃ، معاقبۃ اور عقاب عذاب کے ساتھ مختص ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ وَخَيْرٌ عُقْبًا اسی طرح ارشاد ہے فَحَقَّ عِقَابِ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ الخ کا ارشاد بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ ہو کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد تمہیں آخر کار مصر کا وارث بنایا جائے گا اور انجام کار تمہاری کامیابی اور کامرانی ہوگی۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

''قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس ۱؎ آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دیگا تمہارے دشمن کو اور ان کا جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں ۲؎ پھر دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو ۳؎''

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 225 (التجاریہ)

[1] موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا آپ کی آمد سے پہلے اور آپ کے اعلان رسالت سے پہلے بھی ہمارے بیٹوں کو قتل کر کے ہمیں ستایا جاتا تھا۔ پھر آپ کی آمد کے بعد بھی ہمیں قتل وغارت میں مبتلا کیا گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے نصف النہار تک ان سے بیگار لیتا تھا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان سے تمام دن بغیر اجرت کے بیگار لی جاتی تھی۔ کلبی نے ذکر کیا ہے کہ فرعون پہلے مٹی کا انتظام خود کرتا تھا اور وہ اینٹیں بناتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو اس نے ان کو یہ بھی کہا کہ مٹی بھی خود لے جاؤ اور اینٹیں بھی خود بناؤ(1)۔

[2] موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عنقریب تمہارے دشمن فرعون کو ہلاک کر دے گا اور فرعون کو ہلاک کرنے کے بعد وہ تمہیں مصر کی زمین میں رہائش عطا کرے گا۔

[3] پھر وہ دیکھے گا کہ تم شکر وطاعت یا کفران ومعصیت کا عمل کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے نصرت و کامیابی کا وعدہ فرمایا اور فرمایا کہ جب تمہیں نعمت کے ساتھ آزمایا جائے تو شکر واجب ہے اور تکلیف کے ساتھ آزمایا جائے تو صبر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، فرعون کو غرق کر دیا اور فرعونیوں کے گھروں اور اموال کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا لیکن پھر انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اور روایت ہے کہ مصر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں فتح کیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

"اور بے شک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں [1]۔"

[1] السنۃ قحط والے سال کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کا بعد میں ذکر کیا جاتا ہے اور تاریخ کا تعین کیا جاتا ہے پھر اس سے فعل مشتق ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ سنت القوم جب قوم قحط میں مبتلا ہو جائے اور کہا جاتا ہے اسنتہم السنۃ یعنی قحط سالی ہو گئی بعض علماء فرماتے ہیں سنین سے مراد یہ ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے قحط میں مبتلا ہوئے۔

نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کہ آفات اور مصائب کے ذریعے اس کے پھل کم کر کے سزا دی۔ قتادہ فرماتے ہیں سنین سے دیہاتیوں کا قحط مراد ہے اور نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ سے مراد شہریوں کا قحط ہے اور لعلھم یذکرون کا مطلب یہ ہے کہ وہ متنبہ ہو جائیں گے کہ یہ سب تکالیف ان کے کفر اور گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہیں اور وہ نصیحت حاصل کریں اور پھر اس تنبیہ سے ان کے دل نرم ہو جائیں اور اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائیں۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

"تو جب آتا ان پر خوشحالی (کا دور) [1] (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے۔ سن لو! ان کی بدفالی تو (مکافات عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس ہے [2] لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے [3]۔"

[1] الحسنۃ سے مراد شادابی، خوشحالی اور عافیت ہے۔ نعمتوں کی فراوانی کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان نہ سمجھا تا کہ اس پر شکر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 225 (التجاریہ)

کرتے بلکہ انہوں نے کہا ہم اس کے ہی مستحق تھے سیئۃ سے مراد قحط سالی اور وہ تکالیف ہیں جنہیں وہ ناپسند کرتے تھے۔ یطّیّروا کا معنی بدفالی پکڑنا ہے۔ وہ کہتے ہماری تکالیف اور مصائب کا سبب موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم ہے۔ سعید بن جبیر اور محمد بن منکدر فرماتے ہیں فرعون کی بادشاہی چار سو سال رہی اور وہ چھ سو بیس سال زندہ رہا۔ اس عرصہ میں اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اسے اس طویل عرصہ میں اگر ایک دن بھی بھوک لاحق ہوتی یا ایک دن بخار ہتا یا ایک لمحہ کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا تو کبھی بھی ربوبیت کا دعویٰ نہ کرتا(1) فرعونیوں کا یہ کہنا انتہائی کند ذہنی اور قساوت قلبی کی وجہ سے تھا کیونکہ معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اس بات پر آگاہ نہ ہوئے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کرم نوازی سے ہیں۔ پھر جب انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے شکر و طاعت کی طرف بلایا اور انہوں نے اطاعت نہ کی اور نافرمانی میں سرکشی اختیار کی تو شامت اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔

ےۂ ان کے کفر اور گناہوں کی شامت اور نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا۔ ابن عباس نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ےۂ لیکن وہ اپنی کند ذہنی اور کم عقلی کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بعض نے ''طائرھم'' کا معنی یہ کیا ہے کہ خیر و شر سے جو کچھ حصہ انہیں ملا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قاموس میں ہے اَلطَّائِرُ مَا تَيَمَّنْتَ بِهٖ اور تَشَاءَمْتَ وَالْحَظُّ وَ عَمَلَ الْاِنْسَانِ وَرِزْقَهٗ یعنی اچھا یا برا شگون، حصہ، انسان کا عمل اور اس کا رزق یا یہ معنی کہ ان کے خیر و شر کا سبب اللہ کے پاس ہے اور وہ اس کا حکم اور اس کا مسبب ہے یا یہ معنی کہ ان کی شامت کا سبب اللہ کے پاس ہے اور مراد ان کے وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس لکھے ہوئے ہیں۔ ان اعمال کی شامت کے سبب انہیں یہ تکلیف اور نحوست پہنچی۔ بعض علماء فرماتے ہیں شوم عظیم مراد ہے، وہ آگ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں پہنچے گا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں الحسنۃ کو اللہ تعالیٰ نے معرفہ ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ اذا کا ذکر فرمایا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بھلائی اور خیر کا وقوع کثرت سے ہوتا ہے۔ اللہ کا ارادہ اس کے ساتھ بالذات متعلق ہوتا ہے کیونکہ اس کی رحمت وسیع ہے۔ اور سیئۃ کو نکرہ ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ حرف اِنْ ذکر فرمایا جو امور مشکوکہ پر دلالت کرتا ہے، یعنی اس کی وجہ تکلیف کی قلت اور اس کے ساتھ بالذات ارادہ کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ بالتبع ہوتا ہے(2)۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

''اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ۱ے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے ۲ے''

۱ے ایۃ سے مراد معجزہ اور نشانی ہے، یعنی آپ اپنی نبوت کے دعویٰ کی صداقت کے لئے کیسی نشانی لے آئیں؟ معجزہ کو انہوں نے یا تو موسیٰ علیہ السلام کے زعم پر نشانی کہا یا بطور استہزاء اور تمسخر کہا تھا، ان کا اس کے معجزہ ہونے پر اعتقاد نہ تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا لتسحرنا بھا تا کہ اس نشانی کے ذریعے تو ہماری آنکھوں کو بند کر دے اور معاملہ کو ہم پر خلط ملط کر دے اور جس عقیدہ پر ہم ہیں اس سے ہمیں دور کر دے۔ بہ اور بھا کی ضمیر کا مرجع مہما ہے۔ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ہٖ ضمیر کو لوٹایا اور معنی کا اظہار کرتے ہوئے ھا ضمیر کو لوٹا دیا۔

۲ے ہم ہرگز آپ کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 226 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 219 (فراس)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

"پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں [1] پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے [2]"

[1] آیات کا لفظ مذکورہ اسماء سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مفصلت کا معنی واضح ہے، یعنی یہ بالکل واضح نشانیں ہیں، کسی عقلمند پر مخفی نہیں ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ اس کی طرف سے بطور سزا ہیں۔ یا مفصلت سے مراد منفصلات ہے، یعنی یہ آیات (عذاب) مختلف وقفوں سے آئیں تاکہ ان کے احوال کا امتحان لیا جائے اور ہر دو آیات کے درمیان تیس دنوں کا فاصلہ تھا(1)۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ہر ایک عذاب ایک ہفتہ رہتا تھا۔ ابن المنذر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ سنیچر سے سنیچر تک رہتا تھا پھر ایک مہینہ عذاب اٹھا لیا جاتا تھا(2)۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آنے کے بعد بیس سال رہے اور انہیں تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی نبوت کی صداقت کے معجزات دکھاتے رہے۔ امام بغوی لکھتے ہیں کہ ابن عباس، سعید بن جبیر، قتادہ اور محمد بن اسحاق نے ملے جلے الفاظ میں روایت فرمایا ہے کہ جب سب جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون اور اس کی قوم بھرے مجمع میں ہزیمت اٹھا کر واپس لوٹے (تو حق کو قبول کرنے کے بجائے) انہوں نے کفر اور سرکشی پر مصر رہنے پر اتفاق کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اصرار پر پے در پے عذاب نازل کئے۔ پہلے انہیں قحط اور پھلوں کی کم پیداوار کی تکلیف سے دوچار کیا۔ جب عصا موسیٰ، ید بیضا، قحط سالی اور پیداوار کی کمی کی علامات دیکھ کر بھی انہوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے یہ بددعا فرمائی اے اللہ تیرے بندے فرعون نے زمین پر سرکشی اور ہٹ دھرمی کو اپنا وطیرہ بنا لیا ہے اور اس کی قوم نے اپنا عہد و پیمان توڑ دیا ہے۔ ان کو ایسا عذاب دے کہ جو اس کے لئے اور میری قوم کے لئے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی باعث عبرت بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش کی کثرت سے سیلاب کا طوفان بھیج دیا۔ بنی اسرائیل اور فرعونیوں کے گھر خلط ملط ہو گئے اور قبطیوں کے گھر اور صحن پانی پانی ہو گئے حتیٰ کہ وہ پانی میں ہی ٹھہرے رہے۔ پانی ان کی زمینوں میں ٹھہر گیا، وہ ان میں نہ ہل چلا سکتے تھے اور نہ بیج بو سکتے تھے۔ یہ سیلاب کا عذاب ایک ہفتہ تک رہا۔ مجاہد اور عطا فرماتے ہیں طوفان سے مراد موت ہے۔ ابن جریر نے حضرت عائشہ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ وہب فرماتے ہیں طوفان کا معنی لغت یمن میں طاعون ہے۔ ابوقلابہ فرماتے ہیں طوفان سے مراد چیچک ہے۔ سب سے پہلے اس عذاب میں فرعونی مبتلا ہوئے اور پھر یہ عذاب زمین پر باقی رہ گیا۔ مقاتل کے نزدیک طوفان سے مراد سیلاب ہے جو ان کی کھیتیوں پر چھا گیا۔ ابوظبیان نے ابن عباس سے روایت کیا ہے طوفان سے مراد اللہ کا امر ہے جو ان پر آ پہنچا تھا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ کوفیوں کا کہنا ہے کہ طوفان مصدر ہے۔

جیسے رجحان اور نقصان مصدر ہیں اس کی جمع نہیں آتی۔ بصری علماء کا خیال ہے کہ یہ جمع ہے اور اس کا واحد طوفانة ہے عذاب میں مبتلا ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمارا یہ عذاب (بارش) دور فرما دے، ہم آپ پر ایمان لے آئیں

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 207 (العلمیہ) 2۔ ایضاً

گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے طوفان ختم فرما دیا اور اس سال ایسی فصلیں' پھل اور سبزہ اگایا جو پہلے کبھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ کہنے لگے یہ پانی اور سیلاب تو ہمارے لئے نعمت اور شادابی کا باعث تھا پھر وہ ایمان نہ لائے۔ ایک مہینہ عافیت و خیریت سے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مکڑی کا عذاب بھیجا جو ان کی تمام فصلوں' پھلوں اور درختوں کے پتوں کو چٹ کر گئے حتیٰ کہ وہ گھروں کے دروازے مکانوں کے چھت' لکڑیاں' جڑی بوٹیاں' ساز و سامان' دروازوں میں لگے ہوئے لوہے کی کیل بھی کھا گئیں۔ لیکن وہ مکڑیوں کے لشکر پر بھی سیر نہ ہوئے۔ یہ عذاب بنی اسرائیل کو لاحق نہ ہوا فرعونی چیخے اور فریاد کرنے لگے اے موسیٰ اپنے رب سے دعا فرمایئے کہ وہ ہم سے یہ مصیبت دور فرما دے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پختہ وعدہ کیا کہ عذاب کے دور ہونے کے بعد ہم ایمان لے آئیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے مکڑی کا عذاب دور فرما دیا۔ یہ عذاب ان پر ایک ہفتہ باقی رہا تھا۔ خبر میں ہے کہ مکڑیوں کے سینوں پر لکھا ہوا تھا جُنْدُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ (اللہ کا لشکر) کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام میدان میں تشریف لائے اور اپنے عصا سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا تو فوراً ٹڈی دل واپس چلے گئے جہاں سے آئے تھے۔ قبطیوں کی کچھ کھیتیاں اور غلہ بچ گیا' اسے دیکھ کر کہنے لگے جو کچھ بچا ہوا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے' ہم تو اپنے دین کو نہیں چھوڑیں گے۔ اپنا کیا ہوا عہد توڑ دیا اور اپنی بدفطرت کے مطابق برے اعمال کی طرف لوٹ گئے پھر وہ ایک مہینہ عافیت میں رہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جوؤں کا عذاب بھیجا قمل کے متعلق علماء کا اختلاف ہے سعید بن جبیر' حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں کہ قمل سے مراد وہ گھن ہے جو گندم کو لگ جاتا ہے۔ مجاہد' سدی' قتادہ اور کلبی کہتے ہیں اس سے مراد دباء ہے۔ فرماتے ہیں الجراد اس مکڑی کو کہتے ہیں جس کے پر ہوتے ہیں اور دباء وہ چھوٹی مکڑیاں ہیں جن کے پر نہیں ہوتے۔ عکرمہ فرماتے ہیں قمل سے مراد مکڑیوں کے بچے ہیں۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں یہ چچڑیوں کی ایک قسم ہے۔ عطاء الخراسانی فرماتے ہیں اس سے مراد جوئیں ہیں۔ قمل قاف کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ ہے۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم مصر کے دیہات عین الشمس کے ریتلے ٹیلے کی طرف چلے جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام اس ٹیلے کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ ٹیلا ڈھلوانی تھا' آپ نے اس ٹیلے پر اپنا عصا مارا تو جوئیں وہاں سے نکل کر پھیل گئیں اور جو کچھ کھیتیاں باقی تھیں اور درخت بچے ہوئے تھے وہ سب کھا گئیں۔ جوئیں کپڑوں کے اندر جسم کو کاٹتی تھیں۔ جب کوئی کھانا کھانے بیٹھتا تو جوؤں سے بھر جاتا تھا۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں القمل سے مراد وہ گھن ہے جو دانوں میں پیدا ہو جاتا ہے جب ایک شخص دس قفیز گندم چکی پر لے جاتا تو صرف تین قفیز واپس لاتا' قبطیوں کو پہلے کبھی ایسی مصیبت سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ قبطیوں کے بال گر گئے' آنکھوں کی پلکیں اور ابروؤں کے بال جھڑ گئے اور ان کے جسموں سے جوئیں چیچک کی طرح چمٹ گئیں' سونا اور آرام کرنا حرام ہو گیا پھر وہ چیختے چلاتے موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچے اور عرض کی ہم تہہ دل سے توبہ کرتے ہیں' دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہماری مصیبت دور فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے سات دن اس عذاب میں مبتلا کرنے کے بعد عذاب کو دور فرما دیا۔ لیکن پھر انہوں نے وعدہ خلافی کی اور اپنے برے اعمال کی طرف لوٹ گئے اور کہنے لگے اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ جادوگر ہے کہ ریت کے ٹیلے سے جاندار پیدا کر دیئے ہیں۔ ایک مہینہ عافیت میں ٹھہرے رہنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے پھر بددعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا۔ ان کے گھر' میدان' برتن اور کھانے سب مینڈکوں سے بھر گئے۔ ہر برتن اور ہر کھانے میں مینڈک ہوتے تھے۔ کوئی شخص بیٹھتا تو مینڈکوں پر بیٹھتا تھا۔ اگر کوئی بات کرتا تو منہ میں مینڈک جا پڑتے۔ ان کی

ہانڈیوں میں بھی مینڈک کود تے تھے۔ اس کا کھانا خراب کر دیتے اور ان کی آگ بجھا دیتے۔ کوئی سوتا تو مینڈک اس پر چڑھ جاتے۔ وہ ٹیلے کی طرح اس پر ہو جاتے تھے حتیٰ کہ کروٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔ کھانے کے لئے کوئی منہ کھولتا تو کھانے سے پہلے منہ میں مینڈک پہنچ جاتا۔ آٹا گوندھتے تو بھی اس میں مینڈک ہوتے' ہنڈیا کا ڈھکن اٹھاتے تو مینڈک بھر جاتے، انتہائی تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ حضرت عکرمہ ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں مینڈک پہلے خشکی میں رہتا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے آل فرعون پر انہیں عذاب بنا کر بھیجا تو انہوں نے حکم الٰہی کی خوب تعمیل کی اور وہ ابلتی ہوئی ہنڈیا اور بھڑ کتے ہوئے تنور میں بھی کود پڑے۔ اس اطاعت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسے پانی میں رہنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ جب فرعونی اس عذاب سے تنگ آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں شکایت کی اور کہنے لگے ہم اس مرتبہ پختہ عہد کرتے ہیں اور سچی توبہ کرتے ہیں پھر کبھی اپنے عہد کو قطعاً نہ توڑیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام ان سے وعدہ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذاب سے نجات طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک انہیں عذاب میں مبتلا رکھنے کے بعد عذاب کو اٹھالیا۔ یہ عذاب بھی ہفتہ کے دن سے ہفتہ کے دن تک تھا۔ ایک مہینہ پھر عافیت سے رہے پھر انہوں نے عہد توڑ دیا اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب نازل فرمایا۔ دریائے نیل بھی خون ہو گیا، ان کے پانی بھی خون بن گئے، وہ کنوؤں' نہروں سے پانی پیتے تو وہ بھی خالص تازہ خون ہوتا تھا۔ لوگوں نے فرعون کے پاس شکایت کی تو اس نے کہا موسیٰ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ قوم نے کہا جادو کہاں کر دیا ہے؟ ہم تو اپنی آنکھوں میں بھی پانی کی جگہ خون دیکھتے ہیں۔ قبطی اور اسرائیلی ایک برتن میں پانی پیتے تو اسرائیلی کی طرف پانی ہوتا اور قبطی کی جانب خون ہوتا تھا۔ قبطی اور اسرائیلی ایک کنویں کی طرف جاتے، اسرائیلی ڈول نکالتا تو اس میں پانی ہوتا اور قبطی نکالتا تو خون ہوتا حتیٰ کہ فرعونی عورت بنی اسرائیل کی عورت کے پاس آتی اور اسے کہتی کہ مجھے اپنے پانی سے پانی پلا دو، وہ اپنے مشکیزے میں پانی ڈالتی تو قبطی عورت کے برتن میں وہ خون بن جاتا حتیٰ کہ قبطی عورت کہتی تو اپنے منہ میں پانی ڈال کر میرے منہ میں ڈال۔ وہ اس کے منہ میں کلی کرتی تو وہ قبطی عورت کے منہ میں پھر خون بن جاتا تھا۔ فرعون کو جب شدید پیاس لگی تو وہ مجبور ہو کر درختوں کے پتے چبانے لگا لیکن پتوں کا پانی سخت نمکین بن جاتا تھا۔ سات دن تک قبطیوں کو پینے کے لئے خون کے سوا کوئی پانی نہ ملا۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں خون کا عذاب اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کیا تھا، وہ نکسیر کی صورت میں تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کی اے موسیٰ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ ہماری اس مصیبت کو دور فرمائے، ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو وہ عذاب دور ہو گیا (1)۔

لیکن پھر بھی وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور وہ پیشہ ور مجرم تھے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۳۴﴾

"اور جب آ جاتا ان پر کوئی عذاب (تو) کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 27-226 (التجاریہ)

لے رجز سے مراد مذکورہ طوفان وغیرہ کے عذاب ہیں سعید بن جبیر فرماتے ہیں رجز سے مراد طاعون ہے اور یہ ان پانچ آیات کے بعد یہ چھٹا عذاب تھا اس کی وجہ سے قبطیوں کے ایک دن میں ستر ہزار آدمی مرے تھے، دفن کرتے کرتے انہیں شام ہو گئی (1) بخاری و مسلم، ترمذی اور علامہ بغوی نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طاعون رجز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اور تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا تھا۔ جب تم کسی علاقہ میں طاعون کی وباء کے متعلق سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب اس زمین میں پھوٹ پڑے جہاں تم ہو تو وہاں سے نہ نکلو (2)۔ امام احمد اور امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طاعون عذاب ہے جس کے لئے چاہتا ہے اس پر بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے اسے رحمت بنایا ہے جو شخص اس شہر میں ثواب کی نیت سے صبر کر کے ٹھہرا رہتا ہے جہاں طاعون کی وباء پھوٹ چکی ہو اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تکلیف اسے پہنچے گی جس کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے تو اس شخص کو شہید کی مثل اجر ملے گا (3) میں کہتا ہوں مذکورہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ طاعون قبطیوں پر بھی نازل ہوا تھا بلکہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا اور یہ فرعون کی ہلاکت کے بعد تھا۔ میں کہتا ہوں اگر سعید بن جبیر کا قول صحیح ہو تو عصا اور ید بیضاء کے بعد تیسرا معجزہ قحط اور پھلوں کی کمی عذاب ہو گا۔ دیہات والوں کے لئے قحط اور شہریوں پر پھلوں کی کمی اور اس کے بعد طوفان سے رجز تک چھ آیات ہیں اور اس طرح یہ کل نو نشانیاں بن گئیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد و لقد اتینا موسی تسع آیات سے یہی مراد ہے۔

لے فرعون اور اس کے متبعین نے کہا اے موسیٰ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے اس عہد کے واسطے سے جو اس نے تیرے ساتھ کیا ہے کہ اگر ہم ایمان لائیں گے تو وہ ہم سے عذاب کو دور کر دے گا یا یہ معنی کہ عہد نبوت کے واسطہ سے یہ عطاء کا قول ہے یا وہ عہد جو اس نے تیری دعا کی قبولیت کا تجھ سے کیا ہے۔ یہ ادع کے متعلق ہے یا ادع میں ضمیر مستتر سے حال ہے، یعنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو وسیلہ بناتے ہوئے دعا فرمایئے یا یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر ان کا گذارش کرنا دلالت کرتا ہے، یعنی جو ہم گذارش کر رہے ہیں وہ اس عہد کے واسطہ سے قبول فرمایئے جو اس نے تیرے ساتھ کیا ہے یا باء قسمیہ ہے اور اس کا جواب لئن کشفت عنا الرجز ہے یعنی ہم اس عہد کی قسم کھاتے ہیں جو اللہ نے تیرے ساتھ کیا ہے اگر تو ہم سے دور کر دے یہ عذاب تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تیرے ساتھ کر دیں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ۝

"پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا۔"

لے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرما کر دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ مدت تک جس میں ان کو عذاب دیا جانا تھا یا جس میں انہیں ہلاک ہونا تھا وہ غرق یا موت کا وقت تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد وہ وقت ہے جو انہوں نے اپنے ایمان لانے کے لئے مقرر کر رکھا تھا اور اذا ھم ینکثون لما کا جواب ہے، یعنی جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو انہوں نے عہد کو توڑ دیا اور بغیر کسی تامل و توقف کے کفر پر اصرار کرنے لگے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 229 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 494 (قدیمی)

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

”پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے ۱؎ اور غرق کر دیا انہیں سمندر میں ۲؎ کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے ۳؎“

۱؎ ہم نے عذاب سے ان کی گرفت کی

۲؎ یہ انتقام اور عذاب کا بیان ہے۔ الیم سے مراد وہ سمندر ہے جس کی گہرائی معلوم نہ ہو۔ یعنی نمکین سمندر کی گہرائی اور کثیر پانی کی گہرائی میں ڈبو دیا۔ الیم مشتق ہے تیمم سے جس کا معنی قصد کرنا اور ارادہ کرنا ہے اور سمندر سے فائدہ اٹھانے والے اس کا قصد اور ارادہ کرتے ہیں۔

۳؎ اس سزا کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان آیات میں غور و فکر نہیں کیا حتیٰ کہ وہ غافل ہو گئے بعض علماء فرماتے ہیں عنها کی ها ضمیر کا مرجع النقمة ہے جس پر فانتقمنا دلالت کرتا ہے۔

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

”اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا ۱؎ (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی ۲؎ اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق ۳؎ بوجہ اس کے انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے ۴؎“

۱؎ بنی اسرائیل کی قوم جسے غلام بنا کر اور ان کے بیٹوں کو ذبح کر کے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر ذلیل اور کمزور سمجھا جاتا تھا۔

یعنی ہم نے اس حقیر قوم کو اس زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں' ظاہری برکات یہ تھیں کہ زمین کی زرخیزی رواں' نہریں' پھلدار درخت' شادابی اور زندگی کی خوشحالی وغیرہ اور ارض سے مراد مصر اور شام کا علاقہ ہے۔ فراعنہ اور عمالقہ کے بعد بنو اسرائیل کو اس زمین کا مالک بنایا اور وہ اس کے اردگرد سکونت پذیر ہو گئے۔

۲؎ الحسنی کلمہ کی صفت ہے یعنی معاملہ مکمل ہو گیا عرب کہتے ہیں تم الامر۔ جب حکم پورا ہو جائے اور نصرت و تمکین کا وعدہ متواتر پورا ہوتا رہا۔ سورۃ القصص میں ان نمن سے ما کانوا یحذرون تک اور عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ کے ارشادات میں جو وعدے تھے وہ پورے ہو گئے۔

۳؎ اور یہ سلطنت اور اقتدار کی وجہ سے اسرائیلیوں کا اپنے دین پر ثابت قدم رہنا اور فرعون اور اس قوم کے ظلم و ستم پر صبر کئے رکھنا ہے۔

۴؎ اور ہم نے نیست و نابود کر دیئے وہ تمام محلات اور عمارتیں جو فرعون اور اس کی قوم نے تعمیر کر رکھی تھیں اور وہ بھی تباہ کر دیئے جو چھپر وہ اپنے باغات میں انگوروں کی بیلوں سے بناتے تھے۔ یہ قول حسن کا ہے یا یعرشون کا معنی ہے جو وہ محل تیار کرتے تھے جیسا کہ ھامان کا محل تھا اور اس کے علاوہ دوسرے سرداروں کی کوٹھیاں تھیں۔ یہ مجاہد کا قول ہے ابوبکر اور ابن عامر نے یعرشون کو یہاں بھی اور سورۃ

نحل میں بھی راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی علماء نے کسرہ سے پڑھا ہے (1) یہ فرعون اور اس کی قوم کا آخری واقعہ ہے۔ اس کے بعد بنو اسرائیل کے افعال شنیعہ کا ذکر ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور کرم نوازوں کے بعد شروع کئے تھے۔ اس واقعہ کے ذریعے کفار کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں اور تکلیفوں پر نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے اور مومنین کو متنبہ کرنا ہے کہ وہ اپنے نفوس کے محاسبہ اور اپنے احوال کے مراقبہ سے غافل نہ ہوں اور بما صبروا کے ارشاد میں صبر پر برانگیختہ کرنا ہے اور اس میں یہ راہنمائی بھی ہے جو مصائب و آلام پر صبر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور فرما دے گا اور اس کے دشمن کو تباہ کر دے گا اور جو جزع فزع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کے سپرد کر دے گا۔ واللہ اعلم۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

''اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے 1 تو گذرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں 2 بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ بناؤ ہمارے لئے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو 3 ''

1 کلبی نے لکھا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد یوم عاشورا کو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو سمندر پار لے گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر روزہ رکھا (2)۔

2 پھر وہ ایسی قوم کے اوپر سے گذرے جو بتوں کی عبادت پر جمی ہوئی تھی۔ حمزہ اور کسائی نے کاف کے کسرہ کے ساتھ اور باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں انہوں نے گائے کی تماثیل بنا رکھی تھیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ یہ بچھڑے کے پوجنے کی ابتداء تھی (3) ابن جریر اور ابن منذر نے ابن جبیر سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ہے اور من نحاس کے لفظ زائد ذکر کئے ہیں، یعنی وہ تانبے کے بنے ہوئے تھے وہ قوم جو گائے کے بتوں کی پوجا کر رہی تھی، بعض علماء کے قول کے مطابق عمالقہ تھی جن کے قتل کا موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا۔ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے ابن عمران الجونی سے روایت کیا ہے کہ وہ لخم اور جذام کی ایک قوم تھی۔ علامہ بغوی نے لکھا ہے وہ قوم لخم تھی جو رقہ میں رہائش پذیر تھی بنو اسرائیل نے جب ان کو دیکھا (4)۔

3 ما کافہ ہے جس نے کاف کو عمل سے روک دیا ہے، اسی وجہ سے اس کے بعد جملہ آیا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو اللہ کی وحدانیت میں ذرا شک نہ تھا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ہمارے لئے کوئی چیز متعین فرمائیں جس کی ہم تعظیم کریں اور اس کی تعظیم سے ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور ان کا خیال تھا کہ یہ چیز دین میں کچھ نقصان نہیں دیتی۔ یہ سب کچھ ان کی کم عقلی اور انتہائی جہالت کی وجہ سے تھا۔ اسی لئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم تو بالکل ناسمجھ قوم ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اتنی آیات کو دیکھنے کے بعد بھی یہ ایسا بیوقوفانہ مطالبہ کر رہے ہیں۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

''بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے 1 اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں 2 ''

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 230 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

لہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے باطل دین کو نیست و نابود کر دے گا اور ان کے بتوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دے گا۔

ؔ اور جو کچھ وہ عبادت کر رہے ہیں وہ بھی باطل ہے، یعنی یہ چیز انہیں قرب الٰہی عطا کرنے والی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام کو کئی اعتبار سے مؤکد فرمایا ہے اِنَّ اور اسم ھؤلاءِ ذکر فرمایا اور جس دین پر عمل پیرا تھے اس کی تباہی کی خبر دی اور ان کے اعمال کی بطلان کی خبر دی اور دونوں جملوں میں خبر کو مقدم فرمایا جو ان کی خبر ہیں۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہلاکت ان کو لاحق ہونے والی ہے اور کبھی یہ بچ نہیں سکتے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ یقیناً نابود ہو جائے گا۔ یہ تاکیدی جملے اس لئے ذکر فرمائے تا کہ اسرائیلی اپنے مطالبہ سے باز آ جائیں۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

"موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لئے کوئی اور خدا حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر لہ"

لہ موسیٰ علیہ السلام نے زجر و توبیخ اور بطور تعجب فرمایا کیا میں تمہارے لئے خدا تلاش کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے زمانہ کے تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے، یعنی اس نے تمہیں ایسی نعمتوں کے ساتھ خاص فرمایا جو اس نے کسی غیر کو عطا نہیں فرمائیں۔ اس قول میں ان کی بری تشبیہ اور مقابلہ پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے انہیں اپنی خاص نوازشات سے نوازا، جن کے وہ ذاتی طور پر قطعاً مستحق نہ تھے بلکہ یہ اس کی مہربانی اور کرم تھا پھر انہوں نے اس ذات کو اس کے مقابلہ میں رکھا جس کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ واقد اللیثی سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم حنین کی جانب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلے تو ہمارا گزر سدرہ (ایک بیری کا درخت) سے ہوا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہمارے لئے (ذات انواط) انواط والی بیری کا درخت بنا دیں جیسے کفار کے لئے ذات انواط (انواط والی بیری) ہے۔ کفار اس بیری کے درخت کے ساتھ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اور اس کے گرد (عبادت کے لئے) بیٹھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو تم نے ایسی بات کی ہے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی کہ ہمارے خدا متعین کریں جیسا کہ ان کے خدا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم پہلے لوگوں کے راستوں پر چلو گے۔ اس حدیث کو علامہ بغوی نے روایت کیا ہے(1)۔

وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

"اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تھی تمہیں لہ فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمہیں سخت عذاب ؔ مار ڈالتے تھے تمہارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو ؔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے ؔ"

لہ ابن عامر نے باب افعال سے غائب کا صیغہ پڑھا ہے اور اہل شام کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے اور باقی قراء نے متکلم کا صیغہ بطور تعظیم پڑھا ہے۔

ؔ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچایا تھا یہ اس کا بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے یا کم ضمیر مخاطب سے حال ہے یا آل فرعون

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 231 (التجاریہ)

سے حال ہے یا دونوں سے حال ہے۔

۳؎ نافع نے یقتلون کو یاء کے فتحہ قاف کے سکون اور تاء کے ضمہ کے ساتھ فعل مجرد پڑھا ہے اور باقی قراء نے کثرت پر دلالت کرنے کے لئے باب تفعیل سے یاء کے ضمہ قاف کے فتحہ اور تا مشددہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یقتلون اپنے معطوف جملہ سے مل کر یسومونکم کا بدل ہے اور اس کا بیان ہے۔

۴؎ اس عذاب یا نجات میں تمہارے لئے محنت یا نعمت ہے۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةًۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

"اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا ۱؎ اور مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے سو پوری ہوگئی اسکے رب کی میعاد چالیس راتیں ۲؎ اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا ۳؎ اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر ۴؎"

۱؎ ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے روایت کیا کہ وہ ذی القعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے تھے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ تیس راتوں کے بعد کلام کرنا' علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جب تمہارا دشمن ہلاک ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک کتاب عطا فرمائیں گے جس میں زندگی میں کرنے اور نہ کرنے والے سب امور کا ذکر ہو گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیس دن روزہ رکھو، جب تیس دن مکمل ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے منہ میں بدبو محسوس کی تو آپ نے نرم لکڑی کا مسواک کیا۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں آپ نے درخت کا چھلکا چبایا تھا تو فرشتوں نے کہا اے موسیٰ ہم تیرے منہ سے کستوری کی خوشبو سونگھتے تھے تو نے مسواک کرکے اس خوشبو کو خراب کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دس دن ذی الحجہ کے بھی روزے رکھو اور فرمایا تجھے معلوم نہیں میرے نزدیک روزے دار کے منہ کی بو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اسرائیلی فتنہ میں مبتلا آخری دس دنوں میں ہوئے تھے جو زائد کئے گئے تھے (1) دیلمی نے ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

۲؎ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کے رب کی مقررہ میعاد مکمل ہوئی، کلام کرنے اور کتاب عطا کرنے کے وعدہ کا وقت ہوگیا (یعنی) چالیس راتیں مکمل ہوئیں۔

۳؎ موسیٰ علیہ السلام جبل طور کی طرف جانے لگے تو اپنے بھائی ہارون سے فرمایا تم میرے خلیفہ بن جاؤ، جن امور کی اصلاح واجب ہے ان کی اصلاح کرنا' یا یہ معنی کہ تم مصلح بن جاؤ یا یہ معنی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طاعت پر برانگیختہ کرو۔ ابن عباس فرماتے ہیں آپ اپنی قوم کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا ارادہ رکھتے تھے (2)۔

۴؎ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کی اتباع نہ کریں اور جو تمہیں معصیت کی طرف بلائے اس کی اتباع نہ کریں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 231 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

"اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر 1 اور گفتگو کی ان سے ان کے رب نے 2 (تو اس وقت) عرض کی اے میرے رب! مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے 3 مجھے البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف 4 سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے 5 پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ کی طرف 6 تو کر دیا اسے پاش پاش 7 اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر 8 جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں 9"

1 جب موسیٰ علیہ السلام وقت مقررہ پر طور سینا پر پہنچے۔ میقات پر لام اختصاص کے لئے ہے، یعنی وہ مقررہ وقت جو ہم نے ان سے کلام کرنے کے لئے متعین کیا تھا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ملاقات کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بدن اور کپڑوں کی صفائی کا خاص اہتمام کیا(1)۔

2 موسیٰ علیہ السلام کے کلام کرنے کے قصہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات فرسخ تک تاریکی پیدا فرما دی اور شیاطین کو دور بھگا دیا اور حشرات الارض کو نکال دیا اور دونوں فرشتوں کو بھی آپ سے دور کر دیا اور آسمان آپ کے سامنے کھل گیا اور آپ نے ملائکہ کو ہوا میں کھڑے ہوئے دیکھا اور آپ نے عرش اپنے سامنے دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مناجات ہوئی یہاں تک کہ آپ نے اپنے رب کی کلام سنی لیکن جبریل نے وہ کلام نہ سنی حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے قلم کے چلنے کی بھی آواز سنی۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ کلام ہر جہت سے سنی(2) میں کہتا ہوں اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کلام کسی خاص جہت سے نہ سنی بلکہ جب آپ کسی جہت بھی متوجہ ہوتے تو اس کلام کو بغیر کسی فرق کے بلا جہت سنتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے کلام کی لذت محسوس کی تو دیدار کا شوق انگڑائیاں لینے لگا اور عرض کی مجھ اپنے دیدار کی قوت عطا فرما تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آپ نے آخرت کی رؤیت پر قیاس کرتے ہوئے دنیا میں دیدار کا سوال کیا(3)۔

3 فرمایا تو میرا دیدار نہیں کر سکتا کیونکہ کسی بشر کو دنیا میں میرے دیدار کی تاب نہیں ہے۔ جس نے دنیا میں میری طرف دیکھا وہ فوت ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الٰہی میں نے تیرا کلام سنا تو مجھے تیرا شوق دیدار ہو گیا ہے اور میرا تجھے دیکھ کر مر جانا مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں زندہ رہوں اور تجھے نہ دیکھوں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں لَنْ تَرٰىنِيْ فرمایا لا اری نہیں فرمایا۔ یہ اسلوب بیان امکان رؤیت کے لئے مفید ہے۔

4 یہ مدین کا ایک بڑا پہاڑ تھا۔ جسے زبیر کہا جاتا تھا السدی فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی تو شیطان زمین میں گھس گیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے درمیان سے نکلا اور یہ وسوسہ ڈالا کہ جس نے تجھ سے کلام فرمائی ہے (وہ اللہ نہیں بلکہ) شیطان ہے تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیا(4) یہ آیت کریمہ دنیا میں امکان رؤیت کی دلیل ہے کیونکہ انبیاء کرام سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 231 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 221 (فراس)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 232 (التجاریہ)
4۔ ایضاً

مستحیل چیز کا سوال محال ہے۔ خصوصاً ایسا سوال جو اللہ تعالیٰ کے متعلق غیر معرفت کا مقتضی ہو اور لن ترانی کا ارشاد دلیل ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے اس میں آپ کیلئے رؤیت کا وقوع نہ ہوگا لیکن مطلقاً آپ کے لئے اور کسی دوسرے کے لئے عدم وقوع پر دلیل نہیں ہے چہ جائیکہ عدم امکان کی دلیل ہو اور آیت کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ لن ترانی کے نزول سے پہلے آپ دنیا میں عدم وقوع رؤیت کو نہ جانتے تھے۔ یہ چیز مطلقاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق عدم معرفت کی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض احکام کی معرفت نہ ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی مغفرت کا سوال کیا تھا اور محمد ﷺ ابو طالب کی مغفرت کا سوال کرتے رہے حتیٰ کہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ کی آیت نازل ہوگئی۔ اسی طرح آپ نے بعض منافقین کی مغفرت کا سوال کیا تھا تو اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً کا ارشاد اور وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ کا ارشاد نازل ہوگیا۔ یہ تمام سوالات اس لئے کئے کہ انبیاء کرام کو پہلے معلوم نہ تھا کہ کفار کے حق میں دعا قبول نہیں کی جاتی اور جو لوگ (معتزلہ) لن ترانی سے رؤیت کی نفی کا استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں لن تابید (ہمیشگی کی نفی) کیلئے آتا ہے لیکن ہم (اہل سنت و جماعت) کہتے ہیں لن دنیا میں جس رؤیت کا سوال کیا گیا تھا اس کی نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے (مطلقاً عدم رؤیت پر دلالت نہیں کرتا) مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہود کے متعلق ارشاد ہے وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا (کہ وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے) اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آخرت میں بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے بلکہ آخرت میں ان کی موت کی تمنا کرنے کی خود قرآن نے خبر دی ہے ارشاد ہے وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اور وہ پکاریں گے بہتر ہے تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔

ایک جگہ فرمایا يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔

ایک مقام پر فرمایا يَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک میں ہوتا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال قوم کو خاموش کرانے کے لئے کیا تھا۔ جب انہوں نے کہا تھا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً (اے موسیٰ) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا، یہ ان کا قول بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ یہ ایک دوسرا واقعہ ہے اور اس سوال پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا تھا اور بجلی کی کڑک نے انہیں آلیا تھا کیونکہ انہوں نے اس عزت و کرامت کے غیر مستحق ہونے کے باوجود یہ سوال کیا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے کلام فرمائی تھی تو اس وقت آپ کے ساتھ آپ کی قوم کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی پھر آپ نے رؤیت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب نہیں کیا کیونکہ آپ رؤیت کے مستحق تھے۔ صرف دنیا میں رؤیت کے حاصل ہونے کی نفی فرمادی اور یہ فرمایا پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر رؤیت ممتنع ہوتی اور یہ سوال قوم کو خاموش کرانے کے لئے ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام انہیں جاہل فرماتے اور ان کے شبہ کو زائل فرماتے جیسا کہ آپ نے اس وقت کیا تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا کہ ہمارے لیے ایک خدا مقرر کر دو اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون کو تو یہ فرمائیں کہ مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا اور خود ان کے راستہ پر چلے ہوں۔

ارشاد فرمایا پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ اس پر یہ بیان مقصود ہے کہ آپ رؤیت کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ پہاڑ تجلی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آیت کے اس حصہ میں رؤیت کو پہاڑ کے ٹھہرنے کے ساتھ معلق کرنا بھی رؤیت کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ جو چیز ممکن پر معلق ہوتی ہے وہ ممکن ہوتی ہے۔

وہب بن منبہ اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے دیدار کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے کہر، بجلیاں، تاریکی اور گرج کو اس پہاڑ کے اردگرد تین فرسخ تک پھیلا دیا جس پر موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئیں پہلے آسمان دنیا کے فرشتے آپ کے پاس سے گزرے تو وہ بیلوں کی طرح تھے اور اپنے رب کی بہت بلند آواز کے ساتھ تسبیح و تقدیس بیان کر رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا وہ موسیٰ علیہ السلام پر اترے اور آپ کے سامنے آئے اور وہ شیروں کی شکل میں تھے اور وہ بھی دریائی موجوں کی آواز کی طرح بلند آواز سے تسبیح و تقدیس بیان کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ بن عمران بندہ ضعیف یہ سارا منظر دیکھ کر اور گرجدار آوازیں سن کر گھبرا گئے، جسم اور سر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر عرض کی میں اپنے سوال پر نادم ہوں، کیا کوئی چیز مجھے اس بھیانک منظر کے دیکھنے سے بچا لے گی۔ فرشتوں کے سردار نے کہا اے موسیٰ اپنے سوال پر صبر کرو ابھی جو کچھ آپ نے دیکھا ہے اس سے بہت زیادہ ہے جو آپ نے ابھی دیکھنا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرے آسمان کے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اترو اور اس کے سامنے آؤ۔ وہ بھی تعمیل حکم میں شیروں کی طرح اترے، ایک بڑے لشکر کی آواز کی طرح تسبیح و تقدیس بیان کر رہے تھے، ان فرشتوں کے رنگ آگ کے شعلے کی طرح تھے۔ موسیٰ علیہ السلام مزید گھبرا گئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ فرشتوں میں سے جو بہتر تھا اس نے کہا اے ابن عمران اپنی جگہ ٹھہرے رہو حتیٰ کہ تم ایسا منظر دیکھو گے جس پر آپ کو صبر نہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چوتھے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ بن عمران پر اترو اور یہ فرشتے پہلے گزرنے والے فرشتوں کی مانند نہ تھے۔ ان کے رنگ صرف آگ کے شعلے کی مانند تھے، ان کے رنگ سفید برف کی طرح تھے۔ یہ بھی بلند آواز میں تسبیح و تقدیس کر رہے تھے، ان کی آوازیں پہلے فرشتوں کی مانند نہ تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے گھٹنے لڑکھڑانے لگے اور دل کانپنے لگا اور آپ نے رونا شروع کر دیا۔ ملائکہ کے سردار نے کہا اے ابن عمران جو آپ نے سوال کیا ہے اسی پر قائم رہو، ابھی آپ نے بہت کچھ دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچویں آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اترو۔ وہ اترے تو ان کے سات رنگ تھے، موسیٰ علیہ السلام ان کو دیکھنے کی طاقت بھی نہ رکھتے تھے کیونکہ اس سے پہلے نہ آپ نے ان کی شکل دیکھی تھی اور نہ ان جیسی آوازیں سنی تھی۔ آپ کا باطن بھر گیا اور شدید غمگین ہوئے اور زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ فرشتوں کا جو سردار تھا اس نے کہا اے ابن عمران اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم وہ منظر دیکھو گے جس پر تم صبر نہیں کرو گے پھر اللہ تعالیٰ نے چھٹے آسمان کے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم میرے اس بندے کے اوپر اترو جس نے میرے دیدار کا سوال کیا ہے۔ جب وہ فرشتے آئے تو ہر ایک کے ہاتھ میں آگ تھی جس کی چمک سورج سے بھی زیادہ تھی اور اس کی لمبائی ایک لمبے کھجور کے درخت کی مثل تھی۔ ان فرشتوں کا لباس آگ کے شعلے کی طرح تھا۔ جب انہوں نے تسبیح و تقدیس شروع کی تو پہلے تمام فرشتے بھی آ گئے اور تمام نے زوردار آواز میں سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ رَبُّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَّا يَمُوْتُ پڑھا، ہر فرشتے کے سر میں چار منہ تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان فرشتوں کو دیکھا تو آپ نے آواز کو بلند کیا تا کہ ان فرشتوں کی تسبیح کے وقت وہ بھی تسبیح کریں۔ آپ رو رہے تھے اور عرض کر رہے تھے اے میرے پروردگار مجھے یاد رکھنا اور اپنے بندے کو فراموش نہ کرنا، مجھے معلوم نہیں کہ میں جس کیفیت میں ہوں اس سے نکل جاؤں گا یا نہیں اگر نکلا تو جل جاؤں گا اور اگر ٹھہرا رہا تو مر جاؤں گا۔ ملائکہ میں سے بہتر اور سردار نے کہا اے عمران کے صاحبزادے قریب ہے تم اس سے بھی زیادہ خوف محسوس کرو اور آپ کا دل دھڑکنے لگے جو آپ نے سوال کیا ہے اس پر صبر کیجئے پھر اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے فرشتوں کو عرش اٹھانے کا حکم دیا۔ عرش کا نور ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے

پہاڑ پھٹ گیا۔ آسمان کے فرشتوں نے اپنی آوازیں اکٹھی بلند کیں اور پڑھا سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْعِزَّةِ اَبَدًا لَا يَمُوْتُ فرشتوں کی آواز کی شدت کی وجہ سے پہاڑ گونج اٹھا اور ہر وہ درخت جو پہاڑ پر تھا وہ جھک گیا اور عبد ضعیف موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔ ان کے ساتھ روح نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے روح کو بھیجا جو آپ کے اوپر چھا گئی اور ایک پتھر کو الٹا کر قبہ بنا دیا تا کہ آپ جل نہ جائیں۔ روح نے ماں کے محبت بھرے جذبات کے ساتھ آپ کو کھڑا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کہا اے میرے پروردگار میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری تصدیق کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی تجھے دیکھے گا۔ زندہ نہ رہے گا جو تیرے فرشتوں کو دیکھے گا اس کا دل باہر آنے لگے گا۔ تیرے فرشتے کتنے عظیم ہیں، تو رب الارباب ہے، سب خداؤں کا تو معبود ہے اور سب بادشاہوں کا تو بادشاہ ہے، تیرے مساوی اور مقابل کوئی چیز نہیں ہے۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، سب تعریفیں اللہ تیرے لئے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تو بزرگ ہے تو عظمت والا ہے اور تو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے (1)۔

ل اللہ تعالیٰ کے بعض انوار ظاہر ہوئے، علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے نصف پورے کی مقدار اللہ تعالیٰ نے اپنا نور ظاہر فرمایا۔ حدیث میں اسی طرح آیا ہے جسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں تجلی کا معنی کسی چیز کا دوسری مرتبہ ظاہر ہونا ہے جیسے زید کا ظہور آئینہ میں اور اس ظہور میں ذات کی رویت نہیں ہوتی چونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے رؤیت میں نفی تاکید کے ساتھ فرمائی ہے حالانکہ آپ میں استعداد پہاڑ کی نسبت زیادہ قوی تھی تو پہاڑ کے لئے اس رؤیت کا حصول کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے۔

ابن عباس فرماتے ہیں پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کے نور کا ظہور ہوا تھا۔ ضحاک فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے ایک بیل کے نتھنے کی مثل پردہ اٹھایا تھا۔ عبد اللہ بن سلام اور کعب الاحبار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا صرف سوئی کے نکے کے برابر ظہور ہوا تھا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ سدی کہتے ہیں صرف خنصر انگلی کی مقدار ظہور ہوا تھا (2) اس قول کی دلیل امام احمد، ترمذی، حاکم کی روایت ہے جسے حاکم اور ترمذی نے صحیح بھی کہا ہے۔ حضرت ثابت، حضرت انس سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو انگوٹھے کو چھوٹی انگلی کے اوپر والے جوڑ پر رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اتنا (نور الٰہی) کا ظہور ہوا تھا پہاڑ بہہ پڑا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے تھے (3) ابوالشیخ نے بھی روایت اس مفہوم میں نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے خنصر انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا پس اس کے نور سے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ سہل بن سعد الساعدی سے حکایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار نور کے پردوں میں سے صرف ایک درہم کی مقدار نور کو ظاہر فرمایا تو اس درہم نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ سہل بن سعد الساعدی سے حکایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار نور کے پردوں میں سے صرف ایک درہم کی مقدار نور کو ظاہر فرمایا تو اس درہم نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

ے حمزہ اور کسائی نے دکاء مد اور ہمزہ کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے، یعنی ہموار زمین۔ اسی سے مشتق ناقة دكاء ہے جس کا معنی ایسی اونٹنی ہے جس کی کوہان نہ ہو۔ باقی قراء نے دکا تنوین کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے، یعنی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا۔ دق اور دک مترادف الفاظ ہیں۔ قاموس میں ہے الدک، الدق اور الهدم کا معنی ریت کا ہموار حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 34-233 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، صفحہ 234 (التجاریہ)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 133 (قدیمی)

اس کی مٹی بنادیا۔ فرمایا پہاڑ زمین میں بہہ پڑا حتیٰ کہ سمندر میں گر پڑا اور اب بھی وہ اس میں بہہ رہا ہے۔ عطیہ عوفی نے فرمایا وہ پہاڑ بہنے والی ریت بن گیا۔

کلبی کہتے ہیں اس نے اس کو چھوٹے چھوٹے پہاڑ بنادیا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں تفاسیر میں ہے کہ وہ عظمت الٰہیہ کی وجہ سے چھ پہاڑ بن گیا۔ تین مدینہ میں واقع ہوئے احد، ورقان اور رضوی اور تین مکہ میں واقع ہوئے ثور، ثبیر اور حرا (1)۔

معاف نے تخریج البیضاوی میں لکھا ہے کہ ابن مردویہ نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سنایا اور فرمایا انی انا اللہ فرماتے ہیں یہ عرفہ کی شام کو واقع ہوا تھا اور وہ پہاڑ موقف میں تھا پھر وہ پہاڑ سات ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک ٹکڑا سامنے گرا جس پر کھڑے ہوکر امام موقف میں خطبہ دیتا ہے اور تین مدینہ میں واقع ہوئے طیبۂ احد رضوی اور طور سیناء شام میں واقع ہوا اس کو طور اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ ہوا میں اڑ کر شام میں واقع ہوا تھا (2) میں یہ کہتا ہوں کہ یہ روایت انتہائی غریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام اور تورات کی عطا شام میں فرمائی تھی مکہ میں یہ کام نہیں ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

ﮯ ابن عباس اور حسن نے فرمایا کہ آپ غش کھا کر گر پڑے (3) قتادہ نے صعقا کا معنی میتا کیا ہے یعنی مردہ ہوکر گر پڑے کلبی کہتے ہیں خمیس کے روز عرفہ کے دن موسیٰ علیہ السلام گرے تھے پھر جمعہ کے دن دس ذی الحجہ کو تورات عطا فرمائی گئی تھی۔ واقدی کہتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے تو آسمان کے فرشتوں نے کہا ابن عمران (موسیٰ علیہ السلام) رؤیت کے سوال کا کیا ہوا (4)۔

ﯩ جب موسیٰ علیہ السلام کو افاقہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا اس کی وجہ سے تعظیماً کہا تیری ذات ہر نقص اور عیب سے پاک ہے، میں بغیر اجازت سوال کرنے کی جرأت پر توبہ کرتا ہوں اور اپنی امت کے مومنوں میں سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ ہر نبی کا ایمان اس کی امت کے ایمان پر مقدم ہوتا ہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے لے، اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے ۲۔"

لے ابن کثیر اور ابو عمرو نے انی کی یاء کو فتحہ اور باقی قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور نافع اور ابن کثیر نے بر سالتی کو مفرد پڑھا ہے اور باقی قراء نے جمع پڑھا ہے۔

ﮯ پس میں نے جو رسالت کا شرف تمہیں عطا فرمایا ہے اسے بصد شوق لے لیجئے اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمائی تو آپ کے چہرے پر ایسا نور چھا گیا کہ کوئی آپ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا آپ ہمیشہ تادم واپسیں چہرے پر کپڑا ڈالے رہے۔ آپ کی بیوی نے آپ سے کہا میں تو آپ سے کٹ کر رہ گئی ہوں جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف کلام عطا فرمایا ہے۔ آپ نے چہرے سے پردہ ہٹایا تو سورج کی شعاعوں کی مثل آپ کے چہرے پر شعاعیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 234 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 222 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 234 (التجاریہ) 4۔ ایضاً

پڑیں تو اس نے چہرے پر ہاتھ رکھ لئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئی اور کہا اے موسیٰ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مجھے تیری زوجہ بنائے۔ آپ نے فرمایا اگر تو میرے بعد کسی دوسرے خاوند سے شادی نہیں کرے گی تو تجھے یہ شرف مل جائے گا کیونکہ جنت میں عورت آخری خاوند کی بیوی ہوگی۔ علامہ بغوی نے اپنی سند سے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات کو پڑھا تو عرض کی یا رب میں نے اپنی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ پایا ہے جو تمام امتوں سے بہتر ہوگی اور لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، نیکی کا حکم دے گی اور برائی سے منع کرے گی، اللہ پر ایمان لائے گی اور پہلی اور آخری کتاب پر ایمان رکھے گی، گمراہوں سے جہاد کرے گی حتیٰ کہ کانے دجال سے لڑے گی۔ یا رب ان لوگوں کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد ﷺ کی امت ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا رب میں نے تورات میں ایسی امت کا تذکرہ پایا جو بہت زیادہ حمد کرنے والے اور سورج کے اوقات کی رعایت کرنے اور پختہ کرنے والے ہیں، جب کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ان شاء اللہ ہم ایسا کریں گے یا رب ان لوگوں کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد ﷺ کی امت ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی میں نے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ دیکھا ہے جو اپنے کفارات اور صدقات خود کھائیں گے (جب کہ پہلی امت کے لوگ اپنے صدقات و کفارات کو آگ میں جلا دیتے تھے) وہ دعائیں مانگیں گے تو ان کی دعاؤں کو قبول کیا جائے گا، وہ شفاعت کریں گے ان کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ یا رب ان لوگوں کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی محمد ﷺ کی امت ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا رب میں نے ایک ایسے گروہ کا ذکر پڑھا ہے جو کسی بلندی پر چڑھیں گے تب بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں گے اور جب کسی وادی میں اتریں گے تو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ان کے لئے باعث طہارت بنایا ہے اور زمین ان کے لئے سجدہ گاہ بنائی گئی ہے، جہاں چاہیں جنابت سے مٹی کے ذریعے طہارت حاصل کر لیں اور مٹی سے طہارت بھی ان کے لئے پانی کی طہارت کی طرح ہے۔ جہاں پانی نہ ہو وہ مٹی سے طہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے وضو کرنے والے اعضاء قیامت کے دن روشن ہوں گے، یعنی وہ روشن جبینوں والے ہوں گے۔ یا رب ان کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت محمد ﷺ ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا رب میں نے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ پایا ہے کہ جب وہ نیکی کا صرف ارادہ کریں اور عمل نہ کریں گے تو انہیں ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور اگر نیکی کر لیں گے تو انہیں دس گنا سے (خلوص کے مطابق) سات سو گنا ثواب ملے گا اور جب برائی کا ارادہ کریں گے لیکن برائی کریں گے نہیں تو ان کا کوئی گناہ نہ لکھا جائے گا اور اگر برائی کریں گے تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ یا رب ان لوگوں کو میری امت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد ﷺ کی امت ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا رب میں ایسی امت مرحومہ کا تذکرہ تورات میں پڑھتا ہوں جو کمزور ہے اور ان لوگوں سے کتاب وہ میراث میں پائیں گے جن کو تو نے مقام اصطفیٰ عطا فرمایا۔ ان میں سے کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ متوسط الحال اور کچھ ان میں سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ ان میں سے ہر گروہ پر رحم کیا گیا ہوگا یا رب ان لوگوں کو میری امت بنا دے۔ فرمایا یہ احمد ﷺ کی امت ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے ساتویں مرتبہ عرض کی یا رب میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں جن کے سینوں میں ان کے مصاحف (قرآن) ہوں گے، جنتیوں جیسے رنگ برنگے کپڑے پہنے ہوں گے، نمازوں میں ان کی صفیں ملائکہ کی طرح ہوں گی، مساجد میں ان کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوں گی، ان میں سے کوئی دوزخ میں داخل نہ ہوگا مگر جو نیکیوں سے اس طرح الگ ہو جائے جیسے پتھر درخت کے پتوں سے الگ ہو جاتے ہیں یا رب ان لوگوں کو میری امت بنا۔ فرمایا یہ احمد ﷺ کی امت ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس خیر اور بھلائی پر تعجب کیا جو اللہ تعالیٰ

نے محمد ﷺ اور آپ کی امت کو عطا فرمائی تھیں تو پھر عرض کی کاش میں بھی محمد ﷺ کے اصحاب کرام سے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تین چیزیں عطا فرمائیں جن کے بعد آپ خوش ہو گئے۔ اے موسیٰ میں نے تجھے سرفراز کیا تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے الخ یعنی یَا مُوسٰى اِنِّیْ اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ سے سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ تک اس انعام سے موسیٰ علیہ السلام بہت خوش ہوئے (1)۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۱۴۵

"اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لئے تختیوں میں [1] ہر چیز [2] نصیحت پذیری کے لئے [3] اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی [4] پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے [5] مضبوطی سے [6] اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں اس کی اچھی باتیں [7] عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر [8]"

[1] لہٗ کی ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں اور الالواح سے مراد تختیاں ہیں جو سات تھیں یا دس۔ ابن عباس فرماتے ہیں الواح سے مراد تورات کی تختیاں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ وہ تختیاں جنت کے بیری کے درخت کی بنی ہوئی تھیں اور ایک تختی کی لمبائی بارہ ہاتھ تھی (2) ابو الشیخ نے جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، تورات اپنے ہاتھ سے لکھا طوبیٰ کا درخت اپنے ہاتھ سے لگایا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں وہ تختیاں لکڑی کی تھی۔ کلبی فرماتے ہیں کہ سبز زبرجد کی تھی۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ وہ سرخ یاقوت کی تھیں۔ الطبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت کعب سے اسی طرح روایت کیا ہے ربیع بن انس فرماتے ہیں وہ تختیاں زبرجد کی تھیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں وہ زمرد کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو حکم دیا تھا تو وہ انہیں عدن سے لے آئے تھے پھر ان پر اس قلم سے لکھا جس کے ساتھ ذکر کو لکھا تھا اور نور کی نہر کی روشنائی استعمال کی تھی (3) ابو الشیخ نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ وہ تختیاں زمرد یا زبرجد کی تھیں (4) وہب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک چٹان سے تختیاں تراشنے کا حکم دیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے نرم کر دیا تھا پھر اپنے ہاتھ سے انہیں تراشا پھر اپنے ہاتھ سے انہیں چیرا اور موسیٰ علیہ السلام نے ان دس کلمات کو لکھنے کے وقت قلم کے چلنے کی آواز سنی تھی۔ یہ سب کام یکم ذیقعدہ کو ہوا تھا۔ یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کے قد کے مطابق دس ہاتھ لمبی تھیں۔ مقاتل اور وہب فرماتے ہیں ان تختیوں پر انگوٹھی کے نقش کی طرح لکھا ہوا تھا۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں تورات نازل ہوئی تو وہ ستر اونٹوں کا بوجھ تھی اور اس کا ایک بوجھ ایک سال میں پڑھا جاتا تھا سوائے چار افراد موسیٰ، یوشع، عزیر اور عیسیٰ علیہم السلام کے، کسی نے اس کو پورا نہیں پڑھا تھا۔ حضرت الحسن فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ یعنی وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ تورات میں ہزارویں آیت ہے (5)۔

[2] یعنی دینی ضرورت کے تمام احکام۔

[3] نصیحت اور جس کا انجام خوفناک ہو اس چیز سے ڈرانے کو موعظت کہتے ہیں۔ قاموس میں وعظة موعظة یعنی ثواب اور عقاب کا ذکر کرنا جس سے دل کھنچ جائے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 36-235 (التجاریہ) | 2۔ ایضاً، صفحہ 236 | 3۔ ایضاً
4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 224 (العلمیہ) | 5۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 236 (التجاریہ)

؎ یعنی امر نہی' حلال حرام اور حدود و احکام ہر چیز کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ من کل شیء سے بدل ہے، یعنی ہم نے مواعظ اور احکام کی تفصیل میں ہر چیز لکھ دی ہے۔

؎ قول کے اضمار کے ساتھ اس کا عطف کتبنا پر ہے یا یہ فخذ ما اتیتک سے بدل ہے اور ھاء ضمیر کا مرجع الالواح ہے یا کل شیء ہے کیونکہ یہ الاشیاء کے معنی میں ہے یا ھاء ضمیر کا مرجع رسالات ہے۔

؎ یعنی مضبوطی اور کوشش سے پکڑ لو۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے دل کی قوت اور عزیمت کے ساتھ پکڑ لو کیونکہ نیت کے ضعف کے ساتھ پکڑنا سستی اور کاہلی کا باعث بنتا ہے۔

؎ قوم کو بھی حکم دو کہ اس کتاب کے احکام کو پکڑ لو کیونکہ ان احکام میں غایت حسن پائی جاتی ہے احسنھا اسم تفضیل کے معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان احکام میں سے جو زیادہ اچھی باتیں ہیں انہیں لے لو اور باقی چھوڑ دو بلکہ کتاب اللہ تو سب کی سب حکمت ونصیحت اور اچھائی سے معمور ہوتی ہے ہر بات میں غایت حسن پائی جاتی ہے، اس میں نقص وعیب کا تو احتمال ہی نہیں ہوتا اور یہ بھی جائز نہیں ہوتا کہ اس میں سے کوئی چیز دوسری سے احسن ہو۔ یہ عربوں کے اس قول کی طرح استعمال ہوا ہے الصیف احر من الشتاء یہ موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہوتا ہے (حالانکہ موسم سرما میں تو گرمی ہوتی ہی نہیں تو تفضیل ہو ہی نہیں سکتی) قطرب نے اسی طرح اس کی توجیہ لکھی ہے۔ حضرت عطاء ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ کو حرام سمجھیں اور اس کی امثال میں غور وفکر کریں اور اس کے احکام پر عمل کریں اور متشابہات پر بحث وتمحیص ترک کر دیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں احسنھا سے مراد دوسرے فرائض اور نوافل ہیں، یعنی وہ اعمال جن کا ثمرہ ثواب مرتب ہوتا ہے اور دوسرے وہ اعمال جن کا کرنا مباح ہوتا ہے لیکن ان پر ثواب نہیں ملتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے رخصت پر نہیں عزیمت پر عمل کرو اور دو حکموں میں سے جو زیادہ فضیلت والا ہے اس پر عمل کرو جیسے معاف کر دینا قصاص سے افضل ہے، صبر کرنا انتقام سے احسن ہے (1)۔

؎ اس جملہ کے ذریعے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اگر تم کتاب اللہ کے احکام پر عمل نہ کرو گے تو تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ گے دار الفاسقین سے مراد فرعون اور اس کی قوم کے کھنڈرات ہیں جو چھتوں کے بل گرے پڑے تھے۔ یہ عطیہ العوفی کا قول ہے۔ سدی فرماتے ہیں کفار کے مرنے کی جگہ مراد ہے۔ کلبی اور قتادہ فرماتے ہیں قوم عاد، ثمود اور دوسری ہلاک شدہ قوموں کے آثار مراد ہیں جن کے اوپر سے وہ سفر کرتے ہوئے گذرتے تھے۔ مجاہد، حسن اور عطا فرماتے ہیں اس سے مراد آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم مراد ہے (2)۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝۱۴۶

"میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ؎ ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق ؎ اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو (تو بھی) نہ ایمان لے آئیں ؎ ان پر اور دیکھ بھی لیں راہ رشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا) راستہ ؎ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنا لیں اسے (اپنی) راہ ؎ یہ (ساری غلط روی) اس لئے ہے ؎

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 237 (التجاریہ)　　2۔ ایضاً

کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے ہے''

ل ابن عامر اور حمزہ نے آیاتی کو یاء کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ میں آفاقی انفسی نشانیوں میں غور وفکر کرنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دوں گا۔ بعض علماء نے اسکا یہ معنی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی آیات منزلہ اور معجزات انبیاء کے ابطال کی قوت ان سے سلب کرلے گا اور نور الٰہی کو پھونکوں سے بجھانے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دے گا جیسا کہ اس نے فرعون کے ساتھ کیا کہ اسے ہلاک کر کے اپنے کلمہ کو بلند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا اگرچہ کافر ناپسند بھی کرتے رہیں یا یہ معنی کہ چونکہ انہیں حق کے ساتھ مفت کا عناد ہے اس لئے ہدایت سے محروم کر کے ان سے اپنی کتاب کی آیات کے قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کی صلاحیت ختم کر دوں گا۔ اس کی مثال ایک دوسری آیت میں بھی ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ حضرت ابن عباس نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے میں انہیں قرآن کی فہمائش اور اس کے عجائب کے ادراک سے محروم کر دوں گا(1)۔

ی یعنی جو لوگ زمین پر تکبر کرتے ہیں اور میرے بندوں پر ظلم کرتے ہیں اور میرے دوستوں اور ولیوں سے جنگ کرتے ہیں ایسے دلائل کے ساتھ جس میں ذرا برابر حق نہیں بلکہ ان کا دین سراسر باطل ہے۔ بغیر الحق یتکبرون کے متعلق ہے یا یہ یتکبرون کے فاعل سے حال ہے اور آیت کا حکم تمام احکام کے لئے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں آیت کا حکم خاص ہے اور آیات سے مراد وہ نو نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں۔

سی اگر غرور و تکبر میں مست کوئی بھی حق کے ادراک کی دلیل اور نشانی دیکھ لیں پھر بھی اپنے عناد یا خواہشات اور اندھی تقلید میں منہمک ہونے یا دلوں پر اللہ کی طرف سے مہر لگنے کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے۔

سی اور انبیاء کرام اور علماء کے راستہ ہدایت بتانے کے باوجود وہ اس راہ ہدیت کو اختیار نہ کریں گے کیونکہ شیطان نے ان پر غلبہ کیا ہوا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے الرشد کو راء اور شین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں اور تیسری لغت الرشاد بھی ہے جیسے سقم، سقم اور سقام۔ ابو عمرو ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں رشد راء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معاملہ میں اصلاح کے معنی میں ہوتا ہے اور راء کے فتح کے ساتھ ہو تو دین میں استقامت کے معنی میں ہوتا ہے۔

ھ اور اگر شیطان اور نفس انہیں گمراہی کا راستہ دکھائیں تو وہ جھٹ اسے اپنا راستہ بنالیں۔

لہ یعنی آیات سے پھیرنا۔ اسم اشارہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور مابعد ظرف مستقر خبر ہے یا ذالک سا صرف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ظرف اس کے متعلق ہے۔

ے بانھم میں باسببیہ ہے، یعنی یہ محرومی اور ابدی شقاوت کا باعث تھا کہ انہوں نے ہماری آیات منزلہ کو جھٹلایا، ہمارے انبیاء کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی اور زمین و آسمان میں بکھری نشانیوں میں غور وفکر نہ کیا۔ اور ہماری آیات سے غفلت کا مظاہرہ کیا اور بے التفاتی سے کام لیا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 237 (التجاریہ)

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٧﴾

"اور جنہوں نے جھٹلا دیا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال ؎ کیا انہیں جزاء دی جائے گی سوائے اس کے جو وہ کیا کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں) ؎"

؎ یعنی جو لوگ دار آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ثواب و عقاب کا جو تصور دیا ہے اس کی وہ تکذیب کرتے ہیں تو ان کے اچھے اعمال مثلاً مال خرچ کرنا' صلہ رحمی وغیرہ سب رائیگاں جائیں گے، انہیں ان کا کوئی نفع نہیں پہنچے گا، وہ بالکل سراب کی طرح ہوں گے جسے پیاسا پانی تصور کرتا ہے لیکن حقیقت میں پانی نہیں ہوتا۔

؎ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی انہیں آخرت میں جزاء نہیں ملے گی مگر اس کی جو دنیا میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وہی عمل مقبول ہے جو خالصتاً اس کی رضا کے لئے کیا جائے لیکن انہوں نے تو رب کی رضا کو ملحوظ خاطر رکھا ہی نہ تھا اس لئے انہیں کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا یا یہ معنی کہ انہیں ان کے برے اعمال کی سزا ملے گی چونکہ ان کے تمام اعمال ہی برے ہیں، ان کا کوئی بھی نیک عمل نہیں ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت قبیح ترین عمل ہے اور مال خرچ کرنا اور صلہ رحمی جب خدا کی رضا کے لئے نہ ہو تو وہ کفر پر اعانت اور اللہ تعالیٰ کی دشمنی پر کفار کی مدد کرنا ہے یا اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے خطا کرنا ہوتا ہے۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾

"اور بنا لیا قوم موسیٰ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا ؎ اس سے گائے کی آواز آتی تھی ؎ کیا نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ بات کر سکتا ہے ان سے اور نہ انہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے ؎ انہوں نے (خدا) بنا لیا اسے ؎ اور وہ (بڑے) ظالم تھے ؎"

؎ یعنی بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب کے وعدے کے مطابق طور پر چلے جانے کے بعد ایک عشرہ کا جب اضافہ ہوا تو انہوں نے بنا لیا ان زیورات سے ایک بچھڑا زیورات وہ تھے جو انہوں نے فرعون کی قوم سے شادی کے بہانے عاریتاً لئے تھے، جب کہ انہوں نے مصر سے نکلنے کا ارادہ کر لیا تھا پھر فرعون کے غرق ہونے کے بعد ان کے پاس ہی رہ گئے تھے اور زیورات کی نسبت اس وجہ سے کی کیونکہ وہ ان کے قبضہ میں تھے اور وہ فرعونیوں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے مالک بن گئے تھے۔ حمزہ اور کسائی نے اتباع کی وجہ سے حاء کو مکسور پڑھا ہے جیسے دلی کی دال کو مکسور پڑھا جاتا ہے، جبکہ باقی قراء نے سوائے یعقوب کے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ حلی کی جمع ہے جیسے ثدی بالفتحہ کی جمع ثدی بالضمہ آتی ہے۔ یعقوب نے حاء کے فتحہ اور لام کے سکون اور یا مخففہ کو کسرہ کے ساتھ جنس کے ارادہ کے ساتھ مفرد پڑھا ہے۔ عجلاً اتخذ کا مفعول اول ہے، اور مفعول ثانی محذوف ہے یعنی معبود بنا لیا جس کی عبادت کرتے ہیں جسدا یہ عجلاً سے بدل ہے۔ ابن عباس' الحسن قتادہ اور دوسرے مفسرین کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ وہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا اور اس نے اس کے منہ میں حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی ڈالی تھی جس کی وجہ سے وہ گوشت اور خون والا بن گیا تھا(1) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سامری کے قول کو حکایت کیا ہے بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 238 (التجاریہ)

فَنَبَذْتُهَا (الایۃ) مزید تفصیل اس واقعہ کی سورۂ طٰہٰ میں ان شاء اللہ بیان ہوگی۔

۲؎ اس بچھڑے کے ڈھانچہ سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ صرف ایک مرتبہ اس کی آواز آئی تھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ وہ کثرت سے خراٹے لیتا تھا اور جب بھی وہ آواز نکالتا یہ عقل کے اندھے سجدے میں گر جاتے اور جب وہ چپ ہوتا تو یہ سر اٹھا لیتے تھے۔ حضرت وہب فرماتے ہیں اس کی آواز تو سنائی دیتی تھی لیکن وہ حرکت نہیں کرتا تھا۔ سدی فرماتے ہیں وہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور چلتا بھی تھا(1) بعض علماء فرماتے ہیں اس کا جسم سونے کا تھا لیکن اس میں روح نہیں تھی۔ سامری نے اسے اس فن سے بنایا تھا کہ اس کے اندر ہوا داخل ہوتی تو گائے کی آواز کی طرح آواز آتی تھی لیکن اس قول کی تردید ہماری تلاوت کردہ آیت (بصرت بما یبصروا الخ) کرتی ہے۔

۳؎ کیا ان احمقوں نے جب سے معبود بنایا تو یہ نہ دیکھا کہ یہ تو بات بھی نہیں کرتا اور نہ ہی سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے یہ تو ایک عام فرد انسانی جیسی قدرت بھی نہیں رکھتا تو پھر انہوں نے یہ کیسے گمان کرلیا کہ یہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جو کچھ زمین و آسمان میں بڑے بڑے اجسام ہیں ان کا بھی خالق ہے۔

۴؎ یعنی انہوں نے اسے خدا بنایا ندمت کے لئے دوبارہ اتخذوا ذکر فرمایا۔

۵؎ اور وہ اشیاء کو اپنے مقام و مرتبہ پر نہ رکھ کر ظلم کرنے والے تھے۔ انہوں نے بچھڑے سے بوجھ لادنے کی خدمت لینے کی بجائے اس کی عبادت شروع کردی۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

''اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے ۱؎ اور انہیں نظر آ گیا وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہوجاتے نقصان اٹھانے والوں سے ۲؎''

۱؎ سقط کو ظرف کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ جملہ شدت ندامت اور پشیمانی سے کنایہ ہے کیونکہ انسان انتہائی ندامت کے وقت اپنے ہاتھ غم کی وجہ سے کاٹتا ہے تو گویا وہ ہاتھ اس سے کٹ کر علیحدہ ہوگیا ہے۔ عرب ہر نادم شخص کے لئے قد سقط فی یدہ کا جملہ استعمال کرتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ندامت ان کے دلوں اور نفوس میں گر گئی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے حصل فی یدہ مکروہ (ناپسندیدہ چیز اس کے دل میں واقع ہوئی) اگرچہ جو چیز ہاتھ میں حاصل ہوتی ہے اور آنکھ سے دیکھی جاتی ہے اس کو دل اور نفس میں واقع ہونے والی چیز سے تشبیہ دینا محال ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر واپس تشریف لائے اور انہیں ان کی برائی پر سرزنش کی تو اس وقت ان کو احساس ہوا کہ ہم نے تو بچھڑے کو معبود بنا کر انتہائی غلطی کی تھی۔ اس وقت اپنے اس کئے پر بہت شرمندگی اور ندامت ہوئی۔

۲؎ انہیں معلوم ہوا کہ وہ بچھڑے کو معبود بنا کر راہ راست سے بھٹک گئے تھے پھر انہوں نے توبہ کی اور عرض کی اگر ہمارا پروردگار ہماری توبہ قبول فرما کر ہم پر رحم نہ فرماتا اور ہماری کوتاہیوں سے تجاوز فرما کر ہماری بخشش نہ فرماتا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہوجاتے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 238 (التجاریہ)

حمزہ کسائی نے ترحمنا و تغفرلنا پڑھا ہے یعنی تاء مخاطب کے ساتھ پڑھا ہے اور ربنا پر نصب ندا کی بناء پڑھی ہے، باقی قراء نے غائب کے صیغے پڑھے ہیں اور ربنا کو فاعل بنالیا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰

"اور جب واپس آئے موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضبناک (اور) غمگین ہو کر [1] (تو) بولے (اے قوم) بہت بری جانشینی کی ہے تم نے میری [2] میرے بعد [3] کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے [4] اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں [5] اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف [6] ہارون نے کہا اے ماں جائے [7] اس قوم نے کمزور و بے بس بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے [8] سو نہ خوش کراؤ مجھ پر دشمنوں کو [9] اور نہ شمار کرو مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ [10]"

[1] جب موسیٰ علیہ السلام چالیس راتوں کا وعدہ پورا کر کے واپس آئے۔ ابو درداء فرماتے ہیں اسفا کا معنی انتہائی غصہ ہے۔ ابن عباس اور سدی فرماتے ہیں شدید حزن و ملال کو کہتے ہیں قاموس میں ہے الاسف اشد الحزن (1) واسف علیہ غضب یعنی الاسف کا معنی انتہائی حزن و ملال بھی ہے اور غصہ میں ہونا بھی ہے۔

[2] موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے ایک مذموم فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ آپ کا خطاب بچھڑے کے پرستاروں سے تھا یا یہ معنی کہ تم نے میری نیابت عمدہ طریقے سے نہیں کی کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے نہیں روکا تھا۔ اس صورت میں خطاب حضرت ہارون علیہ السلام اور دوسرے مومنین کو ہوگا بئسما میں ما نکرہ موصوفہ ہے۔ بئس کی ضمیر مستکن (پوشیدہ) کی تفسیر ہے مخصوص بالذم محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی بئس خلافۃ خلفتمونی خلافتکم۔

[3] میرے جانے کے بعد یا یہ معنی کہ میری طرف سے دعوت توحید، اقرار توحید اور ہر اس چیز سے منع کرنے کے بعد جو توحید کے منافی تھی نافع، ابن کثیر اور ابو عمر یاء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

[4] تم نے اپنے رب کے حکم کو چھوڑ دیا جو عجل کے ضمن میں سبق کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے اس کی طرح اس کو متعدی کیا گیا یا اس کا یہ معنی ہے کہ تم نے اپنے رب کے اس وعدہ میں جلد بازی سے کام لیا جو اس نے مجھ سے صرف چالیس راتوں کا کیا تھا۔ تم نے میری تھوڑی سی تاخیر سے میری موت کا اندازہ لگا لیا اور جس طرح پہلی امتیں اپنے انبیاء کرام کے وصال کے بعد بدل گئیں تم بھی میرے بعد فوراً تبدیل ہو گئے۔ عجلۃ کا معنی ہے کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔

[5] وہ تختیاں جن پر تورات کندہ تھی اپنے رب کی خاطر غصہ کی وجہ سے زمین پر پھینک دیں ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر عن ابن عباس کے طریق سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تورات سات تختیوں میں عطا کی گئی تھی جس میں ہر چیز کی تفصیل بھی تھی اور موعظت و ہدایت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 239 (التجاریہ)

بھی۔ جب آپ وہ لے کر آئے اور اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت میں مگن دیکھا تو غصہ سے تورات کو زمین پر رکھ دیا تو وہ تختیاں ٹوٹ گئیں۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ نے چھ اٹھا لیں اور ایک تختی بچ گئی(1) علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ اٹھا لیں جن میں غیب کی خبریں تھیں اور وہ باقی رہ گئیں جن میں موعظت' احکام' حلال اور حرام کا ذکر تھا(2) ابن عباس سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبر معاینہ کی طرح نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو (طور) پر ہی قوم کی بچھڑے کی عبادت کی خبر دے دی تھی۔ اس وقت آپ نے تختیاں نہیں پھینکی تھیں جب آنکھوں سے ان کے کرتوت کو دیکھا تو تختیاں پھینک دیں(3) وہ ٹوٹ گئیں۔ اس حدیث کو احمد طبرانی نے الاوسط میں اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۶؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کے سر کے بالوں سے پکڑا۔ علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ سر کے بالوں اور داڑھی کے بالوں سے پکڑا (اور) انہیں اپنی طرف کھینچا اس خیال سے کہ شاید حضرت ہارون نے ان کو منع کرنے میں فرض ناشناسی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ سے تین سال بڑے تھے اور بنی اسرائیل کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کی بنسبت زیادہ محبوب تھے کیونکہ ہارون علیہ السلام میں غصہ کم تھا۔

۷؎ حضرت ہارون نے کہا اے میری ماں جائے! آپ نے جذبہ شفقت کو ابھارنے کے لئے نرمی پر برانگیختہ کرنے کے لئے ابن امی (ماں جایا) کہا حالانکہ ماں باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی تھے۔ ابن عامر' حمزہ اور کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے روایت کر کے میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اصل میں یا ابن امی تھا پہلے حرف ندا کو حذف کیا گیا پھر تخفیف کی خاطر کسرہ پر اکتفا کرتے ہوئے یا کو حذف کیا گیا جیسے اس منادی کے ساتھ کیا جاتا ہے جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہوتا ہے، باقی قراء نے تخفیف میں زیادتی کے لئے اور خمسة عشرة کے ساتھ تشبیہ دینے کے لئے میم پر فتحہ پڑھا ہے۔

۸؎ ان بچھڑے کے پجاریوں نے مجھے کمزور اور بےبس بنا دیا اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیں، یعنی میں نے ان کو بچھڑے کی عبادت سے روکنے کی سعی بسیار کی لیکن یہ مجھے بےبس اور کمزور سمجھتے تھے، قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے انہیں سمجھانے اور اپنا فرض نبھانے میں کوئی کوتاہی کی ہے۔

۹؎ آپ میرے ساتھ سختی نہ کریں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے دشمن خوش ہوں۔ شماتة دشمن کی تکلیف پر خوش ہونے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں اسی طرح اس کا معنی لکھا ہے۔

۱۰؎ اور غصہ کرنے میں انتقام لینے میں مجھے اس ظالم قوم کیساتھ شمار نہ کریں۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

"موسیٰ (علیہ السلام) نے التجا کی ۱؎ اے میرے رب بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے ۲؎"

۱؎ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار میں نے جو اپنے بھائی سے سختی کی ہے وہ بھی معاف فرما دے اور اگر میرے بھائی سے فرض کی ادائیگی میں کوئی تقصیر ہوئی ہے تو انہیں بھی بخش دے۔ ظاہراً مقصود تو اپنے بھائی کیلئے استغفار کرنا تھا لیکن

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 37-236 (العلمیہ)　2۔ ایضاً، صفحہ 239　3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 321 (التصر)

اپنا ذکر اس لئے کیا تا کہ بھائی کی دلجوئی ہو جائے اور دشمن کی خوشی بھی عنقاء ہو جائے۔ دوسری وجہ اس اسلوب کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کے لئے استغفار اور مغفرت طلب کرنے لگے تو پہلے اپنے لئے مغفرت طلب کرے تا کہ نفس میں غرور پیدا نہ ہو اور اپنی بڑائی کا شبہ دور ہو جائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ استغفار کے بعد دعا اجابت کے قریب ہو جاتی ہے کیونکہ گناہ دعا کی اجابت سے مانع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دعا نماز جنازہ میں اس طرح وارد ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا پہلے زندوں کی مغفرت کا ذکر کرتا ہے کیونکہ وہ دعا مانگنے والا زندوں میں سے ہوتا ہے۔ اس طرح اہل قبور کی دعاؤں میں بھی پہلے اپنی مغفرت اور بعد میں مردوں کی مغفرت کا ذکر ہے۔ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ (اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہی اسلوب سکھایا اگر چہ نبی کریم ﷺ معصوم ہیں وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ تا کہ یہی اسلوب آپ کی امت میں سنت بن کر زندہ رہے۔

۲؎ یعنی دنیا میں اپنی حفاظت میں رکھ اور آخرت میں اپنی رحمت میں داخل فرما اور دارین میں ہم پر مزید اپنے انعامات و احسانات کی موسلا دھار بارش برسا۔ یا اللہ تو ہم سے زیادہ ہمارے اوپر رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

"بے شک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلدی ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے ۱؎ اور رسوائی دنیا کی زندگی میں ۲؎ اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو ۳؎"

۱؎ یعنی جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا، جلد ہی ان کے رب کی طرف سے انہیں عذاب پہنچے گا۔ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفوس کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

۲؎ دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہوگی۔ اس سے ان کا اپنا وطن سے بے وطن ہونا ہے۔ اس صورت میں سینالھم میں سین مستقبل کے معنی میں ہوگا موسیٰ علیہ السلام کے ان پر غضبناک ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے۔ عطیہ العوفی فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا سے مراد وہ یہود ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھے اور انہیں ان کے آباء کے کرتوتوں پر عار دلائی جا رہی ہے اور فرماتے ہیں آخرت میں ان کو عذاب الٰہی اور دنیا میں ذلت و رسوائی پہنچے گی۔ یعنی جو بنی قریظہ اور نضیر کو قتل اور جلاوطنی کی رسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس ذلت سے مراد ٹیکس (جزیہ) ہے۔

۳؎ ابو قلابہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تک ہر مفتری اور کذاب کو رسوائی کا عذاب دے گا۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں یہ عذاب قیامت کے روز تک ہر بدعتی کو ذلت و رسوائی کا عذاب ہوگا (1)۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

"اور جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 240 (التجاریہ)

بہت رحم کرنے والا ہے ۱؎ "

۱؎ قوم موسیٰ میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پرستش کی پھر توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور رب کی رضا کے لئے اپنوں کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے گناہوں کو بہت معاف فرمانے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے اگرچہ گناہ گار کے گناہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ انّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر اسم موصول کی خبر ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

"اور جب فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ ۱؎ تو اٹھا لیا ان تختیوں کو ۲؎ اور ان کی تحریر ۳؎ میں ہدایت اور رحمت تھی ۴؎ ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۵؎ "

۱؎ حضرت ہارون علیہ السلام کا معقول عذر سن کر اور قوم کی پشیمانی اور توبہ کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کلام کے اندر مبالغہ ہے اس طرح کہ گویا غضب نے آپ کو تختیاں پھینکنے پر برانگیختہ کیا اور آپ کو اس فعل کا حکم دیا اس لئے سکون کو سکوت سے تعبیر فرمایا۔

۲؎ جو تختیاں پھینکی تھیں وہ اٹھا لیں، جبکہ اس وقت 6/7 حصہ اٹھ چکا تھا۔

۳؎ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نسختها سے مراد ایک تختی ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ سے نقل کی گئی تھی اس لئے اسے نسخہ کہا۔ بعض علماء فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیوں کو پھینکا تو وہ ٹوٹ گئیں پھر ان سے ایک دوسرا نسخہ تیار کیا گیا بعض فرماتے ہیں نسختها سے مراد وہ ہے جو ان میں لکھا ہوا تھا۔ نسخ فعلة کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے جیسے خطبہ مخطوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عطاء فرماتے ہیں نسختها سے مراد جو ان سے باقی رہ گیا تھا۔ ابن عباس اور عمرو بن دینار فرماتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیوں کو پھینکا تو وہ ٹوٹ گئیں پھر آپ نے چالیس روزے رکھے تو دو تختیوں میں وہ واپس کر دی گئیں (۱)۔

۴؎ یہ تختیاں جن میں تورات کندہ ہے گمراہی سے ہدایت دینے والی ہیں اور حق کو بیان کرنے والی ہیں اور عذاب سے بچا کر رحمت کا موجب بننے والی ہیں۔

۵؎ ان لوگوں کے لئے یہ رشد و ہدایت اور باعث رحمت ہیں جن کے دل خوف خدا سے معمور ہیں۔ لربهم پر لام تاکید کے لئے زائدہ ہے جیسا کہ ردف لکم میں لام زائدہ ہے۔ کسائی فرماتے ہیں فعل کے مؤخر ہو جانے کی وجہ سے اس میں ضعف آ گیا تھا اس ضعف کی وجہ سے معمول پر لام داخل کیا گیا۔ جیسا کہ للرؤیا تعبرون میں رؤیا پر لام اسی ضعف کی وجہ سے ہے۔ قطرب کہتے ہیں یہاں لام بمعنی من ہے، یعنی وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ راهبون کے معنی میں ہے۔ بعض فرماتے ہیں لام تعلیل کے لئے ہے اور تقدیر عبارت یوں ہوگی یرهبون من معاصی لربهم یعنی وہ اپنے رب کی وجہ سے گناہوں سے ڈرتے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ

۱؎ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 241 (التجاریہ)

اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

"اور چن لئے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ ملاقات کے لیے 1 پھر جب پکڑ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے 2 موسیٰ نے کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی 3 کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے 4 نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش 5 تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے 6 تو ہی ہمارا کارفرما ہے بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے 7"

1 اصل میں من قومه تھا۔ حرف جر کو حذف کر کے فعل کو بلا واسطہ متعدی کیا گیا ہے۔ یہاں نصب حرف جر کے حذف کے ساتھ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ان ستر آدمیوں کو وقت مقررہ کے لئے منتخب فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہ کی تھی۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل سے آدمی لے آؤ جو اپنی قوم کی طرف سے توبہ کریں اور معذرت کریں اس گناہ سے جو انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے چھ چھ افراد منتخب کیے تو کل تعداد بہتر ہو گئی، یعنی دو زائد ہو گئی۔ آپ نے فرمایا دو آدمی پیچھے رہ جاؤ تو وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھنے والے کو جانے والے کے برابر اجر ملے گا تو کالب اور یوشع پیچھے ٹھہر گئے، بقیہ ستر کو لیکر آپ طور کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل نے انہیں گھیر لیا۔ موسیٰ نے ان کو بادل میں داخل کیا اور سب سجدہ میں گر گئے۔ ان تمام نے یہ سنا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں امر و نہی کے احکام عطا فرما رہے ہیں۔ جب وہ بادل چھٹ گیا تو وہ جمع ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا ہم تو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ خدا کو کھلم کھلا دیکھ لیں تو اس گستاخی پر انہیں بجلی کی کڑک نے آ پکڑا یا، پہاڑ کے زلزلہ نے انہیں آ لیا تو وہ اس گرج کی وجہ سے سب مر گئے (1)۔ یہ سدی کا قول ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں وہ ستر افراد جنہوں نے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ الخ کہا تھا اور انہیں بجلی کی کڑک نے آ لیا تھا یہ ان ستر سے پہلے کے ہیں جن کو رجفه یعنی زلزلہ نے آ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ستر آدمی اپنی قوم سے منتخب کر کے لے آؤ پس آپ نے ان کا چناؤ کیا اور پھر انہیں دعا مانگنے کے لئے میدان میں لے آئے۔ دعا کے دوران انہوں نے یہ دعا بھی مانگی کہ اے اللہ ہمیں وہ کچھ عطا فرما جو ہم سے پہلے کسی کو عطا نہ فرمایا ہو اور ہمارے بعد بھی کسی کو عطا نہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خود غرضی کی دعا کو رد فرما دیا اور انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے آ لیا۔ وہب فرماتے ہیں ان زلزلوں سے وہ مرے نہیں تھے بلکہ جب انہوں نے یہ خوفناک منظر دیکھا تو انہیں کڑک نے آ لیا اور ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ اس طرح کانپنے لگے کہ ان کے جوڑ بھی علیحدہ ہونے کے قریب ہو گئے (2)۔

2 سیوطی فرماتے ہیں ابن عباس نے فرمایا ان کو سخت زلزلوں کے جھٹکوں نے گرفت میں لے لیا کیونکہ یہ لوگ بھی اپنی قوم کے ساتھ جڑے رہے تھے حالانکہ انہوں نے اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی کیفیت دیکھی تو آپ کو ان پر ترس آیا اور ان کے مرنے کا اندیشہ ہوا تو آپ پر ان کا جدا ہونا پریشانی کا باعث ہوا کیونکہ یہ خیر و بھلائی میں آپ کے معاون و مددگار تھے اور اطاعت شعار تھے اور باتوں کو دل کے کانوں سے سننے والے تھے۔ آپ علیہ السلام ان ہمراہیوں کا یہ منظر دیکھ کر رونے لگے اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 242 (التجاریہ) 2۔ ایضاً، صفحہ 242

عرض گذار ہوئے۔

سے موسیٰ علیہ السلام ان کی اور اپنی ہلاکت کی تمنا کر رہے ہیں اس سے قبل کہ یہ منظر دیکھتے، یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو انہیں اور مجھے کسی دوسرے سبب سے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا یا یہ معنی کہ تو اس سے پہلے فرعون کے حملے کیساتھ بھی ان کے ہلاک کرنے پر قادر تھا یا سمندر میں یا کسی دوسرے طریقہ سے انہیں غرق و تباہ کرنے پر قادر تھا لیکن اس وقت تو نے ان پر رحم فرمایا اور انہیں غرق ہونے سے بچا لیا۔ اگر تو نے ان پر اس وقت رحم کیا تھا تو اب بھی ان پر رحم فرما کیونکہ یہ چیز تیرے فضل عمیم سے قطعاً بعید نہیں ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تو چاہتا تو انہیں ہلاک کر دیتا ان کے نکلنے سے پہلے ہی تاکہ بنو اسرائیل ان کی ہلاکت کو دیکھ لیتے اور مجھے مورد الزام نہ ٹھہراتے۔

سے کیا تو ان احمقوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا جنہوں نے دیدار خداوندی کا مطالبہ کیا تھا یا بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ مبرد کہتے ہیں یہ استفہام مہربانی طلب کرنے کے لئے ہے، یعنی تو ہمیں ہلاک نہیں کرے گا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ عادل ہے اور کسی جرم میں کسی دوسرے کو گرفت نہیں فرماتا۔

ھے ھی ضمیر کا مرجع دیدار خدا کا مطالبہ یا بچھڑے کی عبادت ہے، یعنی یہ تیری آزمائش اور امتحان ہے کہ جب تو نے اپنا کلام خود انہیں سنایا پھر انہوں نے تیرے دیدار کی تمنا کی یا یہ کہ جب اس بچھڑے کے ڈھانچے میں گائے کی آواز پیدا فرما دی پھر ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے اور تو نے انہیں ذلیل و رسوا کیا۔ اس آیت میں اس قول کی طرف اشارہ ہے فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ (ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمایا) موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ وہ فتنہ ہے جس کی تو نے مجھے پہلے خبر دی تھی اس کے ساتھ تو نے ایک قوم کو آزمائش میں ڈالا تو وہ آزمائش میں پڑ گئے اور ایک قوم کو تو نے اس کے ساتھ ہدایت دی تو وہ تیری توفیق سے گمراہ ہونے سے بچ گئے اور دین پر ثابت قدم رہے۔

لے تو جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی ہدایت سے نوازتا ہے اور اس ہدایت کے ذریعے اس کے ایمان کو پختہ کرتا ہے۔

کے تو ہمارا مددگار اور محافظ ہے، ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہتر بخشنے والا ہے کیونکہ تو گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾

"اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں بھی لے بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف ۲ے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سے سو میں لکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوۃ سے اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں ھے۔"

لے اس دنیا میں ہمارے لئے اطاعت، نعمت اور عافیت کی توفیق واجب کر دے اور آخرت میں بخشش، رحمت اور جنت کو ثابت کر دے۔

۲ے بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ قتادہ، ابن جریج اور محمد بن کعب فرماتے ہیں ان کو زلزلوں کے عذاب میں اس لئے گرفتار کیا گیا کیونکہ انہوں نے قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن منع نہ کیا، انہیں نیکی کا حکم نہ دیا اور برائی سے منع نہ کیا۔

۳؎ نافع نے عذابی کو یاء کے فتحہ کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں فرمایا اپنی مخلوق میں جس کو چاہتا ہوں عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت دنیا میں مومن کافر بلکہ مکلف وغیر مکلف تمام کو عام ہے لیکن آخرت میں کفار کو اس سے کچھ حصہ نہ ملے گا کیونکہ انہوں نے خود رحمت کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا سوائے منکر کے۔ عرض کیا گیا حضور منکر سے کون مراد ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ منکر ہے(1) اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ عطیہ العوفی فرماتے ہیں وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اللہ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے لیکن یہ صرف متقین کے لئے ہے لیکن مومنین کے وسیلہ سے کفار کو رزق بھی ملتا ہے اور عذاب سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ چونکہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اور یہ کافر ان میں زندگی بسر کرتے ہیں اس لئے ان کو نعمتوں سے حصہ ملتا رہتا ہے لیکن جب مومنین آخرت میں چلے جائیں گے تو رحمت مومنین کے ساتھ خاص ہوگی جیسے کوئی دوسرے چراغ سے روشنی حاصل کرتا رہتا ہے لیکن جب وہ چراغ والا چلا جاتا ہے تو وہ اندھیرے میں ٹکھیاں مارتا رہ جاتا ہے(2)۔

۴؎ میں لکھوں گا اس رحمت کو ان لوگوں کے لئے اے بنی اسرائیل جو تم میں سے کفر اور گناہ سے مجتنب ہوں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ زکوٰۃ کا علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ اس کا ادا کرنا نفس پر مشکل ہوتا ہے۔

۵؎ اور ان لوگوں کے لئے اپنی رحمت لکھوں گا جو ہماری نازل کردہ تمام آیات پر ایمان لاتے ہیں کسی چیز کا بھی انکار نہیں کرتے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی شریعت علم الٰہی میں منسوخ تھی تو اس پر تنبیہ فرمادی اور خاتم النبیین محمد ﷺ کی اتباع پر ان کو برانگیختہ فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ٘ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ١ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ١ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠﴿۱۵۷﴾

"(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی ۱؎ امی ہے ۲؎ جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں ۳؎ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں ۴؎ اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ ۵؎ اور (کاٹتا) ہے وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں ۶؎ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی ۷؎ اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کیساتھ ۸؎ وہی (خوش نصیب) کامیاب وکامران ہیں ۹؎"

۱؎ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر یامرھم ہے یا یہ مبتدا کی خبر ہے اور تقدیر عبارت ھم الذین ہے یا یہ الذین یتقون سے بدل بعض یا بدل کل ہے۔ آپ کو اللہ کی طرف نسبت کے اعتبار سے رسول اور بندوں کی طرف نسبت و تعلق کے اعتبار سے نبی کہا ہے۔

۲؎ الامی سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ یہ ام کی طرف منسوب ہے، یعنی اس حالت پر تھے جس پر والدہ نے جنا تھا، یعنی نہ لکھا اور نہ پڑھا۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1081 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 243 (التجاریۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم امی لوگ ہیں، نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں(1) یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابن عمرو سے مروی ہے امی کی صفت ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ تنبیہ فرمائی کہ پڑھنا لکھنا نہ جاننے کے باوجود سینہ گنجینہ میں علم کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا ہونا ایک روشن معجزہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں آپ کی امت کے کثیر ہونے کی وجہ سے آپ کو امی کہا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز تمام انبیاء سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا(2)۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ اصل میں امتی تھا نسبت میں ۃ گر گئی ہے جیسے مکی اور مدنی میں ۃ گر جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ام القریٰ کی طرف منسوب ہے، یعنی مکہ کے رہنے والے۔ اس کلام سے وہ بنی اسرائیل حکم سے خارج ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ کو پایا اور ایمان نہیں لائے اور وہ لوگ حکم میں داخل ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کا عہد ہمایوں نہیں پایا کیونکہ یہ ارشاد موجود ہے وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ۔

ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے لئے قیامت کے روز ایک نورانی منبر ہوگا اور میں تمام کے منبروں سے بلند اور نورانی منبر پر ہوں گا پھر ایک منادی کرنے والا آئے گا اور ندا دے گا نبی امی کہاں ہیں؟ انبیاء کرام کہیں گے ہم تمام امی نبی ہیں کس کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے منادی پھر کہے گا نبی امی عربی کہاں ہیں؟ اس وقت محمد ﷺ اپنے منبر سے اتریں گے حتیٰ کہ جنت کے دروازہ پر آ کر اسے کھٹکھٹائیں گے پوچھا جائے گا کون ہے؟ فرمائیں گے محمد اور احمد پھر پوچھا جائے گا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب ملے گا ہاں بلائے گئے ہیں۔ آپ ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے جلوہ فرما ہوں گے حالانکہ پہلے اس نے کسی کے لئے جلوہ نہ فرمایا ہوگا۔ آپ ﷺ سجدہ میں گر جائیں گے یا ایسی حمد کریں گے کہ ابھی تک کسی نے ایسی حمد نہ کی ہوگی۔ ارشاد ہوگا سر اٹھایئے اور اپنے لب لعلیں کو جنبش دیجئے، شفاعت فرمایئے آپ کی شفاعت کو شرف قبول ملے گا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ امی مشتق ہے امت سے کیونکہ ہر نبی کا امی کہنا اسی اعتبار سے صحیح ہے یعنی ہم میں سے ہر ایک صاحب امت ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کو اس اسم سے خاص کرنے کی وجہ یہ کہ آپ کی امت کثیر ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک یہودی غلام نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ ایک دفعہ مریض ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اس کے باپ کو اس غلام کے سرہانے بیٹھا ہوا پایا جو تورات کی تلاوت کر رہا تھا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا اے یہودی میں تجھے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا ہے کیا تورات میں میری صفات، نعت اور میری ہجرت کا ذکر ہے؟ یہودی نے کہا نہیں لیکن اس غلام نے کہا کیوں نہیں قسم بخدا یا رسول اللہ ﷺ ہم تورات میں آپ کی صفات خلیلہ اور اخلاق حمیدہ اور آپ کی ہجرت گاہ کا تذکرہ پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں) آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا اس یہودی کو اس کے پاس سے اٹھا دو اور اپنے بھائی کے والی بن جاؤ(3)۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی کے چند دنانیر (اشرفیاں) قرض دینے تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے یہودی میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جو تجھے دوں۔ اس نے کہا اے محمد میں اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک آپ میرا حق مجھے

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 256، صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 347 (قدیمی)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 112 (قدیمی)

3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 6، صفحہ 272 مطبوعہ (العلمیہ)

عطا نہیں فرما دیتے۔ میں تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور دوسرے دن صبح کی نماز پڑھی۔ صحابہ کرام یہودی کو ڈرانے دھمکانے لگے۔ آپ ﷺ کو صحابہ کرام کی دھمکیوں کا پتہ چل گیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ایک یہودی آپ کو روکے ہوئے ہے (اجازت ہو تو اسے کچھ مزہ چکھا دیں) آپ ﷺ نے فرمایا میرے رب کریم نے مجھے کسی معاہد یا کسی دوسرے شخص سے زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جب سورج اچھا خاصا چڑھ آیا تو یہودی نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ وشطر مالی فی سبیل اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میرا آدھا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف ہے اور پھر عرض کی قسم بخدا میں نے سب کچھ ان اوصاف کا تجربہ کرنے کے لئے کیا ہے جو میں نے تورات میں دیکھی تھیں کہ محمد بن عبداللہ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوگی، ہجرت طیبہ کو ہوگی اور بادشاہی شام میں ہوگی، نہ وہ بداخلاق ہوگا، نہ سخت مزاج ہوگا اور نہ بازاروں میں چلانے چیخنے والا ہوگا اور نہ بری باتیں کرنے والا ہوگا اور نہ فحش گفتگو ہوگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور یہ میرا مال ہے جو آپ کی نذر ہے۔ وہ یہودی بہت مالدار شخص تھا(1) یہ دونوں احادیث بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بروایت کی ہیں۔ عطاء بن یسار سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کو ملا تو میں نے انہیں کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ صفات بتائیں جو تورات میں بیان ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں قسم بخدا تورات میں بھی بعض ان صفات کا ذکر ہے جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں۔ تورات میں ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا اور برے انجام سے ڈرانے والا اور امیین (عربوں) کا محافظ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا عبد (مقرب) ہے اور میرا (حبیب) رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے، وہ نہ بداخلاق ہے اور نہ سخت مزاج ہے، نہ بازاروں میں چلانے والا ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اور ہم اس کی روح قبض نہیں کریں گے حتیٰ کہ ٹیڑھی امت کو اس کے ذریعے سیدھا کر دیں گے یہاں تک کہ وہ کہنے لگ جائیں لا الہ الا اللہ اور اندھی آنکھیں، بہرے کان اور مغلوب دلوں کو اسکے ساتھ کھول دیں گے(2) اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ عطاء بن یسار حضرت ابن سلام سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ اس کو دارمی نے نقل کیا ہے۔ کعب الاحبار سے مروی ہے جو وہ تورات سے حکایت فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پڑھتے تھے کہ محمد رسول اللہ میرے بندے ہیں، مختار ہیں وہ بدخلق اور بدمزاج نہیں ہیں، بازاروں میں چیخنے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن عفو و درگذر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کی جائے پیدائش مکہ، ہجرت مدینہ طیبہ اور حکومت شام میں ہوگی۔ اس کی امت کے لوگ حمد کرنے والے ہوں گے اور وہ خوشی اور تکلیف پر ہر حال میں اللہ کی حمد کریں گے، ہر منزل میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے، ہر بلندی پر اس کی بڑائی کے نغمے الاپیں گے، سورج کی انتظار کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہوگا تو نماز ادا کریں گے اور اپنے ازار اپنی کمر سے باندھیں گے اور اپنے اعضاء کو وضو میں دھوئیں گے۔ ان کا مؤذن آسمان کی فضا میں اذان دیگا میدان جہاد میں نماز میں ان کی برابر ہوگی۔ رات کے وقت شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن کی تلاوت سے آواز میں بھنبھناہٹ ہوگی(3) اس حدیث کو بغوی نے اپنی سند کے ساتھ معالم التنزیل میں اور المصابیح میں روایت کیا ہے اور دارمی نے کچھ تبدیلی کے ساتھ نقل کی ہے۔ عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ تورات میں یہ بھی محمد ﷺ کی صفت ہے کہ عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ دفن ہوں گے(4) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے ابو مودود فرماتے ہیں کہ روضہ اطہر

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 6، صفحہ 81-280 مطبوعہ (العلمیہ)
2۔ سنن دارمی، جلد 1، صفحہ 14 مطبوعہ القاہرہ (المحاسن)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 244 (التجاریہ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 202 (قدیمی)

میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

ؒ یعنی شرعی طور پر اچھی چیزوں کا حکم دیتا ہے اور شریعت جس کو ناپسند کرتی ہے، عقل سلیم اور طبع مستقیم جس سے نفرت کرتی ہے ان چیزوں سے وہ منع کرتا مثلاً شرک، کفرانِ نعمت، محسن کی نافرمانی، قطع تعلقی وغیرہ اور بنی اسرائیل کے لئے وہ پاکیزہ چیزیں حلال فرماتا ہے جو تورات میں ان پر اللہ تعالیٰ نے سرکشی کی وجہ سے حرام کردی تھیں مثلاً چربی، اونٹوں کا گوشت اور وہ جانور جو اہل جاہلیت نے اپنے اوپر خود حرام کردئے تھے مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام (یہ وہ جانور ہیں جو کفار اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان سے کوئی خدمت یا انتفاع نہیں لیتے تھے) اور خون، شراب، خنزیر، مردار، سود اور رشوت وغیرہ جیسی خبیث (ناپاک) چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔

۵ ابن عامر نے اصارھم یعنی جمع کرکے پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے مفرد پڑھا ہے۔ اجر کا حقیقی معنی وہ بوجھ ہے جو انسان کو حرکت سے روک دیتا ہے۔ ابن عباس، ضحاک، سدی اور مجاہد فرماتے ہیں اصر سے مراد وہ عہد ہے جو بنی اسرائیل سے تورات پر عمل کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ قتادہ فرماتے ہیں وہ احکام کی سختی مراد ہے جو ان کے دین میں موجود تھی۔

۷ والاغلال سے مراد وہ بوجھ ہیں جو شریعت موسوی میں تھے مثلاً توبہ کرنے کے لئے نفس کو قتل کرنا، غلطی کرنے والے اعضاء کو کاٹ دینا، کپڑے پر نجاست لگ جائے تو دھونے کے بجائے قینچی سے کاٹ دینا، قتل عمد اور قتل خطاء میں صرف قصاص کا متعین ہونا دیت کا لینا حرام ہونا، ہفتہ کے دن کام کا مطلقاً منع ہونا، عبادت کے علاوہ نماز کا کسی دوسری جگہ جائز نہ ہونا، اس کے علاوہ وہ تمام سختیاں جن کو زنجیروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جن کے ساتھ ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔

ے بہ کی ضمیر سے مراد النبی الامی محمد ﷺ ہیں یعنی جنہوں نے اس کو تقویت پہنچا کر اس کی عظمت بلند کی ہے اس کے دشمنوں کے خلاف میری رضا کے لئے اس کی مدد کی ہے۔

۸ قرآن کو یہاں نور کہا ہے کیونکہ یہ اپنے اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہے یا اس لئے کہ یہ حقائق کو ظاہر کرنے والا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معہ کا اتبعوا کے ساتھ تعلق ہو، یعنی وہ نبی کریم ﷺ کی اتباع میں نور منزل کی اتباع کرتے ہیں پس کتاب و سنت کی اتباع کی طرف اشارہ ہے۔

۹ یعنی یہی لوگ ابدی رحمت کے ساتھ کامیاب و کامران ہونے والے ہیں یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا جواب ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں نوف البکالی الحمیری نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر افراد منتخب کئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا میں تمہارے لئے زمین کو مسجد اور طہور بناتا ہوں، جہاں نماز کا وقت ہوجائے تم نماز پڑھ لینا، لیکن لیٹرین، حمام اور قبر کے پاس نماز نہ پڑھنا اور میں تمہارے دلوں میں سکینہ ڈالتا ہوں اور تمہیں یہ عزت بھی عطا فرماتا ہوں کہ تم اپنے سے (زبانی) تورات کی تلاوت کروگے۔ مرد، عورت، حر، عبد، چھوٹا، بڑا سب اس کی تلاوت کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ احکامات اپنی قوم کو سنائے تو انہوں نے کہا ہم تو صرف اپنی عبادت گاہوں میں نماز پڑھیں گے۔ ہم تورات دلوں سے یعنی زبانی نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہم زبانی پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف دیکھ کر ہی پڑھیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ساری سعادتیں اس امت کو عطا فرمادیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یارب مجھے اس امت کا نبی بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس امت کا نبی ان میں سے ہوگا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ مجھے اس امت سے بنادے فرمایا تم ان کو نہیں پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے

عرض کی یارب میں تیری بارگاہ میں بنی اسرائیل کا وفد لے کر آیا تھا لیکن عطاء اور نوازشات ہمارے علاوہ دوسروں پر فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔ موسیٰ علیہ السلام اس انعام سے خوش ہو گئے (1)۔ نوف کا یہ قول ایسا ہے جس کی تائید سیاق آیت اور منطوق کلام نہیں کرتا کیونکہ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الخ کی آیت بالکل واضح ہے کہ یہ صرف اور صرف اہل کتاب میں مومنین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح علامہ بغوی نے حضرت قتادہ، ابن عباس اور ابن جریج سے جو نقل کیا ہے اس کی تائید بھی آیت کے سیاق سے نہیں ہوتی۔ ابن عباس، قتادہ اور ابن جریج نے فرمایا کہ جب رحمتی وسعت کل شئی کا ارشاد نازل ہوا تو ابلیس نے کہا شئی کے اطلاق میں میں بھی داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الخ یہود و نصاریٰ نے بھی اس کی تمنا کی اور کہا کہ ہم بھی تقویٰ اختیار کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (الآیۃ) کا ارشاد نازل فرما کر انہیں خارج کر دیا۔ یہ بھی شان نزول آیت کے سیاق سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور آیت کے سیاق کا مقتضی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے یہ خطاب فرمایا ہے حضور ﷺ پر اس کا نزول حکایۃً ہے واللہ اعلم۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۸

" آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف 1 وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں کوئی معبود سوائے اس کے 2 وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے 3 پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے 4 جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر 5 اور تم پیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ 6 "

1۔ رسول کی اسم جلالت کی طرف اضافت عہد خارجی کیلئے ہے یعنی رسول سے مراد وہی رسول ہے جس کا ذکر الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ کے پاکیزہ کلمات میں کیا گیا ہے اور جس کی اتباع کا پہلے عہد لیا گیا ہے الیکم میں خطاب تمام لوگوں کو ہے اسی وجہ سے اس کے بعد جمیعا ذکر فرمایا ہے۔ جمیعا الیکم سے حال ہے پہلے تمام انبیاء مخصوص قوموں کے لئے مبعوث کئے گئے تھے لیکن نبی مکرم محمد ﷺ کی رسالت عالم گیر اور جہاں گیر اور جن وانس تمام کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ چیزوں کے ساتھ انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم عطا کیا گیا ہے، رعب و دبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے، ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ بنائی گئی ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور مجھ پر سلسلہ نبوت کا اختتام کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے (2)۔ طبرانی نے الکبیر میں سند صحیح کیساتھ سائب بن یزید سے اس طرح روایت کی ہے کہ مجھے پانچ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے، مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، میری امت کے لئے میری شفاعت کو ذخیرہ کیا گیا ہے، ایک مہینہ کی مسافت سے آگے اور ایک مہینہ کی مسافت سے پیچھے رعب و دبدبہ سے میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا ہے اور میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے، جبکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے غنائم حلال نہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 244-243 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 199 (قدیمی)

تھیں۔ بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ ابوامامہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ مجھے چار چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے اس میں شفاعت کا ذکر نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں خطاب اگرچہ تمام لوگوں کو ہے لیکن قصہ کا سیاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس عام خطاب سے مقصود یہود مدینہ اور بعض نصاریٰ ہیں کیونکہ یہ بھی خطاب کے عموم میں داخل ہیں اور ان پر مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل کے ارشاد کے ساتھ ان کے خلاف حجت پیش کی گئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کا انکار عناد کی بنا پر تھا اس لئے اللہ کی بارگاہ میں وہ انہیں کچھ مفید نہ ہوگا۔

۲؎ یہ موصول صلہ اسم جلالت کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان جو ہے وہ مضاف کے متعلق ہے کیونکہ متقدم کی طرح ہے یا یہ موصول صلہ مدح کی وجہ سے منصوب یا مرفوع ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر لا الہ الا ھو ہے۔ پہلی ترکیب جو صلہ موصول کی بیان ہوئی ہیں ان کے اعتبار سے یہ لا الہ الخ صلہ کا بدل ہے اور اس کے ماقبل کا بیان ہے کیونکہ جو ملک الملک ہوگا، وہ معبود ہوگا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔

۳؎ یہ اللہ تعالیٰ کا شان الوہیت کے ساتھ خاص ہونے کو مزید ثابت کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس کا اعراب ماقبل کلام کی طرح ہے اور اسم موصول کو مبتدا اور مابعد کو خبر بنانے کی تقدیر پر جملہ اسمیہ اس چیز کا بیان ہوگا جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔

۴؎ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس رسول مکرم ﷺ پر ایمان لاؤ جس کی اتباع کا عہد سابقہ کتب میں تم سے لیا گیا ہے۔

۵؎ وہ خود اللہ پر بھی ایمان رکھتا ہے اور جو کتاب اس پر جو پہلے انبیاء کرام پر کتابیں نازل ہوئیں ان تمام پر وہ ایمان رکھتا ہے کلمۃ مفرد بھی پڑھا گیا ہے اس وقت اس سے جنس مراد ہوگی۔ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کلمہ سے مراد عیسیٰ بن مریم ہیں (۱) یہاں متکلم کے صیغوں سے غائب کے صیغہ کی طرف عدول کیا گیا ہے ان صفات کو ذکر کرنے کے لئے جو آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کی مقتضی ہیں۔

۶؎ ہدایت کی امید کو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور نبی کریم ﷺ کی اتباع پر منحصر فرمایا ہے اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ جو اللہ کی تصدیق کرے گا لیکن آپ کے طریقہ کی اتباع نہیں کرے گا تو وہ ابھی تک گمراہی کے حصار میں ہوگا۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۹

"اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے ۱؎"

۱؎ یعنی بنی اسرائیل میں ایک جماعت ایسی تھی جو حق کی طرف دعوت دیتی تھی یا یہ معنی کہ اس حق کے سبب وہ ہدایت دیتے تھے جس پر وہ ثابت قدم تھے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت بھی حق و انصاف کے تقاضے پورے کرتے تھے ضحاک، کلبی اور ربیع کہتے ہیں یہ قوم چین سے دور مشرق کی جانب بہت دور اس نہر کے کنارے رہتی ہے جسے نہر اداق کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس کے پاس مال ہو اور اس کے ساتھی کے پاس نہ ہو۔ رات کو ان پر بارش برستی ہے اور دن کے وقت کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ہم سے کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ سب حق کے دین پر گامزن ہیں۔ ذکر ہے کہ جبرائیل علیہ السلام معراج کی رات نبی کریم ﷺ کو ان کے پاس لے گئے۔ جبرائیل نے ان سے گفتگو کی پھر جبرائیل نے ان سے پوچھا تمہیں پتہ ہے تم کس سے گفتگو کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں جبرائیل نے فرمایا یہ محمد نبی امی ﷺ ہیں پس وہ آپ پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں موسیٰ علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جو تم میں سے احمد ﷺ سے ملے تو میری طرف سے انہیں سلام عرض کرنا۔ آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام پر سلام لوٹایا پھر آپ نے قرآن کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 246 (التجاریہ)

وہ دس سورتیں تلاوت کیں جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ آپ نے انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اور انہیں اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا حکم فرمایا۔ وہ ہفتہ کے دن عبادت کرتے تھے تو آپ نے انہیں جمعہ کے دن خصوصی عبادت کرنے کا حکم دیا اور ہفتہ کو ترک کرنے کا ارشاد فرمایا۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مسلمان ہو گئے تھے (1) علامہ بغوی کہتے ہیں پہلا قول اصح ہے اور فرمایا ظاہر یہ ہے کہ پہلا قول ایک غریب قول ہے کیونکہ شب معراج میں تو جمعہ فرض ہی نہ تھا اور ایسی دس سورتیں مکہ میں نازل ہی نہ ہوئی تھیں جن میں اسلام کے تمام احکام نازل ہو چکے ہوں۔ میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ اس سے وہ مومنین مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آپ پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی جن یہود نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا اور آپ پر ایمان لائے تھے جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

”اور ہم نے بانٹ دیا انہیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس پتھر کو تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے جان لیا ہر ایک گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا اور ہم نے اتارا ان پر من و سلویٰ (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمہیں اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔[1]“

[1] یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو تقسیم کر دیا اثنتی عشرة کی تمیز محذوف ہے جس پر قطعنا دلالت کر رہا ہے۔ یہ قطع کا مفعول ثانی ہے کیونکہ قطع کے ضمن میں صیر کا معنی پایا جاتا ہے یا یہ حال ہے اور اسباطاً بدل ہے اثنتی عشرہ کی تمیز نہیں ہے کیونکہ دس سے اوپر اسماء اعداد کی تمیز مفرد اور منصوب ہوتی ہے جبکہ اسباطا جمع ہے سبط پوتے کو کہتے ہیں یا یہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے اور بارہ قبیلوں میں تھے امما صفت ہے۔ اسباط کی یا دوسرا بدل ہے۔ زجاج کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو بارہ فرقوں میں بانٹ دیا۔ یہاں اسباطاً اُمما جمع ذکر فرمایا ہے حالانکہ دس سے اوپر اسماء اعداد کی تمیز مفرد ہوتی ہے جمع نہیں ہوتی۔ اثنا عشر رجالا نہیں کہا جاتا کیونکہ اسباط حقیقت میں مفسر محذوف کی صفت ہے اور وہ فرقۃ ہے یعنی ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں (2) بعض علماء فرماتے ہیں اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے قطعنا هم اسباطا امما اثنتی عشرة قبیلہ کے لق و دق صحراء میں آپ کی قوم نے پانی مانگا تو ہم نے پتھر پر عصا مارنے کا حکم دیا پس عصا مارنے کی دیر تھی کہ بارہ چشمے پھوٹ پڑے فانبجست سے پہلے ضرب محذوف کر دیا اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں توقف نہ فرمایا۔ دوسرا یہ بتانے کے لئے کہ چشموں کے پھوٹنے میں ذاتی طور پر آپ کا عصا مارنا موثر نہ تھا بلکہ قدرت الٰہیہ کار فرما تھا انبجست کا معنی انفجرت ہے۔ ابو عمرو بن العلاء نے فرمایا کہ پہلے وہ تھوڑا تھوڑا پھوٹا پھر بہہ پڑا۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک علیحدہ چشمہ تھا۔ ہر قبیلہ کو اپنے اپنے گھاٹ کا علم تھا۔ ان پر دوسرا کرم یہ تھا کہ تپتے ہوئے صحرا میں چلچلاتی دھوپ سے بچانے کے لئے ان پر بادل کا سائبان بنا دیا پھر فکر معاش سے بے فکر کرنے کے لئے من و

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 246 (التجاریہ)　2۔ ایضاً، صفحہ 247 (التجاریہ)

سلویٰ کی نعمت کو اتارا۔

وَ اِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۶۱

''اور جب انہیں کہا گیا کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازے سے جھکتے ہوئے ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں [1] (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو [2]''

[1] نافع، ابن عامر اور یعقوب نے تغفر تاء کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور خطیئتکم کو مرفوع پڑھا ہے اور باقی قراء نے معروف اور متکلم کا صیغہ پڑھا ہے اور مابعد کو مفعول ہونے کے اعتبار سے منصوب پڑھا ہے۔ خطیئاتکم کو ابن عامر نے فعیلۃ کے وزن پر مفرد پڑھا ہے اور ابو عمرو نے قضایا کے وزن پر جمع پڑھا ہے۔

جبکہ باقی قراء نے فعیلات کم کے وزن پر ہمزہ کے ساتھ جمع پڑھا ہے۔

[2] سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ فرما کے مغفرت اور ثواب کی زیادتی کا وعدہ فرمایا ہے سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ کو جزاء کے انداز میں نہیں بلکہ مستقل کلام کے اسلوب میں ذکر فرمایا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ زیادتی محض تفضل اور احسان ہے، مامور بہا کے مقابلہ میں نہیں ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۲

''تو بدل ڈالی جنہوں نے ظلم کیا تھا ان سے بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انہیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ ظلم کیا کرتے تھے [1]''

[1] ان آیات کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے مگر وہاں فکلوا فا کے ساتھ تھا اور یہاں و کلوا ہے یہاں ان کی سکونت کو کھانے کا سبب بنایا تھا لیکن پہلے کلام پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں اس کا ذکر نہیں فرمایا یا دلالت حالت سکونت کے سبب اکل ہونے پر ظاہر ہے اس لئے سبب کی صورت میں ذکر نہیں فرمایا۔ امام بیضاوی نے یہی نکتہ ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں سورۂ بقرہ میں ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا ذکر فرمایا اور یہ حقیقت ہے کہ کھانا داخلہ کے بعد ہوتا ہے اس لیے وہاں فا تعقیبیہ ذکر فرمائی اور یہاں اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فرمایا سکون اور اکل اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے یہاں فا ذکر نہیں فرمائی بلکہ واؤ ذکر کی جو جمع پر دلالت کرتی ہے۔ ادخلوا پر قولوا کی تقدیم کا معنی میں کوئی اثر نہیں ہے (1)۔

وَ سْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ یَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِیْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝۱۶۳

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 226 (فراس)

"اور پوچھو ان سے ۱؎ حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر ۲؎ جب کہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم کے بارے) میں ۳؎ جب آیا کرتیں ان کے پاس (نکی مچھلیاں انکے ہفتہ کے دن پانی پر تیرتی ہوئیں ۴؎ اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس ۵؎ اس طرح (بے دھڑک) ہم نے آزمائش میں ڈالا انہیں بہ سبب اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے ۶؎"

۱؎ اے پیارے حبیب یہود سے پوچھئے۔ یہ سوال یہود کی کفر و نافرمانی کی طرف پیش قدمی پر زجر و توبیخ اور حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے ہے اور دوسری وجہ سوال کی یہ ہے کہ یہودیوں کے وہ علوم جن کو اہل مکہ جانتے ہی نہ تھے ان کی خبر دینا اے محبوب آپ کے لیے معجزہ اور ان کے خلاف حجت بن جائے۔

۲؎ اس بستی کا حال اور جو ان پر عذاب واقع ہوا تھا اس کی خبر کے متعلق پوچھئے جو بستی سمندر کے قریب واقع تھی۔ ابن عباس فرماتے ہیں یہ ایلہ کا شہر ہے جو سمندر کے کنارے پر طور اور مدین کے درمیان واقع ہے۔ از ہری نے اسکا نام طبریہ الشام لکھا ہے(1)۔

۳؎ یعدون کی ضمیر کا مرجع قریہ کا مضاف اہل محذوف ہے۔ یعنی اہل قریہ جو مچھلی کے شکار میں اباحت کی حد سے تجاوز کرنے لگے تھے حالانکہ انہیں ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اذ ظرف ہے کانت یا حاضرۃ کے متعلق ہے یا مضاف محذوف کے لیے ہے، یعنی اھل قریہ کی خبر ان کی سرکشی کے وقت یا یہ اھل القریہ سے بدل اشتمال ہے۔ اور اذتاتیھم یعدون کی ظرف ہے یا دوسرا بدل ہے۔

۴؎ السبت مصدر ہے جو سبت الیھود سے مشتق ہے، یعنی یہود نے ہفتہ کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص کر کے اس کی تعظیم کی۔ بعض علماء فرماتے ہیں سبت اس دن کا نام ہے اور اضافت و نسبت جو ان کی طرف کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو احکام تھے وہ ان یہود کے ساتھ خاص تھے۔ پہلے قول کی تائید وَ یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ کا ارشاد بھی کرتا ہے۔ اور شُرَّعًا حِیْتَانُ سے حال ہے، یعنی وہ کثرت سے پانی پر ظاہر ہو کر تیرتی پھرتی تھی۔ یہ شارع کی جمع ہے قریب ہونا اور جھانکنا کے معنی میں شرع سے مشتق ہے۔ ضحاک کہتے ہیں اسکا معنی یہ ہے کہ وہ پے در پے آتی تھیں۔ یہ بھی اس واقعہ میں ذکر کیا جاتا ہے کہ ہفتہ کے دن وہ مچھلیاں سفید موٹے مینڈھوں کی طرح پانی کے اوپر آتی تھیں(2)۔

۵؎ یعنی وہ ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس نہ آتیں جیسا کہ ہفتہ کے دن آیا کرتی تھیں۔

۶؎ اور نبلوھم لا تاتیھم کی ضمیر منصوب سے حال ہے اور بما کانوا الخ یعدون کے متعلق ہے یا یہ معنی کہ اس قسم کی شدید آزمائش کے ساتھ۔ ان کے فسق کے سبب ہم انہیں آزماتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ شیطان نے یہودیوں کو یہ وسوسہ ڈالا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شکار کرنے سے نہیں روکا ہے۔ اس نے تمہیں صرف کھانے سے منع کیا ہے۔ پس شکار کرو۔ بعض فرماتے ہیں اس نے یہ وسوسہ ڈالا کہ اس نے تمہیں مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا ہے پس تم سمندر کے کنارے پر حوض بنالو اور ہفتہ کے روز مچھلیوں کو ان کی طرف دھکیلو تم اتوار کے روز انہیں پکڑ لینا۔ کچھ زمانہ وہ اسی ترکیب پر عمل کرتے رہے پھر ہفتہ کے دن بھی تجاوز کر گئے۔ کہنے لگے ہفتہ کا دن ہمارے لیے حلال کر دیا ہے پس انہوں نے مچھلیاں پکڑیں، کھائیں اور فروخت بھی کیں۔ اس قریہ کے لوگ تین گروہوں میں منقسم تھے، وہ کل ستر ہزار کے قریب تھے۔ ایک گروہ مچھلیاں پکڑ کر کھلی نافرمانی کا ارتکاب کرتا تھا۔ دوسرا گروہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 248 (التجاریہ) 2۔ ایضاً

تیسرا گروہ نہ تو خود شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا۔ اس گروہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آئندہ ارشاد میں فرمایا ہے۔

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

"اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو اللہ جنہیں ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب انہوں نے کہا تا کہ معذرت پیش کر سکیں تمہارے رب کے دربار میں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور شاید وہ ڈرنے لگیں [1]"

[1] یعنی وہ لوگ جو ہمہ وقت تبلیغ دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول رہتے تھے۔ انہیں خاموش گروہ نے کہا تم خواہ مخواہ کیوں نصیحت و موعظت کر کے اپنا سر کھپاتے ہو۔ جب اللہ نے ان شکار کے مرتکبین کو دنیا میں ہلاک کرنے یا آخرت میں انہیں سخت عذاب دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو جواباً انہوں نے کہا تا کہ ہم اپنے فرض کی ادائیگی کا اپنے رب کے حضور عذر پیش کر سکیں اور دوسرا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہمارے وعظ و نصیحت سے راہ راست پر آ جائیں کیونکہ مایوسی ہلاکت کے بعد ہوتی ہے۔ جمہور علماء نے معذرۃ یعنی مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی ہمارا انہیں نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا عذر پیش کرنے کے لیے ہے تا کہ ہمیں نہی عن المنکر میں کوتاہی کرنے والے شمار نہ ہو جائیں۔ حفص نے مصدریت اور علیت کی بناء پر منصوب پڑھا ہے یعنی اِعْتَذَرْنَا مَعْذِرَةً یا وَعَظْنَا هُمْ مَعْذِرَةً یعنی مفعول مطلق ہے یا مفعول لہ ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

"پھر جب انہوں نے فراموش کر دی جو انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی انہیں جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا بڑے عذاب سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے [1]"

[1] یعنی جب مجرم گروہ نے نیکوکاروں اور صالحین کے وعظ و نصیحت کو پس پشت ڈال دیا تو ہم نے وعظ و نصیحت، تبلیغ و ترغیب کرنے والوں کو بچا لیا جو برائیوں سے منع کرتے تھے اور مجرموں کو سخت عذاب کی چکی میں پیس دیا۔ جمہور علماء نے بئیس کو باء کے فتحہ اور ہمزہ کے کسرہ اور اس کے بعد یاء ساکنہ کے ساتھ فعیل کے وزن پر پڑھا ہے یہ بئس یبئس باسا سے مشتق ہے جس کا معنی سخت ہوتا ہے۔ ابو جعفر، نافع اور ابن عامر نے فعل کے وزن پر بئس پڑھا ہے گویا اصل میں یہ بئیس تھا یعنی مفتوح الفاء اور مکسور العین تھا، یعنی اس کا وزن حذر تھا پھر تخفیف کے لیے ہمزہ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی گئی تو ہمزہ کے سکون کے ساتھ بئس بن گیا۔ یا یہ فعل ذم ہے اس کے ساتھ صفت لگائی گئی تو یہ اسم بن گیا۔ لیکن ابن عامر نے اس کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع اور ابو جعفر ہمزہ کے ساتھ نہیں بلکہ ہمزہ کو یاء کے ساتھ قلب کر کے پڑھتے ہیں۔ وہ دونوں اسے بیس پڑھتے ہیں۔ ابو بکر نے عاصم سے اس کے خلاف باء کے فتحہ اور یاء کے سکون اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ فیعل کے وزن پر پڑھا ہے جیسے ضیغم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا تو ذکر کیا ہے کہ برائی سے منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو سخت عذاب سے پکڑ لیا لیکن تیسرے گروہ کے متعلق میں نہیں جانتا کہ اس خاموش طبقہ کے ساتھ کیا ہوا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عباس سے کہا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، آپ

دیکھتے نہیں ہیں کہ انہوں نے شکار کرنے والوں کے فعل کو ناپسند کیا اور برا سمجھا تھا کیونکہ انہوں نے مبلغین سے کہا تھا کہ تم ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو اللہ ان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ان کی نجات کا ذکر نہیں فرمایا تو ان کی ہلاکت کا ذکر بھی تو نہیں فرمایا۔ حضرت ابن عباس کو میری بات بڑی پسند آئی اور اس خوشی میں آپ نے مجھے دو چادریں عطا فرمانے کا حکم فرمایا اور مجھے آپ نے دونوں چادریں پہنائیں۔ اور کہا خاموش گروہ بھی نجات پا گیا۔ حاکم نے اسی طرح روایت کی ہے۔ یمان بن رباب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کو نجات دی، یعنی منع کرنے والوں اور خاموش رہنے کو نجات دی اور تیسرے گروہ کو ہلاک کر دیا جنہوں نے مچھلیاں پکڑی تھیں۔

یہ حسن اور مجاہد کا قول ہے ابن زید فرماتے ہیں منع کرنے والا گروہ کامیاب ہوا تھا اور دوسرے دونوں گروہ ہلاک ہوئے تھے۔ یہ آیت نہی عن المنکر کے ترک پر سخت وعید ہے(1)۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

"پھر جب انہوں نے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے حکم دیا انہیں کہ ہو جاؤ بندر راندے ہوئے۔[1]"

[1] اس آیت کریمہ میں امر کام کے وجوب کے لیے نہیں بلکہ تکوین و تسخیر کے لیے ہے۔ ظاہر کا تقاضا یہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا پھر انہوں نے سرکشی اختیار کی تو ان کی صورتوں کو مسخ کر دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت کریمہ پہلی آیت کریمہ کی تفصیل و تقریر ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ نیکو کار تبلیغ کرنے والے گروہ کے افراد نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم کیوں انہیں وعظ و نصیحت کر کے وقت ضائع کرتے ہو۔ وعظ و نصیحت ان کو کچھ نفع نہیں دے گا۔ دوسرے ساتھیوں نے کہا ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ انہیں ہماری تبلیغ کچھ مفید نہیں لیکن ہم اپنے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لیے یہ سب تگ و دو کرتے ہیں یا یہ کہ جو وعظ کر رہے تھے انہیں ان لوگوں نے کہا جو ان کی ہدایت پذیری سے مایوس ہو چکے تھے کہ تم انہیں کیوں وعظ کرتے ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ کہنے والے وہ شکار کا ارتکاب کرنے والے لوگ تھے جنہوں نے بطور استہزاء کہا تھا کہ تم ہمیں وعظ و نصیحت کر کے کیوں اپنی انرجی ضائع کرتے ہو، جبکہ ہمارے ہلاک ہونے یا عذاب دینے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما ہی دیا ہے تو نیک گروہ نے کہا معذرۃ الی ربکم۔ لیکن اس آخری مفہوم کی لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ کی ضمیر غائب مخالفت کرتی ہے۔ اگر یہ مفہوم ہوتا تو لعلکم تتقون ہونا چاہیے تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب منع کرنے والے شکار کرنے والوں کو نصیحت کرتے کرتے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ان کے ساتھ رہنا ناپسند کیا۔ پس انہوں نے ایک دیوار کے ذریعے شہر کو تقسیم کر دیا۔ ایک دروازہ مسلمانوں کے لیے اور ایک دروازہ معتدین کے لیے تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے معتدین پر لعنت کی۔ ایک دن منع کرنے والے لوگ صبح اٹھے تو معتدین کا کوئی شخص باہر نہ نکلا۔ مسلمانوں نے کہا کوئی خاص معاملہ ہو گیا ہے۔ وہ ان کے علاقہ میں گئے تو وہ معتدین بندروں کی شکل میں تھے۔ منع کرنے والے انہیں پہچان نہیں سکتے تھے لیکن وہ بندر انہیں پہچانتے تھے۔ وہ بندر اپنے رشتہ داروں کے پاس آئے، ان کے کپڑے سونگھتے اور ان کے ارد گرد روتے ہوئے پھرتے تھے۔ مسلمان انہیں کہتے کہ کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا تو بندر سر ہلا کر جواب دیتے ہاں۔ وہ تین دن بندروں کی شکل میں رہے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور لوگ انہیں دیکھتے تھے پھر وہ سب مر گئے۔

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 249 (التجاریہ)

الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

"اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے [1] کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روز قیامت تک ایسے (جابر) جو چکھائیں گے انہیں برا عذاب [2] بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے [3]"

[1] تاذن الاذن سے باب تفعل کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی وہ عزم مصمم ہے جو کبھی ترک نہیں کیا جاتا کیونکہ کسی کام کا عزم مصمم کرنے والا اپنے نفس کو اس کام کے کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے فعل قسم کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جیسے علم اللہ وشھد اللہ اس کے قسم کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اس کا جواب بھی جواب قسم کے اسلوب پر دیا جاتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تیرے رب نے فرمایا۔ مجاہد فرماتے ہیں تیرے رب نے حکم دیا عطا فرماتے ہیں تیرے رب نے حکم دیا(1)۔ پہلے قول کے علاوہ بقیہ اقوال کی صورت میں۔

[2] قسم محذوف کا جواب ہے، یعنی قسم بخدا اللہ تعالیٰ یہود پر ضرور مسلط کرتا رہے گا ایسے جابر لوگ جو انہیں بہت برا عذاب چکھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ سوء العذاب سے مراد قتل، سزا، قیدی بنانا اور جزیہ لگانا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے پہلے ان پر سلیمان کو پھر بخت نصر کو بھیجا جس نے ان کے شہروں کو تباہ کیا، ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور جو باقی رہ گئے تھے ان پر جزیہ لگا دیا تھا۔ یہ مجوسیوں کو ٹیکس ادا کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے بنی قریظہ کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا، بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلاوطن کیا۔ پھر حضرت عمر نے خیبر اور فدک سے انہیں نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ یہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے ٹیکس ادا کریں۔

[3] اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو جلد عذاب دینے والا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں یہود کو عذاب دیا۔ لیکن جو ایمان لے آئے اور سابقہ گناہوں سے توبہ کرے تو اس کی بخشش فرمانے والا اور اس پر اپنی نوازشات فرمانے والا ہے۔

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

"اور ہم نے بانٹ دیا انہیں زمین میں کئی گروہوں میں [1] ان میں سے کچھ نیک ہیں [2] اور کچھ اور طرح ہیں [3] اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں [4]"

[1] یعنی ہم نے ان کی ملت کو منتشر کر دیا حتیٰ کہ ان کی کوئی شان وشوکت اور وقعت نہ رہی اور ان کی جمعیت کا کوئی اعتبار نہ رہا۔

[2] جو محمد ﷺ پر ایمان لے آئے وہ نیکوکار ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد کا یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین موسوی پر اس کے منسوخ ہونے سے پہلے قائم تھے۔ اور ہمارے اس قول کی تائید میں قرینہ بعد والا ارشاد فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ہے۔

[3] ان میں سے کچھ اصلاح سے محروم ہیں جو محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے یا جو موسیٰ علیہ السلام کے دین کے نسخ سے پہلے فاسق تھے اور عیسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے۔

[4] ہم نے انہیں وافر نعمتوں اور شدید تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تاکہ ان کی چشم ہوش بیدار ہو اور فسق وکفر کی روش سے پھر جائیں۔ نعمت کے وقت محسن کا شکر ادا کریں اور تکلیف کے نزول کے وقت توبہ کریں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 250 (التجاریہ)

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

"پھر جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف [1] جو وارث ہوئے کتاب کے [2] وہ لیتے ہیں مال اس دنیا کا [3] اور (یا ہیں) ہم کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں [4] اور اگر آ جائے ان کے پاس اور مال اس جیسا تو لے لیں اسے بھی [5] کیا نہیں لیا گیا تھا ان سے پختہ وعدہ کتاب میں کہ نہ منسوب کریں اللہ کی طرف کوئی بات سوائے حق کے [6] اور پڑھ لیا انہوں نے جو کتاب میں تھا [7] اور دار آخرت بہتر ہے ان کے لیے جو متقی ہیں [8] تو کیا تم (اتنا) بھی نہیں سمجھتے [9]"

[1] یعنی جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ان کے بعد ایک نسل آئی۔ ابو حاتم فرماتے ہیں خلف لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی اولاد ہے اس میں واحد، جمع برابر ہے اور خلف لام کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی متبادل ہے خواہ وہ متبادل بیٹا ہو یا کوئی اجنبی شخص۔ ابن الاعرابی فرماتے ہیں الخلف لام کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی نیک اولاد ہے اور لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بری اولاد ہے۔ نصر بن شمیل کہتا ہے کہ خلف لام متحرک کے ساتھ یا سکون کے ساتھ دونوں کا معنی بری نسل ہے۔ اور نیک نسل کے لیے بفتحہ لام ہی استعمال ہوتا ہے۔ محمد بن جریر فرماتے ہیں اکثر مدح کے لیے بفتح لام اور مذمت کے لیے بسکون لام استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی اس کے برعکس بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں یہ مصدر ہے اسکے ساتھ صفت لگائی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا اطلاق واحد اور جمع پر برابر ہوتا ہے(1) بعض علماء فرماتے ہیں یہ جمع ہے اور اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے۔

[2] یہ وارث بنے کتاب کے یعنی تورات ان کو منتقل ہوئی ان کے آباء سے جسے یہ پڑھتے ہیں اور اس کے احکام سے مطلع ہیں۔

[3] اس جہان قریب کا فانی مال ومتاع لیتے ہیں۔ ادنیٰ مشتق ہے دنو سے یا دناءۃ سے۔ عرض کا معنی ساز وسامان ہے اور سونے چاندی کے سوا ہر چیز کے لیے بولا جاتا ہے مال عین سے کم ہو یا زیادہ اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں عرض اس چیز کو کہتے ہیں جس میں بقاء اور ثبات نہ ہو اسی سے متکلمین جوہر کے علاوہ ہر چیز کے لیے عرض کا لفظ استعمال کرتے ہیں مثلاً رنگ، ذائقہ وغیرہ اسی وجہ سے دنیا کو عرض حاضر کہا جاتا ہے کیونکہ اس کو بھی ثبات اور دوام حاصل نہیں ہے۔ اور اس سے مراد وہ رشوت اور مال ودولت ہے جو یہود کے علماء جاہل عوام سے وصول کرتے تھے اور کھاتے تھے۔ اسی رشوت اور نذرانوں کے لالچ میں انہوں نے شان مصطفوی ﷺ کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ مبادا حضور کی شان رفیع کے اظہار سے ہماری یہ آمدن بند ہو جائے۔ اپنی اسی خوراک اور رشوت کے زوال کے اندیشہ سے کلام الٰہی میں تحریف کا فعل بد کیا تھا۔ یہ جملہ ورثوا کی ضمیر مرفوع سے حال ہے۔

[4] یہ جملہ عطف اور حال کا احتمال رکھتا ہے اور فعل جار مجرور یا اس ضمیر کی طرف منسوب ہے جو یاخذون کے مصدر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی گناہ پر اصرار کے باوجود بغیر توبہ کے مغفرت الٰہیہ کے متمنی ہیں۔ یہ فعل انتہائی شنیع اور قبیح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دانشمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اطاعت شعار بنایا اور آخرت کی زندگی کے لئے عمل کیا اور عاجز وہ ہے جس نے اپنے نفس کو

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 227 (فراس)

خواہشات کا پابند کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی اور بے بنیاد آرزوئیں رکھیں (1)۔ اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ، حاکم اور بغوی نے سند صحیح کے ساتھ شداد بن اوس سے روایت کیا ہے۔

ﮥ وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ، یقولون کی ضمیر سے حال ہے، یعنی گناہ پر اصرار کرتے ہوئے۔ اس جیسے مال کا مزید ارادہ کرتے ہوئے اور توبہ نہ کر کے بھی مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں بنی اسرائیل کا ہر قاضی رشوت لیتا تھا۔ پھر جب اس سے پوچھا جاتا کہ تم رشوت کیوں لیتے ہو۔ (کوئی خوف خدا نہیں) تو وہ کہتا مجھے بخش دیا جائے گا۔ دوسرے لوگ اس پر طعن کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب وہ رشوت خور قاضی مرجاتا یا معزول کر دیا جاتا اور اس کی جگہ ان طعن کرنے والوں میں سے کسی کو قاضی بنایا جاتا تو وہ بھی رشوت لینا شروع کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دوسروں کے پاس جو پہلے قاضی پر طعن کرتے تھے اس کی مثل مزید مال آجائے تو یہ اس کو بھی لے لیں گے (2)۔

ﮦ کیا تورات میں اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ حق کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کریں گے۔ اور یہ جو گناہ پر اصرار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتے ہیں یہ حق نہیں ہے تورات میں اس کا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا۔

ﮧ اس کا عطف معنی کے اعتبار سے الم یوخذ پر ہے کیونکہ یہ اس کا ہی ثبوت ہے یا ورثوا پر معطوف ہے۔ درس الکتاب کا معنی کتاب کو پڑھنا اور بار بار اس میں غور وفکر کرنا ہے یعنی جو وہ کرتوت کرتے ہیں اس کے متعلق انہیں علم ہے کہ یہ گناہ اور غلط کام ہے۔

ﮨ دار آخرت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لیے اس دنیا کے فانی مال ومتاع سے ہزار درجے بہتر ہے۔

ﮩ یہ محذوف کلام پر معطوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ایختارون الشر و یترکون الخیر فلا یعقلون (کیا وہ شر کو اختیار کرتے ہیں اور خیر کو ترک کرتے ہیں پھر تو ان کی عقل ہی نہیں ہے کیونکہ عقل شر پر خیر کو ترجیح دیتی ہے بلکہ عقل تو دو بہتر چیزوں سے بہتر ین چیز کو اختیار کرتی ہے۔ جبکہ یہ کورے اور کون تو ایسی ادنیٰ گھٹیا چیز کو لے رہے ہیں جو انہیں دائمی عذاب کی طرف پہنچا رہی ہے اور جنت کی ابدی وسرمدی نعمتوں کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ نافع، ابن عامر، حفص اور یعقوب نے تاء خطاب کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء غائبہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

"اور جنہوں نے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے کتاب کو اور قائم کیا نماز کو بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اجر اصلاح کرنے والوں کا ﮤ"

ﮤ ابوبکر نے یُمَسِّكُوْنَ کو باب افعال سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے باب تفعیل سے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابی بن کعب نے وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ پڑھا ہے، یعنی اس کا معطوف ماضی ہے اس لئے یہ بھی انہوں نے ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں وہ اہل کتاب میں سے مومنین ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ ان خوش نصیبوں نے اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا جس کو موسیٰ علیہ السلام لیکر آئے تھے اور اس میں کچھ تبدیلی وتحریف نہیں کی تھی اور نہ آپ ﷺ کی

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 69 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 251 (التجاریۃ)

صفات کو چھپایا تھا اور نہ رشوت لیتے تھے۔ بلکہ خلوص نیت کے ساتھ تورات پر عمل پیرا تھے۔ حتیٰ کہ جب محمد ﷺ تشریف لائے تو آپ پر بھی ایمان لے آئے۔ عطا فرماتے ہیں یہ امت محمدیہ کے افراد کی صفات ہیں(1) اور اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ کا عطف الذین یتقون پر ہے۔ اور افلا تعقلون جملہ معترضہ ہے یا اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا ہے اور اس کی خبر اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ہے منھم کی تقدیر پر یا اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ اس لیے استعمال کیا تا کہ تنبیہ ہو جائے کہ اصلاح اعمال کو ضائع کرنے سے روکنے والی چیز کی طرح ہے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

"اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان کے اوپر[1] اس طرح گویا وہ سائبان ہے[2] اور خیال کرنے لگے کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر[3] (ہم نے کہا) پکڑ لو جو ہم نے دیا ہے تمہیں (پوری) قوت سے[4] اور یاد رکھو جو اس میں ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ[5]"

[1] واذنتقنا اذکروا محذوف کے متعلق ہے۔ نتق کا معنی کھینچنا ہے اور یہاں اکھیڑنا اور بلند کرنے کے معنی میں ہے اور فوقھم میں ضمیر کا مرجع بنی اسرائیل ہیں۔ جب یہود نے تورات کے احکام کو ثقیل سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر پہاڑ کو بلند کیا۔

[2] ہر چیز جس سے سایہ حاصل کیا جائے اسے ظلہ کہتے ہیں۔

[3] انہوں نے یقین کر لیا کہ ابھی گر پڑے گا۔ یہاں ظن کا ذکر فرمایا کیونکہ ابھی واقع نہ ہوا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ تم تورات کے احکام قبول کر لو ورنہ تم پر یہ پہاڑ گر پڑے گا۔

[4] خذوا سے پہلے قلنا محذوف ہے یعنی قلنا خذوا۔ یعنی جو ہم نے تمہیں احکام دیے ہیں مشقت کے باوجود مضبوطی اور سنجیدگی سے لے لو۔ ما اتینا کم خذوا کے فاعل سے حال ہے۔

[5] جو اس میں احکام و ارشادات ہیں اس پر عمل کرو اور ایک بھولی ہوئی چیز کی مانند چھوڑ نہ دو۔ تا کہ تم برے اعمال اور قبیح کردار سے بچ جاؤ۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾

"اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے[1] ان کی اولاد کو[2] اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے[3] ہم نے گواہی دی[4] (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز حشر[5] کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے[6]"

[1] واو کے بعد اذکر محذوف ہے اور اس کلام میں اختصار ہے اصل میں من آدم و بنی آدم ہے۔ اور من ظھورھم بنی آدم سے بدل بعض ہے اور معنی یہ کہ جب تیرے رب نے آدم کی پیٹھ سے اس کی اولاد کو نکالا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 252 (التجاریہ)

۲؎ ذریتھم کو نافع ' ابو عمرو ' ابن عامر اور یعقوب نے ذریاتھم جمع کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے مفرد پڑھا ہے۔
۳؎ یعنی ان کو ایک دوسرے پر گواہ بنایا۔ اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ اسلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو آپ کی پیٹھ سے ہر وہ روح جس کا اللہ تعالیٰ خالق ہے آپ کی پیٹھ سے باہر نکل آئی جس نے قیامت تک پیدا ہونا تھا۔ اور ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان ایک نورانی چمک پیدا فرمائی پھر انہیں آدم علیہ اسلام کے سامنے پیش کیا۔ آدم علیہ اسلام نے پوچھا۔ یا رب یہ کون ہیں؟ فرمایا تیری اولاد ہے۔ آدم علیہ السلام نے ایک شخص دیکھا تو اس کی آنکھوں کی چمک بہت اچھی لگی پوچھا یا رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ داؤد ہے۔ عرض کی یا اللہ اس کی عمر کتنی بنائی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' آدم علیہ السلام نے عرض کی یا رب میری عمر میں سے چالیس سال اسے عطا فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کی عمر مکمل ہوگئی اور صرف وہی چالیس سال رہ گئے۔ (جو آپ نے داؤد علیہ السلام کو دیئے تھے) ملک الموت آئے تو آدم علیہ السلام نے کہا کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کیا آپ نے وہ اپنے بیٹے داؤد کو عطا نہیں عطا فرمائے تھے۔ آدم علیہ السلام نے اس وقت انکار کر دیا۔ پس آپ کی اولاد بھی انکار کرتی رہے گی۔ آدم علیہ السلام نے بھول کر درخت کھایا تھا تو آپ کی اولاد بھی بھول جائے گی۔ آدم علیہ السلام نے خطا کی تو آپ کی اولاد بھی خطا کرے گی(1)۔ اس حدیث کو ترمذی نے ابو درداء سے بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور چیونٹیوں کی طرح ایک کی اولاد سفید رنگ میں نکالی پھر بایاں ہاتھ پھیرا اور آپ کی سیاہ اولاد نکالی گویا وہ کوئلے ہیں۔ دائیں جانب والوں کو فرمایا یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے پھر بائیں ہاتھ والوں کو فرمایا یہ دوزخی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح مقاتل وغیرہ اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے۔ آخر میں یہ بھی ہے کہ سوال جواب کے بعد تمام کو آدم کی پیٹھ میں لوٹا دیا۔

اہل قبور اس وقت محبوس رہیں گے حتی کہ تمام اہل میثاق مردوں اور عورتوں کی پیٹھوں سے باہر آجائیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے عہد توڑا تھا ان کے متعلق فرمایا وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ۔ مسلم بن یسار سے مروی ہے، فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ (الآیہ) کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جب آپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ پر دایاں ہاتھ پھیرا اور ان کی پیٹھ سے ان کی اولاد کو نکالا اور فرمایا یہ میں نے جنت کے لئے پیدا فرمائے ہیں اور جنتیوں والے اعمال کریں گے پھر پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور آپ کی پیٹھ سے آپ کی اولاد کو نکالا اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو میں نے دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں اور یہ دوزخیوں والے اعمال کریں گے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ بندے کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو وہ جنتیوں والے اعمال کرتا ہے حتی کہ وہ جنتیوں والے اعمال پر فوت ہو جاتا ہے۔ پھر اس عمل کی بدولت اسے جنت میں داخل کرتا ہے(2)۔ اور جب کسی بندے کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو وہ دوزخیوں والے اعمال کرتا ہے حتی کہ دوزخیوں والے اعمال پر مرتا ہے اور پھر اسے وہ اس عمل کی وجہ سے دوزخ میں داخل کرتا ہے۔ اس حدیث کو امام مالک' ابوداؤد، ترمذی اور احمد نے اپنی مسند

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 133 (وزارت تعلیم) 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 45 (صادر)

میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح بخاری نے اپنی تاریخ میں ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ اور مسلم بن یسار نے حضرت عمر سے نہیں سنا۔ امام بغوی فرماتے ہیں بعض محدثین نے اس سند میں مسلم بن یسار اور حضرت عمر کے درمیان ایک اور شخص کا ذکر کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد سے عہد نعمان یعنی عرفہ میں لیا تھا۔ آپ کی پیٹھ سے تمام اولاد کو نکالا اور پھر آدم علیہ السلام کے سامنے چیونٹیوں کی طرح بکھیر دیا اور ان سے بالمشافہ کلام کی۔ فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تمام نے کہا کیوں نہیں ہم نے گواہی دی۔ (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ شرک کو ہمارے آباؤ اجداد نے ہم سے پہلے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جو ان کے بعد آئے تھے۔ کیا تو ہمیں ان باطل پرستوں کے شرک کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے(1)۔ اس حدیث کو احمد، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔
ابن جریر نے ایک ضعیف سند کے ساتھ ابن عمر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اسی آیت کے متعلق فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے اس طرح اولاد کو نکالا گیا جیسے کنگھی کے ذریعے سر سے (جوئیں) نکالی جاتی ہیں۔ پھر فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں ملائکہ نے کہا شھدنا ہم نے گواہی دی(2)۔ امام بغوی فرماتے ہیں ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکالا پھر ہند کے علاقہ دھناء میں عہد لیا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آدم علیہ السلام زمین پر اترے تھے۔ کلبی کہتے ہیں میثاق مکہ اور طائف کے درمیان ہوا تھا۔ سدی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ابھی آسمان سے اترے نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور آپ کی اولاد کو نکالا(3)۔ ابی بن کعب سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو جمع فرمایا پھر انہیں کئی اقسام پر بنایا پھر ان کی صورتیں بنائیں پھر انہیں قوت گویائی عطا فرمائی تو وہ بولنے لگے۔ اس کے بعد ان سے عہد لیا اور ان کو ایک دوسرے پر گواہ بنایا۔ اس بات کے لیے کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں۔ اور تم پر تمہارے باپ آدم کو بھی گواہ بناتا ہوں تا کہ تم روز حشر یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اس عہد کا علم ہی نہیں ہے۔ فرمایا جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتب نازل کروں گا۔ سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔ ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے پس تمام نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام کے اوپر اٹھایا، آدم علیہ السلام نے تمام کو دیکھا۔ اس میں غنی، فقیر، خوبصورت اور بدصورت سب کو پیدا فرمایا، آدم علیہ السلام نے عرض کی یارب تو نے اپنے تمام بندوں کو یک رنگ اور مساوی کیوں پیدا نہیں فرمایا۔ فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے (یعنی غنی فقیر کو دیکھ کر میرا شکر ادا کرے گا) پھر آدم علیہ السلام نے انبیاء کرام کو دیکھا، چراغوں کی مثل تھے۔ اور ان پر نور الٰہی کا پرتو تھا۔

ان سے رسالت و نبوت میں ایک اور میثاق خصوصیت کے ساتھ لیا تھا اور اس کا ذکر وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ الخ کے ارشاد میں ہے۔ عیسیٰ ابن مریم اس وقت ان روحوں میں تھے پھر انہیں حضرت مریم کے پاس بھیجا۔ حضرت ابی سے مروی ہے کہ آپ حضرت مریم کے منہ سے داخل ہوئے تھے۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے۔ بعض روایات میں ''میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ'' کے بعد

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 323 (ریاض) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 253 (التجاریہ) 3۔ ایضاً

یہ بھی ہے کہ جو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا تو میں اس سے انتقام لوں گا اور" پھر انہوں نے اقرار کیا" اس قول کے بعد یہ زائد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عمروں' رزق' اور مصائب کو لکھا اور" میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے" کے بعد ہے کہ جب ان سے توحید کا اقرار لیا اور ایک دوسرے پر انہیں گواہ بنایا تو پھر انہیں آدم کی صلب کی طرف لوٹا دیا پس اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جبتک کہ ہر وہ شخص پیدا نہیں ہوتا جن سے عہد لیا گیا تھا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا تو پھر من ظهورهم یعنی ان کی پیٹھوں سے نکالنے کا کیا معنی ہے۔ میں کہتا ہوں اور احادیث بھی اسی چیز کی تائید کرتی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم میں سے بعض کو بعض کی پیٹھ سے نکالا جیسا کہ انہوں نے پیدا ہونا تھا۔ پس آدم کا ذکر کرنا اولاد کے ذکر کی وجہ سے ضروری نہیں سمجھا گیا۔ جب یہ معلوم ہے کہ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اس کی پیٹھ سے نکالے گئے ہیں اس لیے آدم کی پیٹھ سے نکلنے کا ذکر نہیں فرمایا۔ میں کہتا ہوں حدیث میں تمام لوگوں کا آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکلنے کا ذکر اس لیے ہے' بعض بعض سے نکلے ہیں لیکن تمام کے اصول آدم کی پیٹھ میں ہیں اس لیے تمام کے نکلنے کی نسبت آدم کی طرف کرنا صحیح ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں آدم سے مراد آدم و بنیہ ہو لیکن اصل کے ذکر کی وجہ سے فرع سے استغناء کیا گیا۔ میں کہتا ہوں آپ ﷺ کا ارشاد صرف کتفه اليمنى الخ اس سے مراد ضَرَبَ كَتِفَهٗ اَوْ كَتِفَ اَحَدٍ مِّنْ اَبْنَائِهٖ ہے۔ یعنی آدم یا آپ کے بیٹوں میں سے کسی کے کندھے کو مس کیا اسی طرح بائیں ہاتھ کے پھیرنے سے مراد ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اہل سعادت نے تو خوشی سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور اہل شقاوت نے تقیۃ اور مجبوراً اقرار کیا تھا۔ یہی معنی ہے وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا۔

ے سدی کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اور ملائکہ کی طرف سے خبر دی ہے کہ انہوں نے بنی آدم کے اقرار پر گواہی دی۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ یہ بنی آدم کی طرف سے خبر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر گواہ بنایا تھا تو تمام نے کہا تھا کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔ کلبی کہتے ہیں یہ ملائکہ کا قول ہے۔ اور اس میں کلام محذوف ہے۔ تقدیر اس طرح ہے کہ اولاد آدم نے کہا بلیٰ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا تم گواہ بن جاؤ تو فرشتوں نے کہا شهدنا (ہم نے گواہی دی)

ۓ یہ مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ ابو عمرو نے دونوں جگہ ان يقولوا یعنی غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یعنی اس نے ان کو گواہ بنایا تاکہ وہ قیامت کے روز لاعلمی کا عذر نہ پیش کریں۔ میں کہتا ہوں ابو عمرو کی قراءت پر یہ کہنا بہتر ہے کہ تقدیر یوں ہے۔ اے محمد ان کو عہد یاد دلاؤ تاکہ یہ روز حشر نہ کہیں کہ ہم تو غافل تھے۔ اور جمہور کی قرأت پر تقدیر یوں ہوگی کہ اے لوگو میں تو اپنے میثاق کی خبر دیتا ہوں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم غافل تھے۔

ٹ هذا کا مشار الیہ میثاق یا اقرار ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کسی کو جب وہ میثاق اور عہد یاد ہی نہیں ہے تو اس پر حجت کیسے لازم ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مخبر صادق مؤید بالمعجزات نے خبر دی ہے تو حجت لازم ہوگئی پس ان کے عدم حفاظت کی وجہ سے احتجاج ساقط نہ ہوگا۔

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

"یا یہ نہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد ان کے بعد تو کیا تو

ہمیں ہلاک کرتا ہے اس شرک کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے[1] "

[1] یعنی جو کام ہمارے مشرک اسلاف نے کیا اس کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ ہم نے تو ان کی اقتداء کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غفلت اور اباء کی تقلید کو کوئی معقول عذر نہ سمجھا جائے گا اور یہ چیز ان سے احتجاج کو ساقط نہ کرے گی۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

" اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں نشانیاں تا کہ وہ (ان میں غور کریں) اور کفر سے باز آ جائیں[1] "

[1] وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ کا جملہ معطوف ہے اور اس کا معطوف مقدر ہے۔ تقدیر اس طرح ہے لَعَلَّهُمْ يَتَدَبَّرُوْنَ وَيَتَذَكَّرُوْنَ مَانَسُوْا وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ مِنَ الْكُفْرِ اِلَى التَّوْحِيْدِ۔ تا کہ ان آیات میں غور وفکر کریں اور جو بھول چکے ہیں اس کو یاد کریں اور کفر کو چھوڑ کر توحید کی طرف لوٹ آئیں۔ سلف صالحین اور جمہور مفسرین نے ان آیات کی تفسیر احادیث کی تائید کے تحت بیان کی ہے۔ لیکن امام بیضاوی اور ان کے پیروکار فلسفیوں نے ایک اور انداز سے ان آیات کی تفسیر کی ہے۔ واذاخذ ربک کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم اور آپ کی اولاد کی اصلاب سے نسلاً بعد نسل ان کو نکالا وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ یعنی اپنی ربوبیت پر ان کے لیے دلائل قائم کیے اور ان کی عقلوں میں ایسی قوت وصلاحیت راسخ کر دی ہے جو انہیں توحید کے اقرار کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے حتی کہ گویا وہ یوں ہو گئے کہ ان سے الست بربکم کہا گیا تو انہوں نے کہا۔ بلیٰ اور اسی علم کے رسوخ اور تمکن کو تمثیل کے طور پر اشہاد اور اعتراف کے قائم مقام رکھا گیا ہے' امام بیضاوی فرماتے ہیں ہماری اس تاویل پر اس آیت کے الفاظ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا الخ۔ دلالت کرتے ہیں(1) کیونکہ دلیل کے قیام اور تمکن مِنَ العلم کے ہوتے ہوئے تقلید عذر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ فرماتے ہیں کلام کا مقصود یہود پر میثاق عام کے مقتضیٰ کو لازم کرنا ہے اس کے بعد کہ تورات میں ان کے ساتھ مخصوص میثاق کو لازم کیا جا چکا ہے۔ اور ان کے ساتھ دلائل سمعیہ اور دلائل عقلیہ کے ذریعے مجادلہ اور احتجاج کرنا ہے اور انہیں تقلید سے منع کرنا اور نظر واستدلال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ تقلید اور باطل کی اتباع سے باز آ جائیں۔ جن لوگوں نے یہ تفسیر کی ہے وہ احادیث مذکورہ کی بھی اسی طرح تاویل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

" اور پڑھ سنایئے انہیں حال اس کا جسے دیا ہم نے (علم) اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے[1] تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں سے "

[1] علیھم میں ھم ضمیر کا مرجع یہود ہیں یعنی یہود کو پڑھ سنایئے اس شخص کا واقعہ جسے ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا پھر ان آیات کا انکار اور ان سے اعراض کر کے نکل گیا۔ ابن عباس فرماتے ہیں یہ بلعم بن باعور تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں بلعام بن باعور تھا۔ عطیہ، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ شخص بنی اسرائیل سے تھا۔ ابوطلحہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ کنعانی تھا جو جبارین کے شہر کا رہنے والا تھا۔ مقاتل نے شہر کا نام بلقاء لکھا ہے۔ اس کا مکمل واقعہ ابن عباس' ابن اسحٰق اور سدی نے اس طرح روایت کیا ہے(2) کہ موسیٰ علیہ

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 228 (فراس)
2۔ تفسیر بغوی، خازن، جلد 2، صفحہ 256 (التجاریہ)

السلام نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ بنی کنعان کی زمین میں یعنی شام کے علاقہ میں اترے۔ قوم بلعم کے پاس آئی کیونکہ اس کے پاس اسم اعظم تھا۔ اس سے قوم نے کہا موسیٰ (علیہ السلام) بہت جری اور سخت آدمی ہیں۔

نیز ان کے پاس لاؤ لشکر بھی بہت ہے، وہ ہم سے جنگ کرنے اور ہمیں قتل کرنے آئے ہیں اور ہمارے علاقہ میں بنی اسرائیل کو آباد کریں گے تو ایک ایسا شخص ہے جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں باہر نکل اور دعا کر کہ اللہ موسیٰ اور اس کے لشکر کو ہم سے دور کر دے۔ بلعم نے کہا تمہارے لیے ہلاکت ہو، وہ موسیٰ اللہ کے نبی ہیں اور اس کے ساتھ فرشتے اور مومنین ہیں۔ میں ان کے لیے کیسے بد دعا کروں، میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو جانتا ہوں۔ اگر میں ان کے لیے بد دعا کروں گا تو میری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی۔ قوم نے بلعم سے بہت اصرار کیا، بات کو بار بار دہرایا لیکن بلعم نے کہا میں بد دعا نہیں کر سکتا جب تک میرا رب مجھے حکم نہ دے۔ وہ اس وقت تک بد دعا نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ اسے خواب میں دکھا دیا جاتا تھا اور بد دعا کرنے کا حکم مل جاتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ بنی اسرائیل کے لیے بد دعا نہیں کرنی۔ اس نے اپنی قوم کو صاف صاف بتا دیا کہ مجھے بد دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے پھر قوم نے بلعم کو ہدیے اور تحفے پیش کیے اور بد دعا کرنے کے لیے اصرار کیا۔ حتیٰ کہ وہ تحفے قبول کر لیے اور کہا میں استخارہ کروں گا۔ جو حکم ہو گا اس پر عمل کروں گا اس رات استخارہ میں کچھ ظاہر نہ ہوا، صبح اس نے بتایا کہ رات کو میں نے استخارہ کیا تو کوئی حکم نہیں ملا۔ قوم نے کہا اگر بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ بد دعا کو ناپسند فرماتا تو تمہیں منع کر دیتا جیسا کہ پہلی مرتبہ منع فرمایا تھا۔ وہ اس کے سامنے منت و زاری کرتے رہے حتیٰ کہ وہ آزمائش میں مبتلا ہو گیا اور ان کے دام فریب میں پھنس گیا، وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر پہاڑ کی طرف چلا تاکہ لشکر کا مشاہدہ کرے۔ اس پہاڑ کو حسان کہا جاتا تھا۔ جب وہ سوار ہو کر چلا تو تھوڑے فاصلہ پر سواری بیٹھ گئی۔ وہ اس سے اترا اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ سواری بیچاری پھر کھڑی ہوئی پھر وہ سوار ہو گیا پہلے کی طرح تھوڑی ہی چلی اور بیٹھ گئی پھر اس نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گدھی کو قوت گویائی عطا فرمائی، اس نے اس پر حجت کی تکمیل کے لیے کہا اے بلعم تو کہاں جا رہا ہے؟ تجھے میرے آگے فرشتے نظر نہیں آ رہے جو مجھے آگے جانے سے روک رہے ہیں تو اللہ کے نبی اور مومنین پر بد دعا کرنے کے لیے جا رہا ہے، اس نے سواری کو وہاں چھوڑ دیا اور خود پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس نے جونہی موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کے لیے بد دعا شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو پھیر دیا۔ وہ اپنی قوم کے لیے دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو بنی اسرائیل کے لیے پھیر دیتا۔ (یعنی وہ بد دعا کے لیے بنی اسرائیل کا نام لیتا تو اللہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے اس کی زبان سے اس کی اپنی قوم کا نام نکالتا اور جب دعا کے لیے اپنا قوم کا نام لینا چاہتا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر بنی اسرائیل کا نام جاری فرما دیتا۔ قوم نے جب اس کی برعکس کیفیت دیکھی تو کہا بلعم تجھے معلوم ہے کہ ہمارے لیے بد دعا اور بنی اسرائیل کے لیے دعائیں کر رہا ہے۔ اس نے کہا مجھے اس پر اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مجھے مغلوب کر دیا ہے اس کی زبان اس کے سینہ تک لٹک گئی۔ بلعم نے قوم سے کہا اب میری تو دنیا اور آخرت تباہ و برباد ہو گئی ہے۔ اب تو صرف مکر و حیلہ باقی ہے میں تمہاری مصیبت سے نجات کے لیے ایک چال اور سازش کرتا ہوں وہ اس طرح کہ آپ لوگ عورتوں کو پوری میک اپ کر کے بنی اسرائیل کے پاس مال تجارت دے کر بھیجو۔ وہ ان میں خرید و فروخت کریں اور اگر کوئی شخص کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔ کیونکہ اگر ان میں سے ایک شخص بھی زنا کا ارتکاب کرے گا تو تم ان پر غالب آ جاؤ گے انہوں نے اسی سازش پر عمل کیا جب عورتیں پروگرام کے مطابق زیب و زینت کر کے لشکر میں داخل ہوئیں تو ایک کنعانی عورت جس کا نام کتی

بنت صور تھا بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس سے گزری۔ اس سردار کا نام زمری بن شلوم تھا، یہ شمعون بن یعقوب کے قبیلہ کا سردار تھا۔ وہ شخص اس عورت کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو ہاتھ سے پکڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے آیا اور کہا اے موسیٰ میرا خیال ہے کہ تم کہو گے یہ تجھ پر حرام ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں یہ تجھ پر حرام ہے، اس کے قریب نہ جانا۔ زمری نے کہا قسم بخدا اس عورت کے مسئلہ میں میں آپ کی اطاعت نہیں کرونگا۔ پھر وہ اس عورت کو لے کر خیمہ کے اندر چلا گیا اور اس کے ساتھ بے حیائی کا ارتکاب کیا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طاعون کا مرض پیدا فرما دیا۔ فنحاص بن العیز ار بن ہارون ایک مضبوط اعصاب والا اور سخت گرفت کرنے والا شخص تھا اور جب زمری بن شلوم نے یہ سب کچھ کیا تھا فنحاص اس وقت موجود نہ تھا۔ وہ جب لشکر میں پہنچا تو بنی اسرائیل میں طاعون کی وبا پھوٹ چکی تھی۔ اسے زمری کی حرکت کا پتہ چلا تو اس نے اپنا نیزہ پکڑا جو تمام کا تمام لوہے کا تھا اور اس کے خیمہ میں داخل ہوا وہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں سوئے ہوئے تھے۔ اس نے ان دونوں کو نیزہ میں پرو دیا پھر فضا میں دونوں کو لہراتا ہوا باہر نکلا، اس نے نیزہ ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور کہنی کو پہلو پر ٹکایا ہوا تھا۔ ادھر نیزہ اس کے جبڑے کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ فنحاص اس حالت میں یہ کہہ رہا تھا یا اللہ جو تیری نافرمانی کرتا ہے اس کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طاعون کی وباء کو ختم فرما دیا۔ زمری کے زنا اور اس کے قتل کے درمیان ایک گھنٹہ میں ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے تھے۔

بنی اسرائیل فنحاص کی اولاد کو ہر ذبیحہ کا دست، جبڑا اور پہلو پیش کرتے تھے۔ پہلو اس لیے کہ اس پر وہ کہنی کو سہارا دیے ہوئے تھا، ہاتھ اس لیے کہ اس کے ساتھ وہ ان کو اٹھائے ہوئے تھا اور جبڑا اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ انہیں رو کے ہوئے تھا اور اپنے اموال میں پہلا جانور بھی ان کی اولاد کو پیش کرتے تھے کیونکہ فنحاص عیزار کا پہلا بیٹا تھا۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے بلعم کے متعلق نازل فرمائی ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں بلقاء کے بادشاہ نے بلعام کو کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کریں تو بلعام نے کہا وہ میرے دین کے پیروکاروں میں سے ہے میں ان کے لیے بددعا نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے پھانسی کے تختے گاڑھ دیے تاکہ اسے پھانسی پر چڑھا دے۔ بلعم نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ گدھی پر چڑھ کر نکلا تاکہ بددعا کرے پھر جب لشکر کو دیکھا تو گدھی چلنے سے رک گئی اور ٹھہر گئی۔ بلعم نے گدھی کو مارنا شروع کیا تو اس نے کہا تو مجھے مارتا ہے، مجھے تو یہاں رکنے کا حکم دیا گیا ہے، سامنے میرے آگ ہے جو مجھے چلنے سے مانع ہے۔ وہ واپس آ گیا اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ بادشاہ نے کہا یا بددعا کرو یا میں تمہیں پھانسی لگا دوں گا۔ بلعم نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے اسم اعظم کے واسطہ سے بددعا کی کہ وہ اس شہر میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور بنی اسرائیل اس کی بددعا کی وجہ سے تیہ کے صحرا میں جا پہنچے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا رب تو نے کس گناہ کے سبب ہمیں تیہ میں ڈال دیا ہے۔ فرمایا بلعام کی بددعا کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی جس طرح تو نے اس کی بددعا کو میرے متعلق سنا ہے۔ اسی طرح میری بددعا اس کے حق میں قبول فرما موسیٰ علیہ السلام نے اس سے اسم اعظم اور ایمان کے چھن جانے کی بددعا کی۔ تو اس سے معرفت چھن گئی اور وہ اس سے اس طرح اتار لیا گیا جیسے بکری سے کھال اتاری جاتی ہے۔ ایک صورت جو سفید کبوتر کی مانند تھی اس سے نکل گئی۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا کا یہی مفہوم ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص، سعید بن المسیب، زید بن اسلم اور لیث بن سعد فرماتے ہیں یہ آیت امیہ بن ابی الصلت کے بارے نازل ہوئی تھی۔ اس کا قصہ اس طرح ہے اس نے کتب کا مطالعہ کر رکھا تھا اور جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول مبعوث فرمائے گا۔ اور وہ خود

امید رکھتا تھا اسے ہی رسول بنایا جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ کو مبعوث کیا گیا تو وہ آپ سے حسد کرنے لگا اور آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ یہ شخص صاحب حکمت اور پند و نصائح کیا کرتا تھا۔ وہ کسی بادشاہ کے پاس گیا پھر واپس آ رہا تھا تو بدر کے مقتولوں کے اوپر سے گزرا۔ اس نے پوچھا کہ انہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ محمد ﷺ نے انہیں قتل کیا ہے۔ کہنے لگا اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو اپنے ساتھیوں کو قتل نہ کرتے۔ جب امیہ مر گیا تو اس کی بہن رفاعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اس سے امیہ کی وفات کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ سویا ہوا تھا، اس کے پاس دو آنے والے آئے، انہوں نے کمرے کی چھت کو کھولا پھر وہ نیچے اترے۔ ان آنے والوں میں سے ایک اس کی پائنتی اور دوسرا سرہانے بیٹھ گیا۔ جو پائنتی بیٹھا تھا اس نے سرہانے بیٹھنے والے سے کہا کیا ہوشیار ہے؟ دوسرے نے کہا ہوشیار ہے پھر اس نے کہا پاک ہے۔ دوسرے نے کہا منکر ہے۔ رفاعہ نے اس خواب کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا میرے متعلق بھلائی کا ارادہ کیا گیا تھا لیکن پھر اس کو مجھ سے پھیر دیا گیا ہے پھر وہ بیہوش ہو گیا جب افاقہ ہوا تو کہنے لگا۔

ہر زندگی خواہ کتنی ہی طویل ہو آخر کار اس نے ختم ہونا ہے۔

کاش اس اندوہ ناک اور دلگیر کیفیت کے لاحق ہونے سے پہلے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکریاں چرانے والا ہوتا۔ حساب و کتاب کا دن بہت بڑا دن ہے۔ اس ثقیل دن میں بچے بوڑھے ہو نگے (1)۔

حضور ﷺ نے اس کی بہن سے کہا مجھے اپنے بھائی کے اشعار سنا تو اس نے چند قصائد سنائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے اشعار مومن ہیں لیکن اس کا دل کافر ہے۔ اسی امیہ بن الصلت کے متعلق واتل علیھم نبا الذی الخ کا ارشاد نازل ہوا۔ ابن عباس سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت بسوس کے حق میں نازل ہوئی جو بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا۔ اس کو تین دعائیں عطا کی گئیں تھیں جن کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا تھا، اس کی ایک بیوی تھی جس کی اولاد بھی تھی۔ بیوی نے کہا ایک دعا تو میرے لیے کر۔ اس نے کہا ٹھیک ہے تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے کہا میرے لیے دعا کر کہ اللہ تعالیٰ مجھے بنی اسرائیل کی خوبصورت ترین عورت بنا دے۔ اس نے دعا کی تو وہ حسین ترین عورت بن گئی۔ جب اس عورت کو یہ خیال آیا کہ میرے جیسی کوئی حسین عورت نہیں ہے تو اس نے اپنے خاوند سے اعراض شروع کر دیا۔ اس پر خاوند کو غصہ آیا تو اس نے دوسری بد دعا اس کے لیے کی اور وہ بھونکنے والی کتیا بن گئی، دو دعائیں ہو گئیں تو پھر اس کے بیٹے آئے اور کہا کہ ہم سے ماں کی یہ کیفیت برداشت نہیں ہے۔ ہماری ماں کتیا کی طرح بھونک رہی ہے اور لوگ ہمیں عار دلا رہے ہیں۔ پس دعا کریں کہ یہ پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے۔ اس نے دعا کی تو وہ پہلی حالت پر لوٹ آئی۔ تو اس طرح اس بزرگ بسوس کی تینوں دعائیں بیوی کے اردگرد ہی گھومتی رہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں پہلے دو قول اظہر ہیں۔

میں کہتا ہوں دوسرے قول کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ (الآیہ) رد کرتا ہے۔ کیونکہ اس مذکورہ ارشاد میں صراحۃً موجود ہے کہ تیہ میں ان کا وقوع جہاد سے انکار کی وجہ سے ہوا تھا۔ بلعام کی بد دعا کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ حسن اور ابن کیسان فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ان منافقین اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی معرفت کی طرح پہچانتے تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ مثال ہے ہر اس شخص کی جس پر ہدایت کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 57-256 (التجاریہ)

پیش کیا جائے اور وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دے پس آیت کریمہ میں آیات سے مراد ہدایت ہے۔ ابن عباس اور سدی کہتے ہیں آیات سے مراد اسم اعظم ہے۔ ابن زید کہتے ہیں جو جو چیز طلب کرتا تھا اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے تھے۔ ابن عباس ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب ملی تو وہ اسے اس طرح چھوڑ گیا اور ان سے نکل گیا جیسے سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے(1)۔

ۓ یعنی شیطان اس کو لاحق ہو گیا یا شیطان نے اس کا پیچھا کیا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

"اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف لے اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی ۓ تو اس کی مثال کتے جیسی ہے اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تب بھی ہانپے ۓ یہ حال ہے ان لوگوں کا جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۓ آپ سنائیں (انہیں) یہ قصے شاید وہ غور و فکر کرنے لگیں ۵"

لے اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے سبب اسے علماء اخیار کے منازل رفیعہ اور مراتب عالیہ پر فائز کر دیتے لیکن وہ تو اس سے مراد دنیا اور اس کی پستی کی طرف مائل ہو گیا۔ سفلیت کی مناسبت کی وجہ سے دنیا کو زمین سے تعبیر فرمایا یا اس لیے کہ تمام شہر اور زمین اور جو کچھ اس دنیا میں موجود ہے، وہ سب مٹی سے نکلتا ہے۔ اس لیے تمام دنیا کو ارض کے لفظ سے ذکر فرمایا۔ زجاج کہتے ہیں خلد اور اخلد دونوں کا معنی دوام خلود اور مقام ہے۔ جب کوئی کسی جگہ ٹھہرے تو کہتے ہیں اخلد فلان بالمکان۔

ۓ لیکن اس فانی دنیا کے مال و متاع اور قوم کی خوشنودی کو ترجیح دی اور آیات کے مقتضیٰ سے منہ موڑ لیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منازل پر بلند کرنے کی نسبت اپنی مشیت کی طرف کی ہے، جبکہ خلود الی الارض (جس کا معنی دنیا کی طرف میلان کرنا ہے) کی نسبت بندے کی طرف کی ہے۔ اس نسبت میں اشارہ ہے کہ یہ امر طبعی ہے جس کا تقاضا اس کی ذات اس کے امکان اور عدم ذاتی کی وجہ سے کرتی ہے اور بلند منازل کی طرف اٹھانا امر وہبی اور عطائی ہے، یہ فقط اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے حاصل ہوتا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں پہلے مراتب عالیہ پر فائز کرنے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق کیا گیا پھر بندے کے فعل کی طرف نسبت کر کے پیدا شدہ وہم کو دور کر دیا اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ مشیت سبب ہے بندے کے اس فعل کی جو بندے کی رفعت کا موجب ہوتا ہے (یعنی بندہ اچھے اعمال کرتا ہے تو اس کی مشیت اس کو بلند مقام پر فائز کرنے کے ساتھ معلق ہوتی ہے اگر بندے کا ایسا فعل نہ پایا جائے جو بلند مقام پر فائز کرنے کا تقاضا کرے تو مشیت الہیہ بھی اس کو بلندی پر فائز کرنے کے ساتھ معلق نہیں ہوتی جس طرح کہ مسبب کا انتفاء سبب کے انتفاع پر دلالت کرتا ہے اور سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور جو اسباب و علل ہم دیکھتے ہیں یہ مسبب کے حصول کا معتبر واسطہ ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ مشیت الہیہ بھی اس مسبب کے ساتھ معلق ہوتی ہے(2)۔

کلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہاں ولکنہ اعرض عنھا ہونا چاہیے تھا لیکن اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ذکر فرمایا ہے۔ اس اسلوب کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر ہو جائے کہ اس اعراض پر اسے کس چیز نے برانگیختہ کیا ہے اور دوسری وجہ کلام میں مبالغہ پیدا کرتا ہے۔ اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 259 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 229 (فراس)

اس بات پر تنبیہ کرتا ہے کہ دنیا کی محبت' حرص اور لالچ ہر خطا کی اصل ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے جو حضرت حسن سے امام بیہقی نے روایت کی ہے۔

سے اس شخص کی مثال خست اور کمینگی میں کتے کی طرح ہے، یعنی ہر وقت کتا پیاس کی وجہ سے یا عاجزی و تھکاوٹ کی وجہ سے ہانپتا رہتا ہے خواہ بھگانے کے لیے اس پر حملہ کیا جائے یا نہ کیا جائے وہ ہانپتا ہی رہتا ہے کیونکہ اس کا دل بہت کمزور ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے حیوانات صرف تھکاوٹ یا پیاس کے وقت ہانپتے ہیں، یہ جملہ شرطیہ حال واقع ہو رہا ہے۔ یعنی دونوں حالتوں میں ذلیل ہی رہتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ اس شخص کی مثال ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ معنی یہ ہے کہ کافر کو آپ جھڑکیں اور وعظ و نصیحت کریں تو اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور اگر آپ اسے چھوڑ دیں تب بھی ہدایت کے چشمہ شیریں سے سیراب نہیں ہوتا وہ گمراہ ہے اور ابدی ذلیل ہے، جس طرح کتا ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔ معنوی طور پر اس آیت کی مثال یہ آیت کریمہ بھی ہے۔ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صٰمِتُوْنَ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ کیفیت کسی ایک منکر کے حق کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جو بھی آیات سے انکار کرتا ہے اس کی ایسی حالت ہوتی ہے (2)۔

سے قوم سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ کے متعلق پڑھا بھی تھا اور لوگوں کو آپ کی بعثت کے وقت کے قریب ہونے کی بشارتیں بھی دیتے تھے۔ لیکن جب وہ شاہ خوباں پیکر جمال و رعنائی اپنے تمام کمال و جمال کے ساتھ مبعوث ہوا اور روشن معجزات کو ظاہر فرمایا اور قرآن معجز کی تلاوت کی اور ان بدبختوں نے آپ ﷺ کو علامات و صفات کی وجہ سے اس طرح پہچان لیا تھا جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے تو تورات کی آیات سے اعراض کیا اور حسد کے مارے محمد ﷺ کا انکار کر دیا اور کتے کی طرح ذلیل و رسوا ہو گئے انہیں تورات کے پند و نصائح اور تنبیہات نے کچھ فائدہ نہ دیا۔

ھے یہود پر مذکورہ قصہ پڑھیے کیونکہ ان کے قصہ کی مانند ہے شاید غور و فکر کریں اور نصیحت سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کے برے انجام سے ڈرنے لگیں جس کے نقش قدم پر پہلے گامزن ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ مکہ کے کفار کی مثال ہے۔ وہ پہلے تمنا کرتے تھے کہ ان کا بھی کوئی ہادی و مرشد ہو جو انہیں طاعت الٰہی کی دعوت دے لیکن جب نبی کریم ﷺ ان کے پاس ہادی برحق بن کر تشریف لائے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا حالانکہ وہ آپ کی صداقت پر ذرہ شک نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ہدایت کا چراغ قبول نہ کیا اور ڈرانا اور نہ ڈرانا ان پر برابر ہو گیا۔

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝

"بہت بری کہاوت ہے اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے لے"

لے ساء کا فاعل مضمر ہے اور اس کی تمیز مثلاً ہے القوم سے پہلے مثل کا لفظ محذوف ہے، مضاف کو حذف کر کے اس کا اعراب مضاف الیہ کو دیا گیا ہے اصل میں کذبوا الخ معطوف علیہ ہے اور اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ معطوف ہے اور الذین کا صلہ ہے، یعنی اصل میں الذین کذبوا و ظلموا انفسھم ہے یا اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ماقبل کلام سے منقطع ہے اور معنی یہ ہے وہ ظلم نہیں کرتے مگر اپنے ہی نفسوں پر کیونکہ ان کی خطاؤں کا وبال ان کے اپنے اوپر ہی پڑتا ہے، اسی حصر کا معنی ظاہر کرنے کے لیے مفعول کو مقدم فرمایا ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

1۔ شعب الایمان، جلد 7، صفحہ 338 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 60-259 (التجاریہ)

"جسے ہدایت بخشے اللہ تعالیٰ سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جنہیں گمراہ کردے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ۱؎ "

۱؎ لفظ مَن کا اعتبار کرتے ہوئے صیغہ مفرد ذکر فرمایا اور مَن کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے فاولٰئک جمع ذکر فرمایا۔ اس آیت کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ہدایت وگمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے اور ہدایۃ اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کا ہدایت دینا ہدایت پانے کو مستلزم ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کو بیان فرماتا ہے جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔ مھتدی کے لفظ مفرد اور خاسروں کا جمع ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے ہدایت پانے والے راستے کے ایک ہونے کی وجہ سے فرد واحد کی طرح ہیں، جبکہ گمراہوں میں سے ہر ایک کا علیحدہ رستہ ہے۔

مھتدی کے لفظ نیکوکار کی تعبیر اھتداء کی شان کی تعظیم اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ ہدایت پانا یہ بہت بڑا کمال اور بہت بڑا نفع ہے اگر اس کے علاوہ کوئی صفت بھی نہ ہو تو کامیابی کے لیے یہی صفت کافی ہے کیونکہ ہدایت پانا دائمی کامیابی اور نعمتوں کے حصول کو مستلزم ہے۔ ہدایت پانا ہی جنت کے حصول کا عنوان ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ کے مقام پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر پڑھا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ آپ کے سامنے کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے عجمی زبان میں کچھ کہا تو حضرت عمر نے ترجمان سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ترجمان نے کہا یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا، اسی نے تجھے گمراہ کیا اور ان شاء اللہ وہ تجھے دوزخ میں داخل کرے گا اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ لوگ بکھر گئے اور تقدیر میں اس کے بعد کوئی اختلاف نہ ہوا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

"اور بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ۱؎ ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے ۲؎ وہ حیوانوں کی طرح ہیں ۳؎ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ۴؎ یہی لوگ تو غافل (و بے خبر) ہیں ۵؎ "

۱؎ یعنی ہم نے جن وانس میں سے اکثر کو جہنم کے لیے پیدا کیا جو اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق کفر پر اصرار کرنے والے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور جنت کے اہل کو پیدا فرمایا درآں حالیکہ وہ اپنے آباء کی صلبوں میں ہیں اور دوزخ کو پیدا فرمایا اور دوزخ کے اہل کو پیدا فرمایا دراں حالیکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں[1] (مسلم) اسی طرح پہلے صلب آدم سے اولاد کو نکالنے والی حدیث میں گزر چکا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کی یارسول اللہ ہمیں تو علم نہیں مگر یہ کہ آپ ہمیں بتا دیں آپ ﷺ نے فرمایا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 337 (قدیمی)

جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے وہ کتاب ہے جس میں جنتیوں کے اسماء ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کے اسماء اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر ان کے آخر میں ٹوٹل لگا دیا گیا ہے۔ اب ان میں کبھی کمی بیشی واقع نہ ہوگی۔ پھر فرمایا جو میرے بائیں ہاتھ میں ہے وہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباء کے نام اور ان کے قبائل کے نام درج ہیں پھر آخر میں حساب لگا دیا گیا ہے اب ان میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ اگر اس امر سے فراغت ہو چکی ہے۔ تو عمل کا کیا فائدہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھے اعمال کرو۔ کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا اگر چہ پہلے جو عمل بھی کرتا رہا۔ اور دوزخی آدمی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا اگر چہ جو عمل بھی کرتا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھوں کے ساتھ اشارہ فرمایا اور ان کو جھاڑ دیا اور فرمایا تمہارا رب بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے(1)۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کے درمیان ظاہراً تضاد ہے کیونکہ اس آیت میں ہے کہ اکثریت کی تخلیق جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے ہے اور دوسری آیت میں جن وانس کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عبادت کریں۔ ہم کہتے ہیں تطبیق اس طرح ہے کہ نفس تخلیق اور عالم کی تخلیق میں اصل حکمت کی حیثیت سے جن و انس عبادت کے لیے ہیں لیکن ان کے کفر کے اختیار کرنے کا اعتبار علم الٰہی میں نہیں کیا گیا۔ اور بہت سے جن وانس کو جہنم کے لیے پیدا فرمایا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کا اعتبار کیا گیا ہے کہ وہ کفر اختیار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حق ہے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ۔ پس اس طرح دونوں حیثیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں اگر چہ صیغہ عام ہے لیکن مراد خاص ہے۔ یعنی جو طاعت وایمان قبول کریں گے علم الٰہی کے مطابق ان کو اس نے عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن اس قول میں کچھ حقیقت نہیں ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی ان کا انجام جہنم ہوگا جب ان کا انجام جہنم ہوگا تو گویا ان کو پیدا ہی جہنم کے لیے کیا گیا ہے، اس قول میں بھی ظاہر سے عدول ہے۔

2۔ یعنی ان کے دل تو ہیں لیکن ان میں حق کے دلائل میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت اور معرفت حق کی استعداد نہیں ہے۔ ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان کے ساتھ حق کے روشن دلائل میں عبرت کی نگاہ سے دیکھتے نہیں ہیں۔ ان کے کان تو ہیں لیکن ان کے ساتھ آیات قرآنیہ اور مواعظ ونصائح کو غور سے سنتے نہیں ہیں۔

3۔ بے سمجھی، عدم بصیرت اور عدم سماع میں ڈنگروں کی طرح ہیں اور ان کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں صرف کھانے، پینے، جماع کرنے اور دوسرے اسباب تعیش کے حصول پر موقوف ہیں۔

4۔ بلکہ یہ ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ جانور بھی نفع بخش اور نقصان دہ چیز میں کسی اعتبار سے تمیز کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ منافع کے حصول اور دفع جزر میں اپنی ساری کوششیں صرف کرتے ہیں لیکن بعض کفار وہ ہیں جو دائمی آگ کی طرف بڑھنے میں مگن ہیں حالانکہ انہیں ہلاکت وتباہی کا علم بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَآءَهُمْ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا۔ بعض کفار اپنی عقل کے دشمن بن جاتے ہیں اور لایعنی افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو عقل وشعور کی صلاحیت عطا فرمائی ہے ان کو ضائع کر دیتے ہیں پس مکلف ماموراور عقل سے عاری اور معذور شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 36 (وزارت تعلیم)

۵ وہ بالکل بے خبر اور بے سمجھ ہیں اور غفلت کی اس گہرائی میں گرے ہوئے ہیں کہ اس کی مثال ہی نہیں ہے۔ اس جملہ میں یہ بھی دلیل ہے کہ ڈنگروں اور پتھروں میں بھی اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق سے مکمل طور پر غافل نہیں ہوتے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد بھی ہے وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (اور اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے۔ اسی طرح یہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ ہی کو سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں نیز آفتاب، ماہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے۔

مقاتل فرماتے ہیں ایک شخص نے نماز میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور رحمٰن کا بھی نام لیا تو اہل مکہ میں سے بعض مشرکوں نے کہا (۱) محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس شخص کو کیا ہے کہ یہ دو خداؤں کو پکار کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

"اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے ۱ سو پکارو اسے انہیں ناموں سے ۲ اور چھوڑ دو انہیں جو کجروی کرتے ہیں اس کے ناموں میں انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ۳"

۱ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جو عمدہ معانی پر دلالت کرتے ہیں اور ایسے الفاظ مراد ہیں جو اس ذات پر دلالت کرتے ہیں جو صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ ذات پر دلالت کرنے والے اور صفات پر دلالت کرنے والے اسماء کے درمیان بہت فرق ہے۔

۲ ان ہی اسماء کے ساتھ پکارو۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں جو ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ایک روایت میں ہے وہ وتر (طاق) ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے (2) شیخین نے ننانوے اسماء کی تعیین اس حدیث میں بیان نہیں کی کیونکہ ان کی شروط پر ان کا ثبوت نہیں ہے۔ امام ترمذی اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں ان کی تعیین ذکر کی جیسے حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں جو انہیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ، الرَّحِیْمُ، الْمَلِكُ، الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهَیْمِنُ، الْعَزِیْزُ، الْجَبَّارُ، الْمُتَكَبِّرُ، الْخَالِقُ، الْبَارِئُ، الْمُصَوِّرُ، الْغَفَّارُ، الْقَهَّارُ، الْوَهَّابُ، الرَّزَّاقُ، الْفَتَّاحُ، الْعَلِیْمُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الْخَافِضُ الرَّافِعُ، الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ، السَّمِیْعُ، الْبَصِیْرُ، الْحَكَمُ، الْعَدْلُ، اللَّطِیْفُ، الْخَبِیْرُ، الْحَلِیْمُ، الْعَظِیْمُ، الْغَفُوْرُ، الشَّكُوْرُ، الْعَلِیُّ، الْكَبِیْرُ، الْحَفِیْظُ، الْمُقِیْتُ، الْحَسِیْبُ، الْجَلِیْلُ، الْكَرِیْمُ، الرَّقِیْبُ، الْمُجِیْبُ، الْوَاسِعُ، الْحَكِیْمُ، الْوَدُوْدُ، الْمَجِیْدُ، الْبَاعِثُ، الشَّهِیْدُ، الْحَقُّ الْوَكِیْلُ، الْقَوِیُّ، الْمَتِیْنُ، الْوَلِیُّ، الْحَمِیْدُ، الْمُحْصِیُ، الْمُبْدِئُ، الْمُعِیْدُ، الْمُحْیِیْ، الْمُمِیْتُ،

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 261 (التجاریہ) — 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 342 (قدیمی)

الْحَیُّ ' الْقَیُّوْمُ ' الْوَاجِدُ ' الْمَاجِدُ ' الْوَاحِدُ ' الصَّمَدُ ' الْقَادِرُ ' الْمُقْتَدِرُ ' الْمُقَدِّمُ ' الْمُؤَخِّرُ ' الْاَوَّلُ ' الْاٰخِرُ ' الظَّاهِرُ ' الْبَاطِنُ ' الْوَالِی ' الْمُتَعَالِی ' الْبَرُّ ' التَّوَّابُ ' الْمُنْتَقِمُ ' الْعَفُوُّ ' الرَّؤُفُ ' مَالِکُ الْمُلْکِ ' ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ' الْمُقْسِطُ ' الْجَامِعُ ' الْغَنِیُّ ' الْمُغْنِی ' الْمَانِعُ ' الضَّارُّ ' النَّافِعُ ' النُّوْرُ ' الْهَادِی ' الْبَدِیْعُ ' الْبَاقِی ' الْوَارِثُ ' الرَّشِیْدُ ' الصَّبُوْرُ ' اللہ تعالیٰ کے اسماء اس مذکورہ تعداد میں منحصر نہیں ہیں۔ شاید حدیث میں مذکورہ اسماء کا یہ خاصہ ہے کہ جو انہیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو ایک نظم اور ترتیب میں بیان فرمایا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں جن اسماء کا ذکر ہے ان میں سے ستائیس اسماء کا قرآن میں صراحتاً ذکر نہیں ہے۔ وہ یہ اسماء ہیں۔ القابض' الباسط' الخافض' الرافع' المعز' المذل' العدل' الجليل' الباعث' المحصي' المبدئ' المعيد' المحيي' المميت' الواجد' الماجد، المقدم' الموخر' الوالي' ذوالجلال والاكرام المقسط' المغني' المانع' الضار' النافع' الباقي' الرشيد' الصبور۔

وہ اسما جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں لیکن ترمذی کی حدیث میں ذکر نہیں ہیں۔ وہ یہ ہیں ہو خیر وابقى' اله' شاكر' رب العالمين' احد' مالک يوم الدين' الاعلى' الاكرم' خفي' اعلم بمن ضل عن سبيله' اعلم بالمهتدين' القريب' النصير' القدير' المبين' الخلاق' المبتلي' الموسع' المليک' الكافي' فاطر السموات والارض' القائم بالقسط غافر الذنب' قابل التوب' شديد العقاب' نعم المولى' الغالب على امره' سريع الحساب' فالق الحب والنوى' فالق الاصباح' جاعل الليل سكنا' علام الغيوب' عالم الغيب والشهادة، ذوالطول' ذوانتقام' رفيع الدرجات' ذوالعرش' ذوالمعارج' ذوالفضل العظيم' ذوالقوة، ذوالمغفرة' جامع الناس ليوم لا ريب فيه' متم نعمته' متم نوره' عدو الكافرين، ولي المومنين' القاهر فوق عباده' اسرع الحاسبين' مخرج الميت من الحي' محي الموتى، ارحم الراحمين' احكم الحاكمين' خير الرازقين' خير الماكرين' خير الفاتحين' مخزي الكافرين' موهن كيد الكافرين' فعال لما يريد' المستعان' نور السموات والارض' اهل التقوى' اهل المغفرة' نعم الماهدون' رب الناس' ملک الناس' اله الناس' اقرب من حبل الوريد، القائم على كل نفس بما كسبت' احق ان تخشاه الذي هو اغنى واقنى' الذي هو امات واحيى، الذي هو اضحک وابكى' الذي خلق الزوجين الذكر والانثى' الذي اهلک عادا الاولى' الذي لم يكن له ولد ولم يكن له شريک في الملک ولم يكن له ولي من الذل' والذي انزل على عبده الكتاب' الذي بيده ملكوت كل شي' والذي يبسط الرزق لمن يشاء و يقدر والذي يبدء الخلق ثم يعيد' الذي بيده الملک' الذي بعث في الاميين رسولا' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ حدیث پاک ہے کہ یہ اسم اعظم ہے ہم نے اسم اعظم کی تحقیق سورۂ آل عمران کی ابتداء میں ذکر کر دی ہے۔

ترمذی کی مذکورہ حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں جو اسماء وارد ہیں اور وہ قرآن میں بھی نہیں ہیں۔ الحنان' المنان' الجواد' الفرد' الوتر' الصادق' الجميل' القديم' البار' الوافي' العادل' المعطي' المغيث' الطيب' الطاهر' المبارک' خالق الشمس والقمر المنير' رازق الطفل الصغير' جابر العظم الكسير' كبير كل كبير' والذي

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 189 (وزارت تعلیم)

نفسی بیدہ۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء صرف ان اسماء میں منحصر نہیں ہیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں بلکہ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں ہزار اسماء نازل فرمائے۔ آپ ﷺ کی دعا بھی ایسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسماء صرف یہی نہیں ہیں۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ ھُوَلَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ وَاَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْعَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ (ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے ہر اس اسم کے طفیل سوال کرتا ہوں جو خود تو نے اپنے لیے رکھا اور جو تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا تو نے علم غیب میں اپنے پاس مخصوص رکھا)

مجملاً تمام اسماء پر ایمان لانا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

حمزہ نے یہاں اور سورت فصلت میں یلحدون کو یاء اور حاء کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الالحاد کا لغوی معنی یہ ہے کہ ارادۃً سیدھی راہ سے منہ موڑ لینا۔ یعقوب بن السکیت کا قول ہے کہ الحاد کا معنی یہ ہے حق سے عدول کرنا اور اس میں ایسی اشیاء کو داخل کرنا جو اس میں نہ ہوں۔ عرب کہتے ہیں اَلْحَدَ فِی الدِّیْنِ وَلْحَدَ اور اَلَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ سے مراد مشرک ہیں جو اسماء الٰہیہ کو اس ذات کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے جس ذات کے لیے یہ متعین تھے بلکہ اپنے بتوں کو ان ناموں سے یاد کرتے تھے پھر ان اسماء میں کمی بیشی بھی کر دی تھی مثلاً انہوں نے اللہ سے الات العزیز سے العزیٰ اور منان سے مناۃ مشتق کر لیا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ان کا الحاد یہ تھا کہ وہ اپنے بتوں کو الٰہ کہتے تھے۔ ابن عباس سے یلحدون فی اسماءہ کا معنی یکذبون مروی ہے یعنی جھوٹ بکتے ہیں اہل معانی کہتے ہیں (1) اسماء اللہ میں الحاد کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے نام سے یاد کرنا جو نہ خود اس نے اپنے لیے بیان کیا ہے نہ کتاب اللہ میں اس کا ذکر ہے اور نہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں اس کا بیان ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں کیونکہ اسے جواد تو کہا جاتا ہے لیکن اسے سخی نہیں کہا جاتا' اسے عالم کہا جاتا ہے لیکن عاقل نہیں کہا جاتا اسے رحیم کہا جاتا ہے لیکن رفیق نہیں کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ اسی طرح ارشاد وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ لیکن یا خادع اور یا مکار نہیں کہا جائیگا۔ یا قائم بالقسط کہا جاتا ہے لیکن یا قائم نہیں کہا جائیگا اسی طرح یا خالق القردۃ والخنازیر اور یا کبیر من زید نہیں کہا جائیگا اگرچہ زید دنیا کے تمام بادشاہوں سے بڑا ہی ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان اسماء کے ساتھ پکارا جائے گا جو تعظیم کے طور پر کتاب وسنت میں وارد ہیں۔ اور ہمارے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ ہم یہود سے کوئی نام اخذ کریں جو تورات میں وارد ہیں کیونکہ یہود کے کفر کی وجہ سے ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن یہود میں سے جو مسلمان ہو گئے اور خوب مسلمان ہوئے ان سے کسی اسم کو اخذ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم عبد اللہ بن سلام اور دوسرے علماء یہود سے تورات کی باتوں کا سوال کرتے تھے۔ اس توجیہ پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کجروی اختیار کرنے والوں کو چھوڑ دو جو ایسے نام سے اسے پکارتے ہیں جو شریعت میں وارد نہیں ہیں یا یہ معنی کہ ان ملحدین کی پرواہ نہ کرو جو اللہ کے اس نام کا انکار کرتے ہیں جو اس نے خود اپنے لیے مقرر فرمایا جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے سوائے رحمٰن الیمامہ کے (مسیلمہ کذاب کے پیروکار

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 263 (التجاریہ)

مسیلمہ کو رحمٰن الیمامہ کہتے تھے) یا یہ معنی کہ ان کو اور ان کے اس الحاد کو چھوڑ دو جو وہ بتوں پر اس کے اسماء کا اطلاق کر کے اختیار کرتے ہیں اور ان اسماء سے بتوں کے نام مشتق کر لیتے ہیں جیسے الات (کو اللہ سے مشتق کر لیا) اور تم ان کی موافقت نہ کرو یا یہ معنی کہ تم ان سے اعراض کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو خود سزا دینے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

"اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے۔[1]"

[1] علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت عطاء نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس امت میں امت سے مراد امت محمدیہ ہے اور وہ مہاجرین انصار اور ان کے مخلص پیروکار ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اس آیت کریمہ کو پڑھتے تو فرماتے یہ تمہارے لیے ہے اور اس کی مثل اس قوم کو بھی عزت دی گئی ہے جو تمہارے سامنے موجود ہے (یعنی یہود) ارشاد ہے وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ(1) کلبی کہتے ہیں یہ تمام مخلوق ایک گروہ مراد ہے۔ یعنی ہر قوم میں ایک ایسا نیک سیرت گروہ ہوتا ہے۔ دونوں تقدیروں پر اس آیت میں ایک عادل اور ہادی امت کا تذکرہ ہے جو جنت کے لیے پیدا کی گئی ہے، جبکہ اس سے قبل یہ بیان کیا تھا کہ اس نے ظالم اور طغرعن الحق گروہ دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور اس آیت سے ہر زمانہ کے اجماع کی صحت پر استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہر گروہ میں ایک طائفہ اس صفت سے موصوف ہو گا۔ اسی طرح حضور ﷺ کے ارشاد کو بھی اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے ارشاد ہے کہ میری امت میں ایک طائفہ اللہ کے امر کو قائم رکھنے والا ہو گا مخالفت کرنے والوں کی مخالفت انہیں کچھ نقصان نہ پہنچائے گی حتیٰ کہ اللہ کا امر آ جائے گا اور وہ اسی امر پر قائم ہوں گے(2) متفق علیہ۔ یہ حدیث معاویہ بن ابی سفیان اور المغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

"اور جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں[1] اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہو گا[2]"

[1] اسم موصول سے مراد کفار مکہ ہیں، یعنی ہم آہستہ آہستہ ان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔ استدراج کی اصل آہستہ آہستہ اوپر چڑھانا یا درجہ بدرجہ نیچے اتارنا ہے۔

[2] ہم ان کے ساتھ ایسی تدبیر کریں گے کہ انہیں علم تک نہ ہو گا۔ کلبی کہتے ہیں ان کے اعمال ان کے لیے مزین کر دیں گے اور پھر انہیں ہلاک کر دیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں جب بھی وہ گناہ کریں گے ہم انہیں نئی نعمت عطا کریں گے۔ سفیان الثوری فرماتے ہیں ہم ان پر نعمت کو مکمل کریں گے اور شکر ان کو فراموش کرا دیں گے۔

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۱۸۳﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 263 (التجاریہ)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 143 (قدیمی)

"اور میں مہلت دیتا ہوں انہیں ۱؎ بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے ۲؎"

۱؎ اُمْلِیْ لَهُمْ اس کا عطف سَنَسْتَدْرِجُهُمْ پر ہے، یعنی میں ان کو مہلت دیتا ہوں اور ان کو لمبی عمر عطا فرماتا ہوں۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کرتا ہوں اور مہلت اس لیے دیتا ہوں تاکہ ہلاکت کے گڑھے میں گرانے والے گناہوں میں سرکشی کرتے رہیں۔

۲؎ یعنی میری گرفت بڑی شدید ہے یہاں گرفت اور پکڑ کو کید سے تعبیر فرمایا کیونکہ اس کا ظاہر احسان اور اس کا باطن خذلان ہوتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس کا معنی ہے مکری شدید یعنی میری خفیہ تدبیر بڑی سخت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ قرآن آیات سے استہزاء کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک رات میں قتل کر دیا تھا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ایک رات کو صفا پہاڑ پر کھڑے ہوئے اور ایک قریش کے قبیلہ کو بلایا یا بنی فلاں، یا بنی فلاں آپ ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے ڈرا رہے تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا تمہارا یہ مجنون ساتھی شام سے صبح تک چیختا رہتا ہے(۱)۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریم نازل فرمائی۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾

"کیا اب تک نہیں غور و فکر کیا انہوں نے ان کے صاحب پر تو جنون کا ذرا اثر نہیں ۱؎ نہیں ہے وہ مگر کھلم کھلا ڈرانے والا"

۱؎ صاحبھم سے مراد محمد ﷺ ہیں نذیر مبین کا مطلب یہ ہے کہ بالکل واضح صورت میں ڈرانے والے ہیں اس کا ڈرانا کسی پر مخفی نہیں ہے۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾

"کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور زمین کی وسیع مملکت میں اور (اس میں) جو چیز پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ۱؎ اور اس میں کہ شاید نزدیک آ گئی ہو ان کی مقررہ میعاد ۲؎ تو کس بات پر وہ اس (قرآن) کے بعد ایمان لے آئیں گے ۳؎"

۱؎ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے غور نہیں کیا ہر اس چیز میں جس پر شی کا اطلاق ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کمال قدرت اور صانع واحد ہونے کی دلیل دی ہے تا کہ ان پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ جس عقیدہ کی طرف میرا محبوب تمہیں دعوت دے رہا ہے وہ صحیح ہے۔

۲؎ عسیٰ سے پہلے ان مصدریہ ہے یا خفیفہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے اسی طرح یکون کا اسم بھی ضمیر شان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا وہ اپنی عمروں کے قریب ہونے اور ان کے جلد مکمل ہونے میں غور و فکر نہیں کرتے تا کہ وہ طلب حق کی طرف جلدی کریں اور چراغ زندگی کے بجھنے سے پہلے ایسے عقیدہ کی طرف متوجہ ہوں جو ان کو دائمی عذاب سے نجات دینے والا ہے۔ اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا اور اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا میں استفہام انکار اور تعجب کے لیے ہے۔ واؤ عاطفہ ہے اس سے پہلے معطوف علیہ جملہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے اَلَمْ یُؤْمِنُوْا بِالْقُرْاٰنِ وَالنَّبِیِّ وَرَمَوْهُ بِالْجُنُوْنِ وَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا وَلَمْ یَنْظُرُوْا۔ (کیا وہ ایمان نہیں لائے قرآن اور نبی کریم

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 273 (العلمیہ)

ﷺ پر اور آپ کی طرف جنون کی نسبت کی اور غور وفکر نہیں کیا)۔

ؒ اس قرآن حکیم کے بعد جو عربی لغت میں علم وحکمت سے لبریز ہے اور اس ذات کی زبان کے ذریعے پہنچا ہے جو امی ہے اور اس کو کسی نے جھوٹ سے متہم نہیں کیا۔

یعنی جب ان کی عمروں کا اختتام قریب ہے تو یہ قرآن پر ایمان لانے میں جلدی کیوں نہیں کرتے اور اس سے واضح دلیل کیوں نہیں طلب کرتے۔ جب یہ نادان قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ کونسی چیز قرآن سے بڑھ کر ایمان لانے کے قابل ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اعراض کی علت ذکر فرمائی ہے۔

مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ‌ ؕ وَيَذَرُهُمۡ فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾

"جسے گمراہ کردے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں لے"

لے ویذرھم کو ابو عمرو، عاصم، حمزہ اور کسائی نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اور ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور باقی قراء نے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے فلا ھادی کے محل پر عطف کرتے ہوئے مجزوم پڑھا ہے گویا اس طرح کلام ہے فَلَا يَهْدِه احد غیرہ ویذرھم اور باقی قراء نے مستقل کلام کے طور پر مرفوع پڑھا ہے۔ یعمھون حال ہے یذرھم کی ضمیر منصوب سے۔ ابن جریر نے قتادہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ایک قریبی تعلق ہے آپ اشارہ کر دیجئے کہ قیامت کب آئے گی(1) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ حمل بن ابی قشیر اور سمول بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا قیامت کب آئے گی، اگر آپ نبی ہیں جیسا کہ آپ خود دعویٰ کرتے ہیں بتائیں تاکہ ہم جان لیں کہ وہ قیامت کیا ہے(2) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ‌ ۚ لَا يُجَلِّيۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ‌ ؔ‌ۘ ثَقُلَتۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ لَا تَاۡتِيۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً‌ ؕ يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنۡهَا‌ ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۱۸۷﴾

"وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق لے کہ کب ہوگا اس کا وقوع ۲ے آپ کہیئے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے ۳ے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی ۴ے یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں اور زمین میں ۵ے نہ آئے گی تم پر مگر اچانک ۶ے وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے متعلق ۷ے آپ فرمایئے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے ۸ے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۹ے"

لے الساعۃ سے مراد قیامت ہے اور یہ اسکے اسماء غالبہ میں سے ہے اور قیامت پر الساعۃ کا اطلاق یا تو اس کے اچانک وقوع پذیر ہونے یا اس میں حساب جلدی ہونے یا اتنا طویل دن ہونے کے باوجود اللہ کے نزدیک ایک لمحہ کے برابر ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

۲ے مرسا مصدر میمی ہے ارسائھا کا معنی ہے اس کا وقوع و استقرار اسو الشی کا معنی بھی کسی چیز کا استقرار و ثبات ہے۔ اسی طرح رسال الجبل ہے جس کا معنی پہاڑ کا استقرار پکڑنا ہے۔ ارسی السفینۃ کشتی کا لنگر انداز ہونا۔ ابن عباس نے اس کا معنی منتھاھا کیا

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 274 (العلمیہ) 2۔ ایضاً

ہے یعنی قیامت کی انتہاءؔ قتادہ نے اس کا معنی قیامہا کیا ہے، یعنی قیامت کا قائم ہونا۔

ے اے محبوب فرما دیجئے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمالیا ہے سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا اس نے اس پر کسی مقرب فرشتہ اور کسی نبی مرسل کو مطلع نہیں فرمایا۔

ے اللہ تعالیٰ اس کے امر کو کسی پر ظاہر نہیں فرمائے گا۔ وقتھا سے پہلے لام بمعنی فی ہے، یعنی اس کے وقت پر یعنی قیامت کو اس کے وقت میں ظاہر نہیں کرے گا مگر وہی۔

ے یعنی اس کا علم ثقیل ہے اور اس کا معاملہ زمین وآسمان کے رہنے والوں پر پوشیدہ ہے۔ ہر مخفی امر ثقیل ہوتا ہے۔ یا یہ معنی کہ زمین و آسمان کے ملائکہ جن وانس ہر ایک کے لیے قیامت کا معاملہ اہم ہے ہر ایک یہ خواہش کرتا ہے کہ اس پر اس کا علم منکشف ہو جائے اور اس کا مخفی ہونا ہر ایک پر گراں ہے یا یہ معنی کہ زمین وآسمان میں یہ بہت بھاری ہے کیونکہ وہ اس کی سختیوں اور شدتوں سے خوفزدہ ہونگے۔ حسن فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب قیامت کا وقوع ہوگا تو فرشتوں جنوں اور انسانوں پر بہت بھاری ہوگی اس لفظ سے قیامت کے مخفی رکھنے کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لے قیامت اچانک برپا ہوگی، جبکہ لوگ غفلت میں ہونگے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم ہو جائے گی، جبکہ دو شخص خرید و فروخت کے لیے کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہونگے وہ اس کی خرید و فروخت نہ کر پائیں گے اور نہ اسے لپیٹ پائیں گے (کہ قیامت فوراً قائم ہو جائے گی) ایک آدمی اپنے حوض کی مرمت کر رہا ہوگا۔ پانی پلانے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی(1) آدمی دودھ دوھ کر واپس لوٹا ہوگا، اس کو پینے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی ایک شخص لقمہ منہ کی طرف اٹھائے گا اس کو کھانے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی۔ ابن ابی حاتم نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ صور اس وقت پھونکا جائے گا، جبکہ لوگ راستوں، بازاروں اور مجالس میں ہونگے یہاں تک کہ دو آدمی آپس میں سودا کر رہے ہونگے۔ ایک اس چیز کو نہیں چھوڑے گا کہ صور پھونک دیا جائے گا۔ پس اس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً کا یہی معنی ہے فرمایا قیامت قائم ہوگی، جبکہ لوگ بازاروں میں خرید وفروخت کر رہے ہونگے۔ کپڑوں کی پیمائش کر رہے ہونگے۔ اونٹنیوں کا دودھ دوھ رہے ہونگے اور اپنی حوائج کے پورا کرنے میں مصروف ہونگے فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ پس نہ وہ (اس وقت) کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے۔

عبداللہ بن احمد نے الزہد کی روایت میں زبیر بن العوام سے روایت کیا ہے کہ قیامت قائم ہو جائے گی جب کہ ایک آدمی کپڑے کی پیمائش کر رہا ہوگا ایک شخص اونٹنی کا دودھ دوھ رہا ہوگا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً الآیۃ۔

طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم پر قیام قیامت سے پہلے مغرب کی طرف سے ایک سیاہ بادل نمودار ہوگا جو ڈھال کی مانند ہوگا، آسمان کی طرف بلند ہوتا جائے گا اور پھیلتا جائے گا حتی کہ آسمان پر پھیل جائے گا پھر ایک ندا دینے والا ندا دے گا یا أَيُّهَا النَّاسُ۔ أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ اے لوگو (سنو!) قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 1055 (قدیمی)

کے لیے عجلت نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے دو آدمی کپڑا پھیلائے ہوئے ہونگے پس وہ اس کو نہ لپیٹیں گے (کہ قیامت قائم ہو جائے گی) ایک شخص اپنا حوض درست کرے گا اس سے پانی نہیں پلائے گا' ایک شخص اونٹنی کا دودھ دوہے گا اسے پیئے گا نہیں (کہ قیامت قائم ہو جائے گی)

ے حفیی کا وزن فعیل ہے اور یہ حفی الشئی سے مشتق ہے جس کا معنی کسی چیز کے متعلق پوری تحقیق کرنا اور اس کے بارے سوال کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔ معنی یہ کہ گویا آپ اس کے متعلق جاننے والے ہیں کیونکہ جو کسی چیز کے متعلق سوال کرنے میں مبالغہ کرتا ہے اور اس کے متعلق بحث و تمحیص کرتا ہے تو اس کا علم اس چیز کے متعلق مستحکم اور پختہ ہو جاتا ہے۔ اسی معنی کی بناء پر اس کو عن سے متعدی کیا گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ عنھا یسئلونک کے متعلق ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی یَسْئَلُوْنَکَ عَنْهَا كَاَنَّكَ خَفِيٌّ وہ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں گویا کہ آپ عالم ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ حفاوۃ سے مشتق ہے جس کا معنی شفقت ہے کیونکہ قریش آپ سے کہتے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرابت اور رشتہ داری ہے۔ آپ ہمیں بتا دیں کہ قیامت کب آئے گی؟ معنی یہ ہے کہ وہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں گویا کہ آپ قریش پر شفیق ہیں اور آپ اس کے ساتھ قرابت و تعلق کی وجہ سے ان کو خاص طور پر قیامت کے متعلق اطلاع دیں گے۔

۸ اس کلام کو مکرر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یسئلونک کے ساتھ کانک حفی کا تعلق تھا اس کی تکریر کی وجہ سے اسکو بھی مکرر فرما دیا اور دوسری وجہ کلام میں مبالغہ کرنا ہے۔

۹ یعنی قیامت کا علم ان علوم میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص فرمایا ہے اور مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۠ ﴿۱۸۸﴾

"آپ کہئے نہیں مالک ہوں میں اپنے لیے نفع کا اور نہ ضرر کا ۱؎ مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ ۲؎ اور اگر میں (تعلیم الٰہی کے بغیر) جان لیتا غیب کو تو خود ہی بہت جمع کر لیتا خیر سے اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف ۳؎ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا (نافرمانوں کو) اور خوشخبری سنانے والا اس قوم کو جو ایمان لائی ہے ۴؎"

۱؎ یعنی میں بذات خود نفع اٹھانے اور دینی' دنیوی تکلیف کو دور کرنے کا مالک نہیں ہوں اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ عبودیت کا اظہار فرما رہے ہیں اور ذاتی علم غیب کے دعویٰ سے براءت کر رہے ہیں۔

۲؎ مگر جو اللہ چاہے وہ مجھے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے علم عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے نفع کے حصول اور تکلیف کے دفع کی قدرت عطا فرماتا ہے۔

۳؎ یعنی اگر میں تعلیم الٰہی کے بغیر غیب کا علم جانتا تو جلب منافع اور دفع مضار میں جمع کر لیتا خیر سے حتیٰ کہ مجھے نہ پہنچتی کوئی تکلیف اور نہ کبھی میں جنگوں میں مغلوب ہوتا اور نہ کبھی غالب ہوتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر میں غیب جانتا کہ میں کب وفات پاؤں گا تو میں عمل صالح میں سے کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی یعنی میں ہر شر و فتنہ سے بچ جاتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اگر

میں غیب جانتا کہ قیامت کب آئے گی تو میں تمہیں بتا دیتا تاکہ تم ایمان لاتے اور مجھے تمہاری تکذیب کی اذیت نہ پہنچتی۔ بعض علماء فرماتے ہیں وما مسنی السوء یہ علیحدہ کلام ہے اور مشرکوں کے قول انک مجنون کا رد ہے یعنی تم مجھے مجنون کہتے ہو مجھے تو جنون لاحق ہی نہیں ہوا۔

۲؎ میں تو صرف نافرمانوں کو انجام بد سے ڈرانے والا ہوں اور تصدیق کرنے والی قوم کو (جنت کی) بشارت دینے والا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لقوم یومنون کا تعلق بشیر اور نذیر دونوں کے ساتھ ہو جیسا کہ تنازع فعلین میں ہوتا ہے کیونکہ ڈرانا اور بشارت دینا دونوں ان کو نفع دیتے ہیں

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

"وہ (خدا ہے) جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے ۱؎ اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے ۲؎ پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے ۳؎ پھر چلتی پھرتی رہتی ہے اس کے ساتھ ۴؎ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے ہیں (میاں بیوی) اللہ سے جو ان کا رب ہے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار بندوں سے ۵؎"

۱؎ نفس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

۲؎ اور اس کے جسم سے یعنی آپ کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا فرمایا۔ حضرت حواء کو تاکہ وہ ان سے راحت و سکون حاصل کریں اور اس کے ساتھ دل کو اطمینان مہیا کریں۔ یہاں یسکن کا فاعل وہ ضمیر ہے جس کا مرجع نفس ہے (اس لئے یہاں تسکن ہونا چاہیے تھا) لیکن یہاں معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر مذکر لوٹا دی تاکہ مابعد کلام سے بھی مناسبت پیدا ہو جائے۔

۳؎ مرد نے جب بیوی سے حقوق زوجیت ادا کیے۔ تو حضرت حواء خفیف حمل کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اس کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہوئی جو عام طور پر عورتوں کو لاحق ہوتی ہے۔ یا حمل یعنی محمول ہے اور مراد نطفہ ہے۔

۴؎ اور وہ اس بچے کو لے کر بغیر اخراج و اسقاط کے پیدائش کے وقت چلتی پھرتی رہی۔ یا یہ معنی کہ وہ متواتر اٹھتی بیٹھتی رہی لیکن کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

۵؎ پھر جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو گیا اور بوجھل ہو گئی تو دونوں نے دعا مانگی اللہ سے جو ان کا پروردگار ہے۔ اے ہمارے رب اگر تو ہمیں ہماری شکل صحیح سلامت بدن والا لڑکا عطا کرے تو ہم تیری اس نعمت متجددہ پر شکر کرنے والے ہوں گے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ مفسرین کرام نے یہ روایت لکھی ہے کہ جب حضرت حواء حاملہ ہو گئیں تو شیطان انسانی لبادہ میں آپ کے پاس آیا اور کہا تیرے پیٹ میں کیا ہے۔ حضرت حواء نے فرمایا میں نہیں جانتی۔ شیطان نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ چوپایا کتا یا خنزیر نہ ہو اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دبر سے نکلے گا اگر وہ دبر کے راستہ سے پیدا ہوا تو تو مر جائے گی یا تیرے منہ کی طرف سے پیدا ہوگا یا تیرا پیٹ چاک کیا جائے گا۔ اس لعین کی یہ باتیں سن کر حضرت حواء خوفزدہ ہو گئیں اور انہوں نے اسی اندیشہ کا ذکر حضرت آدم سے کیا۔ دونوں اسی وجہ سے پریشان

رہنے لگے۔ دوبارہ شیطان آیا اور کہا میرا اللہ کے ہاں بڑا مرتبہ ہے۔ اگر میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ تمہارے بطن کے بچہ کو صحیح و سلامت پیدا فرمائے اور تمہارے لیے اس کی ولادت بھی آسان فرمادے۔ تو کیا تم اس کا نام عبدالحارث رکھو گے۔ ملائکہ میں شیطان کا نام حارث تھا۔ یہی بات حضرت حواء نے حضرت آدم سے بیان کی تو حضرت آدم نے فرمایا یہ وہی نہ ہو جسے میں جانتا ہوں۔ ابلیس بار بار حضرت حواء کے پاس آتا رہا یہاں تک کہ ابلیس نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا۔ جب بچہ جنا تو انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ (محققین علماء مثلاً امام رازی وغیرہ نے اس روایت کو مردود کہا ہے اور اسکی سخت تردید کی ہے) کلبی کہتے ہیں شیطان نے حضرت حواء سے کہا تھا کہ اگر میں دعا کروں اور تو ایک انسان کو جنے تو کیا میرے نام کے ساتھ اس کا نام رکھے گی۔ حضرت حواء نے کہا ہاں جو بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے کہا میرے نام کے ساتھ اس کا نام رکھو۔ حضرت حواء نے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا حارث۔ اگر وہ آپ کو اپنا نام پہلے بتاتا تو آپ اس کو پہچان جاتیں (کہ یہ وہی مکار ہے) آپ نے پھر اس بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت حواء کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو آدم علیہ السلام اس کا نام عبداللہ عبیداللہ اور عبدالرحمن رکھتے لیکن وہ بچے مرجاتے تھے پھر آدم وحواء نے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھا تو وہ زندہ رہا۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت حواء نے بچہ جنا تو ابلیس آپ کے اردگرد چکر لگانے لگا۔ حضرت حواء کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ ابلیس نے کہا اس کا نام عبدالحارث رکھیں یہ زندہ رہے گا۔ حضرت حواء نے یہ نام رکھا تو وہ زندہ رہا(1)۔ یہ کام شیطانی اشارہ اور وسوسہ سے ہوا(2)۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں حدیث میں ہے کہ شیطان نے حضرت آدم وحواء کو دو مرتبہ دھوکہ دیا تھا۔ ایک مرتبہ جنت میں اور ایک مرتبہ زمین میں ابن زید فرماتے ہیں، آدم علیہ السلام کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ابلیس آیا اور پوچھا بیٹے کا کیا نام رکھا ہے۔ فرمایا عبداللہ کے پاس پہلے بھی بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا تھا اور وہ فوت ہو گیا تھا۔ ابلیس نے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تمہارے پاس چھوڑے رکھے گا۔ قسم بخدا اسے وہ لے جائے گا جس طرح پہلے (بیٹے) کو لے گیا تھا۔ لیکن میں تمہیں ایک ایسا نام بتاتا ہوں وہ رکھو تو یہ تمہاری زندگی تک باقی رہے گا۔ تو انہوں نے اس کا نام عبدالشمس رکھا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں پہلی روایت زیادہ صحیح ہے(3)۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

" پس جب اللہ عطا کرتا ہے انہیں تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں جو اس نے انہیں دیا۔ تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ "

نافع، ابوبکر نے شرکاء، کو شرکا یعنی شین کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی مشرکت ہے۔ ابوعبیدہ نے اس کا معنی حصہ اور نصیب بیان کیا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے شین کے ضمہ، راء کے فتحہ مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی شریک کی جمع شرکاء پڑھا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں واحد کو یہاں جمع سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی عبدالحارث نام رکھ کر انہوں نے شریک بنایا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں نام رکھنا نہ تو عبادت میں شرک تھا اور نہ اعتقاد میں کہ حارث ان کا رب ہے کیونکہ آدم علیہ السلام نبی تھے اور نبی شرک سے معصوم ہوتا ہے لیکن انہوں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 266 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 133 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 267 (التجاریہ)

یہ قصد کیا تھا کہ حارث بچے کی نجات اور ماں کی سلامتی کا سبب ہے اور عبد کے اسم کا استعمال اس پر ہوتا ہے جو غلام نہیں ہوتا جسطرح کہ رب کا استعمال معبود کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ اس طرح ہے کہ جب کوئی مہمان کسی کے پاس آتا ہے تو وہ ازروئے تواضع کہتا ہے۔ انا عبد الضیف۔ کہ میں مہمان کا غلام ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مہمان اس کا معبود ہے اور رب ہے۔ اسی طرح کوئی دوسرے کو کہتا ہے انا عبدک میں تیرا غلام ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز کے لیے کہا تھا اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ یہاں آپ نے رب سے معبود مراد نہیں لیا ہے یہاں بھی اسی طرح ہے (اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدم وحواء نے عبدالحارث نام رکھ کر اسے معبود و رب سمجھ لیا تھا)

حضرت عکرمہ اور حسن فرماتے ہیں اس کا یہ ہے کہ آدم وحواء کی اولاد نے خدا کے شریک ٹھہرائے یعنی کفار مکہ اور دوسرے لوگوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے۔ یہاں مضاف دونوں جگہ محذوف ہے۔ اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے جیسا کہ اس ارشاد میں ہے ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا یہ خطاب ان یہودیوں کو ہو رہا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ حالانکہ یہ بچھڑے کی عبادت اور نفس کا قتل اس کے آباؤ اجداد نے کیا تھا۔ معنی یہ ہے کہ تمہارے آباء واجداد نے بچھڑے کی عبادت کی اور تمہارے اسلاف نے ایک نفس کو قتل کیا۔ اس قول کی تائید شرکاء کا لفظ بھی کرتا ہے۔ جو جمع کے صیغہ کے ساتھ وارد کیا گیا ہے۔

عما سے یہاں بھی اور بعد والی آیات میں بت مراد ہیں۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ علیحدہ کلام ہے اور اس سے مراد اہل مکہ کا شرک کرنا ہے۔ اور اگر سابقہ کلام سے اسے مربوط کیا جائے تب بھی صحیح ہے کیونکہ آدم وحواء کے لیے بہتر تو یہی تھا کہ وہ اسم رکھنے کا شرک بھی نہ کرتے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں اس کا عطف خلقکم پر ہے اور درمیان میں کلام معترض ہے۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس سے مراد یہود ونصاریٰ لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تھی اور انہوں نے انہیں یہودی اور نصرانی بنا دیا تھا۔ ابن کیسان کہتے ہیں ان سے وہ کفار مراد ہیں جو اپنی اولاد کے نام عبدالعزیٰ، عبداللات، عبدالمناف اور عبدالشمس رکھتے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں خلقکم من نفس واحدة میں ہر شخص کو خطاب ہے اور معنی یہ ہے کہ تم سے ہر ایک کو اپنے باپ سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں یہ حضرت حسن کا قول ہے اور پہلا ابن عباس، مجاہد، سعید بن المسیب اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ نفس سے مراد آدم ہیں، یعنی تمہیں آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے قصہ میں ذکر فرمایا ہے کہ آپ کو درخت کے کھانے سے منع کیا گیا تھا لیکن آپ نے وہ کھا لیا تھا اور قرآن حکیم میں کئی مقامات پر آپکے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ پھر یہ بھی قرآن میں ہے کہ آپ نے اس درخت کے کھانے پر ندامت کا اظہار کیا اور توبہ کی تو رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۔۔۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور فرمایا ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔ نیز آدم علیہ السلام ہمیشہ اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ صحیحین میں حضرت انس سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یوم قیامت مؤمنین کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ بہت پریشان ہونگے اور کہیں گے کاش ہمارا کوئی سفارشی ہوتا۔ جو ہمیں اس تکلیف سے راحت پہنچاتا۔ وہ آدم علیہ السلام کے پاس گئے کاش ہمارا کوئی سفارشی ہوتا جو ہمیں اس تکلیف سے راحت پہنچاتا۔ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تو آدم ہے، تمام لوگوں کا باپ ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ اور تجھے جنت میں ٹھہرایا ہے، فرشتوں کو تیرے سامنے سجدہ کرایا ہے۔ اور تجھے تمام اشیاء کے نام سکھائے ہیں (مہربانی فرما کر) اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں کہ وہ ہمیں اس

تکلیف سے نجات عطا فرمائے۔ حضرت آدم فرمائیں گے میں اس مقام پر فائز نہیں ہوں۔ آپ اپنی اس خطاء کو یاد کریں گے جو درخت کھانے کی وجہ سے ہوئی تھی جس سے آپ کو منع کیا گیا تھا۔ لیکن آپ اس نام رکھنے والی خطاء کو یاد نہیں کریں گے اور نہ اس کا تذکرہ فرمائیں گے۔ اگر یہ نام رکھنے والی خطاء آپ سے سرزد ہوئی تو آپ اس کا تذکرہ کرتے کیونکہ یہ خطاء تو درخت کھانے کی خطاء سے زیادہ سخت ہے۔ اس مقام پر نصوص کی تاویل حضرت حسن اور عکرمہ کے قول کے مطابق کرنی چاہیے۔

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

"کیا وہ شریک بناتے ہیں اسے جس نے پیدا نہیں کی کوئی چیز اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں[1]۔"

[1] اس آیت کریمہ میں ما موصولہ ہے اور اسم مراد ابلیس اور بت ہیں۔ ہم ضمیر کا مرجع بھی ما موصولہ ہی ہے لیکن اس میں معنی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ ان بتوں کو خدا کہتے تھے اس لیے ان کے عقیدہ کے مطابق جمع ضمیر ذکر فرمائی ہے۔

وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

"اور نہیں طاقت رکھتے ان کو مدد پہنچانے کی اور نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں[1]۔"

[1] یعنی یہ بت نہ تو اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنا اس شخص سے دفاع کر سکتے ہیں جو ان کو توڑنے اور ان کا حلیہ بگاڑنے کے درپے ہو جائے۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

"اور اگر تو بلائے انہیں ہدایت کی طرف تو نہ پیروی کریں تمہاری یکساں ہے تمہارے لیے خواہ تم بلاؤ انہیں یا تم خاموش رہو[1]۔"

[1] اگر تم ان مشرکوں کو بلاؤ اسلام کے شیریں چشمہ کی طرف تو یہ تمہاری اتباع نہیں کریں گے۔ نافع نے یہاں بھی اور سورہ شعراء میں بھی (یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ) تاء کے سکون کے ساتھ اور باء کے فتحہ کے ساتھ مجرد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے باب افتعال سے تا مشددہ اور باء مکسورہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی مجرد و مزید فیہ دونوں کا ایک ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ خطاب مشرکین کے لیے ہے اور ضمیر منصوب تدعوھم میں بتوں کے لیے ہے، یعنی اے کفار اگر تم ان بتوں کو پکارو کہ وہ تمہیں ہدایت عطا کریں تو وہ تمہاری مراد کا کبھی جواب نہ دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پکارنے والے کا جواب دیتا ہے۔ یہاں ام صمتم نہیں فرمایا تا کہ آیات کے روس کی رعایت ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے پکارنے کے عدم فائدہ میں مبالغہ کے لیے مذکور اسلوب اپنایا ہے، یعنی پکارنا بھی خاموش رہنے کے برابر ہے یا اس لیے کہ وہ اپنی حوائج کے لیے وہ ان کو پکارتے نہ تھے بلکہ خاموش کھڑے رہتے تھے گویا یوں کہا گیا ہے کہ تمہارا اخلاف معمول انہیں پکارنا یا حسب عادت خاموش رہنا برابر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

"(اے کفار) بے شک وہ جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری طرح تو پکارو انہیں پس چاہیے کہ قبول کریں تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو۔[1]"

[1] جن کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو خدا کہتے ہو تمہاری طرح مخلوق، مملوک، مطیع اور ارادہ کے تابع ہیں۔ مقاتل فرماتے ہیں عباد سے مراد فرشتے ہیں اور اس قوم کو خطاب ہو رہا ہے جو ملائکہ کی عبادت کرتی تھی۔ پہلا قول اصح ہے۔ ان کنتم صادقین اگر تم اس عقیدہ میں سچے ہو کہ یہ خدا ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جب انہوں نے انسانوں کی شکل میں بت گھڑ لیے تو فرمایا ان مورتیوں کی انتہا تمہارے خیال کے مطابق یہی ہوگی کہ یہ تمہاری طرح زندہ اور عقل رکھتے ہیں اگر یہ بھی مان لیا جائے تو یہ بے بس مورتیاں کیسے عبادت کی مستحق ہو سکتی ہیں؟ تم بھی زندہ اور عقل والے ہو تم ایک دوسرے کی عبادت کے مستحق نہیں تو یہ کیسے مستحق ہونگی۔ پھر فرمایا یہ تو تم سے بھی گھٹیا درجہ کے ہیں۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

"کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں جن کے ساتھ یا کیا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے یا کیا ان کے کان ہیں وہ سنتے ہیں جن کے ساتھ آپ کہیے پکارو اپنے شریکوں کو پھر سازش کرو میرے خلاف اور مت مہلت دو مجھے۔[1]"

[1] ابوجعفر نے یہاں اور سورۃ القصص اور سورۃ دخان میں یبطشون کو طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے طاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی جس طرح تمہارے پاؤں ہاتھ آنکھیں کان وغیرہ ہیں کیا ان کے بھی ہیں؟ تم اپنے سے کمتر کی عبادت کا پٹہ کیوں اپنے گلے میں ڈالتے ہو، جبکہ یہ تم سے کم تر ہیں۔ کیدون کو ہشام نے دونوں حالتوں میں (یعنی وصل اور وقف) یاء کے اثبات کے ساتھ کیدونی پڑھا ہے۔ ابوعمرو نے صرف وصل میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں "یاء" کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی سازش کرنے اور مجھے اذیت پہنچانے میں اپنی پوری کوششیں صرف کرو۔ اور مجھے ایک لمحہ کی مہلت نہ دو۔ مجھے اپنے رب کی نصرت وولایت پر یقین کامل ہے، مجھے تمہاری گیدڑ بھبکیوں کی ذرا پروا نہیں، وہ قادر مطلق خود میری حفاظت فرمائے گا۔

اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

"یقیناً میرا حامی اللہ ہے، جس نے اتاری یہ کتاب اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی۔[1]"

[1] میرا حامی وناصر وہ اللہ ہے جس نے قرآن جیسی حکمت سے لبریز کتاب نازل کی اور جس کی نصرت وتائید ہمیشہ اپنے نیک اور صالح بندوں کے شامل حال رہتی ہے۔ انبیاء کی نصرت تو بدرجہ اتم فرماتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں صالحین کا معنی یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تو اللہ انکی مدد فرماتا ہے اور کسی بدخواہ دشمن کی دشمنی انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی (1)۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 269 (التجاریہ)

"اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں[1]۔"

[1] اس آیت میں بتوں کی پروانہ کرنے کی علت بیان کی گئی ہے جو نہ اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں تو مجھے ان سے کیا خوف و اندیشہ ہو۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَ تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

"اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو وہ نہ سنیں گے اور تو دیکھے گا انہیں کہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا[1]"

[1] کفار نے بتوں کی شکلیں انسانی صورت میں بنائی تھیں اس لیے دیکھنے والے کو اس طرح لگتا کہ وہ دیکھ رہے ہیں (حالانکہ ان کی وہ آنکھیں بے نور تھیں) حضرت حسن نے آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ اگر آپ ان مشرکوں اسلام کی دعوت دیں تو یہ نہ دل کے کانوں سے سنتے ہیں اور دل سے سمجھتے ہیں۔ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے(1)۔

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

"قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے)[1] اور حکم دیجئے نیک کاموں کا[2] اور رخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے[3]"

[1] عبداللہ بن زبیر اور مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ لوگوں کے آسان تھوڑے اخلاق و اعمال کو قبول کرو۔ ان سے ایسا سلوک کرو جوان پر سہل ہو مثلاً معذرت کرنے والوں کا عذر قبول کرنا۔ آسان برتاؤ کرنا۔ تجسس اور زیادہ تفتیش نہ کرنا وغیرہ(2)۔ ان سے ایسی بات طلب کرو جوان پر شاق ہو۔ عفو، جہد کی ضد ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں مجرموں کو معاف کرنا۔ امام بخاری نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عیینہ بن حصین بن حذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آئے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عمر کے قریب ہوتے تھے اور حضرت عمر کے ہم مجلس قراء ہوتے تھے۔

حضرت عمر کا مشورہ جوانوں یا بوڑھوں سے ہوتا تھا۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا کیا تم حضرت عمر سے میرے لیے مجلس میں آنے کی اجازت طلب کرو گے۔ انہوں نے کہا میں آپ کے لیے اجازت طلب کروں گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں حر نے عیینہ کے لیے اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت عطا فرمادی۔ جب عیینہ آئے تو کہا اے ابن الخطاب قسم بخدا نہ تو تو ہمیں کوئی بھاری عطیہ دیتا ہے اور نہ ہمارے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو۔ حضرت عمر کو غصہ آ گیا قریب تھا کہ اس پر حملہ کر دیتے۔ حضرت الحر نے فرمایا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ ارشاد فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ یہ جاہل ہیں (ان سے تعرض نہ کیجئے) حضرت عمر نے آیت سنی تو رک گئے اور آپ اللہ کی کتاب کے سامنے بہت زیادہ رکنے والے تھے(3)۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب بندے حساب کے لیے رکیں گے تو ایک قوم آئے گی۔ آگے طویل حدیث ہے اس میں ہے کہ ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا کہ وہ کھڑا ہو جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ اجر ہے اور وہ جنت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 269 (التجاریہ) 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 669 (قدیمی)

میں داخل ہو جائے۔ لوگ پوچھیں گے اللہ پر کس کا اجر ہے؟ ارشاد ہوگا جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ پس یہ اعلان سن کر ہزاروں آدمی کھڑے ہو جائیں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس حدیث کو حسن سند کے ساتھ طبرانی نے روایت کیا ہے۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے پوچھا اس آیت کا کیا معنی ہے؟ جبریل نے کہا میں نہیں جانتا میں اپنے رب سے پوچھ کر آتا ہوں۔ واپس آ کر کہا تمہارا رب تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اس سے تعلق قائم رکھو جو تم سے قطع تعلق کرے۔ اسے عطا کرو جو تمہیں محروم کرے۔ اسے معاف کرو جو تم پر ظلم کرے۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے حضرت جابر اور ابن ابی الدنیا اور ابن ابی حاتم نے شعبی سے مرسلاً روایت کی ہے(1) ابی بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو یہ پسند ہو کہ (جنت میں) اس کا بلند مکان اور اس کے درجات بلند ہوں تو اسے چاہیے کہ جو اس پر ظلم کرے اسے معاف کردے اور جو اسے محروم کرے اسے عطا کرے اور جو قطع تعلق کرے اس سے تعلق قائم کرے(2)۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ لیکن منقطع ہے۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واصل (تعلق قائم کرنے والا) وہ نہیں جو بدلہ دینے والا ہو بلکہ واصل وہ ہے کہ جو اس سے تعلق توڑے تو وہ اس کو قائم کرے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ میرے رشتہ دار ہیں میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ میں ان کی بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ میں ان کی اذیتوں کو برداشت کرتا ہوں۔ وہ مجھ پر جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو واقعی اسی طرح ہے جیسا تو کہہ رہا ہے تو گویا تو ان کے منہ میں راکھ ڈال رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مددگار تیرے ساتھ رہے گا جب تک تو اسی حسن اخلاق پر قائم رہے گا (مسلم) ابن عباس' ضحاک اور کلبی فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ مال لے لو جو اہل عیال سے زائد ہو۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کے ارشاد میں بھی عفو کا یہی معنی ہے پھر یہ آیت فرضی صدقات کے ساتھ منسوخ ہو گئی۔

2۔ اور ان افعال کا حکم دو جو شرعاً اور عقلاً مستحسن ہوں۔ حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے روکے اور اگر یہ طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے۔ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے(3) (مسلم) حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دو گے' ضرور برائی سے منع کرو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جناب سے عذاب بھیج دے پھر تم دعا کرو گے مگر تمہاری دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے(4)۔

3۔ جب جاہل لوگ جہالت کا مظاہرہ کریں تو آپ ان کا جہالت سے مقابلہ نہ کریں اور ان کو ان کے افعال جیسا بدلہ نہ دو۔ اس کی مثال قرآن حکیم میں ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے اور قرآن میں مکارم اخلاق کے لیے اس آیت سے جامع آیت اور کوئی نہیں ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور محاسن افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے(5)۔ اس حدیث کو امام بغوی نے نقل کیا

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 81-280 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 886 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 51 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 39 (وزارت تعلیم)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 270 (التجاریہ)

ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ فحش گفتگو کو پسند کرتے تھے اور نہ آپ بازاروں میں چیخنے چلانے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ اس حدیث کو بغوی اور ترمذی نے نقل کیا ہے(1)۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

"اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ[1] تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے[2] بیشک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے[3]"

[1] اما اصل میں ان ما ہے۔ ان شرطیہ کے بعد ما زائدہ ہے نزغ کا معنی انگلیوں سے گدگدانا ہے اور یہاں مراد کسی کو برائی پر اکسانا اور گناہ پر آمادہ کرنا ہے۔ معنی یہ کہ اگر شیطان تمہیں وسوسہ اندازی کرنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں جب خذ العفو کی آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے عرض کی یارب غصہ کا کیا علاج ہے؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

[2] اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو تو وہ شیطان کو دور کردے گا۔ یعنی امر کا جواب محذوف ہے۔

[3] وہ تمہارے اقوال کو سننے والا ہے تمہاری التجاؤں کو جانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس کام میں تمہارے لیے بہتری ہے پس وہ تمہیں اس اچھی بات پر بھی ابھارتا ہے یا یہ معنی کہ تمہیں اذیت دینے والوں کے اقوال کو بھی سنتا ہے اور اس کے افعال و اعمال کو بھی جانتا ہے وہ اسے اس پر خود سزا دے گا۔ آپ کو انتقام لینے اور شیطان کی اتباع سے مستغنی کردے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝

"بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کیے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال[1] شیطان کی طرف سے[2] تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں[3] تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں[4]"

[1] نافع، ابن عامر، عاصم اور حمزہ نے طاف یطوف سے فاعل کے وزن پر طائف پڑھا ہے۔ اور اس سے مراد وسوسہ ہے گویا شیطانی وسوسہ نیک نہاد اور متقین کے ارد گرد چکر لگاتا ہے لیکن وہ انہیں متاثر نہیں ہوتا۔ یا یہ طاف به الخیال سے مشتق ہوگا جس کا مصدر طیفا آتا ہے۔ اس کا معنی ہے اس کو ایک خیال اور تصور آیا۔ ابن کثیر، ابوعمرو، کسائی اور یعقوب نے طیف بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے یعنی ضرب کے وزن پر مصدر ہے یا یہ لین اور ہین کے وزن پر طیف تھا پھر تخفیف کی گئی ہے۔

[2] شیطان سے جنس شیطان مراد ہے۔ اسی وجہ سے اخوانهم میں ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے۔

[3] وہ یاد کرتے ہیں امر الٰہی ثواب و عقاب کو اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔

[4] وہ متقین و پرہیزگار اس تذکر اور یاد کے سبب شیطان کے مکائد اور فریب کاریوں کو سمجھ جاتے ہیں اور اس کے دام ہمرنگ زمین سے پرہیز کرتے ہیں اور اس کے دھوکہ کی پیروی نہیں کرتے، اور خطا کے مواقع سے فوراً ان کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ سدی کہتے ہیں متقی وہ ہوتا ہے جو لغزش کے بعد فوراً توبہ کرتا ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں متقی وہ ہوتا ہے جسے شیطان اپنے دام فریب میں گرفتار کرنا چاہتا ہے تو وہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 22 (و۔ت)

فوراً یاد کرتا ہے اور جان جاتا ہے کہ یہ تو رب کریم کی نافرمانی ہے۔ پس اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے رک جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد والی آیت ماقبل کلام کی تاکید وثبوت کے لئے ہیں۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝

"اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں[1] شیطان کھینچ لے جاتے ہیں انہیں گمراہی میں[2] پھر (انہیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے[3]"

[1] شیطانوں کے بھائیوں سے مراد فاسق و فاجر لوگ ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اخوانهم سے مراد شیاطین ہوں اور ھم ضمیر کا مرجع الجاھلین ہو۔ کلبی کہتے ہیں ضمیر کا مرجع ہر ایک ہوسکتا ہے جیسا کہ شیاطین کے چیلے ہیں۔

[2] نافع نے یاء کے ضمہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ امداد مصدر سے مشتق کر کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے فتح میم کے ضمہ کے ساتھ مجرد کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی شیاطین ان کی تسہیل اور اغواء کرنے میں مدد کرتے ہیں یا یہ معنی کہ وہ شیاطین کے بھائی اتباع اور پیروی کر کے شیاطین کی امداد کرتے ہیں فی الغی گمراہی میں۔

[3] پھر وہ فاسق لوگوں کو گمراہی سے نہیں روکتے اور نہ وہ گمراہی کو خود دیکھتے ہیں۔ جبکہ مومنین خدا کو یاد کرتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور پہچان لیتے ہیں کہ یہ خطا اور غلطی ہے۔ ضحاک اور مقاتل کا یہی قول ہے یا یہ معنی کہ وہ شیطان کو اغواء کرنے سے نہیں روکتے حتی کہ وہ انہیں گمراہی کی طرف لوٹا کر لے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں نہ انسان برے اعمال سے رکتے ہیں اور نہ شیاطین ان کو گمراہی میں گرنے سے روکتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

"اور اے محبوب جب آپ نہیں لاتے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ بنا لیا تم نے خود اسے فرمایئے میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہیں اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے[1]"

[1] اجتبیٰ کا معنی چن لینا ہے لیکن یہاں اس کا معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا ہے۔ عرب کہتے ہیں اجتبیت الکلام جب کوئی کلام اپنی طرف سے گھڑ لے۔ کلبی کہتے ہیں کفار مکہ از راہ تعنت آپ ﷺ سے آیت کا مطالبہ کرتے اور جب ان کے نزول میں تاخیر ہو جاتی تو کہتے آپ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر پیش کیوں نہیں کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ان نادانوں کو کہو کہ میں اپنی طرف سے آیات گھڑنے اور بنانے والا نہیں۔

یہ قرآن (اس کی آیات) دلوں کے لیے بصائر اور روشن دلیلیں ہے، اس کے ذریعے حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے۔ غلط اور صحیح کی پہچان ہوتی ہے یا یہ قرآن حجت اور دلیل ہے۔ اس کی آیات کے ذریعے میرے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

"جب پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ ؎"

؎ ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس کے طریق سے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نماز میں گفتگو کرتے رہتے تھے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ سے ہی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آوازیں بلند ہونے کی وجہ سے نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ پر سلام کیا، جبکہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ جبکہ اس سے پہلے نمازی نماز میں کلام کرتا رہتا تھا اور اپنی ضرورت و حاجت کے لیے کسی کو حکم بھی نماز میں کر دیتا تھا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، عبداللہ بن مسعود کے سلام کا جواب دیا(1)۔ اور فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الآیہ) نازل ہوئی۔ ابن جریر نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم نماز میں ایک دوسرے پر سلام کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم نازل ہوا۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن مغفل سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں لوگ نماز میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تو نبی کریم ﷺ نے نماز میں کلام کرنے سے منع فرما دیا(2) عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابو الشیخ، ابن جریر اور بیہقی نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نماز میں کلام کرتے تھے۔ جب شروع میں نماز کا حکم دیا گیا تھا، ایک شخص پیچھے آتا اور لوگ نماز میں ہوتے تو وہ اپنے ساتھی سے پوچھ لیتا تھا کہ کتنی رکعتیں پڑھ چکے ہو؟ وہ بتا دیتا کہ اتنی پڑھ لی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔ عبد بن حمید نے ضحاک سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں لوگ نماز میں باتیں کرتے تھے(3) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت نماز میں کلام کرنے سے منع کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ امام ابو حنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا یہ قول ہے کہ نماز میں بھول کر، جان بوجھ کر، مجبور ہو کر یا حرمت سے ناواقفی کی بناء پر کم یا زیادہ کلام کرنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن بھول کر سلام کرنا نماز کو نہیں توڑتا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب کوئی شخص بھول کر یا حرمت سے جہالت کی بناء پر یا سبقت لسانی کی بناء پر نماز میں کلام کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اگرچہ کلام طویل بھی ہو۔ امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ اگر بھول کر لمبی کلام کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ امام مالک سے مروی ہے کہ جان بوجھ کر ایسی کلام کرنا جس میں کوئی مصلحت ہو اگرچہ وہ نماز کے متعلقہ نہ بھی ہو جیسے بھٹکے ہوئے کی راہنمائی کرنا، اندھے کو گرنے سے بچانا وغیرہ تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل ابن سیرین کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں شام یا عشاء کی نماز پڑھائی تو آپ ﷺ نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا پھر آپ مسجد میں پڑی ہوئی لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، یوں لگتا تھا کہ آپ غصہ میں ہیں۔ آپ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پیٹھ پر رکھ کر انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر داخل کیا اور آپ نے اپنا دایاں رخسار اپنے بائیں ہاتھ کی پیٹھ پر رکھا۔ پھر میں جلدی سے مسجد کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ لوگ کہہ رہے تھے کیا نماز کم ہو گئی ہے۔ لوگوں میں ابو بکر اور عمر بھی موجود تھے۔ شیخین لوگوں کو بات کرنے سے ڈر رہے تھے، لوگوں میں ایک ایسا شخص تھا جس کے ہاتھ لمبے تھے، اسے ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ آپ

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 286 (العلمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 286 (العلمیہ) 3۔ ایضاً

بھول گئے ہیں یا نماز میں قصر ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں قصر ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا ایسا ہوا ہے جیسا کہ ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ تمام لوگوں نے کہا جی ہاں آپ پھر آگے بڑھے اور بقیہ نماز پڑھائی۔ پھر آپ نے سلام پھیرا، پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا اور سجدہ معمول کے مطابق کیا یا کچھ لمبا کیا پھر سجدہ سے سر اٹھایا تکبیر کہی پھر معمول کے مطابق یا کچھ طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی پھر سلام پھیر دیا۔ لوگ ابن سیرین سے ثم سلم کے متعلق پوچھتے تو آپ کہتے مجھے خبر پہنچی ہے کہ عمران بن حصین کہتے تھے کہ ثم سلم(1)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کی ہے۔ دوسری دلیل عمران بن حصین کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عصر کی تین رکعتوں پر سلام پھیر دیا پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ کچھ لمبے تھے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! نماز میں آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی ہوگئی ہے۔ آپ نکلے گویا آپ غصہ میں چادر کھینچ رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ لوگوں کے پاس آئے اور پوچھا کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں؟ سب نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے ایک رکعت ادا فرمائی اور سلام پھیر دیا۔ پھر دو سجدے کیے اور سلام پھیرا(2)۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ وجہ احتجاج یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کلام اس بناء پر فرمائی تھی کہ نماز مکمل ہو چکی ہے اور اب آپ نماز میں نہیں ہیں۔ اسی طرح ذوالیدین کا نسخ کے امکان کی وجہ سے معاملہ ہے اس حدیث پر کئی اعتبار سے اعتراض کیا گیا ہے اس پر پہلا اعتراض تو یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ ھ کو مسلمان ہوئے تھے اور ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ کہیں صلی بنا رسول اللہ ﷺ کہ ہمیں حضور ﷺ نے نماز پڑھائی (۲) حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے کبھی دو رکعت پر اور کبھی تین رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ (۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز میں کلام کرنا مباح تھا اسی وجہ سے ابوبکر، عمر اور بقیہ لوگوں نے جان بوجھ کر کلام کی تھی۔ ان اعتراضات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ذی الیدین کا اسم خرباق تھا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث میں ذکر ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی زندہ رہے تھے اور جنگ بدر میں ذوالشمالین شہید ہوئے تھے اور ان کا نام عمیر تھا۔ زہری کی روایت پر انکا اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اسمیں تمام ذوالشمالین کا ذکر ہے لیکن ابوداؤد السجستانی فرماتے ہیں اس حدیث میں زہری کو وہم ہوا ہے۔ انہوں نے ذوالشمالین سے یہ حدیث روایت کی ہے؟ یہ گمان کرتے ہوئے کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی شخص ہے۔ الفاظ کے اختلاف کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے الفاظ میں کوئی اختلاف نہیں ہے نہ عمران سے تین رکعتوں پر سلام پھیرنے کو روایت مروی ہے اور یہ صرف مسلم کے راوی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔ اور رکعت تعداد میں اختلاف کچھ مضر نہیں کیونکہ اصحاب حدیث کے نزدیک یہ حدیث محفوظ ہے اور بھول کر کلام کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ رہا کلام کا حرام ہونا تو ابو حاتم بن حبان کہتے ہیں مکہ میں کلام کرتے تھے لیکن مدینہ پہنچے تو کلام کرنا ترک کر دیا۔ زید بن ارقم جو اہل مدینہ سے تھے فرماتے ہیں ہم نماز میں کلام کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ پس ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔ ابو سلیمان خطابی کہتے ہیں کلام کرنا ہجرت کے کچھ مدت بعد منسوخ کیا گیا۔ دونوں قولوں کے مطابق حضرت ابو ہریرہ کے اسلام سے پہلے کلام کا حرام ہونا یقین کے ساتھ ثابت ہے اور رہا ابوبکر، عمر اور لوگوں کا کلام کرنا تو اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے۔ حضرت حماد بن زید عن ایوب کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اشارہ نعم (ہاں)

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 69، صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 213 (قدیمی)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 214 (قدیمی)

کہا تھا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جہاں نعم کا لفظ روایت ہے اس میں مجاز ہے، مراد یہ ہے انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ (۲) اور رسول اللہ ﷺ کو جواب دینا ابھی تک منسوخ نہیں ہوا تھا کیونکہ سعید بن المعلی کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا۔ میں نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ بعد میں جب میں حاضر ہوا تو میں نے اپنی تاخیر کی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے (1)۔

امام ابوحنیفہ نے حدیث معاویہ بن حکم کو دلیل بنایا ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص کو چھینک آئی تو میں نے کہا یرحمک اللہ نمازیوں نے مجھے اپنی آنکھوں سے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا مائیں روئیں تمہیں کیا ہوا، مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ پھر اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو مجھے بلایا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ سے بہتر معلم نہیں دیکھا قسم بخدا آپ نے نہ مجھے جھڑکا اور نہ مجھے برا بھلا کہا اور نہ مجھے مارا۔ فرمایا یہ نماز ہے، اس میں لوگوں کی کلام جیسی کلام کرنا درست نہیں ہے یہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآءت قرآن پر مشتمل ہوتی ہے (2)۔ امام صاحب کی دوسری دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام نماز کو توڑ دیتی ہے، وضو کو نہیں توڑتی (3)۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاویہ کی حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث امام صاحب کے حق میں نہیں بلکہ آپ کے خلاف حجت ہے کیونکہ آپ نے نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے صرف اس کو نماز کے احکام سکھائے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نماز کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ نماز میں ہر کلام کرنا ممنوع ہے اور حدیث جابر کی سند میں ایک راوی ابو شیبہ ہے جس کا نام عبدالرحمن بن اسحٰق ہے وہ ضعیف ہے۔ یحییٰ بن معین نے بھی اسے ضعیف لکھا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں یہ منکر حدیث ہے لیس بشی اور یزید بھی جب اکیلا روایت کرے تو قابل حجت نہیں ہے۔ ابن حبان نے اسی طرح لکھا ہے۔ سعید بن جبیر، عطا اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو تو خاموش رہا کرو۔ علامہ سیوطی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ خطبہ میں خاموش رہنے کا مسئلہ ہم نے سورۂ جمعہ میں ذکر کیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ہر واعظ کے وعظ کرتے وقت خاموش رہنے کے لیے یہ حکم ہے۔ کلبی کہتے ہیں لوگ نماز میں جنت و دوزخ کا ذکر سنتے تو دعا اور تعوذ کے ساتھ آوازیں بلند کرتے تھے۔ ایک قول کا یہ کہنا ہے کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے قرأت کو ترک کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں زید بن اسلم اپنے باپ سے اور وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں آوازیں بلند کرنے کی وجہ سے نازل ہوئی۔

علامہ بغوی نے حضرت مقداد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو سنا کہ وہ امام کے ساتھ قرأت کر رہے تھے، جب سلام پھیرا تو فرمایا وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا کے ارشاد کو بھی نہیں سمجھے جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے (یعنی قرآن پڑھا جائے تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 642 (قدیمی)

2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 203 (قدیمی)

3۔ سنن الدارقطنی، جلد 1، صفحہ 174 (محاسن)

غور سے سنو اور خاموش رہو) بغوی لکھتے ہیں یہ حضرت حسن زہری اور نخعی کا قول ہے کہ آیت کریمہ امام کے پیچھے نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بغوی لکھتے ہیں یہ قول اس قول سے اولیٰ ہے جس میں ہے کہ یہ جمعہ کے خطبہ میں خاموش رہنے کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ طیبہ میں واجب ہوا تھا(1) ابن ہمام فرماتے ہیں بیہقی نے امام احمد سے روایت کیا ہے فرمایا لوگوں کا اجماع ہے یہ آیت کریمہ نماز میں (قرات کرنے) کے متعلق نازل ہوئی۔ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں قرأت کر رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری کی قرأت سنی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ہم نے قرأت خلف الامام کا مسئلہ سورۂ مزمل میں فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کے تحت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ابن جریر نے زہری سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ایک انصاری کے حق میں نازل ہوئی کہ جب آپ ﷺ قرأت کرتے تو یہ بھی قرأت کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد خارج نماز ہے۔ سعید بن منصور اپنی سنن میں لکھتے ہیں مجھے ابو معشر نے محمد بن کعب سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قرأت کرتے تو صحابہ کرام بھی قرأت کرتے تھے حتیٰ کہ سورۂ اعراف کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ صاحب لباب النقول فی اسباب النزول لکھتے ہیں کہ اس روایت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔

فصل: علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز کے باہر جو شخص قرآن سن رہا ہو اس پر توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے یا نہیں۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں نماز کے باہر عام علماء کے نزدیک استماع مستحب ہے(2)۔ ابن ہمام فرماتے ہیں ہمارے علماء احناف کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے مطلقاً قرأت بالجہر میں استماع واجب ہے۔ الخلاصہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پہلو میں قرآن پڑھا جا رہا ہو اور فقیہ کے لیے قرآن سننا ممکن نہ ہو تو قرآن پڑھنے والا گنہگار ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی رات کے وقت چھت پر کھڑا قرآن پڑھ رہا ہو اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو پڑھنے والا گنہگار ہوگا۔ یہ وجوب کے اطلاق میں صریح قول ہے۔

اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، سبب خاص کا اعتبار نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اتنی بلند آواز سے رات کے وقت تلاوت کرتے تھے کہ حجرے کے پیچھے آواز سنائی دیتی تھی اور بعض اوقات آپ کے پڑوسی بھی سنتے تھے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ام ہانی سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں اپنے چھپر (عریش) میں ہوتے ہوئے رات کے وقت آپ ﷺ کی قرأت سنتی تھی(3)۔ بغوی نے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ عریش چھت کو کہتے ہیں اور مکہ کے گھروں کو عروش اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لکڑیاں کھڑی کر کے چھپر نما بنائے جاتے تھے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنی بلند آواز سے قرأت فرماتے کہ حجرہ سے باہر والا شخص سن لیتا تھا، جبکہ آپ گھر میں ہوتے تھے(4) امام طحاوی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ رات کے وقت نماز پڑھتے تھے اور آپ کی قرأت حجرہ کے باہر سنائی دیتی تھی؟ جب کہ آپ گھر میں ہوتے تھے(5)۔ نبی کریم ﷺ کے حجرات میں آپ کی ازواج مطہرات بھی ہوتی تھیں اور بعض اوقات کوئی ایک سوئی ہوئی ہوتی تھی، جبکہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ امام بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوئی ہوتی تھی اور میرے پاؤں آپ کی طرف ہوتے تھے جب آپ سجدہ فرماتے تو مجھے اشارہ فرماتے میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تھی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2، صفحہ 272 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 272 (فراس)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 22 (شمائل ترمذی)، سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 157 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 23 (نور محمد) 5۔ جامع ترمذی، شمائل، جلد 2، صفحہ 23 (ت)

پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں پھیلا لیتی تھی فرماتی ہیں اس وقت گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے(1) اصحاب رسول اللہ ﷺ رات اور دن کے وقت بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے اور کوئی کسی پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔ مسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ مجھے وہ منظر یاد ہے کہ تو گذشتہ رات قرآن پڑھ رہا تھا اور میں سن رہا تھا(2) صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اشعری لوگ سفر کرتے ہیں تو میں ان کی آوازوں کو پہچان لیتا ہوں اور رات کے وقت ان کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے ان کے خیمے پہچان لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھے دن کو ان کے نزول اور اترنے کی جگہیں معلوم نہیں ہوتیں(3)۔ یہ حقیقت ہے کہ جب اشعری لوگ قرأت کرتے ہوں گے تو کچھ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہوں گے۔ ابن ابی داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے مسجد میں قرآن پڑھنے والوں کی آواز سنی تو فرمایا ان لوگوں کو مبارک ہو۔ یہ لوگ حضور ﷺ کو بہت پسند تھے۔ یہ تمام احادیث صاحب خلاصہ کے فتویٰ کے غلط ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حدثنا ابواسامہ عن سفیان عن ابی المقدام ہشام بن زید عن معاویہ بن قرہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ معاویہ بن قرہ فرماتے ہیں میں نے بعض مشائخ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا (شاید انہوں نے عبداللہ بن المغفل کا نام لیا تھا) کہ جو شخص قرآن سے اس پر غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے تو انہوں نے فرمایا یہ آیت یعنی فاستمعوا وانصتوا کے پیچھے قرأت سننے اور خاموش رہنے کے متعلق ہے۔ میں کہتا ہوں واذا قرء القرآن میں الالام عہدی ہے، جنس کے لیے نہیں ہے اور قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو تمہارے سنانے کے لیے پڑھا جا رہا ہو جیسے امام پڑھتا ہے تاکہ مقتدی سنیں، خطیب سامعین کے لیے پڑھتا ہے، استاد طلباء کے لیے پڑھتا ہے۔

فصل: جب قاری قرأت میں جنت اور نار کا ذکر پڑھے تو سامع (سننے والے) کو دعا اور تعوذ کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کلبی کے قول سے ذکر کیا ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سننے پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے" فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ "اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حتمی ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن سے توجہ ہٹا کر دعا کرنا' اس کی قبولیت یقینی نہیں ہے اس لیے قرآن کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔

مسئلہ: منفرد (اکیلا) فرضی نماز پڑھنے والا قرأت کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو لیکن نفلی نماز میں جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال اور دوزخ کے ذکر کے وقت دوزخ سے پناہ کی التجا کر سکتا ہے اور آیت مثل پڑھے تو اس میں غور و فکر کر سکتا ہے کیونکہ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز تہجد ادا کی تو آپ جنت کے ذکر پر مشتمل آیت کو پڑھتے تو ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کرتے اور جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں آگ کا ذکر ہوتا تو ٹھہر کر دوزخ سے پناہ مانگتے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

"اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے لے اور زبان سے بھی چلائے بغیر ٹے (یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی ۳ے اور نہ ہو جاؤ (یاد الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے ۴ے"

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 73 (وزارت) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 303 (قدیمی)

ل ابن عباس فرماتے ہیں ذکر سے مراد نماز میں قرأت ہے، یعنی سری نمازوں میں سراً اپنے دل میں قرأت کرے۔ عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔

ع یعنی ایسی آواز سے کرے جو اخفاء سے بلند ہو لیکن زیادہ جہر سے پست ہو، یعنی جہری نماز میں بہت زیادہ بلند آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اتنی آہستہ اور پست آواز میں قرأت کرے کہ پیچھے کھڑے ہونے والے مقتدی سن لیں۔ ابن عباس نے اس آیت کی یہی تفسیر لکھی ہے۔ ودون الجهر کا عطف فی نفسک پر ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ قرآن سر سے زیادہ اور جہر سے پست یعنی متوسط آواز میں پڑھو۔ اس کی تائید اس ارشاد سے بھی ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا۔ اسی طرح حضرت ابو قتادہ کی حدیث سے بھی اس قول کو تقویت ملتی ہے فرماتے ہیں۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ صدیق اکبر کے پاس سے گزرے تو وہ آہستہ آواز میں نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر کے پاس سے گزرے تو وہ بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب صبح رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں دونوں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر میں رات تیرے پاس سے گزرا تو تم چپکے چپکے نماز پڑھ رہے تھے۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس کو سنا رہا تھا جس سے میں مناجات کر رہا تھا۔ پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ میں تیرے پاس سے گزرا تو تم بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ عرض کی یارسول اللہ! میں سوئے ہوؤں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ نبی کریم مرشد کامل ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر تھوڑا اپنی آواز کو بلند کرو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم اپنی آواز کو تھوڑا پست کرو(1) اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے عبداللہ بن رباح الانصاری سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی ہو کہ ان کو سراً اور جہراً پڑھو لیکن بہت زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھو، یعنی کبھی آہستہ پڑھو اور کبھی بلند آواز سے پڑھو۔ ابو داؤد نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رات کے وقت نبی کریم ﷺ کبھی بلند آواز سے قرأت کرتے اور کبھی آہستہ آواز میں(2)۔ ترمذی نے عبداللہ بن ابی قیس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے نبی کریم ﷺ کی قرأت کے متعلق پوچھا کہ آپ ﷺ آہستہ قرأت کرتے تھے یا بلند آواز سے کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا آپ دونوں طرح پڑھتے تھے، کبھی سراً اور کبھی جہراً قرأت کرتے تھے۔ میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے معاملہ میں وسعت پیدا فرمائی(3) ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

فصل: رات کے وقت نماز کے اندر اور نماز کے باہر قرأت کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جہراً پڑھنا ضروری ہے اور آہستہ مکروہ ہے اور دلیل حضرت ام ھانی اور حضرت ابن عباس کی مذکور حدیث ہے کہ آپ ﷺ کی قرأت حجرے سے باہر سنائی دیتی تھی درآنحالیکہ آپ ﷺ گھر میں ہوتے تھے اور حضرت ام ہانی نے اپنے گھر حضور ﷺ کی قرأت سنی تھی۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ قاری کو اختیار ہے چاہے تو جہراً قرأت کرے چاہے آہستہ کرے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ کی احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ کبھی آہستہ اور کبھی جہراً قرأت کرتے تھے۔ علامہ طحاوی فرماتے ہیں حضرت ام ہانی اور حضرت ابن عباس کی حدیث میں جہراً قرأت کا ذکر کبھی کبھی آہستہ قرأت کرنے کے منافی نہیں ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 188 مطبوعہ (نور محمد) 2۔ ایضاً، صفحہ 187

3۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 59 (وزارت تعلیم)

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث یہ بیان کرتی ہے کہ نمازی اگر آہستہ قرأت کو پسند کرتا ہے تو آہستہ قرأت کرے اور اگر بلند آواز سے کرنا چاہتا ہے تو بلند آواز سے قرأت کرے۔ اور یہی اختیار اولیٰ ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا یہی قول ہے پھر اختیار دینے والے علماء میں بعض فرماتے ہیں کہ اخفات (آہستہ قرآت کرنا) افضل ہے کیونکہ عقبہ بن عامر کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے بلند آواز سے قرآن پڑھنے والا ظاہراً صدقہ کرنے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآت کرنے والا سراً صدقہ کرنے والے کی طرح ہے(1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد' ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سراً صدقہ کرنا علانیہ صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اگر ظاہر کرو (اپنی) خیرات تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو انہیں فقراء کو تو یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اخفات افضل ہے۔

حضرت الاعمش سے مروی ہے فرماتے ہیں میں ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ قرآن حکیم سے دیکھ کر قرأت کر رہے تھے۔ پھر ایک آدمی نے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے قرآن حکیم کو ایک طرف رکھ دیا اور فرمایا تاکہ یہ شخص یہ گمان نہ کرے کہ میں ہر وقت قرأت کرتا رہتا ہوں۔ ابو العالیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص نے کہا رات میں نے اتنا قرآن پڑھا ہے تو دوسرے صحابہ نے کہا اس سے تیرا اتنا ہی حصہ ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ جہراً افضل ہے۔ ان کے دلائل سابقہ احادیث ہیں جو جہر کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ اور اس کے علاوہ صحیحین کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا کہ اچھی آواز والے نبی کو جو سنتا ہے جو بلند آواز سے قرآن کو اچھی لے میں پڑھ رہا ہوتا ہے(2)۔ اللہ تعالیٰ کے سننے سے مراد رضا اور قبولیت ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تجھے آل داؤد کی غنا میں غنا عطا کی گئی ہے(3)' ابن ماجہ نے فضالہ بن عبید سے روایت کی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اچھی آواز میں جہراً قرأت کرنے والے شخص کو اس مالک سے زیادہ سنتا ہے جو گانے والی لونڈی کی آواز کو سنتا ہے۔ ابو داؤد، نسائی وغیرہ نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن کو مزین کرو(4) ابو حامد امام غزالی اور دوسرے علماء نے ان احادیث میں تطبیق اس طرح کی ہے کہ آہستہ پڑھنا ریاء سے بہت دور ہے پس یہ اس شخص کے حق میں افضل ہے جسے ریاء کا اندیشہ ہو اور اگر ریاء کاری کا اندیشہ نہ ہو تو جہراً افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جہراً پڑھنے کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے پس یہ افضل ہے دوسرا یہ کہ جہراً پڑھنا قاری کے دل کو بیدار رکھتا ہے اور اس کی توجہ کو قرآن میں جمع رکھتا ہے اور اس کے سماعت کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ جہراً پڑھنا نیند کو دور کرتا ہے اور چستی و نشاط میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے سونے والوں اور غافلوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے۔ اگر جہراً پڑھنے میں یہ سب فوائد پیش نظر ہوں کہ جہراً افضل ہے اگر یہ تمام نیات جمع ہوں تو اجر بھی کئی گنا ہوگا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ قرآن سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ میں کہتا ہوں جہراً قرآن پڑھنے کے متعلق احادیث کثیرہ اور صحابہ' تابعین کے اتنے آثار مروی ہیں جن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا لیکن یہ سب اس کے حق میں ہیں جسے ریا کاری' عجب اور دوسرے قبائح کا اندیشہ نہ ہو اور دوسروں کی نماز کے خلط ملط کا خوف نہ ہو۔ اگر کسی کو ان چیزوں میں سے کسی کا خوف ہو تو اس کے لیے جہر جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس قسم کا خوف نہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 115 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 268 (قدیمی)
3۔ ایضاً
4۔ سنن ابی داؤد، صفحہ 207 مطبوعہ (نور محمد)

ہوتو جہر مستحب ہے۔ اگر قرأت کسی ایسی جماعت میں ہو جو غور سے سن رہی ہو تو وہ جہر کا استحباب مؤکدہ ہے لیکن بہت زیادہ آواز بلند کرنا جائز نہیں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دے کیونکہ ارشاد ہے و دون الجھر من القول۔ امام محمد نے اپنے مؤطا میں امام مالک سے انہوں نے اپنے چچا ابی سہیل سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نماز میں جہراً قرأت کرتے تھے۔ اور ان کی قرأت کی آواز دار ابی جہیم میں سنائی دیتی تھی۔ امام محمد فرماتے ہیں جہری نمازوں میں جہراً قرآت کرنا افضل ہے بشرطیکہ انسان اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے(1) واللہ اعلم۔

اگر یہ کہا جائے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر بدعت ہے اور ذکر و دعا میں اخفاء سنت ہے جیسا کہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کی تفسیر میں گذر چکا ہے پھر ذکر اور قرأت قرآن میں فرق کی وجہ کیا ہے حالانکہ قرأت قرآن بھی ذکر ہے۔ ہم کہیں گے قرآن وعظ و نصیحت اور احکام پر مشتمل ہے اس کا نظم بذات خود معجز اور بیمار قلوب کو اسلام کی طرف بلانے کا موجب ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ۔

نیز قرآن کو زبان سے پڑھنا ذکر سے زائد عبادت ہے کیونکہ قرأت کے ذریعے دل سے غفلت کو دور کیا جاتا ہے۔ قرآن دوسروں کو سنانا بھی ایک اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ عبادت ہے بخلاف ذکر اور دعا کے کیونکہ دعا سے مقصود قبولیت ہوتا ہے اور ذکر سے مقصود اس چیز کو بھلانا ہوتا ہے جو انسان کو عزیز منان رب سے غافل کرتی ہے حتی کہ نفس ذکر بلکہ اپنی ذات بھی ذاکر کی بصیرت سے ساقط ہو جائے اور اس کی بصیرت میں صرف اور صرف ایک اللہ القہار کی ذات موجود ہو۔

فائدہ: شعبہ فرماتے ہیں مجھے ایوب نے اس حدیث (زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ) کو بیان کرنے سے منع فرمایا تھا۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کراہت کی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ لوگ اس حدیث سے جس میں حضور سے رخصت مروی ہے' موجودہ زمانہ کی غلط اور بدعت آمیز لہجوں کو ثابت کریں گے۔ ابو عبیدہ نے اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر بہت سی احادیث ذکر کی ہیں اور فرماتے ہیں ان تمام احادیث کا محمل غم انگیز' خوف اسیر اور شوق آور انداز ہے نہ کہ غفلت میں ڈالنے والی مراد ہے۔ ابو عبیدہ نے اس سلسلہ میں مرفوع اور غیر مرفوع احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً حضرت طاؤس سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کون اچھی قرأت کرنے والا ہوتا ہے؟ فرمایا جس کی قرآت سن کر تو کہے کہ اس کے دل میں خوف خدا ہے(2) حضرت طاؤس سے یہ بھی مروی ہے قرآن کو عمدہ آواز میں پڑھنے والا وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ یہ روایت دارمی نے حضرت طاؤس سے روایت کی ہے۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کو عربوں کی لے اور آواز میں پڑھو۔ اہل عشق اور اہل کتاب کی غلط لے میں نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو غنا اور نوحہ کی آواز میں پڑھیں گے لیکن وہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور ان کی اس کیفیت کو پسند کرنے والوں کے دل فتنہ میں مبتلا ہوں گے(3)۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان اور رزین نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اللہ اعلم۔ مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے سینوں میں اسے یاد کرو، اس کی بارگاہ میں تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرنے کے ذریعے نہ آواز کو بلند کر کے اور نہ چیخ کر دعا کرنے کے ساتھ کیونکہ اخفاء میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں اسی معنی کے اعتبار پر و دون الجھر کا عطف فی نفسک پر عطف تفسیری ہوگا ہم نے ذکر خفی اور ذکر جہری کا مسئلہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کے ارشاد کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ اور امام بیضاوی نے جو لکھا

1۔ مؤطا امام مالک، صفحہ 101-103 (نور محمد) 2۔ سنن الدارمی، جلد 2، صفحہ 338 (المحاسن)

3۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 540 (العلمیہ)

ہے کہ یہ مقتدی کو امام کے قرأت سے فارغ ہونے کے بعد سراً قرأت کا حکم دیا گیا ہے(1)۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، یہ درست نہیں ہے کیونکہ خطاب حضور ﷺ کو ہوا ہے اور آپ ﷺ امام تھے، مقتدی نہ تھے اگر خطاب مقتدیوں کو ہوتا تو صیغہ جمع کا استعمال ہوتا مفرد نہ ہوتا جیسا کہ فَاسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ میں ہے۔ دوسرا یہ ہے سراً قرأت کرنا بھی استماع اور انصات کے منافی ہے جیسا کہ جہراً قرأت کرنا منافی ہے اور امام بیضاوی کا یہ کہنا کہ امام کے قرأت سے فارغ ہونے کے بعد قرأت کرے یہ آیت سے مستفاد نہیں ہے۔ یہ مفہوم بیان کیا جائے تو دو آیتوں کے درمیان تعارض لازم آتا ہے' تیسری بات یہ ہے کہ امام کے قرأت سے فارغ ہونے کے بعد قرأت متصور بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ امام تو قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع میں چلا جاتا ہے اور امام کے رکوع میں چلے جانے کے بعد مقتدی کے لیے قرأت نہ کرنا اجماعاً ثابت ہے۔ اور اگر امام قرأت سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی کے قرأت مکمل کرنے کے انتظار میں کھڑا رہے تو امام کا مقتدی کے تابع ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ اعلم

2۔ غدو مصدر ہے جس کا معنی اول النہار یعنی دن کی ابتدا میں داخل ہونا ہے۔ قاموس میں ہے الغدوہ کا معنی البکرۃ ہے یعنی (سویرے) یا فجر کی نماز اور سورج کے طلوع ہونے کے درمیانی وقت کو کہا جاتا ہے اور الاصابہ صبل کی جمع ہے جس کا معنی دن کا آخری وقت ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو کہتے ہیں۔ صبح اور عصر کے وقت ذکر کو خاص کرنا ان اوقات کے شرف کے اظہار کے لیے ہے اور مراد ذکر پر دوام ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو۔ میں کہتا ہوں یہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ کے بعد بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذکر سے مراد عام ہے خواہ قرأت قرآن ہو یا کوئی دوسرا ذکر اور مقصود شیطان لعین کو دھتکارنا ہے خواہ کسی طریقہ سے ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

"بے شک جو مقرب ہیں تیرے رب کے وہ تکبر نہیں کیا کرتے اس کی عبادت سے 1 اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اس کی 2 اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں 3"

1۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جسمانی عبدیت اور قرب ممتنع ہے اس لیے اس قرب وعبدیت سے مراد فضیلت وکرامت ہے' اور الذین سے مراد انبیاء کرام ملائکہ اور صالح مؤمنین ہیں' یعنی یہ بزرگ ہستیاں اپنی ذوات پر تکبر وغرور نہیں کرتیں۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے آپ کو عظیم بناتے ہیں۔

2۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر نقص اور عیب سے منزہ و مبرا بیان کرتے ہیں جو اس کی شایان شان نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں سبحان ربی الاعلی (پاک ہے ہر نقص سے میرا بلند و بالا رب)

3۔ اور وہ سجدہ اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ حضرت معدان بن طلحہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں حضور نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان سے ملا تو میں نے کہا ثوبان! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جسے میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی وجہ سے جنت میں داخل فرمائے۔ حضرت ثوبان خاموش رہے میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پوچھا تو فرمایا میں نے یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے

1۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 233 (فراس)

سجدہ کیا کرو۔ تو جب بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرے گا اللہ تعالیٰ تیرا ایک مرتبہ بلند فرمائے گا اور اس کی وجہ سے ایک خطاء معاف فرمادے گا۔

معدان فرماتے ہیں پھر میں حضرت ابودرداء سے ملا ان سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی حضرت ثوبان کی طرح جواب دیا اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے(1) حضرت ثوبان سے ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سجدہ کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کی ایک خطا معاف فرماتا ہے(2) اس حدیث کو احمد' ترمذی نسائی' ابن حبان اور بغوی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے پس سجدہ کی حالت میں زیادہ دعا کیا کرو۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان علیحدہ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کیا پس اس کو جنت مل گئی۔ مجھے سجدہ کا حکم ملا، میں نے انکار کیا تو میرے لیے دوزخ مقرر ہوئی۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ربیعہ بن کعب سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں رات گزارتا تھا اور آپ ﷺ کو وضو کا پانی اور دوسری ضروریات (مسواک وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک دن بحر رحمت جوش میں آیا) اور مجھے فرمایا مانگو (جو مانگتے ہو) میں نے عرض کی حضور میں آپ سے جنت میں آپ کی سنگت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ چاہیے۔ میں نے عرض کی میرا پھر بھی وہی سوال ہے۔ فرمایا اپنے اوپر کثرت سجود لازم کر کے میری مدد کرو۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے(4)

سجدہ تلاوت کے مسائل سورۃ انشقت میں ہم نے مفصل بیان کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهِ الْمُجْتَبٰى وَاَصْحَابِهِ التُّقٰى اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغِيْثُ بِرَحْمَتِكَ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَ وَفِّقْنِيْ بِخِدْمَةِ الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَالْحَدِيْثِ اِلٰى وِصَالِكَ الْجَلِيْلِ وَاَعْطِنِيْ بِحَبِيْبِكَ الْكَرِيْمِ ثَرْوَةَ الْخُلُوْصِ وَالْاِخْلَاصِ بِدِيْنِكَ الْاِسْلَامِ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

سورۃ اعراف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نبی کریم رؤف رحیم کی نظر شفقت سے بروز بدھ بوقت پانچ بجے مکمل ہوئی، جبکہ مؤذن عصر کی اذان پڑھ رہا ہے اور عظمت الہیہ اور رسالت محمدیہ کی گواہی دے رہا ہے۔ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اے مالک الملک دم واپسیں اسی کلمہ طیبہ کی سعادت عطا فرمانا اور اسی کے طفیل سے بغیر حساب وکتاب کے اپنے برگزیدہ بندوں کی صف میں جگہ عطا فرمانا۔

اے رب العالمین سورۃ پاک کے ترجمہ اور تفسیر کے طفیل مجھے میرے والدین میرے اہل بیت میرے بہنوں بھائیوں کو ہمیشہ اپنے سایہ رحمت میں رکھنا۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 193 (قدیمی)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 51، سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 171 (وزارۃ التعلیم اسلام آباد)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 191 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 193 (قدیمی)

مشہور ومعروف محدث ومفسر حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

کا عظیم شاہکار

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء

مولانا محمد اکرم الازہری، مولانا محمد سعید الازہری

اور مولانا محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

جلد اس علمی کارنامے کو منصۂ شہود پر لانے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔